DUE DATE

Cl. No. ______________ Acc. No. ______________

Late Fine Ordinary books **25 Paise** per day. Text Book **Re. 1/-** per day. Over Night book **Re. 1/-** per day.

اہنامہ

یثاق

لاہور

جنوری ۱۹۹۱

981

ئول

"اسلامی جمہوری اتحاد" کی نو تشکیل شدہ حکومت
اوّلین ذمہ داریاں ——— فکر اقبال کی روشنی میں
مرکزیہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام یوم اقبال پر امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلا

ترجمہ قرآن کی تحریک رُو بہ زوال

اب ترجمہ قرآن کریم کی یہ تحریک رو بہ زوال ہو رہی ہے اور جس تحریک نے مسلمانوں کے اندر عقائد حقہ پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا وہ سلسلہ تعلیم و تبلیغ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جماعت ولی اللہی کا ایک بڑا طبقہ اس تحریک سے دلچسپی لینے کے بجائے اس کی جگہ اُردو کتابوں کے مذاکرہ کو اہمیت دے رہا ہے۔ اس طبقہ میں دینی مذاکروں اور دینی اجتماعات کے اندر "درس قرآن" کا کوئی پروگرام نہیں رکھا جاتا بلکہ اُردو کتابوں کی تلاوت کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ امام مسجد نماز کے بعد قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر ان کا ترجمہ اور آسان مطلب بیان نہیں کرتا بلکہ فضائل اعمال کی چند حدیثوں کا اُردو ترجمہ پڑھ کر دعا کرا دیتا ہے۔

دینداروں کی زبان پر قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کا نام نہیں آتا۔ بلکہ چند مخصوص اُردو کتابیں ہیں۔ جن کا اُٹھتے بیٹھتے ذکر خیر کیا جاتا ہے۔ آپ کو مساجد میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کی کتابیں کم نظر آئیں گی۔ فضائل کی اُردو کتابیں زیادہ نظر آئیں گی۔

حالانکہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے پورے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ کی یہ برکت ہے۔

۱۔ اس کے پڑھنے سے بچوں اور بچیوں اور کم علم لوگوں میں فطری سلامتی قائم رہتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہر انسان کو جو فطرت سلیم عطا فرمائی ہے وہ ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ رہتی ہے

۲۔ اور اگر ماحول کے بُرے اثرات مسلمان کو گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں تو پھر بھی اس ترجمہ کی برکت سے مسلمان کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(نوٹ) مقدمہ فتح الرحمان کے مذکورہ بالا اقتباسات اس قلمی نسخہ سے لیے گئے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل ہوتا ہے۔ بے شک دین کی ہر کتاب پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے مگر جو بات کلام خداوندی اور اس کے ترجمہ و تشریح کے اندر ملتی ہے وہ دوسری جگہ کہاں ؟

(ماخوذ از "محاسن موضح القرآن")

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۴۰
شمارہ:	۱
جمادی الاخریٰ	۱۱ ۱۴ھ
جنوری	۱۹۹۱ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرِ تعاون	-/۵۰

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/-
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel 312 969 6755

c/o Mr Rashid A Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel 313 977 8081

CANADA US $ 12/-
c/o Mr Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/-
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlesex EN 34 RP
Tel 01 805 8732

MID - EAST DR 25/-
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel - 479 192

INDIA US $ 6/-
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4 -1 - 444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel 42127

K S A SR 25/-
c/o Mr. M Rashid Umar
P O Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/-
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH
TEL 6702180

D.D./Ch To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی- فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

پچھلے شمارے میں تنظیم اسلامی کے سولہویں سالانہ اجتماع کے لئے ۲۲ تا ۲۵ فروری کی تاریخوں کا اعلان قارئین کی نگاہ سے گزرا ہوگا۔ اس بار یہ اجتماع انشاء اللہ العزیز کراچی میں ہوگا۔ تنظیم اسلامی کی مختصر سی تاریخ میں غالباً یہ دوسرا موقع ہوگا کہ اس کا سالانہ اجتماع اس کے ''مولد و مسکن'' لاہور کی بجائے کسی دوسرے مقام پر منعقد ہو رہا ہے۔ اس سے قبل ۱۹۸۸ء میں بہاولنگر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی طارق آباد میں اس کا انعقاد ہوا تھا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تنظیموں کی زندگی میں سالانہ اجتماعات نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ملک بھر کے رفقاء کا جن کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کسی دنیاوی غرض سے نہیں، صرف دین و مذہب اور مقصد و نصب العین کے حوالے سے ہے، کسی ایک جگہ فی اللہ اور للہ جمع ہونا، گزشتہ سال کی کارکردگی پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالنا، خدمتِ دین کا جو کام بَن پڑا اس پر اللہ کا شکر بجا لانا اور جن کوششوں میں کوتاہی رہی ان پر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہوئے آئندہ کوتاہی نہ کرنے کا عزم مصمم کرنا، اپنے مقصدِ سفر اور نصب العین کے شعور کا از سرِ نو تازہ کرنا، اور پھر آئندہ کے لئے اِک ولولہ تازہ لے کر اجتماع گاہ سے رخصت ہونا، تنظیمی اعتبار سے مفید اور باعثِ برکت ہی نہیں، ضروری اور ناگزیر بھی ہے ...... اِس اجتماع کا ایک کسی قدر تفصیلی اعلان اس شمارے میں بھی شامل ہے۔

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی بیرون ملک سفر سے واپسی ۲۶ دسمبر کو ہو گئی تھی۔ حسبِ پروگرام انہوں نے لاس اینجلس (امریکہ) کے مضافات میں واقع اورنج کاؤنٹی کے اسلامک سنٹر میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل سیرت کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس کے شرکاء میں پاک و ہند کے مسلمانوں کے علاوہ ایک کثیر تعداد عرب مسلمانوں کی بھی تھی۔ شام کے اجلاس میں جو کانفرنس کا Main Session تھا مرکزی تقریر امیرِ

تنظیم ہی کی تھی۔ اسلامک سنٹر ہی میں دوسرے روز بھی امیر تنظیم کے خطاب پر مشتمل ایک پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جہاں خطاب اردو زبان میں ہوا۔ اس کانفرنس کے ذریعے عرب اسکالرز اور بالخصوص دینی جذبہ رکھنے والے عرب نوجوانوں سے قریبی رابطے کا موقع ملا۔ اس سے قبل اِسنا کنونشن میں امیر محترم کی شرکت بھی عرب کمیونٹی سے دو طرفہ تعارف کا ذریعہ ثابت ہوئی تھی۔ امیر تنظیم کے دروسِ قرآن خصوصیت کے ساتھ عرب نوجوانوں کی دلچسپی کا باعث بنتے رہے۔ قرآن حکیم کا اس انداز میں درس و بیان ان کے لئے متأثر کن ہی نہیں حیران کن بھی تھا! .... جاتے ہوئے چند روز شکاگو میں قیام بھی امیر تنظیم کے پروگرام میں شامل تھا۔ شکاگو میں قیام حسب سابق محترم ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے ہاں رہا جہاں امیر تنظیم کو رفقاء کے ایک اجتماع میں شرکت کا موقع ملا۔ شکاگو ہی میں محترم ڈاکٹر اشرف طور صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دولت کدے پر انجمن خدام القرآن کے ارکان اور تنظیم کے رفقاء کے مشترکہ اجتماع میں امیر تنظیم کے خطاب کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ اس طرح شکاگو میں مقیم قریباً تمام رفقاء و احباب سے ملاقات اور گفتگو کا موقع میسر آیا۔ قیام امریکہ کے دوران امیر تنظیم کا ایک دن سانتا کلارا (سان فرانسسکو) میں بھی گزرا۔ یہاں درس و خطاب کے دو پروگرام ہوئے۔ احباب کے ایک اجتماع میں خطاب رات کو ہوا اور صبح بعد نماز فجر درس قرآن!

امیر تنظیم اسلامی کا امریکہ سے واپسی کا سفر کرۂ ارضی کی دوسری جانب سے ہوا۔ امیر تنظیم کے لئے بحرالکاہل عبور کرنے اور دنیا کے گرد چکر مکمل کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ واپسی کے سفر میں ملائشیا میں مختصر قیام بھی پروگرام کا حصہ تھا۔ رفیق تنظیم اسلامی محترم نعیم غفور شیخ صاحب وہاں میزبان تھے۔ تین روزہ مختصر قیام کے دوران میں مختلف مقامات پر امیر تنظیم کے خطابات ہوئے۔ خطاب کا ایک پروگرام نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے ایک ادارے "ABIM" میں ہوا' دوسرا پروگرام ایک پاکستانی ساتھی کے گھر پر تھا جہاں مردوں اور عورتوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے امیر تنظیم کے خطاب کو سنا۔ اسی طرح احباب میں سے ایک دوست نے کسی ہوٹل میں استقبالئے کا پروگرام ترتیب دیا تھا جس میں امیر محترم کی شرکاء سے گفتگو رہی۔ علاوہ ازیں ملائشیا میں قیام کے پہلے ہی روز ملائشیا ٹیلی وژن کے اسلامی پروگرام کے لئے امیر تنظیم کو دعوت دی گئی جہاں آپ نے پندرہ

پندرہ منٹ کے چھ Chunks ریکارڈ کروائے ۔ یہ بلاشبہ ایک بہت مشقت طلب پروگرام تھا جس کا مجموعی دورانیہ چار گھنٹوں پر محیط تھا۔

ملائشیا کے بعد امیر تنظیم کو ڈیڑھ دن کے لئے سنگاپور میں قیام کا بھی موقع ملا ۔ یہاں اس مختصر سے وقت ہی میں دروس و خطاب کے تین پروگرام ترتیب پا گئے ۔ چنانچہ ایک خطاب تو وہاں کے ایک مشہور دینی مرکز "الجمعیۃ الاسلامیہ" میں ہوا ' پھر تبلیغی جماعت کے مقامی مرکز میں بعد نماز فجر درس قرآن کا ایک پروگرام ہوا اور خطاب کا تیسرا پروگرام ایک دوست کے مکان پر ہُوا جہاں بہت سے احباب جمع تھے ۔ یہ پروگرام اصلاً خواتین کے لئے تھا جو ایک کثیر تعداد میں وہاں پردے کے پیچھے موجود تھیں ۔ امیر تنظیم کی پاکستان واپسی ۲۶ دسمبر کی صبح کو ہوئی اور یوں یہ انتہائی مصروف دورہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

امیر تنظیم کے اس مصروف دورے کی روداد نامکمل رہے گی اگر حالیہ سفر میں شامل ان کے تین روزہ قیامِ کراچی اور تین ہی دن پر مشتمل قیامِ پیرس کا ذکر نہ کیا جائے ۔ امریکہ جاتے ہوئے کراچی میں تین دن نہایت مصروف گزرے ۔ ان تین دنوں میں تنظیم کراچی کے ایک ماہانہ اجتماعِ عمومی میں شرکت و خطاب اور ایک اجتماع رفقاء سے خطاب کے علاوہ ایک جلسۂ عام سے خطاب کا پروگرام بھی شامل تھا...... پیرس میں مختصر قیام کے دوران شہر کی مرکزی مسجد میں دو خطابات ہوئے ۔ پہلے دن خطاب کا موضوع تھا ' فرائضِ دینی کا جامع تصور ' اور دوسرے روز ' منہجِ انقلابِ نبویؐ ' کا بیان ہوا۔

پاکستان واپس تشریف لا کر امیر تنظیم نے ۲۸ دسمبر کے خطاب جمعہ میں نہایت اختصار کے ساتھ اپنے دورے کے تاثرات سامعین کے سامنے رکھے اور ملکی و بین الاقوامی حالات کا تجزیہ قدرے تفصیل سے پیش کیا ۔ سورۃ الروم کی آیت " ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ " کے حوالے سے آپ نے توجہ دلائی کہ دنیا کے طول عرض میں فتنہ و فساد کے سائے بہت گہرے ہو چکے ہیں ' مشرق وسطیٰ کے حالات انتہائی مہیب صورت اختیار کر چکے ہیں ' دنیا ایک تیسری عالمگیر جنگ کے دہانے پر ہے ' اندرون ملک بھی صورت حال کچھ زیادہ قابل اطمینان نظر نہیں آتی اور ہم ہیں کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کے لئے کسی طور آمادہ نہیں ہوتے ! امیر تنظیم کا یہ خطاب انشاء اللہ العزیز ' ندا ' کی ۱۵ جنوری کی اشاعت میں شامل ہوگا ۔ سردست اِس خطاب کا پریس ریلیز اسی شمارے میں نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے ۔

جملہ رفقاء و احباب تنظیم مطلع رہیں کہ ان شاء اللہ العزیز اس سال

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

جمعۃ المبارک ۲۲ فروری تا سوموار ۲۵ فروری ۹۱ء دوپہر

قرآن اکیڈمی کراچی

ڈی ایم - ۵۵، خیابانِ راحت، درخشاں فیز VI ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی میں منعقد ہوگا

• تنظیم کے رفقاء و احباب ۲۲ فروری کو صبح کی گاڑیوں سے لازماً کراچی پہنچ جائیں۔ کراچی چھاؤنی ریلوے سٹیشن پر ۲۲ فروری کو صبح سے بعد دوپہر تک استقبالیہ کیمپ قائم رہے گا اور اجتماع گاہ تک جانے کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام ہوگا۔ بعد میں آنے والے حضرات کو خود قرآن اکیڈمی پہنچنا ہوگا جو کہ کافی مشکل ہے • بیرونِ پاکستان سے آنے والے حضرات کا ہم کراچی ایئرپورٹ پر استقبال کریں گے وہ اپنی آمد فلائٹ نمبر اور شیڈول ٹائم، سے ناظم اجتماع کو لازماً قبل از وقت مطلع کریں • مقامی امراء اور منفرد رفقاء اپنی آمد و روانگی کے پروگرام اور شرکاء کی متوقع تعداد سے ناظمِ اجتماع سید محمد نسیم الدین صاحب امیر تنظیم اسلامی کراچی کو دفتر تنظیم اسلامی کراچی ۱۱۔ داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی کے پتہ پر یکم فروری ۹۱ء سے قبل مطلع فرمائیں۔

مزید برآں

سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل ۱۵ فروری بعد دوپہر تا ۲۱ فروری ۹۱ء شام قرآن اکیڈمی کراچی ہی میں رفقائے تنظیم کے لیے ایک تربیت گاہ منعقد ہوگی۔

- مبتدی رفقاء کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اس میں شرکت کرنی چاہیے۔
- بالخصوص بیرونِ پاکستان تنظیموں کے امراء اور رفقاء شرکت کی بھرپور کوشش کریں۔
- متوقع شرکاء اپنے پروگرام سے ناظم اجتماع کو ۲۱ جنوری سے قبل مطلع فرمائیں۔
- ۱۵ فروری صبح تا بعد دوپہر کراچی چھاؤنی اسٹیشن پر استقبالیہ کیمپ قائم رہے گا۔

نوٹ: شرکاء اجتماع اپنی ضرورت کی اشیاء مثلاً مناسب بستر، پلیٹ، کپ وغیرہ ہمراہ لائیں گے۔ اجتماع گاہ چونکہ سمندر کے قریب ہے لہٰذا ہلکی خنکی متوقع ہوگی۔

المعلن: **ڈاکٹر عبدالخالق، ناظمِ اعلیٰ تنظیمِ اسلامی، پاکستان**

تذکرہ وتبصرہ

"اسلامی جمہوری اتحاد" کی تشکیل شدہ حکومت کی

اوّلین ذمّہ داریاں

فکرِ اقبال کی روشنی میں

مرکزیہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام یوم اقبال کی تقریب سے امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

وطن عزیز اور مملکتِ خداداد پاکستان میں سیاست اور حکومت کی سطح پر جو عظیم تبدیلی حال ہی میں رونما ہوئی ہے میرے نزدیک اس کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ہمیں اس ملک کے قیام کے اصل مقصد یعنی اسلامی اقدار حیات کی ترویج او ان کے نفاذ کے لئے چوالیس سالوں میں تیسری بار ایک سنہری موقع عطا ہوا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جس طرح پاکستان کا قیام اجتماعیاتِ انسانی کے ایک معجزے کی حیثیت رکھ ہے اسی طرح اس وقت یہ عظیم الشان تبدیلی بھی کسی طرح ایک معجزے سے کم نظر نہیں آتی۔ یہ واقعتاً ایک بڑی محیرالعقول تبدیلی ہے جس پر اچھے اچھے سکتے کی حالت میں ہیں پی ڈی اے کے نقاب تلے پیپلز پارٹی کی شکست اور آئی جے آئی کے نقاب تلے قائد اعظ اورِ علامہ اقبال کی مسلم لیگ کی عظیم الشان فتح خود فریقین کے لئے بھی حیران کن ہے او پوری دنیا میں بھی اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہماری نو منتخب قیادت کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ تبدیلی اب اُ کے لئے ایک بہت بڑی ذمہ داری اور امتحان کا ذریعہ ہے۔ یہ بات ہمیں قرآن حکیم ۔ مطالعے سے معلوم ہوتی ہے کہ کوئی جماعت جو مظلوم و مقہور اور مجبور و مستضعف ہوا پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت کے تحت اسے غالب کر دے اور حکومت و اختیار۔ نواز دے تو یہ اچانک تبدیلی اس قوم کے لئے ایک اضافی آزمائش کا سبب بن جایا کرتی۔

فرعون کے ظلم و استبداد تلے دبی ہوئی قوم بنی اسرائیل نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس جور و ستم کی فریاد کی تو آپؑ نے فرمایا:

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ٥
(الاعراف: ۱۲۹)

"کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالے اور تمہیں زمین میں غلبہ عطا فرما دے' پھر دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو!"

مغلوبیت کی حالت میں تو انسان کہتا رہتا ہے کہ اگر ہمارے پاس طاقت ہو' اختیار ہو تو ہم یہ کر دیں' وہ کر دیں ـــــ لیکن اس کی اصل آزمائش اسی وقت ہوتی ہے جب بالفعل سے غلبہ و اختیار حاصل ہو جائے۔ یہی مضمون سورۂ یونس میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ٥ (یونس: ۱۴)

"پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ ہم دیکھیں کہ (اب) تم کیا کرتے ہو!"

ان آیات مبارکہ کا انطباق پوری طرح ہمارے موجودہ ملکی حالات پر ہوتا ہے۔ اس وقت پیپلز پارٹی "اَنْ یُّهْلِکَ عَدُوَّکُمْ" کے الہامی الفاظ کا مصداقِ کامل بنتی نظر آ رہی ہے اور اس صدمے سے اس کا جانبر ہونا آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ مسلم لیگ کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہے جس کے قائدین نے اسلام کے حوالے سے سیاسی تحریک چلائی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں نفاذِ اسلام کے کام میں عملاً کیا پیش رفت ہوتی ہے۔ اگر ہمارے موجودہ حکمران اس مقصد میں ناکام ہو گئے تو عین ممکن ہے کہ سیاسی اعتبار سے دم توڑتی ہوئی پیپلز پارٹی پھر سے اٹھ کھڑی ہو اور اپنے نعرے اور منشور کے ساتھ دوبارہ سامنے آ جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک خداداد موقع جو ہمیں اب ملا ہے چوتھی بار نہ مل سکے۔ اس سے پہلے نفاذ اسلام کے جو دو مواقع ہمیں حاصل ہوئے تھے وہ ہم نے ضائع کر دیئے' یا یوں کہہ لیجئے کہ مختلف اسباب کی بنا پر ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے' لیکن اُن اسباب کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔

نفاذِ اسلام کا تیسرا سنہری موقع!

پہلا موقع ہمیں اللہ تعالیٰ نے اُس وقت عطا فرمایا تھا جب پاکستان ایک خالص معجزے

کی صورت میں ابھی قائم ہوا ہی تھا۔ معجزہ اس لئے کہ خود قائد اعظم کیبنٹ مشن پلان پر دستخط کر کے گویا ایک آزاد اور خود مختار پاکستان کے مطالبے سے تقریباً دستبردار ہو چکے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو ظہور بخشا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد عوام میں بے پناہ جوش و خروش اور جذبہ موجود تھا' فقہی اور فرقہ وارانہ اختلافات بالکل پس منظر میں جا چکے تھے' قوم ایک بنیان مرصوص بن چکی تھی اور تعمیرِ نو کا ایک جذبہ ہر قلب میں موجزن تھا۔ اُس وقت اگر کوئی فیصلہ کن قدم اٹھا دیا جاتا تو کوئی قوت راستے کی رکاوٹ بننے والی نہیں تھی' مگر افسوس کہ ہم نے اس موقع کو ضائع کیا اور اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہ کی۔ ربع صدی کی طویل مہلتِ عمل کے بعد آخر ۱۹۷۱ء میں عذابِ الٰہی کا کوڑا جس شدت سے ہماری پیٹھ پر برسا اس کی یاد بھی سوہانِ روح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عالمِ اسباب میں پاکستان ٹوٹنے کی وجوہات کچھ بھی ہوں' درحقیقت یہ سورۃ السجدہ کی آیت " وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (ہم لازماً انہیں مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں!) کے مصداق رب ذوالجلال کی طرف سے 'چھوٹے عذاب' کا ایک نمونہ تھا کہ شاید یہ قوم اپنی روش سے باز آ جائے اور اسے اپنا بھولا ہوا سبق یاد آ جائے کہ ع کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو! لیکن افسوس کہ ہم نے اس عظیم سانحے سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔

اس ضمن میں دوسرا سنہری موقع ہمیں ۱۹۷۷ء میں عطا ہوا تھا جب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ان حالات میں اقتدار سنبھالا کہ عوام کے سینوں میں 'تحریکِ نظامِ مصطفیٰ' کی حرارت پوری شدت کے ساتھ موجود تھی اور وہ نظامِ مصطفیٰ (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنانے کے لئے پورے طور پر آمادہ بلکہ دل و جان سے بے قرار تھے مگر اپنی کوتاہیوں سے ہم نے وہ موقع بھی ضائع کر دیا۔ اسلامائزیشن کی جانب کچھ جزوی سی پیشقدمی اس وقت شروع کی گئی جب تحریک نظامِ مصطفیٰ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جذبات امتدادِ زمانہ کے باعث سرد پڑ چکے تھے۔ چنانچہ اُس وقت اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف کوئی مؤثر عملی پیش رفت نہ کی جا سکی' اگرچہ حکمران طبقے کی طرف سے اسلام اور اسلامائزیشن کا نام جتنا اس دور میں لیا گیا اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ ضیاء الحق صاحب تحریک نظامِ مصطفیٰ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے قومی جوش و خروش سے فائدہ نہ

اٹھا سکے اور گیارہ برس تک سوائے اسلام اسلام پکارنے یا نیم دلی سے چند برائے نام اقدامات کرنے کے اور کچھ نہ کر سکے!

اب یہ تیسرا سنہری موقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اور میں یہ عرض کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں کہ اگر ہم نے خدانخواستہ یہ موقع بھی ضائع کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر ہمیں کوئی اور موقع نہ دے۔ ۱۹۷۱ء کے سانحہ کو انیس برس بیت چکے ہیں اور اگر موجودہ حکمرانوں نے بھی اپنے پانچ سال ؏ "اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے" کے مصداق یونہی ضائع کر دیئے اور اپنا نفاذِ اسلام کا وعدہ پورا نہ کیا تو دوسرے چوبیس برس گزر جانے کے بعد شاید وہ 'عذاب اکبر' آ جائے جس کے بعد ہمیں مزید مہلت نہ مل سکے[1]۔ اور ہم ؏ "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!" کا مصداق بن جائیں۔ معاذ اللہ ' ثم معاذ اللہ! آج وہ پاکستان جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا اور جس کے لئے قرارداد ۱۹۴۰ء میں منظور ہوئی تھی ' دنیا میں موجود نہیں ہے۔ پاکستان محض دولخت ہوتا تو بھی افسوسناک بات تھی ' لیکن اس سے آگے مشرقی پاکستان کا اپنی شناخت تک کو تبدیل کر کے بنگلہ دیش کی صورت اختیار کر لینا اور ہمارے بنگالی بھائیوں کا دو قومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کر دینا حد درجہ افسوسناک ہے، لیکن ابھی یہ غنیمت ہے کہ جس مملکت کا خواب علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں دیکھا تھا وہ تا حال ایک زندہ حقیقت کی صورت میں موجود ہے۔ علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے الفاظ یہ ہیں:

"...... میں یہ چاہتا ہوں کہ صوبۂ پنجاب ' شمال مغربی سرحدی صوبہ ' سندھ اور بلوچستان ایک ریاست میں مدغم ہو جائیں۔ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ برطانوی حکومت کے اندر رہتے ہوئے یا باہر ' خود اختیاری کا حصول اور شمال مغربی برصغیر میں مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے"۔

لیکن اگر ہم نے پچھلے دو موقعوں کے بعد یہ موقع بھی ضائع کر دیا تو کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ 'عذاب اکبر' کس شکل میں ظاہر ہو جائے ' ملک کے حصے بخرے ہو جائیں یا کچھ اور ہو جائے۔ ہم سے الگ ہو جانے والے ہمارے مشرقی بازو کا معاملہ اس اعتبار سے ہم سے بہتر شمار کیا جا سکتا ہے کہ وہاں ایک زبان اور ایک ثقافت کی حامل ایک قوم آباد ہے ' لیکن

---

[1] واضح رہے کہ قیام پاکستان کے چوبیس سال کے بعد سقوطِ مشرقی پاکستان کا حادثہ فاجعہ پیش آیا تھا۔

یہاں ہم کئی قومیتوں میں منقسم ہیں، کسی ایک زبان پر بھی ہم متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر خدانخواستہ یہاں عذاب آیا تو وہ اُس عذاب سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ اور ہم سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔

اِس وقت قوم میں بڑے پیمانے پر اس بات کا شعور پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

نظامِ اسلام کے متعلق دو مختلف تصورات

اس مرحلے پر میں آپ سب حضرات اور بالخصوص دانشور حضرات کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک اس ملک میں نظام اسلام کے قیام کی سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ یہاں ' نظام اسلام ' کے متعلق دو متضاد تصورات موجود ہیں۔ امت کے وہ ذی شعور حلقے جو کسی نہ کسی اعتبار سے قیادت کے منصب پر فائز ہیں یا کسی درجے میں رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، سورۃ الرحمٰن میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ" کے مصداق دو طبقوں میں منقسم ہیں اور ان کا " نظام اسلام " کا تصور ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے نزدیک اسلام کا جو پہلو زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ نظام اسلام کے نفاذ کو انہی معنوں میں لیتا ہے۔ ان میں سے ایک طبقہ علمائے کرام کا ہے، یعنی درسِ نظامی کے قدیم نظامِ تعلیم سے فارغ ہونے والے حضرات جو مساجد اور دینی مدارس میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کا جو پہلو زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ عقیدہ[1]، عبادات[2]، عائلی قوانین[3]، ستر[4] و حجاب اور عفت و حیا جیسی تہذیبی اقدار کے فروغ اور شرعی[5] حدود کے نفاذ کے لئے افتاء و قضاء کے نظام پر مشتمل ہے۔ نظامِ اسلام کا اس سے آگے ہمارے علمائے کرام بالعموم کوئی تصور نہیں رکھتے، الا ماشاء اللہ۔ ان کے ہاں سماجی عدل یا سیاسی و معاشی سطح پر عوام کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ درحقیقت ان کا تصورِ دین ہماری تیرہ سو سالہ تاریخ کے اثرات کی وجہ سے محدود ہوگیا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد بہت جلد ہمارا سیاسی نظام ملوکیت میں تبدیل ہوگیا جو جاگیرداری اور سرمایہ داری کے بل پر قائم تھا۔ چنانچہ اسلام کا سیاسی اور اقتصادی نظام (Economic System Politico) جس کی ایک حسین جھلک دورِ خلافتِ راشدہ میں نوعِ انسانی کو نظر آئی تھی، لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہوگیا۔ اس تیرہ سو سالہ دور میں عدلِ اجتماعی کا شعبہ علمائے

کرام کے دائرہ کار سے خارج رہا' لہٰذا رفتہ رفتہ اس کی اہمیت بھی ان کے ذہن سے محو ہوتی چلی گئی اور ان کے نزدیک دین کا کل دائرۂ اثر ان چیزوں تک محدود ہو کر رہ گیا جو میں نے ابھی گنوائی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام کا طبقہ جب نفاذِ اسلام یا تنفیذِ شریعت کی بات کرتا ہے تو اس کے سامنے بالعموم دین کا یہی محدود تصور ہوتا ہے ۔

اس کے بالکل برعکس جدید تعلیم یافتہ حضرات کا مکتب فکر جس کے فکری امام سر سید احمد خان ہیں ' نفاذِ دین کا ایک دوسرا تصور رکھتا ہے ۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں اسی تصور دین کے حامل تھے ۔ اس مکتب فکر کے نزدیک ' نظامِ اسلام ' کے معنی یہ ہیں کہ اسلام میں کسی مذہبی طبقے کی حکومت کا کوئی تصور نہیں ۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں نے پاپائیت یا تھیوکریسی کی پُرزور نفی کی ہے ۔ اس طبقے کے نزدیک اسلام کا یہ پہلو کہ یہ ایک نظام عدل اجتماعی (System Of Social Justice) ہے ' اصل اہمیت کا حامل ہے ۔ چنانچہ ان کے ہاں نظام اسلام کے نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کو روبعمل لایا جائے ' عوام کو جمہوری طریقے سے حکومت کے معاملات میں شرکت کا حق دیا جائے ' ان کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے ۔ اسلام کے معاشرتی عدل (Social Justice) کے لئے قائد اعظم نے 'اسلامک سوشلزم " کی اصطلاح اختیار کی ۔ انہوں نے اپنے اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ : " ہمیں پاکستان اس لئے درکار ہے کہ ہم اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں " اور علامہ اقبال تو عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قدر آگے چلے گئے کہ انہوں نے

Marxism + God = Islam

کا فارمولا پیش کر دیا کہ مارکسزم میں اگر مذہبی تصورات بالخصوص توحید کے تصور کو شامل کر دیا جائے تو جو اجتماعی نظام وجود میں آئے گا وہ اسلام کے عادلانہ نظامِ اجتماعی سے بہت قریب ہو گا ۔

مزید بر آں اِن دونوں طبقات کے تصور اجتہاد میں بھی زمین و آسمان کا بُعد اور فصل نظر آتا ہے ۔ طبقہ علماء کے ہاں چاہے نظری طور پر تسلیم کیا جاتا ہو کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے ' لیکن عملاً اس کا دروازہ ایک عرصے سے بند کیا جا چکا ہے ۔ یہ حضرات اکثر و بیشتر متاخرینِ فقہاء کے ارشادات کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس سے سرِمو آگے بڑھنے کو

تیار نہیں ' بلکہ اکثر معاملات میں یہ اس سے پیچھے جانے کے لئے بھی تیار نہیں ۔ چنانچہ ایک طرف جمود کا یہ عالم ہے کہ کئی ایسے مسائل کے ضمن میں بھی کہ جن میں فقہائے احناف نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو نظرانداز کر کے صاحبین (قاضی ابو یوسفؒ ' امام محمدؒ) کے قول کو اختیار کیا تھا ' ہمارے علماء امام ابو حنیفہ کی رائے پر دوبارہ غور و فکر کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں ۔ لیکن دوسری طرف بعض جدید دانشوروں کے ہاں ایسے اجتہاد کا سراغ بھی ملتا ہے جو نصوصِ قرآنی سے بھی بالاتر ہو ۔ یہ حضرات اجتہاد کے نام پر قرآن کے واضح احکام کو بھی تبدیل کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ دونوں انتہائیں ہمارے ہاں پائی جاتی ہیں

ان دونوں طبقات کے مابین ایک اور تقسیم بھی موجود ہے اور وہ ہے ان کے اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر کی تقسیم ۔ علمائے کرام کا طبقہ حکومت و سیاست کے معاملات میں بہت غیر مؤثر ہے اور یہاں ان کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہے ۔ جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اقتدار و حکومت کے ہر میدان میں پوری طرح مؤثر نظر آتا ہے ۔ سول اور ملٹری بیوروکریسی ' عدلیہ اور حکومت کے تمام معاملات پر وہ چھایا ہوا ہے ۔ ملک کے معاشی وسائل و ذرائع بھی درحقیقت اسی کے قبضے میں ہیں ۔ اس کے برعکس عوام کے مذہبی جذبات علماء کرام کے زیر اثر ہیں ۔ انہیں مسجد و منبر کے ذریعے عوام سے مستقل رابطے کا بھرپور موقع میسّر ہے ۔ مسجد ایک مستقل اجتماع گاہ ہے جہاں عوام دن میں پانچ بار جمع ہوتے ہیں اور جمعہ کے روز تو ایک اجتماعِ عام کی صورت بن جاتی ہے ۔ پھر یہ کہ عوام کا مذہب کے ساتھ جو جذباتی لگاؤ ہے اس کے پیش نظر علماء کی بڑی اہمیت ہے ۔ اور یہ طبقہ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام کے جو نظریات یہ حضرات پیش کر رہے ہیں ان کی پشت پر بارہ تیرہ سو برس کا تسلسل اور تعامل موجود ہے ۔ چنانچہ یہ تعلیمات اور نظریات بحیثیتِ قوم ہمارے اجتماعی تحت الشعور Collective Sub-concious mind) میں جاگزیں ہو چکی ہیں ۔ لوگ ان اقدار اور تعلیمات پر خواہ خود عمل پیرا نہ بھی ہوں تب بھی وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ کون سی شے ہمارے دین میں پسندیدہ ہے اور کون سی ناپسندیدہ!

دونوں تصورات اسلام ہی کا حصہ ہیں

اس پس منظر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگرچہ نفاذ اسلام کے بارے میں دونوں

کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!" کے مصداق یہ ساری داستان اسلام ہی کی ہے۔ طبقۂ علماء کا تصور بھی اسلام کا جزوِ لاینفک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علماء کرام جن تعلیمات اور اقدار پر زور دیتے ہیں وہ عین اسلام ہے۔ اور چونکہ قوم کے اجتماعی تحت الشعور میں اسلام کا یہ تصور موجود ہے، لہٰذا اگر آپ عوام کو دین کے حوالے سے متحرک کرنا چاہتے ہیں تو جب تک انہیں وہ چیزیں واقعتہً نظر نہیں آئیں گی اُن کے اندر ایثار و قربانی کا کوئی جذبہ نہیں ابھرے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقے کا تصورِ دین بھی اسلام کے لئے ہرگز اجنبی نہیں ہے بلکہ سیاسی اور معاشی حقوق کا ضامن عدلِ اجتماعی کا نظام درحقیقت اسلام ہی کا عطا کردہ ہے۔ دورِ نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ ہی کے ذریعے دنیا پہلی بار ایک نظامِ عدلِ اجتماعی سے روشناس ہوئی۔ لیکن افسوس کہ اسلام کا یہ پہلو ملوکیت کے زیرِ اثر آہستہ آہستہ نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ اب ہمیں اسلام کے ان دونوں پہلوؤں کی طرف پیشقدمی کرنی ہے۔ نوعِ انسانی نے اپنے طویل عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں، جس میں اسے بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں، کچھ اقدار کو حاصل (realize) کیا ہے۔ انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس میں ہزاروں انسانوں کو اپنے خون کا نذرانہ دینا پڑا، لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ اِن انقلابات کے نتیجے میں دنیا میں یہ شعور پروان چڑھا ہے کہ انسان کے کچھ سیاسی اور معاشی حقوق بھی ہیں۔ تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اولاً اسلام ہی نے چودہ سو سال قبل ان حقوق سے نوعِ انسانی کو روشناس کرایا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ علامہ اقبال کے یہ دو اشعار اس ضمن میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو   ز آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ اورا بہاست   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰؐ ست

کہ سیاسی اور معاشی اقدار کے ضمن میں نوعِ انسانی نے جو بھی پیش رفت کی ہے یہ یا تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ اقدار ہی کی صدائے بازگشت ہے اور یا پھر وہ نوعِ انسانی کی اس سعی و جہد کا مظہر ہے جو وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام تک پہنچنے کے لئے کر رہی ہے۔

۔ اقبال کا متوازن فکر اور ان کی شخصیت

میرے نزدیک علامہ اقبال کی شخصیت ایک ایسی شخصیت ہے جو ہمارے ہاں نفاذِ
م کے راستے کی اس سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس
ر سے علامہ کی شخصیت بلاشبہ ہمارے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ ان کی شخصیت کے
ر میری غایت درجے دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے فکر میں ہمہ گیریت اور جامعیت
و کمال موجود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ قدیم و جدید کے سنگم پر کھڑے ہیں' اس
کہ ان کے ہاں اسلام کے دونوں پہلوؤں کے درمیان حیرت انگیز توازن نظر آتا ہے۔
، طرف ان کی سوچ انتہائی ترقی پسندانہ ہے اور دور جدید کے تقاضوں سے نہایت ہم
ل ہے اور دوسری طرف جہاں تک دین کی اساسات کا تعلق ہے وہ فکری اعتبار سے
ا سے انہیں تھامے ہوئے ہیں اور دین کی بنیادی اور اساسی تعلیمات و اقدار کے
لے میں وہ ہرگز کسی مداہنت یا مصالحت (compromise) کے روادار نہیں ہیں۔
کے اشعار میں مغربی تہذیب و تمدن سے شدید نفرت و بیزاری کا اظہار نمایاں نظر آتا
ا۔ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے جس طرح انہوں نے چیلنج کیا ہے وہ
ئی دوسرا نہیں کرسکا۔ ملاحظہ فرمائیے ان کے یہ اشعار۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو' خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائیدار ہوگا

ر۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

ں کے ساتھ ساتھ وہ مسلمان خاتون کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تقلید میں ستر و
اب کی مکمل پابندی کا مشورہ بھی دیتے ہیں' کیونکہ وہ اختلاطِ مرد و زن کے قائل نہیں
ے۔ فرماتے ہیں۔

ﮯ باش و پنہاں شو ازیں عصر	کہ در آغوش شبیّرے بگیری
لہ حضرت فاطمہؓ کو اپنا آئیڈیل بناؤ اور اِس زمانے کی نگاہوں سے پوشیدہ رہو تاکہ تمہاری

گود میں حضرتِ حسینؓ جیسے پھول کھلیں۔ دیکھئے وہ کس خوبصورتی سے اس حقیقت کو بیان کر گئے ہیں کہ اصل جوہر خلوت میں نمایاں ہوتا ہے، جلوت میں نہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو حجاب میں رکھا ہے اور اس کی بے پایاں تخلیقی قوتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ مسلمان خاتون بھی اگر اپنے آپ کو حجاب میں رکھے گی تو اس کی کوکھ سے انتہائی با صلاحیت بچے جنم لیں گے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ محجوب ہونے کے باوجود اپنی تخلیقات سے عیاں ہے، اسی طرح مسلمان خاتون کی صلاحیتوں اور عظمتِ کردار کی جھلک اس کی اولاد میں نظر آنی چاہئے۔

اقبال نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ ختم نبوت کے بارے میں انہوں نے ایک بڑی پیاری بات کہی تھی کہ ختم نبوت امت کے لئے رحمت ہے۔ کیونکہ نبی کی شخصیت بے چون و چرا اطاعت کی متقاضی ہوتی ہے۔ نبی کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت ہر ایک پر لازم ہوتی ہے۔ دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی ایسا انسان نہیں آئے گا جس کی اطاعت مطلقاً اور بے چون و چرا کی جائے۔ اتباعِ رسولؐ کی اہمیت پر ان کا یہ شعر تو حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اوؐ نہ رسیدی تمام بو لہبی ست

ان کے نزدیک اللہ کی محبت کا ذریعہ اتباعِ رسولؐ ہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار تا کمندِ تو کند یزداں شکار

یعنی اگر تمہیں واقعی اللہ سے محبت اور عشق ہے تو پھر لازم ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور اتباع کرو۔ اسی سے تمہارے عشق میں استحکام پیدا ہوگا اور تم ع "یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ!" کے مقام تک پہنچ سکو گے۔ اپنے اس شعر میں اقبال نے گویا کہ آیۂ قرآنی: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" کا مضمون بیان کر دیا ہے۔

اسی طرح اجتہاد کے بارے میں علامہ اقبال کا نظریہ بہت متوازن ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ تقلیدِ محض پر شدید تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں ع "تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو!" اور ع "تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی!" لیکن دوسری طرف وہ اُس مادر پدر آزاد اجتہاد کے ہرگز قائل نہ تھے جس کے نتیجے میں اسلاف سے تعلق ٹوٹ جائے۔

فرماتے ہیں۔

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط قوم را برہم ہمی پیچد بساط

یہ اس زمانۂ انحطاط میں بہت احتیاط کے ساتھ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ غیر محتاط اجتہاد تو پوری ملت کی بساط کو درہم برہم کر کے رکھ دے گا۔ اسی نظم کا اگلا شعر ہے۔

اجتہادِ عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

یہاں ' عالمانِ کم نظر ' سے جہاں وہ علماء کرام مراد ہیں جو جدید دور کے مسائل اور تقاضوں سے واقف نہیں ' وہاں وہ دانشور بھی اس لفظ کا مصداق ہیں جنہوں نے دین کی حکمات اور اساسات کا علم حاصل نہیں کیا اور وہ اپنے اجتہاد سے دین کو بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اجتہاد سے تو بہتر ہے کہ اسلاف کے راستے پر چلا جائے اور ان کی اقتداء اور پیروی جاری رکھی جائے۔

فکر اقبال کا ایک پہلو تو یہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اور جو راسخ العقیدہ علماء کے تصور اسلام سے انتہائی مطابقت اور ہم آہنگی رکھتا ہے۔ لیکن ان کے فکر کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کے ہاں سماجی ' معاشی اور سیاسی عدل پر حد درجہ زور (Em phasis) پایا جاتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آج تک مجھے کسی بھی مسلمان مفکر اور مصنف کے ہاں اس بات کی اس قدر تاکید اتنے مؤثر انداز میں نظر نہیں آئی جیسی علامہ کے ہاں نظر آتی ہے۔ ہمارے بہت سے مفکرین نے ان کے فکر سے استفادہ کرتے ہوئے سلیس زبان میں اسے زیادہ بڑے حلقے تک پہنچایا ہے ' وہ بھی یقیناً خادمانِ دین و ملت ہیں۔ لیکن بعض اعتبارات سے محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک وہاں کوئی بھی نہیں پہنچ سکا جہاں نصف صدی قبل علامہ اقبال پہنچ چکے تھے۔ اس دور میں سیاسی عدل کے ضمن میں اسلام کے صحیح تصورات بہت سے لوگوں نے اپنائے اور انہیں پیش کرنے کا حق بھی ادا کیا۔ میں اس پر انہیں بھی خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں ــــ لیکن میں یہ خاص طور پر عرض کروں گا کہ معاشی عدل کا جو تصور علامہ اقبال نے پیش کیا اور اقتصادی ظلم و جور اور استحصال (Exploitation) کے خلاف جس طرح انہوں نے انقلاب کا نعرۂ مستانہ بلند کیا ہے اس سطح پر مجھے آج تک عالم اسلام کا کوئی دوسرا مفکر پہنچا ہوا نظر نہیں آتا۔

فرماتے ہیں۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب

از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب ! انقلاب ! اے انقلاب !

ذرا اندازہ کیجئے کہ ان کا یہ نعرہ ساٹھ ستر برس قبل کا ہے! —— پھر یہ کہ سود خواہ نقد کا ہو یا زمین کا، اس کے بارے میں علامہ کے ہاں احساس کی وہ انتہائی شدت پائی جاتی ہے کہ بقول شاعر۔

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل اٹھا

مقدم الذکر سود کے بارے میں ان کے دو اشعار آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

از ربا آخر چہ می زائد؟ فتن ! کس نداند لذّتِ قرضِ حسن

کہ اس ام الخبائث "سود" کے بطن سے اور کیا وجود میں آئے گا سوائے فتنوں کے؟ اور قرضِ حسن میں جو لذت ہے اس سے کوئی آشنا نہیں ہے!

از ربا جاں تیرہ ' دل چوں خشت و سنگ آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

کہ اس سود کی وجہ سے انسان کا باطن تاریک ہو جاتا ہے، اس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور انسان فی الحقیقت درندہ بن کر رہ جاتا ہے، اگرچہ اس کے بھیڑیے کی طرح کے پنجے اور دانت نہیں ہوتے۔

سود کی دوسری شکل جاگیرداری و زمینداری کی پیدا کردہ ہے یعنی مزارعت! سود کی یہ صورت ہمارے ہاں شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھی گئی ہے۔ زمین کا مالک اپنی کوٹھی میں بیٹھا ہوا کاشتکار کے خون پسینے کی کمائی سے عیش کر رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اس مزارعت کی بڑی خوبصورتی کے ساتھ نفی کی ہے۔

خدا آں ملتے را سروری داد کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
باں قومے سروکارے ندارد کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اُسی ملت کو سرخرو کرتا اور سروری عطا کرتا ہے جو اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھتی ہے۔ یعنی محنت و جفاکشی سے اپنی تقدیر خود بناتی ہے۔ اور اُس قوم سے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی سروکار اور تعلق ہی نہیں جس کا دہقان دوسروں کے لئے کاشت کرتا ہو، جہاں دہقان کی محنت اور خون پسینے کی کمائی سے مالکِ زمین جاگیردار گھر بیٹھا "ons share" وصول کر رہا ہو۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ اقبال کے متوازن فکر میں ہمیں جہاں ایک طرف قدامت پسندی، اتباعِ رسول، اقتداءِ اسلاف اور تہذیب و اقدار کے معاملے میں اسلامی اصولوں کی پیروی کا سبق ملتا ہے وہاں دوسری طرف حرکت و انقلاب اور زمانے کا ساتھ دینے کی دعوت بھی ملتی ہے۔ اس ضمن میں اُن کے اُسی خطبے کا ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں جس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں۔

"..... اس بنا پر میں مطالبہ کرتا ہوں کہ برصغیر اور اسلام کے مفاد کے پیش نظر ایک مستحکم مسلم ریاست قائم کی جائے۔ یہ امر برصغیر کے لئے اندرونی توازنِ اقتدار اور اس کے نتیجے میں امن و سکون کا باعث بنے گا..... روحِ اسلام اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سمو کر یہاں ایک نظام قائم کر دیا جائے تو یہ پوری دنیا کے لئے لائٹ ہاؤس بن جائے گا۔ اور اسلام کے لئے موقع فراہم کرے گا کہ وہ اپنے اوپر سے اُس نقش کو اتار دے جو اسے عرب بادشاہت نے پہنایا تھا، اور اپنے قانون، اپنی تعلیم اور اپنی ثقافت کو ترقی دے اور اسے اصل اسلامی روح اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھال دے"۔

علامہ اقبال کا یہ خواب کہ روحِ اسلام اور عصر حاضر کے تقاضوں کو سمو کر یہاں ایک نظام قائم کر دیا جائے، تا حال تو ہمیں عالمِ واقعہ میں کہیں نظر نہیں آتا، لیکن ان کا یہ جملہ بڑی گہری اہمیت کا حامل ہے۔ اور اس میں یہ بات اہم ترین ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم پر ملوکیت کا جو نقش قائم ہو گیا تھا، بادشاہت اور جاگیرداری نے مل کر اسلام کے رخِ انور پر جو سیاہ نقاب ڈال دیا تھا، وہ نقاب اسی صورت میں اتر سکتا ہے کہ اصل اسلامی روح اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک معاشرہ دنیا کو قائم کر کے دکھایا جائے جو دنیا کے لئے "مینارۂ نور" ثابت ہو۔

اہلِ حکومت کے لئے چند عملی مشورے

یہ تمام باتیں بالخصوص میں یہاں موجود[1] ان حضرات کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں جو حالیہ انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کی بہت بڑی کامیابی کے بعد ملک و قوم کی قیادت و سیادت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں، اس لئے کہ دین تو نام ہی خیر خواہی کا ہے۔ یہ ار[شادِ]

---

[1] وزیر اعظم پاکستان کو بھی مرکزیہ مجلس اقبال کی اس تقریب میں پہنچنا تھا لیکن ان کی آمد میں

گرامی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

عن تمیم الدّاری رضی اللّٰہ عنہ، انّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" ثلاثًا۔ قلنا: لِمَنْ؟ قال: "لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ۔" (رواہ مسلم)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دین تو خیر خواہی (وفاداری، خلوص اور نصیحت) کا نام ہے"۔ ہم نے دریافت کیا: حضور کس کی خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسولؐ، مسلمانوں کے راہنماؤں (جن کے ہاتھ میں ملک و ملت کی باگ ڈور آگئی ہو) اور ان کے عوام کی!"

یعنی ان پانچ چیزوں کے ساتھ وفاداری، خیر خواہی، خلوص اور حق نصیحت ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ چنانچہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ملک و ملّت کے ان زعماء کو، جن کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار آگئی ہے، چند عملی مشورے دے رہا ہوں۔

(۱) قرآن کے فلسفہ و حکمت کی اشاعت

اس ضمن میں سب سے پہلی اور اہم ترین بات یہ کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کو قرآن کے فلسفہ و حکمت کی وسیع پیمانے پر اشاعت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ اس کے لئے علامہ اقبال کی شخصیت ہمارے لئے کلید کا کام دے سکتی ہے۔ ہر دور میں ایسے صاحبِ فکر و نظر افراد پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن کے فلسفہ و حکمت کو اپنے اپنے انداز سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میرے نزدیک علامہ اقبال دور جدید کے سب سے بڑے شارح قرآن بھی ہیں اور سب سے بڑے داعیٔ قرآن بھی! بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اقبال کی شخصیت اس دور میں اعجاز قرآن کی سب سے بڑی علامت ہے۔ (میں نے یہ بات ۱۹۷۳ء میں اپنی ایک تقریر کے دوران کہی تھی جو اب "علامہ اقبال اور ہم" کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی ہے) اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کی تعلیم و تربیت دارالعلوموں کے ماحول میں نہیں ہوئی لیکن قرآن مجید کے ساتھ ان کا شغف بے مثال تھا۔ جو حضرات اس ماحول میں پرورش پاتے اور تعلیم حاصل

تے ہیں ان کا تو ظاہر بات ہے کہ اٹھتے بیٹھتے کتاب و سنت سے ربط و تعلق قائم رہتا
۔ لیکن اقبال وہ شخص ہے کہ جس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں تعلیم
ل کی۔ فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا جسے بالعموم مذہب سے متصادم سمجھا جاتا ہے۔ عجیب
، یہ ہے کہ برطانیہ اور المانیہ کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں میں قدیم اور جدید فلسفوں کو
کالنے کے بعد انہیں ذہنی سکون اور راحت کہیں میسر آئی تو صرف قرآن کے دامن
!! یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک علامہ اقبال کی ذات اس دور میں اعجاز قرآن کا سب
، بڑا مظہر ہے۔ ایک جانب وہ ملتِ اسلامی کے سب سے بڑے حدی خواں اور داعیٔ
ـرآن ہیں تو دوسری جانب قرآن مجید کی حکمت اور نظام اسلام کے مختلف پہلوؤں کو
، جامعیت کے ساتھ انہوں نے پیش کیا ہے اس کی ہمیں اس دور میں کوئی دوسری نظیر
ں ملتی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اشاعت کے لئے فکرِ
ل کو بطورِ کلید پیش کئے جانے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں کیا تدابیر اختیار کی
یں؟ اس پر اہلِ علم و دانش کو مل جل کر غور و فکر کرنا ہوگا!

) غیر مخلوط معاشرے کی طرف پیشقدمی

دوسری اہم چیز جس کی جانب فوری توجہ کی ضرورت ہے اور جسے ہماری اسلام کے
تھ وابستگی کا منطقی تقاضا قرار دینا غلط نہ ہوگا' یہ ہے کہ ہمیں اب تدریجاً ایک غیر مخلوط
شرے کی طرف پیشقدمی کرنا ہوگی۔ ہمارا معاشرہ اگرچہ بحمداللہ مکمل طور پر مخلوط نہیں
ہے' لیکن اس میں بے حجابی اور عریانی و فحاشی کا فروغ اور بہت سے دفاتر اور تعلیمی
روں میں مرد و زن کا اختلاط انتہائی تشویشناک ہے۔ ان برائیوں سے پاک غیر مخلوط
اشرے کی طرف تدریجاً پیشقدمی کو ہمیں اپنی اولین ترجیحات میں شامل کرنا چاہئے۔
سلسلے میں جہاں تک خواتین کی ملازمتوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے روزگار کے ایسے
اقع مہیا کئے جائیں جہاں وہ مردوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے آزادانہ طور پر کام کر

- اقبال خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو ملی تو کہاں ملی   مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں!

سکیں۔ مثال کے طور پر پرائمری کی حد تک تعلیم کا شعبہ مکمل طور پر ان کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ خواتین میں جو مادرانہ شفقت ہوتی ہے اس سے پرائمری تعلیم کے شعبے میں خاطر خواہ بہتری پیدا ہوگی۔ البتہ ہائی سکولز' کالجز اور یونیورسٹی کی سطح پر مخلوط تعلیم لازمی طور پر ختم کی جانی چاہئے۔ اس ضمن میں خواتین یونیورسٹی کا قیام بھی ناگزیر ہے۔ اسی طرح اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ زنانہ ہسپتالوں میں صرف خاتون نرسیں اور مردانہ ہسپتالوں میں صرف مرد نرس (Male Nurse) کام کریں۔ اگر فوج میں مرد نرس تیمارداری کے فرائض سرانجام دیتے ہیں تو سول ہسپتالوں میں ایسا کیوں ممکن نہیں؟ اسی طرح خواتین کے لئے گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا جائے' ان کے لئے ایسے صنعتی یونٹ تشکیل دیئے جائیں جہاں تمام عملہ خواتین پر مشتمل ہو۔ ان کے اوقات کار بھی آٹھ گھنٹے کے بجائے چار گھنٹے رکھے جا سکتے ہیں تاکہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کو بھی پورا کر سکیں۔ ستر و حجاب کی پابندی ہمارے قدیم تصورات کا جزو لاینفک ہے اور علامہ اقبال بھی اسی کے علمبردار تھے۔

اس موقع پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ہمارے نئے وزیر اعظم صاحب نے حال ہی میں بیرونی پریس کو دیئے گئے اپنے ایک انٹرویو میں اپنے بنیاد پرست (Fun damen-tallst) ہونے کی جو نفی کی ہے وہ نہایت افسوسناک ہے۔ ہمیں اس کی نفی ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ آخر ہم "بنیاد" کو چھوڑ کر جائیں گے کہاں؟ ہم یقیناً لکیر کے فقیر نہیں ہیں' جامد اور متحجر نہیں ہیں' ہمیں روح عصر کا ساتھ دینا ہے' لیکن ہم اپنی جڑ بنیاد کو نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ درخت بھلا کیسے قائم رہ سکتا ہے جس کی جڑ ہی کٹ جائے۔ "**اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ**" کے قرآنی الفاظ کے مصداق صرف اسی درخت کی شاخیں بلندیوں کو چھو سکتی ہیں جس کی جڑ مضبوطی سے زمین میں قائم ہو۔ ہمارے سامنے تو وہ نقشہ ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہودی ہمیں طعن و تشنیع اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا نبی انہیں اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آبائنا وامہاتنا) نے ارشاد فرمایا:
"ہاں' تم ڈنکے کی چوٹ کہو کہ ہمارے نبی نے ہمیں استنجا کرنے کے آداب بھی سکھائے ہیں"۔ تو ہمیں تو اپنے نبی کی تعلیمات پر اس طرح کا اعتماد ہونا چاہئے۔ ہم اپنی 'بنیاد

ستی' پر معذرت خواہانہ رویّہ کیوں اختیار کریں؟ یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ جس
مانے میں میرے نام کے حوالے سے قومی و بین الاقوامی رسائل و جرائد میں خواتین کے
دے کا مسئلہ کثرت سے زیر بحث آ رہا تھا' میرے پاس 'وال سٹریٹ جرنل' کا نمائندہ
یا تھا۔ انٹرویو کے دوران اس نے مجھ سے سوال کیا:

"Would you like to be called a fundamentalist?" تو میں نے جواباً
ما تھا کہ یقیناً' مجھے اس لفظ کے اپنانے میں کوئی عار نہیں ہے۔ مغرب نے یہ لفظ
ارے لئے گالی کے طور پر وضع کیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس "گالی" کو سینے سے
ائیں اور انہیں بتا دیں کہ یہ تو ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔ البتہ 'بنیاد پرست' ہونے
کے ساتھ ساتھ ہمیں روحِ عصر کے تقاضوں کا ساتھ بھی دینا ہے اور اس کے لئے میں
مجھتا ہوں کہ فکر اقبال ہمارے لئے بجا طور پر رہنمائی کا کام دے سکتا ہے جو اصلاً افکارِ
رآنی ہی کی تشریحات پر مشتمل ہے۔

۳) ذرائع ابلاغ پر حکومتی کنٹرول

اسلام کی نام لیوا اور نظریۂ پاکستان سے وابستگی کا اظہار کرنے والی موجودہ حکومت کو
ذرائع ابلاغ پر بھی خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ مناسب ہوگا کہ ذرائع ابلاغ کو مادر پدر آزاد
قرار نہ دیا جائے' بلکہ یہ لازماً حکومتی کنٹرول میں ہونے چاہئیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے
ضمن میں ایسے حضرات کے مشورے سے پالیسی مرتب کی جائے جنہیں علمِ دین میں
رسوخ حاصل ہے اور یہ طے کیا جائے کہ ان ذرائع ابلاغ کی ضرورت کس حد تک ہے
اور کن چیزوں کے لئے ان کا استعمال جائز ہے۔ اس طرح اس شعبے کو صحیح اسلامی رنگ
دے کر استعمال میں لایا جائے کہ اسلام کے ساتھ ہماری وابستگی کا یہی تقاضا ہے۔ اسی
طرح اخبارات پر بھی مناسب قدغنیں لگنی چاہئیں تاکہ ہماری صحافت بھی مختلف نوع کی
آلائشوں سے پاک ہو۔ اخبارات کے رنگین صفحات کے ذریعے عریانی و فحاشی کو جس طرح
فروغ دیا جا رہا ہے اس کا فوری محاسبہ ہونا چاہئے۔ پاکستان سے باہر پوری دنیا میں ان
رنگین ایڈیشنوں کا رواج نہیں ہے۔ اخبارات اگر اپنے رنگین ایڈیشن نکالنا چاہیں تو
علیحدہ قیمت سے ہفتہ وار میگزین شائع کریں تاکہ انہیں وہی خریدیں جو ان کے طلبگار
ہوں۔ آج صورت یہ ہے کہ جو شخص بھی اخبار پڑھنا چاہتا ہے اسے اس لعنت کو بھی

لازماً گلے لگانا پڑتا ہے۔

(۴) نظامِ تعلیم کی اصلاح

قوم کی کردار سازی اور نونہالانِ وطن کی صحیح نہج پر تعلیم و تربیت کے لئے اصل فیصلہ کن چیز نظام تعلیم ہے۔ ذرائع ابلاغ وقتی معاملات و مسائل کے ضمن میں لوگوں کے ذہنوں کو کسی خاص رخ پر ڈالتے ہیں جبکہ نظام تعلیم اگلی نسل کو کسی خاص رخ پر ڈھالنے میں مؤثر ہوتا ہے۔ نظام تعلیم کی تجدید اور اس کی اصلاح کے لئے بڑی جرأتِ رندانہ کی ضرورت ہوگی، لیکن بہرحال "Where there is a will , there is a way" کے مصداق اگر عزم مصمم موجود ہو تو کم از کم اس وقت کوئی رکاوٹ سامنے نہیں آنی چاہئے۔ نظام تعلیم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

(i) قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کیا جانا ضروری ہے۔ فی الوقت دونوں کے مابین فرق و تفاوت کی ایک وسیع خلیج حائل ہے اور اس کی وجہ سے ہماری قومی و ملی زندگی ایک عجب الجھاؤ سے دوچار ہے۔ ایک طرف دینی تعلیم کی لمبی لمبی سندیں رکھنے والوں میں سے اکثر کا حال یہ ہوتا ہے کہ علوم جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا، خود دینی علوم کی مبادیات تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے جو پاکستان ایر فورس میں امام یا خطیب بھرتی کئے جانے کے شعبے سے منسلک ہیں، ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ان اسامیوں کے لئے بعض امیدوار ایسے بھی آتے ہیں کہ ان سے اگر صحاح ستہ کے نام پوچھے جائیں تو سوائے بخاری و مسلم کے کسی تیسری کتاب کا نام انہیں معلوم نہیں ہوتا، اگرچہ بڑی طویل اور خوشنما سندیں ان کی بغل میں ہوتی ہیں۔ دینی تعلیم کے اس قدر پست معیار کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت اگر کوئی یونیورسٹی قائم کرنا چاہے تو اس کے لئے لمبی چوڑی منصوبہ بندی ہوتی ہے، چارٹر بنتے ہیں، کمیٹیاں تشکیل پاتی ہیں اور سروے کئے جاتے ہیں، تب کہیں جا کر یونیورسٹی کا قیام ممکن ہوتا ہے، جبکہ ادھر یہ صورتحال ہے کہ ایک مولوی صاحب دو چار بچوں کو قرآن پڑھانے کے لئے ایک کمرے میں بیٹھ جائیں یا عربی کلاس کھول لیں تو باہر جامعہ (یونیورسٹی) کا بورڈ لگا لیتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے سکولوں اور کالجوں کا معیارِ تعلیم بھی کوئی قابل رشک نہیں ہے۔ نظام تعلیم کی بہتری کے لئے ضروری ہے کہ دینی و دنیوی تعلیم کا ایک مربوط نظام قائم کیا جائے۔

(ii) امراء و غرباء کے لئے مختلف نظام تعلیم کا ہونا ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ بچہ چاہے امیر کا ہو یا غریب کا' اس قوم کا مستقبل ہے اور اس کی تعلیم و تربیت ہماری قومی ذمہ داری ہے اور اس معاملے میں امیر اور غریب کی تفریق قومی و ملی اعتبار سے مہلک ہے۔ چنانچہ سب کے لئے یکساں نظام تعلیم کا اہتمام وقت کی اہم ضرورت ہے!

(iii) مشنری تعلیمی ادارے اقلیتوں کے لئے مخصوص کئے جائیں اور یہ لازم کر دیا جائے کہ وہاں کوئی مسلمان داخل نہیں ہوگا۔ مسلمان بچوں کا وہاں تعلیم پانا عقل و منطق کے بھی منافی ہے اور دین و مذہب کے اعتبار سے بھی شدید نقصان دہ!

(۵) سماجی اور معاشی عدل و انصاف

جہاں تک سیاسی عدل اور اس کے ضمن میں جمہوریت کا تعلق ہے تو الحمدللہ کہ یہ گاڑی تو کچھ نہ کچھ چل پڑی ہے' اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے۔ دعا کریں کہ اس میں کوئی رکاوٹ اور رخنہ اندازی نہ ہو۔ سیاسی عمل میں تھوڑا سا وقفہ بھی ہمیں بہت پیچھے لے جاتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہم کبھی ہندوؤں سے پیچھے نہیں رہے' ہمیشہ شانہ بشانہ ان کا مقابلہ کیا ہے۔ اس صدی کے پورے نصفِ اول میں انہیں ہم پر کسی میدان میں کوئی برتری حاصل نہ تھی' لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم سیاسی اعتبار سے ان سے بہت پیچھے چلے گئے' سالہا سال تک ہم نہ تو کوئی دستور بنا سکے اور نہ ملک کی گاڑی کو جمہوریت کی پٹڑی پر چلا سکے۔ بار بار کا مارشل لا، ہماری سیاسی نابالغی کا ثبوت تھا...... لیکن اب اللہ کے فضل سے جیسے تیسے گاڑی پٹڑی پر چل پڑی ہے۔ اب اصل مسئلہ سماجی اور معاشی عدل کے حصول کا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ معاشی میدان میں اسلام کے نظام عدل کے لئے مناسب ترین تعبیر "اسلامی سوشلزم" کی ہے۔ اصلاً یہ اصطلاح قائد اعظم نے استعمال کی تھی جسے بعد میں کچھ ملحدوں اور مادہ پرستوں نے اغوا کر لیا۔ ہمیں ان سے یہ اصطلاح واپس چھین لینی چاہئے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں منکرین سنت نے اپنے آپ کو "اہلِ قرآن" قرار دے دیا اور ہمارے علماء نے یہ غلطی کی کہ انہیں "اہل قرآن" ہی کہنا شروع کر دیا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ تو قبضۂ مخالفانہ ہے۔

اگر کوئی آپ کی ایک گز زمین پر قبضہ کر لے تو آپ مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں' لیکن محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کیا ہوا "اہل قرآن" کا خطاب ہم نے ان لوگوں کو الاٹ کر دیا جو حدیث و سنتِ رسول کے منکر ہیں۔ حالانکہ یہ خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا تھا۔[1] اسی طرح اسلامی سوشلزم کی اصطلاح درحقیقت ہماری ہے۔ معمارِ پاکستان قائد اعظم نے اسے متعارف کرایا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے بھی اس سے ملتا جلتا تصور پیش کیا تھا۔ اسے مادہ پرستوں اور ملحدوں کے قبضے میں کیوں رہنے دیا جائے؟

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ اصولاً نہ تو اسلام میں کسی اور نظام کی پیوند کاری ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسلام کے کسی جزو کی پیوند کاری کسی اور نظام میں ہو سکتی ہے' لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے نظام میں سوشلزم اور جمہوریت دونوں سے مشابہت رکھنے والی چیزیں موجود ہیں...... اور تفہیم کی غرض سے ان جدید اصطلاحات کے حوالے سے بات کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے مولانا مودودی مرحوم نے اسلامی ریاست کے لئے تھیوکریسی اور ڈیموکریسی کو جمع کر کے بجا طور پر "تھیوڈیموکریسی" کی اصطلاح ایجاد کی۔ اس میں ایک جزو مذہب کا ہے اور ایک جمہوریت کا' اور یہ عوامی خلافت (Popular Vicegerency) کے ہم معنی ہے۔ اس کے برعکس عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کا تصور غیر اسلامی ہے جس کے معنی ہیں خالص اور بے خدا جمہوریت' جو شرک ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اگر یہ اصطلاحات استعمال ہو سکتی ہیں تو "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح میں کیا قباحت ہے؟ اس سے بلاوجہ الرجک ہونے کی بجائے ہمیں اسے اپنانا

---

[1] حدیث مبارک کے الفاظ ہیں:

يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ، وَاتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ فِي آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

"اے قرآن والو' قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا! اس کو پڑھو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے' رات اور دن کے اوقات میں' اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو' اسے پھیلاؤ اور اس میں تدبر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ!"

چاہئے۔ اس لئے کہ اسلام کے عطا کردہ معاشی عدل کے تصور سے یہی اصطلاح قریب ترین ہے۔ البتہ ہمارا آئیڈیل نہ چینی سوشلزم ہے اور نہ سکنڈے نیوین سوشلزم' بلکہ وہ سوشلزم ہے جو ہمیں خلافت راشدہ میں نظر آتا ہے۔ ہمیں ایسی مساوات درکار ہے کہ ایک عام شہری کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ خلیفۂ وقت کو اس کی غلطی پر ٹوک سکے اور خطبے کے دوران پوچھ سکے کہ آپ کا یہ کرتہ کیسے بنا؟

معاشی عدل کے ضمن میں اب میں مختصراً چند اقدامات کا ذکر کروں گا جو موجودہ حکومت کو سرانجام دینے چاہئیں:

(i) **نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ:** یہ بات جان لیجئے کہ صرف بنک ڈیپازٹس پر اڑھائی فیصد کٹوتی کر لینے سے "زکوٰۃ" کا تقاضا پورا نہیں ہو جاتا بلکہ یہ تو زکوٰۃ کو بدنام کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب تک کُل اموال تجارت پر جو اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں' زکوٰۃ عائد نہیں کی جائے گی' نظام زکوٰۃ کے قیام کی طرف پیش رفت ممکن نہیں! اس طور پر اگر زکوٰۃ وصول کی جا سکے تو انشاء اللہ اتنی کثیر رقم جمع ہو جائے گی کہ انکم ٹیکس کی مصیبت پالنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر تو اس لعنت کو ختم کر دینے ہی میں عافیت ہوگی جس نے اکثر لوگوں کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ بلکہ اگر زکوٰۃ کا نظام صحیح طور سے نافذ کر دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ دیگر ٹیکسوں کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔

(ii) **جوا اور لاٹری کا خاتمہ:** جوئے کی جتنی بھی شکلیں ہیں' خواہ وہ لاٹری کے نام سے ہوں یا پرائز بانڈز کے نام سے' انہیں فوری طور پر ختم کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے لہٰذا ان تمام چیزوں کو بلا تاخیر ممنوع قرار دینا چاہئے!

(iii) **سود کا بتدریج خاتمہ:** اسی طرح بچت وغیرہ کی مختلف اسکیموں کے نام سے جو سودی ترغیبات ہیں انہیں یک لخت ختم کیا جانا چاہئے۔ ڈیفنس سرٹیفکیٹ کے نام پر قوم کو سود خوری کی جو لت ڈالی جا رہی ہے خود اپنے ملک کے دفاع کے لئے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہی نہیں' نہایت شرمناک بھی ہے کہ شہریوں سے قرض لیا جائے اور سود خور اس پر بھی سود کا مطالبہ کرتے ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ یہ ملک و قوم کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ اور بلاشبہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ تو ہے ہی! لہٰذا ایسی سکیموں کا فوری طور پر خاتمہ ہونا چاہئے۔ البتہ کاروباری معاملات اور بینکنگ کے

نظام میں سے سود کے عنصر کو نکالنے کے لئے یقیناً تدریج کی ضرورت ہوگی۔ اس ضمن میں بعض ماہرینِ اقتصادیات نے خاصا کام کیا ہے۔ اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس سمت میں مزید پیش رفت کی ضرورت ہے۔ میں آج سوچ رہا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی قسمت کچھ کشمیریوں کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ علامہ اقبال کشمیری تھے، موجودہ وزیر اعظم نواز شریف صاحب بھی کشمیری ہیں۔ اور ایک کشمیری سکالر شیخ محمود احمد صاحب جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، بلا سود بنکاری پر بڑا کام کر گئے ہیں۔ ان کی کتابیں "سود کی متبادل اساس" اور "Towards Interest - free Banking" میرے نزدیک بڑی گرانقدر کتابیں ہیں اور ان سے بینکنگ کے نظام میں ایک بہت بڑا انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

(iv) زمینداری اور مزارعت کا خاتمہ : معاشی عدل کے ضمن میں زمینداری، جاگیرداری اور مزارعت کا خاتمہ وقت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا قدم ہوگا۔ اس ضمن میں ایک عملی تجویز میں نے اس سے قبل بھی پیش کی تھی اور آج ساڑھے آٹھ سال بعد اسے دہرا رہا ہوں۔ میاں محمد شفیع صاحب یہاں موجود ہیں ان کی موجودگی ہی میں میں نے ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی تھی۔ میں نے اُس وقت بھی یہ بات کہی تھی اور آج بھی اسے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ نہ سمجھئے کہ زمینوں کا جو نظام انگریز چھوڑ گیا ہے وہ کوئی مقدس نظام ہے۔ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس کی ملکیت میں جس قدر رقبۂ زمین ہے وہ شاید اللہ اور رسول کی طرف سے اسے الاٹ ہوا ہے کہ اب اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی! میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے ہاں ماضی میں دو مرتبہ زرعی اصلاحات کا غلغلہ بلند ہوا، لیکن ان سے کوئی حقیقی فرق واقع نہیں ہوا۔ یہاں سنار کی کھٹ کھٹ کارگر نہیں ہو سکتی، بلکہ یہاں تو لوہار کے ہتھوڑے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میری تجویز تھی کہ ایک لینڈ کمیشن قائم کیا جائے جس میں اجتہادی ذہنیت رکھنے والے علماء کرام اور بندوبستِ اراضی کے ماہرین کو جمع کیا جائے۔ یہ کمیشن اس مسئلے پر غور و خوض کرکے اس کا ممکنہ حل تلاش کرے۔ شریعت کے حوالے سے ہمارے سامنے دو راستے موجود ہیں، جن میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کر لیا جائے تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ

مزارعت (Absentee Landlordism) کے بارے میں امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے فتوے کو اختیار کیا جائے جس کی رو سے یہ مطلقاً حرام ہے اور اس کی کوئی صورت جائز نہیں ۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس زمین ہے تو وہ اسے خود کاشت کرے ' ورنہ اپنے بھائی کو دے دے کہ وہ اسے اپنے تصرف میں لائے ۔ اپنے بھائی کے خون پسینے کی کمائی میں سے ایک حبّہ لینا بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے ۔ فقہ حنفی میں مزارعت کے جواز کی جو صورتیں ہیں وہ صاحبین (امام محمد اور قاضی ابو یوسف) کے فتویٰ کے مطابق ہیں ۔ تاہم ہمارے ہاں مزارعت کی جو شکل مروّج ہے وہ تو صاحبین کے فتوے کی رو سے بھی ناجائز اور حرام ہے ۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ امام مالک نے بھی مزارعت کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے ۔ امام شافعی نے صرف اس کھیت یا زمین میں مزارعت کی اجازت دی ہے جو باغ کے تابع ہو ۔ عام کھیت میں مزارعت ان کے نزدیک بھی حرام ہے ۔ شریعت اسلامی کے اس قانون کو نافذ کر کے زمینداری و جاگیرداری کی جڑ کاٹی جا سکتی اور معاشی عدل کے لئے راہ ہموار کی جا سکتی ہے ۔

اس ضمن میں دوسرا قابل عمل راستہ یہ ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مطابق پاکستان کی تمام زمینوں کو عشری کے بجائے خراجی قرار دیا جائے اور انہیں براہ راست حکومت کی تحویل میں لے لیا جائے ۔ حضرت عمرؓ کے اجتہاد کی رو سے جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہو گیا تھا ' ایسی تمام زمینیں اور علاقے جو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے ہوں کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہتے ' بلکہ بیت المال کی ملکیت ہوتے ہیں ۔ اور ان پر کام کرنے والے حکومتِ وقت کو خراج ادا کرتے ہیں جو براہ راست بیت المال میں جمع ہوتا ہے ۔ اس اجتہاد کی روشنی میں پاکستان کی تمام زمینیں بھی خراجی قرار پاتی ہیں ' انہیں بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا ' لہٰذا یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں ۔ زمینداری اور جاگیرداری کو ختم کرنے کے لئے یہ دو راستے ہیں ۔ ایک عزم اور ارادے کے ساتھ ان راستوں کو کھولئے تو انشاء اللہ معاشی عدل و انصاف کی راہ میں حائل مزید رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں گی ۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے　　　ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے !

میں سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ کی نو منتخب حکومت فی الوقت اس پوزیشن میں ہے کہ ایسی

لعنتوں کو ختم کرنے کے لئے مثبت اور فیصلہ کن اقدام کرے۔ اس کے لئے اسے پوری سہولتیں حاصل ہیں۔ انتخابات میں اسے واضح اور فیصلہ کن اکثریت حاصل ہوئی ہے اور ہر چہار طرف سے اسے تعاون حاصل ہے۔ یہ کوئی اقدام کرنا چاہے تو نہ دستور اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی دیگر سیاسی رکاوٹ اس کا راستہ روک سکتی ہے۔ مجھے شدید اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے یہ موقع بھی ضائع کر دیا اور اسلام کے سماجی و معاشی عدل کی طرف کوئی پیشقدمی نہ کی تو پھر شاید قیامت تک اس کی نوبت نہ آئے۔

(۵) اسلامی قانون سازی

اسلامی قانون سازی کی طرف مثبت پیش رفت بھی وقت کا اہم تقاضا اور حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس ضمن میں ہمارے سامنے دو راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک راستہ تو ' شریعت بل ' کا ہے جو میری دانست میں ایک بہت لمبا راستہ ہے۔ اس کی راہ میں سینٹ ' اسمبلی اور بہت سی دیگر رکاوٹیں حائل ہیں ...... برسوں میں اس نے ایک رکاوٹ (سینٹ) عبور کی ہے اور اس کی قیمت اسے بہت سی ترمیمات کی صورت میں دینی پڑی ہے جس میں سود خوروں کے تحفظات بھی شامل ہیں۔ باقی رکاوٹیں عبور کرتے کرتے اس کی صورت نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے گی۔ میرے نزدیک شریعت بل اگر اپنی اصل شکل میں منظور ہو جائے تو یہ بھی ایک مستحسن اور درست راستہ ہے۔ لیکن ایک دوسرا راستہ بھی ہے جسے میں زیادہ فطری اور اہم تر خیال کرتا ہوں۔ اور الحمدللہ اس راستے پر ہم بہت پہلے سفر شروع کر چکے ہیں۔ قرارداد مقاصد کی منظوری ' اس کا دستور کا جزو بننا ' اسلامی نظریاتی کونسل اور پھر وفاقی شرعی عدالت کا قیام اسی راستے کے اہم سنگ ہائے میل ہیں۔ تاہم اس سمت میں مزید پیش رفت کی ضرورت ہے۔ اس وقت وفاقی شرعی عدالت جو دستور کا جزوِ لاینفک ہے ' اس کے دائرہ اختیار پر عائد شدہ تمام حدود و قیود کو فوری طور پر ختم کیا جانا چاہئے۔ اسی طرح شریعت کورٹ کا دائرہ کار بغیر کسی استثناء کے ' پوری زندگی کے معاملات پر محیط ہونا چاہئے۔ اس شعبے میں جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب کی تقرری صحیح سمت میں ایک قدم ہے۔ جسٹس صاحب واقعتہً ہمارے ملک کے واحد شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی کو جدید انداز میں مرتب کرنے کی کوشش کی۔

احباب جانتے ہیں کہ علامہ اقبال فقہ اسلامی کی تدوینِ نو کی شدید خواہش رکھتے تھے اور انہوں نے اس کے لئے مولانا انور شاہ کشمیری سے بارہا لاہور آ جانے کی فرمائش بھی کی تھی' تاکہ خود علامہ اقبال جو جدید قانون کے ماہر تھے اور مولانا کشمیری جو حدیث و فقہ کا گہرا علم رکھتے تھے مل کر فقہ اسلامی کی تدوین نو کا کام کر سکتے' مگر علامہ مرحوم کی یہ خواہش ان کے ساتھ ہی قبر میں چلی گئی اور یہ کام نہیں ہو سکا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کام کو اولیت دی جانی چاہئے تھی اور ہمارے بڑے بڑے اداروں کو یہ کام کرنا چاہئے تھا' لیکن یہ کام مؤخر ہوتا چلا گیا۔ اب بحمداللہ جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب نے اس کام کو صحیح رخ پر ڈالا ہے۔ اسلامی قانون سازی کے ضمن میں اس وقت اہم ترین کام' جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو جو بیڑیاں پہنا دی گئی ہیں وہ کھول دی جائیں۔ یہ ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے کسی گوشے کو شریعت سے مستثنیٰ نہ رکھیں' ورنہ ہم شریعت کے ایک حصے کو ماننے اور ایک حصے کو نہ ماننے کے مجرم اور قرآنی حکم کی اس شدید وعید کا مصداق ٹھہریں گے جو سورۃ البقرہ میں وارد ہوئی ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۸۵)

"کیا تم (ہماری) کتاب (و شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو؟ پھر جو کوئی بھی تم میں سے یہ روش اختیار کرے گا اس کی سزا دنیا میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور قیامت کے دن (ایسے لوگوں کو) شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو!"

زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اور دین اسلام اس پوری حیاتیاتی اکائی (Organic Whole) پر اپنا تسلط و اقتدار چاہتا ہے۔ چنانچہ شریعت کے معاملہ میں استثناءات فوری طور پر ختم ہونی چاہئیں۔ شریعت کورٹ کا راستہ آپ کے دستور میں معیّن ہے۔ آپ صرف اتنا کیجئے کہ دستور کی دفعہ ۲۰۳ بی کی شق سی میں شریعت کورٹ پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں انہیں ختم کر دیجئے' اسلامی قانون سازی کا راستہ کھل جائے گا اور قانون

شریعت فطری انداز میں زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ ہوتا چلا جائے گا۔
میں ملک کے تمام اصحابِ علم و دانش کو دعوت دیتا ہوں کہ میری معروضات پر غور کریں اور ان مسائل پر جرأت کے ساتھ کھل کر اظہار خیال کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو موقع اب عطا کیا ہے اس طرح کے مواقع روز روز نہیں آیا کرتے۔ اور اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا تو ہمارے پاس سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں رہ جائے گا!! اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصّفّ

(۵)

نبی اکرمؐ کے مشن کا لازمی تقاضا
جہاد فی سبیل اللہ

اَحْمَدُہٗ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ٥

سورۃ الصّف کے عمود کی تعیین اور اس کی مرکزی آیت کے اکثر حصے پر غور و فکر کر لینے ۔ بعد اب آیئے کہ ہم اس سورۂ مبارکہ پر بحیثیت مجموعی غور کریں ۔ لیکن اس سے قبل اس سورۃ رکزی آیت یعنی آیت ۹ کے آخری ٹکڑے کے حوالے سے ایک اور عظیم حقیقت کی طرف کرنا مفید ہوگا ۔

یت کے آخری ٹکڑے کا مفہوم

جیساکہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ الصف کی وہ مرکزی آیت قرآن مجید میں تین مقامات ائی ہے ۔ ایک مقام پر اس کا اختتام " وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا " کے الفاظ پر ہوتا ہے ۔ میں تو گویا اشارہ ہے اُسی بات کی طرف جو اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے

درس کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے کہ رسول اگر اپنا فرض منصبی ادا کر دیں تو گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔ اس حوالے سے سیرتِ طیبہ کا وہ اہم واقعہ ذہن میں تازہ ہو گیا ہو گا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا، آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بھی عرض کیا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ۔ میرے پاس تیری دو امانتیں پہنچی تھیں۔ ایک تیری کتاب، جسے میں نے امت تک بلاکم و کاست پہنچا دیا۔ حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔ دوسرے دینِ حق، جسے تیری تائید اور اپنے صحابہ کے تعاون سے میں نے تئیس سالہ محنتِ شاقہ کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب پر بالفعل قائم کر دیا۔ اب یہاں تیرا ہی بول بالا ہے، تیرا ہی حکم نافذ ہے اور تیرا ہی جھنڈا سب سے بلند ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ اس کی شہادت اور گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔

بقیہ دو مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں یہ آیت " وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ" کے الفاظ پر ختم ہوئی ہے ——— " چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو" ——— اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تصادم ناگزیر ہے۔ مشرک کبھی گوارا نہ کریں گے کہ اللہ کا دین یہاں قائم ہو، وہ نظامِ عدل و قسط عملاً برپا ہو جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں کفر اور شرک کی قوتیں دینِ حق کے لیے آسانی سے راستہ نہیں چھوڑیں گی۔ وہ لازماً RETALIATE کریں گی۔ تصادم ہو کر رہے گا، کش مکش ہو گی۔ لیکن اس سب کے علی الرغم، اس سب کے باوجود رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے کہ اُس دین کو قائم کرے۔ اُسے غالب و نافذ کرے جو اللہ نے اُسے دے کر بھیجا ہے۔

مذہبی اور سیاسی شرک کا گٹھ جوڑ

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے اور اس کا تعلق ہمارے اس منتخب نصاب میں شرک کی بحث سے جڑ جاتا ہے۔ شرک کے بارے میں یہ خیال بڑا عامیانہ اور سطحی سا ہے کہ اس کا تعلق محض مخصوص مذہبی اُمور کے ساتھ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں تاریخِ نسلِ انسانی کے دوران ہر دور میں اور ہر خطۂ زمین میں شرک کے دو نظام ہمیشہ قائم رہے ہیں۔ ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ انہی دو راستوں سے درحقیقت نوعِ انسانی

ستحصال ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ کوئی پنڈت، کوئی پروہت، کوئی پادری، بی پجاری یا کوئی پیر کسی آستانے کا مجاور بن کر یا کسی بتکدے کا پروہت یا پجاری بن رلوگوں کی گردنوں پر سوار ہوتا ہے۔ مذہب کے نام پر عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی میں سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاشی استحصال (ECONOMIC EXPLOITATION) کی انتہائی مکروہ صورت ہے بقول شاعر ؏

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج

دوسری جانب بادشاہت نے نظام کی صورت میں سیاسی شرک کا نظام تاریخ انسانی کے ہر دور میں قائم رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ کہیں یورپ میں 'DIVINE RIGHTS OF KINGS' (بادشاہوں کے خدائی اختیارات) کا راگ الاپا جا رہا ہے اور کہیں ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی حکمرانی کا سلسلہ رواں ہے۔ یہ بادشاہ اور ملوک اپنے اقتدار و اختیار کے بل پر عوام سے خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے اور اس طرح انسانی تاریخ میں یہ دونوں مشرکانہ نظام ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ ادھر مذہبی طبقات کی طرف سے بادشاہِ وقت کو 'HIS HOLINESS' کا خطاب مل رہا ہے تو اُدھر سے انہیں 'DEFENDERS OF THE FATE' کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے۔ ؏ من ترا حاجی بگویم تو مرا ملّا بگو۔ یہ مذہبی شرک اور سیاسی شرک کے دو نظام جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایک دوسرے کے متوازی چلتے رہے اور جنہوں نے انسانوں کی گردنوں پر اپنی خدائی کا جوا ڈالے رکھا، ظاہر بات ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یہ سارا تانا بانا ٹوٹ کر رہ جائے اور یہ سارے مفادات اُن واحد میں ختم ہو جائیں۔

علّامہ اقبال نے اسی پس منظر میں کہا تھا ؎

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو!
لیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

اسلام ہے وہ نظام جو ان درمیانی واسطوں کو ختم کرنے آیا ہے، جو یہ پیغام لے کر آیا

ہے کہ جہاں چاہو اور جب چاہو خدا سے ہم کلام ہو جاؤ: " وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ "[1] وہ انسان پر سے انسان کی خدائی کا نام و نشان مٹانا چاہتا ہے ۔ کہ تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے ۔ یہاں کوئی کسی کا آقا نہیں اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا بندہ نہیں۔ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ! سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بن جاؤ۔ تمہارے مابین قوم، نسل اور رنگت کے اعتبار سے کوئی اونچ نیچ نہیں ہے، کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ انقلابی پیغام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ ان اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ظاہر بات ہے کہ اُس مشرکانہ اور باطل نظام کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے جہاں اس نظام سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں۔ اس لیے فرمایا: " وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ " کہ مشرکین کی طرف سے تو مخالفت ہو کر رہے گی۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ یہ نظام عدل و قسط دنیا میں قائم اور برپا ہو جائے۔ انسانوں کی گردنوں پر سے دو طرفہ غلامی کے جوئے اتھا دیئے جائیں اور ان کی گردنوں میں سے وہ طوق اتار دیئے جائیں جن کے بوجھ تلے نوعِ انسانی ہمیشہ دبی اور سسکتی رہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں حضورؐ کی یہ شان ان الفاظ میں بیان ہوئی: " وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ "

آنحضورؐ کے مشن کا لازمی تقاضا، جہاد فی سبیل اللہ!

بہرحال اس آخری ٹکڑے یعنی " وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ " کے ضمن میں اس مختصر سی وضاحت کے بعد اب یہ بات جان لیجئے کہ سورۃ الصّف میں حضورؐ کے اس مقصدِ بعثت کی تعیین کے بعد اس کے لازمی تقاضے کی حیثیت سے اب مضمون آرہا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا، کہ اے اہلِ ایمان اب اس مشن

---

[1] ترجمہ " اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (انہیں بتادیں کہ) میں قریب ہی ہوں۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار (کو سنتا اور اس) کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ تو چاہیئے کہ وہ بھی میرا کہا مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ رشد و کامیابی سے ہم کنار ہو سکیں۔" (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶)

بیل کے لیے کمر ہمت کس لو! ـــــ دین اللہ کا ہے، اس کو غالب کرنا فرضِ منصبی ہے محمد
ل اللہ کا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اب اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں اور ان پر ایمان کے
یداروں کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ اس مقصد کے حصول اور اس مشن کی تکمیل کے لیے اپنے آپ کو
یں اور کھپا دیں۔ اس مقصد کے لیے جد و جہد کریں، کوششیں کریں اور اس راہ میں اپنے مال
ں، اپنی جانیں کھپائیں، اپنی قوتیں صرف کریں اور اپنے اوقات لگائیں کہ یہ اُن کے ایمان کا
ی تقاضا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کو برپا کرنا اور اسے قائم و نافذ کرنا کسی ایک
بشر کا کام نہیں۔ یہ ایک نہایت عظیم کام اور بہت اونچا نصب العین ہے اور اس کے لیے
بڑی بھرپور اجتماعی جدو جہد کی ضرورت ہے۔ اس اجتماعی جد و جہد میں نبیؐ کے دست و بازو
، آپؐ کا ساتھ دینا، ان کی نصرت کرنا اور جہاں ان کا پسینہ گرا ہو وہاں اپنا خون بہا دینے کو
نے لیے موجب فخر و سعادت جاننا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ اس لیے کہ جب تک کہ یہ
یت اللہ اور رسولؐ کے ماننے کے دعویداروں میں پیدا نہ ہو اس مشن کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔
ت النبیؐ اور سیرِ صحابہ کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ انقلاب اسی طور سے برپا ہوا ہے کہ صحابہ
مؓ نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس راہ میں نچھاور کر دیا۔ غزوۂ خندق کا تصور کیجیے جبکہ بڑا ہی
وقت آن پڑا تھا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی کو بارہ ہزار کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے
ئے تھا اور اُس وقت جبکہ خندق کھودی جا رہی تھی اور پھاوڑے چل رہے تھے، یہ رجز او
انہ صحابہؓ کرام کی زبانوں پر تھا: " نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا " کہ ہم ہیں وہ لوگ
وں نے بیعت کی ہے محمدؐ کے ہاتھ پر، صلی اللہ علیہ وسلم۔ " عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا "
یت ہے جہاد کی کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور جب تک جسم و جان کا تعلق برقرار ہے ہم اس
دیں، اس کوشش میں اور اس جدوجہد میں لگے رہیں گے۔

یک انتہائی نفع بخش تجارت!

ـــــ چنانچہ سورۃ الصف کی
ں مرکزی آیت کے بعد اگلی ہی آیت میں مسلمانوں سے یہ سوال کیا گیا: " يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ
نُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ " کہ اے
ایمان، کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اُس کاروبار کی طرف، اُس تجارت کی طرف جو
ں نجات دے ایک دردناک عذاب سے ـــــ یہ انسانی ذہن کے بہت قریب

ر بات کرنے کا انداز ہے۔ تم دنیاوی کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو خوب
نتے ہو۔ لیکن ایک کاروبار وہ بھی ہے کہ جس سے حاصل ہونے والا نفع عذاب الیم سے
ٹکارے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس کاروبار کے نتیجے میں تم دردناک عذاب سے بچ جاؤگے،
تم کی آگ سے تمہیں رستگاری حاصل ہو جائے گی۔ یہ سوال کرنے کے بعد جواب بھی اللہ تعالیٰ
نے خود دیا۔ تعلیم و تفہیم کا یہ بڑا ہی حکیمانہ انداز ہے کہ سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔
رمایا " تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ "۔ تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ـــــ
مقام بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں یہ بات وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ قانونی
مان کچھ اور شے ہے اور حقیقی ایمان کچھ اور! ۔ خطاب اُن سے ہو رہا ہے جو پہلے سے
ملمان ہیں ۔" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "کے الفاظ پر غور کیجیے! کہ اسے وہ لوگو جو ایمان لائے
ذ جو ایمان کا دعویٰ اور اس کا اعلان کر رہے ہو، اور اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کا مرحلہ طے کر چکے
ہو۔ تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں فی الواقع عذاب الیم سے چھٹکارا ملے تو اس کا راستہ ایک ہی ہے
ور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر یقین محکم رکھو۔ (تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ) اور " وَ
جَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ " اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں،
جہاد اُس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی۔ دیکھیے " فی سبیل اللہ" کا تعین پچھلی آیت میں
لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لیے جو
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر مبعوث کیے گئے ہیں، تمہیں اپنی جان اور اپنے مال کو لگانا
ور کھپانا ہے۔ دین کو قائم و غالب کرنا اگرچہ اصلاً فرضِ منصبی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
یکن اس کے غلبے کی جدوجہد میں تمہیں اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنا اور اپنے خون سے اس انقلاب
کی آبیاری کرنی ہے۔ تمہیں اس کی بنیادوں میں اپنی ہڈیوں اور خون کا گارا بھرنا ہوگا! یہ کام اسی
طور سے ہوگا اور اسی میں درحقیقت تمہارے ایمان کا امتحان ہے۔ یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ
واقعتہً ایمان تمہارے دلوں میں اتر گیا ہے۔ اس آیت میں گویا اسی مضمون کا اعادہ ہو گیا جو
م سورۃ الحجرات میں پڑھ آئے ہیں کہ: " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ○ کہ اپنے دعوئ ایمان میں صرف وہی لوگ سچے ہیں جو ان دو شرائط کو پورا کریں۔
یقینِ قلبی کی یہ صورت کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اُن کا ایمان یقین کی شکل اختیار کر کے دل

ے اندر جاگزیں ہو چکا ہو اور (۲) اُس یقین کا عملی مظہر ہوگا جہاد فی سبیل اللہ ۔ اللہ کے دین کے
ے اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لیے جان اور مال کا کھپانا۔ یہ ہے گویا کہ سورۃ الصف کا
رزی مضمون جو آیت ۹ اور ۱۰ کے حوالے سے معیّن ہو گیا۔

اب ہمیں اس سورہ مبارکہ کا ابتدا سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کے تین حصوں اور اُن
ں شامل آیات کے باہمی ربط اور بالخصوص اس سورۃ کے مرکزی مضمون کے ساتھ ان کے ربط و
علق کو سمجھنا ہے۔ مرکزی مضمون کی تعیین کے بعد بقیّہ آیات کو سمجھنا ان شاء اللہ بہت آسان ہوگا۔

قول و فعل کے تضاد پر اللہ کا غضب

اس سورۂ مبارکہ کا پہلا حصہ چار آیات پر مشتمل ہے :-

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

سمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے، اور وہ زبردست ہے کمال حکمت
الا ہے۔ یہ ایک بڑا ہی پرشکوہ آغاز کلام ہے۔ جانتے ہو کون تم سے مخاطب ہے! وہ جو خالق
رض و سما ہے، جس کی تسبیح و تحمید میں اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ لگا ہوا ہے۔ وہ العزیز ہے،
زبردست ہے، کمالِ حکمت والا ہے۔

اگلی آیت میں زجر اور ڈانٹ کا انداز ہے، مسلمانوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝"

اے اہل ایمان کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں! تمہارے قول اور فعل کا یہ تضاد اللہ کے نزدیک
انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

اگلے الفاظ بہت سخت ہیں:

"كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝"

اللہ کے نزدیک یہ بات انتہائی بیزارکن ہے کہ تم کہو وہ کچھ جو کرتے نہیں ہو۔ 'مقت' عربی
زبان میں غیظ اور غصّے سے بھی آگے کی کیفیت کے لیے آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وقت
آپ کی توقعات پر پورا نہ اُترے تو آپ کو غصہ آتا ہے لیکن ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ توقع بالکل
ختم ہو جاتی ہے اور ایک بیزاری کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ 'مقت' کا لفظ درحقیقت

ی کیفیت کا غمّاز ہے۔ یہ گویا انتہائی ملامت کا انداز ہے کہ تمہاری بلن ترانیاں، تمہارے محبت خداوندی بّتِ رسولؐ کے یہ دعوے تمہارے عمل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ دعوے اتنے بلند آہنگ ہوں عمل اس معیار پہ پورا نہ اتر رہا ہو، اللہ کے ساتھ وفاداری اور رسولؐ کی تابعداری نہ ہو رہی ہو، اللہ رسولؐ اور ان کے دین کے لیے حمیت اور غیرت موجود نہ ہو، دینِ حق کو پامال دیکھو اور اپنے دھندوں لگے رہو، اُسے مغلوب پاؤ اور پھر بھی دنیا کمانے میں مصروف و مشغول ہو یہ قول و فعل کا وہ تضاد جو اللہ کے نزدیک انتہائی قابلِ مذمت اور بیزار کن ہے۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا، خدا کو مانا ہے تو اس کے کے لیے جان اور مال کھپانے ہوں گے، محمدؐ سے محبت ہے تو محمدؐ کے مشن کی تکمیل کے لیے جائیں اور اپنے مال صرف کرنے ہوں گے۔ یا چناں کن یا چنیں! یا اس دعوے سے دستبردار جاؤ، یا دعویٰ کرتے ہو تو اس کو عملاً پورا کرو۔ اقبال نے غالباً اسی لیے کہا تھا ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم	کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

ہ ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بت مجھے اُن جوانوں سے ہے . . .

چوتھی آیت میں یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝" اللہ کو تو محبت ان سے ہے جو جنگ کرتے ہیں اس کی راہ میں صفیں باندھ کر، ایسے گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں ـــــ جہاد فی سبیل اللہ کے بلند ترین مقام یعنی قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ جہاد ایک وسیع اصطلاح

---

* عرب میں ایک مکروہ رواج یہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ تاہم ایسے نکاح کو اس معاشرے میں انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کے لیے 'نکاحِ مقت' کی اصطلاح مستعمل تھی۔

* غالباً علامہ اقبال نے اپنے اس شعر کا اسلوبِ بیان اسی آیتِ مبارکہ سے اخذ کیا تھا کہ ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے	ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

ہے۔ دین کے لیے جد وجہد، محنت، کوشش اور دعوت و تبلیغ سب جہاد ہی کی صورتیں ہیں۔ ی طرح دین کی نشر واشاعت کے لیے محنت کرنا، لوگوں سے گفتگو کر کے انہیں ہم خیال بنانے ، ہر ممکن صورت کا اختیار کرنا، پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انہیں منظم کرنا اور ان کی مناسب بیت کا اہتمام کرنا، یہ تمام کام جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔ لیکن اس تصادم اور کشمکش کا آخری حلہ اور اس کا نقطۂ عروج ہے قتال فی سبیل اللہ! ــــــ یہاں اُس کا ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے یہ راستہ جا کدھر رہا ہے، جہاد فی سبیل اللہ کے جس راستے پر تم نے قدم دھرے ہیں اس کی آخری نزل کونسی ہے! ۔ چنانچہ فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝" قدم اس طرح سے جمے ہوئے ہوں اور صف بندی ایسی ضبوط ہو کہ جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو کہ نہ اُسے اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکے، نہ اس میں ہیں کوئی رخنہ پیدا کیا جا سکے۔

سلام میں 'خیر اعلیٰ' کا تصور

ــــــ اس آیت کا حوالہ ہمارے منتخب نصاب کے بالکل آغاز میں ۂ بر کے ضمن میں آیا تھا کہ ہر نظام فکر کے نظریۂ اخلاق میں کسی نہ کسی خیرِ اعلیٰ (SUMMUM BONUM) بالفاظِ دیگر کسی HIGHEST VIRTUE ، کا تصور موجود ہوتا ہے کہ سب سے اعلیٰ قدر کونسی ہے، نیکی کی بلند ترین منزل کونسی ہے نوٹ کیجیے کہ آیۂ بر کے اختتام پر جو مضمون آیا تھا اُسی کا اعادہ سورۃ الصف کی اس آیت میں ہوا ہے۔ وہاں نیکی کی بحث کا اختتام ان الفاظ پر ہوا تھا: "وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط" اور صبر کرنے والے، ڈٹ جانے والے، برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کرنے والے فقر و فاقہ میں، تکلیف و اذیت یں، اور میدانِ جنگ میں ــــــ گویا اسلام کے نظام فکر اور اس کے نظریۂ اخلاق میں لند ترین نیکی یا خیر اعلیٰ (SUMMUM BONUM) کا جو تصور ہے وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہے۔

بہرحال یہ پہلی چار آیات تمہید بن رہی ہیں اُس مطالبۂ جہاد و قتال کی جو آگے آرہا ہے۔ ــــــ اگلی آیات میں بعثتِ نبوی کے مقصد اور مشن کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی جاتی ہے، لہٰذا آغاز میں تمہید کے طور پر یہ انداز اختیار

کیا گیا ہے کہ جان لو کہ صرف زبانی اقرارِ ایمان تمہیں اللہ کے ہاں اُن وعدوں کا مستحق نہیں بنائے گا جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیے ہیں بلکہ قولی اقرار کے ساتھ ساتھ عمل کی گواہی بھی ضروری ہے۔ اور اس عمل کی چوٹی ہے قتال فی سبیل اللہ جو بندۂ مومن کی عملی جدوجہد کا نقطۂ عروج ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ اُس کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو، اُس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی۔ یہ درحقیقت ایمان کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ کی راہ میں مجاہدے اور جدوجہد میں گزرے لیکن قتال کا مرحلہ نہ آئے۔ تاہم ایک بندۂ مومن کے سینے کو اس آرزو سے آباد رہنا چاہیے کہ کاش کہ وہ وقت آئے کہ اپنی جان کا ہدیہ اللہ کے حضور میں پیش کر کے وہ سُرخ رُو ہو جائے، سبکدوش ہو جائے۔ سورۃ الاحزاب میں اہلِ ایمان کی شان میں یہ الفاظ آئے ہیں: " فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ "، کہ ان صحابہ کرام میں بہت سے وہ ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے، راہِ حق میں گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے اور باقی منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی اس امتحان میں سرخرو ہو جائیں!

یہود کا ذکر بطور نشانِ عبرت

اگلی چار آیات میں یہود کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے ـــــ اور یہ ان 'مسبحات' کے مشترک امور میں سے ہے کہ ان میں جا بجا بنی اسرائیل کو بطور نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے ـــــ کہ اے مسلمانو، قول و عمل کا تضاد اور ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی سے پہلو تہی ہی وہ اصل جرم تھا کہ جس کی پاداش میں یہود اُس مقام اور منصب سے معزول کر دیے گئے جس پر آج تم فائز کیے گئے ہو۔ چار آیات میں یہود کی تاریخ کے تین ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اور یاد کرو جب کہا تھا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اے میری قوم کے لوگو، کیوں مجھے ایذا پہنچاتے ہو۔ درآنحالیکہ تم خوب جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف، پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی کج کر دیا، اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

ؤم کے جہاد سے انکار پر حضرت موسےؑ کی بیزاری

اس آیۂ مبارکہ پر پہلے تو اس اعتبار سے غور کیجیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی اُمت ے ہاتھوں کس نوعیت کے دکھ سہنے پڑے ہوں گے! یقیناً کوئی نہ کوئی ذاتی اذیت بھی آپؑ دی پہنچائی گئی ہو جیسے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی زبان سے جو بظاہر کلمہ گو لیکن حقیقت کے اعتبار سے منافق تھے، انتہائی اذیت پہنچتی رہی۔ یہاں تک کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگی۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کتنی کوفت اور کتنی ذہنی و قلبی اذیت مد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے پہنچی ہو گی۔ تو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کی کچھ اذیتیں بھی یہود کے ہاتھوں حضرت موسیٰ کو پہنچی ہوں تو یہ کوئی بعید از قیاس ت نہیں ہے۔ لیکن "اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" کے اصول کے تحت تلاش بیجیے کہ حضرت موسیٰ کو قوم کے ہاتھوں اصل اذیت کب پہنچی تھی تو آپ کو سورۃ المائدہ میں اس تفصیل ملے گی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی کے پھندوں سے جات دلا کر لائے اور صحرائے سینا میں پڑاؤ کیا جہاں اُنہیں "تورات" عطا کی گئی، تو بالآخر اد و قتال کا مرحلہ سامنے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا کہ اب اِس ارضِ مقدس نی فلسطین میں داخل ہو جاؤ، قتال فی سبیل اللہ کے لیے کمرِ ہمت کس لو تو قوم نے صاف جواب ے دیا: "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" کہ اے موسیٰ اؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں قتال کرو۔ ہم اپنی گردنیں کٹوانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ س پر رنج و صدمے کی جو کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی اُس کا نقشہ قرآن ید نے کھینچا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے حد درجہ مایوسی اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں: "رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ خِیْ": کہ اے پروردگار مجھے خود اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے سوا کسی پر کوئی اختیار حاصل

ہیں۔ " فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ○ (مائدہ) " تو اے پروردگار!
ہمارے اور فاسقوں کی اس قوم کے درمیان تفریق کر دے، ہمیں ان کے ساتھ مزید رہنے
کے لیے تیار نہیں ——— یہ گویا وہ سب سے بڑی اذیت تھی جو اپنی امت کے ہاتھوں
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلنی پڑی ۔

(جاری ہے)

قوموں کا عروج زوال

قرآنِ حکیم اور کلامِ اقبال کے آئینے میں

ذیل کا مضمون ہمیں کراچی سے محترم تنظیم حسین صاحب نے اس تصریح کے ساتھ ارسال کیا ہے کہ کئی برس پہلے ایک کتابچے کی صورت میں یہ ان کے ہاتھ لگا تھا لیکن پھر اس کے سرورق کے گم ہو جانے کے باعث نہ یہ بات تعیّن کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اسے کس ادارے نے شائع کیا تھا اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا ہے کہ اس کے مؤلف کون تھے۔ تاہم مضمون چونکہ نہایت وقیع ہے لہٰذا اسے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

ہر وہ شخص جس نے تاریخِ عالم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے واقف ہے کہ دنیا میں بہت سی قومیں آئیں۔ ایک عرصہ تک بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور پھر دوسری قوموں کو اپنی جگہ دے کر ختم ہو گئیں۔ اقوام و ملل کے عروج و زوال کے اسباب کیا ہیں اور یہ کن قوانین کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں، ان کو دریافت کرنے کے لیے ہمیں کلامِ الٰہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ خداوندِ کریم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۷ / ۱۲۸) یعنی "بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث کر دے اور عاقبت ان لوگوں کے لیے ہے جو متقی ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین خدا کے سوا کسی کی میراث نہیں۔ اقوام کو یہ میراث خدا کے حکم سے عطا کی جاتی ہے۔ کن لوگوں کو یہ وراثت ملتی ہے اس کی تشریح اس آیت کے علاوہ دوسری آیتوں میں بھی کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہوا:

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" یعنی اللہ نے

ان لوگوں کو زمین پر خلیفہ بنانے کا وعدہ کر لیا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا۔ جس طرح ان کے اگلوں کو اس نے خلیفہ بنایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خلافت حاصل کرنے کے لیے دو اجزا ضروری ہیں:

(۱) ایمان اور (۲) عمل صالح۔ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

"حق جہاں را قسمت نیکاں شمرد جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد"

جب کسی قوم کو اس کی اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر مسند خلافت عطا ہوتی ہے تو پھر بلاوجہ اس کو اس مقام سے نہیں ہٹایا جاتا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

"وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۔" (۱۱/۱۱۷)

یعنی "ایسا نہیں ہو سکتا کہ تیرا پروردگار قریوں کو بلاوجہ تباہ کر دے حالانکہ اس کے باشندے نکوکار ہوں"۔

لیکن اگر کوئی قوم خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کھو بیٹھے یعنی ایمان اور عمل صالح سے دور ہو جائے تو پھر چاہے وہ بظاہر کتنی ہی طاقت ور نظر آئے کوئی قوت اس کو منصب خلافت پر بحال نہیں رکھ سکتی۔

"اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً" (۳۶/۴۴)

یعنی "کیا لوگ زمین پر سیر نہیں کرتے تاکہ اپنے پیشرؤں کا انجام دیکھیں جو کبھی قوت میں ان سے زیادہ تھے"۔

پھر کہا گیا ہے کہ ہلاکت صرف ان ہی قوموں کے لیے مختص ہے جو فاسق اور بدکار ہوتی ہیں۔

"فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ۔" (۴۶/۳۵)

یہ ہے وہ قانون جو قوموں کے عروج اور زوال کے اسباب کی نشاندھی کرتا ہے اور جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا۔

"سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ وَلَنْ تَجِدَ

لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۔ (۶۲/۳۳)

"یہی قانون تھا ان لوگوں کے لیے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور قانون الٰہی میں تم کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

انہی قوانین الٰہی کی اقبال نے مختلف مقامات پر تشریح کی ہے اور انہیں مقتضائے زمانہ کے مطابق جدید اور دلچسپ پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ وہ دلنشیں ہو جائیں۔

قومیں افراد سے بنتی ہیں اور قوموں کا عروج و زوال افراد کی صلاحیت اور نااہلی سے وابستہ ہوتا ہے۔ فرد کی زندگی اور ترقی کا اصل محرک اپنی انا یا خودی کی حفاظت کا جذبہ۔ اس لیے جو قومیں ترقی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی شخصیت اور صلاحیتوں کی تربیت کریں تاکہ وہ مستحکم ہوں اور ارتقار کے زینے طے کریں۔ ہر وہ چیز انسانی شخصیت کو اُجاگر کرے خیر ہے اور جس چیز سے شخصیت کمزور ہو جائے وہ شر ہے خودی کی شخصیت کے تین پہلو ہوتے ہیں، جسمانی، ذہنی اور روحانی۔ ان تینوں پہلوؤں کا متناسب طور پر نشو و نما ہو اور ان میں ہم آہنگی پائی جائے تو پھر فرد کی ذات تکمیل کی طرف آگے بڑھتی ہے اور اس سے قوم اور جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ہر پہلو کی نشو و نما کے لیے کا ریاضت اور محنت کی ضرورت ہے۔ ترقی پذیر قوموں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے افراد ہر قسم کی شدید محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں اور جب قوم کے زوال کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے تو ان افراد میں تن آسانی اور راحت پسندی سرایت کر جاتی ہے۔ اس نکتہ کی طرف اقبال نے نہایت بلیغ اشارہ کیا ہے:۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

اس لیے اقبال ہمیشہ تن آسانی کے خلاف تنبیہہ کرتے ہیں اور اپنی قوم خصوصاً نوجوان افراد کو اس میں مبتلا دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو روتے ہیں:۔

ترے صُوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ایرانی
لہو مُجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

کس قدر درد اور سوز سے بھرا ہوا ہے یہ شعر جس میں وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرتے

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مردِ تن آساں تھا، تن آسانوں کے کام آیا

اسلام نے انفرادی ذمہ داری اور سعی و عمل کو زندگی کا اصل اصول قرار دیا ہے۔ اسی سعی و عمل کی بدولت انسان خود کو اشرف المخلوقات ثابت کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کا عمل ضائع نہیں جاتا :-

"اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی"..... (۱۹۵/۳)

اقبال نے اپنے خطبات میں آیۂ کریمہ "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ" کی تشریح یوں کی ہے کہ جس امانت کا بوجھ آسمان و زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا وہ شخصیت اور احساسِ خودی کی ذمہ داری تھی جسے انسان نے قبول کر لیا۔ اسی ذمہ داری کی بدولت اس کی تمام تر فضیلت اور عظمت پیدا ہوئی اور اسی سے اس میں اتنا اعتماد پیدا ہوا کہ نہ صرف حقائقِ اشیاء کا علم حاصل کر سکے بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق فطرت میں تصرّف کر سکے۔ اپنی اس استعداد کی بدولت وہ رفعت و کمال کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے اور اپنے علم و محبت کو اتنا وسیع کر سکتا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ انسانی فضیلت اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ اس کی فطرت کو فطرتِ الٰہی کے مطابق ٹھیرایا گیا۔

"فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا"۔ (۳۰/۳۰)

اور اسکو اختیار دیا گیا کہ اپنے فکر و عمل سے حالات و حقائق میں تغیر کرے۔ اس کے تصوّر اور ارادہ کو آزاد چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ کائنات کو مسخر کرے۔ ایجاد اور تخلیق فطرتِ الٰہی کی خصوصیت ہے چنانچہ انسان میں بھی یہ وصف ایک حد تک ودیعت کیا گیا کہ وہ ایجاد اور تخلیق کے ذریعہ اپنے ماحول پر قابو پائے اور نئی نئی اشیاء بناتا رہے۔

جاوید نامہ میں افلاک کی سیر کرتے ہوئے اور فردوس بریں سے گزر کر جب اقبال حضورِ باری میں پہنچتے ہیں تو اس کرۂ خاکی کی موجودہ حالت کی طرف جناب باری کی توجہ مبذول

ے ۳۳/۷۲

کراتے ہیں۔ اس کے جواب میں ندائے جمال آتی ہے جس میں تخلیقِ عالم کی حقیقت بتلائی گئی ہے اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

زندگی ہم فانی و ہم باقی است — ایں ہمہ خلاقی و مشتاقی است!
زندۂ! مشتاق شو، خلاق شو — ہم چو ما گیرندۂ آفاق شو!
در شکن آن را کہ ناید ساز گار — از ضمیرِ خود دگر عالم بیار!
بندۂ آزاد را آید گراں — زیستن اندر جہانِ دیگراں!
ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست — پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست!
مردِ حق! برندہ چوں شمشیر باش — خود جہانِ خویش را تقدیر باش!

انفرادی ذمہ داری کا احساس، سعی و عمل کی توفیق اور ایجاد و تخلیق کی صلاحیت افراد کی یہی تین بڑی صفتیں ہیں جن کی بنا پر وہ اپنی قوم کو بامِ ترقی کے انتہائی زینہ تک لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ اقبال اپنے خطبات میں لکھتے ہیں:-

" انسان کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی کائنات کی گہری آرزوؤں میں شریک ہو اور اس طرح خود اپنے مقدر اور کائنات کی تقدیر کی تشکیل کرے۔ کبھی وہ کائنات کی قوتوں سے اپنے تئیں مطابق بناتا ہے اور کبھی ان کو پوری قوت کے ساتھ اپنے مقاصد کے مطابق ڈھالتا ہے۔ اس تدریجی تغیر کے عمل میں خدا خود اس کا شریک کار ہوتا ہے بشرطیکہ انسان کی طرف سے اقدام کیا گیا ہو:-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ اگر انسان کی طرف سے اقدام نہیں ہوتا اور وہ اپنے وجود کے قویٰ کو ترقی نہیں دیتا، اگر وہ زندگی کے بڑھتے ہوئے دھارے کا زور محسوس نہیں کرتا تو اس کی روح پتھر بن جاتی ہے اور وہ مثل مردہ مادہ کے ہو جاتا ہے۔" (خطبات ص ۱۲)

اب افراد سے گذر کر قوم کی طرف بڑھیے تو معلوم ہوگا کہ قوم کی ترقی کے لیے سب سے پہلے

۱۱/۱۳ ۔

اس کے نصب العین (IDEALOGY) کے تعین اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ جب کوئی قوم اپنی تہذیب اور اپنی علمی روایات پر یقین نہیں رکھتی اپنی عقل کو دوسروں کے افکار کی زنجیر میں گرفتار کرتی اور اپنی تمناؤں کو دوسروں سے مستعار لینے میں تامل نہیں کرتی تو پھر وہ نیابت الٰہی کے حق سے دست بردار ہو جاتی ہے:

عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر ! در گلوئے تو نفس از تارِ غیر
بر زبانت گفتگو ھا مستعار در دل تو آرزو ہا مستعار
بادہ می گیری بجام از دیگراں جام ہم گیری لوام از دیگراں
آفتاب استی یکے در خود نگر از نجوم دیگراں تابے مخر
تا کجا طوف چراغ محفلے زآتش خود سوز اگر داری دلے

قوم اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے جب کہ وہ اپنے ناموسِ کہن کی حفاظت کرے اور اپنے مقصودِ حیات کو فراموش نہ کردے۔ جماعتیں اپنی سرگذشت کے ذریعے اپنے مقاصد کا تعین اور اپنے اجتماعی وجود کو مستحکم کرتی ہیں:-

زندہ فرد از ارتباط جان و تن زندہ قوم از حفظ ناموسِ کہن
مرگ فرد از خشکیٔ رودِ حیات مرگ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

جاوید نامہ کے سفر میں اقبال جب آں سوئے افلاک پہنچ کر ذات باری سے مخاطب ہوتے ہیں تو ایک بار پھر عرض کرتے ہیں کہ جو قوم ایک مرتبہ مردہ ہو چکی ہو وہ دوبارہ کیونکر زندہ ہو سکتی ہے:-

چیست آئینِ جہانِ رنگ و بو جز کہ آب رفتہ می ناید بجو!
زندگانی را سرِ تکرار نیست فطرتِ او خوگرِ تکرار نیست!
زیرِ گردوں رجعتِ او نارواست چوں ز پا افتادہ قومے برنخواست!
ملتے چوں مُرد کم خیزد ز قبر چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر!

اس کے جواب میں ندائے جمال آتی ہے کہ قوموں کی زندگانی کا راز وحدت افکار و کردار میں پوشیدہ ہے:-

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ ۔۔۔ باہزاراں چشم بودن یک نگاہ
اہل حق را حجت و دعوے یکے ست ۔۔۔ خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے ست
ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب ۔۔۔ یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب
ملتے چون می شود توحید مست ۔۔۔ قوت و جبروت می آید بدست
روح ملت را وجود از انجمن ۔۔۔ روح ملت نیست محتاج بدن
مردۂ از یک نگاہی زندہ شو ۔۔۔ بگذر از بی مرکزی پائندہ شو

سیاسی محکومیت سے زیادہ خطرناک ذہنی غلامی ہوتی ہے ۔ جب کہ کوئی قوم اپنے نصب العین کو چھوڑ کر کسی دوسری جماعت کے خیالات اور افکار کو اختیار کر لیتی ہے اور انہی کے مطابق عمل کرنا شروع کرتی ہے ۔ اسی لیے قوموں کے عروج و زوال میں IDEALOGY کا بھی بڑا عنصر ہوتا ہے ۔ اور قوم کی ترقی کے لیے سب سے پہلے لازمی شرط بقول اقبال " تطہیرِ فکر " یعنی افکار کو پاک و صاف کرنا ہے ۔

اس کے بعد ایک اہم سوال فرد اور جماعت کے باہمی تعلق کا ہے ۔ وہی معاشرہ ترقی پسند ہوگا جس میں اس مسئلہ کو بحسن و خوبی حل کیا گیا ہو ۔ جس قوم میں فرد اور سوسائٹی کا رشتہ مناسب اور فطرت کے مطابق ہوگا اس کی ترقی کے امکانات وسیع ہوں گے اور جہاں افراد اور جماعت میں باہمی نزاع اور کشمکش پائی جائے وہاں ترقی مفقود ہوگی ۔

فرد اور جماعت کے اغراض و مقاصد میں کوئی دائمی تضاد نہیں ۔ وہی سوسائٹی فطرت کے مطابق ہوگی جس میں انفرادی خودی کو اپنی نگہبانی اور پرورش کا موقع حاصل ہو اور اس کے ساتھ اجتماعی مفاد کو بھی ٹھیس نہ لگے ۔ جس طرح وہ شخص جو قافلہ میں سفر کرتا ہے سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ اپنا وجود بھی برقرار رکھتا ہے ، یہی حال کاروانِ زندگی کا ہے جس میں ہر فرد سب کے ساتھ بھی ہے اور سب سے جدا بھی ۔ اس حقیقت کو اقبال نے مختلف موقعوں پر نہایت بلیغ پیرایہ میں پیش کیا ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

" زندگی انجمن آرا و نگہ دار خود است
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو ، با ہمہ رو "

جو لوگ زندگی کے اس راز سے واقف ہوتے ہیں وہ اس طرح رہتے ہیں کہ

"بروں زانجمنی ، درمیان انجمنی
بخلوت اند و لے آں چناں کہ باہمہ اند"

فرد اور جماعت کے اس تعلق کا اقبال نے اپنے لیکچر "ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ اس لیکچر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فرد کو جماعتی زندگی کی اخلاقی اقدار کا تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرد کی شخصیت عمرانی ماحول کے بغیر روشن نہیں ہو سکتی ۔ خودی کی تربیت جو زندگی کا مقصد ہے تنظیم ملّت کے بغیر ممکن نہیں ۔ اس لئے ضروری ہے کہ فرد کے جسمانی اور روحانی قویٰ وقف ہوں اجتماعی زندگی کے مقاصد کے لیے جن کی خاطر وہ زندہ رہتا ہے ۔

افراد جلد جلد مٹنے والے ہیں لیکن قومیں اپنی آئندہ نسلوں کے ذریعہ اپنی زندگی کو دائمی بنا لیتی ہیں۔ ان کی زندگی غیر محدود ہوتی ہے ۔ یوں سمجھیے کہ اگر چمن کے پھول مرجھا جائیں تو فصلِ بہار پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جواہرات کے معدن میں سے اگر ایک دو جوہر ٹوٹ جائیں تو معدن میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ خمِ ایّام میں سے روز و شب کے بے شمار جام پے بہ پے میخواران حیات کو ملتے ہیں لیکن وہ جیسا تھا ویسا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح ملّت کی تقویم فرد کی تقویم سے جداگانہ ہے اور اس کے جینے مرنے کا قانون بھی مختلف ہے :-

فصلِ گل از نسترن باقی تر است ، از گل و سرو سمن باقی تر است
کانِ گوہر پرورے گوہر گرے ، کم نہ گردد از شکست گوہرے
صبح از مشرق ز مغرب شام رفت ، جام صد روز از خم ایام رفت
بادہ ہا خوردند و صہبا باقی است ، دوش ہا خون گشت و فردا باقی است
ہم چنان از فرد ہائے پے سپر ، ہست تقویم امم پائندہ تر !!
در سفر یاراست و صحبت قائم است ، فرد رہ گیراست و ملت قائم است
ذات او دیگر صفاتش دیگر است ، سنتِ مرگ و حیاتش دیگر است

افراد کے دل میں جماعت کی خاطر ایثار اور خود فراموشی کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کو

قبال "بے خودی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ خودی اور بے خودی کے باہمی توازن اور ہم آہنگی کی بنا پر ہی قومیں ترقی اور کامرانی کی شاہراہ پہ آگے بڑھتی ہیں :۔

فرد را ربط جماعت رحمت است — جوہر او را کمال از ملت است

تا توانی با جماعت یار باش — رونق ہنگامۂ احرار باش

فرد می گیرد ز ملت احترام — ملت از افراد می یابد نظام

در جماعت فرد را بینیم ما — از چمن او را چو گل چینیم ما

فطرتش وارفتۂ یکتائی است — حفظ او از انجمن آرائی است

فرد جب اپنے آپ کو ملت کا پابند بنا لیتا ہے اور معاشرہ کی خدمت میں منہمک ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے وجود کے بلند ترین مقام تک پہنچتا ہے۔ فرد اور جماعت کا تعلق ایک قسم کا زندۂ عضوی (ORGANIC) تعلق ہے۔ فرد اپنے آپ کو اگر چاہے بھی تو جماعت سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ فرد کی تکمیل ذات سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے تعلقات کو جماعت کے ساتھ استوار کرے ورنہ وہ اس درخت کے مثل ہوگا جس کی جڑیں اکھڑ گئی ہوں۔ انسانی ارتقاء کا منتہی یہ ہے کہ فرد اور جماعت کے اقدار حیات میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ جو تمدن اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے وہی زندگی کی گتھیوں کو اچھی طرح سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اقبال کے نزدیک جس خوبی سے اسلامی تمدن میں فرد اور جماعت کے تضاد کو رفع کیا گیا اور مادی اور روحانی زندگی میں جو امتزاج پیدا کیا گیا ہے وہ خود اس امر کا ضامن ہے کہ اسلامی تمدن ہر قسم کے جوکھوں میں پڑ کر اور جلا پائے گا اور بڑے بڑے انقلابوں کے باوجود اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے گا۔ انقلابوں کو جھیلنا جماعتوں کی قوتِ حیات پہ دلالت کرتا ہے اور تغیرات سے عہدہ برآ ہونا صرف اجتماعی اقدار ہی کی بدولت ممکن ہے۔ نئے حالات سے مطابقت جماعتوں کو دوام بخشتی ہے۔ ہر انقلاب کے بعد اسلامی تہذیب نے اپنے آپ کو از سر نو زندہ کیا۔ تاتاری حملے کی مثال اسلامی تاریخ میں موجود ہے جس کی بدولت کعبہ کو نئے پاسبان مل گئے۔

اسی مضمون کی طرف رموزِ بے خودی میں اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے بتایا ہے اسلامی تہذیب اپنے اندرونی جوشِ حیات و بقا کی بدولت ہر فرد کی آگ کو گلزار بنا سکتی ہے ۔ انقلابِ زمانہ کے شعلے جب گلشنِ اسلام تک پہنچتے ہیں تو پھر انہی شعلوں سے بہار ہ نمودار ہوتی ہے ۔ یونانی علم و حکمت ، رومیوں کی جہانگیری ، مصری اور ساسانی شان و وت سب کے سب ایک ایک کرکے انقلاب زمانہ کے شکار ہوگئے ۔ لیکن ملتِ اسلامیہ ہ عزمِ حیات میں آج بھی کمی نظر نہیں آتی :۔

آتشِ تاتاریاں گلزارِ کیست ؟ شعلہ ہائے او گل دستارِ کیست ؟
از تہِ آتش بر اندازیم گل نار ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلابِ روزگار چوں بہ باغ ما رسد گردد بہار
رومیان را گرم بازاری نماند آں جہانگیری جہانداری نماند
شیشۂ ساسانیاں درخوں نشست رونقِ خمخانۂ یوناں شکست
مصرہم در امتحاں ناکام ماند استخوان او تہ اہرام ماند
درجہاں بانگ اذاں بود ست و ہست ملتِ اسلامیاں بود ست و ہست

یں نے ابتدا میں قرآنی آیات کے ذریعے تشریح کی ہے کہ نیابتِ الٰہی اور زمین حکمرانی کے لیے ایمان اور عمل صالح ناگزیر ہیں ۔ ایک اور موقع پر قرآن نے بتایا ہے کہ بقائے مدارج کے لیے ایمان کے ساتھ علم بھی ضروری ہے :۔

" وَيَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ " (۱۱/۵۸)

ایمان ، عمل صالح اور علم ، یہی اقانیم ثلاثہ ہیں جن کے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں اور ن کی عدم موجودگی میں قوموں کا زوال لازمی ہے ۔ ایمان کے متعلق اقبال کہتے ہیں :۔

ولایت ، پادشاہی ، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ایمان کے بعد دوسرا عنصر عمل صالح کا ہے۔ نیابتِ الٰہی انہی کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے عمل اور کردار سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرتے ہیں جس جماعت میں جوشِ عمل کی بنا پر جذب و تسخیر کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر اس کے غلبے اور تسلط کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ وہ اپنے جوشِ کردار اور اعمال صالحہ کی بنا پر تقدیر کے راز بھی معلوم کر سکتی ہے:۔

راز ہے راز ہے تقدیر جہاں تگ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

اقبال نے اپنے کلام میں عمل کی ترغیب مختلف پیرایوں میں دی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قُم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قُم باذن اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے قُم باذن اللہ

زبورِ عجم کی وجد آفریں نظم کا ایک بند ہے:۔

تختِ جم و دارا سر راہے بفروشند
ایں کوہِ گراں ست' بکاہے بفروشند
باخونِ دلِ خویش خریدن دگر آموز

قوموں کے عروج و ترقی کے لیے ایمان اور عمل صالح کے بعد تیسری اور آخری شرط علم و حکمت کی ہے، جس کو خداوند تعالیٰ نے خیرِ کثیر کہا ہے:۔

" وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا "

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
سیدِ کل صاحبِ ام الکتاب
پردگی ہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید رَبِّ زِدْنِی از زبانِ او چکید

قرآن پاک میں انسانی شرف کی بنا حقائق اشیا کے علم کو ٹھیرایا گیا ہے۔ چنانچہ "وَعلم آدم الاسماء کلہا" کی آیت شریفہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ انسان اپنے علم کی قوت سے آسمانوں کے سینے شگاف کرتا ہے اور عالم رنگ و بو کو اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ وہ فطرت کی کمی اور کوتاہی کو اپنے منشار کے مطابق دور کرسکتا اور اس کی فزدنی کو کم کرسکتا ہے۔ انسانی آزادی اور اختیار اس کے علم ہی کا ایک کرشمہ ہے، اس علم کی بدولت وہ ایسے مقام پہ پہنچ جاتا ہے جہاں ساری کائنات اس کے زیرِ نگیں آجاتی ہے۔ اور عناصر پہ اس کی حکمرانی ہوتی ہے:۔

خنک روزی کہ گیری این جہان را شگافی سینۂ نُہ آسمان را

بکف بردن جہان چار سو را مقام نور و صوت و رنگ و بو را

فزدنش کم، کم او بیش کردن دگرگوں برمراد خویش کردن

شکوہ خسروی این است و این است ہمیں ملک است کو توأم بدین است

قانون طبعی کی رو سے "عمل صالح" کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ موالید و عناصر کو مطیع کیا جائے اور انہیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ جماعتیں اسی وقت آزادی اور عزت کی زندگی بسر کرسکتی ہیں جبکہ وہ خارجی دنیا پہ اور اس کی پوشیدہ قوتوں پر تصرف حاصل کریں۔ تمدن کی ترقی عبارت ہے عالم خارجی پہ تصرف حاصل کرنے کے طریقوں کی ترقی سے۔ قوائے عالم کی تسخیر استحکام خودی اور حیات ملیہ کی توسیع کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اقبال نے فطرت کو ارباب نظر کا تختۂ تعلیم قرار دیا ہے، جس کے ذریعہ انسان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ انسانی روح کے تقاضے جس قدر شدید ہوں گے فطرت اسی مناسبت سے اپنے رازہائے سربستہ اس پر منکشف کرے گی۔

ماسوا از بہر تسخیر است و بس سینۂ او عرضۂ تیر است و بس

ے ۳۱/۲

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد عالمے از ذرۂ تعمیر کرد
تا ز تسخیر قوائے این نظام ذو فنونیہائے تو گردد تمام
نائب حق در جہاں آدم شود بر عناصر حکم او محکم شود

اقبال نے اپنے خطبات میں قرآنی آیات کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صرف علم کے ذریعے انسانی ذہن عالم محسوس کے پرے جا سکتا ہے اور اس پر تصرف حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تصرف جو علم کے ذریعہ ممکن ہے حفظ حیات اور استحکام خودی کا ضامن ہوتا ہے :۔

علم از سامان حفظِ زندگی است علم از اسبابِ تقویمِ خودی است
دست رنگین کن زخونِ کوہسار جوئے آبِ گوہر از دریا بر آر
صد جہاں در یک فضا پوشیدہ اند مہر ہا در ذرہ ہا پوشیدہ اند
از شعاعش دیدہ کن نا دیدہ را وا نما اسرار نافہمیدہ را
تابش از خورشید عالم تاب گیر برق طاق افروز از سیلاب گیر
جستجو را محکم از تدبیر کن انفس و آفاق را تسخیر کن

قوموں کے عروج و زوال کے یہ وہ ابدی قوانین ہیں جن کو قرآن کریم سے اخذ کر کے اقبال نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور جو آج بھی اسی طرح تازہ زندگی بخش سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں حرز جاں بنایا جائے اور پوری قوت اور استقامت کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے۔ ملتِ بیضاء کے لیے اقبال کا ایک انتہائی جاں افروز پیام اور سن لیجیے۔

عہدِ نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

کتابیات

ارتکاب گناہ کے اسباب

زیرِ طبع کتاب کے باب اوّل کی فصلِ ثانی

مؤلف : ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور

عورتوں کی محبت

نوعِ انسانی کی بقا اور تسلسل مرد و عورت کے وجود اور ملاپ میں ہے اسی لیے عورت کے لیے مرد میں اور مرد کے لیے عورت میں کشش رکھی گئی ہے۔ اگر یہ تعلق معروف طریقے سے ہو تو بہت بڑی انسانی خدمت اور تحفظِ ایمان کی ضمانت ہے۔ لیکن انسان اپنی نادانی اور جہالت بلکہ شہوت پرستی کی وجہ سے معروف و مقرر حدود میں رہنے کے بجائے آزاد شہوت رانی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور اگر وہ ناجائز جنسی تعلقات کے جال میں نہ بھی پھنسے تو بھی وہ بسا اوقات خود اپنی بیوی کی غلط فرمائشوں اور زائد از استطاعت تقاضوں کی وجہ سے مختلف نوعیت کی ٹھوکریں کھاجاتا ہے۔ درحقیقت یہ انسانی طبیعت کا خاصہ اور اس کی فطری کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝[1]

"لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس —— عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،

---

[1] سورت آل عمران، آیت ۱۴

مویشی اور زرعی زمینیں ـــــ بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ اور حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔"

اصل یہ ہے کہ ہر وہ تعلق جو انسان کو اللہ سے دور یا اس کا باغی کر دے وہ اس کے لیے آزمائش اور فتنہ ہے، خواہ عورتوں سے ناجائز تعلقات ہوں یا جائز بیویوں کے ناجائز تقاضے۔ معاملے میں احتیاط برتنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ [1]

"میرے بعد کوئی ایسی آزمائش یا فتنہ نہیں ہے جو مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔"

دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۔ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ [2]۔

"یقیناً یہ دنیا بہت میٹھی، سرسبز اور شاداب ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں اقتدار بخشنے والا ہے۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، چنانچہ دنیا کی آلائشوں سے بچتے رہو۔ اور بالخصوص عورتوں کی آزمائش سے دور رہو۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔"

اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت ہونا بذاتِ خود کوئی برائی ہے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اگر عورت ہو تو دنیا کی عظیم ترین نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ [3]۔

صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اہل

صحیح مسلم۔ کتاب الرقاق۔ باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء و بیان الفتنۃ بالنساء۔

صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع۔ باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔

"دنیا ساری ہی فائدے کا سامان ہے اور سب سے اچھا سامان نیک عورت ہے۔"

لیکن جن عورتوں پر نیکی اور طلبِ آخرت کا غلبہ نہیں ہوتا وہ مردوں کے لیے یقیناً فتنے فساد، اور نیکی سے دُوری کا سبب بنتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی بُرائی کا شکار ہوکر جہنّم کا راستہ اختیار کرتی ہیں اور دوسروں کے لیے بھی بُرائی اور جہنّم کا سبب بنتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُمْتُ عَلٰی بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔[1]

"میں جہنّم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں سب سے زیادہ اس میں عورتیں ہی داخل ہوئی ہیں۔"

اولاد کی محبّت:

اولاد کی محبت ایک فطری جذبہ ہے جو ہر انسان بلکہ حیوان میں پایا جاتا ہے۔ اگر یہ محبّت حدودِ شریعت میں رہے تو عظیم درجے اور مرتبے کا ذریعہ ہے ــــــ لیکن اگر یہ محبّت انسان کو حلال حرام کی پہچان سے بے نیاز کردے، فرائض سے غافل کردے یا منکرات اور غلط اقدامات کی طرف لے جائے تو یقیناً بہت بڑا فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔[2]

"اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو!"

آگے چل کر فرمایا:

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔[3]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب صفۃ الجنۃ والنار۔ صحیح مسلم۔ کتاب الرقاق حدیث ۱۱۔

[2] سورت التغابن، آیت ۱۴۔

[3] سورت التغابن، آیت ۱۵۔

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں۔"

جو تعلق اور رشتہ انسان کو حقوق اللہ کی ادائیگی یا اخلاقِ فاضلہ سے محروم کر دے وہ یقیناً بہت
، آزمائش ہے۔ لبا اوقات اولاد کی محبّت بھی بہت سارے فرائض دینی ادا کرنے میں آڑے
تی ہے یا انسان کردار کی مضبوطی اور فاضلانہ اخلاق اپنانے کی بجائے کمزوری اور کوتاہی کا شکار
باتا ہے جس کی نشان دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان میں موجود ہے:

إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ، مَجْبَنَةٌ، مَجْهَلَةٌ، مَحْزَنَةٌ[1]

"اولاد انسان کے بخل، بزدلی، جاہل رہنے (یا غصّے میں آجانے) اور حزن و ملال کا سبب ہے۔"

اولاد سے فطری محبت کے باوجود انسان کو وہی قدم اُٹھانا چاہیے جو صحیح معقول اور برحق ہو
، لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اولاد کی محبّت میں وہ حقوق اللہ یا حقوق العباد کی ادائیگی سے قاصر رہے
نیامت کے روز اسے جواب دہی کرنی پڑے۔

، کی محبّت:

دیگر خدائی نعمتوں کی طرح مال بھی ایک عظیم نعمت ہے ـــــــ اور فطرۃً انسان اس سے محبت
، رکھتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ[2]

"لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس ـــــــ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،

---

[1] مسند امام احمد ج ۴، ص ۱۷۲، المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب ذکر الاسود بن خلف ۴/ ۲۹۶۔ امام حاکم اور محدث العصر الشیخ ناصر الدین الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جامع الصغیر ۱۹۹۰

[2] سورۃ آل عمران، آیت ۱۴۔

مویشی اور زرعی زمینیں ــــــ بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں۔

آیت کریمہ میں عورتوں اور اولاد کے بعد "مال" کو چار شکلوں میں ذکر کیا گیا ہے: سونا[1] چاندی، عمدہ گھوڑے[2] مویشی[3] اور زرعی[4] زمینیں۔ یہ سب کی سب مال ہی کی قسمیں اور شکلیں ہیں۔

مال و دولت بذاتِ خود خیر ہی خیر ہے، لیکن اگر یہ سرکشی اور منہ زوری کا ذریعہ بن جاتے تو اس سے بڑا شر کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝[1]

"ہرگز نہیں! انسان سرکشی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو غنی اور بے نیاز دیکھتا ہے۔"

مال کے غلط استعمال کی وجہ سے آنے والی ہلاکت و بربادی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْا مَا يَسُرُّكُمْ ، فَوَاللهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَ تُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ[2]

"تم خوش ہو جاؤ اور مسرت بخش حالات کی امید رکھو قسم بخدا میں تمہارے متعلق غریبی اور فقر (کے فتنے) سے نہیں ڈرتا البتہ مجھے اس بات کا خدشہ ضرور ہے کہ تمہیں دنیا وافر مقدار میں ملے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کو ملی تھی۔ تو جس طرح وہ لوگ دنیا کی دوڑ میں پڑکر ہلاک ہو گئے، کہیں تم بھی اس کی دوڑ میں پڑکر ہلاک نہ ہو جاؤ۔"

---

[1] سورت العلق، آیت ۶-۷

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الجزیۃ والموادعۃ
صحیح مسلم۔ کتاب الزہد والرقاق۔ باب اوّل۔ کتاب کے شروع میں آٹھویں حدیث۔

اور اگر دنیا پرستی کی دوڑ انسان کو فرائض سے غافل کر دے تو پھر دنیا بھی گھاٹے میں اور آخرت بھی خسارے میں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1]

"ان کے مال و دولت اور ان کی کثرتِ اولاد تمہیں خوشنما نہیں لگنی چاہیے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے۔"

اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے پیشگی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[2]

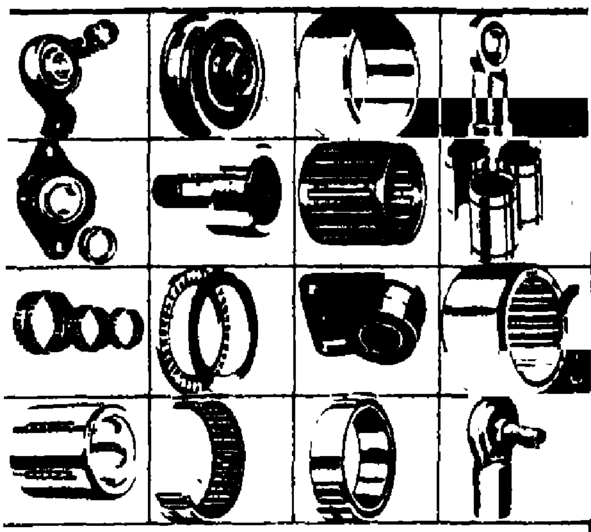
"اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔"

چنانچہ اگر انسان کا ایمان قوی ہو اور زندگی میں خوفِ خدا کا رنگ غالب ہو تو انسان مال جیسی دو دھاری تلوار سے نیکیاں ہی نیکیاں سمیٹ سکتا ہے لیکن اگر ایمان و تقویٰ سے دامن خالی ہو تو یہ مال انسان کو گمراہی اور بے راہ روی کی راہ پر ڈالنے میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وسائلِ شر موجود ہوں اور خوفِ خدا کا فقدان ہو تو برائیوں سے بچ رہنا سخت مشکل ہے۔

---

[1] سورت التوبہ، آیت ۵۵۔

[2] سورت المنافقون، آیت ۹۔







بحث ونظر

انگریزی زبان میں قرآن کی تبلیغ

جناب اصغر حبیب (جدّہ)

برادرم اصغر حبیب صاحب کا درج ذیل خط جناب طارق یوسف رجبی (انگلینڈ) کے اس خط کے جواب میں ہے جو 'میثاق' کی نومبر ۹۰ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ مکتوب نگار کے عمومی مزاج اور اسلوب کے برعکس اس خط کا لہجہ بہت تلخ اور تند و تیز ہے لیکن چونکہ اس میں بعض باتیں نہایت اہم' اور ہم سب کے لئے قابلِ توجّہ ہیں لہٰذا اسے بعض زیادہ نوکیلے الفاظ کے حذف کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے ...... امید ہے کہ جناب طارق رجبی بھی اسے اسی طور سے پڑھیں گے' اور توجہ کو عبارت کی ظاہری تلخی کے پردے میں چھپے ہوئے خلوص و اخلاص پر مرکوز رکھیں گے ــــ جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے اپنے حالیہ سفرِ امریکہ و ملائشیا کے دوران بعض نئے مشاہدات کی بنا پر میری ذاتی رائے بھی یہ بن چکی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے جس انقلابی فکر سے روشناس کیا ہے اسے انگریزی میں منتقل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس میں اصل فیصلہ کن عامل تو ملائشیا کے حالات کا مشاہدہ ہے جہاں مسلمان نوجوان نہایت کثیر تعداد میں اسلام کی سربلندی کے لئے محنت کر رہے ہیں' اور اُن کے قلوب و اذہان تک ابلاغ و تبلیغ کے لئے ہمارے پاس انگریزی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے' ــــ مزید برآں اس بار کیلیفورنیا میں برادرم ڈاکٹر عبدالمجید (ڈینٹل سرجن) کے اس جملے سے تو میں چونک سا گیا کہ "نئی نسل کا معاملہ تو بالکل مختلف ہے ہی اب تو ہمارا اپنا حال یہ ہو گیا ہے کہ آپ کی انگریزی تقریر سے جو حظ مجھے حاصل ہوا' وہ اردو تقریر سے نہیں ہوا!" گویا جو نسل دیارِ مغرب میں منتقل ہوئی تھی بیس پچیس سال اس ماحول میں رہنے کے بعد خود اُن کی کیفیات اس درجہ تبدیل ہو چکی ہیں کہ اب وہ بھی اردو سے مانوس نہیں رہے! واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا تعلق

ساہیوال (منٹگمری) سے ہے اور وہ اس زمانے میں کالج کے طالبعلم تھے جب ۱۹۶۰-۶۱ء کے لگ بھگ میں سبزی منڈی ساہیوال کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ دیا کرتا تھا اور وہ اس میں ذوق و شوق کے ساتھ شرکت فرمایا کرتے تھے! —
اب اگر اُن کا حال یہ ہوگیا ہے تو "تا بہ نسلِ نوچہ ی رسد!" ...... ع
" قیاس کن ز گلستان من بہار مرا! " ...... تاہم اس معاملے میں میری رائے بھی وہی ہے جو جناب اصغر حبیب کی ہے، یعنی یہ اصلاً میری ذمہ داری نہیں، بلکہ اُن کی ہے جنہوں نے دیار مغرب میں جا ڈیرے لگائے ہیں، ہم صرف مدد اور تعاون کر سکتے ہیں جس کے لئے ہم بسرو چشم حاضر ہیں! — چنانچہ حالیہ سفر سے واپسی کے دوسرے ہی دن جمعہ ۲۸ دسمبر کو جو خطاب میں نے انجمن خدام القرآن لاہور کی ایک تقریب میں کیا، اس میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا تھا کہ اب انجمن ایک خاص منصوبہ کے تحت ایسے نوجوانوں کی ٹیم تیار کرنے کی کوشش کرے گی جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت، اور اس کی انقلابی دعوت اور منہاج کو انگریزی میں درسِ قرآن کے ذریعے پیش کر سکیں۔ اور اس غرض کے لئے قرآن اکیڈمی کی فیلو شپ اسکیم کو دوبارہ شروع کر دیا جائے گا! (واضح رہے کہ برادرم اصغر حبیب کا خط میری نظر سے اس تقریب کے دو روز بعد گزرا!) — اس سلسلے میں دیارِ مغرب میں رہائش اختیار کرنے والے دردمند اور مخلص حضرات سے گزارش ہے کہ اگر وہ ہمیں دس بارہ ایسے نوجوان عطا کر سکیں جو امریکی نظام کے مطابق ہائی اسکول سے فارغ ہو چکے ہوں، اور برٹش سسٹم کے مطابق 'A' لیول کر چکے ہوں، اور خود بھی دینی جذبہ کے حامل ہوں تو ہم ان کے لئے قرآن اکیڈمی میں دو سالہ کورس کے ایک سپیشل گروپ کی تعلیم و تدریس کا خصوصی اہتمام کر سکتے ہیں جس میں انہیں عربی زبان بھی انگریزی میڈیم ہی کے ذریعے پڑھائی جائے گی — اور منتخب نصاب کا درس بھی بشرط حیات و صحت میں خود دوں گا، اور اللہ نے چاہا تو انہیں ذہناً اور قلباً اس درجہ تیار کروں گا کہ جیسے اب پاکستان میں بحمد اللہ ڈھائی درجن کے لگ بھگ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اردو میں درسِ قرآن کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور میرے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں، اسی طرح یہ نوجوان دیار مغرب میں اس فریضے کو سرانجام دے سکیں گے ......

بات قدرے مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں ! اور اللہ کی جناب سے تائید ہو جائے تو مشکل بھی نہیں !! " واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون " ________ خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

محترم جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ ...... مزاج گرامی!

ماہنامہ " میثاق " نومبر ۱۹۹۰ء میں جناب طارق یوسف رجبی صاحب کا مکتوب ...... تین مرتبہ ...... پڑھا۔ اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ...... جو کہ مندرجہ ذیل ہے :-

۱۔ اس میں کیا شک ہے کہ جدید زمانے میں انگریزی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی ضرورت و اہمیت بہت زیادہ ہے۔جس کا ذکر آپ بنفس نفیس ایک سے زائد مرتبہ مختلف موقعوں پر کر چکے ہیں ۔ اگرچہ آپ نے گزشتہ سال امریکہ میں ایسا کرنے کا پروگرام بھی بنایا تھا مگر کئی وجوہات کی بنا پر آپ ایسا نہ کر سکے بلکہ ان وجوہات کو آپ نے تحریر بھی کر دیا ہے ۔ اور جب میں نے ان وجوہات کو پڑھا تو میں نے دل و جان سے تصدیق کی کہ واقعی ڈاکٹر صاحب پر اب یہ بہت ہی اضافی بوجھ ہو گا ! بہرحال اللہ تعالیٰ کے ہاں معاملات قیامت کے روز نیت کے مطابق نمٹائے جائیں گے اور میں اللہ تعالیٰ سے بھرپور امید اور دعا کرتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ عند اللہ ماجور ہوں گے ۔

۲۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کام ! ...... صرف آپ ہی کیوں ؟ ...... اگر آپ نے بقول طارق صاحب "Medicine" پڑھی اور "English Medium" میں پڑھی مگر آپ نے تو اتنی بڑی قربانی دی کہ اس پروفیشن اور میڈیم کو تج کر آپ نے اردو میں مہارت تامہ حاصل کی ۔ ساتھ ہی اسلامیات پڑھی اور عربی بھی تاکہ آپ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دے سکیں (انشاء اللہ آپ فلاح یاب ہوں گے) کہ اللہ تعالیٰ تو نے مجھے جس زبان کے لوگوں میں پیدا فرمایا اُن کو میں نے تیرا قرآن خوب خوب سنا دیا ' پڑھوا دیا ' ریکارڈ کروا دیا۔اور یہ عمل ایک سے زائد بار کیا اور خود بھی الحمد للہ حسبِ استطاعت عمل کر لیا تاکہ لوگوں کے لئے بھی ایک عملی نمونہ بن سکوں صرف اسی پر بس نہیں بلکہ میں اپنے ہم وطنوں کے پیچھے پیچھے گیا وہ جہاں بھی کسب معاش کے لئے چلے

گئے تھے ...... وہاں ان کو جا کر اس ابدی پیغام کی یاددہانی کرائی ...... اور آپ نے الحمد
یہ کام فی سبیل اللہ کیا (اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ... سورہ ہود آیت ۵۰) ...... ؛
آپ کا پیغام آڈیو ' وڈیو ' کتب کی شکل میں اُن ملکوں اور شہروں و قصبوں میں بھی پہنچ
ہے جہاں آپ کبھی گئے بھی نہیں ...... اب اس کے بعد بھی طارق صاحب کا یہ کہنا ...
"آپ کا بھی ایک ضروری فرض چھوٹ رہا ہے" ... اور ... "آپ یہ فرض کیوں چھوڑ
دے رہے ہیں" ...... نہ صرف یہ کہ زیادتی ہے بلکہ اس سے تو متبادر ہوتا ہے کہ شاید
آپ کو خدانخواستہ ایک نبی کے برابر سمجھ بیٹھے ہیں!

۳۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طارق صاحب نے خود اپنی زندگی میں کیا کیا۔ یہی نا کہ انہوں نے اپنے ملک کو خیرباد کہا اور انگریز کی یا اس کے ملک کی خدمت کے لئے اس کے گھر/ ملک میں جا کر آباد ہو گئے اور کبھی پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ جس نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچنا تھا وہ انگریز کے ہاتھ محض ایک انگلش نیشنلٹی کی خاطر بیچ دیا۔ اور اب جبکہ آپ اپنے طور پر ان کو یا ان ہی کی طرح کے دوسرے اردو بولنے والوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے اُن کے گھر پہنچے تو وہ اب یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ آپ سے ایک فرض چھوٹ رہا ہے۔ اس کے برعکس ہونا یہ چاہئے تھا کہ طارق صاحب نے جب آپ کے ۵۰ کیسٹ دیکھے یا سنے تھے اور اُن کا جذبۂ ایمانی کسی بھی درجے میں بیدار ہوا تھا (اللہ کرے کہ مزید جاگے) تو وہ فوراً اس ملک کو خیرباد کہہ دیتے اور آپ کے ہمنوا اور رفیق بن کر اس تحریک میں عملاً حصہ لیتے اور چونکہ خود انگریزی جانتے ہیں لہٰذا خود اُس کا ترجمہ کرتے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے!

۴۔ دوران تحریر انہوں نے اُن لوگوں کی بھی تضحیک کی ہے جو کسی بھی درجے میں مذہب پر عمل پیرا ہیں اور اُس سلسلے میں بہت ہی گھٹیا ریمارکس پاس کئے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ اس عمل کو Vicious Circle کہا ہے۔ دراصل یہ طارق صاحب کا قصور نہیں ...... کفر کے ماحول اور ایسے مشرک لوگوں کے معاشرے میں رہنے کے نتائج ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے "نجس" کہا ہے اور جن کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المطففین کی آخری آیات میں کھینچا ہے۔ دراصل اس قسم کی سوچ رکھنا اور دین پر چلنے کی کوشش کرنے والے غریب لوگوں کو گھٹیا سمجھنا اور اُن سے دور رہنا ...... یہ اُن لوگوں کے اذہان کی پیداوار

ہوتی ہے جو ناجائز طریقوں سے "مترفین" بن جاتے ہیں۔ ایسے مترفین کے لئے اللہ تعالٰی نے سورۃ الواقعہ میں "اصحاب الشمال" کا لفظ استعمال کیا ہے اور ان اصحاب الشمال کی تعریف میں کہا ہے کہ "اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ"

۵۔ اسی میثاق کے صفحہ ۱۱ پر طارق صاحب نے آپ کی بے جا تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپ ہی یہ کام کر سکتے ہیں اس دور میں۔ ہمیں کوئی دوسرا انسان نظر نہیں آتا!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف سے منع فرمایا ہے ع "تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا"۔ جس نے ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی بنایا اور ہدایت سے سرفراز فرمایا اور جس نے ہر ہر چیز کو پیدا فرمایا ...... کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ...... کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ...... میں نے قرآن حکیم کے دو مقامات میں سے یہ الفاظ اس لئے نقل کئے کہ آپ Indispensable نہیں ہیں۔ جیسا کہ طارق صاحب نے کہا ہے کہ ہمیں کوئی اور انسان نظر نہیں آتا ...... اُن کا یہ استدلال غلط ہی نہیں لغو بھی ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس پیغام کو قیامت تک باقی رکھنے کا خود بندوبست فرمایا ہے ...... چونکہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا لہٰذا یہ کام اللہ تعالٰی جس سے، جس طرح، جس جگہ، جس وقت چاہیں گے کرواتے رہے ہیں اور کرواتے رہیں گے۔

۶۔ آخر میں طارق صاحب نے لکھا ہے کہ "اگر میں گستاخی کر گیا ہوں یا آپ کا وقت ضائع کر رہا ہوں" ... میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر گستاخی نہیں تو کم از کم وقت ضرور ضائع کیا ہے۔ دراصل مشورہ دینا، ریمارکس پاس کرنا ...... کسی پر کیچڑ اچھالنا وغیرہ، بہت آسان ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انسان خود کتنا میدان میں آگے بڑھتا ہے۔ اور خود کتنی مالی و بدنی قربانی دیتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ یہ آپ پر کسی طور پر فرض نہیں کہ آپ انگریزی میں دورہ ترجمہ قرآن ریکارڈ کرائیں۔ میں اس کی اہمیت و ضرورت سے انکار نہیں کر رہا بلکہ آپ پر جو فرضیت عائد کی جا رہی ہے، اُس کی نفی کر رہا ہوں۔

اللہ تعالٰی آپ کو صحت دے، ہدایت پر قائم رکھے اور خاتمہ بالایمان ہو۔ والسلام

دعاگو

آپ کا ماموں

حبیب

رفتارِ کار

سرگودھا میں تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام
جلسۂ عام

اکتوبر کے وسط میں مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے بعد ناظمِ حلقہ ملک احسان الٰہی صاحب نے جلسہ سرگودھا کے مجوزہ پروگرام کے بارے میں رفقاء کو آگاہ کیا۔ جلسے کے لئے ۲۹ نومبر جمعرات کا دن مقرر کیا گیا۔ اس طرح ہمارے پاس جلسہ کی تشہیر اور تیاری کے لئے تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ تھا۔ جلسہ کے تفصیلی پروگرام کے بارے میں سرگودھا کے رفقاء سے مشورہ کی خاطر احسان الٰہی صاحب اور راقم ۱۷ اکتوبر کو سرگودھا گئے۔ اسی روز اسرہ سرگودھا کا ہفت روزہ اجتماع بھی تھا۔ اجتماع میں رفقاء کو جلسہ سے آگاہ کیا گیا اور باہم مشورہ ہوا۔ جلسے میں امیر تنظیم کے خطاب کے عنوان کے بارے میں سب سے بہتر رائے رفیق اسرہ سرگودھا جناب خان محمد صاحب کی سامنے آئی جس سے سبھی نے اتفاق کیا یعنی "اسلام کیا ہے اور موجودہ دور میں اس کے نفاذ کا طریق کار"۔ جلسہ کے لئے ابتداءً کمپنی باغ سے ملحق جناح ہال تجویز کیا گیا مگر بعد میں امیر محترم کی ہدایت کے بموجب کہ جلسہ کھلی جگہ پر ہونا چاہئے، اس کے لئے کمپنی باغ کا تعین کیا گیا۔ طے کیا گیا کہ اولاً علماء دین، آئمہ حضرات اور شہر کی مرکزی شخصیات کے ساتھ انفرادی ملاقاتیں کی جائیں اور ساتھ ساتھ غیر فعال اور دیہات و قصبات میں رہنے والے رفقاء سے ملاقاتیں کی جائیں اور انہیں جلسے میں شرکت کی دعوت دی جائے۔

چنانچہ اللہ کا نام لے کر اگلے ہی روز سے کام کی ابتداء کر دی گئی۔ اس موقع پر رفیق محترم جناب ریاض احمد گھمن صاحب کا تذکرہ نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی کہ انہوں نے اِس کام میں ہمارے ساتھ بہت تعاون فرمایا اور بہت سی اہم شخصیات کے ساتھ ہماری ملاقاتیں کروائیں جن سے ہم نے امیر محترم کی ذات کے حوالہ سے تنظیم کا تعارف کروایا اور جلسہ کے بارے میں آگاہ کیا اور مطالعے کے لئے انہیں تنظیم کا لٹریچر بھی دیا۔ آئمہ حضرات اور علماء سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بہت سودمند رہا۔ اکثریت کی طرف سے مثبت ردعمل سامنے آیا بلکہ تجاویز بھی ملیں جن کی روشنی میں ہم اپنے کام کو بہتر طور پر آگے بڑھاتے رہے۔

۳۱ اکتوبر کو اجتماع اسرہ میں جلسہ کے لئے تشہیری پروگرام کو حتمی شکل دے دی گئی۔ اس

ن میں رفقاء کو علیحدہ علیحدہ ذمہ داریاں تفویض کی گئیں ۔ پہلے مرحلے کے لئے طے کیا گیا کہ
ون شہر اور بیرون شہر میثاق کے خریداروں سے ملاقاتیں کی جائیں ۔ دوسرے مرحلے کے
رام میں پورے شہر اور اردگرد مضافات کا ایک راؤنڈ شامل تھا جس میں صرف تنظیم اور دفتر
یم کا تعارف کرانا مقصود تھا ۔ تیسرے مرحلے میں بھی شہر کا ایک مکمل اور بھرپور راؤنڈ پیش
تھا جس میں کہ عوام الناس کو امیر محترم کی آمد اور جلسہ سے آگاہ کرنا تھا ۔ ان کاموں کے
ہمہ وقت ڈیوٹی تو راقم ہی کی رہی جس میں رفقاءِ فیصل آباد کی معاونت اور اسرہ سرگودھا کے
ناء کی رہبری شامل تھی ۔ جلسہ کے تمام کاموں کی نگرانی جناب ناظم حلقہ ملک احسان الٰہی
حب براہ راست فرما رہے تھے اور وقتاً فوقتاً رفتار کار کا جائزہ بھی لیتے رہے اور مناسب
یات سے بھی نوازتے رہے ۔

پہلے مرحلے کے کام کا آغاز فوری طور پر کر دیا گیا ۔ اس مرحلے پر مجھے ریاض احمد گھمن
احب اور تاثیر صاحب کی معیت حاصل تھی ۔ سلانوالی روڈ پر ۵ دیہات کا راؤنڈ کیا گیا ' متعدد
راد کے ساتھ انفرادی ملاقاتیں کی گئیں ' انہیں تنظیم کا لٹریچر اور منشور مطالعے کے لئے دیا گیا
ر انہیں امیر محترم کی آمد اور جلسہ سے آگاہ کیا ۔ اس سلسلے میں خوشاب ' جوہر آباد اور چک
ہر 58 ـ MB کا راؤنڈ بھی کیا گیا ۔ جوہر آباد کالج کے طلبہ میں تین صد کے لگ بھگ اسلام
ا انقلابی منشور نامی پمفلٹ تقسیم کئے گئے ۔ اندرون شہر میثاق کے خریداروں سے بھی ملاقاتیں
ی گئیں ' انہیں بھی جلسہ سے آگاہ کیا اور شرکت کی دعوت دی ۔

ناظم حلقہ جناب احسان الٰہی ملک صاحب ' غلام اصغر صدیقی ' رانا عبدالشکور ' میاں محمد اسلم
اور ریاض احمد گھمن کے ہمراہ بھاگٹانوالہ ' کوٹ مومن اور چک نمبر ۲۰ جنوبی گئے ۔ وہاں مختلف
افراد سے انفرادی ملاقاتیں کیں اور انہیں جلسہ سے آگاہ کیا ۔ ان کے علاوہ ایک راؤنڈ چک نمبر
۹۹ جنوبی ' نمبر ۱۰۷ جنوبی ' نمبر ۱۱۱ جنوبی کا بھی کیا ۔ اس دورہ میں راقم اور ناظم حلقہ جناب ملک صاحب
نے ۶ مختلف مساجد میں ظہر ' عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد نمازیوں کے آگے فرائض دینی
کے جامع تصور کے حوالے سے دعوت دین پیش کی اور انہیں انقلابی طریقہ سے اسلام کے نفاذ
کی عملی جدوجہد کے طریق کار سے آگاہ کیا ۔

دوسرا مرحلہ عوام الناس میں اعلانات کے ذریعے تنظیم و دفتر تنظیم کے تعارف پر مشتمل
تھا ۔ اس مرحلہ میں اعلان کے ساتھ ساتھ ہینڈ بلز کی تقسیم بھی شامل تھی ۔ چنانچہ شہر اور
اردگرد کی آبادیوں کو ۷ حصوں میں بانٹ دیا گیا اور روزانہ ایک حصے کو ٹارگٹ بنانے کا فیصلہ ہوا ۔
چنانچہ پروگرام کے مطابق ہم گاڑی لے کر صبح ۱۱ بجے کے قریب نکلتے اور مقررہ علاقے میں جگہ
جگہ رک کر تنظیم کا تعارف کراتے اور دکانداروں اور راہ گیروں میں ہینڈ بلز تقسیم کرتے تھے ۔

یہ پروگرام پورے نظم و ضبط کے ساتھ اپنے طے شدہ شیڈول کے مطابق آگے بڑھتا رہا اور بالآخر ۲۹ نومبر کو اختتام پذیر ہوا۔ تشہیری مہم کے اس مرحلے میں میرے ہمراہ رفقاء سرگودھا اور رفقاء فیصل آباد نے خوب بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

اس مرحلہ پر اسرہ سرگودھا کے نقیب جناب غلام اصغر صدیقی صاحب نے اپنے حصہ کا کام اس طور پر نمٹایا کہ روزانہ شام ۴ بجے دفتر سے فراغت کے بعد ایک معاون کو ساتھ لے کر عشاء تک اپنے طور پر مختلف علاقوں کا راؤنڈ کر کے اعلانات کے ذریعہ سے تنظیم و دفتر تنظیم کا تعارف کرواتے اور ہینڈ بلز وغیرہ بھی تقسیم کرتے۔ یقیناً شہر اور بیرونی آبادیوں میں تنظیم کا تعارف کرانے میں صدیقی صاحب کی مساعی کو بہت دخل حاصل ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اس مہم کے تیسرے اور آخری مرحلے میں لاؤڈ سپیکرز پر اعلانات کے ذریعے امیر محترم کی آمد اور جلسہ کے پروگرام سے عوام الناس کو آگاہ کرنا' ہینڈ بلز کی تقسیم' اشتہارات کا چسپاں کرنا اور بینرز کا آویزاں کرنا شامل تھا۔ اس سلسلے میں اولاً شہر کے بارونق بازاروں اور چوراہوں پر اور کالجوں کے Gates کے سامنے مکتبہ لگایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ امیر محترم کی آمد اور جلسہ کا اعلان بھی کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے کی طرح شہر کے انہی طے شدہ علاقوں کا راؤنڈ کیا گیا اور لاؤڈ اسپیکرز پر امیر محترم کی آمد اور جلسہ کے اعلانات نشر کئے گئے اور ساتھ ساتھ ہینڈ بلز کی تقسیم بھی ہوتی رہی۔ نماز عشاء کے فوراً بعد تمام رفقاء کے ۲ گروپس بن جاتے اور شہر کے بارونق بازاروں' چوکوں اور مساجد میں اشتہار چسپاں کئے جاتے۔ اس مرحلہ پر اسرہ سرگودھا کے رفقاء نے انتہائی جانفشانی سے کام کیا جس کی تحسین نہ کرنا یقیناً نامناسب ہوگا۔ بالخصوص رفیق محترم جناب عبداللہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ خود بھرپور طور پر ہمارا ساتھ دیا بلکہ ہمارے کام میں تعاون کے لئے ہمیں ۳ نوجوان بھی مہیا کئے۔ اس طرح اللہ تعالٰی کے فضل و کرم اور خاص توفیق سے تمام کام بحسن و خوبی انجام پائے۔ تنظیم کے مقامی دفتر کا تعارف کروانے کا ایک فوری فائدہ یہ سامنے آیا کہ لوگ دفتر میں آنا شروع ہوئے اور رفقاءِ تنظیم سے عوام الناس کا رابطہ شروع ہوگیا۔

بالآخر ۲۹ نومبر کا دن بھی آن پہنچا۔ آج کے دن رفقاء کی ذمہ داریاں اور کام میں ان کی مشغولیت اپنے عروج پر تھی۔ ۲۸ نومبر کی شام ناظم حلقہ جناب ملک احسان الٰہی صاحب نے رفقاء کا اجلاس طلب کیا' کام کا جائزہ لیا اور جلسہ کے انتظامی کام مختلف رفقاء میں تقسیم کئے۔

۹ بجے کے قریب امیر محترم مع چند دیگر رفقاء کے سرگودھا پہنچ گئے۔ اسٹیشن سے امیر محترم کو محمد تاثیر صاحب کے گھر لے جایا گیا جہاں اُن کے قیام و طعام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ قریباً دس بجے امیر محترم رفقاء کے ہمراہ کمرشل کالج پہنچے جہاں انہیں کالج کے طلبہ اور اساتذہ

سے خطاب کرنا تھا۔ خطاب کا موضوع تھا: "اسلام اور پاکستان"۔ امیر محترم کے اس خطاب کو تین صد کے قریب افراد نے پوری توجہ کے ساتھ سنا۔ بعد از خطاب سامعین میں تنظیم کے تعارف پر مشتمل پمفلٹ تقسیم کیا گیا۔ ساڑھے بارہ بجے کالج سے فراغت ہوئی۔

جلسہ گاہ کے تمام انتظامات نماز عشاء سے قبل مکمل ہو چکے تھے۔ تمام رفقاء اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر پوری تندہی کے ساتھ مصروف عمل تھے۔ ماحول آہستہ آہستہ کافی خنک ہو چکا تھا۔ سرد ہوا نے موسم کو مزید سرد کر دیا تھا' اس پر کمپنی باغ کا ماحول مزید سونے پر سہاگہ کا کام دے رہا تھا۔ پاؤں تھے کہ موٹی موٹی جرابوں اور بند بوٹوں میں بھی یخ ہوئے جاتے تھے۔ نماز عشاء سے فراغت کے بعد رفقاء دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ چکے تھے۔ امیر محترم تقریباً ۸ بجے جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ پروفیسر غازی احمد صاحب کو بھی دعوت دی گئی تھی' وہ بھی تشریف لا چکے تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض اسرہ سرگودھا کے نقیب جناب غلام اصغر صدیقی صاحب نے ادا کئے۔ سوا آٹھ کے قریب جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے حافظ مقبول احمد صاحب رفیقِ تنظیم اسلامی فیصل آباد کو تلاوت کلام پاک کی دعوت دی گئی۔ تلاوت کے بعد صدیقی صاحب نے سب سے پہلے ناظم حلقہ جناب ملک احسان الٰہی صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ ان کے بعد غازی احمد صاحب کو کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی گئی۔ پھر تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کو اور آخر میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ آغاز میں صدیقی صاحب نے امیر محترم اور ان کی دعوتی و تحریکی کاوشوں کا مختصر تعارف کروایا۔ پھر امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد جناب ڈاکٹر عبد السمیع صاحب نے تقریباً ۱۵ منٹ تک تنظیم کا تعارف کروایا۔ بعد ازاں صدر جلسہ جناب غازی احمد صاحب کو مائیک پر آنے کی دعوت دی گئی۔ غازی احمد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں حاضرین سے خطاب کیا اور اختصار کے ساتھ بتایا کہ وہ کیونکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے تنظیم اسلامی میں کیسے شمولیت اختیار کی۔

آخر میں ۹ بجے کے قریب جنابِ امیر کو دعوت خطاب دی گئی۔ خطبہ مسنونہ اور آیۂ قرآنیہ کی تلاوت کے بعد جناب امیر نے اپنی جامع' مدلل اور پُر مغز تقریر کا آغاز کیا جو تقریباً بجے شب تک جاری رہی۔ سامعین نے انتہائی دلجمعی سے پر سکون انداز میں خطاب کو سنا۔ خطاب اتنا جامع اور دلنشیں تھا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ حاضری اندازاً چھ صد سے لگ بھگ تھی اور تقریباً سبھی افراد نے امیر محترم کے خطاب کو آخر تک جم کر سنا۔ چند ایک خواتین بھی ایک علیحدہ کیمپ میں امیر محترم کے خطاب کو سننے کے لئے موجود تھیں۔

اگلے روز صبح نو بجے دفتر ہی میں سوال و جواب کی نشست طے تھی جو ایک گھنٹہ جاری رہی۔ آخر میں اجتماعی دعا کے بعد امیر محترم فیصل آباد تشریف لے گئے جہاں انہیں نماز مغرب کے بعد ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں درس قرآن دینا تھا۔ اس جلسے کا اہم ترین فائدہ یہ ہوا کہ سرگودھا شہر اور اس کے مضافات میں اس کے حوالے سے تنظیم اسلامی اور اس کے پیش نظر مقاصد کا بھرپور تعارف ہوگیا۔ ہم نے جو کچھ بھی سعی کی ہے اس کے لئے خداوند قدوس کے حضور دعاگو ہیں کہ وہ ہمارے ناقص اعمال کو اپنے عفو و کرم سے تکمیل فرمائے اور ہماری ان کوششوں کو شرف قبول عطا فرمائے۔ (آمین)

مرتب: مختار احمد
(نائب ناظم حلقہ غربی پنجاب)

تنظیم اسلامی کراچی کے زیر اہتمام
ایک روزہ تبلیغی و تعارفی کیمپ کا انعقاد

کسی بھی دعوت اور فکر کو پھیلانے کے بہت سارے ذرائع ہیں لیکن ان میں ذاتی رابطہ ایک خاص اہمیت کا حامل ذریعہ ہے' جس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی کراچی جناب نسیم الدین صاحب نے شہر میں تبلیغی و تعارفی کیمپوں کے انعقاد کا پروگرام بنایا۔ مقامی مشاورت میں طے پایا کہ ماہ بماہ کراچی تنظیم کے تمام زونوں میں یہ کیمپ لگائے جائیں گے اور اس سلسلہ کا پہلا تبلیغی کیمپ ۳۰ نومبر کو زون نمبر ۸ میں لگایا جائے گا' جو لانڈھی اور کورنگی کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ اِس زون کے نقیب اعلیٰ جناب عبداللطیف کھوکھر صاحب ہیں' جنہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے زون میں تنظیم کو منظم کیا ہے۔ یہ زون اکثر و بیشتر نوجوان رفقاء پر مشتمل ہے جن میں جناب نوید احمد جیسے نوجوان بھی موجود ہیں جو کہ پیشہ کے لحاظ سے انجینئر ہیں اور اپنے فارغ وقت کا بیشتر حصہ درسِ قرآن کے ذریعے تنظیم اسلامی کی دعوت کو پھیلانے میں صرف کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسی زون کا حق تھا کہ تبلیغی و دعوتی کیمپ جیسے پروگرام کی ابتداء یہاں سے کی جاتی۔

تبلیغی کیمپ کے لئے لانڈھی نمبر ۵ چراغ ہوٹل کے بس سٹاپ کی جگہ منتخب کی گئی۔ یہ جگہ اس لحاظ سے انتہائی موزوں تھی کہ مین روڈ پر واقع ہے اور ایک دوسری بڑی سڑک بھی اس

جگہ آ کر ملتی ہے۔ مقررہ تاریخ کو رفقاء نے بڑے جوش و جذبے کے ساتھ شامیانے اور قناتیں لگا کر کیمپ قائم کیا۔ کیمپ میں قرآنی آیات کے ترجموں اور تنظیم اسلامی کی دعوت پر مشتمل بینرز آویزاں کئے گئے۔ بھرپور مکتبہ بھی لگایا گیا' جہاں تنظیم اسلام کراچی کے ناظم جناب عبدالواحد عاصم صاحب آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ کیمپ میں پبلک ایڈریس سسٹم کا انتظام بھی کیا گیا تھا جس کے ذریعے امیر محترم کے مختلف دروس کے کیسٹس سنوائے جا رہے تھے۔ وقفہ وقفہ سے تنظیم اسلامی کا تعارف کرایا جا رہا تھا اور دعوت بھی پیش کی جا رہی تھی۔ آنے جانے والوں کی اچھی خاصی تعداد جمع تھی۔

اس دعوتی و تبلیغی کیمپ میں زون نمبر۸ اور نمبر۶ کے تمام رفقاء کی شرکت لازمی تھی' جبکہ دوسرے زونز کے رفقاء کو ترغیب تھی کہ وہ اپنے اپنے زون کے ہفتہ وار درسِ قرآن کے پروگرام کے اختتام پر شریک ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام زونز کے نقبائے اعلیٰ کو خصوصی طور پر شرکت کی دعوت تھی تاکہ وہ بھی اس تجربہ سے مستفید ہو سکیں اور اپنے اپنے زون میں تبلیغی کیمپ کے انعقاد کے وقت وہ اپنے اس تجربہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کیمپ میں شریک رفقاء کو دو گروپس میں تقسیم کیا گیا۔ ایک گروپ کے ذمہ کیمپ میں آنے والوں کا خیر مقدم کرنا' ان کے سوالات کے جوابات دینا' ان کے اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کرنا اور مکتبہ سے امیر محترم کے خاص خاص خطابات کے کیسٹس اور کتب کو متعارف کروا کے فروخت کرنا تھا۔ جبکہ دوسرے گروپ کے ذمہ پہلے مرحلہ میں علاقہ میں گھر گھر جا کر دستک دینا' لوگوں سے ملاقاتیں کر کے تنظیم کا تعارف اور اس کی دعوت پیش کرنا اور دوسرے مرحلہ میں علاقہ کی خاص خاص مساجد میں مکتبہ لگانا اور تنظیم کا لٹریچر تقسیم کرنا تھا۔

تقریباً دس بجے دو دو افراد پر مشتمل وفود تشکیل دیئے گئے جن میں سے ایک ایک کو امیر مقرر کیا گیا۔ وفود کی کل تعداد دس تھی۔ ساڑھے دس بجے سے وفود کی روانگی شروع ہوئی۔ روانگی سے قبل ہر وفد کو اس علاقہ کا ایک نقشہ دیا گیا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ اس علاقہ کا کونسا حصہ اُن کے دائرہ کار میں ہے۔ یہ نقشہ زون نمبر۸ کے رفیق جناب اعجاز طفیل صاحب نے بڑی جانفشانی سے تیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ تنظیم کی دعوت پر مشتمل مختلف لٹریچر فراہم کیا گیا جو کہ لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ وفود کی روانگی سے قبل محترم نسیم الدین صاحب امیر تنظیم اسلامی کراچی نے انہیں مندرجہ ذیل ہدایات دیں:

۱۔ سارے عمل کے دوران ادعیۂ ماثورہ اور ذکر الٰہی کا التزام ضروری ہے تاکہ ذہن اور

خالق حقیقی کی طرف متوجہ رہے جس کی رضا کے حصول کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔

۲۔ دروازہ پر دستک دے کر ایک جانب ہٹ کر کھڑے ہو جانا ہے اور اپنی نظروں کی حفاظت کرنی ہے۔

۳۔ سلام مسنون کے بعد وفد کے امیر کو لوگوں سے مختصر گفتگو کرنی ہے' جس میں تنظیم کا مختصر تعارف' دعوت اور طریقہ کار سمجھانا ہے۔

۴۔ بحث و مباحثہ سے مکمل اجتناب برتنا ہے۔ تفصیلی گفتگو کے لئے کیمپ پر پہنچنے کی درخواست کرنی ہے یا پھر کوئی خصوصی وقت لینا ہے' تاکہ بعد میں ملاقات کی جا سکے۔

۵۔ ان افراد کے مختصر کوائف نوٹ کرنے ہیں جو تنظیم سے کسی بھی طور پر دلچسپی کا اظہار کریں۔

۶۔ تنظیم کا تعارفی لٹریچر دینا ہے۔

۷۔ ۱۲ بجے دوپہر تک تمام وفود کو کیمپ میں واپس لوٹنا ہے۔

پورے علاقے میں گشت اور دعوتی ملاقاتوں کے بعد تقریباً سوا بارہ بجے تک سارے وفود کیمپ میں واپس آ گئے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ کے لئے چھ نئے گروپس تشکیل دیئے گئے' جن کو علاقہ کی چھ جامع مساجد کے سامنے نماز جمعہ سے قبل سٹال لگانے تھے۔ یہ گروپ تین سے چار افراد پر مشتمل تھا جن میں سے ایک مقامی رفیق کو امیر مقرر کیا گیا۔ وفود کی روانگی کا منظر قابل دید تھا۔ کسی نے ٹیبل اٹھایا ہوا تھا' کسی کے سر اور کاندھوں پر کتابوں کے بنڈل تھے تو کوئی ٹی بورڈ لئے جا رہا تھا۔ ہر رفیق اپنی اپنی منزل پر جلد از جلد پہنچنے کے لئے بے چین تھا۔ الحمدللہ یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی گزر گیا۔ رفقاء نے مساجد کے دروازوں کے باہر سٹال لگائے۔ ہر سٹال پر ایک ٹی بورڈ بھی موجود تھا جس میں امیر محترم کے کتب و کیسٹس کے حصول کے لئے پتہ درج تھا۔ لوگوں نے ان سٹالز پر موجود تنظیم کے لٹریچر میں خاصی دلچسپی لی اور مختلف کتب کی خریداری بھی کی۔ یہ سٹالز نماز جمعہ کے بعد کچھ دیر تک لگے رہے اور حسب پروگرام رفقاء دوسرا مرحلہ مکمل کر کے پونے تین بجے تک کیمپ میں واپس آ گئے۔

آخر میں تقریباً تین بجے جناب نسیم الدین صاحب نے مختصر سا خطاب کیا جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جن مقاصد کے حصول کے لئے اس پروگرام کا انعقاد کیا گیا تھا وہ خاصی حد تک پورے ہوئے۔ تنظیم کا تعارف' اس کی دعوت اور طریقہ کار لوگوں میں عام ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ مسبب الاسباب ہے اور دعا فرمائی کہ وہ اس پروگرام کو اپنے دین کی

(باقی صفحہ ۷۸ پر)

امیر تنظیم اسلامی کے ۲۸ دسمبر کے خطبۂ جمعہ کا

پریس ریلیز

لاہور، ۲۸ دسمبر ـــ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ایسا شریعت بل بنانا ممکن نہیں جو تمام فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔ ایسی باتیں صرف شریعت سے جان چھڑانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ ہمارے ہمسایہ ملک ایران نے جب شریعت کو نافذ کیا تو انہوں نے اپنے ملک کی اکثریت کی فقہ کو لاء آف دی لینڈ قرار دے کر سنیوں کو شخصی قوانین میں اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی۔ تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ ہمارے لئے بھی اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ فقہ حنفی کے مطابق ملکی قوانین بنائیں اور شخصی معاملات میں ہر فرقہ کو اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ۲۷ اکتوبر کے انتخابی نتائج دیکھ کر قوم کو انقلاب کی خوشخبریاں سنانے والی دینی جماعتوں کو اب نفاذِ شریعت کے لئے مضبوط موقف اختیار کرنا چاہئے۔ امریکہ، سنگاپور اور ملائشیا کے دورے سے واپسی پر جامع القرآن ماڈل ٹاؤن میں نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ سندھی رہنماؤں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ کے حالات بہت خراب ہیں اور آنے والے مہینوں میں پھر کوئی دھماکہ خیز صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ بھارت اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی تفصیلات بتاتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وہ لیڈر جو بے نظیر کے دور حکومت میں صبح شام کشمیر اور افغان جہاد کی دہائی دیا کرتے تھے، اب خود حکومت میں آنے کے بعد اُن کی زبانوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سرد موسم کی آمد کے ساتھ مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کے لئے حالات بہت نازک ہوگئے ہیں۔ دوسری طرف بھارت میں ہندو مت کے احیاء کی تحریک نے مسلمانوں کے لئے زندہ رہنا مشکل بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ستر برس قبل علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک کے ردعمل میں ہندوؤں نے راشٹریہ سیوک سنگھ کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ آج وہ تحریک پورے عروج پر ہے جبکہ خاکسار تحریک کی چپ راست کی صدائیں زمانہ ہوا فضا میں تحلیل ہوگئیں۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور میں قصرِ صدارت سے اسلام اسلام کی جو رٹ لگائی گئی اُس نے

بھارت میں ہندو مت کے احیاء اور نفاذِ اسلام کے جواب میں رام راج کی تحریک کو بڑی تقویت ملی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہم نعرے لگا کر سو جاتے ہیں اور دشمنوں کو بیدار کر کے منظم ہونے کے لئے کھلا میدان مہیا کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا گزشتہ چالیس برس میں ہم نے اسلام نافذ کرنے کی بجائے جاگیرداری کو تحفظ عطا کیا اور جو برلا اور ٹاٹا جیسے سرمایہ دار پاکستان بننے کے وقت یہاں موجود نہیں تھے اُن کے بھی باپ دادا پیدا کر دیئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نفاذِ شریعت کے بغیر لوگوں کو معاشی انصاف ملنا بھی ممکن نہیں کیونکہ معاشی انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ سودی معیشت ہے جس نے سرمایہ دارانہ جمہوریت کو جنم دیا ہے۔ اسلام سود کے خلاف اعلان جنگ کر کے اِس ظالمانہ اور استحصالی نظامِ معیشت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے ساتھ معاشی انصاف اور فلاحی ریاست کا کوئی منصوبہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ دورۂ امریکہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امریکی رائے عامہ خلیج میں جنگ شروع کرنے کے سخت خلاف ہے' صرف امریکی یہودی' اسرائیل' سعودی حکومت اور بش انتظامیہ وہ چار عناصر ہیں جو جنگ شروع کر کے مشرقِ وسطیٰ کو جہنم بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کے یورپی حلیف بھی جنگ شروع کرنے کے حق میں نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدر صدام حسین نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ لوہے کا ایسا چنا ہے جسے آسانی سے چبانا امریکہ کے لئے ممکن نہیں۔

کاشف عبداللہ
برائے ناظم نشر و اشاعت
تنظیم اسلامی

بقیہ : رفتارِ کار

دعوت کو عام کرنے کا سبب بنا دے' ہماری ان خامیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے جو اس پروگرام کے دوران ہم سے سرزد ہوئیں' اور اس ضمن میں رفقاء نے جو محنت و کوشش کی ہے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے ہمارے لئے آخرت کی نجات و فلاح کا ذریعہ بنا دے۔ دعا کے بعد زون نمبر ۸ کے علاوہ باقی رفقاء کو واپسی کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے باوجود بعض رفقاء نے برضا و رغبت زون نمبر ۸ کے رفقاء کے ساتھ باقی وقت بھی کیمپ میں گزارا۔ یہ کیمپ بعد نماز مغرب تک جاری رہا۔

(مرتبہ: محمد ...)

DO'NOT BETRAY THE REPOSED TRUST

QUIT

The Inherited Ritualistic Belief and Sectarianism

and

ACQUIRE

Real Iman (ایمان) by studying

HOLY QURAN

WHO

Would know the best,

HOW

to convince man?

of course, the ONE WHO created man

THE MESSAGE OF AL-MIGHTY

wrapped up in veils is waiting to answer all your QUESTIONS, clear all your DOUBTS and LEAD you to

TRUTH

منجانب : ایک بندہ خدا

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

اسلام کی انقلابی فکر کا علمبردار

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۴۰
شمارہ:	۲
رجب المرجب	۱۴۱۱ھ
فروری	۱۹۹۱ء
فی شمارہ	۵/-
سالانہ زرتعاون	۵۰/-

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶- امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹- امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲- امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۰۳-۸۵۶۰۰۳-۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ)

DON'T BETRAY THE TRUST REPOSED IN YOU

Quit the Inherited Ritualistic Belief
and Sectarianism and
Aquire Real Iman by Studying

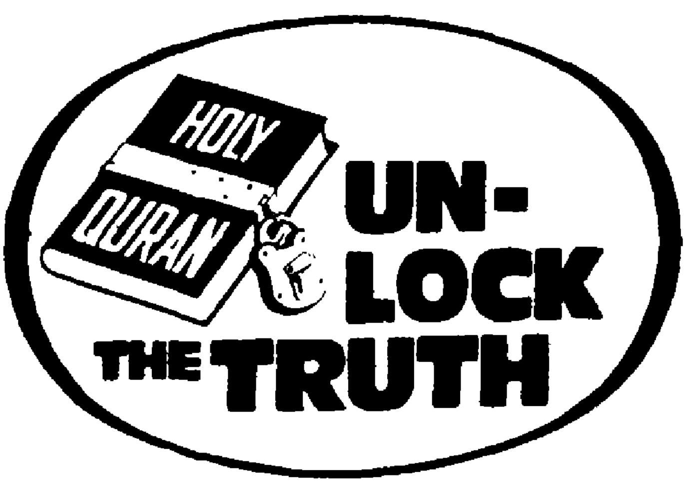
HOLY QURAN

Who would know the best,
How to convince man? of course, the ONE WHO
created man

THE MESSAGE OF AL- MIGHTY

wrapped up in veils is waiting to answer all your
QUESTIONS, clear all your DOUBTS
and LEAD you to

TRUTH



منجانب : ایک بندہ خدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

"میثاق" کا زیرِ نظر شمارہ تنظیم اسلامی کے سولہویں سالانہ اجتماع کی مناسبت سے یک "خصوصی اشاعت" کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی ضخامت بھی معمول سے قدرے ائد ہے۔ ادارتی صفحات کے علاوہ یہ کُل کا کُل "تعارفِ تنظیم اسلامی" پر مشتمل ہے ے اللہ نے چاہا تو عنقریب کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا جائے گا۔ "تعارفِ تنظیم سلامی" کے اکثر مشتملات اس سے قبل بھی متفرق طور پر تنظیم کے بنیادی لٹریچر میں امل تھے لیکن اب انہیں ایک بہتر ترتیب اور بہتر کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کیا جا ہا ہے' بالخصوص ایک چیز جس کی ایک عرصے سے کمی محسوس کی جا رہی تھی اور جس کی لافی اس کتابچے میں بھرپور طور پر کر دی گئی ہے وہ ہے تنظیم اسلامی کے تاریخی پس منظر ور اس کے قیام کے پس پشت ان مراحل و مدارج کی وضاحت جن سے گزر کر اس تنظیم کا قیام بالفعل عمل میں آیا۔ امیرِ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس اہم وضوع پر قلم اٹھا کر گویا ایک پرانا قرض چکا دیا۔ کتابچے کے آغاز میں شامل "تقدیم" کے زیرِ عنوان کم و بیش ۲۰ صفحات پر محیط ان کی تحریر میں جو امیر محترم نے حال ہی میں سپرد قلم کی ہے' ان تمام سوالات کا جواب موجود ہے کہ یہ تنظیم کیوں قائم ہوئی' اس کی ضرورت کا احساس کیوں ہوا' اس کے مؤسسینِ اول کون لوگ تھے کہ جنہوں نے اولاً اس کی "قراردادِ تاسیس" پر اتفاق رائے کا اظہار کیا اور اس قرارداد کی بنیاد پر ایک تنظیم کی تاسیس کا بیڑا اٹھایا' اور پھر وہ کیا حالات تھے کہ بالآخر خود انہیں (یعنی محترم ڈاکٹر صاحب کو) تن تنہا اس تنظیم کے قافلے کو تشکیل دینے کے لئے اپنی ہمت کو مجتمع کرنا پڑا' وغیرہ ...... یہ کتابچہ اب تنظیم اسلامی کے بنیادی لٹریچر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ اہم اطلاع اکثر قارئین تک پہنچ چکی ہوگی کہ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے پروگرام میں جو ۲۲ تا ۱۵ فروری ۹۱ء منعقد ہونے والا ہے' ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ سابقہ اعلان کے مطابق اس اجتماع کا انعقاد کراچی میں ہونا تھا لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی

بنا پر اسے لاہور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ اجتماع اب انہی تاریخوں میں یعنی ۲۲ تا ۲۵ فروری قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہو گا۔ ان شاء اللہ ...... اسی طرح اجتماع سے متّصلاً قبل منعقد ہونے والی "تربیت گاہ" کے پروگرام میں یہ تبدیلی بھی رفقاءِ تنظیم اسلامی نوٹ کر لیں کہ یہ تربیت گاہ اب عام رفقاء کے لئے نہیں بلکہ صرف ملتزم رفقاء کے لئے ہو گی۔

خلیج کی جنگ کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی اپنا مفصّل تجزیہ ۱۷ جنوری اور ۲۵ جنوری کے اجتماعاتِ جمعہ میں پیش فرما چکے ہیں۔ امیر تنظیم نے اپنے خطابات میں اس جنگ میں ملوّث تمام چھوٹے بڑے کرداروں کا فرداً فرداً تجزیہ موجودہ حالات کے منظر و پس منظر کے حوالے سے شرکاء اجتماع کے سامنے رکھا جس سے یہ بات نکھر کر سامنے آ گئی کہ اس صورت حال کو سنگین بنانے میں کس فریق کا کتنا حصہ ہے!... پھر مجموعی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر محترم نے یہ واضح کیا کہ امّتِ مسلمہ کے لئے اور بالخصوص عربوں کے لئے یہ صورت حال درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بڑے عذاب کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنے والا وقت امّتِ مسلمہ کے زوال کے دورِ ثانی کا نقطۂ عروج ثابت ہو گا۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خود کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنانے میں اپنی طرف سے ہم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کی دو چونکا دینے والی احادیث کے حوالے سے کہ جن میں خلیج کی تازہ صورت حال کے بارے میں واضح اشارات ملتے ہیں، امیر تنظیم نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ ایک بڑی تباہی امّتِ مسلمہ کا مقدّر بن چکی ہے۔

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے و لیکن　　　پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

ان دونوں خطابات کا ایک جامع اور مبسوط خلاصہ "ندا" کے تازہ شمارے میں شامل ہے جو قارئینِ "میثاق" کو ہدیتہً بطور نمونہ ارسال کیا جا چکا ہے۔ واضح رہے کہ خلیج کی جنگ کے باعث مشرقِ وسطیٰ اور بعض دیگر ممالک میں ڈاک کا نظام چونکہ مختل ہو چکا ہے لہٰذا "ندا" کا یہ شمارہ صرف اندرونِ پاکستان خریدارانِ میثاق کو ارسال کیا گیا ہے۔

"ندا" کے بارے میں یہ وضاحت بے محل نہ ہو گی کہ جنوری ۹۱ء سے "ندا" کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ یہ پرچہ اب تنظیم اسلامی کا باقاعدہ آرگن اور اس کے

ی نظریات کا ترجمان ہے۔ گو یہ پرچہ بدستور محترم اقتدار احمد صاحب ہی کے زیر
رت شائع ہوگا تاہم اس کے ادارتی صفحات تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کے سیاسی
قف کی ترجمانی ہی کے لئے مخصوص ہوں گے۔ اس ضمن میں مدیر "ندا" کی رہنمائی
، لئے تنظیم اسلامی کی جانب سے ایک مجلس مشاورت تشکیل دی جا چکی ہے جس کے
کان کے نام "ندا" کے صفحہ اول پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس پورے معاملے کی بہتر طور پر
اسی امیر تنظیم اسلامی کی اس تحریر سے ہو جاتی ہے جو "ندا" کے پچھلے شمارے کے صفحۂ
ں پر شائع ہوئی تھی۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگرچہ اس سے قبل بھی "ندا"

یقیناً تنظیم اسلامی ہی کے قافلے کا مسافر تھا

اور الحمدللہ کہ گزشتہ دو سالوں کے دوران اس نے نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کی دعوت، اس کے اساسی فکر اور انقلابی تصورات کو ان حلقوں تک بھی پہنچایا جن تک تنظیم کے دوسرے جرائد کی رسائی نہ تھی، بلکہ اپنے سیاسی تجزیوں اور معلوماتی مضامین کے ذریعے تنظیم اسلامی کے رفقاء سمیت کثیر تعداد میں لوگوں کے افقِ ذہنی کو وسعت اور فکر و نظر کو گہرائی عطا کی

تاہم ایک ذاتی کاوش ہونے کے ناتے

اس کے ادارتی کالموں میں بعض اوقات ذاتی احساسات اور وقتی تاثرات کا انعکاس بھی ہوتا رہا

...... لیکن پیش نظر شمارے سے ......

"ندا" کا نیا دور

شروع ہو رہا ہے جس میں اگرچہ برادرم اقتدار احمد ہی اس کے اعزازی مدیر اعلیٰ بھی رہیں گے اور "مدار المہام" بھی ...... لیکن اس کی حیثیت

...... یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی ......

کی ہوگی، چنانچہ اس کا ادارتی مواد تنظیم اسلامی کی اجتماعی پالیسی اور نقطہ نظر کا ترجمان ہوگا ...... اگرچہ دیگر سیاسی تجزیے یا علمی و معلوماتی مضامین ان کی عمومی افادیت کے پیش نظر شائع ہوں گے جن کے جملہ مشمولات کو تنظیم کی ترجمانی سمجھنا صحیح نہ ہوگا!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ "ندا" کو اپنے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق

دے' اور ہماری جملہ انفرادی اور اجتماعی مساعی کو شرف قبول عطا فرمائے' آمین
خاکسار...... اسرار احمد عفی عنہ (امیر تنظیم اسلامی پاکستان)

اس سال اگر اللہ نے چاہا تو رمضان المبارک کے دوران امیر تنظیم اسلامی کراچی
ں قرآن حکیم کے ترجمے کا دور مکمل کریں گے۔ یہ پروگرام انجمن خدام القرآن کراچی
لی نو تعمیر شدہ عمارت قرآن اکیڈمی' (ڈی ایم۔ ۵۵' خیابان راحت' درخشاں فیز VI '
یفنس ہاؤسنگ سوسائٹی) میں ہوگا۔ یہ جگہ چونکہ شہر سے خاصے فاصلے پر واقع ہے لہٰذا
ورۂ ترجمۂ قرآن میں شمولیت کے خواہش مند اُن حضرات کے لئے قیام و طعام کا
ندوبست بھی اکیڈمی میں کیا جائے گا جن کے لئے روزانہ آمد و رفت دِقّت کا باعث ہوگی۔
س طرح گویا اس کی صورت ایک "قرآنی تربیت گاہ" کی بن جائے گی۔ پروگرام کا آغاز ۱۶
ارچ کو بعد نماز عشاء "استقبالِ رمضان" کے موضوع پر امیر تنظیم کے خطاب سے ہوگا
ور ۱۷ مارچ سے باقاعدہ دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

گزشتہ ماہ کے دوران دو عظیم علمی شخصیات سے ہمیشہ کے لئے جدائی کا صدمہ ہمیں دیکھنا پڑا۔ علی گڑھ انڈیا کے بلند پایہ عالِم دین مولانا محمد تقی امینی جن کا تفسیری سلسلہ "ہدایت القرآن" کے نام سے بالکل ابتدا سے "حکمت قرآن" میں شائع ہوتا آیا ہے اور جن کے وقیع مقالات وقتاً فوقتاً "میثاق" اور "حکمت قرآن" کی زینت بنتے رہے' وسط جنوری میں اچانک ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون...... حقیقت یہ ہے کہ ان کے انتقال سے ہم ان کے قلمی تعاون کے ساتھ ساتھ ان کی نیک دعاؤں اور بھرپور اخلاقی معاونت سے بھی محروم ہوگئے جو ان کی حیات زندگی کے آخری سانس تک ہمیں حاصل تھی...... ماہ جنوری ہی کے دوران کراچی کے مشہور اہل قلم جناب احمد الدین مارہروی بھی انتقال فرما گئے۔ موصوف ایک بلند پایہ محقق اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ مرحوم کا قلمی تعاون ایک عرصے سے ہمیں حاصل تھا چنانچہ ان کے مقالات بھی گاہے بگاہے "میثاق" اور "حکمت قرآن" کی رونق کو دوبالا کرنے کا باعث بنتے رہے۔ ان کی تحریر بڑی پرکشش اور علمی و فکری نکتہ آفرینیاں نہایت قابل تحسین ہوتی تھیں۔ مرحوم کے ارسال کردہ بعض مقالات جو ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے' عنقریب شائع کر دیئے جائیں گے...... اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کی علمی و فکری کاوشوں کو شرفِ قبول سے نوازے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

تعارف
تنظیمِ اسلامی

○

پس منظر
اور
اساسی نظریات

○

مرتب

ڈاکٹر اسرار احمد

نام کتاب ——— تعارفِ تنظیم اسلامی

بار اوّل ——— فروری ۱۹۹۱ء

تعدادِ اشاعت ——— ۸،۰۰۰

ناشر ——— ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

مطبع ——— مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت ——— ۷؍ روپے

مقامِ اشاعت ——— ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰

فون : ۸۵۶۰۰۴

کراچی آفس : ۱۱، داؤد منزل، نزد آرام باغ

شاہراہِ لیاقت، کراچی۔ فون : ۲۱۶۵۸۶

ترتیب

تقدیم

تنظیمِ اسلامی اگرچہ تاحال ایک مختصر سے قافلے کی حیثیت رکھتی ہے، تاہم بحمداللہ اس کا اجمالی تعارف، کسی نہ کسی درجہ میں، نہ صرف پاکستان کے طول وعرض، بلکہ بیرونی ممالک میں بھی کم از کم اُردو بولنے والوں کی حد تک بہت وسیع پیمانے پر ہو چکا ہے —— اندریں حالات ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس کے اساسی نظریات، جو تاحال مختلف کتابچوں کی صورت میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، انہیں افادۂ عام کے لیے یکجا کر دیا جائے —— تاکہ ایک[1] جانب کسی بھی نئے شخص کے لیے تنظیم کے مقاصد اور نظریات کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جائے، اور دوسری[2] جانب اُس کے اہداف ومقاصد اور ہیئتِ تنظیمی کے ضمن میں جو ارتقائی عمل بروئے کار آیا ہے وہ بھی واضح اور معیّن ہو جائے۔ چنانچہ یہی پیشِ نظر کتاب کی اشاعت کا اصل مقصد ہے۔

مختصر ترین الفاظ میں تنظیمِ اسلامی کی اجتماعی مساعی کے اہداف ومقاصد اور اس کی موجودہ ہیئتِ تنظیمی کا 'جامع ومانع' تعارف مندرجہ ذیل دو جملوں کے ذریعے ہو سکتا ہے جو تنظیم کے "نظام العمل" کی پہلی دفعہ (شق الف اور د) سے ماخوذ ہیں:

"۱۔ یہ ایک اصولی، اسلامی، انقلابی جماعت ہے جو پہلے پاکستان اور بالآخر کُل روئے زمین پر اللہ کے دین کے غلبے، یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام، یا بالفاظِ دیگر 'اسلامی انقلاب' کے لیے کوشاں ہے۔

۲۔ اس کی تنظیمی اساس 'سمع وطاعت فی المعروف' کی شخصی بیعت پر قائم ہے۔"

تاہم اس کا ایک طویل پس منظر ہے، جسے ؏ "دیکھئے کیا گزرے ہے قطرے پہ گُہر ہونے تک!" کے مصداق پیشِ نظر رکھنا مفید ہی نہیں ضروری ہے!

"تنظیمِ اسلامی" کا نام پہلی بار اب سے تئیس ۲۳ سال قبل اُس ہیئتِ تنظیمی کے ضمن میں سامنے آیا تھا جس کے قیام کا فیصلہ اُس اجتماع میں کیا گیا تھا جو ۸-۹ ستمبر ۱۹۶۷ء کو رحیم یار خاں میں منعقد ہوا تھا، اور جس میں لگ بھگ چالیس ۴۰ کی تعداد میں ایسے حضرات نے شرکت کی تھی جو اکثر و بیشتر ۱۹۵۷-۵۸ء میں، اور بعض بعد میں مختلف مراحل پر، جماعتِ اسلامی پاکستان سے علیحدہ ہوتے تھے ——— اُس اجتماع میں ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم بھی شریک تھا جو علم و فضل، اور تقوٰی و تدیّن کے اعتبار سے تو کمترین تھا ہی، جہاں تک یاد پڑتا ہے عمر میں بھی سب سے کم تھا ——— یہ دوسری بات ہے کہ اس اجتماع کا انعقاد اصلاً اُسی کی تحریک و تحریض اور ڈیڑھ دو سال کی انتھک مساعی کا نتیجہ تھا۔

۱۹۵۷-۵۸ء کے دوران میں مولانا مودودی مرحوم کے جن قریب ترین رفقاء نے جماعتِ اسلامی سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ اُن میں اُن چاروں حضرات کے علاوہ جنہیں مولانا مرحوم کی نظر بندی کے دَوران مختلف مواقع پر امارت جماعت کی ذمہ داری تفویض کی جاتی رہی تھی [1] جماعت کی قیادت کی صفِ دوم کا بہت بڑا حصہ شامل تھا۔ اُن میں سے بعض حضرات تو اس درجہ مایوس اور دل شکستہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے نئی تشکیل و تعمیر کی کسی کوشش میں قطعاً کوئی حصہ نہ لیا (جیسے مولانا عبدالجبار غازی مرحوم اور جناب سعید احمد ملک صاحب) لیکن بقیہ اکابر میں سے مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن، اور حکیم عبدالرحیم اشرف نے بھرپور کوشش کی کہ کوئی نئی ہیئتِ تنظیمی فوری طور پر وجود میں آجائے۔ ان کی اس کوشش میں جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے اُن عام ارکان کی اکثریت بھی شریک تھی جو معتدبہ تعداد میں لاہور، لائلپور (حال فیصل آباد) اور منٹگمری (حال ساہیوال) سے تعلق رکھتے تھے ——— لیکن افسوس کہ مختلف اسباب کی بنا پر یہ مساعی ناکام رہیں، اور جماعت کے سابق ارکان پر مشتمل کوئی نئی اجتماعیت وجود میں نہ آسکی جس کے نتیجے میں ایک عمومی مایوسی اور بددلی اس پورے حلقے میں پھیل گئی۔

واضح رہے کہ اگرچہ ان جملہ مساعی میں راقم الحروف بھی ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے شامل رہا تھا، تاہم ایک طویل عرصے تک ان کا اصل اعصابی مرکز بھی لائلپور رہا تھا، اور اُن کی رُوحِ رواں کی حیثیت بھی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب ہی کو حاصل رہی تھی ——— البتہ کچھ عرصہ بعد

---

[1] یعنی مولانا عبدالجبار غازی مرحوم، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن اور شیخ سلطان احمد۔

جب محسوس ہوا کہ حکیم صاحب موصوف کچھ زیادہ ہی مایوس اور بددل ہو گئے ہیں، تو راقم نے ذاتی تحریک اور منٹگمری کے احباب کے تعاون سے ایک بھرپور مشاورتی اجتماع کا اہتمام کیا جو عزیز ٹینر نیز ہزتر یہ میں منعقد ہوا اور کئی روز تک جاری رہا لیکن افسوس کہ یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ نتیجۃً مایوسی کے سائے مزید گہرے ہو گئے ——— اور ۱۹۶۰-۶۱ء کے لگ بھگ جماعت سے علیحدہ ہونے والے اکابر اور عام ارکان کے حلقے میں کسی نئی تعمیر و تشکیل کے ضمن میں کسی عملی سعی و جہد تو کجا مستقبل قریب میں اس کی کسی اُمید کے آثار بھی باقی نہ رہے اور بالعموم وہ فضا طاری ہو گئی جس کا نقشہ ان الفاظ میں سامنے آتا ہے کہ ع "اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا!" ——— اگرچہ بحمداللہ اس وقت بھی ذاتی طور پر راقم کے قلبی احساسات کی کیفیت یہ تھی کہ ع "آگ بجھی ہوئی نہ جان، آگ دبی ہوئی سمجھ!"

راقم الحروف اوائل ۶۲ء سے اواخر ۶۵ء تک بعض خاندانی مسائل کی بنا پر کراچی میں مقیم رہا۔ اور اس اثنا میں مولانا عبدالغفار حسن بھی مدینہ منورہ منتقل ہو گئے جہاں اُن کا تقرر جامعہ اسلامیہ میں بحیثیت استاذِ حدیث ہو گیا تھا۔

اواخر ۱۹۶۵ء میں راقم تعمیر جدید اور تشکیلِ نو کے عزمِ تازہ کے ساتھ لاہور منتقل ہوا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا وہ اختلافی بیان جو اُس نے ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کی مقرر کردہ جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا "تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے شائع کر دیا، جو دینی حلقوں اور مذہبی جماعتوں کے علاوہ اخبارات و جرائد میں بھی شدومد کے ساتھ زیرِ بحث آیا، جس کے نتیجے میں 'سابقینِ جماعت' کے حلقے میں بھی کسی نئی تعمیر و تشکیل کی خواہش از سرِ نو انگڑائی لینے لگی۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء میں جب مولانا عبدالغفار حسن اپنی سالانہ تعطیلات پر پاکستان آئے تو انہوں نے راقم کے ساتھ کامل اتفاق کرتے ہوئے نہ صرف کراچی اور لاہور بلکہ بعض دُوسرے مقامات پر بھی سابق ارکانِ جماعت کو ایک نئی تنظیم کے قیام پر آمادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اُن کی ان مساعی کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کے دِلوں میں قیامِ اجتماعیت کی وہ چنگاری جو خاکستر کی موٹی تہہ میں دَب چکی تھی دوبارہ پُورے آب و تاب کے ساتھ بھڑک اُٹھی۔

مولانا موصوف تو اپنی تعطیلات کے اختتام پر واپس مدینہ منورہ چلے گئے۔ لیکن اُن کی غیر حاضری

میں شیخ سلطان احمد صاحب نے اُن کی نیابت کا حق بخوبی ادا کیا ——— اور نہ صرف مفصل خط و کتابت کے ذریعے بلکہ اپنی شدید خانگی اور کاروباری مصروفیات کے علی الرغم ایک رفیق کی معیت میں پاکستان کے متعدد اہم مقامات کے سفر کی صعوبت جھیل کر اس تحریک کے پودے کو پروان چڑھایا ——— نتیجۃً جون ۱۹۶۷ء میں آں محترم اور یہ خاکسار رحیم آباد ضلع رحیم یار خاں میں سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم کے دولتکدے پر جمع ہوئے، جہاں طویل گفت و شنید اور بحث و تمحیص کے بعد ہم تینوں نے ایک قرار داد پر دستخط ثبت کر دیئے جو جولائی ۶۷ء کے 'میثاق' میں قرار دادِ رحیم آباد" کے نام سے شائع ہوگئی

اس قرار داد کا اکثر و بیشتر حصہ تو وہی ہے جو تنظیم اسلامی کی قرار دادِ تاسیس کے عنوان سے اس کتابچہ کے صفحات ۲۶ - ۲۷ پر درج ہے۔ البتہ اُس کے پہلے پیراگراف کی بجائے "قرار دادِ رحیم آباد" میں حسبِ ذیل عبارت درج تھی:

"ہم اس امر پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہماری راہ کے موانع کو دُور فرمایا اور حالات کو اس طرح سازگار فرمایا کہ ہم ایک بار پھر ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے ایک مقام پر جمع ہو سکے۔

ہمارے نزدیک یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ گفت و شنید کے نتیجہ میں ہم نے محسوس کیا کہ بحمد اللہ ہمارے نقطۂ نظر اور طرزِ فکر میں بہت حد تک یکسانی و یکرنگی موجود ہے اور ہم دین کی کسی چھوٹی یا بڑی خدمت کے لیے جمع ہو کر سعی و جہد کر سکتے ہیں۔

بنا بریں ہم یہ طے کرتے ہیں کہ ایک ایسی اجتماعیت کا قیام عمل میں لایا جائے جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔ جس میں وہ لوگ بھی شریک ہو سکیں جو اپنی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے لیے جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے تھے لیکن پھر مختلف مراحل پر اس سے مایوس ہو کر علیحدہ ہوتے چلے گئے اور اب کسی ہیئتِ اجتماعی میں منسلک نہ ہونے کی بنا پر تشنگی محسوس کر رہے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی شریک ہو سکیں جنہیں اپنے دینی فرائض کا احساس ہو جائے اور وہ اپنی اجتماعی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے لیے کسی اجتماعی نظم میں منسلک ہونا چاہیں۔"

اور اختتام پر ان الفاظ کا اضافہ تھا:

"مندرجہ بالا رہنما اصولوں کی روشنی میں تفصیلی نقشۂ کار کی تعیین اور ایک ہیئتِ اجتماعی کی تشکیل کے لیے طے کیا جاتا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو' ہم خیال لوگوں سے رابطہ قائم کیا جائے اور پھر کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ایسے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر کسی اجتماعیت کے قیام کی عملی صورت اختیار کر لیں۔

اس کام کی انجام دہی کے لیے فی الحال (شیخ) سلطان احمد (صاحب) کو مامور کیا جاتا ہے۔"

واضح رہے کہ اس قرارداد کو بھی الفاظ کا جامہ راقم الحروف ہی نے پہنایا تھا اور پھر جب راقم نے لاہور واپس آ کر اسے مولانا امین احسن اصلاحی کی خدمت میں پیش کیا اور اُن کی جانب سے اِس کی بحیثیتِ مجموعی تائید و تحسین کے بعد طے کیا گیا کہ اس کی ایک مختصر وضاحت بھی ضبطِ تحریر میں لے آئی جائے تو یہ خدمت بھی راقم ہی نے سرانجام دی —— دریں اثناء لاہور میں منعقدہ ایک اجتماع میں مجوزہ اجتماعیت کے ضمن میں ایک مجلسِ مشاورت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ جس کے ایک اجلاس میں نہ صرف "قراردادِ رحیم آباد" بلکہ متذکرہ بالا توضیحات کو بھی معمولی حک و اضافے کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ چنانچہ 'میثاق' بابت اگست ۱۹۶۷ء میں یہ تمام چیزیں "مجلسِ مشاورت" کی جانب سے شائع ہو گئیں۔ اور اُن کی اساس پر ایک اجتماع ۸۔ ۹ ستمبر کو بمقام رحیم یار خاں طلب کر لیا گیا۔

رحیم یار خاں میں ۶۔ ۷ ستمبر کو مجلسِ مشاورت کا اجتماع ہوا' —— اور بعد ازاں ۸۔۹ ستمبر کو کھلے اجلاس ہوئے جن میں اوّلاً راقم ہی نے مجوّزہ قرارداد اور اس کی توضیحات پڑھ کر سنائیں۔ پھر مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن نے مزید تائیدی اور توضیحی تقریریں کیں۔ شرکاءِ اجتماع کی جانب سے بعض لفظی ترامیم بھی پیش ہوئیں —— اور بالآخر قرارداد کو مع توضیحات منظور کر لیا گیا' صرف اس فرق کے ساتھ کہ قراردادِ رحیم آباد کے اُن ابتدائی تین پیروں کی بجائے' جو اُوپر نقل ہو چکے ہیں' یہ پیرا شامل کیا گیا:

"آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممدّ و معاون ہو:"

اسی طرح "قرار دادِ رحیم آباد" کے محولہ بالا آخری الفاظ کی جگہ یہ الفاظ درج کیے گئے کہ :

"مندرجہ بالا رہنما اصولوں کی روشنی میں عملی جدوجہد کے آغاز اور ایک ہیئتِ اجتماعی کی باقاعدہ تشکیل کے لیے مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ایک مجلسِ مشاورت کے تقرر کی توثیق کی جاتی ہے!

۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی	۲۔ مولانا عبدالغفار حسن
۳۔ مولانا عبدالحق جامعی	۴۔ شیخ سلطان احمد (معتمد)
۵۔ سردار محمد اجمل خان لغاری	۶۔ ڈاکٹر محمد نذیر مسلم

اور ۷۔ ڈاکٹر اسرار احمد"

'میثاق' کی ستمبر اکتوبر ۱۹۶۷ء کی مشترکہ اشاعت میں ترمیم شدہ قرارداد اور توضیحات بھی شائع ہو دی گئیں اور مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن کی تقاریر بھی۔ مزید برآں صرف قرارداد اور اس کی توضیحات کو "ایک نئی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ" کے عنوان سے ایک کتابچے کی صورت میں بھی شائع کر دیا گیا تاکہ اسے زیادہ وسیع حلقے تک پہنچایا جا سکے۔

یہ عرض کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ اگرچہ اس نئی تنظیم کی سربراہی یا امارت کے لیے بحال رسمی طور پر کسی کا نام نہ تجویز ہوا تھا نہ منظور، لیکن اس "بارات کے دولہا" بہرحال مولانا امین احسن اصلاحی ہی تھے ــــــ اور اگرچہ اس نئی ہیئتِ اجتماعی کے نام کے بارے میں بھی متعدد تجاویز کے پیش ہونے کے باوجود کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا، تاہم چونکہ مولانا اصلاحی "تنظیمِ اسلامی" کے نام پر مُصر تھے، لہٰذا غیر رسمی طور پر یہ نام بھی تقریباً طے شدہ ہی تھا۔ (اگرچہ راقم الحروف نے یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ یہ اسمِ عَلَم نہ 'میثاق' میں استعمال ہوا نہ متذکرہ بالا کتابچے میں۔)

اجتماعِ رحیم یار خاں میں اپنے الوداعی خطاب میں بھی مولانا اصلاحی نے اپنی سابقہ تقصیر کے اعتراف کے ساتھ آئندہ کے لیے عزمِ مصمم کا اظہار کیا تھا اور اس کے بعد بھی چند ماہ تک اُن کی طبیعت میں نشاط کی کیفیت برقرار رہی اور ع "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" کے سے انبساط و انشراح کا اظہار ہوتا رہا۔ چنانچہ بعض چھوٹے اسفار کے علاوہ، ایک طویل سفر بھی انہوں نے از لاہور تا سکھر بذریعہ کار، اور وہاں سے کراچی بذریعہ ریل کیا جس میں راقم بھی حضرت موسیٰؑ کے "فتیٰ" کے مانند اُن کے ساتھ رہا۔

لیکن افسوس کہ ایک حادثہ تو اس سفر کے دَوران سکھر میں ایک اجتماع عام کے موقع پر پیش آگیا ـــــ اور بعض دوسرے حوادث اس کے کچھ عرصہ بعد رونما ہو گئے جن کے نتیجے میں ایک جانب تو مولانا اصلاحی کی طبیعت بجھ کر رہ گئی ـــــ اور دوسری جانب بعض اہم رفقاء کے مزاج میں بھی تکدر پیدا ہو گیا ـــــ چنانچہ جماعتِ اسلامی کے ساتھ سابق تعلق کی قدرِ مشترک کی اساس پر نئی تنظیم کے قیام کی یہ آخری کوشش بھی ع "خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود" کی مصداقِ کامل بن گئی!

تاہم راقم الحروف نے اُسی وقت طے کر لیا تھا کہ اقامتِ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے بلند و بالا مقاصد کے لیے خالص اصولی اور انقلابی طریق پر جدّوجہد یا بالفاظِ دیگر اسلامی انقلاب کی سعی کے لیے ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر کسی نئی تحریک کے اجراء اور تنظیم کے قیام کے لیے خود اپنی بساط کے مطابق کوشش جاری رکھے گا۔ خواہ اُسے 'نئے سفر' اور نئی تعمیر و تشکیل کے لیے تنہا ہی آغاز کرنا پڑے۔

لاہور میں حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن' اور "دارالاشاعت الاسلامیہ" کا قیام اور ماہنامہ 'میثاق' کا دوبارہ اجراء پہلے ہی عمل میں آچکا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم کے انقلابی فکر اور ولولہ انگیز دعوت کی اساس پر ہم خیال لوگوں کا ایک بالکل نیا حلقہ وجود میں آچکا تھا جو فطری تدریج کے ساتھ مسلسل ترقی کر رہا تھا۔ چنانچہ اب راقم نے اپنے جسم و جان کی تمام توانائیوں کو بالکل یکسو ہو کر اور ع "شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی" کے سے انداز میں قرآن کی انقلابی دعوت کے نشر و اشاعت پر مرکوز کر دیا[1] جس کے نتیجے میں اوّلاً ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا اور ۲۱ جولائی ۱۹۷۴ء کی شام کو اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے اختتام پر راقم نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ آئندہ معاملہ صرف قرآن کے درس و تدریس' اور تعلیم و تعلّم تک محدود نہیں رہے گا اور صرف "انجمن" پر اکتفا نہیں ہو گی بلکہ اقامتِ دین کی اجتماعی جدّوجہد کے لیے ایک باضابطہ 'جماعت' کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

راقم الحروف کی متذکرہ بالا تقریر' تسوید و تبییض کے جملہ مراحل طے کر کے بعض اضافوں کے ساتھ 'میثاق' بابت ستمبر ۱۹۶۷ء میں اور بقیہ اکتوبر اور نومبر کی مشترک اشاعت میں شائع ہو گئی۔ جس کے

---

[1] اس کی تفصیلی رُوداد کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر"!

بیعے راقم نے اپنا ذہنی وفکری پس منظر، سابقہ تحریکی وجماعتی تعلق، اور فرائض دینی کے بارے ں اپنا تصور پوری طرح واضح کر دیا۔ (یہ تقریر جو پہلے "سرافگندیم" کے نام سے طبع ہوتی رہی تھی، اب "عزم لیم" کے عنوان سے شائع ہو رہی ہے۔)

پھر "میثاق" بابت اکتوبر نومبر میں راقم نے ایک جانب ایک طویل مقالے کے ذریعے ت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے دوران عروج اور زوال کے دو دو ادوار کی وضاحت اور تیسرے روج کی جانب پیش قدمی کے ضمن میں "ہمہ جہتی احیائی عمل" کے مختلف گوشوں کی تعیین کے ساتھ یہ ت بھی واضح کر دی کہ راقم اور اس کی تجویز کردہ تنظیم ان میں سے کون سے گوشے سے تعلق رکھتی ہے۔ ر دوسری جانب ۱۹۶۷ء کے اجتماعِ رحیم آباد کی منظور کردہ قرارداد مع توضیحات بھی شائع کر دی اور ولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن کی تقاریر کے علاوہ وہ تائیدی تبصرے بھی شائع کر دیئے و ۶۸-۱۹۶۷ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا عبدالباری ندوی رحمہما اللہ نے کیے تھے —— ور اعلان کر دیا کہ ان ہی فکری و نظری اساسات پر ایک نئی تنظیم کی تشکیل اگلے سال (۱۹۷۵ء) کے اوائل یں ہو جائے گی!

۱۹۶۷ء کی قرارداد کے بارے میں راقم الحروف کو اس وقت بھی یہ احساس تھا کہ اس میں اقامتِ دین کی فرضیت کا تصور کچھ دب گیا ہے اور اس کی اہمیت کما حقہ، واضح نہیں ہو رہی —— اور اگرچہ دین کی اقامت کی اصطلاح اس میں موجود ہے تاہم بحیثیتِ مجموعی اس سے اصلاً ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ اس کا اصل سبب بھی راقم کے سامنے واضح تھا، یعنی یہ کہ جماعتِ اسلامی کی تحریک کی قلبِ ماہیت، اور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے بجائے اسلام پسند قومی سیاسی جماعت کا انداز اختیار کر لینے اور اس کے نتیجے میں اس کے کارکنوں کے مزاج میں سیاسی رنگ کے غلبے نے سابقینِ جماعت کے حلقے میں ردِ عمل کے طور پر "دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے!" —— اور "سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے!" کے مطابق "انقلاب" کے لفظ سے وحشت (Allergy) پیدا کر دی تھی —— اس کے باوجود راقم نے نئی تشکیل کے لیے قراردادِ تاسیس کے طور پر اسی کو اختیار کیا۔ اس لیے کہ ایک تو اس کی شدید خواہش تھی کہ ۱۹۶۷ء میں جمع ہونے والے

تمام بزرگ اور احباب اس میں شمولیت اختیار کر لیں، اور اس ضمن میں اُن پر یہ حجت قائم ہو جاتی کہ نئے سفر کا آغاز ٹھیک اُسی مقام سے کیا جا رہا ہے جہاں سے سات سال قبل قافلہ منتشر ہوا تھا ــــــ اور دوسرے[۲] اسے یقین تھا کہ جیسے ہی قافلہ مصروفِ سفر ہو گا سابقہ تجربات اور ایک طویل عرصے کے جمود کے باعث جو وحشت پیدا ہو گئی ہے خود بخود رفع ہو جائے گی اور ــــــ ع "پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود!" کے مصداق سب بھولے ہوئے سبق دوبارہ یاد آ جائیں گے۔ (جس کا ایک[۱] ثبوت بھی راقم کو بالکل ابتدائی مرحلے ہی پر مل گیا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سردار محمد اجمل خاں لغاری مرحوم کے مزاج میں متذکرہ بالا وحشت کی شدّت کے باعث 'قرار دادِ رحیم آباد' میں ان الفاظ کے بعد کہ: "لہٰذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کما حقہٗ لحاظ رکھا جائے" مزید تاکید اور حزم و احتیاط کے لیے یہ الفاظ بھی شامل تھے کہ "اور اُسے محض کسی اجتماعی انقلاب کے لیے آلۂ کار کی حیثیت نہ دے دی جائے!" ــــــ لیکن جیسے ہی جمود ٹوٹا اور حرکت کا آغاز ہوا تو اس وحشت کی شدّت میں فوراً کمی آ گئی۔ چنانچہ رحیم یار خاں میں منظور ہونے والی قرار داد سے یہ الفاظ حذف کر دیے گئے۔)

تنظیم اسلامی کا تاسیسی اجلاس ۲۷ / اور ۲۸ / مارچ ۱۹۷۵ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے دفتر واقع ۱۲-اے، افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور میں منعقد ہوا جس میں لاہور کے علاوہ کراچی، سکھر، بہاولپور، ساہیوال، فیصل آباد، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور بعض دوسرے مقامات سے کُل ایک سو تین[۱۰۳] افراد شریک ہوئے۔

ان میں اوّل تو جماعتِ اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والے حضرات کی کُل تعداد بھی پانچ چھ سے زیادہ نہ تھی، مزید برآں وہ سب بھی جماعت کے عام ارکان میں سے تھے، اور ان میں سے کوئی بھی جماعتِ اسلامی میں کبھی کسی اہم منصب پر فائز نہیں رہا تھا ــــ (سوائے شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کے، کہ وہ کراچی کی جماعت کے معروف اور نمایاں لوگوں میں شامل رہے تھے!) ــــــ گویا یہ پورا قافلہ راقم کی دعوتِ قرآنی کے نتیجے میں عالمِ وجود میں آیا تھا۔ اور اس کے جملہ اساسی تصوّرات مطالعۂ قرآن حکیم کے اُس منتخب نصاب پر مبنی تھے جسے راقم نے اپنی دعوتِ قرآنی کا مرکز و محور بنایا تھا۔

چنانچہ راقم نے اس اجلاس کی افتتاحی نشست میں بھی ایک بار پھر اپنے مطالعۂ قرآن کا نچوڑ پیش کیا اور سورۂ صف کے دوسرے رکوع اور سورۂ حجرات کی آیات ۱۴ - ۱۵ کے حوالے سے فرائض دینی کا جامع تصور اور اس کے ضمن میں شہادت علی الناس اور غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت اور اس کے لیے التزام جماعت کی اہمیت پر زور دیا۔ اس کے ساتھ ہی راقم نے ۱۹۶۷ء والی قراردادِ تأسیس مع توضیحات پڑھ کر سنائی اور اس کی پُرزور وکالت کی' صرف اس لیے نہیں کہ یہ اس کے اپنے رشحاتِ قلم تھے' بلکہ اس لیے کہ اقامتِ دین کے بلند و بالا مقصد کے لیے جو مردانِ کار درکار ہیں اُن کی فراہمی اور سیرت سازی کے لیے جو پروگرام اُس قرارداد اور اس کی توضیحات کے ذریعے سامنے آتا ہے اُس کی صحت و حقانیت پر میرا دل ۷۵-۱۹۷۴ء میں بھی اتنا ہی مطمئن تھا، جتنا ۶۷-۱۹۶۶ء میں۔ اور الحمد للہ کہ ان سطور کی تحریر کے وقت بھی (جنوری ۱۹۹۱ء) راقم کو یقینِ کامل حاصل ہے کہ فرائض دینی کی پہلی دو منزلوں یعنی بندگیٔ رب اور شہادت علی الناس کے اصول و مبادی کے ضمن میں اس قرارداد اور اس کی توضیحات کو ایک اہم اور جامع دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ (چنانچہ اس کتاب کا حصہ اوّل اسی قرارداد اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔) ——— بہرحال چونکہ یہ اجتماع ان ہی کی اساس پر طلب کیا گیا تھا لہٰذا اس کا کوئی امکان ہی موجود نہ تھا کہ ان کے کسی نکتے سے شرکاءِ اجلاس میں سے کسی کو کوئی اختلاف ہو' لہٰذا ان کی منظوری کا مرحلہ بآسانی طے ہو گیا۔

اگلا مرحلہ "نام' شرائطِ شمولیت' ہیئتِ تنظیمی' اور قواعد و ضوابط" کی منظوری کا تھا۔ جن میں سے نہ نام کے سلسلے میں کوئی ردّ و قدح ہوئی' نہ ہیئتِ تنظیمی اور قواعد و ضوابط کے ضمن میں کوئی مشکل پیش آئی البتہ "شرائطِ شمولیت" میں شامل بعض کڑوی گولیوں کا نگلنا موجود الوقت حالات میں بہت سے احباب کو دشوار ہی نہیں محال نظر آیا۔

چنانچہ نام کے ضمن میں اتفاقِ رائے کے ساتھ "تنظیمِ اسلامی" ہی کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اور اس وقت کے دستورِ تنظیمِ اسلامی کی دفعہ ۱' یہ قرار پائی:

"اس تنظیم کا نام تنظیمِ اسلامی ہو گا۔"

اسی طرح "ہیئتِ تنظیمی" کے ضمن میں حسبِ ذیل امور بھی بالاتفاق طے پا گئے:

”دفعہ ۳ - ہیئتِ تنظیمی

تنظیمی اعتبار سے پہلے تین سال ایک عبوری دَور شمار ہوں گے جن کے دوران میں مقدور بھر سعی کی جائے گی کہ تجدیدِ ایمان، توبہ اور تجدیدِ عہد کی وہ دعوت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا دی جائے جس کی تفصیل دفعہ ۲ میں دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس میں شامل ہو سکیں۔ اس عرصے کی تکمیل پر ایسے تمام لوگوں کا ایک عام اجتماع طلب کیا جائے گا جو ”تنظیمِ اسلامی“ کے لیے مستقل دستور طے کرے گا۔ گویا دفعات آئندہ میں جو تنظیمی ڈھانچہ دیا جا رہا ہے وہ صرف اس عبوری دَور کے لیے شمار ہو گا۔

دفعہ ۴ - مرکزی نظام

(الف) ڈاکٹر اسرار احمد کو تنظیمِ اسلامی کے ”داعیِ عمومی“ کی حیثیت حاصل ہو گی اور وہ اس عبوری دَور میں ”اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ“ کے وسیع تر اصول کے تحت تنظیم کے معاملات کو بھی چلائیں گے اور اس کی دعوت کو بھی زیادہ سے زیادہ وسیع تر حلقے تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ وہ ایک معین مجلسِ شوریٰ کو بھی نامزد کرنے کے مجاز ہوں گے لیکن ان کو حقِ استقرار حاصل ہو گا۔

(ب) تمام رفقائے تنظیم داعیِ عمومی کی ”اطاعت فی المعروف“ کے پابند ہوں گے!“

رہے ”قواعد و ضوابط“ تو چونکہ ان اصولی باتوں کے طے ہو جانے کے بعد زیادہ تفصیلی قواعد و قوانین کی چنداں ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی، لہٰذا وہ سب کے سب پانچ دفعات کی صورت میں کُل تین صفحات میں سما گئے اور وہ بھی بالاتفاق طے ہو گئے۔

جہاں تک متذکرہ بالا دستور کی دفعہ ۲ میں شامل ”شرائطِ شمولیت“ کا تعلق تھا اس کی بھی کُل چھ میں سے صرف ایک یعنی چوتھی شق ایسی تھی جو بہت سے احباب کے تنظیم میں شامل ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ اس لیے کہ اُس کی رُو سے یہ لازم آتا تھا کہ صرف وہی لوگ تنظیمِ اسلامی میں شمولیت اختیار کر سکیں گے جو تجارتی اور نجی ہر نوع کے سُودی لین دین سے عملاً تائب ہو جائیں، اور ایسے اداروں کی ملازمت بھی ترک کر دیں جن میں سُودی لین دین کا غلبہ ہو جیسے بنک اور انشورنس کمپنیاں وغیرہ۔ مزید برآں سرکاری محاصل یعنی انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس وغیرہ کے ضمن میں بھی کسی غلط بیانی سے ہرگز کام نہ لیں۔ ان شدید و ثقیل، اور موجود الوقت احوال و ظروف کے اعتبار سے تقریباً ناممکن العمل پابندیوں کا

جہ یہ نکلا کہ اُن ایک سو تین ۱۰۳ حضرات میں سے جو اس اجتماع میں ابتداءً شریک ہوئے تھے صرف ستّر ۷۰ حضرات نے تنظیم میں بالفعل شرکت اختیار کی۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تنظیم کی "شرائطِ شمولیت" کی متذکرہ بالا ق بھی اصلاً جماعتِ اسلامی ہی کے فلسفہ و اصولِ تنظیم کے تسلسل کی مظہر تھی۔ اور اس معاملے میں اگرچہ اتی طور پر راقم الحروف کے نظریات تبدیل ہو چکے تھے' تاہم چونکہ شدید دلی خواہش تھی کہ جماعت سے لیحدگی اختیار کرنے والے احباب و اکابر کی زیادہ سے زیادہ تعداد اس نئے قافلے میں شامل ہو' اور اُن لی اکثریت بالخصوص اہم شخصیتوں کے تصورات میں ابھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی' لہٰذا جہاں یہ مناسب سمجھا لیا کہ تنظیم کے "مستقل دستور" کے معاملے کو ابھی 'کھلا' (Open) رکھا جائے وہاں "شرائطِ شمولیت" کے ضمن میں بھی سابقہ طرزِ فکر ہی کو برقرار رکھا گیا۔

تنظیمِ اسلامی کے ابتدائی عارضی دستور کی دفعہ نمبر ۲' صرف مذکورہ شق ۲ میں معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ' پیشِ نظر کتابچے کے حصّہ دوم میں "عقائد اور بنیادی دینی تصورات" کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ بھی اصلاً راقم ہی کی تحریر پر مشتمل ہے جو جولائی ۱۹۷۴ء اور مارچ ۱۹۷۵ء کے درمیانی عرصے میں سپردِ قلم ہوئی۔ اس کی ترتیب و تسوید میں راقم نے جماعتِ اسلامی کے دستور سے بھی استفادہ کیا، اور بعض علماء سے بھی مشورہ کیا جن میں مولانا سید وصی مظہر ندوی قابلِ ذکر ہیں جو اگرچہ اُس وقت تک جماعتِ اسلامی میں شامل تھے تاہم اُن کی جماعت کی مقامی' صوبائی اور مرکزی قیادت کے ساتھ وہ کشاکش شدت کے ساتھ جاری تھی جس کے نتیجے میں وہ ۱۹۷۶ء میں جماعت سے خارج کر دیئے گئے۔

اس کی پہلی شق ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصّل پر مشتمل ہے۔ جن کی تشریح میں اہلِ سنت کے عقائد اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ آ گئے ہیں' واضح رہے کہ جماعتِ اسلامی کے دستور میں اِن کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

دوسری شق کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت پر مشتمل ہے جس کی تشریح کے سلسلے میں جماعتِ اسلامی کے دستور سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اِقرار کے مضمرات و مقدرات کو دستورِ جماعت میں بلاشبہ نہایت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اور ایک

روایت یہ بھی ہے کہ یہ تحریر اصلاً مولانا محمد منظور نعمانی کی ہے۔ واللہ اعلم) ——— البتہ ایک جانب اس میں سے وہ الفاظ حذف کر دیئے گئے جن پر علماء کرام کی جانب سے شدید اعتراضات کیے گئے تھے، اور دوسری جانب عظمتِ صحابہؓ اور حجیّتِ خلافتِ راشدہ سے متعلق شقوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، تربیت اور تزکیے کا شاہکار ہونے کے اعتبار سے تعظیم و توقیر کے مستحق بھی ہیں ——— اور بفحوائے الفاظِ قرآنی "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ" اور "فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَ عَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ" آنحضورؐ کے رفقاء و احباب اور اعوان و انصار ہونے کی بنا پر اس کا استحقاق کامل بھی رکھتے ہیں کہ آنحضورؐ کے ہر اُمتی کے دل میں اُن کے لیے شدید محبت اور احسان مندی کے جذبات موجود ہوں ——— اور خلافتِ راشدہ چونکہ اصلاً خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا اُس کے دَوران میں جن امور پر اُمت کا اجماع ہو گیا انہیں دین کے دستوری اور قانونی نظام میں حُجت کی حیثیت حاصل ہے ——— اس طرح عظمتِ صحابہؓ اور حجیّتِ خلافتِ راشدہ کو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالتِ مبارکہ کے ساتھ تتمّے اور ضمیمے کی حیثیت حاصل ہے!

تیسری اور چوتھی شقیں شرک، کفر اور رذائمِ اخلاق سے برارت، اور جملہ ذنوب و معاصی سے توبہ استغفار پر مشتمل ہیں۔ جن کے ضمن میں جہاں کفر اور شرک کی حقیقت اور اُن کی اقسام کی مختصر مگر جامع وضاحت آ گئی ہے، وہاں فرائض و واجباتِ دینی اور محرمات و منہیات شرعی کا اجمالی تذکرہ بھی ہو گیا ہے۔ اور ان ہی میں وہ "کڑوی گولیاں" بھی شامل ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یعنی کسبِ معاش کے سلسلے میں محرمات و منکرات سے اجتناب!

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ابتدا میں جو صورت اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ صرف وہی لوگ تنظیم اسلامی میں شامل ہو سکیں گے جو ان منکرات کو بالفعل ترک کر چکے ہوں، یہی وجہ ہے کہ تاسیسی اجلاس کے ابتدائی ایک سو تین شرکاء میں سے صرف باسٹھ حضرات تنظیم میں شمولیت اختیار کر سکے! ——— لیکن تقریباً ڈھائی سال بعد جب تنظیم کے لیے بیعت کے نظام کو اختیار کیا گیا تو متعلقہ عبارت میں بھی مناسب لفظی ترمیم کر دی گئی اس لیے کہ نظامِ بیعت کا تو اصل الاصول ہی یہ ہے کہ کوئی شخص جب، جہاں، اور جیسے ہی عزم اور ارادہ کر لے کہ وہ مسلمان جئے اور مسلمان مرے گا اور اپنے جملہ فرائض دینی کو ادا کرنے کے لیے

امکان بھر کوشاں رہے گا فوراً بیعت کر کے راہِ حق کے قافلے میں شامل ہو سکتا ہے تعلیم، تربیت ا
تزکیے کے مراحل بعد میں آتے ہیں، گویا اب اس شق کی حیثیت اس پیشگی تنبیہہ کی ہے کہ جو شخص بھی
تنظیم میں شامل ہو وہ اچھی طرح جان لے کہ اسے ان منکرات و محرّمات کو جلد از جلد ترک کرنا ہے۔

پانچویں اور چھٹی شقیں دو 'معاہدوں' پر مشتمل ہیں، پہلا عہد اللہ سے کہ میں نے اپنا رُخ ہر جانب سے یکسو ہو کر صرف تیری جانب کر لیا ہے اور اب میری نماز اور قربانی کی طرح میرا جینا اور مرنا بھی تیرے لیے ہوگا ــــ اور دوسرا عہد تنظیم اسلامی سے کہ میں اس کے نظم کی پابندی اور اس کے ایسے احکام کی اطاعت جو شریعت کی کسی واضح نص کے خلاف نہ ہوں "سمع و طاعت" کی ٹھیٹھ اسلامی رُو کے مطابق کروں گا!

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ تنظیم کے عقائد اور بنیادی دینی نظریات کی چھ شقوں کا تعلق ان تین اہم دینی اصطلاحات سے ہے جو تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت کے عنوان چند آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ ابتدا ہی سے جلی طور پر شائع ہوتی رہی ہیں: یعنی تجدیدِ ایمان، توبہ اور عہد! ـ چنانچہ پہلی دو شقوں کا تعلق تجدید ایمان سے ہے، درمیانی دو کا توبہ سے، اور آخری دو کا عہد سے!!

اللہ تعالیٰ ہم سب کے قلوب و اذہان کو ایمانِ حقیقی اور یقین و معرفت کے نور سے منوّر فرمائے ہمیں جملہ فرائض و واجبات کے التزامِ تام اور منکرات و منہیات سے اجتنابِ کلّی کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے جملہ عہود و عقود کے ایفاءِ کامل کی ہمّت عطا فرمائے، آمین یا ربّ العٰلمین!

ذاتی طور پر راقم الحروف کی رائے جماعت سے علیحدگی کے دو سال کے اندر اندر یعنی ا
۱۹۵۹ء کے لگ بھگ ہی یہ بن چکی تھی کہ اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت کی
اساس بیعت کے مسنون، اور ماثور اصول پر قائم ہونی چاہیے نہ کہ عہدِ حاضر کے مغرب سے درآمد
اور جمہوری اصولوں پر ــــ تاہم راقم کے نزدیک نہ مقدم الذکر ہیئتِ تنظیمی فرض یا واجب کے
ہے، نہ مؤخر الذکر مباحات کے دائرے سے خارج ہے ــــ یہی وجہ ہے کہ آٹھ سال بعد
میں اوّلاً رحیم آباد اور پھر رحیم یار خاں میں ایک نئی تنظیم کے قیام کا فیصلہ ہوا تو راقم اس میں پورے

ہی نہیں، بھرپور جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوا، حالانکہ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ اس 'بارات' کے 'دولہا' کی حیثیت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کو حاصل تھی، اور وہی بلاشائبہ ریب و شک مجوزہ تنظیم کے امیر بنتے، اور اُن کے بارے میں یہ بات ظاہر و باہر اور معلوم و معروف تھی کہ اُن کا شدید رجحان ہی نہیں قطعی و حتمی رائے دستوری اور جمہوری نظامِ جماعت کے حق میں ہے ـــــ

اسی طرح مزید آٹھ سال بعد یعنی ۱۹۷۵ء میں جب موجودہ تنظیم اسلامی کی تاسیس کا مرحلہ آیا تب بھی راقم نے نظامِ جماعت کے مسئلے کو 'کھلا' رکھا اور پہلے تین سالوں کو عبوری دَور قرار دیتے ہوئے اپنی حیثیت صرف کنوینر کی رکھی تاکہ جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والے دوسرے بزرگ حضرات بھی شمولیت پر آمادہ ہو جائیں تو اُن کے مشورے بلکہ صوابدید کے مطابق ہیئتِ تنظیمی تشکیل دے لی جاتی! اور اس میں ہرگز کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر وہ حضرات شمولیت اختیار کر لیتے تو لامحالہ ایک دستوری اور جمہوری نظم ہی قائم ہوتا۔

لیکن جب دو ڈھائی سال کے انتظار کے بعد ثابت ہو گیا کہ بزرگ سابقینِ جماعت میں سے کوئی ایک شخص بھی اس نئے قافلے میں شمولیت پر آمادہ نہیں ہے، تو چار و ناچار راقم کو یہ فیصلہ کر لینا پڑا کہ اب اسے اپنی ذاتی صوابدید ہی کو بروئے کار لانا ہے۔ اور اپنی رائے کو پورے شرح و بسط کے ساتھ رفقاء کے سامنے رکھ دینا ہے۔ تاکہ بفحوائے الفاظِ قرآنی: "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ" (الانفال: ۴۲) جسے ساتھ دینا ہے وہ بھی پورے انشراحِ صدر کے ساتھ دے، اور جسے ساتھ چھوڑ دینا ہے وہ بھی خوب سوچ سمجھ کر علیحدہ ہو!

تنظیم کا پہلا سالانہ اجتماع ۲۵ تا ۲۷ مارچ ۱۹۷۶ء اپنے مقامِ تاسیس ہی پر منعقد ہوا تھا، اور دوسرے سالانہ اجتماع کے انعقاد کے لیے بھی اواخر مارچ ۱۹۷۷ء کی تاریخوں کا تعین ہو چکا تھا کہ اچانک ملکی انتخابات میں حکومتِ وقت کی جانب سے کی گئی دھاندلیوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں نے ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کر لی جو "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے موسوم ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ لہٰذا تنظیم کے اجتماع کو ملتوی کرنا پڑا ـــــ ۴ اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب کو ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا تو امن و امان کی ،

بحال ہوئی اور چونکہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ تین ماہ بعد مارشل لا کے اختتام پر ملک میں دوبارہ کیسے
پیدا ہو جائیں، لہٰذا بعض اہم رفقاء کے مشورے سے طے کر لیا گیا کہ پہلی فرصت میں تنظیم
اجتماع منعقد کر لیا جائے جو دوسرے اور تیسرے سالانہ اجتماعات کا قائم مقام ہو اور اس میں
مستقل نظام کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لیا جائے۔

یہ اجتماع جو، کچھ دو اجتماعات کے قائم مقام ہونے کے ناتے، اور کچھ اہم موضوعات پر تفصیلی
و شنید اور بحث و تمحیص کی ضرورت کے پیش نظر، پورے ایک ہفتے کے لیے طلب کیا گیا تھا
اراگست ۱۹۷۷ء قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں جاری رہا اور اس میں راقم نے حسب ذیل
تنقیحات کے ذیل میں نہ صرف یہ کہ اپنے دینی فکر کو پوری وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ
لیا بلکہ جملہ شرکائے اجتماع کو بھی اظہارِ خیال اور اختلافِ رائے کا پورا موقع فراہم کیا:

"۱۔ اقامتِ دین، شہادت علی الناس، اور غلبہ و اظہارِ دین کی **سعی و جہد** نفلی عبادت یا اضافی
نیکی نہیں بلکہ ازروئے قرآن و حدیث **بنیادی دینی فرائض** میں شامل ہے!

۲۔ اس دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے **التزامِ جماعت** واجب ہے۔

۳۔ ایسی دینی جماعت کی ہیئت تنظیمی مغرب سے درآمد شدہ دستوری، قانونی اور جمہوری طرز کی
نہیں بلکہ قرآن و سنت اور اسلاف کی روایات سے مطابقت رکھنے والے **بیعت** کے
اصول پر مبنی ہونی چاہیے"

الحمد للہ کہ ان تنقیحاتِ ثلٰثہ پر پورے چھ دن سیر حاصل گفتگو ہوئی جس کے نتیجے میں شرکاءِ
ع کی غالب اکثریت نے راقم کے خیالات اور نظریات سے کامل اتفاق کیا اور بالآخر ناظم عمومی
ب شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی تحریک پر حسب ذیل قرارداد منظور ہو گئی:

"تنظیم اسلامی کا یہ اجتماع عام حسب دفعہ ۳ دستور تنظیم اسلامی طے کرتا ہے کہ:

۱۔ آئندہ تنظیم اسلامی کا نظام مغرب سے درآمد شدہ دستوری قانونی اور جمہوری اصولوں کے بجائے
ن و سنت سے ماخوذ اور اسلاف کی روایات کے مطابق بیعت کے اصول پر مبنی ہوگا۔ چنانچہ تنظیم
امی کے داعی عمومی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب آج کے بعد سے "امیر تنظیم اسلامی" ہوں گے۔
ظیم میں داخلہ ان کے ساتھ اطاعت فی المعروف کی بیعت کا شخصی رابطہ استوار کرنے سے ہوگا اور

وہ بحیثیت امیر تنظیم اسلامی اپنے فرائض "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" اور "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" کی قرآنی ہدایات کے مطابق ادا کریں گے۔

۲۔ اس فیصلے سے لازم آتا ہے کہ:

i۔ تنظیم اسلامی میں جو حضرات اب تک شریک رہے ہیں ان کی رفاقت آج سے ختم شمار ہو گی تاآنکہ وہ اس قرارداد کے جزو اوّل کے مطابق بیعت کے نظم میں شامل ہو جائیں۔

ii۔ تنظیم اسلامی کا موجودہ دستور بھی کالعدم متصوّر ہوگا۔ اور امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ وہ جن رفقاء سے مناسب سمجھیں مشورہ کر کے آئندہ کا دستور العمل طے کر لیں"

۱۰ اگست ۱۹۷۷ء کو اس قرارداد کی منظوری' اور اس پر جملہ شرکاء اجتماع کے دستخط ثبت ہونے پر گویا تنظیم اسلامی کا عبوری دَور ختم اور نیا اور مستقل دَور شروع ہو گیا۔ جو بحمد اللہ تاحال جاری ہے۔

اس عرصے کے دَوران اگر کوئی خیر ذاتی طور پر راقم الحروف اور اجتماعی طور پر تنظیم اسلامی سے بن آیا ہے تو وہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم اور توفیق و تیسیر کا مظہر ہے' ـــــ اور کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہوئیں تو ہمارے اپنے نفوس کی شرارتوں کی بنا پر' ـــــ چنانچہ آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے نوازتے ہوئے ہدایت و استقامت میں اضافہ فرمائے اور شیطان کے فریب اور نفس کی شرارتوں سے اپنی حفاظت میں رکھے! رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ! آمین

تنظیم اسلامی کے لیے اصولی طور پر "بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف" کی تنظیمی اساس کو اختیار کر لینا تو مشکل نہ تھا لیکن موجودہ حالات میں اس بنیاد پر ایک جماعتی نظام کا ڈھانچہ بالفعل کھڑا کرنا ہرگز آسان نہ تھا۔ اس لیے کہ ایک جانب یہ تصوّر "آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل" کے مصداق ذہنوں سے بالکل خارج ہو چکا تھا' اور دوسری جانب "بیعت" کے ساتھ ایسے بہت سے عجیب و غریب تصوّرات لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جن سے موجودہ ذہن ہی نہیں خود فطرتِ انسانی اِبا کرتی ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں کچھ عرصے تک ہم خود بھی اس کے اظہار و اعلان میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے رہے' کہ دنیا کیا کہے گی ـــــ ع "کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!" ـــــ بعد میں جب اس کا

با عام ہوا تو نہ صرف تمسخر اور استہزاء، بلکہ تردید اور مخالفت کا بازار بھی گرم ہوا ـــــــ لیکن بحمد اللہ اب اس نظام کو بالفعل چلتے ہوئے چودہ برس ہونے کو آئے ہیں، اور نہ صرف اندرون ملک کثیر تعداد بلکہ بیرونِ ملک، حتیٰ کہ انگلستان اور امریکہ میں مقیم حضرات نے بھی معتدبہ تعداد میں اپنے فرائض دینی ادائیگی کے لیے بیعت کا قلادہ گردن میں ڈالنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ہے ہم اپنے ں میں گہرے تشکر آمیز اطمینان کا احساس موجزن پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مُردہ سنّت ے احیاء کی توفیق عطا فرمائی ـــــ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللهُ !!

بیرونی تمسخر اور مخالفت کو برداشت کرنے سے زیادہ کٹھن مرحلہ اُن غلط تصوّرات کے خاتمے کا تھا جو یعت کے لفظ کے ساتھ لامحالہ وابستہ ہو گئے ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ تصوّر یہ ہے کہ بیعت کے نظام میں نہ باہمی مشاورت کی کوئی گنجائش ہے نہ اختلافِ رائے اور اظہارِ خیال کا وئی موقع! چنانچہ ہمیں اس غلط تصوّر کی نفی اور اس حقیقت کے اثبات میں بہت محنت بھی کرنی پڑی ور بہت سا وقت بھی صرف کرنا پڑا کہ نظامِ بیعت میں اختلافِ رائے کی گنجائش، اظہارِ خیال کے مواقع، ور باہمی مشاورت کا میدان نام نہاد جمہوری نظام سے بھی وسیع تر موجود ہے ـــــــ اور فرق صرف اتنا ہے کہ جمہوری نظام میں آخری فیصلہ ع "بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"! کے مصداق آراء کی نتی کی بنیاد پر ہوتا ہے، جبکہ نظامِ بیعت میں اظہارِ رائے اور کھلی بحث و تمحیص کے بعد آخری فیصلہ صاحبِ امر کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے! گویا نظامِ بیعت میں اصولِ قرآنی: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (الشوریٰ: ۳۸) کی بالفعل تعمیل حکمِ قرآنی: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ" (آل عمران: ۱۵۹) کے مطابق ہوتی ہے۔

دوسری جانب اس تصوّر کا خاتمہ بھی ہرگز آسان نہ تھا کہ مشاورتِ باہمی کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کو فیصلہ کُن قرار دیا جائے، اس لیے کہ عہدِ حاضر میں "سلطانیٔ جمہور" کا تصوّر نہ صرف یہ کہ حد درجہ عالمگیر اور ہمہ گیر ہو چکا ہے بلکہ لوگوں کے شعور ہی نہیں تحت الشعور کی گہرائیوں میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ بسا اوقات بیعت کے نظام کو اصولاً تسلیم اور اختیار کرنے کے بعد بھی اس پر اصرار برقرار رہتا ہے کہ امیر کو شوریٰ کی اکثریت کے فیصلے کا "پابند" ہونا چاہیے!

الغرض تنظیمِ اسلامی کے لیے بیعت کا نظام اصولی طور پر تو ۱۹۷۵ء میں اختیار کر لیا گیا تھا، اور

اس کے بعد سے عملاً تنظیم کی گاڑی اسی پٹڑی پر چل رہی ہے تاہم اس کے مضمرات اور متضمنات کے واضح ہونے اور اسی کی بنیاد پر ایک جماعتی نظام کی تفصیلی تشکیل اور اس کے خدوخال کے صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہونے میں کم و بیش دس سال کی مدت صرف ہوئی۔ اور نہ صرف اصولی غور و خوض بلکہ دس سالہ تجربات کی روشنی میں تنظیم اسلامی کے لیے ایک تحریری "نظام العمل" کی تسوید و تبییض کا مرحلہ اوائل ۱۹۸۸ء میں شروع ہو سکا۔ جبکہ تنظیم کی مرکزی مجلسِ مشاورت نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲، ۳ مارچ ۸۸ء میں یہ ضابطہ طے کیا کہ:

"تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے لیے بیعت کی اساس اگرچہ دس سال قبل اختیار کر لی گئی تھی لیکن فی زمانہ کسی ہیئتِ اجتماعیہ کے لیے اس مسنون اساس کے متروک العمل ہونے کے باعث تنظیم اسلامی کو بھی اس کے عملی تقاضوں سے کامل ہم آہنگی کے ضمن میں تدریجی مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ اسی ضمن میں اگرچہ متعدد فیصلے مختلف اوقات میں کیے جاتے رہے ہیں لیکن ان کو باضابطہ ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ اسی طرح اگرچہ تنظیم کی قراردادِ تاسیس اور اس کی توضیحات میں بعض تاریخی اسباب کی بنا پر فریضۂ اقامتِ دین کی اہمیت اور اس کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے لزوم کے قدرے مخفی اور غیر نمایاں ہونے کے پیشِ نظر تنظیم کے آٹھویں سالانہ اجتماع میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ آئندہ تنظیمِ اسلامی محض اصلاحی اور دعوتی نہیں بلکہ انقلابی تنظیم ہوگی۔ تاہم ابھی تک یہ بات بھی پوری وضاحت کے ساتھ تحریری طور پر سامنے نہیں آئی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان دونوں امور کو مجوزہ نظام العمل میں صراحت کے ساتھ درج کر دیا جائے اور جیسے کہ پانچ سال قبل طے کیا گیا تھا تنظیمِ اسلامی کی قراردادِ تاسیس مع توضیحات اور "شرائطِ شمولیت" پر مشتمل مفصّل تحریر کو آئندہ تنظیم کی آئینی و دستوری اساس نہیں بلکہ اس کے دعوتی اور تربیتی لٹریچر کا اہم اور اساسی حصّہ سمجھا جائے۔"

الحمد للہ کہ اندریں اثنا تنظیم کا تفصیلی "نظام العمل" تیار ہو کر "سلسلۂ اشاعت تنظیمِ اسلامی نمبر ۳" کی حیثیت سے شائع ہو رہا ہے۔ جبکہ پیشِ نظر کتاب تنظیم کے اساسی نظریات کی وضاحت پر مشتمل ہونے کے ناتے اس کے دعوتی اور تربیتی لٹریچر کا اہم حصّہ ہے۔

اس کتاب کے تیسرے اور مختصر ترین حصّے میں "فرائضِ دینی کا جامع تصور" مختصر ترین الفاظ

میں بیان ہوا ہے ـــــــ یہ راقم الحروف کے عمر بھر کے مطالعۂ قرآن و حدیث اور سنت و سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاصے اور لبِّ لباب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس اعتبار سے بلاشبہ تنظیم کے اساسی دینی فکر کا جزوِ لاینفک ہے۔

راقم نے اپنے ان تصورات کے سلسلے میں علماء کرام سے استصواب' اور اُن کی آرا سے رفقا تنظیم کو براہ راست آگاہ کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا کہ ۱۹۸۵ء میں تنظیم کا سالانہ اجتماع بھی ۲۳ تا ۲۸ مارچ مسلسل چھ دِن جاری رہا۔ اور انہی ایام میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ محاضرات قرآنی بھی منعقد کر لیے گئے۔ چنانچہ جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں صبح کے اوقات میں تنظیم کے سالانہ اجتماع کی کارروائی جاری رہتی تھی اور شام کو تین ساڑھے تین گھنٹے کا اجلاس محاضرات کا ہوتا تھا۔ جن کا موضوع میری یہی تحریر تھی جس پر تقریباً ایک صد علماء کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تھی ـــــــ جن میں سے پچیس حضرات نے باضابطہ شرکت فرما کر بالمشافہ خطاب فرمایا اور تقریباً اتنے ہی حضرات نے اپنی آرا تحریری صورت میں ارسال کر دیں۔ چنانچہ روزانہ اوسطاً چار حضرات کا خطاب ہوا جن میں سے بعض نے میرے خیالات کی کامل تصویب فرمائی' بعض نے جزوی اتفاق کا اظہار فرمایا، بعض نے شدید تنقید کی' یہاں تک کہ بعض نے فقرے بھی چست کیے اور مذاق اُڑایا ـــــــ الحمد للہ کہ تنظیم کے لگ بھگ ساڑھے تین سو رفقاء نے جملہ تقاریر کو پورے سکون و اطمینان' اور کامل توجہ و انہماک کے ساتھ سُنا جس سے بحمد اللہ اُن کے اعتماد ہی میں اضافہ ہوا ـــــــ اور کسی ایک کے دل میں بھی فرائض دینی کے اس جامع تصور کے بارے میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہوا۔

ذاتی طور پر راقم کو ان محاضرات سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک تو روا روی میں لکھی ہوئی عبارت میں بعض الفاظ کے بے محل استعمال سے جو مغالطے پیدا ہوئے اُن کی اصلاح کی صورت پیدا ہو گئی ـــــــ اور دوسرے یہ کہ راقم کو اپنے فکر کی مجموعی تصویب مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا مفتی سیاح الدین کاکا خیل، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری، مولانا سید مظفر حسین ندوی اور ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی ایسے اصحاب علم و فضل سے حاصل ہوئی ـــــــ جس سے "متفق گردید رائے بوعلی با رائے من" کے مصداق خود راقم کے اعتماد میں اضافہ ہوا۔ فجزاھم اللہ عنی و عن جمیع رفقاء التنظیم خیر الجزاء۔ آمین

تنظیمِ اسلامی

کی اساسی دعوت

تجدیدِ ایمان — توبہ — تجدیدِ عہد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ

(النسآء : ۱۳۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

(التحریم : ۸)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(المآئدۃ : ۷)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ

(البقرۃ : ۴۰)

حصۂ اوّل

قرار دادِ تاسیس

مع

توضیحات

(منظور شدہ اجتماعِ رحیم یار خاں ۸-۹ ستمبر ۱۹۶۷ء)

اور

تقاریر مولانا امین احسن اصلاحی و مولانا عبدالغفار حسن

و

تقاریظ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ و مولانا عبدالباری ندویؒ

(شائع شدہ 'میثاق' نومبر دسمبر ۱۹۶۷ء)

قراردادِ تاسیس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممدّ و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اُسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات، دین کا اصل موضوع ہے، اور پیشِ نظر اجتماعیت اصلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔

لہٰذا پیشِ نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ اُس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقّہ، لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتباعِ سنّت سے اُن کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں اُن کی حس تیز تر اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لیے اُن کا جذبہ

ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام امور کے لیے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک "الدِّینُ النَّصِیحۃ" کی رُوح اور "الاقرب فالاقرب" کی تدریج ضروری ہے۔ لہٰذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اوّلاً کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھنا چاہیے۔ اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عامّۃ النّاس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمّہ داری امّتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے، اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے باطل عقائد و رسوم اور دَورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلّل ابطال کیا جائے اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لیے کتاب و سُنّت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے، تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دَور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں۔"

توضیحات

قرارداد میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے ان میں اوّلین اور اہم ترین امر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اسی کی اخلاقی اور روحانی تکمیل اور فلاح و نجات، دین کا اصل موضوع ہے اور پیشِ نظر اجتماعیت اصلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے اصل نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے! —— اس تصریح کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ماضی میں مسلمانوں کو ان کی یہ ذمہ داری تو بالکل ٹھیک یاد کرائی گئی کہ جس دین کے وہ مدّعی ہیں اسے دنیا میں عملاً قائم کرنے کی سعی و جہد بھی ان پر فرض ہے اور یہ کہ دین محض ذاتی عقائد اور کچھ مراسمِ عبودیت یعنی انسان اور رب کے مابین پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کو اپنے احاطے میں لینا چاہتا ہے لیکن ان امور پر اس قدر زور دیا گیا کہ بندے اور رب کے مابین تعلق کی اہمیت اور افراد کی اپنی علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی نظر انداز ہوتی چلی گئی۔ آئندہ جو کام پیشِ نظر ہے اس کے اصول و مبادی میں یہ نکتہ بہت زیادہ قابلِ لحاظ رہے گا کہ ایک مسلمان کا اصل نصب العین صرف نجاتِ اخروی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے اور اس کے لیے اسے اصل زور اپنی سیرت کے تطہیر و تزکیے اور اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل پر دینا ہوگا جس سے تعلق مع اللہ اور محبتِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ ہوتا رہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا ہوتا چلا جائے۔ دین کی تائید و نصرت اور شہادت و اقامت یقیناً فرائضِ دینی میں سے ہیں لیکن ان کے لیے کوئی ایسی اجتماعی جدّوجہد ہرگز جائز نہیں

ہے جو افراد کو ان کے اصل نصب العین سے غافل کر کے انہیں محض ایک دُنیوی انقلاب کے کارکن بنا کے رکھ دے! —— چنانچہ پیشِ نظر اجتماعیت میں اوّلین زور افراد کی دینی و اخلاقی تربیت پر دیا جائے گا اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے گا کہ —— "اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جِلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتباعِ سنّت سے ان کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں ان کی حِس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لیے ان کا جذبہ ترقّی کرتا چلا جائے۔"

"دینی جذبات کے جِلا" کے لیے قرآن مجید کی بلا ناغہ تلاوت مع تدبّر، سیرتِ نبویؐ اور سیَر الصحابہؓ کا مطالعہ، مجالسِ وعظ کا انعقاد، باہمی مذاکرۂ آخرت اور مضامینِ موعظت پر مشتمل آسان لٹریچر کی اشاعت پر زور دیا جائے گا۔

"علم میں مسلسل اضافے" کے لیے عربی زبان کی تحصیل کی عام ترغیب اور اس کا اہتمام، قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبویؐ کے باقاعدہ حلقہ ہائے درس کا قیام اور جاہلیتِ قدیمہ و جدیدہ پر اسلام کے نقطۂ نظر سے تنقیدی کُتب کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا دونوں اُمور سے یہ توقّع کی جا سکتی ہے کہ جاہلیتِ قدیم و جدید دونوں کے اثرات قلوب و اذہان سے محو ہوں، عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو اور صحیح اسلامی عقائد کی تخم ریزی و آبیاری ہو سکے۔

شرکائے تنظیم کے دینی جذبات کے جِلا اور علم میں اضافے کا براہِ راست اثر عملی زندگی پر پڑے گا اور ان کی زندگیوں میں دینی تبدیلی عملاً پیدا ہوتی چلی جائے گی لیکن اس میدان میں اس امر کی شدید ضرورت ہو گی کہ اس بات کی کڑی نگرانی کی جائے کہ یہ تبدیلی

ہمہ جہتی ہو اور اعمالِ انسانی کے مختلف گوشوں میں متناسب انداز میں ظہور پذیر ہو۔ چنانچہ عبادات میں ذوق و شوق، معاملات میں احتیاط و تقویٰ اور دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں پر شغف اور دلچسپی متناسب انداز میں بڑھے۔ یہ صورتِ حال کہ جلسوں کے انعقاد کے ضمن میں تو پابندی بھی ملحوظ رہے اور جوش و خروش کا بھی مظاہرہ کیا جائے لیکن نماز با جماعت کی پابندی گراں محسوس ہو اور نوافل سرے سے خارج از بحث ہو جائیں، دین کی نصرت و حمایت کا جذبہ تو ترقی کرتا چلا جائے لیکن تزکیۂ باطن کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے، یا سنّتِ نبوی کی حجیّت و اہمیت پر دلائل تو از بر ہوں لیکن خود اپنی زندگی میں اتباعِ نبوی کی جھلک نظر نہ آئے، نہ صرف یہ کہ افراد کے حق میں سمِ قاتل ہے بلکہ خود اجتماعیت کے لیے بھی سخت مضر اور مہلک ہے ——— لہٰذا اس امر کی کڑی نگرانی ضروری ہو گی کہ شرکا میں عبادات سے شغف، اتباعِ سُنّت کا جذبہ، معاملات میں حلال و حرام کی حدود و قیود کی پابندی اور دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں سے دلچسپی توافق و تناسب کے ساتھ بڑھیں۔ خصوصاً یہ احتیاط تو انتہائی لازمی ہو گی کہ پیشِ نظر اجتماعیت کے تنظیمی ڈھانچے میں جو لوگ آگے آئیں وہ تیزی و مستعدی اور نفاست و باقاعدگی سے کام کرنے کی صلاحیت کے اعتبار سے چاہے کسی قدر تہی دست ہوں، عبادات اور اتباعِ سُنّت کے ذوق و شوق سے ہرگز تہی دامن نہ ہوں۔

شرکائے جماعت میں مندرجہ بالا تبدیلیوں ——— یا بالفاظِ دیگر ان کے نفوس کے تزکیہ اور ان کی شخصیت کی دینی تعمیر کے لیے جہاں ذہنی و علمی رہنمائی اور فکری تربیت لازمی و لابدی ہیں وہاں عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت کا مؤثر اہتمام بھی ضروری و ناگزیر ہے اس غرض کے لیے مختلف مقامات پر تربیت گاہوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جا سکتا ہے اور ایک ایسی مرکزی تربیت گاہ کا قیام بھی عمل میں لایا جا سکتا ہے جس میں مختلف مقامات کے رفقاء گروپس (GROUPS) کی صورت میں شریک ہوں اور ایک مقررہ میعاد میں

انہیں قرآن وحدیث کے منتخب حصص کا درس بھی دیا جائے اور ایک ایسی دینی فضا بھی مہیا کی جائے جس میں ان کے دینی جذبات بھی از سرِ نو ترو تازہ ہوں اور ایک خالص اسلامی زندگی بسر کرنے کا عملی تجربہ بھی حاصل ہو جائے۔

قرارداد کے بنیادی نکات میں سے دوسرا اہم اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ــــ "دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک 'اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ' کی رُوح اور 'اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ' کی تدریج ضروری ہے"۔ پیشِ نظر اجتماعیت لازماً یہ چاہے گی کہ اس کا ہر شریک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں داعی الی اللہ اور اپنے ماحول میں حسبِ مقدور و صلاحیت اور بقدرِ ہمت و استطاعت ہدایت کا ایک روشن چراغ بن کر رہے اور اس کی شخصیت پر بحیثیتِ مجموعی داعیانہ رنگ غالب ہو جائے۔

اس دعوت کا اصل محرک ابنائے نوع کی ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیے اور اس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود کا کوئی شائبہ شامل ہونا چاہیے نہ طلبِ جاہ کا۔ حتیٰ کہ اللہ، رسولؐ اور شریعت کی وفاداری کے جذبے کے تحت اگر کبھی کسی فرد، گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آجائے تو اس میں بھی ہمدردی اور دلسوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقامِ نفس کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

اس سلسلے میں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ ــــ ہمارے معاشرے کا مجموعی مزاج اگرچہ دین سے بہت دُور جا چکا ہے اور اس اعتبار سے انتہائی اصلاح طلب ہے لیکن دعوت و اصلاح کے عمل میں دو حقائق کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ یہ معاشرہ ایک مجموعی اکائی ہے اور اس کے تمام طبقات میں انحطاط سرایت کر چکا ہے۔ اس اعتبار سے اس کے مختلف طبقات میں کمیت کا تھوڑا بہت فرق چاہے موجود ہو کوئی بنیادی امتیاز موجود نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ انحطاط براہِ راست نتیجہ ہے جذباتِ ایمانی کے ضعف اور کتاب و سنّت کے علم کی کمی کا۔ اس میں دین دشمنی کا عنصر

چند ایسی استثنائی صورتوں کے سوا موجود نہیں ہے جو اگرچہ بجائے خود تو بہت خطرناک ہیں اور ان سے خبردار رہنے کی بھی ضرورت ہے تاہم مجموعی اعتبار سے ہمارے معاشرے کے عام بگاڑ کا اصل سبب دین دشمنی نہیں بلکہ دین سے لاعلمی ہے۔ حکومت اس معاشرے کا جامع عکس اور اربابِ اقتدار اس کا اہم جزو ہیں۔ اُن کو اپنی اہمیّت اور معاشرے میں اثر و نفوذ کی قوت و صلاحیت کے اعتبار سے دعوت و تخاطب میں اوّلیت تو دی جا سکتی ہے اور دی جانی چاہیے لیکن انہیں دین کا دشمن قرار دے کر ان کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے عوام کے دینی جذبے کو مشتعل کرنا درآں حالیکہ خود عوام کی ایک عظیم اکثریت کا حال دین سے بے خبری اور عملی بُعد کے اعتبار سے خود کم و بیش وہی ہے جو اصحابِ قوت و اختیار کا، نہ ان کی خیر خواہی ہے نہ خود دین کی۔ رہا اقتدار کے حصول کی خاطر برسرِ اقتدار طبقے کے مخالف و معاند کی حیثیت اختیار کرنا تو یہ ہمارے نزدیک دینی نقطۂ نگاہ سے نہایت مضر ہی نہیں سخت مہلک ہے جس سے کلّی اجتناب لازمی و لابدی ہے۔ ہمارے نزدیک "اَئِمَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ" اور "عَامَّتِھِمْ" دونوں ہی نصح و خیر خواہی کے برابر مستحق اور دعوت و اصلاح کے یکساں محتاج ہیں!

یہاں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ ہماری دانست میں انتخابات کے ذریعے عمومی اصلاح کا نظریہ نری خام خیالی پر مبنی ہے، بحالاتِ موجودہ تو اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے کہ انتخابات کے ذریعے اصلاح کی اُمید کی جائے۔ ویسے بھی ہماری رائے میں انتخابات میں دوسری جماعتوں کے مخالف و مقابل کی حیثیت سے شرکت، دعوت و اصلاح کے صحیح نہج کے منافی ہے اور اس سے قبولِ حق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

داعی کے قلب میں اپنے ابنائے نوع کے لیے جس ہمدردی اور نصح و خیر خواہی

کا ہونا لازمی ہے، اسی کا ایک اہم مظہر رافت ورحمت اور شفقت ورقّت کا وہ جذبہ ہے جو ابنائے نوع کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور عملی زندگی میں خدمتِ خلق اور ایثار و انفاق کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ دعوتِ دین اور خدمتِ خلق کا ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں بلکہ بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین کا وہ داعی جو خادمِ خلق نہ ہو اپنی دعوت میں دولتِ اخلاص سے محروم ہے۔ اس ضمن میں یہ فرق البتہ ضرور پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ خدمتِ خلق کی اجتماعی سکیموں کو زیرِ عمل لانا بالکل دوسری بات ہے اور افراد میں خدمتِ خلق کے جذبے کا پیدا ہونا اور بڑھنا بالکل دوسری چیز ہے۔ خدمتِ خلق کی اجتماعی سکیموں کی اہمیت اپنی جگہ کتنی ہی مسلّم ہو، دعوتِ دین کے نقطۂ نظر سے اصل مطلوب افراد کے قلوب میں شفقت ورحمت کے جذبے اور عمل میں ایثار و انفاق کی کیفیت کا ظہور ہے۔ پیشِ نظر اجتماعیت میں اصل زور ان شاء اللہ اسی پر دیا جائے گا!

دعوت کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس کا تخاطب لازماً ایک تدریج کے ساتھ داعی کے اپنے نفس سے شروع ہو کر (عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) اپنے اہل و عیال (قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا) اور کنبے قبیلے (وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ) سے ہوتے ہوئے اپنی قوم (يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ) اور پھر پوری انسانیت (لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) تک پہنچنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت کہ داعی اپنے آپ کو بھول جائے اور برّ و تقویٰ کی ساری دعوت دوسروں کو دیتا رہے (أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ) یا اپنے خاندان اور کنبے قبیلے کو تو بھول جائے اور دور دراز کے لوگوں میں ہدایت کی سوغات بانٹنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو، نہایت خطرناک مرض کی علامت ہے۔ دعوت کے عمل کا صحیح نہج یہ ہے کہ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ

کے اُصول پر آگے بڑھے اور جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو دعوت تخاطب
ں اسی قدر اس سے مقدم رکھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ خیال البتہ صحیح نہ ہوگا کہ ایک
رحلے کی تکمیل کے بعد ہی دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ
عوت کے عمل کو ایک فطری تدریج اور حسین تناسب کے ساتھ اپنی ذات، اہل و
یال، کنبہ قبیلے اور پھر عوام النّاس تک بڑھنا چاہیئے۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنی اولاد اور فی الجملہ نئی نسل کے بارے میں خصوصی توجہ و
ہتمام سے کام لینا ہوگا اس لیے کہ ان کے بارے میں ہم حدیثِ نبویؐ کُلُّکُمْ
اعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ ... الخ کی رُو سے براہِ راست مسئول
ور ذمّہ دار ہیں۔ اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کا یہ اہتمام ذاتی و انفرادی بھی ہوگا اور جہاں
ہاں ممکن ہوگا اور وسائل دستیاب ہو سکیں گے اس امر کی سعی بھی کی جائے گی کہ ایسے
ارس اپنے اہتمام میں قائم کیے جائیں جن میں نئی نسل کے قلوب و اذہان میں ایمان
ی تخم ریزی و آبیاری اور اخلاقی و عملی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔

وسائلِ دعوت کے ضمن میں کوئی تعیّن غیر ضروری ہے۔ حسبِ صلاحیت و
ستعداد انفرادی و نجی گفتگو، خطاب ہائے عام، خطباتِ جمعہ اور دروسِ قرآن و حدیث کے
ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے تمام جدید طریقوں کو اختیار کیا
جاسکتا ہے!

قرارداد کا تیسرا اہم نکتہ "عامّۃ النّاس کو دین کی دعوت و تبلیغ" کی اس ذمّہ داری
سے بحث کرتا ہے جو اُمّتِ مسلمہ پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہوتی ہے۔" ہمارے نزدیک
نذار و تبشیر، دعوت و تبلیغ اور شہادت حق علی النّاس کی جو ذمّہ داریاں انبیائے کرام
علیہم السّلام پر عائد ہوا کرتی تھیں، وہ اب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت و رسالت
کے ختم ہو جانے کے بعد آپ کی اُمّت پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہوتی ہیں۔ اوّل اوّل اس

اُمّت نے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نظام کے تحت اپنی اس ذمہ داری کو اجتماعی حیثیت سے ادا کیا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے خاتمے کے بعد بھی ایک عرصے تک مسلمان حکومتیں اس فرضِ منصبی کو ادا کرتی رہیں۔ اس کے بعد ایک طویل عرصے تک اتقیاء وصلحا ذاتی طور پر دُور دراز علاقوں میں پہنچ کر دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ادھر عرصے سے یہ سلسلہ بھی تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اُمّتِ مسلمہ بحیثیتِ مجموعی "کتمانِ حق" کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ اُمّت کی تمام سرگرمیاں صرف اپنے دفاع اور دنیوی ترقی و استحکام تک محدود ہیں۔ کچھ تھوڑا بہت دینی رنگ کسی اجتماعی سرگرمی میں ہے بھی تو وہ محض اُمّت کی داخلی اصلاح کی حد تک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صورتِ حال سخت تشویشناک ہے اور اس سے نہ صرف یہ کہ اُخروی بازپرس کا اندیشہ ہے، بلکہ ہماری رائے میں ہماری دنیوی نکبت و ذلت کا اصل سبب بھی یہی ہے!

اس ضمن میں ہمارے نزدیک اس وقت کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ ایک طرف ادیانِ باطلہ کے مزعومہ عقائد کا مؤثر و مدلّل ابطال کیا جائے اور دوسری طرف مغربی فلسفہ و فکر اور اس کے لائے ہوئے زندقہ و الحاد اور مادّہ پرستی کے سیلاب کا رُخ موڑنے کی کوشش کی جائے اور حکمتِ قرآنی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست جوابی علمی تحریک برپا کی جائے جو توحید، معاد اور رسالت کے بنیادی حقائق کی حقانیت کو بھی مبرہن کر دے اور انسانی زندگی کے لیے دین کی رہنمائی و ہدایت کو بھی مدلّل و مفصل واضح کر دے۔ ہمارے نزدیک اسلام کے حلقے میں نئی اقوام کا داخلہ، اور جسدِ دین میں نئے خون کی پیدائش ہی نہیں، خود اسلام کے موجود الوقت حلقہ بگوشوں میں حرارتِ ایمانی کی تازگی اور شریعت کی عملی پابندی اسی کام کے ایک مؤثر حد تک تکمیل پذیر ہونے پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ دَورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کے سیلاب میں خود مسلمانوں کے

علیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد اس طرح بہہ نکلی ہے کہ ان کا ایمان بالکل بے جان دین سے ان کا تعلق محض برائے نام رہ گیا ہے اور اسی بنا پر دین میں نت نئے فتنے ر رہے ہیں اور ضلالت وگمراہی نت نئی صورتوں میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔

اس سلسلے میں انفرادی کوششیں تو اب بھی جیسی کچھ بھی عملاً ممکن ہیں جاری ہیں آئندہ بھی جاری رہیں گی۔ ضرورت اس کی داعی ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو وسائل فراہم کیے ئیں اور ایک ایسے باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے جو حکمتِ قرآنی اور علمِ دینی نشر واشاعت کا کام بھی کرے اور ایسے نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا بھی مناسب اور مؤثر ولبست کرے جو عربی زبان، قرآن حکیم اور شریعتِ اسلامی کا گہرا علم حاصل کر کے اسلامی قادات کی حقانیت کو بھی ثابت کریں اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے لیے جو ابت اسلام نے دی ہیں انہیں بھی ایسے انداز میں پیش کریں جو موجودہ اذہان کو اپیل کر سکے۔

آخر میں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ پیشِ نظر تنظیم ہرگز "الجماعۃ" حکم میں نہ ہوگی۔ الجماعۃ کا مقام ہماری دانست میں اُمتِ مسلمہ کو بحیثیتِ مجموعی حاصل ہے۔ شِ نظر اجتماعیت کی حیثیت مسلمانوں کی ایک ایسی تنظیم کی ہوگی جس میں وہ لوگ شریک ں گے جو خود اصلاحِ نفس اور تعمیرِ سیرت کے خواہش مند ہوں اور ان جملہ انفرادی واجتماعی داریوں سے عہدہ برآ ہونا چاہیں جو دین کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں تاکہ ایک ت اُن کا باہمی تعاون ایک دوسرے کے لیے سہارا بن سکے اور دوسری طرف اصلاحِ معاشرہ لیے ایک مؤثر قوت فراہم ہو جائے ——— دین کی خدمت نہایت وسیع وعظیم کام اور اس کے گوشے بے شمار ہیں۔ ہم ان تمام جماعتوں اور اداروں کو قدر کی نگاہ سے یکھتے ہیں جو کسی بھی گوشے میں دین کی خدمت کا کام کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ ان ے ساتھ ہمارا رویّہ تعاون وتائید ہی کا ہوگا ——— اپنے فہم وفکر کے مطابق ہم بھی دین خدمت کی ایک ادنیٰ کوشش کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور یہ توقع کرنے میں اپنے

آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ دین کے تمام خادم ہمیں اپنے رفیقِ راہ ہی گردانیں گے ۔۔۔۔۔۔اس تصریح کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ ہم واقعتاً تمام دینی عناصر خصوصاً علمائے کرام کے تعاون کی شدید احتیاج محسوس کرتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

تقریر مولانا امین احسنؒ اصلاحیؒ

خطبہ مسنونہ کے بعد،

بھائیو اور دوستو!

ایک طویل مدت کے بعد ہم خیال و ہم مقصد دوستوں کی صحبت جو میسّر آئی ہے تو معلوم نہیں دل کے کتنے گوشے ہیں جن کے دریچے کھل گئے ہیں اور کتنے سوتے ہوئے خیالات ہیں جو جاگ پڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان ساری باتوں کو ایک صحبت میں کہہ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ یہ تو جب ہم کہی جائیں گی مختلف قسطوں ہی میں کہی جائیں گی۔ اس وقت تو صورتِ حال یہ ہے کہ سرا نہیں مل رہا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے۔ کیا بات کہی جائے، کیا نہ کہی جائے اور شروع کرکے بات کہاں ختم کی جائے۔ اس اُلجھن کی وجہ سے آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں گفتگو صرف اس قرارداد کی وضاحت تک محدود رکھوں جو اپنے پورے مالہٗ اور ماعلیہ کے ساتھ آپ کے سامنے آچکی ہے۔

اس قرارداد کی وضاحت کرنے میں اس وجہ سے نہیں اُٹھا کہ اس میں کوئی ابہام یا اجمال ہے۔ یہ اپنے مقصد و مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ جس طرح میں نے اس کو سمجھ لیا ہے اسی طرح آپ نے بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ میری اس وضاحت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس میں جو نصب العین اور جو طریقہ کار اپنانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے اس کے بعض دلائل آپ کے سامنے عرض کروں تاکہ اس کی پوری اہمیت آپ کے سامنے آجائے۔

ہم نے اس قرارداد میں اللہ کا نام لے کر ایک ایسی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا ہے :" جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد کرے "۔ — قرارداد کا یہ جملہ دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ایک اس حقیقت کی طرف کہ آپ تنظیم کو بجائے خود غایت و مقصد نہیں سمجھتے بلکہ اس کو صرف دین کی عائد کردہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں اپنے لیے ممد و معاون سمجھتے ہیں۔ دوسرے اس بات کی طرف کہ آپ اپنا نصب العین دین کو سمجھتے ہیں۔ اور اس دین کو اپنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں پر حاوی مانتے ہیں۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ درحقیقت ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہی ہے۔ وہ خطرہ یہ ہے کہ جماعتیں اور تنظیمیں قائم تو ہوتی ہیں اصلاً کسی اعلیٰ اور برتر نصب العین کے لیے، لیکن قائم ہو جانے کے بعد آہستہ آہستہ وہ خود نصب العین اور مقصد بن جاتی ہیں، اور اصل نصب العین غائب ہو جاتا ہے۔ آپ کو اس خطرے سے ہر قدم پر ہوشیار رہنا ہے۔ اس چیز نے نہ صرف جماعتوں اور تنظیموں کو تباہ کیا ہے، بلکہ ملتوں اور اُمتوں کو بھی بالکل برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اِس تغیر کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوتا کہ اصل مقصد غائب ہو جاتا ہے بلکہ مقصد وسیلہ اور ذریعہ کا ایک ادنیٰ خادم اور چاکر بن کے رہ جاتا ہے۔ پھر تنظیم مقصد کی خدمت نہیں کرتی بلکہ مقصد کو اپنی خدمت اور اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتی ہے۔ مذہب کے نام قائم ہونے والی جماعتوں کے لیے یہ چیز خاص طور پر خطرناک ہے، اس لیے کہ جب اس طرح کی کوئی جماعت خود اپنے وجود اور اُس کے قیام و بقا کو مقصود بنا لیتی ہے تو وہ مذہب کی بھی جن چیزوں کو اپنے اِس مقصد کی راہ میں مزاحم پاتی ہے، اُن کو بدل کر اپنے جماعتی اغراض کے سانچہ میں ڈھال لیتی ہے۔ مذاہب کی تاریخ ایک ساتھ شہادت دیتی ہے کہ اس چیز نے بے شمار تحریفات کی راہیں کھولی ہیں اور اس سے بڑے بڑے فتنے ظہور میں آئے ہیں۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اس قرارداد میں اس امر کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ تنظیم بجائے خود غایت و مقصد نہ بننے پائے بلکہ وہ اصل مقصد کے وسیلہ و ذریعہ کی حد تک محدود رہے۔ قرارداد کے اس پہلو پر بہت سی باتیں کہنی ہیں جو آگے کے مراحل میں بتدریج آپ کے سامنے آئیں گی۔ اس کے لیے لازماً اس کے تنظیمی ڈھانچہ میں ایسی

حد بندیاں کرنی پڑیں گی جو اس کو بے راہ روی اور گمراہی سے محفوظ رکھیں۔

جہاں تک دوسری چیز یعنی دین ہی کو نصب العین بنانے کا تعلق ہے یہ کم از کم ہمارے اور آپ کے لیے محتاجِ دلیل نہیں۔ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں، اور ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ انسانیت کی اصل ترقی و فلاح مذہب کے ساتھ وابستہ ہے۔ مذہب کے بغیر انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان ہے، جیسا کہ نظریۂ ارتقاء کے قائلین کہتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ ایک حیوانِ ناطق جیسا کہ ارسطو نے انسان کی تعریف کی ہے۔ ہم ان دونوں میں سے کسی تعریف کو بھی انسان کی صحیح تعریف نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک انسان ایک رُوحِ یزدانی کا حامل ہے جیسا کہ قرآن نے "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي" کے الفاظ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہی رُوحِ یزدانی ہے جو انسان کا شرفِ خصوصی ہے اور اسی کی بدولت انسان مسجودِ ملائک بنا ہے۔ یہی رُوحِ ملکوتی اگر انسان کی رُوحِ بہیمی پر غالب رہے تو انسان حقیقی انسان ہے ورنہ وہ بس دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور ہے۔ اس رُوحِ ملکوتی کے رُوحِ بہیمی پر غالب رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان کے ارادے کی باگ خدا کی شریعت کے ہاتھ میں ہو۔ اگر انسان کا ارادہ شریعت کے ہاتھ میں نہ ہو اور اس کی عقل خدا کی وحی سے رہنمائی حاصل نہ کرے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ کپڑوں میں ملبوس ایک جانور ہے۔ یہ جانور گدھا بھی ہو سکتا ہے، کتا بھی ہو سکتا ہے، اور بندر اور خنزیر اور ایک خوفناک درندہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے شریعت سے بے قید انسانوں کو مذکورہ تمام جانوروں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ محض برائے تشبیہ نہیں ہے بلکہ اظہارِ حقیقت ہے۔ اگر ہمارے پاس حقیقت کو دیکھنے والی آنکھیں ہوتیں تو ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ہمارے متمدن شہروں میں کپڑوں میں ملبوس کتنے چوپائے اور درندے انسانوں کے بھیس میں پھر رہے ہیں۔ اور اس صفحۂ ارضی پر قوموں کی قومیں ہیں جو متمدن کہلانے کے باوجود اپنی سرشت کے اعتبار سے درندوں سے زیادہ سفاک اور خونخوار بن گئی ہیں۔

ہمارے لیے شریعت کے انتخاب کا معاملہ بھی کوئی پیچیدہ معاملہ نہیں ہے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام تمام دنیا کا مشترک دین ہے اور قرآن خدا کی آخری اور کامل کتاب، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں۔ اس وجہ سے یہ عین ہمارے عقیدے کا تقا

ہے کہ ہم اپنی زندگی اسلام کے احکام وہدایت کے تحت گزاریں اور اسی کی دعوت دوسروں کو بھی دیں۔

یہ دوسروں کو دعوت دینا بھی عین ہماری فطرتِ بشری کا اقتضاء اور ہماری اپنی اصلاح اور ترقی کا لازمہ ہے۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ انسان تنہا نہیں پایا جاتا وہ ایک مدنی الطبع ہستی ہے۔ وہ کسی خاندان کے فرد، کسی قبیلہ کے رکن، کسی شہر کے شہری اور کسی ملک کے باشندے کی حیثیت سے پایا جاتا ہے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے پروان چڑھنے کے لیے وہ ان سب باتوں کا محتاج ہے۔ اسی بنا پر انسان کو Social Animal کہا گیا ہے۔ جس طرح مچھلی پانی سے مستغنی نہیں ہو سکتی، اسی طرح انسان معاشرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان معاشرہ سے بے تعلق ہو کر اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر اُجاگر کر سکتا تو اسلام رہبانیت کی ممانعت نہ کرتا۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے نباتات میں سے Creepers سے مشابہ ہے۔ جس طرح انگور کی بیل صحیح طور پر اسی طرح پروان چڑھتی ہے جب اس کو کوئی سہارا ملے۔ بغیر اس سہارے کے وہ سکڑ کے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی صحیح طور پر اسی طرح پروان چڑھتا ہے جب اس کو معاشرے کا سہارا ملے۔ بغیر اس سہارے کے اس کی صلاحیتیں سُکڑ کے رَہ جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ضروری ہے کہ یہ سہارا اس کے روحانی تقاضوں کے موافق ہو۔ جس طرح انگور کی بیل اس سہارے کے اثرات میں سے حصّہ لیتی ہے جس پر وہ چڑھتی ہے، اسی طرح انسان اس معاشرے کے خیر و شر سے متاثر ہوتا ہے، جس میں زندگی گزارتا ہے۔ انگور کی بیل کو نیم پر چڑھا دیجئے تو اس کے پھل کڑوے کسیلے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان اگر بُرے معاشرے میں زندگی گزارے تو وہ بُرا بن سکتا ہے۔

انسان کی اس فطرت نے اس کے لیے ایک سخت مشکل پیدا کر دی ہے۔ ایک طرف تو اس کی فطرت کی رُو سے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے لیے سازگار معاشرہ تلاش کرے اور اگر معاشرہ سازگار نہ ہو تو اپنے روحانی و اخلاقی تقاضوں کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ اس کو سازگار بنانے کی جدّوجُہد کرے۔ اگر کوئی شخص یہ جدّوجُہد نہ کرے تو اس کی اخلاقی و رُوحانی موت یقینی ہے۔

اگرچہ کوئی شخص کسی دوسرے کی اصلاح پر اختیار نہیں رکھتا، دوسرے کی اصلاح اللہ کی توفیق پر منحصر ہے لیکن ہر شخص خود اپنی اصلاح کے لیے اس جدوجہد پر اپنے امکان اور اپنی صلاحیتوں کی حد تک مامور ہے۔

اس وجہ سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بُرائی دیکھے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے، اگر اس کی قدرت رکھتا ہو اگر ہاتھ سے اس کی اصلاح کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اگر اس کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر اس کی بھی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو ادنیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے کہ اس کو دل سے بُرا جانے (یعنی اس میں کسی نوعیت سے بھی تعاون نہ کرے!) اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

معاشرہ سے متعلق افراد کی ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لیے حضورؐ نے معاشرہ اور افراد کو ایک کشتی کے مسافر سے تشبیہ دی ہے۔ ایک کشتی میں کچھ لوگ عرشے پر سفر کرتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے نیچے کے حصے میں۔ فرض کیجیے نیچے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں پانی لینے کے لیے اُوپر جانے کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، کیوں نہ ہم اپنے حصے میں کشتی کے پیندے میں سوراخ کر لیں۔ اور اُوپر والے یہ خیال کر کے کہ وہ اپنے حصے کی کشتی میں سوراخ کر رہے ہیں ان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ سوراخ کرنے کے لیے ان کو آزاد چھوڑ دیں تو سوراخ ہو جانے کے بعد کشتی جو ڈوبے گی تو اُوپر والوں اور نیچے والوں سب کو لے کر ڈوبے گی یہی حال معاشرے کا ہے، اس میں اچھے بھی ہوتے ہیں، بُرے بھی ہوتے ہیں۔ اگر اچھے لوگ معاشرہ کے خیر و شر سے بے تعلق ہو جاتے ہیں تو بُروں کی بُرائی سے جو آفت ظہور میں آتی ہے اس میں اچھے اور بُرے دونوں ہی حصہ پاتے ہیں۔

حدیثوں میں ایک بستی کا ماجرا بھی بیان ہوا ہے جس سے یہ حقیقت مزید واضح ہوتی ہے مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کے متعلق فرشتہ کو حکم دیا کہ جا کر اُس کو اُلٹ دو۔ فرشتہ نے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس میں تو تیرا ایک ایسا بندہ بھی ہے جو برابر تیری عبادت میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے سمیت بستی کو اُلٹ دو، اس لیے کہ اُس کا چہرہ کبھی میرے دین کی

بے حرمتی پر غیرت سے تمتمایا نہیں۔

اِس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ہمارے لیے اپنے معاشرے کے خیر و شر سے بے تعلق رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، نہ ہماری فطرت اس بے تعلقی کی رَوادار ہے نہ ہمارا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔ دوسروں کی اصلاح سے قطع نظر ہم خود اپنی اصلاح و فلاح کے لیے اِس بات کے محتاج ہیں کہ اپنے معاشرے کو اپنے رُوحانی و اخلاقی تقاضوں کے لیے سازگار بنانے کی کوشش کریں۔ اِس کوشش سے دوسروں کی اصلاح ہو یا نہ ہو لیکن ہماری اصلاح ہوگی اِس سے ہماری اپنی صلاحیتیں پروان چڑھیں گی اور ہماری اپنی فطرت کے مضمرات بروئے کار آئیں گے۔ جو شخص یہ کام کرتا ہے وہ خود اپنا فرض انجام دیتا ہے اور دوسروں سے زیادہ وہ خود اپنے اُوپر احسان کرتا ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی شخص یہ فرض انجام دیتا ہے تو اُس کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرہ کا محسن سمجھنے لگے بلکہ وہ یہ سمجھے کہ اُس نے اپنا ہی فرض انجام دیا ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے بلکہ خود اپنے اُوپر احسان کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم معاشرہ کی کسی بُرائی کی اصلاح کرتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے بلکہ صرف اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ دین میں دوسروں کے نیک و بد سے متعلّق ہم پر جو ذمّہ داری عائد کی گئی ہے وہ ہمارے ذاتی فرض ہی کی حیثیّت سے عائد کی گئی ہے۔

زیرِ بحث قرارداد میں یہ تصوّر اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے اور اس کے دو بڑے اہم فائدے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص دعوت و اصلاح کا کوئی کام کرتے ہوئے یہ نہیں سمجھے گا کہ وہ کسی دوسرے کا کام کر رہا ہے، بلکہ وہ یہی سمجھے گا کہ اپنا ہی کام کر رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ کوئی شخص دوسروں کی اصلاح میں اتنا مستغرق نہیں ہوگا کہ وہ خود اپنی اصلاح سے غافل اور بے پروا ہو جائے۔ یاد رکھیے کہ مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دوسروں کی اصلاح کی کوشش اصلاً خود اپنی ہی اصلاح کی کوشش کا ایک حصّہ ہے جو شخص دوسروں کی اصلاح میں رات دن سرگرم رہتا ہے لیکن اسے خود اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے، وہ محض نمائشی مصلح ہے۔ جو خود بھٹک رہا ہو وہ دوسروں کی رہبری نہیں کر سکتا۔ انگور کی وہ بیل سوکھ جاتی ہے جس کی اپنی جڑ اُکھڑی ہوتی ہو، اگرچہ اس کو کتنے ہی خوبصورت سہارے پر چڑھا دیجئے۔ اس زمانے میں چونکہ زیادہ تر مدعیانِ اصلاح ایسے ہی ہیں جنہیں

خود اپنے دین و ایمان کا کچھ ہوش نہیں لیکن دوسروں میں دین کی سوغات بانٹنے کے لیے خشکی و تری کا سفر کرتے پھرتے ہیں، اس وجہ سے ضروری ہے کہ اصل نقطہ پر لوگوں کی توجہ مرکوز کرائی جائے۔ چنانچہ قرارداد میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے کہ "ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اُسی کی اخلاقی و رُوحانی تکمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے اور پیشِ نظر اجتماعیّت صلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔"

اس تصور کا قدرتی مطالبہ یہ ہے کہ اس تنظیم کا ڈھانچہ ایسا بنایا جائے کہ وہ اپنے اعضاء و ارکان کی اصلاح و تربیت کا ایک جامع ادارہ بن جائے۔ اس عزم کا اظہار قرارداد میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"لہٰذا پیشِ نظر اجتماعیّت کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں فرد کی دینی و اخلاقی تربیت کا کما حقّہٗ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جاتے کہ اس کے تمام شرکائے کے دینی جذبات کو جِلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتّباعِ سنّت سے اُن کا ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حرام و حلال کے بارے میں ان کی حِسّ تیز اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جاتے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لیے اُن کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔"

اِن تمام مقاصد کے حصُول کے لیے تنظیم کیا وسائل و ذرائع اختیار کرے گی؟ اس کا جواب دینا بر وقت میرے لیے مشکل ہے۔ اِس کا جواب بہت کچھ منحصر ہے اس بات پر کہ اس تنظیم کو کن صلاحیتوں کے افراد حاصل ہوتے ہیں اور وہ اپنی مجموعی کوشش سے کیا اسباب و وسائل فراہم کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ افراد اور وسائل کی وسعت کے ساتھ ساتھ امکانات کا جائزہ لینا، اور ان کے مطابق قدم اٹھانا تنظیم کے اربابِ حل و عقد کا کام ہے لیکن اتنی بات بدیہی ہے کہ اس مقصد کے بروئے کار لانے میں اس امر کی پُوری کوشش کی جائے گی کہ جو قدم بھی اُٹھے اُسوۂ انبیاء کی روشنی میں اُٹھے، اور جماعت کی تربیت اس نہج پر ہو جس کی طرف کتاب و سُنّت میں رہنمائی کی گئی ہے۔

ہم اپنی تربیت کے لیے سب سے پہلے توصحیح علم کے محتاج ہیں۔ صحیح علم سے میری مراد دین کا علم ہے۔ اس زمانے میں دین کا علم عنقا ہو رہا ہے، اس کے حصُول کے لیے وسائل و ذرائع

بھی روز بروز کم تر ہوتے جارہے ہیں اور لوگوں کے اندر اس کی رغبت بھی بالکل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر دین کا علم ہی مٹ گیا تو پھر دین کے باقی رہنے کا کیا امکان ہے؟ یہ امر بھی بدیہی ہے کہ اس زمانے میں دین کا روایتی علم بالکل غیر مفید ہے۔ یہ زمانہ عقلیت کا زمانہ ہے، اس زمانے میں لوگ ہر چیز کی دلیل و حجت کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ مجرد یہ بات لوگوں کو اپیل نہیں کرتی کہ فلاں بات دین کی بات ہے۔ دین پر آج جو اعتراضات ہو رہے ہیں، وہ کل کے اعتراضات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ اعتراضات جدید مغربی فکر و فلسفہ کی پیداوار ہیں اور ان کو زور و قوت کے ساتھ پھیلانے والے خود ہمارے اندر پیدا ہو گئے ہیں۔ جب تک ان اعتراضات و شبہات کا مؤثر ازالہ نہ ہو اس وقت تک ممکن نہیں ہے کہ آپ دین کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکیں۔ افسوس ہے کہ اس خدمت کی صلاحیت رکھنے والے آج ہمارے اندر اگر مفقود نہیں تو اتنے کم ہیں کہ وہ دین کے محاذ کو کسی طرح بھی سنبھال نہیں سکتے۔ اس وجہ سے وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے حاملانِ دین پیدا کرنے کی مؤثر جدوجہد کی جائے جو جدید علوم و افکار سے بھی کماحقہٗ آگاہ ہوں اور کتاب و سنّت کے دلائل و براہین پر بھی وہ براہِ راست نظر رکھتے ہوں۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ہمارا دین دنیا میں بے دلیل نہیں آیا ہے۔ وہ بہتر سے بہتر فطری و عقلی دلائل سے مسلح ہو کر آیا ہے، جو ہر دور کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہیں، بشرطیکہ ان کو اُجاگر کرنے والے اور ان کو دنیا کے سامنے حالات کے مطابق پیش کرنے والے موجود ہوں۔ دوستو! یہ کام کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس قسم کے افراد صرف اردو میں لکھی ہوئی چند کتابیں پڑھ لینے سے نہیں پیدا ہوں گے، بلکہ اس کے لیے کتاب و سنّت اور علومِ اسلامیہ سے براہِ راست گہری واقفیت ضروری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کی صلاحیت ہم میں سے ہر شخص اپنے اندر نہیں پیدا کر سکتا۔ لیکن معتدبہ تعداد ہمارے اندر جب تک ایسے لوگوں کی نہ ہو گی ہم ان ذمہ داریوں سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے جو دین سے متعلق اس زمانے میں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔

جہاں تک عامۃ المسلمین کو دین کی دعوت دینے کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اس زمانے میں مجرد تذکیر کافی نہیں ہے، بلکہ وسیع پیمانے پر تعلیم و تفہیم

کی ضرورت ہے۔ یہ صورت نہیں ہے کہ لوگ دین کی باتیں بھولے ہوئے ہیں، اگر انہیں یاد دلا دی جائیں تو وہ ان کو اختیار کرلیں گے، بلکہ اشاعتِ باطل کے وسیع ذرائع نے اس زمانے میں عام اذہان کے اندر بھی دین اور دینی احکام سے متعلق بے شمار غلط فہمیاں بھر دی ہیں جن کو دُور کرنے کا سامان کرنا ان لوگوں پر واجب ہے جو آج ملک کے عوام کی اس پہلو سے کوئی خدمت کرنا چاہتے ہوں۔ آج اخبارات گھر گھر پہنچ رہے ہیں۔ ریڈیو کھیتوں اور کھلیانوں تک موجود ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ زندگی کے جدید شیطانی نظریات سے ہمارے عوام بے خبر ہیں یا وہ ان سے بالکل بے تعلق ہیں۔ ان سے تأثر کے معاملے میں شہری اور دیہاتی آبادی میں کچھ فرق ہونا تو ایک قدرتی امر ہے لیکن دیہاتی آبادی کو ان فتنوں سے بالکل الگ تھلگ خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اِس وجہ سے ان کے اندر کام کرنے کے وہ طریقے اختیار کرنے ہوں گے جو موجودہ حالات میں اُن کے لیے مؤثر اور مفید ہوں۔

جہاں تک ملک کے اربابِ اقتدار کا تعلق ہے اُن کے بارے میں بھی ہمارے ہاں سخت افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ ایک[1] تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی اصلاح کے معاملے میں بالکل بے تعلق ہیں، انہیں اُن کے خیر و شر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دوسرے[2] وہ لوگ ہیں جو اُن کے شر کو بھی خیر ہی کہنا پسند کرتے ہیں۔ تیسرے[3] وہ لوگ ہیں جو اُن کے خیر کو بھی شر قرار دیتے ہیں۔ اور ہر حالت میں ان کی مخالفت کرنا اُن کے ہاں جُزوِ ایمان ہے۔

آپ کی یہ قرار داد ان تینوں طریقوں کو غلط قرار دیتی ہے اور دین کی روشنی میں ایک چوتھا طریقہ آپ کے سامنے پیش کرتی ہے۔ جہاں تک پہلے طریقے یعنی لاتعلقی کے رویّہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کوئی پرایا جھگڑا نہیں ہے جس سے علیٰحدہ رہنے میں آدمی کے لیے سعادت ہو۔ بلکہ ہم میں سے ہر شخص کے اپنے دین و ایمان کا معاملہ ہے۔ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات کی روشنی میں بتا چکا ہوں کہ جو شخص معاشرہ کے خیر و شر سے بے پروا ہے وہ خود اپنے دین و ایمان سے بے پروا ہے۔ اور اُس کی یہ بے پروائی اُس کی ساری دینداری غارت کر کے رکھ دے گی۔ ہم جس کشتی پر سوار ہیں اپنے امکان کی حد تک کسی کو اس کے پیندے میں سوراخ کرتے ایک

اشائی کی طرح نہیں دیکھ سکتے۔

دوسرے گروہ کا رویّہ بھی بالکل غلط ہے۔ جو چیز غلط ہے اگر وہ اربابِ اقتدار کی طرف سے
ہو رہی آئے تو اُس کی غلطی اور بھی سنگین ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے اثرات بہت دور رس
ہوں گے۔ اگر کوئی شخص اس غلطی کو صواب قرار دے تو یہ اُس پر خاموش رہنے سے بھی بڑا جرم ہے۔ یہ رویّہ
اگر خوف یا طمع کی بنا پر اختیار کیا جائے تو اسلام میں صریح نفاق ہے، جو ایمان کے ساتھ جمع نہیں
ہو سکتا۔ اور اگر یہ اس بنیاد پر اختیار کیا جائے کہ اس سے حکومت کو ضعف پہنچتا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔
اول تو حکومت کو ضعف پہنچ سکتا ہے تو غلط چیز سے نہ کہ صحیح چیز سے، ثانیاً حکومت بجائے خود
مقصد و غایت نہیں ہے، بلکہ اسلام میں وہ اللہ کے قانونِ عدل و قسط کا ذریعہ ہے۔ اس وجہ
سے حکومت کی مصلحت کے لیے بھی کسی شر کو خیر قرار دینا اپنے دین و ایمان پر کلہاڑی مارنا ہے۔

تیسرے گروہ کا رویّہ بھی بالکل غلط ہے۔ اربابِ اقتدار کی ہر بات کو ہدفِ تنقید بنا لینا
یہاں تک کہ اُن کے خیر کو بھی شر قرار دینا اور اُس کی مخالفت میں اِس حد تک بڑھ جانا کہ دوسروں
کی بُرائیاں بھی اُن کے کھاتے میں ڈال دینا، نہ عقل و منطق کی رُو سے جائز ہے، نہ اسلام کی رُو سے۔
یہ اقتدار کی ہوس میں اندھے ہو جانے کی علامت ہے، اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے
کہ ایسے لوگوں کی صحیح بات بھی اربابِ اقتدار کو اپیل نہیں کرتی۔ جن کی ذہنیت یہ بن جاتی ہے وہ
خیر خواہی کے جذبے سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں۔ درانحالیکہ یہ جذبہ دعوتِ دین کی اصل رُوح
ہے۔ اگر انسان خیر خواہی کے جذبے سے خالی ہو تو اُس کی ہر بات نفرت اور عناد کی تخم ریزی
کرتی ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ دین کا نام لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کو بھی لوگوں
کی نگاہوں میں ایک نفرت انگیز چیز بنانا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاتھوں دین کو جو
نقصان پہنچا ہے، وہ دین کے کھلے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں بھی نہیں پہنچا ہے۔ اس لیے
کہ یہ لوگ اپنی ایک نفسیاتی جنگ میں دین کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس
طرح بلاوجہ دین کو ان تمام لوگوں کے سامنے ایک حریف بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، جن سے
ان کی لڑائی ہوتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ اس طرح کے لوگ انسانیت اور خلق کی محبت سے
بالکل عاری ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دل سے اِس بات کے آرزومند ہوتے ہیں کہ ملک میں زلزلے

آئیں، قحط پڑے، سیلاب آئیں، وبائیں پھیلیں تاکہ یہ ان سب چیزوں کا ذمّہ دار حکومت کو ٹھہرا کر اپنے اقتدار کے لیے راہ ہموار کریں۔ ایسے بے درد اور سنگ دل لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ یہ دین کی کوئی خدمت انجام دے سکیں گے، محض خام خیالی ہے۔

آپ نے جو قرار داد پاس کی ہے اُس میں آپ نے ان تمام طریقوں سے الگ اپنے لیے "الدّین النّصیحۃ" کی راہ اختیار کی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کے خیر و شر سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ یہ خیر خواہی کے خلاف ہے۔ اسی طرح آپ کسی کے "شر" کو خیر بھی نہیں کہہ سکتے، اِس لیے کہ یہ بھی حق اور خیر خواہی کے خلاف ہے۔ عَلیٰ ہٰذالقیاس آپ کسی کی مخالفت کے جوش میں اس کی نیکی کو بدی نہیں ٹھہرا سکتے، اس لیے کہ یہ بھی سچّائی اور خیر خواہی کے خلاف ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ دین کو ہوسِ اقتدار کی جنگ میں ایک ہتھیار کے طور پر کبھی استعمال نہیں کریں گے۔ بلکہ جس کے سامنے بھی اس کو پیش کریں گے، اللہ کے دین کی حیثیت سے پیش کریں گے، کہ اسی میں اُس کی بھی بھلائی ہے اور اسی میں آپ کی بھی بھلائی ہے۔ یہی حضرات انبیاء علیہم السّلام کا طریقِ کار ہے اور یہی آپ کو اختیار کرنا ہے۔

رفیقو! میں سمجھتا ہوں کہ ایک واضح چیز کی وضاحت کرنے میں آپ کا بہت سا وقت میں نے لیا۔ اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور اپنے لیے اور آپ کے لیے دُعا کرتا ہوں کہ ہم نے جو کچھ طے کیا ہے، اس پر ہم عمل کرنے کی توفیق پائیں۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ!

عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

اِنَّ الدِّیْنَ النَّصِیْحَةُ،

قُلْنَا: لِمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟

قَالَ: لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهٖ، وَلِرَسُوْلِهٖ،

وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ، وَعَامَّتِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

تقریر مولانا عبدالغفار حسن

حمد و ثنا کے بعد

رفقائے محترم!

صبح کے درسِ قرآن، پھر قرار داد اور اس کی توضیح اور سب سے بڑھ کر مولانا اصلاحی کی تقریر سے معاملے کے اکثر پہلو اچھی طرح واضح ہو چکے ہیں اور اب میری تقریر کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی، تاہم جو خدمت میرے سپرد ہے میں اس کی انجام دہی میں بعض باتیں آپ حضرات کے سامنے رکھتا ہوں تکرار سے بھی کم از کم تذکیر کا فائدہ تو حاصل ہو ہی جائے گا۔

ایک نئی دینی جماعت کے قیام کے فیصلے پر سب سے پہلے جو سوال ذہنوں میں پیدا ہونا لازمی ہے وہ یہ ہے کہ آخر ایک نئی جماعت کی ضرورت کیا ہے؟ اولاً کیا انفرادی طور پر کام کرنا کافی نہیں ہے؟ ثانیاً اگر اجتماعیت لازمی ہے تو بھی ڈیڑھ اینٹ کی ایک نئی مسجد الگ بنانے کی کیا حاجت ہے؟ بہت سی دینی تنظیمیں اور جماعتیں موجود ہیں کیوں نہ ان میں سے کسی کے ساتھ شامل ہو کر کام کیا جائے؟

جہاں تک اجتماعیت کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے اس پر مولانا اصلاحی بہت مفصّل روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہ بدیہی بات ہے کہ بہت سے لوگوں کے علیحدہ علیحدہ کام کرنے اور ان سب کے مل کر اجتماعی طور پر کام کرنے میں نتائج کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اجتماعیت میں ہر فرد ایک دوسرے کا سہارا اور ایک دوسرے کی کمی پورا کرنے والا ہوتا ہے جس سے کام میں عظیم برکت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ نے مختلف لوگوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں۔ کسی کو بولنے کی صلاحیت دی ہے، کسی کو لکھنے کی، کسی کو بھاگ دوڑ کی قوت دی ہے، کسی کو غور و فکر اور تدبر و تفکر کی۔ اسی طرح کسی کو علومِ دینی سے سرفراز فرمایا ہے اور کسی کو معلوماتِ دنیوی سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ کسی کو فہمِ قرآن کے بحرِ عمیق میں غوطے لگانے کی صلاحیت دی ہے تو کسی کو علومِ حدیث کی وسعتوں میں پیراکی کی صلاحیت سے نوازا ہے۔

کسی کو قدیم کی واقفیت عطا فرمائی ہے تو کسی کو جدید سے رُوشناس کیا ہے۔ مختلف صلاحیتوں اور قوتوں سے مسلح افراد کے مجتمع اور متحد ہو کر کام کرنے سے ہی اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ کوئی جامع اور ہمہ گیر نوعیت کا کام سرانجام پا سکے پھر دین و مذہب کے مخالف اور لادینیت کے علمبرداروں کو دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوری طرح منظم ہو کر کام کر رہے ہیں اور ان کے مختلف گروہ اور جتھے مختلف اطراف سے پوری تنظیم اور اجتماعیت کے ساتھ دینی قوتوں پر یلغار کر رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اجتماعیت کا مقابلہ انفرادیت سے نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے اجتماعیت ہی کی ضرورت ہے۔ بنابریں دینی قوتوں کا منظم و مجتمع ہونا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

بلاشبہ جماعت سازی سے کچھ اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں مثلاً ایک یہ کہ اس سے جماعتی و گروہی عصبیت پھر تعصب اور بالآخر تحزّب و تفرّق کی لعنت وجود میں آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جماعتیں بالعموم شخصیتوں کے گرد گھومتی ہیں اور ان سے شخصیت پرستی کی مہلک بیماری پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خود جماعتیں عموماً داخلی انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات اس سے انتہائی کربناک صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں اوّلین بات تو یہ ہے کہ ہر چیز کے مجموعی فائدے یا نقصان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ بہت سے اچھے کاموں میں کوئی پہلو بُرائی کا ہو سکتا ہے اور بہت سی برائیوں میں کوئی پہلو اچھائی کا ہونا ممکن ہے۔ قرآن مجید نے خود شراب اور جُوئے کے بارے میں بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ ان میں منفعت بھی ممکن ہے لیکن وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا اُن کا شر ان کی منفعت سے زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز میں خیر کا پہلو غالب ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے اور اس کے شر سے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے۔

شخصیت پرستی کی لعنت کے پیدا ہونے کے امکانات وہاں زیادہ ہوتے ہیں جہاں کسی ایک داعی کی دعوت پر لوگ جمع ہوں اور اسی کے خیالات و نظریات و تصورات اور اسی کے فہم و فکر کو اس اجتماعیت میں مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ اس کے برعکس اگر ابتداء سے بہت سے لوگ باہمی مشاورت سے اپنے مقصد اور اس کے حصول کے طریق کو طے کریں

ملسل "اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ" کی قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہیں تو ان شاء اللہ اس
نت کا سدِ باب ہو جائے گا۔

"تحزب اور تفرق" سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دین کی خدمت کے لیے
ح ہونے والے لوگ ہمیشہ اِنَّنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ہی کو اپنا واقعی شعار بنائیں اور اپنے آپ
ُامتِ مسلمہ ہی کا ایک حصہ تصور کریں۔ چنانچہ نہ ان میں کوئی غرور و گھمنڈ پیدا ہو نہ اپنے "چیزے
ر" ہونے کا احساس پیدا ہونے پائے اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے کسی اعتبار سے
تر و برتر تصور کریں۔

یہاں یہ حقیقت بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ تحزب اور تفرق محض جماعت سازی ہی سے
یدا نہیں ہوتے بلکہ کوئی ادارہ یا محض درس گاہ یا دار العلوم بھی ان کا سبب بن سکتا ہے، اور واقعہ
ہے کہ بنا ہے، اور اس کی مثالیں خود ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو درسگاہ
ن قائم ہوتی ہے وہ بالعموم کسی ایک خصوصیت کی حامل ہوتی ہے نتیجۃً اس سے فارغ ہونے
لے نوجوانوں کا مزاج ایک خاص رنگ میں ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے اور مرورِ ایام کے ساتھ
ں کے فارغین و متوسلین میں گروہی و حزبی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب نہ تو یہ صحیح ہے کہ ان
رشات کی بنا پر درس گاہیں اور دار العلوم قائم کرنے بند کر دیئے جائیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ
ینی مقاصد کے حصول کے لیے ادارے یا جماعتیں قائم کرنا ممنوع قرار دے دیا جائے۔ اس
لے برعکس دار العلوموں اور اداروں کے قیام کے ساتھ حتی الامکان ایسی احتیاطی تدابیر اختیار
ی جانی چاہئیں کہ ان کے ذریعے اُمت میں تفرقہ و انتشار پیدا نہ ہو۔ اس سلسلے میں جس قدر
ں نے غور کیا ہے میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایک تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے لوگوں میں
ہ "چیزے دگر" ہونے کے احساس کو پیدا ہونے سے روکا جائے اور "اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ"
ی قرآنی ہدایت کو ہمیشہ مستحضر رکھا جائے اور دوسرے یہ احتیاط کی جائے کہ عملاً جمعہ و جماعت
ر ربط و ضبط اور رشتوں ناطوں کے معاملات کو صرف ہم خیال لوگوں کے حلقے میں محدود کرنے کا
مکان نہ پیدا ہو ـــــ ان تدابیر پر اگر عمل کیا جائے تو میری رائے میں کوئی دینی جماعت فرقے
ی تبدیل نہیں ہوگی ـــــ واللہ اعلم!

تیسرا اندیشہ جماعتوں کے "داخلی انتشار" کا ہے تو اگرچہ ماضی کے کچھ تلخ تجربات کی روشنی میں واقعتاً اس اندیشے سے طبیعت میں بہت زیادہ توحّش پیدا ہوتا ہے تاہم یہ حقیقت بادنیٰ تامّل سامنے آجاتی ہے کہ محض اس اندیشے کی بنا پر اجتماعی جدّوجُہد سے باز رہنا ہرگز ایک معقول بات نہیں ہے۔ اختلاف اس عالمِ واقعہ کی ایک عظیم (اگرچہ تلخ) حقیقت ہے ـــــ "لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" تحریکیں اٹھتی ہیں اور بہت کچھ مفید کام کرتی ہیں پھر ان میں داخلی انتشار رُونما ہوجاتا ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ آپ اپنے خنجر سے خودکشی کر لیتی ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ ان کا کام نسیاً منسیاً ہوجاتا ہے۔ ان کے اثرات ان کے بہت بعد تک بھی باقی رہتے ہیں ـــــ لہٰذا ضرورت اس کی ہے کہ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ کام شروع کیا جائے۔ اختلافات کے حل کے لیے صحت مند راستے حتی الامکان کھلے رکھے جائیں۔ اس کے بعد بھی کبھی ناگوار صورتِ حال پیدا ہو تو اس کا سامنا کیا جائے۔

اب دوسرے سوال کو لیجئے ـــــ یعنی یہ کہ آخر ایک نئی جماعت کا قیام ہی کیوں ضروری ہے؟ کیوں نہ موجود الوقت دینی جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ مل کر کام کیا جائے اس سوال کا سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ جس طرح ملک میں بہت سی درس گاہوں او دارالعلوموں کے وجود سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی نئی درس گاہ قائم نہ کی جائے، اسی طرح بہت دینی جماعتوں کا وجود کسی نئی جماعت کے قیام کی نفی نہیں کرتا اور جس طرح ایک نئے دارالعل کے مؤسسین کے بارے میں لازماً یہ نہیں سمجھا جاتا کہ ان کی رائے بقیہ درس گاہوں کے بارے میں بہت بُری ہے، اس طرح ایک نئی دینی جماعت کے مؤسسین کے بارے میں یہ سمجھ یہ لازماً دوسری دینی جماعتوں کے بارے میں بہت بُری یا حقارت آمیز رائے رکھتے ہیں در نہیں ہے۔

مزید وضاحت کے لیے عرض ہے کہ اس وقت جو جماعتیں ملک میں بالفعل موجود ہمارے نقطۂ نظر سے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن سے ہمیں کلّی اختلاف ہے یعنی کے طریق کار اور ان کے مزاج اور ذہن کو ہم درست نہیں سمجھتے۔ ایسی جماعتوں میں مدغم ہو ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـــــ دوسری جماعتیں ایسی

جو ہماری رائے میں بعض کام بہت اچھے سرانجام دے رہی ہیں لیکن ان کے کاموں میں کچھ خلا ہے اور دین کے بعض تقاضے اس کے ذریعے پورے نہیں ہو رہے ہیں ـــــــ ایسی جماعتوں کے ساتھ دو طرح کا معاملہ نظری اعتبار سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ ان کے ساتھ شامل ہو کر کام کیا جائے اور ان کے اندر رہ کر زور ڈالا جائے کہ دین کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے۔ یہ طریق بظاہر بڑا معقول اور مستحسن نظر آتا ہے لیکن عملاً اپنے اندر بہت سی پیچیدگیاں رکھتا ہے۔ ہر جماعت کے مؤسسین کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ان کے ذہن کی ایک خاص ساخت ہوتی ہے جسے بآسانی بدلا نہیں جا سکتا، اور اگر بدلنے کی کوشش کی جائے تو اس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ کی کھینچ تان اور بدمزگی پیدا ہو اور ہاتھ کچھ نہ آئے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر ان کے نزدیک کوئی دوسرا پہلو اہم تر ہے تو وہ آپ کی وجہ سے کسی اور پہلو پر کیوں زیادہ زور دیں لہٰذا عملاً دوسرا طریق ہی ممکن العمل بھی ہے اور بہتر بھی یعنی یہ کہ دوسرے لوگ ایک علیحدہ اجتماعیت قائم کریں اور اپنے ذہن و فکر اور اپنی صوابدید کے مطابق کام کریں ـــــــ اب اگر خلوص اور للٰہیت موجود ہے تو یہ دونوں کام ایک دوسرے کے معاون اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرنے والے بن جائیں گے اور اگر اخلاص کی دولت ہی سے تہی دامنی ہو تو پھر بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ جیسا تصادم اندر تھا ویسا ہی باہر بھی ہو گا۔ اس صورت میں بھی علیحدہ جماعت سازی پہلی صورت کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتی ـــــــ!

اب میں آپ کے سامنے اس نئی دینی تنظیم کے کچھ خصائص پیش کروں گا جس کے قیام کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ان کا تذکرہ قرارداد میں بھی ہے اور ان کی توضیحات میں بھی۔ پھر مولانا اصلاحی بھی اپنی تقریر میں ان میں سے بعض کی وضاحت کر چکے ہیں۔ میں ان کو سلسلہ وار پیش کرتا ہوں تاکہ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کم از کم تذکیر ہو جائے۔

پہلی خصوصیت ہماری پیش نظر تنظیم کی یہ ہے کہ اس میں نصب العین کے مقام پر صرف نجات اور رضائے الٰہی کے حصول کو رکھا گیا ہے اور اس میں ایسی کوئی تفریق نہیں رکھی گئی کہ دنیا میں ہمارا مقصود یہ ہے اور آخرت میں یہ! ـــــــ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار جزاء۔ دنیا میں انسان دین و شریعت کے جملہ تقاضوں کو اُخروی جزا ہی کے لیے پورا کرتا ہے لہٰذا

ہر آن اور ہر لمحہ ہمارا نصب العین ایک ہی ہے اور وہ ہے آخرت کی کامیابی!! اور اس کے لیے دین کے جملہ انفرادی و اجتماعی تقاضوں کو اسی ترتیب و تدریج اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ پورا کرنا ضروری ہے جو خود نظامِ دین میں متعین ہے! ان میں سے کسی ایک تقاضے کو اہمیت دے کر 'نصب العین' کے مقام پر لے آنا ہرگز صحیح نہیں ہے!

دوسری خصوصیت ہماری اس تنظیم کی یہ ہوگی کہ ہماری دعوت صرف اللہ اور اس کے دین کی طرف ہوگی، نہ کسی خاص شخصیت یا جماعت کی طرف ہوگی، نہ کسی خاص مسلک یا فقہی مذہب کی طرف!

اسی بنا پر اس اجتماعیت کی تیسری خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ نہ کسی فرد یا گروہ کی حلیف ہو گی نہ حریف۔ اس میں حُبّ اور بغض اور محبت و نفرت کا معیار صرف اللہ اور اس کا دین ہوں گے اور یہ "كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ" کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونے کی مقدور بھر سعی کرے گی اور حتی الامکان کوشش کرے گی کہ ذاتی یا گروہی عصبیت یا تعصب کی بنا پر عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ چنانچہ ہمارے لیے کسی حزبِ اختلاف کا تصور خارج از بحث ہو گا ۔۔۔۔ مغربی جمہوریت کے پیدا کردہ ان تصورات سے عدل و انصاف کے تقاضے پامال ہو جاتے ہیں اور انسان اپنی جماعت کے بُرے سے بُرے کام کی حمایت اور حزبِ مخالف کے اچھے سے اچھے کام کی مخالفت پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پیشِ نظر اسلامی تنظیم ان شاء اللہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کے قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہوگی۔

چوتھی خصوصیت ہماری اس اسلامی تنظیم کی یہ ہوگی کہ یہ طبقاتی تصور اور اس سے پیدا شدہ تنازع للبقا کے بجائے وحدتِ الٰہ و آدم اور توافق یا تعاون للبقا کے تصور کو اجاگر کرنے کی کوشش کرے گی۔

پانچویں خصوصیت دینی مسائل اور ان سے متعلق اختلافِ مذاہب و مسالک کے متعلق ہے۔ ہمارے نزدیک جملہ دینی مسائل تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو اساسی اور بنیادی بھی ہیں اور متفق

علیہ بھی، دوسرے وہ جو متفق علیہ تو ہیں لیکن اساسی نہیں ہیں۔ اور تیسرے وہ مسائل ہیں جن میں سلف اور خیر القرون ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ ہماری یہ تنظیم ان شاء اللہ اپنی اصل توجہ کا مرکز و محور پہلی قسم کے مسائل ہی کو بنائے گی۔ اس لیے بھی کہ فی الواقع وہی اساسی اور بنیادی ہیں اور اس لیے بھی کہ موجودہ دَور کے فتنوں کی زد دراصل ان ہی پر پڑ رہی ہے، یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، اور ایمان بالآخرت ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں لہٰذا اس وقت اصل ضرورت ان کے استحکام کی ہے، اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی رواداری اور مداہنت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ دعوت میں نرمی اور حکمتِ تبلیغ بالکل دوسری چیز ہے اور مداہنت فی الدین بالکل دوسری، ان معاملات میں مصلحت کی بنا پر رواداری ممکن نہیں ہے ـــــ البتہ تیسری قسم کے مسائل میں تشدّد اور غلو کسی طرح جائز نہیں ہے۔ ان میں بھی مذاکرہ اور باہمی تبادلہ خیال ہوسکتا ہے لیکن کسی ایک رائے یا مسلک کو بالجبر دوسروں پر ٹھونسنا کسی صورت میں درست نہیں۔ ہم اپنی اجتماعیت میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جس میں ان اختلافی مسائل کے بارے میں انتہائی رواداری اور فراخ دلی پائی جائے۔

چھٹی خصوصیت جو قرارداد میں صراحت کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے یہ ہے کہ اس میں "اَلْاَھَمُّ فَالْاَھَمُّ" کا اصول پیشِ نظر رکھا جائے گا اور تبلیغ و دعوت میں تدریج ملحوظ رہے گی ـــــ یہ تمام معاملات احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بصراحت مذکور ہیں۔

ساتویں خصوصیت اس اجتماعیت کی جیسا کہ قرارداد سے واضح ہے یہ ہوگی کہ اس کا دائرۂ کار صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ غیر مسلم بھی اس کے مخاطب ہوں گے۔ مسلمانوں کی خامیوں کی اصلاح بھی ہمارے فرائضِ دینی میں شامل ہے اور غیر مسلموں تک اسلام کی تبلیغ اور ان پر رسالتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے اتمامِ حجت بھی ہماری دینی ذمہ داریوں میں سے ہے ہماری یہ اسلامی تنظیم انشاء اللہ اس ضمن میں بھی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کوشاں ہوگی۔

پیشِ نظر تنظیم کی مذکورہ بالا خصوصیات تو وہ ہیں جو ہمارے مابین متفق علیہ ہیں اور ہماری قرارداد میں صراحۃً یا دلالۃً مذکور ہیں۔ اب میں بعض ایسی خصوصیات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو

امید ہے کہ ان میں سے اکثر کو آپ حضرات اپنے دل ہی کی آواز محسوس کریں گے۔ میری ذاتی رائے میں ہمیں اختیار کرنی چاہئیں۔ ان میں اختلاف کی گنجائش تو ہے لیکن مجھے

ان میں سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ہمیں اذکار و اوراد کے معاملے میں یہ اصول متعین کر لینا چاہیے کہ ہم اوراد و وظائف اور اذکار و ادعیہ میں سے صرف ان کو اختیار کریں جو خدا کی کتاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے ماخوذ ہوں۔ ان کا اوّلین فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہم خدا اور رسول کے ساتھ جڑے رہیں گے اور اس سے یقیناً ایک عظیم روحانی فائدہ ہوگا، اس کے ساتھ ہی اس سے افتراق و انتشار میں بھی کمی ہوگی۔ مختلف لوگ اپنے ذوق کے اعتبار سے مختلف اذکار اختیار کرلیں تو رفتہ رفتہ یہی ان کی مابہ الامتیاز خصوصیت بن جاتے ہیں اور اس سے ایک علیحدگی کا احساس پیدا ہوسکتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے بھی عافیت اسی میں ہے کہ صرف مسنون و ماثور ادعیہ و اذکار پر اکتفا کیا جائے۔

دوسری یہ کہ مثبت اور منفی دونوں کام سامنے رکھے جائیں۔ دین میں معروف کے امر کے ساتھ منکر کی نہی کا بھی حکم دیا گیا ہے اور احقاقِ حق کے ساتھ ابطالِ باطل کو بھی لازم ٹھہرایا گیا ہے، آجکل جو عام خیال پھیل گیا ہے کہ صرف مثبت کام کرنا چاہیے منفی کام نہیں کرنا چاہیے تو یہ میری ذاتی رائے میں ازروئے دین درست نہیں ہے ——— دعوت کا اچھے سے اچھا اسلوب اختیار کرنا اور حکمتِ تبلیغ کو پیشِ نظر رکھنا بالکل دوسری بات ہے اور انکارِ منکر اور ابطالِ باطل سے قطعاً صرفِ نظر کرکے صرف 'مثبت' باتوں کو پیش کرتے رہنا بالکل دوسری چیز ہے اور دینی غیرت و حمیّت کا لازمی تقاضا میرے نزدیک یہ ہے کہ خلافِ دین و شرع امور پر برملا تنقید کی جائے، چاہے اس کا ہدف اصحابِ اقتدار بنتے ہوں چاہے عوام۔ اس معاملے میں یہ پہلو بھی لائقِ توجہ ہے کہ آج کل حکومت کی خلافِ مذہب باتوں پر تنقید کرنے والے پھر بھی مل جاتے ہیں، عوام کو ان کی خلافِ دین باتوں پر ٹوکنے والا کوئی نہیں رہا جبکہ میرا ذاتی رائے میں آج کے زمانے میں عوام کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کبھی سلاطین و امراء کو حاصل تھی اور اس اعتبار سے ان کی نظری و عملی گمراہیوں اور ضلالتوں پر تنقید بھی "افضل الجهاد" کے حکم میں داخل ہوگئی ہے۔

تیسرے یہ کہ جاہلیتِ قدیمہ اور جاہلیتِ جدیدہ دونوں کا ابطال کیا جائے۔ یہ تو ہو سکتا ہے بلکہ غالباً یہی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ جاہلیتِ قدیمہ کی بیخ کنی کی صلاحیت و قدرت سے مسلح ہوں اور کچھ دوسرے لوگ جاہلیتِ جدیدہ کے استیصال کی قدرت و طاقت رکھیں چنانچہ انہیں اپنے اپنے محاذوں پر کام کرنا ہوگا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ دونوں محاذ پیشِ نظر رہیں اور کسی سے صرفِ نظر نہ ہونے پائے۔

چوتھی کوشش پیشِ نظر تنظیم اسلامی میں اس امر کی ہونی چاہیے کہ نہ تو نری عقلیت پر انحصار کیا جائے اور نہ ہی نری جذباتیت پر دارومدار ہو بلکہ عقل اور جذبے دونوں کو مناسب مقام پر رکھ کر کام کیا جائے جو بات کہی جائے وہ صرف عقلی ہی نہ ہو بلکہ دل سے بھی نکلے تاکہ اس کے مخاطب اہلِ عقل بھی ہوں اور صاحبانِ دل بھی۔ اور دعوت خود اہلِ عقل کے بھی دل میں گھر کر جائے!

پانچویں لازمی چیز جس کا پورا اہتمام ہماری اس تنظیم میں کیا جانا چاہیے یہ ہے کہ اس میں تنقید پر کوئی پہرا نہ لگایا جائے اور ایسی کوئی پابندی نہ لگائی جائے جس سے لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔ تنقید کے صحیح اسلامی آداب کی پابندی تو یقیناً لازم ہے لیکن تنقید کے دروازوں کو بند کر دینا پیشِ نظر تنظیم کی پیشگی ہلاکت کا سامان ہوگا۔ اس تنظیم کے اربابِ حلّ و عقد کا تنقید کو برداشت کرنے کی ہمّت و صلاحیت سے مسلح ہونا ضروری ہے ——— اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازمی ہے کہ پیشِ نظر تنظیم کا نظام شورائی ہو اور قرآن حکیم کی اس ہدایت کہ: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" کا جیتا جاگتا نمونہ ہو۔

چھٹی خصوصیت ہماری اجتماعیت کی یہ ہونی چاہیے کہ اس میں زہدِ خشک اور تفریحِ بے قید کے مابین درمیانی کیفیت پیدا ہو اور نہ تو عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا کا نقشہ پیدا ہو جائے، نہ دوسری انتہا ہو کہ ہر وقت ہنسی دل لگی اور تفریح کا ماحول طاری رہے۔

اسی طرح 'رہبانیت' اور 'تنعّم' کے مابین درمیانی کیفیت کا پیدا کرنا بھی لازمی ہے۔ دین میں نہ قطعی ترکِ لذائذ کی ترغیب ہے اور نہ عیش پرستی کی گنجائش ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے جائز طریقے سے متمتع ہونے کو برا سمجھنا بھی دین کی روح کے منافی ہے اور عیش کوشی بھی از روئے دین ممنوع ہے۔

ساتویں ضروری چیز جو قرارداد کی توضیح میں بہت وضاحت کے ساتھ آچکی یہ ہے کہ نظامی اور تنظیمی امور میں دلچسپی کے ساتھ اسی درجہ کا گہرا شغف تعبّدی امور میں ہونا لازمی ہے رنہ بالکل یک رُخی شخصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی بدولت دینی تنظیموں میں بہت سی خرابیاں رونما ہوجاتی ہیں۔ پیشِ نظر تنظیم میں ان شاء اللہ اس امر کی خصوصی نگہداشت کی جائے گی۔

آٹھویں اور آخری ضروری چیز یہ ہے کہ اپنے زمانے کے مخصوص فتنوں کا صحیح فہم اور ان کی اہمیّت کا صحیح شعور حاصل کیا جائے۔ اس معاملے میں دین کے خادموں کو بالکل ماہر تشخیص طبیب کے مانند ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے اپنے زمانے کی اصل اور بنیادی بیماریوں کی صحیح تشخیص کرسکیں۔ بصورتِ دیگر یہ ہوسکتا ہے اور لبا اوقات ہوتا ہے کہ ساری جدوجہد علامات کے خلاف ہوتی رہتی ہے۔ اور بیماری کی اصل جڑ جُوں کی توں قائم رہتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی نگاہِ حقیقت بین نے بالکل صحیح اندازہ کرلیا تھا کہ منعِ زکوٰۃ وغیرہ جیسے بظاہر فروعی معاملات کی تہہ میں اصل مرض کون سا کام کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نگاہِ دُور رس نے بھی اپنے وقت کے فتنے کا صحیح صحیح اندازہ کرلیا تھا پھر ان کے بعد بھی تمام مجدّدین اپنے اپنے دَور کے فتنوں کی اہمیّت کا اندازہ کرکے ان کے سدِّباب کی سعی کرتے رہے، فجزاھم اللہ خیر الجزاء عن جمیع المسلمین۔ اپنے وقت کے امراض کی صحیح تشخیص کے لیے بڑی گہری بصیرت کی ضرورت ہے اور یہ چیز درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے ہوتی ہے۔ تاہم اپنے مقدور بھر اس امر کی سعی ضروری ہے کہ کسی ایک ہی بٹی ہوئی راہ پر چلتے رہنے کے بجائے اس پر مسلسل غور و فکر اور تفکّر و تدبّر کیا جاتا رہے کہ ہمارے زمانے کے اصل فتنے کون سے ہیں اور ان کے سدِّباب کی صحیح راہ کون سی ہے۔

آخر میں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرکے اپنی معروضات کو ختم کرتا ہوں کہ جو کام کرنے کا عزم ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کیا ہے وہ بیک وقت آسان بھی ہے اور مشکل بھی، آسان اس اعتبار سے کہ یہ ہمارے دین کا تقاضا، ہماری فطرت کی پکار اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے پروردگار کی جانب سے عائد کردہ فرض ہے۔ لہٰذا اس کی ادائیگی کی سعی و جہد سے دلوں کو راحت اور قلوب کو اطمینان و سکون حاصل ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ اور مشکل اس اعتبار سے کہ

بسا اوقات اس راہ کی مسلسل جدوجہد کا کوئی محسوس نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آتا اور انسان کو کمال صبر و استقامت کے ساتھ اپنی محنت کے نتائج و ثمرات سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کیے جانا پڑتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ "اے علی! اگر اللہ تیرے ذریعے کسی ایک انسان کو بھی ہدایت کی راہ پر لے آئے تو یہ تیرے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے"! بس یہی اس راہ کے ہر مسافر کا ماٹو (Motto) ہونا چاہیے اور اگر اس کے ذریعے اللہ تعالےٰ ایک فردِ بشر کو بھی سیدھی راہ پر لے آئے تو اسے چاہیے کہ اس بات کو واقعتہً ایک دولتِ بے بہا اور نعمتِ غیر مترقبہ تصوّر کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارے قلب و نظر کی کیفیّت فی الواقع یہ نہ ہو جائے تو اس راہ میں ثابت قدم رہنا محال ہے۔

آخر میں مَیں اپنے اور آپ سب کے لیے اللہ تعالےٰ سے ہدایت و استقامت اور عفو و مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

مولانا اصلاحی کا الوداعی خطاب

عزیز ساتھیو!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے ایک جماعتی نظم کے قیام کی قرارداد پر اتفاق کر لیا۔ میں اس پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے لیے عزم و ہمّت عطا فرمائے، اور ہر قدم پر ہماری دست گیری اور رہنمائی فرمائے ——— میں اس موقع پر آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ ہر چند اس کی ضرورت اور اہمیّت مجھ پر واضح تھی، لیکن میں دو سبب سے اس قسم کی ذمہ داری سے گریز کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ اب میرے قویٰ ضعیف ہو رہے ہیں، کوئی بھاری بوجھ اٹھانا میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے اِس آخری دَور کے لیے اپنے ذوق کے مناسب جو کام مَیں نے تجویز کر لیا تھا، اب وقت و فرصت کا لمحہ لمحہ اس پر صرف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوستوں کے شدید اصرار کے دباؤ کے باوجود میں خود اس

کے لیے پہل کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ دوستوں نے جب کبھی اس فریضہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی، میں ان کے دلائل کا تو انکار نہ کر سکا، لیکن اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں پر نگاہ کر کے اُن کی بات کو ٹالتا ہی رہا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ اگرچہ میرے اوقات تمام تر دینی وعلمی کاموں ہی میں بسر ہو رہے ہیں، تاہم معاشرے سے متعلق مجھ پر جو بھی فریضہ عاید ہوتا ہے اُس میں مجھ سے کوتاہی ہو رہی ہے، جس کے سبب نہ صرف میری بعض صلاحیتیں سکڑ رہی ہیں، بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اِس پر مجھ سے مواخذہ ہو۔ ان تمام احساسات کے باوجود میں اپنے آپ کو معذور سمجھتا رہا، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو معذور سمجھنے میں بڑا فیاض ہوتا ہے۔

بہر حال اب میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ اس کام میں شریک ہوتا ہوں اور اُن تمام دوستوں کا دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم فرض کی اہمیت کو سمجھا اور ہم سب کو اس کے سمجھانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے ذمّہ اس وقت آپ تمام شرکائے مجلس کو بعض ضروری ہدایات دینے کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ یہ ہدایات ان کاموں سے متعلق ہیں جو آپ کو یہاں سے رخصت ہونے کے بعد کرنے ہیں، براہِ کرم اِن کو نوٹ کر لیجئے۔

جماعتی تنظیم سے متعلق اس وقت آپ کو پہلا کام یہ کرنا ہے کہ تنظیم کے نظام ودستور سے متعلق آپ کے سامنے جو تجویزیں ہیں وہ مقامی رفقاء سے مشورہ کے بعد قلم بند کر کے شیخ سلطان احمد صاحب کے پاس بھیج دیجئے تاکہ مجلس مشاورت اُن سے فائدہ اُٹھا سکے۔ حتی الوسع اس بات کی کوشش کیجئے کہ تجاویز کے بارے میں اگر اختلاف رائے ہو تو وہ غور و بحث سے مقامی رفقاء ہی کے اندر طے ہو جائے، تاکہ آگے کا کام آسان ہو جائے۔ اگر غور و بحث کے بعد بھی کسی امر میں اختلاف باقی رہ جائے تو اس کو نوٹ کر دیا جائے۔

اپنی اور اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح و تربیت سے متعلق جو کام آپ کو کرنے ہیں ان کے بارے میں مفصل ہدایات تو افرادی قوت کا جائزہ لینے کے بعد ہی دی جا سکیں گی لیکن چند کام ایسے ابتدائی اور بدیہی نوعیت کے ہیں کہ ان کا اہتمام بلا تاخیر آپ کو کرنا چاہیے۔

پہلا کام نماز کا اہتمام ہے۔ نماز ہمارے دین میں ایمان کا اوّلین تقاضا ہے۔ قرآن و حدیث

سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلامی تنظیم کی شیرازہ بندی اسی چیز سے ہوتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے اصلاح و تربیت کا پہلا قدم اسی سے اٹھایا ہے۔ آپ بھی اس کی پابندی کے لیے مضبوط عہد کیجئے اور اپنے عزیزوں، قریبوں، دوستوں، پڑوسیوں اور محلہ داروں کو بھی دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ اس کی تلقین کیجئے۔ نماز کے اہتمام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ حتی الوسع محلہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کیجئے بغیر کسی معقول عذر کے اس میں کوتاہی نہ کیجئے اور دوسروں کو بھی نماز با جماعت کی عظمت و اہمیت سمجھانے کی کوشش کیجئے۔!!

دوسرا کام یہ ہے کہ اپنے دینی علم میں اضافہ کا اہتمام کیجئے۔ جن مقامات پر یہ ممکن ہو کہ کسی ذی علم کی رہنمائی میں قرآن مجید کا اجتماعی مطالعہ کیا جا سکے، وہاں حلقۂ تدبر قرآن قائم کیجئے اور ہفتہ میں کم از کم ایک دن اس کام کے لیے خاص کیجئے کہ کچھ وقت قرآن کے فکر و مطالعہ میں بسر ہو۔ اس کے ساتھ اگر حدیث کی ایسی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا جائے جو اخلاقی احادیث پر مشتمل ہیں مثلاً ریاض الصالحین وغیرہ تو اس سے مزید خیر و برکت ہو گی۔ اگر کسی ذی علم کی رہنمائی حاصل نہ ہو تو عام حلقۂ مطالعۂ اسلامی قائم کیجئے اور منتخب اسلامی کُتب کا التزام سے مطالعہ کیجئے۔ اس قسم کے حلقوں میں اپنے اُن دینی بھائیوں کو بھی شرکت کی دعوت دیجئے جن کے اندر دین اور علمِ دین کی رغبت محسوس کریں۔

آپ لوگوں میں سے جن لوگوں نے جدید تعلیم پائی ہو، اُن کو میں یہ مشورہ بھی دوں گا کہ وہ عربی زبان سیکھنے کی کوشش کریں، تاکہ وہ قرآن و حدیث سے براہِ راست استفادہ کر سکیں۔ بظاہر یہ کام مشکل نظر آتا ہے لیکن شوق اور طلب سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اپنے اپنے شہروں میں جس عالم سے بھی اس کام میں آپ کو مدد ملنے کی توقع ہو اس سے استفادہ کیجئے ہم خود بھی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس مسئلہ پر غور کریں گے کہ آسان طریقہ سے آپ کو عربی سکھانے کی کیا شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔ لاہور میں اس سلسلہ میں ہم نے جو تجربے کیے ہیں، ہم ان سے بھی آپ کو آگاہ کریں گے تاکہ جن مقامات پر اس نہج پر درس جاری ہو سکے وہاں اس نہج پر درس جاری کیے جائیں۔

تیسرا کام یہ ہے کہ اپنے اپنے مقامات پر اپنے ہم خیال اور رفیق تلاش کیجئے جن کے

تعاون سے پیش نظر مقصد کو تقویت حاصل ہو۔ جو اس جدّوجُہد میں آپ کے لیے سہارا بن سکیں، جو آپ کی اصلاح کریں، اور جن کی آپ اصلاح کریں۔ جماعتی زندگی کی یہی خیر و برکت ہے جو انفرادی زندگی میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ یہ زمانہ بہت بُرا ہے لیکن اِس بُرے زمانے میں بھی اچھی رُوحیں اور نیک نفوس موجود ہیں، ضرورت ٹٹولنے اور جستجو کی ہے۔ جب آپ جستجو کریں گے تو اللہ کے بے شمار بندے ایسے مل جائیں گے جو آپ کی رفاقت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ کتنے نفوس ہوتے ہیں جن کے اندر دینی حس موجود ہوتی ہے، لیکن کوئی اُس کو اُکسانے والا نہیں ہوتا، اِس وجہ سے وہ دبی ہوئی رہتی ہے۔ آپ ایسے نفوس تلاش کیجیے، اُن تک پہنچیے، اُن سے تبادلۂ خیالات کیجیے، اور اس کام میں اُن کو تعاون کی دعوت دیجیے۔

آپ کی اجتماعی طاقت جتنی ہی بڑھتی جائے گی اتنی ہی ان کاموں کی انجام دہی آپ کے لیے آسان ہوتی جائے گی جو افراد اور معاشرہ کی اصلاح سے متعلّق آپ پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

یہ چند ابتدائی کام ہیں جو اس قرارداد کی روشنی میں، جو آپ نے پاس کی ہے، فی الفور شروع کیے جا سکتے ہیں۔ آگے اللہ مزید کاموں کی راہیں کھولے گا، اگر ہمارے اندر اس کے دین کی خدمت کے لیے اخلاص ہو گا۔ اب دُعا کیجیے کہ ہمیں اس کام کے لیے سچّا عزم حاصل ہو اور ہر قدم پر توفیقِ الٰہی ہماری رہنمائی فرمائے!

عَنِ الحَارِثِ الاَشعَرِیؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

"اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ ۵

بِالْجَمَاعَةِ ۱ وَالسَّمْعِ ۲ وَالطَّاعَةِ ۳ وَالْهِجْرَةِ ۴ وَالْجِهَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ ۵"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

تائید و تبصرہ

۱۔ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

ایک نیا اصلاحی ادارہ

"لاہور کے ایک معزز دینی ماہنامہ 'میثاق' سے یہ معلوم کرکے دلی خوشی ہوئی کہ وہاں چند ذی فہم و بصیرت مخلصوں کی سعی و اہتمام سے ایک نئے دینی ادارہ کی بنیاد بالکل صحیح اصول پر پڑ رہی ہے۔ یہ حضرات زیادہ تر جماعتِ اسلامی سے نکلے ہوئے ارکان ہیں اور یقین ہے کہ یہ انشاء اللہ ان غلطیوں سے محفوظ رہیں گے، جن کا خوب تجربہ انہیں جماعت مذکور میں شامل رہ کر ہو چکا ہے۔ ادارہ کے ایک بانی مولانا امین احسن اصلاحی کی یہ بات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

"جماعتیں اور تنظیمیں قائم تو ہوتی ہیں اصلاً کسی اعلیٰ و برتر نصب العین کے لیے لیکن قائم ہو جانے کے بعد وہ رفتہ رفتہ از خود نصب العین اور مقصد بن جاتی ہیں اور اصل نصب العین غائب ہو جاتا ہے!"

'صدق' کے مسلک کی صدفی صد ترجمانی ہے۔ مولانا اصلاحی کی تقریر کا یہ ٹکڑا بھی خصوصی اہمیّت کا حامل ہے:

"اربابِ اقتدار کی ہر بات کو ہدفِ تنقید بنا لینا، یہاں تک کہ اُن کے خیر کو بھی شر قرار دے لینا، اور اُس کی مخالفت میں اِس حد تک بڑھ جانا کہ دوسروں کی بُرائیاں بھی اُن کے کھاتے میں ڈال دینا نہ عقل و منطق کی رُو سے جائز ہے اور نہ اسلام کی رُو سے۔ یہ اقتدار کی ہوس میں اندھے ہو جانے کی علامت ہے؟"

اور پاکستان کی (ہندوستان کی نہیں) جماعتِ اسلامی کو شدید ترین نقصان شاید اسی چیز نے پہنچایا ہے۔ اللہ ہم کو پچھلی غلطیوں سے سبق لینے کی توفیق دے اور راہِ اصلاح و ہدایت پر مستقیم رکھے۔"

خدمتِ دین کی گنجائشیں

"پاکستان کے دینی ماہنامہ 'میثاق' لاہور سے نئی دینی و اجتماعی تنظیم کے سلسلے میں:

"آخر میں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ پیشِ نظر تنظیم ہرگز "الجماعت" کے حکم میں داخل نہ ہوگی۔ "الجماعت" کا مقام ہماری دانست میں اُمّتِ مسلمہ کو بحیثیت مجموعی حاصل ہے دین کی خدمت ایک نہایت وسیع و عریض کام ہے اور اس کے گوشے بے شمار ہیں ہم ان تمام جماعتوں اور اداروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو کسی بھی گوشے میں دین کی خدمت کا کام کر رہی ہیں اور ان شاء اللہ ان کے ساتھ ہمارا رویّہ تعاون و تائید ہی کا ہوگا!"

بات اصلاً بہت موٹی اور بالکل صاف و واضح ہے، لیکن اس زمانے میں بہت بڑی بات ہے۔ دین و اُمّت کی خدمت کے اتنے پہلو ہیں اور خدمت کے لیے گنجائش اتنی ہے کہ اگر نفسانیّت کو چھوڑ کر تھوڑے سے بھی عزم و حوصلہ کے ساتھ خدمت کا ارادہ ہو تو خلوص اور فہمِ سلیم سے کام لینے والا ہر فردِ اُمّت اس کے اندر کھپ سکتا ہے اور باہمی مناقشہ سے جواب تک بڑا سنگِ راہ بنا ہوا ہے، نجات پاکر ہر گروہ اپنے مذاق و استعداد کے لحاظ سے سچّا خادمِ دین بن سکتا ہے!" (میثاق۔ لاہور، جنوری ۶۸ء بحوالہ "صدقِ جدید" ۷ / نومبر ۶۷ء)

۲۔ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم

فرنگی ساخت کی جماعت سازی اور اُس کی فتنہ سامانی!

"تازہ 'میثاق' میں زیادہ تر پُرانی جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے حضرات جو ایک نئی جماعت بنا رہے ہیں اور جس کا ہمارے حضرت صاحبِ 'صدق' نے بھی خیر مقدم کیا ہے، اس کی تفصیلات معلوم ہوئیں۔ آپ کی تقریر کی جس بات کی صاحبِ صدق نے داد دی ہے، میں بھی اُسے ہی سب سے زیادہ قابلِ داد اور آبِ زر کیا، آبِ جواہر سے لکھنے کے قابل پاتا

ہوں۔ میں تو فرنگی ساخت کی جماعت سازیوں کے عین خمیر ہی میں اس فساد کو داخل جانتا ہوں اور علی الاعلان کہا کرتا ہوں کہ یہ افتراق سازی کی بنیاد ہوتی ہے۔ انبیاء کا طریق یہ ہے کہ صاحب دعوت و عزیمت اپنی دعوت لے کر کھڑا ہوتا ہے اور بلا کسی مصنوعی جماعت سازی کے جو لوگ برضا و رغبت اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، بس وہی "حزب اللہ" بن جاتے ہیں اور قواعد و ضوابط اور کثرتِ رائے وغیرہ کی بحث کے بغیر جب تک وہ داعی کے ساتھ چلتے رہتے ہیں تبھی تک خیریت رہتی ہے۔ باقی جہاں اقلیت و اکثریت وغیرہ کی رائے شماری لوا صدر و سیکرٹری اور چندہ بازی وغیرہ کے جدید فرنگی طریقے داخل ہوتے، بس پھوٹ یقینی ہے کہ ایسی صورت میں جیسا آپ نے بالکل صحیح لکھا ہے (بالکل نفسیاتی طور پر) جماعت مقصود بن جاتی ہے اور اصل مقصود غائب ہوتے ہوتے بمنزلہ صفر ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب تک غیر معمولی اخلاص و للّٰہیّت کم و بیش تمام افرادِ جماعت میں نہ ہوں، جماعتی عصبیّت رقابت اس جماعت سازی کا لازمہ ہے۔ مجھے تو ہمیشہ الٰہ آباد کے عارف اکبر کا یہ عارفانہ شعر برابر یاد آتا رہتا ہے، جس کے ذریعے اِس طرز کی جماعت سازیوں کے آغاز ہی میں انہوں نے آگا فرما دیا تھا:ـ

کریما بہ بخشائے بر حالِ بندہ　　　کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ!

اور یہ سراپا ناکارہ ۔۔۔ اور ۔ ۔ ۔ کے حضرات سے یہی عرض کرتا رہتا ہے کہ اپنی جماعتوں کو توڑ دیں کہ ان میں سے انجام کسی ایک کا بھی بخیر نہیں ہوا ۔ ۔ ۔ میں جب آخر تک کوئی صدارت سے کنارہ کش ہونے سے راضی نہ ہوا تو بالآخر صدارت کو دو صدروں میں تقسیم کرنا پڑا!" (مولانا اصلاحی کے نام ایک خط سے ماخوذ)

حصّہ دوم

عقائد

یا بنیادی دینی تصوّرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیم اسلامی کے بنیادی دینی تصورات ——— یعنی عقائد ——— اہلِ سنّت والجماعت کے مطابق ہیں، جن کی رُو سے: ہر عاقل و بالغ مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پر لازم ہے کہ وہ:

ا: پورے شعور و ادراک کے ساتھ اقرار کرے کہ:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ یعنی میں یقین رکھتا ہوں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء و صفات سے ظاہر ہے اور قبول کرتا ہوں اس کے جملہ احکام، اقرار کرتا ہوں زبان سے اور تصدیق کرتا ہوں دل سے! ——— اور

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

یعنی میں یقین رکھتا ہوں اللہ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور یومِ آخر پر، اور تقدیر پر کہ اس کی بھلائی اور بُرائی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر۔

تشریح: اسلام کی اساس ایمان پر قائم ہے اور ایمان کی تعبیر کے لیے ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل کے مندرجہ بالا الفاظ جو سلف سے منقول ہیں، حد درجہ موزوں بھی ہیں اور نہایت جامع و مانع بھی۔ اس لیے کہ ان میں ایمانیات کی تفصیل کے علاوہ دو اہم اور بنیادی نکتے بھی واضح ہو جاتے ہیں: ایک یہ کہ ایمان زبانی اقرار (جو اُس قانونی ایمان یعنی اسلام کا رکنِ اوّلین ہے جس پر تمام دنیوی معاملات کا دارو مدار ہے اور جس پر اسلامی ہیئتِ اجتماعی کی بنیاد قائم ہوتی ہے) اور تصدیقِ قلبی (جس پر اس حقیقی ایمان کا دارو مدار ہے جس کی بنا پر آخرت میں کوئی شخص مومن قرار پائے گا) دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ علمی و نظری اور اصولی اعتبار سے ایمان حقیقتاً ایمان باللہ ہی کا نام ہے۔ بقیہ تمام ایمانیات اسی اصل کی فروع اور اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ چنانچہ ایمان بالآخرت بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حکمت و عدل ہی کا مظہر ہے اور ایمان بالرسالت بھی اس کی صفاتِ ربوبیت و ہدایت

ہی کی توسیع۔

اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ــــ وہ 'الاحد'
ہے یعنی ہر اعتبار سے تنہا اور اکیلا، چنانچہ نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں، نہ حقوق
میں نہ اختیارات میں، نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے نہ ہم کفو، نہ ہم سر ہے نہ ہم پلّہ، نہ ضد ہے نہ ندّ، نہ مثل
ہے نہ مثال ــــ وہ 'الصَّمَد' ہے یعنی وہ پورے سلسلۂ کون ومکان کا مبدع بھی ہے اور موجد
بھی، خالق بھی ہے اور باری بھی، صانع بھی ہے اور مصور بھی، اور اسی کی توجہ وعنایت اسے تھامے
ہوئے بھی ہے اور قائم کیے ہوئے بھی۔

وہ پاک اور منزہ ومُبرّا ہے ہر عیب، ہر نقص، ہر کمی، ہر ضعف، ہر احتیاج، ہر غلطی اور ہر
کوتاہی سے، گویا وہ 'سُبُّوح' بھی ہے اور 'القدوس' بھی ــــ اور جامع ہے تمام
محاسن وکمالات کا، اور ہر خیر اور خوبی کا بدرجہ تمام وکمال، گویا وہ 'الغنی' بھی ہے اور 'الحمید'
بھی، کسی کو کوئی قوت وطاقت حاصل نہیں بجز اس کے اذن واجازت کے، گویا وہی 'العلی' بھی
ہے اور 'العظیم' بھی اور 'المتعال' بھی ہے اور 'الکبیر' 'المتکبر' بھی ــــ سُبْحَانَ اللّٰہِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اس کی ذات وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور اس کی ماہیت اور کنہ کو کوئی نہیں جان سکتا
اور اس کی معرفت کی واحد راہ اس کے اسماء وصفات کے واسطے ہی سے ہے چنانچہ تمام اچھے
نام اسی کے ہیں اگرچہ متعین طور پر اس کے اسماءِ حسنیٰ وہی ہیں جو قرآن اور حدیث نبویؐ میں وارد
ہوئے ــــ اسی طرح وہ تمام صفاتِ کمال سے بتمام وکمال متّصف ہے جن میں سے اہم ترین
آٹھ ہیں یعنی حیات[1]، علم[2]، قدرت[3]، ارادہ[4]، سمع[5]، بصر[6]، کلام[7] اور تکوین[8]، چنانچہ وہی 'الحیّ' بھی ہے
اور 'القیوم' بھی اور 'السمیع' بھی ہے اور 'البصیر' بھی، "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" بھی ہے
اور "بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" بھی، "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" بھی ہے اور "اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ
یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" کی شان کا حامل بھی ــــ مزید برآں اس کی جملہ صفات اس کی ذات
ہی کے مانند مطلق ولامتناہی ہیں نہ کہ محدود ومقید، اور قدیم ہیں نہ کہ حادث، اور ذاتی ہیں نہ کہ کسی
اور کی عطا کردہ۔

فرشتے وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالٰے نے نُور سے تخلیق فرمایا۔ وہ صاحبِ تشخص وجود کے حامل ہیں نہ کہ مجرّد قوائے طبعیہ، ان کا نہ مذکر ہونا معلوم ہے نہ مؤنث، وہ خدا سے قرب ضرور رکھتے لیکن الوہیت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں، وہ اللہ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں ں کا حکم انہیں بارگاہِ خداوندی سے ملے، وہ اللہ کے احکام کی تنفیذ بھی کرتے ہیں اور خالق و مخلوق کے مابین پیغام رسانی بھی، چنانچہ وہی انبیاء و رُسل تک وحی لاتے رہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے لیکن چار بہت مشہور بھی ہیں اور جلیل القدر بھی یعنی حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام۔

اللہ کی کتابوں میں سے بھی چار ہی معلوم و معروف ہیں یعنی توراۃ جو حضرت موسٰیؑ کو عطا ہوئی ور زبور جو حضرت داؤدؑ کو عطا ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسٰیؑ کو عطا ہوئی اور قرآن جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا، یہ اللہ کی آخری کتاب اور نوعِ انسانی کے نام اللہ کا آخری اور مکمل پیغام ہے، جس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی اور جو من و عَن محفوظ موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا، جبکہ باقی تینوں کتابیں ردّ و بدل اور تغییر و تحریف کا ہدف بن چکی ہیں، گویا اب قرآن ہی اُن کا 'مُصَدِّق' بھی ہے اور 'مُهَيمِن' بھی ـــــ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پیغمبروں کو صحیفے عطا ہوئے جن میں سے کچھ اب دنیا میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، باقی محرّف اور مبدّل ہیں۔

اللہ کے رسُول نوعِ انسانی کے وہ برگزیدہ افراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے وقتاً فوقتاً چنا اور پسند فرمایا۔ وہ انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے اور سب گناہ سے پاک یعنی معصوم تھے، ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، قرآن مجید میں جن کے نام مذکور ہیں ان کے سوائے کسی اور کو یقین کے ساتھ نبی یا رسول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان میں سے پانچ حد درجہ اولوالعزم اور نہایت عالی مرتبہ ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسٰی علیہ السلام، حضرت عیسٰی علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ ان میں سے بعض کو بعض پر بعض پہلوؤں سے جزوی فضیلت حاصل ہے لیکن جملہ انبیاء و رُسل پر فضیلتِ کُلّی سیّدِ وُلدِ آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، جو خاتم النبیین بھی ہیں اور آخر الرسل بھی۔ اور جن کے بعد وحیِ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کُلّی طور پر بند ہو چکا ہے۔

انبیاء و رسل کی تائید و تقویت کے لیے اللہ تعالےٰ عام مادی ضوابط کو عارضی طور پر معطل کر کے گویا عادی قانون کو توڑ کر اپنی آیات ظاہر کرتا اور معجزات دکھاتا رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے شمار حسّی معجزے عطا ہوئے لیکن آپ کا اہم ترین اور عظیم ترین معجزہ معنوی ہے یعنی قرآن حکیم۔

یوم آخر وہ دن ہے جس میں تمام انسان دوبارہ زندہ ہو کر عدالتِ خداوندی میں محاسبہ اور جزا و سزا کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے جس کے نتیجے میں یا جنّت میں داخلہ ہوگا یا جہنم میں ۔۔۔ اس دن اقتدارِ مطلق اور اختیارِ کلّی صرف اللہ واحد و قہار کے ہاتھ میں ہوگا۔ نہ کسی کی جانب سے کوئی مدد مل سکے گی، نہ کوئی کچھ دے دلا کر چھوٹ سکے گا، نہ کوئی سفارش ہی خدا کی سے بچا سکے گی۔ انبیاء و رُسل، صلحاء و اتقیاء، ملائکہ و ارواح اور سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتبِ عالیہ کے اظہار و اعلان اور ان کے اعزاز و اکرام کے لیے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور گناہ گار اہلِ ایمان کے حق میں ان کی شفاعت قبول بھی ہو گی لیکن نہ وہ خدا کی مرضی اور منشا کے خلاف کچھ کہیں گے اور نہ ہی خدا کی صفتِ عدل باطل ہو گی۔

تقدیر کے خیر و شر کا مِن جانبِ اللہ ہونا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور مخلوقات میں سے کسی کے بس میں نہیں کہ بغیر اس کی اجازت محض اپنے ارادے سے کچھ کر سکے لہٰذا یہاں جو ظہور پذیر ہوتا ہے، خواہ وہ کسی کو بھلا لگے یا بُرا، اللہ کے اذن ہی سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو عاجز و لاچار ہونا لازم آتا ہے۔ مزید برآں، وہ "عَالِمُ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ" بھی ہے۔ چنانچہ اس پورے سلسلۂ کون و مکان میں جو کچھ ماضی میں ہوا، یا حال میں ہو رہا ہے یا مستقبل میں ہو گا سب اس کے علمِ قدیم میں پہلے سے موجود ہے، اگرچہ اس کا یہ علم جبرِ محض کو مستلزم نہیں ۔۔۔ گویا "ایمان بالقدر" دراصل اللہ تعالیٰ کی دو صفات یعنی قدرتؔ اور علمؔ کے مضمرات اور مقدرات کو ماننے کا نام ہے!

بعث بعد الموت سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا نفخۂ اُولیٰ ہو گا جس کے نتیجے میں کائنات کا پورا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا اور سب پر ایک عمومی موت طاری ہو جائے گی پھر جب اللہ کا اذن ہو گا نفخۂ ثانیہ ہو گا اور سب جی اٹھیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام سے

تاقیامِ قیامت پیدا ہونے والے آخری انسان تک سب میدانِ حشر میں جمع کیے جائیں گے!

ب: کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے جملہ مضمرات و مقدرات کے فہم و شعور کے ساتھ گواہی دے کہ:

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

تشریح: اس شہادت کے جزوِ اوّل کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کا خالق، پروردگار، مالک اور تکوینی و تشریعی حاکم صرف اللہ ہے، ان میں سے کسی حیثیت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ گویا "اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" اور "لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ"۔

اس حقیقت کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ:

۱۔ انسان اللہ کے سوا کسی کو ولی و کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا، فریادرس اور حامی و ناصر نہ سمجھے، کیونکہ کسی دوسرے کے پاس کوئی اقتدار ہے ہی نہیں۔

۲۔ اللہ کے سوا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے والا نہ سمجھے، کسی سے تقویٰ اور خوف نہ کرے، کسی پر توکل نہ کرے، کسی سے اُمیدیں وابستہ نہ کرے، کیونکہ تمام اختیارات کا مالک تنہا وہی ہے۔

۳۔ اللہ کے سوا کسی سے دُعا نہ مانگے، کسی کی پناہ نہ ڈھونڈے، کسی کو مدد کے لیے نہ پکارے۔ کسی کو خدائی انتظامات میں ایسا دخیل اور زور آور بھی نہ سمجھے کہ اس کی سفارش قضائے الٰہی کو ٹال سکتی ہو، کیونکہ خدا کی سلطنت میں سب بے اختیار رعیت ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء۔

۴۔ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائے، کسی کی پرستش نہ کرے، کسی کو نذر نہ دے اور کسی کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے جو مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کرتے رہے ہیں، کیونکہ تنہا ایک اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

۵۔ اللہ کے سوا کسی کو بادشاہ، مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہ کرے، کسی کو باختیارِ خود حکم دینے اور منع کرنے کا مجاز نہ سمجھے، کسی کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز نہ مانے اور اُن تمام اطاعتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے جو ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت اور اُس کے قانون کی پابندی میں نہ ہوں، کیونکہ اپنے ملک کا ایک ہی جائز مالک اور اپنی خلق کا ایک ہی جائز حاکم اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو ملکیت اور حاکمیت کا حق نہیں پہنچتا نیز اس عقیدے کو قبول کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ:

۶۔ انسان اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جائے، اپنی خواہشِ نفس کی بندگی چھوڑ دے اور اللہ کا بندہ بن کر رہے جس کو اس نے الٰہ تسلیم کیا ہے۔

۷۔ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک مختار نہ سمجھے، بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان، اپنے اعضاء اور اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو بھی اللہ کی ملک اور اس کی طرف سے امانت سمجھے۔

۸۔ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ سمجھے اور اپنی قوتوں کے استعمال اور اپنے برتاؤ اور تصرفات میں ہمیشہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھے کہ اُسے قیامت کے روز اللہ کو ان سب چیزوں کا حساب دینا ہے۔

۹۔ اپنی پسند کا معیار اللہ کی پسند کو اور اپنی ناپسندیدگی کا معیار اللہ کی ناپسندیدگی کو بنائے۔

۱۰۔ اللہ کی رضا اور اس کے قرب کو اپنی تمام سعی و جہد کا مقصود اور اپنی پوری زندگی کا محور ٹھہرائے گویا اللہ تعالیٰ ہی اس کا محبوب حقیقی اور مطلوب و مقصودِ اصلی بن جائے۔

۱۱۔ اپنے لیے اخلاق میں، برتاؤ میں، معاشرت اور تمدن میں، معیشت اور سیاست میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ کی ہدایت کو ہدایت تسلیم کرے اور ہر اُس طریقے اور ضابطے کو رد کر دے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہو۔

اس شہادت کے جزوِ ثانی سے واضح ہوتا ہے کہ سیّدِ وُلدِ آدم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے یہ کہ آپؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ پہلی حیثیت کے اعتبار سے آپ عبدیت کاملہ کے مقام پر فائز ہیں اور آپؐ کی اس حیثیت کے علم اور اعتراف سے شرک کی ان جملہ اقسام کا کامل سدباب ہو جاتا ہے جن میں سابقہ امتیں اپنے

اپنے انبیاء و رسل کے فرطِ احترام، شدتِ عقیدت اور غلوِ محبت کے باعث ٹوٹ ہو گئیں اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے آپؐ کے فرقِ مبارک پر ختمِ نبوت اور ختمِ رسالت کا تاج بھی ہے اور آپ کے دستِ مبارک میں شہنشاہِ ارض و سماء کی جانب سے اِتمامِ نعمتِ شریعت اور تکمیلِ دینِ حق کا فرمانِ شاہی بھی۔ گویا سلطانِ کائنات کی طرف سے رُوئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو جس آخری نبیؐ کے ذریعے سے مستند ہدایت نامہ اور ضابطۂ قانون بھیجا گیا اور جس کو اس ضابطہ کے مطابق کام کر کے ایک مکمل نمونہ قائم کر دینے پر مامور کیا گیا، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس امرِ واقعی کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ انسان کو جملہ مخلوقات میں شدید ترین محبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہو اور آپؐ کی اطاعت اور اتّباع ہی زندگی کا اصل طریق بن جائے گویا:

۱۔ انسان ہر اُس تعلیم اور ہر اُس ہدایت کو بے چون و چرا قبول کرے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

۲۔ اس کو کسی حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے کے لیے اور کسی طریقہ کی پیروی سے روک دینے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہو کہ اس چیز کا حکم یا اس چیز کی ممانعت رسُولِ خدا سے ثابت ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری دلیل پر اس کی اطاعت موقوف نہ ہو۔

۳۔ رسُولِ خدا کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی و رہنمائی تسلیم نہ کرے۔ دوسرے انسانوں کی پیروی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے تحت ہو، نہ کہ ان سے آزاد۔

۴۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں خدا کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سُنّت کو حجّت اور سند اور مرجع قرار دے، جو خیال یا عقیدہ یا طریقہ کتاب و سُنّت کے مطابق ہو اسے اختیار کرے، جو اس کے خلاف ہو اسے ترک کر دے، اور جو مسئلہ بھی حل طلب ہو اسے حل کرنے کے لیے اُسی سرچشمۂ ہدایت کی طرف رجوع کرے۔

۵۔ تمام عصبیتیں اپنے دل سے نکال دے خواہ وہ شخصی ہوں یا خاندانی، یا قبائلی و نسلی، یا قومی و وطنی، یا فرقی و گروہی۔ کسی کی محبت یا عقیدت میں ایسا گرفتار نہ ہو کہ رسُولِ خدا کے لائے ہوئے حق کی محبت و عقیدت پر وہ غالب آ جائے یا اس کی مدِمقابل بن جائے۔

۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نہ تو کسی بھی معنی میں نبی یا رسول

سمجھے معصوم اور نہ ہی کسی کا یہ منصب اور مرتبہ سمجھے کہ اس کے ماننے پر انسان کا مومن و مسلم سمجھا جانا منحصر ہو۔

نیز اسی کے متضمنات کی حیثیت سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ:

۷۔ یہ تسلیم کیا جائے کہ آپؐ نے جو نظام قائم فرمایا اور جو خلافتِ راشدہ کے دَوران بتمام و کمال قائم رہا، وہی 'دینِ حق' اور 'نظامِ اسلامی' کی صحیح ترین اور واحد مسلّمہ تعبیر ہے۔ گویا خلافتِ راشدہ فی الواقع "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" تھی اور خلفائے اربعہ یعنی حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی حیدرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ "خلفائے راشدین ومہدیین" ہیں جن کی سُنّت آنحضورؐ کے بعد دین میں حجّت کا درجہ رکھتی ہے۔

۸۔ یہ یقین رکھا جائے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپؐ کی تعلیم اور تزکیہ و تربیت سے براہِ راست فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی من حیث الجماعت پوری اُمّت میں افضلیتِ مطلقہ کے حامل ہیں حتیٰ کہ کوئی غیر صحابی کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ ان کی محبت جزوِ ایمان ہے، ان کی تعظیم و توقیر دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہے اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحقیر و توہین درحقیقت آنحضورؐ سے بغض و عداوت اور آپؐ کی تحقیر و توہین ہے — ان کے مابین جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں لیکن فضیلتِ کلّی متعیّن طور پر اس طرح ہے کہ تمام صحابہؓ میں ایک اضافی درجۂ فضیلت حاصل ہے حضراتِ اصحابِ بیعتِ رضوان کو، پھر ان پر ایک مزید درجۂ فضیلت حاصل ہے حضراتِ اصحابِ بدر کو، پھر ان پر ایک اور درجۂ فضیلت کے حامل ہیں حضرات عشرۂ مُبشّرہ اور ان میں فضیلتِ مطلقہ حاصل ہے حضراتِ خلفاء اربعہ کو جن کی افضلیت علیٰ ترتیب الخلافت ہے یعنی افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ، پھر درجہ ہے حضرت عمر فاروقؓ کا، پھر مقام ہے حضرت عثمان غنیؓ کا اور پھر مرتبہ ہے حضرت علی حیدرؓ کا!

مزید برآں صحابۂ کرامؓ کل کے کل "عدول" ہیں اور ان کے مابین اختلاف و نزاع نفسانیت کی بنا پر نہیں بلکہ خطائے اجتہادی کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ مشاجراتِ صحابہؓ کے باب میں محتاط ترین روش

تو یہ ہے کہ "کفِ لسان" سے کام لیا جائے اور کامل سکوت اختیار کیا جائے تاہم کوئی حقیقی اور واقعی ضرورت ہی لاحق ہو جائے تو ایک کو "مُصیب" یعنی صحیح موقف پر اور دوسرے کو "مُخطی" یعنی راہِ خطائے اجتہادی پر تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کسی کو بھی سبّ وشتم یا الزام واتّہام کا ہدف بنانا جائز نہیں ہے!

ج: ہر قسم کے کفر اور جملہ انواع واقسامِ شرک اور تمام رذائل وذمائمِ اخلاق سے شعوری طور پر اعلانِ براءت کرے، بایں الفاظ کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَتَبَرَّاْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالْكِذْبِ وَالْغِيْبَةِ وَالْبِدْعَةِ وَالنَّمِيْمَةِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُهْتَانِ وَالْمَعَاصِيْ كُلِّهَا۔

یعنی "اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیرے ساتھ کسی کو جانتے بوجھتے شریک کروں اور تجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوں اگر کبھی بے سمجھے بوجھے ایسا ہو جائے اور میں اعلانِ براءت کرتا ہوں ہر نوع کے کفر سے، شرک سے، جھوٹ سے، غیبت سے، بدعت سے، چغلخوری سے، بے حیائی کے کاموں سے، بہتان طرازی سے اور جملہ نافرمانیوں سے۔"

تشریح: ایمان کی طرح کفر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک[1] کفرِ حقیقی یا کفرِ قلبی، اور دوسرے[2] کفرِ قانونی یا کفرِ ظاہری —— کفرِ حقیقی یا کفرِ قلبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری وناشکری اور اس کی ہر معصیت اور ہر نافرمانی پر ہو جاتا ہے لیکن جہاں تک اُس کفرِ قانونی یا کفرِ شرعی کا تعلق ہے جس کی بناء پر کسی کی تکفیر کر کے اس کا رشتہ ملّتِ اسلامی سے منقطع کر دیا جائے تو وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی کے انکار ہی سے لازم آتا ہے، مجرد بے عملی یا نافرمانی حتیٰ کہ کبائر کے ارتکاب سے بھی لازم نہیں آتا۔

اسی طرح شرک کی بھی بے شمار اقسام ہیں مثلاً بعض شرک اعتقادی ہیں اور بعض صرف عملی،

ن جلی ہیں اور بعض خفی، تاہم جملہ انواع و اقسامِ شرک کا ایک احصاء اور احاطہ اس طرح ممکن ہے
ایک شرک فی الذّات ہے یعنی یہ کہ کسی کو کسی اعتبار سے خدا کا ہم جنس، یا ہم کفو بنا دیا جائے
ں کا کامل ردّ ہے سورۃ اخلاص میں۔ دوسرے شرک فی الصّفات ہے یعنی کسی کو کسی صفت
کے اعتبار سے خدا کا مثل یا مثیل بنا دیا جائے جس کا نہایت مکمل سدِّباب ہے آیت الکرسی
ں، اور تیسرے شرک فی الحقوق ہے جس کی جامع ترین تعبیر شرک فی العبادت ہے جس کا ایک
پلو یہ بھی ہے کہ کوئی خدا سے بڑھ کر یا اُس جتنا محبوب و مطلوب ہو جائے اور یہ بھی کہ کسی کو علی
اطلاق مطاع مان لیا جائے یعنی اس کی اطاعت خدا کی اطاعت سے آزاد تسلیم کر لی جائے،
ر یہ بھی کہ عام مادّی قانون اور ظاہری قواعد و ضوابط کے دائرے سے باہر کسی سے استعانت
ر استمداد و استغاثہ کیا جائے یا اس سے دُعا کی جائے اور اسے پکارا جائے (عام مادّی قوانین
کے تحت بھی اگر کسی کے بارے میں یہ خیال ہو کہ محض اپنی قوت اور ارادے سے کسی کو نفع یا ضرر
پہنچا سکتا ہے تو یہ شرک فی الصّفات کی ایک قسم یعنی شرک فی القدرت اور شرک فی التصرّف ہوگا)
مزید برآں شرک کی اسی نوع کے ذیل میں آتے ہیں ریا اور سمعہ بھی اور کسی کے لیے کسی بھی نیت سے
ن مراسمِ عبودیت کو بجا لانا بھی جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں جیسے سجدہ اور نذر!

رذائل و ذمائم اخلاق کی مکمل فہرست دینا ممکن نہیں۔ تاہم اگر انسان ان سے اجتناب کرے
داوُپر بیان ہوئے تو دوسروں کا سدِّباب خود بخود ہو جائے گا!

د: سابقہ زندگی کے تمام گناہوں پر نہایت الحاح و زاری سے بارگاہِ خداوندی میں مغفرت کا طلب گار ہو اور آئندہ کے لیے کامل خلوص و اخلاص کے ساتھ توبہ کرے، ان الفاظ کے ساتھ کہ:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ اَذْنَبْتُہٗ عَمَدًا اَوْخَطَأً سِرًّا اَوْ عَلَانِیَۃً وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ اَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ لَآ اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ وَسَتَّارُ الْعُیُوْبِ وَغَفَّارُ الذُّنُوْبِ۔

یعنی میں اللہ سے معافی کا خواستگار ہوں تمام گناہوں پر خواہ میں نے جان

بوجھ کر کیے ہوں یا غیر ارادی طور پر، اور خواہ چھپ چھپا کر کیے ہوں خواہ علانیہ طور پر، اور خواہ وہ میرے علم میں ہوں خواہ میرے علم میں نہ ہوں۔ اے اللہ تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا اور تمام عیبوں کی پردہ پوشی کرنے والا اور تمام گناہوں کی بخشش فرمانے والا ہے !

تشریح: توبہ صرف زبان سے کلماتِ توبہ کے ادا کر دینے یا ان کے ورد یا وظیفہ بنا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ گناہ پر حقیقی ندامت اور واقعی پشیمانی اور معصیت سے کلی اجتناب کے عزمِ مصمم کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں رجوع کرنے اور گناہ و معصیت کو بالفعل ترک کر دینے کا نام ہے یہ تین شرائط ان کوتاہیوں کے ضمن میں کافی ہیں جو حقوق اللہ کے باب میں ہوں حقوق العباد سے تعلق رکھنے والے معاصی کے لیے ایک چوتھی اضافی شرط یہ ہے کہ جس کسی پر زیادتی ہوئی ہو اس کی تلافی کی جائے یا اس سے معافی حاصل کی جائے۔

بنابریں توبہ کی صحت کے لیے لازم ہے کہ جو شخص تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کا خواہاں ہو وہ:

۱۔ مجملاً فرائضِ دینی کی پابندی اختیار کرے اور تمام کبائر سے فی الفور مجتنب ہو جائے۔ بالخصوص ارکانِ اسلام کی پوری پابندی کرے۔ چنانچہ نماز قائم کرے (مردوں کے لیے التزامِ جماعت بھی ضروری ہے) رمضان المبارک کے روزے رکھے، صاحبِ نصاب ہو تو باقاعدہ حساب کے ساتھ پوری زکوٰۃ ادا کرے۔ اور صاحبِ استطاعت ہو اور تا حال حجِ بیت اللہ نہ کیا ہو تو فوراً نیت کرے اور جلد از جلد فریضۂ حج ادا کرے۔

۲۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ اتباع کرے اور ایسی تمام بدعات اور رسومات کو ترک کر دے جن کا ثبوت قرونِ مشہود لہا بالخیر میں نہ ملتا ہو۔

تشریح: ان بدعات و رسومات کا زیادہ زور شادی بیاہ، پیدائش، عقیقہ، ختنہ، سالگرہ، فوتیدگی اور تیوہاروں کے مواقع پر رہتا ہے۔ ان سب میں لازم ہو گا کہ اپنے معاملات کو زیادہ سے زیادہ قرونِ اولیٰ کے مطابق بنایا جائے اور بعد کے اضافوں کو ترک کر دیا جائے۔

۳۔ اپنی معاشرت میں جملہ اسلامی احکام کی پابندی کرے خصوصاً ستر اور حجاب کے شرعی احکام پر عمل پیرا ہو۔

۴۔ اگر کوئی ایسا ذریعۂ معاش رکھتا ہو جو معصیتِ فاحشہ کے ذیل میں آتا ہو جیسے چوری، ڈاکہ، سود، زنا، شراب، رقص و سرود، شہادتِ زور، رشوت، خیانت، جُوا اور سٹہ وغیرہ تو اسے ترک کر دے۔

تشریح: اس بات کا تو بظاہر احوال کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ لوگ تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے خواہاں ہوں جن کی معاش چوری یا ڈاکہ، شراب کی تیاری یا اس کی فروخت وغیرہ، عصمت فروشی یا رقص و سرود ایسے قبیح کاموں سے متعلق ہوں تاہم اگر اللہ تعالیٰ ایسے کسی کاروبار سے متعلق کسی فرد کو اصلاح کی توفیق دے تو یہ بھی اس کی رحمت سے بعید نہیں۔ بہرصورت ان تمام کاموں کی حرمت اور قباحت و شناعت ہمارے معاشرے میں معلوم و معروف ہے —— البتہ بعض حرام چیزیں کچھ اس طرح ہمارے معاشرے میں جاری و ساری ہو گئی ہیں کہ عام لوگ یا تو اُن کی قباحت سے ہی آگاہ نہیں رہے یا انہوں نے کسی مجبوری کے عذر کی بنیاد پر اُن کو اپنے لیے مباح کر لیا ہے۔ ان میں سے مکروہ ترین چیز ہے سُود، جس سے باز نہ آنے پر قرآن حکیم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اعلانِ جنگ کی وعید سناتا ہے اور دوسرے نمبر پر ہے رشوت اور سرکاری حیثیت اور اختیار کا ناجائز استعمال اور ان پر مستزاد ہیں بیع و شرا کی بعض ناجائز صورتیں اور سرکاری محاصل (انکم ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ) سے بچنے کے لیے اخفاء و کذب بیانی۔

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ اس وقت جو خدا ناشناس اور عاقبت ناآشنا نظام پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور پورا انسانی معاشرہ بحیثیتِ مجموعی جس فسادِ اخلاقی میں مبتلا ہے اس کے پیشِ نظر ان تمام چیزوں سے کامل اجتناب نہایت مشکل اور صبر آزما کام ہے لیکن تنظیمِ اسلامی جن مقاصد کے لیے قائم کی جا رہی ہے اس کے پیشِ نظر لازم ہے کہ اس سے عملی وابستگی کے لیے وہی لوگ آگے بڑھیں جو رخصتوں اور حیلوں پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت اور صبر و توکل کو اپنا شعار بنائیں اور ہر اس ذریعۂ معاش کو ترک کرنے کی کوشش کریں جس میں حرام کی آمیزش ہو۔ اس معاملے میں سردست حسب ذیل تصریحات پر اکتفا کی جاتی ہے:

(ا) سُود لینا اور دینا قطعاً حرام ہیں لہٰذا بنکوں یا دیگر اداروں سے نہ کبھی کوئی رقم کسی بھی غرض کے لیے سُود پر قرض لینا جائز ہے نہ سیونگ اکاؤنٹ یا فکسڈ ڈیپازٹ یا فقد رقم پر معینہ منافع کی کسی بھی دوسری صورت میں سرمایہ لگانا درست ہے۔ چنانچہ بنکوں سے صرف عام سرد سنر جیسے ترسیل،

زر یا لاکر زسے انتفاع یا زیادہ سے زیادہ کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے کی سہولت حاصل کی جا سکتی ہے
(ii) کسی ایسے کاروباری ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے جس میں سُود کو غالب عنصر کی حیثیت حاصل ہو جیسے بنک اور انشورنس کمپنیاں۔

(iii) رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ البتہ کسی ایسی صورت میں کہ کسی ظالم اہل کار یا صاحب اختیار کو اپنا جائز حق وصول کرنے کے لیے کچھ مجبوراً دینا پڑے تو اس کا شمار استحصال بالجبر میں ہوگا رشوت میں نہیں۔ البتہ یہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ نہ کوئی ناجائز انتفاع مطلوب ہو، نہ کسی سرکاری قانون اور پابندی سے بچنا مقصود ہو اور نہ ہی کسی اور کے جائز حقوق پر زد پڑتی ہو۔

(iv) سرکاری محاصل کے ضمن میں جتنی رعائتیں مروجہ قانون کے اندر اندر ممکن ہوں ان سے بڑھ کر کسی ایسی صورت کو اختیار کرنا درست نہیں ہے جس میں کذب، فریب اور شہادت زُور شامل ہوں۔

(v) کاروبار کی مختلف صورتوں میں سے بھی جن جن میں بیع فاسد یا جوئے یا سٹے یا احتکار وغیرہ کا عنصر شامل ہو اس سے بچنا لازم ہے۔

(vi) اگر اس کے قبضے میں ایسا مال یا جائداد ہو جو حرام طریقے سے آیا ہو یا جس میں حق داروں کے تلف کردہ حقوق شامل ہوں تو اس سے دستبردار ہو جائے اور اہل حقوق کو ان کے حق پہنچا دے۔ البتہ یہ عمل صرف اس صورت میں کرنا لازم ہے جب کہ حق دار بھی معلوم ہوں اور وہ مال بھی معلوم و متعین ہو جس میں ان کا حق تلف ہوا ہے۔ بصورتِ دیگر توبہ اور آئندہ کے لیے طرزِ عمل کی اصلاح کافی ہوگی۔

ھ: گہرے احساس ذمّہ داری کے ساتھ اعلان کرے کہ وہ ہر طرف سے یکسُو ہو کر صرف اللہ کا ہو کر رہے گا، رضائے الٰہی ہی اس کا اصل مقصود و مطلوب ہوگی اور نجات و فلاحِ اُخروی کا حصُول ہی اس کا اصل نصبُ العین ہو گا ——— اور جس طرح اس کی نماز اور قربانی صرف اللہ کے لیے ہوگی اسی طرح اس کے جسم و جان، مال و منال حتیٰ کہ زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لیے ہوں گے۔ یعنی

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا

أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ہ ــــ اور ــــ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ج وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ہ

تشریح: ہر ذی شعور مسلمان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی پوری زندگی اس کی کامل اطاعت میں دیدے (جو لازماً اطاعتِ رسولؐ ہی کے واسطے سے ہوگی!)، اسی رویئے کا نام عبادتِ رَب ہے جو ہر انسان سے اللہ کا پہلا مطالبہ ہے اور جس کی طرف نوعِ انسانی کو دعوت دینے کے لیے تمام انبیا و رسل مبعوث ہوتے اور جوازروئے قرآن جنوں اور انسانوں کا عین مقصدِ تخلیق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ اپنی صحت و قوت، فرصت و فراغت، صلاحیت و استعداد، مال و دولت، اور وسائل و ذرائع کا زیادہ سے زیادہ حصّہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل، دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین، نصرتِ خدا و رسولؐ اور حمایت و اقامتِ دین، اور شہادتِ حق علی الناس، اور اظہارِ دینِ حق علی الدین کلّہ کے لیے وقف کر دے اور اس کے لیے محنت و مشقت، انفاق و ایثار، ترک و اختیار، ابتلا و آزمائش، صبر و مصابرت، استقامت و مقاومت ــــ الغرض ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے جملہ مراحل کے لیے مقدور بھر ہمّت و عزیمت کی راہ اختیار کرے۔ یہ تمام فرائض ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت و استعداد اور مطابقِ وسعت و قوت عاید ہوتے ہیں اور ان کی انجام دہی میں ہی بندے کی وفاداری کا اصل امتحان ہے!

و: خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوتے اور "إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" کے پیشِ نظر پورے احساسِ مسئولیت کے ساتھ عہد کرے کہ اپنے فرائضِ دینی کی انجام دہی کے لیے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کہ "أَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ" کے مطابق تنظیمِ اسلامی کے نظم کی پوری پابندی کرے گا۔

تشریح: یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ تنظیمِ اسلامی نہ عام معنی میں دنیوی یا سیاسی جماعت

ہے نہ محدود مفہوم میں مذہبی تنظیم بلکہ یہ ایک ہمہ گیر دینی جماعت ہے لہٰذا اگرچہ یہ خیال کرنا تو غلطی ہی نہیں
ظیم گمراہی ہوگی کہ یہ اُس "الجماعت" کے حکم میں ہے جس میں شمولیت اسلام میں داخلے اور جس سے علیحدگی
فر کے مترادف ہے اور جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مَنْ شَذَّ
شُذَّ فِي النَّارِ" یعنی جو اس سے علیحدہ ہوگا وہ علیحدہ ہی جہنم میں جھونک دیا جائے گا ــــــ تاہم
س کے نظم کو عام معاشرتی و ثقافتی انجمنوں یا طبقاتی و پیشہ ورانہ تنظیموں یا سیاسی و قومی جماعتوں کے قواعد و
ضوابط کی پابندی پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی "اطاعت فی المعروف" ــــــ "سمع وطاعت"
کے خالص اسلامی اور ٹھیٹھ دینی اصول کے مطابق تمام شرکائے تنظیم پر واجب ہے۔

وَعَنْ
عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ
قَالَ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ
فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ
وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ
وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا
وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ
مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ،
وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللهِ
لَوْمَةَ لَائِمٍ (بخاری و مسلم)

فرائضِ دینی
کا
جامع تصوّر

جو

مارچ ۱۹۸۵ء میں مسلسل چھ روز

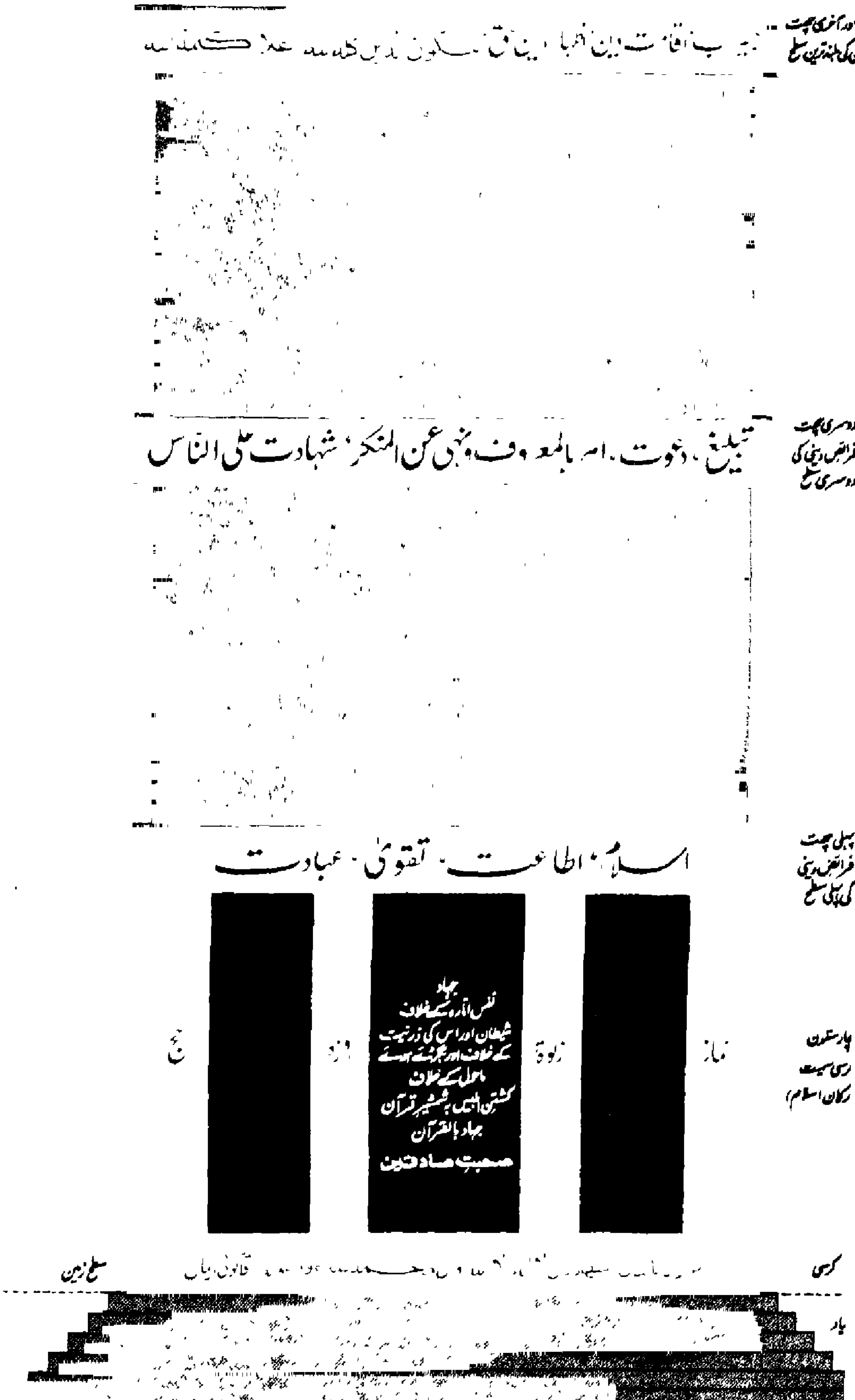
مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے سالانہ محاضراتِ قرآنی میں زیرِ بحث رہا

(بعض لفظی ترامیم کے ساتھ)

ڈاکٹر اسرار احمد

فرائضِ دینی کا جامع تصوّر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرائضِ دینی کا جامع تصوّر

● تمہید: علم اور عمل

انسانی شخصیت کے دو رُخ ہیں، ایک علم دوسرے عمل ــــ اسلام میں علمِ صحیح کا مظہرِ اتم 'ایمان' ہے جبکہ عملِ صحیح کی اساس 'تصورِ فرائض' پر قائم ہے۔ 'ایمان' انسان کو علمِ حقیقت ہی عطا نہیں فرماتا، صحیح محرکِ عمل بھی دیتا ہے، اس اعتبار سے اوّلین اہمیت اسی کی ہے، چنانچہ ایمان کی ماہیت، اس کی تفاصیل، اس کے درجات، اس کے حصول کے ذرائع اور اس کے لوازم و ثمرات اہم ترین موضوعات ہیں لیکن موجودہ محاضرات میں اصل بحث ان پر نہیں بلکہ 'تصورِ فرائضِ دینی' پر ہے!

● تین اساسی فرائض

ایک مسلمان کے 'اساسی دینی فرائض' تین ہیں:

(ا) ــــ ایک یہ کہ وہ خود صحیح معنی میں اللہ کا بندہ بنے!

● اس کے لیے چار اساسی اصطلاحات ہیں: اسلام، اطاعتِ خدا و رسولؐ، تقویٰ اور عبادت۔

● یہ کیفیات انسان میں ہمہ تن ہمہ وقت اور بہمہ وجوہ مطلوب ہیں نہ کہ جزوی یا جز وقتی ــــ اِلّا یہ کہ کبھی غفلت کے باعث یا جذبات کی رَو میں بہہ کر یا ماحول کے اثرات سے مغلوب ہو کر کوئی غلط حرکت سرزد ہو جائے، تو اس پر فوری توبہ اللہ کے یہاں لازماً مقبول ہو گی (النساء: ۱۷) ــــ اس کے برعکس اگر جان بوجھ کر کوئی ایک معصیت بھی مستقل طور پر اختیار کر لی گئی اور اس پر اصرار ہوا تو

اس سے نہ صرف تمام نیکیوں کے ضائع چلے جانے یعنی حبطِ اعمال کا اندیشہ ہے بلکہ اس کا بھی خطرہ ہے کہ "المعاصی برید الکفر" کے مطابق ایمان بالکل زائل ہو جائے اور انسان خلود فی النار کا مستحق ہو جائے۔ اِلّا یہ کہ حقیقی اور واقعی 'اضطرار' موجود ہو۔!!

(۲)—— دوسرے یہ کہ دوسروں کو حتّی المقدور اسلام کی تبلیغ کرے اور دین کی دعوت دے!

● اس کے لیے یوں تو بے شمار اصطلاحات ہیں جیسے انذار، تبشیر، تذکیر، وعظ، نصیحت، وصیت، تعلیم، تبیین، تلقین۔ وغیرہا۔

● لیکن اہم تر اصطلاحات چار ہی ہیں: تبلیغ، دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس۔

● یہ خود انسان کی اپنی شرافت و مروّت کا تقاضا بھی ہے اور ابنائے نوع کی ہمدردی و خیر خواہی کا تقاضہ بھی، لیکن سب سے بڑھ کر یہ سید المرسلین محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختمِ نبوت کا منطقی نتیجہ ہے کہ اب تاقیامِ قیامت تمام انسانوں پر اللہ اور اُس کے رسولؐ کی جانب سے اتمامِ حجّت یعنی "شہادت علی النّاس" کی ذمّہ داری بحیثیتِ مجموعی اُمّتِ محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے کندھوں پر ہے!

(۳)—— تیسرے یہ کہ وہ اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کے دینِ حق کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن، من، دھن سے کوشاں ہو۔

● اِس کے لیے قرآن حکیم کی پانچ اساسی اصطلاحات ہیں: تکبیرِ ربّ، اقامتِ دین، اظہارِ دینِ الحق عَلَی الدین کُلِّہٖ، "لِیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" اور "لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"۔

● حدیثِ نبویؐ میں ایک چھٹی اصطلاح وارد ہوئی ہے: "لتکون کلمۃُ اللّٰہِ ھِیَ العُلیَا"—— اور

● تین عام فہم تعبیرات ہیں: قیامِ حکومتِ الٰہیہ، نفاذِ نظامِ اسلامی، اور اسلامی انقلاب!

متذکرہ بالا تین فرائض کی باہمی نسبت اور اُن کا ایمان اور ارکانِ اسلام کے ساتھ ربط و تعلق ایک ایسی سہ منزلہ عمارت کی مثال سے خوب واضح ہو جاتا ہے جس کی—— (i) ایک زیرِ زمین بنیاد ہے جو نظر نہیں آتی لیکن پوری عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کا دارومدار اسی پر ہے۔ (ii) اسی بنیاد کا ایک حصّہ زمین سے باہر ہے جو نظر آتا ہے جسے عرفِ عام میں 'کرسی' اور انگریزی میں Plinth کہتے ہیں۔

(iii) پہلی منزل پر صرف چار ستون ہیں، دیواریں تعمیر نہیں کی گئیں، ظاہر ہے کہ اُوپر کی پوری تعمیر کا وزن ان ہی کے ذریعے بنیاد تک پہنچتا ہے (iv) ان ستونوں پر پہلی چھت قائم ہے (v) دوسری چھت بھی اگرچہ ن ستونوں ہی پر قائم ہے لیکن دیواروں کی تعمیر کے باعث ستون نظر نہیں آتے (vi) اس کے اُوپر تیسری ور آخری چھت ہے اور اُس کا بھی معاملہ یہی ہے ——!

ں مثال میں: (الف) زیرِ زمین بنیاد —— ایمان کا "تصدیق بالقلب" والا حصہ یعنی یقینِ قلبی ہے! —— ب) بنیاد کا نظر آنے والا حصہ —— "اقرار باللسان" —— یعنی کلمۂ شہادت ہے! (ج) چار ستون ار عبادات کی نمائندگی کرتے ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج (د) پہلی چھت اسلام، اطاعت، تقویٰ، ر عبادت کی نمائندگی کرتی ہے (ھ) دوسری چھت —— تبلیغ، دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر رشہادت علی الناس سے عبارت ہے —— اور (و) تیسری اور آخری چھت تکبیرِ رب، اقامتِ دین، اظہارِ ین، اعلاءِ کلمۃ اللہ یا قیامِ حکومتِ الٰہیہ کی مظہر ہے ——! واللہ اعلم!!

● تین لوازم

ان تین اساسی فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تین لوازم لابدّ منہ ہیں:

) دوامِ جہاد فی سبیل اللہ جس کا ظہور:

- فریضۂ اوّل کے ضمن میں (i) نفسِ امّارہ (ii) شیطانِ لعین اور اس کی ذرّیتِ صلبی و معنوی اور (iii) بگڑے ہوئے معاشرے کے غلط رجحانات اور دباؤ —— کے خلاف جدّوجہد اور زور لگانے کی صورت میں ہوتا ہے اور حدیثِ نبویؐ کی رُو سے یہی 'افضل الجہاد' ہے۔
- فریضۂ ثانی کے ضمن میں دعوت و تبلیغ کے لیے جان و مال کھپانے کی صورت میں ہوتا ہے اور
- فریضۂ ثالث کے ضمن میں سر دھڑ کی بازی لگانے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر باطل کی قوتوں سے بالفعل اور بالید پنجہ آزمائی کی صورت میں ہوتا ہے جس کے لیے تن، من، دھن لگا دینے کا عزم، حتیٰ کہ جان دے دینے کی آرزو کا ہونا لازمی ہے!

گویا جہاد کی پہلی منزل مجاہدہ مع النفس اور آخری منزل قتال فی سبیل اللہ ہے!

واضح رہے کہ اسی کا منفی پہلو 'ہجرت' ہے، چنانچہ اس کی بھی پہلی منزل "اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ" ہے اور آخری یہ کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں وقت آنے پر گھر بار، مال و منال، اہل و عیال کو چھوڑ کر نکل جایا جائے!

جہاد کی پہلی دو منزلوں کے لیے اصل آلہ و ہتھیار قرآن مجید ہے یعنی 'جہاد بالقرآن'، چنانچہ 'مجاہدۂ مع النفس' کا مؤثر ترین ذریعہ ہے قرآن کے ساتھ قیام اللّیل یا تہجّد! اور دعوت و تبلیغ کا پورا عمل بھی قرآن حکیم ہی کی اساس پر اور اسی کے ذریعے ہونا چاہیے!!

تیسری اور آخری منزل پر عہدِ حاضر میں 'جہاد بالید' کی موزوں ترین صورت فواحش و منکرات کے خلاف پُر امن مظاہرے ہیں لیکن اس میں نوبت فقہاء کرام کی طے کردہ شرائط کے تحت 'قتال یعنی جہاد بالسیف' تک بھی آسکتی ہے۔

(۲)___ لزومِ اجتماعیت جس کا تقاضا:

- فریضۂ اوّل کے ضمن میں صرف صحبتِ صالح بمصداق "كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" سے پورا ہو سکتا ہے!
- اسی طرح فریضۂ ثانی کے ضمن میں درسگاہوں، اداروں، انجمنوں اور سوسائٹیوں سے پورا ہو سکتا ہے۔
- لیکن فریضۂ ثالث کے ضمن میں 'سمع و طاعت فی المعروف' کے ٹھیٹھ اسلامی اور عسکری اصول پر مبنی جماعت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا! اور یہی مراد ہے آنحضورؐ کے ان الفاظ مبارکہ سے کہ "اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (احمدؒ و الترمذیؒ عن الحارث الاشعریؓ)

(۳)___ 'بیعت'___ جو:___

- پہلے دو فرائض کے ضمن میں 'بیعتِ سلوک و ارشاد' کی صورت میں کفایت کرتی ہے لیکن:
- فریضۂ ثالث کے ضمن میں 'بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف' کی صورت لازمی و لابدی ہے اسی کی جانب اشارہ ہے مسلمؒ کی روایت (عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) میں جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ وارد ہوئے ہیں کہ "مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً"! اس لیے کہ نارمل حالات میں تو دو ہی صورتیں ممکن

(i) اگر کم سے کم شرائط و معیارات پر اُترنے والا صحیح اسلامی نظامِ حکومت قائم ہے تو اُس کے سربراہ سے بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف ہوگی ـــــ اور (ii) اگر ایسا نہیں ہے تو صحیح اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدّوجہد کرنے والی جماعت کے امیر کے ہاتھ پر بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف ہوگی ـــــ تیسری ممکنہ صورت صرف ایسے عظیم اور شدید فتنے ہی کی ہو سکتی ہے جس میں حدیث نبویؐ میں وارد الفاظ کے مطابق سویا ہوا شخص جاگنے والے سے بہتر ہو، بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو اور کھڑا رہنے والا شخص چلنے والے سے بہتر ہو! ـــــ
اعاذنا اللہ مِن ذٰلك!!

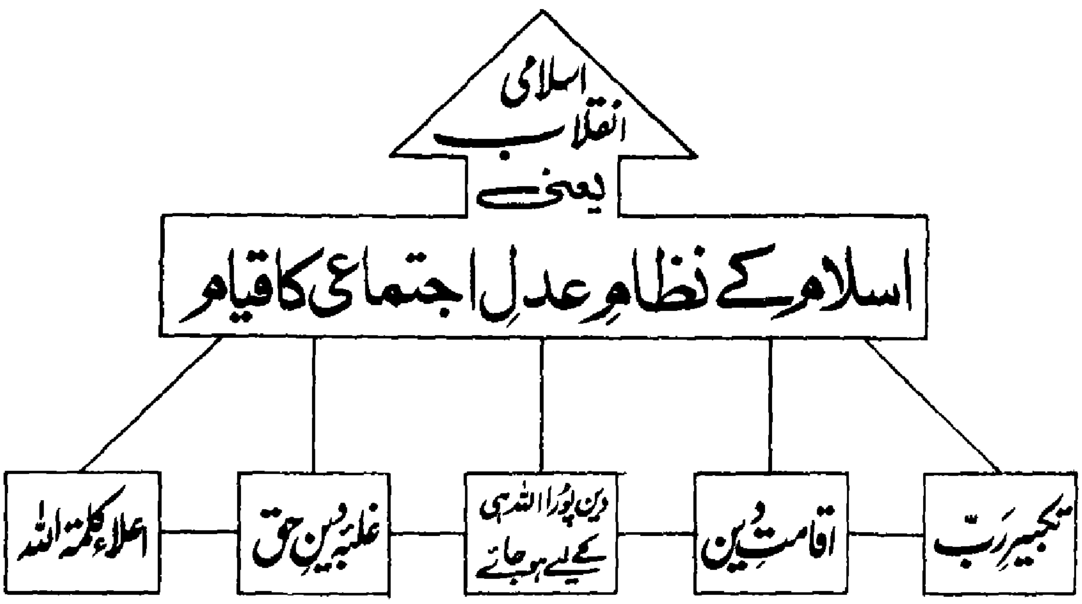
● نتیجۃً

۱) 'انجمن خدام القرآن' کا مقصد ہے 'جہاد بالقرآن' یہی وجہ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں اس کے قیام کے وقت اس کے جو اغراض و مقاصد معیّن ہوئے وہ یہ تھے: (۱) عربی زبان کی تعلیم و ترویج (۲) قرآن مجید کے مطالعہ کی عام ترغیب و تشویق (۳) علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت (۴) ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو 'تعلیم و تعلّمِ قرآن' کو مقصدِ زندگی بنالیں ـــــ اور (۵) ایک ایسی 'قرآن اکیڈمی' کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے، اور

۲) 'تنظیم اسلامی' ہے 'جملہ دینی فرائض' کی انجام دہی بالخصوص اقامتِ دین یا اسلامی انقلاب کے لیے 'بیعتِ ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ و سمع و طاعت فی المعروف' پر مبنی خالص دینی جماعت!!

تنظیمِ اسلامی

کی اجتماعی مساعی کا آخری ہدف



- □ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدّثر: ۳) وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا (بنی اسرائیل: ۱۱۱)
- □ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ: ۱۳)
- □ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال: ۳۹)
- □ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصّف: ۹، التوبہ: ۳۳، الفتح: ۲۸)
- □ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (الحدیث)
- □ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ (الحدید: ۲۵)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۰
شمارہ: ۳
شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
مارچ ۱۹۹۱ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

مشمولات

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

تنظیم اسلامی کا سولہواں سالانہ اجتماع بحمد اللہ حسب پروگرام ۲۲ تا ۲۵ر فروری قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوا۔ بہت سے اعتبارات سے یہ ایک بھرپور اور کامیاب اجتماع تھا بالخصوص نظم و ضبط اور حسنِ انتظام کے اعتبار سے یہ ایک مثالی اجتماع تھا۔

اجتماع کا آغاز طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۲ر فروری کو ساڑھے گیارہ بجے امیرِ تنظیمِ اسلامی کے خطابِ جمعہ سے ہوا۔ دورانِ اجتماع امیر تنظیم کے خطابات عام کے مزید دو پروگرام ہوئے۔ ایک پروگرام ۲۳ر کی شام کو تھا جس میں امیر محترم نے "فرائضِ دینی کا جامع تصور" کے موضوع پر اپنی ایک مختصر لیکن نہایت جامع تحریر کا مطالعہ کرایا اور اس کے مضمرات و مقدرات کو کھول کر بیان کیا۔ ۲۴ کی شام کو دوسرے پروگرام میں امیر تنظیم نے 'منہجِ انقلابِ نبوی' کے موضوع پر اپنا حاصلِ مطالعہ نہایت واضح اور دو ٹوک انداز میں شرکاء کے سامنے رکھا۔ تین گھنٹوں پر محیط اپنے خطاب میں امیر محترم نے موضوع سے متعلق تمام گوشوں کو نہایت جامعیت کے ساتھ سمو کر پیش کیا ——— اس اجتماع کا بڑا حصہ منتخب نصاب نمبر۲ کے قرآنی دروس پر مشتمل تھا۔ اس ضمن میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ تمام دروس تنظیم اسلامی کے قافلے میں شریک نوجوان ساتھیوں نے دیئے اور امیر تنظیم نے ان دروس میں بطور سامع شرکت کی۔

اس سالانہ اجتماع سے متعلق کسی قدر تفصیلی مواد 'ندا' کے تازہ پرچے میں جس پر ۱۵ر مارچ کی تاریخ درج ہے' شامل ہے۔ ارادہ یہ تھا کہ 'میثاق' کے زیر نظر شمارے میں ان تمام رپورٹوں کو شائع کیا جائے گا جو دورانِ اجتماع مختلف علاقوں کے امراء نے پیش کیں۔ ان رپورٹوں کے ذریعے تنظیم اسلامی کی سال بھر کی کارگزاری کا ایک جامع اور متوازن خاکہ سامنے آتا ہے۔ ع "جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں"۔ لیکن اس طرح اندیشہ تھا کہ پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہو جاتی۔ چنانچہ رپورٹوں کی اشاعت کو آئندہ شمارے کے لئے ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تاہم رفقائے تنظیم کے نام امیر تنظیم کے اس پیغام کو سرورق کے اندرونی صفحے پر شائع کیا جا رہا

ہے جو اس سالانہ اجتماع کے موقع پر تنظیم کی جانب سے تقسیم کئے جانے والے ایک پمفلٹ میں شامل تھا۔ اسی طرح امیر تنظیم کے اختتامی خطاب کا آخری حصہ بھی اس شمارے میں شامل ہے جو سورۃ الاعراف کی دو آیات کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل تھا۔ یہ گویا امیر تنظیم کی جانب سے وہ الوداعی تحفہ تھا جو اجتماع کے اختتام پر رفقاء کی نذر کیا گیا۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر　　اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے　　لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

زیر نظر شمارہ سالانہ اجتماع ہی کی مناسبت سے امیر تنظیم اسلامی کے اس تاریخی خطاب پر مشتمل ہے جس میں آج سے سترہ برس قبل امیرِ تنظیم نے تنظیم اسلامی کے قیام کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ ۱۹۷۴ء کے موسم گرما میں لاہور کے وسط میں واقع مسلم ماڈل سکول اردو بازار میں ایک اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ منعقد ہوئی تھی۔ اس تربیت گاہ کا اختتامی خطاب تنظیم اسلامی کے قیام کی تمہید ثابت ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کی باقاعدہ تأسیس دراصل اسی خطاب کی صدائے بازگشت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ خطاب اس سے قبل 'سرافگندیم' نامی کتابچے میں شامل تھا جو آؤٹ آف سٹاک ہونے کے باعث ایک عرصے سے مفقود تھا۔ آئندہ یہ خطاب "سلسلۂ اشاعتِ تنظیم اسلامی نمبر 1" کی حیثیت سے 'عزمِ تنظیم' کے نام سے طبع ہوگا۔ سردست یہ مکمل خطاب نئی کمپیوٹر کتابت کے ساتھ اس شمارے میں شامل ہے۔ تنظیم اسلامی کے مؤسس اور امیر کے شخصی تعارف اور ان کے ذہنی و فکری پسِ منظر کو جاننے اور اس حوالے سے تنظیمِ اسلامی کی فکری اساس کو سمجھنے کے لئے یہ خطاب ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔

میثاق کے پچھلے شمارے میں قرآن کالج کی ایف اے کلاس میں نئے داخلوں کے بارے میں یہ اعلان قارئین کی نظر سے گزرا ہوگا کہ میٹرک کے رزلٹ کا انتظار کئے بغیر رمضان المبارک کے فوراً بعد طلبہ کو داخلہ دے دیا جائے گا' تاکہ طلبہ کو فرسٹ ائر کے بورڈ کے امتحانات کی تیاری کرانے کے لئے قدرے زائد وقت ہمیں مل سکے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ قارئین کو یہ اطلاع دینی ہے کہ اس پروگرام میں بوجوہ ایک بڑی

کی گئی ہے جو سطورِ ذیل میں مذکور ہے۔

پچھلی کسی اشاعت میں یہ بات وضاحت سے عرض کی جا چکی ہے کہ بورڈ کا یہ حالیہ فیصلہ کہ ایف اے فرسٹ ائر اور سیکنڈ ائر کے امتحانات آئندہ سے جدا جدا ہوا کریں گے' ہمارے لئے خاصی دشواری کا باعث بنا ہے۔ قرآن کالج کے طلبہ کے لئے ہم نے عربی زبان کو بطور ایک مستقل مضمون کے لازمی قرار دیا ہے اور دقت یہ ہے کہ کالج میں داخلے کے امیدوار طلبہ کی اکثریت عربی زبان کے حروف تہجی سے بھی ناواقف ہوتی ہے۔ آئندہ فرسٹ ائر میں داخلے کے صرف سات آٹھ ماہ کے بعد ہی فرسٹ ائر کا بورڈ کا امتحان درپیش ہوگا۔ اتنی مختصر مدت میں طلبہ کو عربی زبان کی اتنی استعداد بہم پہنچا دینا کہ وہ ایف اے کی سطح کے امتحان میں شریک ہو سکیں مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ویسے عربی تو ایک طرف رہی میٹرک پاس طلبہ کی انگریزی کا حال بھی کچھ کم تشویشناک نہیں ہوتا۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ سکولوں میں کئی سال انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اکثر طلبہ انگریزی گرامر کے بالکل ابتدائی اصولوں سے بھی ناواقف محض ہوتے ہیں۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں بالعموم معیار تعلیم اتنا گر چکا ہے کہ میٹرک پاس طلبہ کی اکثریت میں چھٹی جماعت کے طلبہ جتنی لیاقت بھی مفقود نظر آتی ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر مزید سوچ بچار اور مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ قرآن کالج میں ایف اے کے طلبہ کو بی اے کے طلبہ کی طرح ایک سال اضافی لگانا ہوگا۔ اس اضافی سال میں ہم طلبہ کو عربی اور انگریزی ہی نہیں اردو زبان بھی پڑھائیں گے تاکہ ان میں فی الواقع اتنی لیاقت پیدا ہو جائے کہ وہ ایف اے کے امتحانات محض نصاب کو رٹ کر نہیں' اپنی قابلیت کے بل پر اچھے نمبروں میں پاس کر سکیں اور تاکہ مستقبل میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ایک ٹھوس بنیاد انہیں حاصل ہو سکے۔ چنانچہ آئندہ سے قرآن کالج میں ایف اے کی تعلیم دو سالوں کی بجائے تین سالوں میں مکمل ہوگی تاہم پھر بی اے کے لئے طلبہ کا مزید کوئی اضافی سال صرف نہیں ہوگا بلکہ ایف اے کے بعد دو ہی سالوں میں قرآن کالج کے طلبہ بی اے کی تکمیل کر سکیں گے۔ گویا ایک میٹرک پاس طالب علم کو قرآن کالج میں بی اے کرنے کے لئے کل پانچ سال درکار ہوں گے۔ اس پانچ سال کے عرصے میں وہ بی اے کے معمول کے نصاب کے علاوہ دینی تعلیم کا ایک متعین نصاب بھی مکمل کرے گا اور ہمیں امید ہے کہ قرآن کالج میں بی اے تک

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

سفر افغانستان

بِسْمِ اللّٰهِ

مَجْرٖىهَا

وَمُرْسٰىهَا

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ۝١٠٢ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ
مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠٣ وَ
لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٥ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝١٠٦ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ
فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١٠٧ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٨ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝١٠٩ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ
اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝١١٠

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ○

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا قرآنی تربیت گاہ کا پروگرام بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔ اگرچہ اس بار ابتدا میں کچھ بددلی کا سامنا رہا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اچانک کچھ انتظامی دشواریاں پیش آ گئیں اور دوسرے موسم کی سختی اور خصوصاً برقی رو کی آنکھ مچولی کے باعث' تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ تو رفتہ رفتہ انتظامات درست ہو گئے' کچھ آپ حضرات نے ؏ "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز!" کے مصداق موسم کے ساتھ سازگاری اختیار کر لی اور کچھ ہم نے پروگرام میں تخفیف کرتے ہوئے ایک ماہ کے بجائے تین ہفتوں پر اکتفا کر لیا۔ بہرحال بفضل اللہ تعالیٰ وعونہٖ پروگرام پورا ہو گیا۔ گویا ؏ "شکر' صد شکر کہ جنازہ بمنزل رسید!"

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس تربیت گاہ کے پروگراموں میں مرکزی حیثیت مطالعۂ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کے درس کو حاصل تھی جس کا آغاز یکم جولائی کو سورۃ العصر سے ہوا تھا اور اختتام آج سورۃ الحدید پر ہوا ہے اور جس کے بارے میں مَیں نے آغاز میں بھی عرض کر دیا تھا اور بعد میں بھی متعدّد بار واضح کیا کہ اس کی ترتیب میں اصل مقصد یہ پیش نظر رہا ہے کہ ہمارے سامنے اللہ کے دین کا ایک صحیح' ہمہ گیر اور جامع تصور بھی آ جائے اور ہم پر اپنی ذمہ داریاں اور فرائض بھی منکشف ہو جائیں۔

گویا ہم پر یہ بھی واضح ہو جائے کہ ہمارا دین ہے کیا؟ اور یہ بھی منکشف ہو جائے کہ وہ ہم سے چاہتا کیا ہے!!

اور آج اس نصاب کی تکمیل کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ اتفاق فرمائیں گے کہ تربیتی پروگرام کے دوسرے حصوں میں چاہے کوئی کمی رہ گئی ہو' جہاں

تک اس بنیادی مقصد کا تعلق ہے وہ بتمام و کمال نہ سہی ضروری حد تک بہرحال پورا ہوگیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو یہ واضح ہوگیا ہے کہ ہمارا دین عام مذہبی تصوّرات کے مطابق صرف چند عقائد اور رسوم کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ پوری زندگی پر حکمرانی چاہتا ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشے پر عمل داری کا طالب ہے اور اپنے ماننے والوں سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ اولاً وہ اسے خود اپنی زندگیوں میں بتمام و کمال رائج کریں اور پھر اسے ہیئتِ اجتماعیہ حتیٰ کہ پورے کرۂ ارضی پر نافذ و غالب کرنے کی کوشش کریں اور اس میں تن من دھن سب کچھ کھپا دیں۔ اور دوسری طرف اس نہ صرف محدود بلکہ مسخ شدہ (Perverted) تصوّرِ دین کی غلطی بھی پوری طرح واضح ہوگئی ہے جس نے امّتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت کے قویٰ شل کر دیئے ہیں اور اسے بحیثیتِ مجموعی جمود اور تعطّل کا شکار بنا کر رکھ دیا ہے!

اب ظاہر ہے کہ اصل مسئلہ نیت اور ارادے کا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ "سوتے کو جگایا جا سکتا ہے' جاگتے کو جگانا ممکن نہیں!" اگر کوئی سمجھنے کا ارادہ ہی نہ رکھتا ہو تو بات دوسری ہے' لیکن اگر کوئی واقعتہً جاننا چاہے کہ ازروئے قرآن انسان کی نجات کے ناگزیر لوازم کیا ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے اور عفو و درگزر کے مستحق قرار پانے کی کم از کم شرائط کیا ہیں تو اس کے لئے اجمالاً سورۃ العصر بھی کفایت کرتی ہے اور تفصیلاً یہ پورا نصاب تو حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کے بعد اب اصل مسئلہ 'عمل' کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہی مرحلہ سب سے کٹھن ہے۔ اور اصل دشواری یہیں پیش آتی ہے۔ اور یہی وہ معاملہ ہے جس سے متعلق اپنی زندگی کے ایک اہم فیصلے کے اظہار و اعلان اور اس کے پس منظر کی وضاحت کے لئے میں اس وقت آپ حضرات کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔

اس سے پیشتر کہ میں وہ فیصلہ آپ حضرات کے سامنے رکھوں' اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میرے اب تک کے کام کی نوعیت صرف درس و تدریس کی

رہی ہے نہ کہ کسی ہمہ گیر دعوت کی! اور میں یہ بات مسلسل واضح کرتا رہا ہوں کہ میری حیثیت اصلاً صرف ایک طالبعلم کی اور زیادہ سے زیادہ ایک مدرّس یا معلّم کی ہے نہ کہ داعی یا مبلّغ کی!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباتِ مبارکہ میں ایک جملہ آتا ہے۔ حضوؐر فرمایا کرتے تھے: "اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ" یعنی میں تمہیں بھی تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے نفس کو بھی! میں اپنے لئے تو وصیت یا نصیحت کا لفظ بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ میرے اب تک کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم قرآن کی نوعیت محض یہ رہی ہے کہ میرے نزدیک از روئے قرآن ہر مسلمان پر اس کے دین کی جانب سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ یہ ہیں جو میں آپ حضرات کو بھی بتا رہا ہوں اور خود اپنے آپ کو بھی! ہم سب حسبِ صلاحیت و استعداد ان پر مکلّف بھی ہیں اور عند اللہ مسئول اور جوابدہ بھی! اور ہمیں ان سے عہدہ برآ ہونے کی فکر کرنی چاہئے!

مجھے خوب معلوم تھا کہ یہ راہ یوں تو ویسے بھی بڑی کٹھن اور پُر صعوبت ہے اور اس پر چلنے کے لئے "چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تجسّس!" اس لئے کہ بفحوائے آیۂ قرآنی "اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" بے شک یہ بہت ہمت کے کاموں میں سے ہے! لیکن اس میں پہل کرنے والا تو گویا ایک بہت ہی بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا ہے اور "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" اور "اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کہتے ہوئے اس پُر خطر وادی میں اتر جانا اور پھر پکارنا کہ "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ!" (کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟) ہرگز کوئی آسان کام نہیں!

یہی وجہ ہے کہ تاحال میں 'درس و تدریس' کے گوشۂ عافیت ہی میں پناہ گزیں رہا اور میں نے یہی موقف اختیار کئے رکھا کہ دین کی یہ حقیقت ہے جو مطالعۂ قرآن سے مجھ پر واضح ہوئی اور دین کے یہ فرائض ہیں جو کلامِ الٰہی سے مجھ پر منکشف

ہوئے۔ میں اس کا مدّعی نہیں کہ میں خود ان کو بجا لا رہا ہوں اور آپ کو دعوت دے رہا ہوں کہ ان کی ادائیگی میں میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔ بلکہ مقصود محض اظہارِ حقیقت ہے' اس خیال سے کہ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ میں سے کسی کو اس خدمت کے لئے قبول فرما لے اور سامعین میں سے کوئی باصلاحیت اور باہمت شخص ایسا نکل آئے جو اٹھ کھڑا ہو اور خلقِ خدا کو دعوت دے کہ "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ!" اللہ کے بندو میری طرف آؤ! اور اس طرح راہ حق پر چلنے کے لئے ایک قافلہ تیار ہو جائے۔

لیکن اب بہت غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق پر توکّل و اعتماد اور صرف اُسی کی امداد و اعانت کے سہارے اور بھروسے پر میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ میری زندگی میں یہ کام صرف درس و تدریس تک محدود نہیں رہے گا' بلکہ انشاء اللہ العزیز احیائے اسلام اور غلبۂ دینِ حق ہی عملاً میری زندگی کا اصل مقصد ہوں گے اور میری بہتر اور بیشتر مساعی بالفعل دعوتِ دین اور خلقِ خدا پر دینِ حق کی جانب سے اتمامِ حجّت میں صرف ہوں گی۔ گویا "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ." اور اسی کی دعوت میں اپنے تمام عزیزوں' دوستوں اور تمام جاننے والوں حتیٰ کہ بزرگوں تک کو دوں گا اور پھر جو لوگ اس راستے پر ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں انہیں ایک نظم میں منسلک کر کے ایک ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دوں گا جو ان مقاصدِ عالیہ کے لئے منظم جدّوجہد کر سکے! وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ!

میں نے یہ فیصلہ دفعتہً نہیں کر لیا ہے بلکہ اس کا ایک طویل پس منظر ہے۔ اور چونکہ میں آپ حضرات کے سامنے اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش کرنے کا

خواہش مند نہیں ہوں کہ جیسے یہ حقیقت بس مجھ ہی پر منکشف ہوئی ہے یا یہ کوئی 'وحی' ہے جو براہِ راست مجھ ہی پر 'نازل' ہوئی ہے' لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اجمالاً وہ پورا پس منظر آپ کے سامنے رکھ دوں تاکہ میرے فکر کا پورا 'شجرۂ نسب' آپ کے علم میں آ جائے۔

اس سلسلے میں یہ معذرت پیشگی حاضر ہے کہ اس وقت میرے ذہن میں کوئی مرتّب مواد موجود نہیں ہے۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہ اکیس دن مجھ پر کس قدر سخت مشقّت کے گزرے ہیں' میری صحت پہلے ہفتے کے بعد ہی جواب دے گئی تھی اور بعد میں پندرہ دنوں کے دوران میں مَیں نہایت ثقیل بلکہ مضر ادویات کے سہارے اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں جو میں نے اپنے ذمّے لے لیا تھا یعنی پورے منتخب نصاب کا درس اور خصوصاً آج کا دن تو بہت ہی سخت مشقت میں گزرا ہے۔ صبح کے اڑھائی گھنٹے اور عصر اور مغرب کے مابین ڈیڑھ گھنٹے کے درس کے بعد اب آپ مجھ سے کسی مرتّب تقریر کی توقع بہرحال نہ رکھیں۔ اس وقت میرا اصل مقصد تو صرف اس فیصلے کا اظہار و اعلان تھا' جو ہو گیا۔ جہاں تک اُس کے پسِ منظر کا تعلق ہے تو اس میں سے جو چیزیں اس وقت ذہن میں بلا تکلّف آ جائیں' اور جن کی جانب اللہ تعالیٰ ذہن کو منتقل فرما دیں انہیں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میری "بے ربطیٔ تقریر" میں بھی "ربطِ محکم" پیدا فرما دے!

میں ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو مشرقی پنجاب کے ایک قصبے حصار میں پیدا ہوا اور گورنمنٹ ہائی سکول حصار ہی سے میں نے ۱۹۴۷ء میں پنجاب یونیورسٹی کا میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا۔ (میں نے کل ساڑھے آٹھ سو میں سے سات سو اٹھارہ نمبر لئے تھے اور یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی تھی!)

انسان کی عمر کے اِس دور کا اکثر حصہ تو ظاہر ہے کہ خالص بے شعوری کی حالت

میں گزرتا ہے۔ اس کے آخری حصے کو بھی زیادہ سے زیادہ نیم شعوری کا زمانہ کہا جا سکتا ہے، تاہم واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں جو نقش لوحِ ذہن پر ثبت ہو جائیں وہ بہت گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔

میں نے اپنی زندگی کے بالکل ناسمجھی کے دور میں بھی چونکہ اس فضا میں سانس لیا جس میں ہندو مسلم کشمکش کے سائے گہرے ہونے شروع ہو چکے تھے اور مسلمانانِ ہند اپنے قومی تشخّص کے تحفظ کے لئے جان توڑ کوشش پر مجبور ہو گئے تھے، لہٰذا میرے تحت الشعور کی سب سے نچلی سطح (Substratum) میں مسلم قوم پرستی کا جذبہ رچ بس گیا، یہاں تک کہ مجھے خوب یاد ہے کہ ۳۸ء میں جبکہ میری عمر کل چھ سال کی تھی میں نے علامہ اقبال مرحوم اور مصطفےٰ کمال پاشا کے انتقال کو نہ صرف ایک قومی نقصان بلکہ ذاتی صدمے کی حیثیت سے محسوس کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ 'نیم شعوری' کے دور کے آغاز پر میرے ذہن نے اولین اثرات علامہ اقبال مرحوم کی ملی شاعری سے قبول کئے۔ میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا جب میرے بڑے بھائی صاحب نے مجھے 'بانگِ درا' لا کر دی جسے میں گھنٹوں کچھ سمجھے اور کچھ بغیر سمجھے ترنّم کے ساتھ پڑھتا رہتا تھا۔

بانگِ درا کی نظموں میں سے مجھے سب سے زیادہ پسند وہ تھیں جن میں ملتِ اسلامی کے مستقبل کے بارے میں ایک امید افزا نقشہ کھینچا گیا تھا اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور امتِ مرحوم کی تجدید کی خوشخبری دی گئی تھی اور فی الجملہ یہ رنگ موجود تھا کہ ؎

اقبالؔ کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا　　ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

خصوصاً طلوعِ اسلام کے یہ اشعار تو مجھے بے حد پسند تھے:

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا　　خلیلؑ اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے　　یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے؟ کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!!

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

اور ان اشعار کو بھی میں بہت کیف اور سرور کے عالم میں پڑھا کرتا تھا۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا!

مولانا حالی سے اس دور میں مَیں قطعاً متعارف نہ ہوا تھا لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ تاریخی اعتبار سے حالی کی 'مسدس' مسلمانانِ عالم کی پستی کی انتہا اور ملتِ اسلامی کے زوال و انحطاط اور نکبت و ادبار کے نقطۂ عروج سے مطابقت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار پر مایوسی اور دل شکستگی کی گہری چھاپ ہے اور ان کی شاعری تمام تر مرثیہ خوانی پر مشتمل ہے جیسے:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے!

اور

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

حالی اور اقبال ہم عصر بھی قرار دیئے جا سکتے ہیں اور تاریخ ہائے وفات کے اعتبار سے ان کے مابین ایک نسل کا فاصلہ بھی ہے اور اسی 'وصل مع الفصل' اور 'جمع مع

الفرق' کی کیفیت ان کے اشعار میں نظر آتی ہے۔ یعنی جہاں مولانا حالی کے اشعار صرف مرثیہ خوانی پر مشتمل ہیں وہاں اقبال کے یہاں ماضی پر حد درجہ زوردار مرثیہ خوانی بھی ہے (ملاحظہ ہوں 'بانگ درا' کی نظمیں 'صقلیہ' اور 'بلادِ اسلامیہ') اور مستقبل کے لئے نہایت جذبات انگیز اور جذبہ پرور حُدی خوانی بھی!

بہرحال اپنی عمر کے نیم شعوری والے دور میں میرے ذہن پر اولین چھاپ علامہ اقبالؔ[1] کی ملی شاعری کی پڑی اور اس سے احیائے دین اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور ملتِ

---

[1] یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ پانچویں جماعت کے دوران 'بانگِ درا' کو کچھ سمجھے اور کچھ بغیر سمجھے 'پی' جانے کے بعد میں نے چھٹی جماعت کے دوران 'بالِ جبریل' اور 'ضربِ کلیم' کو ایک صاحب سے عاریۃً لے کر پڑھ ڈالا اور ساتویں جماعت کے زمانے میں ایک لطیف سا بہانہ بنا کر بڑے بھائی صاحب سے 'بالِ جبریل' ، 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' تینوں کتابیں حاصل کر لیں اور گویا علامہ مرحوم کا پورا اردو کلام نظر سے گزار لیا! 'ضربِ کلیم' اور 'بالِ جبریل' کو عاریۃً حاصل کرنے کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ علامہ کی کتابوں کا مکمل سیٹ خان عزیز الدین حمزئی کے یہاں موجود ہے جو حصار کے معروف وکلاء میں سے تھے۔ ان کا انتقال چند سال قبل ملتان میں ہوا۔ میں اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت وہ ایک عجیب سے شش و پنج میں مبتلا ہو گئے تھے کہ نہ انکار کئے بنتی تھی نہ طبیعت کتابیں دینے پر آمادہ ہوتی تھی۔ بالآخر انہوں نے ایک تدبیر سوچی اور علامہ کے ان اشعار کا مطلب مجھ سے دریافت کیا کہ ۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور!

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور!

اور کہا کہ اگر ان اشعار کا مفہوم بیان کر دو تو کتابیں لے جا سکتے ہو۔ پھر جب میں نے ان کا مفہوم بیان کر دیا تو وہ کچھ حیران سے تو ہوئے' تاہم انہوں نے کتابیں میرے حوالے کر دیں!

اسلامی کی تجدید اور تشکیلِ نو کا ایک جذبہ میرے قلب کی گہرائیوں میں رچ بس گیا۔

یہاں یہ اعتراف کرنا بھی مناسب ہے کہ اس جذبۂ ملّی کی آبیاری ایک زمانے میں حفیظ جالندھری صاحب کے 'شاہنامۂ اسلام' سے بھی ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ جن دنوں مَیں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا میری ایک پوری رات 'شاہنامہ' کی دوسری جلد کو اس کے مخصوص طرزِ ترنّم میں پڑھ کر والدہ صاحبہ کو سنانے میں بسر ہوئی' اس طرح کہ اِدھر جلد ختم ہوئی اور اُدھر صبح نمودار ہو گئی!

۴۷-۱۹۴۶ء کے دوران مسلمانانِ ہند کی قومی جدّوجہد اپنے نقطۂ عروج پر تھی اور پورے برصغیر کے مسلمانوں کے اعصاب پر تحریک مسلم لیگ کا کامل تسلّط تھا۔ چنانچہ میں بھی اپنی اسی نیم شعوری کیفیت میں پوری تندہی کے ساتھ اس سے وابستہ تھا۔ اس زمانے میں مَیں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ایک فعّال ورکر تھا اور اس دور میں ہمارے جذبۂ ملّی کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہم فیڈریشن کے کارکن روزنامہ 'نوائے وقت' کے استقبال کے لئے بالعموم ریلوے سٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ مَیں حصار ڈسٹرکٹ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری بھی رہا اور ۱۹۴۶ء میں ایک بار میں نے لاہور میں منعقدہ فیڈریشن کے ایک مرکزی اجلاس میں ضلع حصار کے نمائندے کی حیثیت سے بھی شرکت کی!

تحریکِ مسلم لیگ کے ساتھ اس عملی تعلق بلکہ انہماک کے ساتھ ساتھ اُسی زمانے میں مَیں ایک نئی دعوت سے روشناس ہوا۔ یہ دعوت تھی مؤسّسِ جماعتِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی! جس نے میرے جذبۂ ملّی کو ایک نئی وسعت (Dimension) عطا کی اور دل میں تجدید و احیائے ملت کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی مقدّم اور پیشتر "تجدید و احیائے دین" کا جذبہ پیدا کیا۔ یا یوں کہہ لیں کہ علامہ اقبال مرحوم کے عطا کردہ جذبہ ملی کے خاکے میں ایک دینی فکر کا رنگ بھر دیا!

اپنے میٹرک کے زمانہ تعلیم کے دوران اگرچہ میں عملاً تحریک مسلم لیگ ہی سے

وابستہ رہا اور یہ نیا دینی فکر مجھ پر اس درجہ غالب نہ آسکا کہ میں عملاً بھی اسی کا ہو رہتا تاہم اس کا اثر مجھ پر اس حد تک ضرور ہوا کہ مسلم لیگ یا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے حلقوں میں جب بھی مولانا مودودی یا جماعت اسلامی پر کوئی تنقید ہوتی یا طنز و طعن کا معاملہ ہوتا تو میں ان کی جانب سے مدافعت میں پورا زور صرف کر دیتا۔

اس نئی دینی تحریک کے لٹریچر کے پڑھنے یا سمجھنے میں مجھے زیادہ دقّت اس لئے نہ ہوئی کہ میں نے سکول میں اختیاری مضمون کی حیثیت سے عربی لی ہوئی تھی۔ اور ایک تو ویسے بھی میرا شمار سکول کے ذہین اور ہوشیار طلبہ میں تھا اور دوسرے عربی سے مجھے اللہ تعالیٰ نے خصوصی شغف عطا فرما دیا تھا' چنانچہ جماعت کی بنیادی دعوت پر مشتمل چھوٹے کتابچے میں نے تمام کے تمام جناب مسرت مرزا صاحب اور چوہدری نذیر احمد صاحب (یہ دونوں حضرات اب ملتان میں مقیم ہیں[1]!) سے حاصل کر کے پڑھ ڈالے اور ایک حد تک سمجھ بھی لئے۔ میرے بھائی اظہار احمد صاحب ان دنوں جماعت کا لٹریچر گہرے انہماک کے ساتھ پڑھ رہے تھے' یہاں تک کہ انہوں نے بہت سی کتابوں کے مفصّل نوٹس (Notes) بھی تیار کر لئے تھے۔

۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو میرا میٹرک کا نتیجہ نکلا۔ ۲۱/۲۰ اگست کو عید الفطر تھی اور اس کے دوسرے ہی روز سے حصار میں مسلمانوں کے محلوں پر ہندوؤں کے منظّم حملے شروع ہو گئے اور ستمبر کا پورا مہینہ ہم لوگوں نے محصوری کے عالم میں بسر کیا۔

اسی محصوری کی حالت میں میں تفہیم القرآن سے پہلی بار متعارف ہوا۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ اُس زمانے میں' میں اور میرے بڑے بھائی' ہم دونوں محلے کی ایک مسجد میں ماہنامہ 'ترجمان القرآن' کے تازہ پرچوں سے تفسیر سورۂ یوسف پڑھا کرتے تھے۔ عام فہم تو ظاہر ہے کہ ان کا زیادہ تھا' لیکن عربی میری بہتر تھی۔ اس طرح ہمارا اجتماعی مطالعہ بہت مفید بھی رہتا تھا اور دلچسپ بھی۔

---

[1] افسوس کہ اس دوران میں دونوں حضرات انتقال فرما گئے!

> اور مجھے اس اعتراف میں ہرگز کوئی باک نہیں کہ میرے دل میں قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی رغبت اولاً اسی کے ذریعے پیدا ہوئی' بلکہ قرآن حکیم سے میرا اوّلین تعارف اسی کی وساطت سے ہوا......!

اپنے میٹرک کے ان دو سالوں کے دوران میرا تعارف ابوالکلام آزاد مرحوم کی تحریروں سے بھی ہوا۔ 'الہلال' کے بعض پرانے پرچے بھی دیکھنے میں آئے اور کتابی صورت میں مطبوعہ 'مضامینِ الہلال' بھی میں نے پڑھے[۱] اس سے یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ جس تحریک کا عَلَم اس وقت جماعت اسلامی کے ہاتھ میں ہے اور جو دعوت اس وقت مولانا مودودی پیش کر رہے ہیں' اس دور میں اُس کے داعیٔ اوّل کی حیثیت دراصل مولانا آزاد کو حاصل ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ کانگرس اور مسلم لیگ کی کشمکش اور اس میں تلخی کی شدّت کے باعث جو نفرت مولانا آزاد سے تھی وہ ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ایک حسرت آمیز تأسّف نے لے لی کہ اتنا عظیم کام چھوڑ کر وہ اب کن وادیوں میں سرگرداں ہیں اور دوسرا اور اہم تر نتیجہ یہ

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف کے حصول کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ حصار کے صنعتی سکول کے ایک انسٹرکٹر غلام محمد بھٹی صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ وہ خود ایک بہت ماہر جلد ساز تھے اور ان کے پاس نہایت اعلیٰ مجلّد کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ میں نے جب مولانا مرحوم کی تصانیف ان سے عاریتہً برائے مطالعہ مانگیں تو وہ بھی خان عزیز الدین حمزئی ہی کی طرح شش و پنج میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے بھی جان چھڑانے کی وہی تدبیر اختیار کی یعنی 'مجموعۂ مضامینِ الہلال' کھول کر ایک فارسی شعر جو سامنے آگیا اس کے معنی مجھ سے پوچھ لئے۔ میں نے فارسی بالکل نہ پڑھی تھی' اس لئے پہلے تو ذرا جھجکا' لیکن جب ذرا غور کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ تو اردو ہی کے الفاظ ہیں جو بس ذرا آگے پیچھے کر دیئے گئے ہیں' چنانچہ میں نے معنی بیان کر دیئے اور کتاب حاصل کر لی!

نکلا کہ میرے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ اصل اہمیت اشخاص کی نہیں بلکہ مقاصد کی ہے اور نگاہیں شخصیتوں پر نہیں بلکہ کام پر مرتکز رہنی چاہئیں۔

اکتوبر ۴۷ء کے اوائل میں انڈین ملٹری نے حصار میں ہماری قلعہ بندیاں زبردستی توڑ ڈالیں اور پوری مسلمان آبادی کو ایک نوتعمیر شدہ جیل کے احاطوں میں قائم شدہ کیمپ میں محبوس کر دیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد ہم لوگ ایک پیدل قافلے کے ساتھ بیس روز میں ایک سو ستر میل کا فاصلہ طے کر کے، اگر حافظہ غلطی نہیں کر رہا تو غالباً ۷ نومبر ۴۷ء کو براستہ سلیمانکی ہیڈ ورکس پاکستان میں داخل ہوئے اور اس طرح زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا!

پاکستان میں والد صاحب مرحوم و مغفور اوّل تو لاہور ہی میں تعینات ہوئے لیکن جلد ہی ان کا تبادلہ قصور ہو گیا اور میں ایف ایس سی (میڈیکل) کی تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل اور محلہ کرشن نگر میں اپنے ایک عزیز کے مکان پر مقیم ہو گیا۔

ایف ایس سی کی تعلیم کے دو سالوں کے دوران میں نے حلقہ ہمدردان جماعت اسلامی سے باقاعدہ منسلک ہو کر بہت مستعدی اور جانفشانی کے ساتھ کام کیا۔ اس وقت کے خصوصی جوش و خروش میں بہت سے عوامل کو دخل حاصل تھا۔ ایک تو پاکستان کا قیام ہی کچھ کم جذبات انگیز واقعہ نہ تھا پھر جس قسم کے حالات میں سے گزر کر پاکستان پہنچنا نصیب ہوا تھا اس نے فوری طور پر ملّی اور دینی جذبات کو بہت بھڑکا دیا تھا اور کچھ صورت حال بھی بظاہر ایسی نظر آتی تھی کہ جیسے احیائے اسلام کی منزل بہت قریب ہے۔ قیام پاکستان سے گویا اصل مرحلہ تو طے ہو ہی گیا ہے اب کسر صرف اتنی ہے کہ اس میں 'اسلامی نظام' قائم کر دیا جائے[1]۔ پھر اسے بنیاد (Base) بنا کر

---

[1] اس وقت یہ خیال بھی نہ آتا تھا کہ "ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است!"

اسلام کے عالمی غلبے کی سعی و جہد بہت آسان ہو جائے گی۔ منزل کے اس قرب کے
اس احساس نے آتشِ شوق کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ ان حالات میں جب جماعت اسلامی
پاکستان میں "قیامِ نظامِ اسلامی" کی داعی بن کر سامنے آئی تو گویا اس نے جملہ قومی
ملّی اور دینی و مذہبی جذبات کو اپیل کیا اور دوسرے بے شمار کارکنوں کی طرح میں بھی
حد درجہ کیف و سرور کے عالم میں اس کی جدّوجہد میں عملاً شریک ہو گیا۔

اُسی زمانے میں مَیں نے جماعت کے لٹریچر کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ مولانا
امین احسن اصلاحی کی تصانیف تو اس زمانے میں کچھ ثقیل اور کچھ روکھی اور پھیکی
معلوم ہوتی تھیں لیکن مولانا مودودی کی تصانیف کا ایک ایک حرف نظر سے گزر
لیا۔ بایں ہمہ میں تحریک اسلامی کے ساتھ اپنے اس دور کے تعلق کو بھی شعوری
نہیں، نیم شعوری قرار دیتا ہوں۔

اواخر ۴۹ء میں مَیں میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہوا اور ساتھ ہی میری رہائش
بھی کالج کے ہاسٹل میں منتقل ہو گئی۔ نتیجۃً تنظیمی اعتبار سے میرا تعلق جماعت
اسلامی سے منقطع اور اسلامی جمعیت طلبہ سے قائم ہو گیا۔

۵۰ء میں میں نے جمعیت کی رکنیت اختیار کی اور فوراً ہی نظامتِ حلقہ میڈیکل
کالج کا بوجھ میرے کاندھوں پر ڈال دیا گیا۔ ۵۱ء میں میں جمعیت لاہور کا ناظم بھی بنا
گیا اور جمعیت پنجاب کا بھی اور ۵۲ء میں میں جمعیت کا ناظم اعلیٰ منتخب ہو گیا۔۔۔
واضح رہے کہ میں ان 'مناصب' کا ذکر کسی احساس فخر کے تحت نہیں کر رہا ہوں
صرف اس حقیقت کے اظہار کے لئے کر رہا ہوں کہ اس دور میں میں نے انتہائی
جوش و خروش اور حد درجہ انہماک کے ساتھ اور تحریک کے تقاضوں کو دوسری ہر چیز
پر مقدّم جان کر کام کیا۔ یہاں تک کہ اپنی تعلیم کے نقصان[1] اور اپنے پیشہ و

---

[1] یہ تو مجھ پر اللہ کا فضل رہا کہ میرا پورا تعلیمی کیریر کسی امتحان میں فیل ہونے کے
سے بچا رہا تاہم پرائمری' مڈل' میٹرک' ایف ایس سی اور میڈیکل کالج کے فرسٹ
امتحانات میں جو شاندار کامیابیاں میں نے حاصل کیں، وہ بعد میں برقرار نہ رہیں

مستقبل (Professional Career) کی تباہی کی بھی کوئی پرواہ نہ کی...... گویا

خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی!

یہاں کوئی صاحب یہ گمان نہ فرمائیں کہ مجھے اس پر کوئی پشیمانی یا پچھتاوا ہے، حقیقت اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ اپنی زندگی کا وہ دور مجھے انتہائی عزیز ہے اور اس کی یاد کو میں اب بھی اپنی ایک قیمتی متاع سمجھتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آج دین کی جس خدمت کی توفیق مجھے بارگاہِ خداوندی سے ملی ہوئی ہے اس کی اساس اور بنیاد اسی دور میں قائم ہوئی تھی۔ گویا میرا معاملہ تو وہ ہے کہ ؎

اِس عشق، نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

چنانچہ تحریر و تقریر کی جو بھی تھوڑی بہت صلاحیت آج مجھ میں ہے وہ اسی دور میں ابھری اور پروان چڑھی اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بطور زبان مجھے اردو پر نہ اُس وقت کوئی عبور حاصل تھا نہ اب حاصل ہے، تاہم ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اظہارِ مافی الضمیر کی جو بھی تھوڑی بہت استعداد مجھے حاصل ہے اس کی اوّلین تربیت جمعیت طلبہ کے ہفتہ وار آرگن 'عزم' کی ادارت ہی سے حاصل ہوئی تھی۔ اسی طرح کوئی شعلہ بیان خطیب یا جادو اثر مقرر تو میں نہ اُس وقت تھا نہ آج ہوں تاہم تقریر و بیان کی جو بھی تھوڑی بہت صلاحیت مجھ میں موجود ہے وہ تمام تر اسی دور کی مرہونِ منّت ہے۔

جہاں تک مولانا مودودی کی تصانیف کا تعلق ہے ان کا تو میں اس دور میں 'متعلّم' ہی نہیں، 'معلِّم' بن گیا تھا خصوصاً ان کی جو تحریریں تحریک جماعت اسلامی کے اصول و مبادی اور اس کے مختلف ادوار سے متعلق تھیں ان کا تو ایک حد تک 'حافظ' ہو گیا تھا چنانچہ اس تحریک کی امتیازی خصوصیات اور اس کے مخصوص طریقِ

کار کے بارے میں اس دور میں میرا ذہن بالکل صاف ہو چکا تھا اور اس میں کوئی ابہام نہ رہا تھا۔

مزید برآں اس دور میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم یہ ہوا کہ مجھے اولاً مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تصانیف اور پھر ان کی وساطت سے قرآن حکیم کے ساتھ ایک ذہنی مناسبت پیدا ہو گئی۔ مولانا کی تصانیف میں سے خصوصاً "دعوتِ دین اور اس کا طریق کار" سے مجھے عشق کی حد تک قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اسی کتاب کے ذریعے مجھ پر تحریک اسلامی کا 'دینی فکر' واضح ہوا اور فریضۂ تبلیغ و شہادتِ حق کی اصل اہمیت منکشف ہوئی۔ پھر جب مولانا کی ایک دوسری تالیف 'تدبرِ قرآن' کے نام سے شائع ہوئی تو اس کا مطالعہ بھی میں نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے ساتھ ایک پختہ ذہنی مناسبت اور محکم قلبی انس کی بنیاد اس کتاب سے قائم ہوئی۔

دسمبر ۵۱ء کی کرسمس اور جولائی ۵۲ء کی موسم گرما کی تعطیلات میں میں نے لاہور میں "تربیتی کیمپ" منعقد کئے جن میں قرآن حکیم کے چند منتخب مقامات کا درس مولانا اصلاحی نے دیا۔ میں خود ان دونوں کیمپوں میں بحیثیت ناظم شریک تھا چنانچہ میں نے ان سے بھرپور استفادہ کیا اور واقعہ یہ ہے کہ ان سے نہ صرف یہ کہ میرے قرآن حکیم کے ساتھ ذہنی و قلبی تعلق میں اضافہ ہوا بلکہ میری طبیعت میں تعلیم و تعلّمِ قرآن کا داعیہ شدت کے ساتھ بیدار ہو گیا۔

قرآن حکیم کے ساتھ اس ذہنی و قلبی مناسبت اور اس قوت گویائی اور صلاحیتِ بیان نے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں' مل جل کر مجھے اسی زمانے میں 'مدرّسِ قرآن' بنا دیا' چنانچہ جمعیت کے اجتماعات میں بھی 'درس قرآن' کی ذمہ داری اکثر و بیشتر مجھی پر رہتی تھی اور تعطیلات کے زمانے میں جب میں گھر آتا تو (اُس وقت تک والد صاحب مرحوم منٹگمری حال ساہیوال میں اقامت اختیار فرما چکے

تھے) تو جماعت اسلامی کے اجتماعات میں بھی درس قرآن کی فرمائش مجھ ہی سے کی جاتی تھی اور میرا درس بالعموم پسند کیا جاتا تھا[۱]

قرآن حکیم کے ساتھ اس تعلق کا سب سے بڑا فائدہ جو مجھے پہنچا وہ یہ کہ دین کی اساسی تعلیمات بھی مجھ پر براہ راست قرآن حکیم کی روشنی میں واضح ہو گئیں اور خاص طور پر دعوت و تبلیغ دین کی اہمیت اور شہادتِ حق اور اقامتِ دین کی فرضیت بھی مجھ پر ازروئے قرآن منکشف ہو گئی گویا فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى کے مصداق میرے دینی فکر کا ایک براہ راست تعلق قرآن حکیم سے قائم ہو گیا۔

اس کی اہمیت کا اندازہ مجھے اس وقت تو نہ تھا لیکن بعد میں اس کا احساس مجھے شدت کے ساتھ ہوا کہ اگر خدانخواستہ اس وقت اس پہلو سے کوئی کمی رہ جاتی تو بعد میں جب بعض شخصیتوں سے میرا عقیدت کا رشتہ کمزور پڑا' یہاں تک کہ بالکل منقطع بھی ہو گیا اور جمعیت اور جماعت دونوں سے تنظیمی رشتہ بھی ختم ہو گیا تو اس

---

[۱] ۵۳ء میں جمعیت کے سالانہ اجتماع کے موقع پر جو درس سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کا میں نے دیا تھا اس کا ذکر تقریباً بیس سال بعد ۷۲ء میں کراچی کے ایک سفر کے دوران میرے سامنے بہت عجیب طریقے سے آیا۔ ریل میں ایک ہم سفر سے گفتگو ہو رہی تھی جس میں تعلیم و تعلّم قرآن کی اہمیت کا ذکر چل نکلا۔ اس پر ان صاحب نے عجیب کیفیت کے ساتھ کہا کہ "صاحب! ایک درس ۵۳ء میں ہم نے سنا تھا اس کی حلاوت کا احساس ابھی تک باقی ہے!" میں نے ذرا کریدا تو معلوم ہوا کہ دراصل میرے ہی درس کا ذکر ہے۔ چنانچہ میں نے بات وہیں ختم کر دی اور اپنا مزید تعارف مناسب نہ سمجھا! اسی طرح ۵۴ء میں ملتان میں منعقد جمعیت کی تربیت گاہ میں مولانا اصلاحی سے پڑھے ہوئے مقامات کا جو درس میں نے دیا تھا اس کا ذکر بہت سے احباب آج بھی کرتے ہیں۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ۔

ا پورا تانا بانا بھی درہم برہم ہو جاتا اور میں بھی ان بہت سے لوگوں کے مانند ہو
جو جماعت اسلامی سے علیٰحدہ ہوئے تو ان کا تعلق نہ صرف تحریک اسلامی بلکہ
ں افسوسناک مثالوں کے اعتبار سے تو گویا اسلام ہی سے منقطع ہوگیا۔
الغرض جمعیتِ طلبہ سے تعلق کا زمانہ میری زندگی کا اہم ترین دور ہے جس میں
ین و مذہب کے ساتھ بھی میرا صحیح فکری تعلق قائم ہوا اور تحریک تجدید و
ئے دین کے ساتھ بھی میرے حقیقی اور شعوری تعلق کا آغاز ہوا[1] اور احیائے
م اور تجدید ملت کا وہ جذبہ جو بچپن میں علامہ اقبال مرحوم کی شاعری سے پیدا ہوا
ر جس میں ایک دینی فکر کا پیوند ابتداءً مولانا مودودی کی تحریروں سے لگا تھا بالآخر
ا اصلاحی کی تصانیف کی وساطت سے قرآن حکیم کی محکم اساس پر استوار ہوگیا۔
مْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

۱۹۵۴ء میں میں نے ایم بی بی ایس کا آخری امتحان پاس کیا اور جیسے ہی میرا نتیجہ
یں نے اسلامی جمعیت طلبہ کی رکنیت سے استعفاء دے دیا اور جماعت اسلامی کی
ت کی درخواست داخل کر دی اس لئے کہ میرے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ
م کا یہ فرمان مبارک تھا کہ ... اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ، بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ
ہجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" (مشکوٰۃ شریف، عن حارث الاشعری) اور میں
ں چاہتا تھا کہ میری زندگی میں چند دن بھی بغیر جماعت کے بسر ہوں۔
لیکن افسوس کہ جماعت اسلامی میں میرا قیام بہت مختصر رہا۔

---

[1] اس دور میں اللہ کے دین کی بنیادی دعوت اور مسلمانوں کے دینی فرائض اور اہل ایمان سے اللہ کے دین کے تقاضوں اور مطالبوں کا جو تصوّر میرے ذہن میں راسخ ہوا تھا اس کے بارے میں اب کچھ کہنے سننے کے بجائے میں اپنی اسی دور کی بعض تحریروں اور تقریروں سے کچھ اقتباسات اس کتاب میں شامل 'ضمیمہ' میں درج کر رہا ہوں تاکہ یہ نہ کہا جاسکے کہ یہ سب بعد کی خیال آرائیاں ہیں!

رکن کی حیثیت سے جماعت میں شامل ہوتے ہی پہلی بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ دینی اور اخلاقی اعتبار سے جماعت پر شدید انحطاط اور اضمحلال طاری ہو چکا ہے اور اس کے متوسلین میں کسی انقلابی تحریک کے بجائے عام سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کا سا مزاج پیدا ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی محسوس ہوا کہ جماعت کی دعوت اور اس کی اپیل کا رخ بھی اب وہ نہیں رہا جو آغاز میں تھا بلکہ اس میں بھی ایک عام سیاسی جماعت کا سا انداز پیدا ہو چکا ہے۔

میرے ذہن نے جب اس قلبِ ماہیت کے اسباب و عوامل پر غور کرنا شروع کیا تو ساتھ ہی ایک اور سوال جو ابھر کر سامنے آ کھڑا ہوا وہ یہ تھا کہ ۴۷ء میں پاکستان میں نظامِ اسلامی کا قیام جو اس قدر آسان اور بالکل قریب نظر آ رہا تھا وہ آٹھ سالہ جدوجہد کے باوجود روز بروز نگاہوں سے دُور تر کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے؟

جیسے جیسے میں ان مسائل پر غور کرتا گیا مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوتی چلی گئی کہ تحریک جماعت اسلامی اپنے اصل رخ سے بھٹک گئی ہے اور ۴۷ء میں ملک کے بدلے ہوئے حالات میں 'مواقع' اور 'امکانات' کے 'دام ہمرنگِ زمیں' میں گرفتار ہو کر جماعت اسلامی کی قیادت نے طریق کار میں جو تبدیلی کی تھی اس نے تحریک کی ساری بلند پروازی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے اور اب جماعت کا ''اصولی' اسلامی' انقلابی'' کردار تو ع ''خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود'' کے مصداق داستانِ پارینہ بن چکا ہے البتہ ایک اسلام پسند' قومی' سیاسی پارٹی کی حیثیت سے جماعت کا وجود باقی ہے!

ابتداء میں یہ انکشاف میرے لئے حد درجہ اذیت بخش تھا اور مجھ پر شدید رنج و غم اور مایوسی کا غلبہ ہو گیا تھا مگر جیسے جیسے اس مسئلے کے دوسرے پہلو واضح ہوتے گئے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعت کی اس تبدیلی کو محسوس کرنے والا میں تنہا ہی نہیں ہوں بلکہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جن میں ایک اچھی بھلی تعداد اس کے

'اکابر' کی بھی ہے تو ذرا ہمت بندھی کہ غلطی کا ازالہ ممکن ہے اور ذرا کوشش کی جائے تو اس تحریک کو دوبارہ اپنے اصل رخ پر ڈالا جا سکتا ہے۔

اسی امید پر میں نے اڑھائی صد صفحات پر پھیلی ہوئی ایک تحریر کے ذریعے جماعت اسلامی کے قبل از تقسیم ہند موقف اور طریق کار اور بعد از تقسیم پالیسی کے تفاوت اور تضاد کو واضح کیا اور جماعت کے ارباب حل و عقد سے اپیل کی کہ وہ نئے طریق کار کو ترک کر کے سابق طریق کار ہی کی جانب رجوع کریں!

میری یہ تحریر اب "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے اور اس موضوع پر میں اس وقت مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ میں نے یہ تحریر ۱۹۵۶ء میں لکھی تھی اور اب ۷۴ء ہے' لیکن اٹھارہ سال گزر جانے کے بعد بھی میں اسے اتنا ہی صحیح سمجھتا ہوں جتنا اس وقت سمجھتا تھا اور میرے موقف میں سرِمو فرق واقع نہیں ہوا ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں پختگی ہی پیدا ہوتی چلی گئی ہے!

لیکن افسوس کہ جماعت اسلامی میں یہ اختلافِ رائے انتہائی ہنگامہ خیز بن گیا اور اواخرِ ۵۶ء اور اوائل ۵۷ء کا تقریباً چھ ماہ کا عرصہ جماعت اسلامی پاکستان پر ایک سخت بحرانی کیفیت میں گزرا۔ جس کے نتیجے میں کم و بیش ستّر اسّی ارکان جماعت سے علیحدہ ہو گئے جن میں مجھ ایسے عام کارکنوں کے ساتھ ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبدالجبار غازی' مولانا عبدالغفار حسن' مولانا عبدالرحیم اشرف' شیخ سلطان احمد' سردار اجمل خاں لغاری ایسے اکابر بھی شامل تھے اور گویا جماعت کی قیادت کی پوری صفِ دوم جماعت سے کٹ گئی تھی۔

یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا اور اس کی اصل ذمہ داری کس پر ہے؟ یہ ایک بڑی تلخ داستان ہے جس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ تاہم میں نے آیۂ مبارکہ

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا"[1] کے حوالے سے 'نقضِ غزل' کے عنوان کے تحت اس کے اہم حصے سپردِ قلم کر دیئے تھے' جو حضرات دلچسپی رکھتے ہوں ان کا مطالعہ کر لیں۔[2]

میں نے جماعت کی رکنیت کی درخواست ۱۵ نومبر ۵۴ء کو تحریر کی تھی اور تقریباً ڈھائی سال بعد اپریل ۵۷ء کی کسی تاریخ کو میں نے انتہائی بوجھل دل کے ساتھ جماعت کی رکنیت سے استعفاء تحریر کر دیا۔[3]

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں نے زندگی کا وہ نصب العین بھی ترک کر دیا جس کے حصول کے لئے میں نے جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی اور احیائے اسلام و تجدیدِ دین اور شہادتِ حق و اقامتِ دین کی اس جدّوجہد سے بھی لاتعلقی اختیار کر لی جسے میں نے پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا۔

اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ بحمد اللہ گزشتہ سترہ اٹھارہ سالوں کے دوران میں مجھ پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میری نگاہوں سے احیائے اسلام اور اقامتِ دین کا بلند و بالا نصب العین اوجھل ہوا ہو یا مجھے اپنے ان فرائض کے بارے میں کوئی شک یا شبہ لاحق ہوا ہو۔ سبب اس کا پہلے ہی بیان کر چکا ہوں یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا تعلق پہلے ہی اشخاص سے نہیں بلکہ قرآن

---

[1] سورۂ نحل آیت ۹۲: "نہ بن جاؤ اس بڑھیا کے مانند جس نے سوت کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا!"

[2] یہ داستان حال ہی میں مکمل صورت میں "تاریخ جماعتِ اسلامی کا ایک گمشدہ باب" کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہو گئی ہے!

[3] درخواست رکنیت اور تحریر استعفا دونوں "تاریخ جماعتِ اسلامی کا ایک گمشدہ باب" میں شامل ہیں۔

م سے قائم ہو چکا تھا اور یہ بات مجھ پر ازروئے قرآن منکشف ہو چکی تھی کہ
دتِ حق میری ذمّہ داری اور اقامتِ دین میرا فرض ہے۔ اگر کوئی جماعت ایسی
ود ہو جس میں انشراحِ صدر کے ساتھ شریک ہو کر اپنے ان فرائض کو ادا کر
ں تو فبہا' اس جماعت کا وجود میرے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ لیکن اگر ایسا
و تب بھی فرض تو ساقط نہیں ہو جاتا' اگرچہ کام کٹھن ضرور ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ
ن ازخود کھڑا ہو اور اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے دوسروں کو دعوت دے
ایک جماعت تشکیل دے کر ان فرائض سے عہدہ برآ ہو یا بصورت آخر کم از کم
ذاتی حیثیت میں تن تنہا کوشاں رہے۔

اشخاص آئیں گے اور چلے جائیں گے۔ جماعتیں بنیں گی اور منتشر ہو جائیں گی
ن اللہ کا دین بھی دائم و قائم رہے گا اور اس کی کتاب بھی! انسان کا فرض یہ ہے
فرمانِ نبوی "قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا، كِتَابَ اللهِ"[1] کے
راق قرآن ہی کو اپنا رہنما اور ہادی و امام بنائے اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر
زن رہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی کسی خدمت کی توفیق مرحمت فرما دے تو
ے سراسر اُسی کا فضل و کرم اور انعام و احسان سمجھے گویا:۔

مِنّت مَنہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی!
مِنّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت!

جماعت اسلامی سے علیٰحدگی کے بعد ابتداءً قوی امید تھی کہ علیٰحدہ ہونے والے
رات ایک نئی تنظیمی ہیئتِ تشکیل دے کر جماعت کے سابق طریق کار کے طرز پر

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کا ایک فقرہ: "میں چھوڑ چلا ہوں تمہارے مابین وہ چیز کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یعنی کتاب اللہ!"

عملی جدّوجہد شروع کر دیں گے اور یہ امید ہرگز بے بنیاد نہ تھی اس لئے کہ علیٰ
ہونے والوں میں نہ اہلِ علم کی کمی تھی نہ اصحابِ فضل کی' اور ان میں چار حضرات
بھی تھے جن کے کاندھوں پر مولانا مودودی کی اسیری و نظر بندی کے مختلف مواقع
جماعت کی امارت کا بوجھ آ چکا تھا،گویا تنظیمی اعتبار سے بھی جماعت میں ان کا مق
بلند رہا تھا!

یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو سال یعنی وسط ۵۷ء سے وسط ۵۹ء کا عرصہ اس ح
میں بیتا کہ آج لاہور کا سفر ہے تو کل لائلپور کا اور ابھی رحیم آباد سے لوٹا ہوں تو سک
کے لئے رختِ سفر باندھ رہا ہوں۔ وَقِس علیٰ ہٰذا۔ یہاں تک کہ ایک بار یعنی دس
۵۸ء میں تو ساہیوال میں اپنا مطب بند کر کے اہل و عیال سمیت کراچی منتقل ہو گ
اگرچہ وہاں سے چھ یا سات ماہ بعد ہی والد صاحب مرحوم کی علالت کے باعث لو
آنا پڑا۔

اس دوران میں متعدّد اہم مشاورتی اجلاس بھی منعقد ہوئے جن میں سب
بڑا خود میرے زیرِ اہتمام عزیز ٹینریز ہڑپہ میں منعقد ہوا تھا جس میں تقریباً تمام ا
لوگ شریک ہوئے اور جو غالبًا تین روز تک جاری رہا۔

لیکن افسوس کہ یہ ساری بھاگ دوڑ بے نتیجہ رہی اور مختلف اسباب کی بنا
جماعت سے علیٰحدہ ہونے والے حضرات کسی نئی ہیئتِ اجتماعیہ کے قیام پر متفق نہ
سکے اور رفتہ رفتہ سب نے اپنے اپنے ذوق اور مزاجِ طبع کی مناسبت سے انفرادی ط
پر مختلف تعمیری سرگرمیوں کا آغاز کر دیا جو تقریباً سب کی سب علمی و تعلیمی نوعیت
تھیں۔ مثلاً مولانا اصلاحی صاحب نے لاہور میں حلقہ تدبّرِ قرآن قائم کر لیا' ماہنا
'میثاق' جاری فرمایا اور تفسیر تدبر قرآن کی تسوید کا آغاز کر دیا۔ حکیم عبدالر
اشرف نے لائل پور میں 'جامعہ تعلیمات اسلامیہ' قائم کر لیا اور ہفت رو
'المنبر' پر محنت شروع کر دی۔ مولانا عبدالغفار حسن ابتداءً ان کے شریک کار ر

اور بعد میں میرے ساتھ اشتراکِ عمل کے لئے ساہیوال منتقل ہوگئے۔ مولانا عبدالجبار غازی نے راولپنڈی میں ایک ہائی سکول قائم کیا اور وہ اس کی تعمیر و ترقی میں ہمہ تن منہمک ہوگئے' سردار اجمل خاں لغاری نے ' ادارہ اجمل باغ ' کے نام سے جامعہ ملیہ دہلی کے طرز پر ایک ادارہ قائم کر لیا۔ وقِس علیٰ ہٰذا۔

میں نے بھی وسط ۵۹ء میں کراچی سے واپس ساہیوال آکر دو کاموں کا آغاز کر دیا۔ یعنی ایک حلقہ مطالعۂ قرآن اور دوسرے کالج میں زیر تعلیم طلبہ کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے ایک ہاسٹل کا قیام۔ ان دونوں سے مقصود ایک ہی تھا یعنی مقدّم الذکر کے ذریعے عوام میں اور مؤخّر الذکر کے ذریعے کالج کے طلبہ میں قرآن حکیم سے ایک قلبی لگاؤ اور ذہنی تعلّق پیدا کرنے کی کوشش۔ اس غرض کے لئے میں نے ان مقامات پر بعض اضافے کر کے جو میں نے مولانا اصلاحی صاحب سے پڑھے تھے ایک قدرے وسیع تر منتخب نصاب مرتّب کیا اور اس کا درس دیا۔

تقریباً ڈھائی برس (یعنی اواخر ۶۱ء تک) میں ساہیوال میں اپنے مطب کے ساتھ ساتھ ان دونوں کاموں میں پورے انہماک کے ساتھ مشغول رہا۔

اوائل ۶۲ء میں بڑے بھائی صاحب کی طرف سے دین اور دنیا یعنی معاش اور معاد دونوں کے لئے مشترکہ کوشش کی ایک نہایت دل آویز اور خوش آئند تجویز کے تحت میں کراچی منتقل ہوگیا اور اگرچہ بہت جلد محسوس ہوگیا کہ یہ بھی ایک "دامِ ہمرنگِ زمیں" ہی ہے' تاہم ایک دفعہ اس میں گرفتار ہونے کے بعد کم و بیش تین سال اس سے رہائی حاصل کرنے میں لگے اور ۶۵ء میں مَیں واپس ساہیوال آسکا۔

کراچی کے اس قیام کے دوران میں بھی میرا جنوں بالکل بیکار نہ بیٹھ سکا۔ چنانچہ وہاں بھی میں نے مقبول عام ہائی سکول میں ایک "حلقۂ مطالعۂ قرآن" قائم کیا جس کے ہفتہ وار اجتماعات میں مَیں اُسی منتخب نصاب کا درس دیتا رہا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے! دوسرے اس زمانے میں مَیں نے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کا

امتحان بھی کر لیا جس میں اتفاقاً میں یونیورسٹی میں اول بھی آ گیا!

ساہیوال اور کراچی میں قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے درس سے کسی اور کو کوئی نفع پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو کم از کم مجھے ضرور یہ فائدہ پہنچا کہ تحریک اسلامی سے مسلسل آٹھ نو سال تک تنظیمی اعتبار سے لاتعلق رہنے کے باوجود اس کی اساسی دعوت سے بھی میرا ذہنی اور قلبی تعلق برقرار رہا اور اپنے دینی فرائض کے احساس اور ذمہ داریوں کے شعور سے بھی میرا ذہن فارغ نہ ہو سکا گویا مجھے اپنا سبق یاد رہا اور میری حالت اس شعر کے مصداق رہی کہ ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا!

کراچی سے واپس ساہیوال آ کر میں ابھی اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ۱۱ نومبر ۶۵ء کو والد صاحب انتقال فرما گئے' اِنّا للہ واِنّا ا[لیہ] راجعون۔ نتیجۃً سرزمین ساہیوال سے جو ایک محکم رشتہ ان کی وجہ سے قائم تھ[ا] ختم ہو گیا۔ ادھر دو بار نقل مکانی کے بعد اب از سرنو ساہیوال میں پریکٹس شر[وع] کرنے میں بھی کچھ حجاب سا محسوس ہوتا تھا۔ تبلی طور پر ان دو عوامل اور اثباتی پر اس خیال نے کہ 'مقصدِ زندگی' کے اعتبار سے سرزمینِ لاہور ہی میں کسی کا[م کا] آغاز مناسب ہو گا' مجھے اواخر ۶۵ء میں ساہیوال سے لاہور لا بٹھایا' اور اس [طرح] زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا!

لاہور میں میرا اوّلیں پروگرام یہ تھا کہ میں 'حلقۂ تدبّرِ قرآن' میں شامل ہو[کر] مولانا اصلاحی کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمّذ تہہ کروں گا اور عربی کی تکمیل بھی کر[وں]

گا اور علمِ قرآن کی تحصیل بھی۔ لیکن کچھ عرصہ حلقے میں شرکت کرنے کے بعد میں نے بھی محسوس کیا کہ مولانا پر پہلے گروپ پر محنت کے نتائج کے پیشِ نظر کچھ تکان سی طاری ہو چکی ہے اور اب وہ دوبارہ اس نوعیّت کی محنت پر آمادہ نہیں ہیں اور خود مولانا نے بھی واضح الفاظ میں یہ بات فرما دی۔ نتیجۃً میرا یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اب جو آئندہ کے پروگرام کے بارے میں غور کیا تو وہ چنگاری پھر پوری شدت کے ساتھ بھڑک اٹھی جو گزشتہ آٹھ نو سالوں کے دوران بھی ع "آگ بجھی ہوئی نہ جان آگ دبی ہوئی سمجھ!" کے مصداق سلگتی رہی تھی، چنانچہ نگاہیں دو کاموں پر مرتکز ہو گئیں۔ ایک یہ کہ جماعت اسلامی سے علیٰحدہ ہونے والے سابق رفقاء میں سے زیادہ سے زیادہ جتنے لوگ ذہنی یکسوئی اور فکری یک جہتی کے ساتھ مجتمع ہو سکیں انہیں ایک نظم میں منسلک کیا جائے تاکہ عمومی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام منظم طریق پر کیا جا سکے اور فریضۂ شہادتِ حق اور اقامتِ دین کے لئے اجتماعی جدّوجہد دوبارہ انہی خطوط پر شروع کی جا سکے جن پر جماعت اسلامی نے اپنے دورِ اوّل میں کام کا آغاز کیا تھا اور دوسرے یہ کہ علومِ قرآنی کی نشر و اشاعت کا وسیع بندوبست کیا جائے تاکہ ذہین نوجوان قرآن حکیم کی جانب متوجّہ ہوں اور اس چشمۂ علم و حکمت سے کماحقہٗ سیراب ہو کر اس کی ہدایت و رہنمائی کو خالص علمی انداز میں پیش کر سکیں۔

پہلے مقصد کے لئے میں نے اولاً ۵۶ء کا تحریر شدہ بیان پورے دس سال بعد

لہ مولانا محمد منظور نعمانی مدیر 'الفرقان' لکھنؤ نے مولانا اصلاحی صاحب کے نام اپنے ایک خط میں جو 'میثاق' بابت نومبر ۶۶ء میں شائع کر دیا گیا تھا کتاب اور اس کے مؤلف کے بارے میں اس تاثر کا اظہار فرمایا کہ "کتاب بہت خوب ہے اور آٹھ دس سال تک اس کو روکے رکھنے کا ان کا عمل تو بہت ہی قابلِ داد اور لائق سبق آموزی ہے"۔

"تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا تاکہ ایک[1] طرف تو وہ لوگ جو جماعت اسلامی سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور علیٰحدہ ہونے والوں سے بھی کسی قدر حسنِ ظن رکھتے ہیں اور لاعلمی کے باعث حیران ہیں کہ جماعت میں ۵۷-۱۹۵۶ء میں جو اختلافِ رائے پالیسی اور طریق کار کے بارے میں پیدا ہوا تھا اس کی صحیح نوعیّت کیا تھی' ان کے سامنے اختلاف کی صحیح صورت آ سکے۔ دوسری طرف جماعت اسلامی سے منسلک احباب بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کر سکیں اور گزشتہ نو دس سالہ جدوجہد کے نتائج کی روشنی میں غور کر سکیں کہ ۵۷-۱۹۵۶ء میں پالیسی کے بارے میں صحیح موقف کس کا تھا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علیٰحدہ ہونے والے حضرات بھی غور کریں کہ وہ جماعت میں کس مقصد سے شامل ہوئے تھے' کس بنیاد پر علیحدہ ہوئے تھے اور اب کیا کر رہے ہیں؟

پھر جب کتاب شائع ہوگئی تو فطری طور پر اس پر اخبارات اور جرائد میں بھی تبصرے ہوئے اور بہت سے حضرات نے انفرادی خطوط میں بھی اظہارِ خیال فرمایا۔ ان 'تبصروں' اور 'آراء' میں دو باتیں نہایت نمایاں تھیں۔ ایک یہ کہ کتاب کے مؤلّف کے خلوص کے بارے میں بھی بالعموم اطمینان کا اظہار کیا گیا اور خود کتاب کے اسلوبِ نگارش کو بھی سراہا گیا اور خود جماعتی حلقوں کی جانب سے یا تو حیرت کے انداز میں یا الزامی جواب کے طور پر یہ بات کہی گئی کہ جب جماعت سے علیٰحدہ ہونے والوں کا موقف یہ ہے تو آخر انہوں نے علیٰحدگی کے بعد انہی خطوط پر کسی مثبت جدوجہد کا آغاز کیوں نہیں کیا؟

اس دوسرے سوال یا الزام کے جواب میں مَیں نے واضح طور پر تسلیم کیا کہ

---

[1] ظاہر ہے کہ اگر مجھے جماعت پر کیچڑ اچھالنا مطلوب ہوتا تو میں یہ کتاب جماعت سے علیٰحدہ ہوتے ہی فوراً شائع کر دیتا لیکن اس وقت کتاب تو کیا شائع ہوتی میرے استعفےٰ کی خبر بھی اخبار میں شائع نہ ہوئی۔

اگرچہ اس کے بہت سے اسباب ہیں تاہم ہے یہ بہرحال ایک اجتماعی تقصیر اور مجموعی کوتاہی جس کی تلافی جماعت سے علیٰحدہ ہونے والے حضرات پر فرض ہے۔

بحمداللہ ان تمام امور کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور ۶۷-۶۶ء میں جماعت سے علیٰحدہ ہونے والے حضرات کے حلقے میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی جسے کسی مفید اور مثبت رخ پر ڈھالنے کی کوشش میں دو بزرگوں یعنی مولانا عبدالغفار حسن اور شیخ سلطان احمد صاحب نے خصوصی حصہ لیا۔ نتیجۃً اواخر ۶۷ء میں ایک خاصا بڑا اجتماع رحیم یار خاں میں منعقد ہوا اور اس میں ایک قرارداد اور اسی کی قدرے مفصّل تشریح پر اتفاق ہوگیا اور خاصی قوی امید قائم ہوگئی کہ اب یہ قافلہ واقعۃً سفر کا آغاز کردے گا۔*

لیکن معاملہ وہی ہوا کہ ؏ "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!" اور بعض 'کرم فرماؤں' کی 'کرم فرمائی' سے یہ کوشش نہ صرف یہ کہ پروان چڑھنے سے پہلے ہی ختم ہوگئی بلکہ اپنے پیچھے مایوسی و بددلی اور تشتّت و انتشار کے گہرے سائے چھوڑ گئی۔ میں یہاں کسی کا نام لینا نہیں چاہتا اس لئے کہ جس نے جو کچھ کیا اس کی جزا یا سزا وہ اپنے رب کے یہاں پالے گا۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔

بہرحال اس مرحلے پر میں نے خوب سوچ سمجھ کر پوری دلجمعی کے ساتھ یہ فیصلہ کرلیا کہ اب جو کچھ کرنا ہے انفرادی طور پر اور ازخود کرنا ہے۔ نہ بزرگوں کے انتظار میں رہنا ہے کہ وہ آگے بڑھیں تو میں بھی چلوں نہ سابق رفقاء کی راہ تکنی ہے کہ وہ ساتھ قدم ملائیں تو میں بھی سفر کا آغاز کروں۔ ہر شخص خدا کی عدالت میں انفرادی طور پر پیش ہوگا اور اپنی اپنی جوابدہی کرے گا۔ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا۔ لہٰذا کوئی اور آگے بڑھے یا نہ بڑھے اور ساتھ دے یا نہ دے' مجھے اپنی ذمہ داری کی

---

* یہ قرارداد مع توضیحات "تعارف تنظیم اسلامی" نامی کتاب میں شامل ہے!

ادائیگی کی فکر بہرحال کرنی ہے!

اب جو میں نے اپنا جائزہ لیا تو نظر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم کے ساتھ ایک ذہنی مناسبت بھی عطا فرما دی ہے اور کچھ قوتِ گویائی اور تحریر و تقریر دونوں کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر کسی قدر قدرت سے بھی نواز دیا ہے۔ لہٰذا دین کی ایک حقیر سی خدمت جو مجھ سے بن آ سکتی ہے اور احیائے اسلام اور شہادتِ حق کی عظیم جدّوجہد میں ایک حقیر سا حصہ جو میں لے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن حکیم سے روشناس اور متعارف کراؤں۔ کتاب اللہ کی عظمت کو اجاگر کروں اور لوگوں کو اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی ترغیب دلاؤں' یہ خدمت میری نسبت سے چاہے کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو اپنی جگہ نہایت عظیم ہوگی۔ اس لئے کہ علم و حکمت کا اصل سرچشمہ قرآن حکیم ہی ہے۔ اس سے دلوں میں ایمان اور یقین کی شمعیں روشن ہوں گی' فکر بدلے گا' سوچ بدلے گی' نقطۂ نظر تبدیل ہوگا اور اقدار (Values) بدل جائیں گی۔ نتیجۃً کردار و عمل میں بھی انقلاب برپا ہوگا اور اگر اللہ نے چاہا تو یہی عمل (Process) کسی ہمہ گیر انقلابی جدوجہد کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

لہٰذا میں نے اللہ کا نام لیا اور جنوری ۶۸ء سے اپنی بہتر اور بیشتر مساعی اور اپنے بہتر اور بیشتر اوقات کو اسی مقصد عظیم کے لئے وقف کر دیا اور آج جبکہ مجھے ان خطوط پر کام کرتے سات سال[1] کا عرصہ ہونے کو آیا ہے میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ میرا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا اور واقعتہً "کرنے کا اصل کام" یہی تھا! فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة!!

اپنے پیشِ نظر مقصد کے لئے میں نے سب سے پہلے اس امر کی کوشش کی کہ وہ

---

[1] واضح رہے کہ یہ تحریر ۱۹۷۵ء کی ہے

چشمۂ فیض پھر پورے زور شور کے ساتھ جاری ہو جائے جس کے طفیل مجھ میں قرآن حکیم کے مطالعے کا ذوق و شوق اور اس کے علم و حکمت کے نشر و اشاعت کا جذبہ پیدا ہوا تھا یعنی مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے استاذ امام حمید الدین فراہی کا فکرِ قرآنی اور اسلوبِ تدبّرِ قرآن!

اس غرض سے اوّلاً میں نے تفسیر تدبّرِ قرآن کی جلد اوّل کی طباعت و اشاعت کا بیڑا اٹھایا' اور یہ سراسر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و احسان ہے کہ میں اس کٹھن وادی سے سرخرو ہو کر نکلا[1]۔ اس کے معًا بعد میں نے مولانا کی وہ دو تصانیف شائع کیں جن سے میں ابتداء ہی سے بہت متأثر تھا۔ یعنی "مبادیٔ تدبّرِ قرآن" اور "دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار"۔ ان پر مستزاد تھے دو چھوٹے کتابچے یعنی "قرآن اور پردہ" اور "اقامتِ دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار"۔

ثانیاً مولانا اصلاحی کے ایک ہفتہ وار درسِ قرآن کا اہتمام کرشن نگر میں پہلے اپنے مکان پر اور بعد ازاں ایک مسجد میں کیا۔ اگرچہ وہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا اور مولانا کی علالت کے باعث جلد ہی بند ہو گیا۔

---

[1] مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر 'صدق جدید' لکھنؤ نے تدبّرِ قرآن جلد اوّل پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا: "حسنِ معنوی سے قبل نظر کتاب کے جمال ظاہری پر پڑتی ہے اور جم کر رہ جاتی ہے۔ کوئی تفسیر قرآن اتنی حسین و جمیل چھپی ہوئی دیکھنا یاد نہیں پڑتی۔ کاغذ' کتابت' چھپائی' جلد بندی ہر اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے!" اور خود راقم نے لکھا کہ "کسی کام کی تکمیل کے بعد 'فی کم فرغتَ؟' کے بجائے اصل سوال 'ما صنعتَ؟' کا ہوتا ہے تو اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر بجا لاؤں کم ہے کہ کتاب کی اشاعت میں دیر چاہے ہو گئی اس کی کتابت' طباعت' جلد بندی سب کی سب نہایت عمدہ ہوئیں۔ مولانا اصلاحی کے لئے شاید کتاب کی تصنیف بھی اتنی بڑی بات نہ ہو جتنی میرے لئے اس کی طباعت اور اشاعت' میں اسی پر خوش ہوں ع "شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم!" (میثاق مارچ و اپریل ۱۹۶۸ء)

ماہنامہ 'میثاق' جو مولانا نے جون ۵۹ء میں جاری فرمایا تھا اور جس کی اشاعت کچھ عرصے سے بند تھی اس کا دوبارہ اجرا میرے اہتمام میں اور میرے ہی زیر ادارت جولائی ۶۶ء میں ہو چکا تھا[1] جس کے ذریعے اس فکر کی اشاعت بھی ایک وسیع حلقے میں ہو رہی تھی اور مولانا اصلاحی کی تفسیر اور مولانا فراہی کے 'افادات' کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری تھا!

طباعت اور اشاعت کے اس سلسلے کے لئے میں نے 'دارالاشاعت الاسلامیہ' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جسے کوئی اور صورت موجود نہ ہونے کے باعث مجبوراً ذاتی ملکیت کی شکل دی اور واضح کر دیا کہ جیسے ہی کوئی اجتماعی ہیئت قائم ہوئی' یہ پورا سلسلہ اس کو منتقل کر دیا جائے گا۔

دوسری طرف میں نے خود اپنے درس قرآن اور اپنی بعض تحریروں اور تقریروں کی اشاعت کا سلسلہ بھی پورے اہتمام کے ساتھ شروع کر دیا۔

جہاں تک درس قرآن کا تعلق ہے اس کا آغاز اگرچہ میں نے ۶۷ء کے دوران ہی میں کر دیا تھا' چنانچہ کرشن نگر میں بھی درس کے دو حلقے قائم تھے اور ایک حلقہ کچھ عرصہ دل محمد روڈ پر واقع ایک رفیق کے مکان پر بھی قائم رہا تھا تاہم لاہور میں میرے درس قرآن کا اصل آغاز جنوری ۶۸ء میں سمن آباد میں ہوا۔

---

[1] ایک ماہانہ پرچے کی ضرورت میں نے 'تحریک جماعت اسلامی' کی اشاعت کے فوراً بعد ہی محسوس کر لی تھی چنانچہ کچھ بھاگ دوڑ کر کے "الرسالہ" کے نام سے میں نے ایک ماہنامے کا ڈیکلریشن بھی حاصل کر لیا تھا لیکن جب یہ چیز مولانا کے علم میں آئی تو انہوں نے تاکیداً فرمایا کہ 'الرسالہ' کے بجائے 'میثاق' ہی کو دوبارہ زندہ کر لو۔ چنانچہ میں نے ڈیکلریشن ضائع کر دیا اور 'میثاق' ہی کا اجرا کر دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان ہی دنوں مولانا وحید الدین خاں دہلی سے لاہور آئے ہوئے تھے۔ انہیں 'الرسالہ' کا نام اس درجہ پسند آیا کہ اُسی کو اپنے جریدے کے لئے اختیار کر لیا!

تقریب اس کی یہ ہوئی کہ میرے ایک عزیز نے اپنے مکان واقع سمن آباد میں کچھ ترمیم اور کچھ تعمیرِ مزید کے سلسلے میں دو کمروں کے درمیان میں سے ایک دیوار نکلوا دی جس سے ایک بڑا سا کمرہ وجود میں آگیا جس میں کم و بیش ایک صد آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ ادھر میں اس فکر میں تو تھا ہی' میں نے فوراً تجویز پیش کر دی کہ یہاں درس قرآن ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے انہیں اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا پس ہر اتوار کی صبح کو درس کی ہفتہ وار نشست شروع ہو گئی۔

ابتداء میں حاضری ۳۵-۳۰ تھی' کچھ ہی عرصے بعد کمرہ بھر گیا۔ صاحبِ خانہ نے ہمت کی اور ایک لاؤڈ سپیکر خرید لیا اور کمرے کے باہر برآمدے اور پھر اس کے بعد لان میں بھی نشست کا انتظام کر دیا۔ لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ ع "کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے!"

مسجدِ خضراء سمن آباد سے اوّل روز ہی سے پرزور فرمائش تھی کہ درس یہاں ہونا چاہئے! میں مساجد کے معاملے میں بہت خائف تھا۔ اس لئے کہ اول تو مسجدیں اکثر و بیشتر فرقوں اور گروہوں کی ہوتی ہیں اور وہاں ایک مخصوص مسلک سے ہٹ کر کچھ کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ پھر ان میں چودھراہٹ کے لئے رسّہ کشی بھی ہوتی رہتی ہے، تاہم جب ضرورت متقاضی ہوئی تو میں نے دعوت قبول کر لی اور درس گھر سے مسجد میں منتقل ہو گیا۔ وہاں اجتماعِ جمعہ میں تقریر کا سلسلہ پہلے ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ اس طرح مسجد خضراء اس قرآنی تحریک کا مرکز بن گئی۔

> بعد میں مسجد خضراء میں ایک طویل عرصے تک جو غیر معمولی اور مثالی حالات رہے ان کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کام کو شرف قبول حاصل ہو چکا تھا اور اس کی خصوصی تائید و توفیق اسے حاصل تھی۔

اسی تائید ایزدی کا نتیجہ تھا کہ جلد ہی لاہور میں اس حلقۂ درس کی دھوم ہو گئی

اور اتوار کی صبح کو جبکہ عموماً طبائع پر کسل کا غلبہ بھی ہوتا ہے اور اکثر لوگوں نے بہت سے کام بھی ہفتہ وار چھٹی کے خیال سے رکھے ہوئے ہوتے ہیں بغیر کسی جماعتی تعلق یا تنظیمی بندھن کے' اور بغیر کسی ہنگامی یا سیاسی مسائل کی چاشنی کے' خالصتہً قرآن مجید کا درس سننے کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد تین ساڑھے تین صد تک پہنچ گئی۔ جن میں اکثریت پڑھے لکھے ہی نہیں' اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی ہوتی تھی۔

> در آنحا لیکہ درس دینے والا نہ عالم تھا نہ فاضل' نہ اس کے پاس کسی دارالعلوم کی سند تھی نہ کسی خانقاہ کا اجازت نامہ! بلکہ خود اپنے قول کے مطابق اس کی حیثیت محض ایک طالب علم کی تھی۔

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

اس حلقۂ درس کا چرچا صرف لاہور تک محدود نہ رہا بلکہ کچھ تو لاہور آنے جانے والے لوگوں کے طفیل اور زیادہ تر ان حضرات کے ذریعے جو پہلے لاہور میں تھے اور درس میں شریک ہوتے تھے' بعد ازاں تبدیل ہو کر یا نقل مکانی کر کے دوسرے مقامات پر چلے گئے' اس کا ذکر دور دراز تک پہنچ گیا اور میں اس حقیقت کو چھپانے کا ہرگز خواہشمند نہیں بلکہ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کے مصداق اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے بڑی خوشی ہوئی جب مجھے معلوم ہوا کہ اس حلقۂ درس کے چرچے حرمین شریفین میں بھی ہوئے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

اس حلقے میں سب سے پہلے تقریباً چھ ماہ میں نے مطالعۂ قرآن حکیم کے اسی منتخب نصاب کا درس دیا جو اب ارتقائی مراحل طے کر کے گویا تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ بعد

ازاں قرآن حکیم کا آغاز سے سلسلہ وار درس شروع کر دیا۔ ابتدا میں مجھے اندیشہ تھا کہ شاید اس مرحلے پر لوگوں کی دلچسپی برقرار نہ رہے لیکن صورت اس کے بالکل برعکس ہوئی اور بحمد اللہ شوق بڑھتا ہی گیا۔ ۷۰ء کے اواخر اور ۷۱ء کے آغاز میں علالت اور سفرِ حج وغیرہ کے باعث چار ماہ کے تعطّل کے بعد جب اس حلقے میں دوبارہ درس کا آغاز ہوا تو ایک بار پھر میں نے منتخب نصاب ہی کا درس دیا۔ اور اس کے بعد سلسلہ وار مطالعہ شروع کر دیا اور اب تقریباً ساڑھے چھ سال بعد ہم اس حلقے میں قرآن مجید کے چودھویں پارے کا مطالعہ کر رہے ہیں! (یہ ذکر ۷۴ء کا ہے!)

اس حلقے کا نقطۂ عروج تھا اگست ۷۲ء میں منعقد شدہ ایک دس روزہ تربیتی کیمپ جس میں پھر روزانہ تین اسباق کی شرح سے پورے منتخب نصاب کا درس دیا گیا اور جس کے دوران میں مسجد خضراء کا منظر واقعی ایسا تھا جیسے قرآن حکیم کا ایک حقیقی جشن منایا جا رہا ہو۔

اس کے علاوہ لاہور میں متعدّد مقامات پر درس کے حلقے قائم ہوئے جس میں کہیں ہفتہ وار اور کہیں ماہوار درس ہوتے رہے اور اس طرح لاہور کی آبادی کے ایک خاصے قابلِ لحاظ حصّے تک قرآن کی دعوت پہنچا دی گئی!

لاہور میں میرے اس کام کا ذکر سن کر کراچی سے بھی چند اصحاب جن کی اکثریت سے تعارف جماعت اسلامی کے سابق تعلق ہی کی بنا پر تھا غالباً اگست ۷۱ء میں لاہور آئے اور اس طرح کراچی میں بھی اس دعوتِ قرآنی کا آغاز ہوا اور خود میری آمد و رفت کا بھی ایک مستقل سلسلہ شروع ہو گیا! جس کے دوران گاہے گاہے ملتان، رحیم یار خاں، صادق آباد اور سکھر میں بھی قیام ہو جاتا تھا اور درسِ قرآن کی نشستیں منعقد ہو جاتی تھیں۔

درس قرآن کے اس روز افزوں سلسلے کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی بعض تحریریں بھی کتابچوں کی صورت میں شائع کرنی شروع کیں۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی

تھی "اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" جس کا علمی حلقوں میں بہت خیر مقدم ہوا۔ چنانچہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ایک مفصّل تحریر اس کی تحسین اور تائید میں لکھی[1] اور جناب صفدر میر نے ایک پورا مقالہ 'پاکستان ٹائمز' کے ادارتی صفحات میں شائع کیا۔ بحمد اللہ اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور چوتھا غالباً جلد ہی شائع کرنا ہو گا۔ یہ اس لئے کہ اس کی حیثیت گویا اس قرآنی تحریک کے اساسی مینی فسٹو کی بن گئی تھی اور ہے! (اب تک چوتھا ایڈیشن بھی چھپ کر ختم ہو چکا ہے!)

دوسرے نمبر پر میری ایک تقریر شائع ہوئی "قرآن اور امن عالم"۔

اور پھر شائع ہوا وہ کتابچہ جسے اللہ نے وہ قبولِ عام عطا فرمایا کہ باید و شاید! یعنی "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" جس کا پہلا ایڈیشن دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گیا، چنانچہ دوسری بار اسے دس ہزار کی تعداد میں شائع کرنا پڑا اور وہ بھی اب قریباً قریباً ختم ہے[2]۔ جس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد ابراہیم مرحوم و مغفور نے ایسی محبت اور عقیدت کے ساتھ کیا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی اور جس کا عربی ترجمہ پہلے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے ماہنامے 'البعث الاسلامی' میں قسط وار شائع ہوا اور بعد میں کتابچے کی صورت میں' اور جسے عوام نے بھی پسند کیا اور خواص نے

---

[1] میرے اس اصل مضمون اور چشتی صاحب کی تائیدی تحریر کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا بادی نے 'صدق جدید' بابت ۷ فروری ۶۹ء میں تحریر فرمایا:

"دونوں مقالے ماہنامہ 'میثاق' لاہور میں قسط وار نکل چکے ہیں' دونوں کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ دونوں فکر انگیز ہیں اور ایک طرف جوش و اخلاص اور دوسری طرف دانش اور باریک بینی کے مظہر ہیں۔ مرض کی تشخیص اور تدبیر علاج دونوں میں دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ تشخیص اور علاج اناڑیوں اور عطائیوں کا سا نہیں۔ رسالہ ہر پڑھے لکھے کے ہاتھ میں جانے کے قابل ہے......"

[2] اس کے بعد اس کے متعدد مزید ایڈیشن طبع ہو کر ختم ہو چکے ہیں اور اب حال ہی میں اس کا دسواں ایڈیشن طبع ہوا ہے۔

بھی، جس کی حضرات علماء نے بھی تحسین و تصویب فرمائی اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات نے بھی قدر کی اور داد دی۔ جس کے بارے میں پروفیسر چشتی صاحب نے فرمایا کہ "بلاشبہ یہ مضمون لکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنے لئے سعادتِ اخروی کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے!" اور مولانا اصلاحی صاحب نے دعا دی کہ "اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں!" فللّٰہ الحمد والمنّۃ!

قصّہ مختصر یہ کہ ان حلقہ ہائے درسِ قرآن اور اس سلسلۂ مطبوعات نے مل جل کر اس 'دعوتِ قرآنی' کو ایک تحریک کی صورت دے دی جس نے ۱۹۷۲ء میں پہلے تنظیمی مرحلے میں قدم رکھ دیا۔

دین کی اس چھوٹی سی خدمت کا آغاز، جس نے بعد میں 'دعوت رجوع الی القرآن' اور 'تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن' کی شکل اختیار کر لی، میں نے اوائل ۶۸ء میں بالکل تن تنہا کیا تھا اور اس میں مجھے سوائے مولانا امین احسن اصلاحی کی دعا اور شیرواد کے کسی پرانے بزرگ یا رفیق کا تعاون حاصل نہیں تھا بلکہ ان میں سے کچھ حضرات کی جانب سے تو مجھے باقاعدہ مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا جو بعض کی طرف سے علانیہ اور کھلم کھلا تھی اور بعض کی طرف سے خفیہ اور درپردہ ...... اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے کہ میں ان سے دل برداشتہ نہیں ہوا بلکہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہا۔

تاہم یہ واقعہ ہے کہ ابتدا میں مجھے محنت بہت شدید کرنی پڑی۔ چنانچہ ایک طرف مطب اور اس کی ذمہ داریاں، دوسری طرف درس ہائے قرآن اور خطاباتِ عام، تیسری طرف ماہنامہ 'میثاق' کی ادارت اور اس کا اہتمام و انتظام[۱] اور چوتھی

---

[۱] اب غور کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ ۶۹ء کے دوران 'میثاق' ہر ماہ ۸۰

طرف دارالاشاعت اور اس کی گوناگوں مصروفیات' الغرض بالکل مختلف بلکہ متضاد النّوع مصروفیات کی کشاکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو ہی سال کی مدّت میں صحت نے جواب دے دیا اور مستقل حرارت رہنے لگی جو شام کے وقت باقاعدہ بخار کی صورت اختیار کرلیتی تھی۔

ابتدا میں مَیں نے اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کی، پھر مجبورًا تشخیص کی طرف توجہ کرنی پڑی لیکن بہت سی تحقیق و تفتیش سے جب کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو طے پایا کہ آرام کیا جائے۔ چنانچہ دو تین ہفتوں کے لئے لاہور سے باہر جاکر آرام کیا۔ لیکن واپس آکر دوبارہ کام شروع کیا تو پھر وہی صورت پیدا ہوگئی' بالآخر کچھ اسی بددلی کے باعث اور کچھ بعض دوسرے اسباب کی بنا پر میں نے طے کیا کہ چار چھ ماہ ملک سے باہر بسر کئے جائیں۔ اب ظاہر ہے کہ بیرونِ ملک ارضِ مقدّس سے بہتر جگہ اور کون سی ہو سکتی تھی چنانچہ اواخرِ اکتوبر ۷۰ء میں مَیں عازمِ حجاز ہوگیا۔

رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ میں نے پورا مدینہ منورہ میں مولانا عبدالغفار حسن صاحب کی معیّت میں بسر کیا۔ اس کے بعد میں ایک ماہ کے لئے برادرِ عزیز ڈاکٹر ابصار احمد سلّمہ کی دعوت پر لندن چلا گیا۔ وہاں سے واپس پھر حجاز آیا اور فروری ۷۱ء میں جامؔی کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

مشرف گرچہ شد جامؔی زلطفش
خدایا آں کرم بارے دگر کُن!

حجِ بیت اللہ سے دوسری بار مشرف ہوا۔

اس پورے عرصے کے دوران میں میں مسلسل آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتا رہا اور بالآخر سرزمین حجاز میں حج ہی کے مبارک موقع پر میں نے اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کرلیا ...... یعنی یہ کہ آئندہ مطب کا سلسلہ بالکل بند اور جتنی بھی مہلتِ

عمر بقایا ہے سب کی سب وقف برائے خدمتِ کتاب اللہ و سعی اعلاء کلمۃ اللہ!

نتیجتاً مارچ ۱۷۱ء میں ارضِ مقدس سے واپسی پر جب بالکل یکسو ہو کر از سرِ نو کام کا آغاز کیا تو چند ہی ماہ میں اس نے اتنی وسعت اختیار کر لی کہ ایک تنظیمی ڈھانچے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

اس ضرورت کے احساس کو کچھ تقویت اس سے بھی حاصل ہوئی کہ اس وقت تک طباعت و اشاعت کا سارا کام میرے ایک ذاتی ملکیتی ادارے کے تحت ہو رہا تھا اور اگرچہ اس میں یافت کچھ بھی نہ تھی تاہم لوگوں کو ان مطبوعات کی اشاعت کی ترغیب دلانے میں مجھے خود بھی حجاب محسوس ہوتا تھا' اور بعض بزرگوں نے بھی توجہ دلائی کہ یہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی!

چنانچہ خیال آیا کہ کوئی ادارہ قائم کیا جائے اور طباعت و اشاعت کا سارا سلسلہ اس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ دوسرے مصنفین کی کتابوں کی اشاعت سے بھی اگر کچھ بچت ہو تو وہ کسی فرد کی کمائی نہ بنے بلکہ ادارے کی ملکیت ہو۔ رہی میری تحریریں تو ان پر تو نہ کوئی منفعت ادارہ حاصل کرے نہ میں ہی کوئی حقِ تالیف وصول کروں تاکہ میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کہہ سکوں کہ میرا کوئی مفاد ان کے ساتھ وابستہ نہیں ہے اس لئے کہ اس پورے کام کو محض رسماً تو کرنا مقصود نہیں تھا اصل پیشِ نظر تو یہ تھا کہ یہ ایک صحیح اسلامی دعوت کی تمہید بنے اور دعوتِ حق کے مزاج سے اس چیز کو کوئی ادنیٰ مناسبت بھی حاصل نہیں کہ داعی اپنی دعوتی تحریروں کی رائلٹی کو اپنی معاش کا ذریعہ بنائے۔ 'داعی الی اللہ' کا مقام اور مرتبہ تو بہت ہی بلند ہے اور اس کے لئے تو لازم ہے کہ واضح طور پر یہ کہہ سکے کہ "وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" دین کی کسی ادنیٰ خدمت میں بھی کوئی شخص کسی ادارے یا جماعت سے ایک معین مشاہرہ بقدرِ کفاف لے لے تو اس کی گنجائش

تو نکل سکتی ہے لیکن کسی دینی خدمت کے ضمن میں تحریر یا تقریر کو ذریعہ معاش بنانا تو کسی درجے میں بھی مناسب نہیں! چنانچہ ماضی قریب تک ہمارے بزرگوں کا دستور یہ رہا ہے کہ ساری عمر مختلف اداروں یا دارالعلوموں میں نہایت قلیل مگر معیّن مشاہروں پر گزارہ کرتے ہوئے بسر کر دی اور اس پورے عرصے کے دوران میں جو کچھ لکھا اسے ہوا اور پانی کی طرح مباح کر دیا کہ جو شخص چاہے شائع کرے' اپنا کوئی حق تصنیف اس پر نہیں رکھا...... میں اگرچہ ذاتی طور پر تو پہلے ہی سے اس طریق پر عمل پیرا ہو چکا تھا چنانچہ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا پہلا ایڈیشن اگرچہ شائع تو 'دارالاشاعت الاسلامیہ' کے تحت ہوا تھا لیکن اس پر لکھ دیا گیا تھا کہ "اس کتابچے کی طباعت و اشاعت کی ہر شخص کو کھلی اجازت ہے[1]!" تاہم اب ضرورت محسوس ہوئی کہ پورے سلسلۂ اشاعت کو ایک نظام کے تحت لے آیا جائے۔

بہرحال' ان گوناگوں اسباب سے ایک ہیئتِ تنظیمی کی ضرورت محسوس ہوئی اور چونکہ یہ بات بالکل واضح تھی کہ "سمع و طاعۃ" کے ٹھیٹھ اسلامی اصول پر مبنی نظمِ جماعت کا قیام ابھی بہت قبل از وقت تھا لہٰذا ذہن ایک انجمن کی تشکیل کی جانب منتقل ہوا کہ "SERVANTS OF BIBLE SOCIETY" کے طرز پر "انجمن خدّام القرآن" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

اب جو غور کیا تو محسوس ہوا کہ تنظیمی اعتبار سے 'انجمن' "اِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ[2]" کا کامل مصداق ہوتی ہے اور عام طور پر اس کے قواعد و ضوابط کا جو

---

[1] اس کتابچے کا انگریزی ترجمہ بھی پروفیسر محمد ابراہیم مرحوم و مغفور نے بالکل بلا معاوضہ کیا اور جب وہ طبع ہوا تو اس پر بھی تصریح کر دی گئی کہ اس پر کسی فرد یا ادارے کا کوئی حق 'محفوظ' نہیں ہے۔ جو چاہے شائع کرے۔ بعد ازاں اس کا فارسی ترجمہ بھی پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد مرحوم نے از خود اور بالکل بلا معاوضہ کیا!

[2] سورۂ عنکبوت آیت ۴۱ "یقیناً تمام گھروں میں کمزور ترین گھر مکڑی کا ہوتا ہے"

ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اس کی بنا پر وہ موم کی ناک بن کر رہ جاتی ہے کہ جدھر چاہے موڑ لی جائے بلکہ بسا اوقات انجمن اپنے مؤسسین کے مقصد و منشا کے بالکل خلاف رخ پر چل پڑتی ہے اور ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ وہ مؤسس یا مؤسسین جنھوں نے کسی انجمن کی تاسیس اور داغ بیل ڈالنے میں خون پسینہ ایک کیا ہوتا ہے اس طرح نکال دیئے جاتے ہیں جیسے دودھ سے مکھی۔

دوسری طرف ایک عرصہ تک غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا اور مجھ پر یہ بات شدت کے ساتھ منکشف ہو چکی تھی کہ اسلام کا تنظیمی مزاج نہ صرف یہ کہ دور جدید کی جماعت سازی کے طریقوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا بلکہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ عہد حاضر میں کسی بھی ہیئتِ تنظیمی کی اصل اساس اس کے 'دستور اور قواعد و ضوابط' ہوتے ہیں جن سے عہد وفاداری استوار کر کے لوگ اس ہیئت تنظیمی میں شریک ہوتے ہیں، پھر یہ لوگ اپنے میں سے کثرتِ رائے سے اپنا ایک صدر چنتے ہیں جسے صرف ایک آئینی سربراہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جس کا انتخاب محض ایک معیّنہ مدت کے لئے ہوتا ہے۔ پھر اس صدر اور عام اراکین کے مابین ایک اور ادارہ مجلس عاملہ وغیرہ ناموں سے قائم کیا جاتا ہے جس کی اصل غرض اس صدر کی 'نگرانی' ہوتی ہے۔ آگے اس صدر اور مجلس عاملہ یا منتظمہ کے مابین حقوق و اختیارات کی تقسیم کے مختلف طریقوں کی بنیاد پر صدارتی یا پارلیمانی طرز ہائے جماعت وجود میں آتے ہیں لیکن ان سب میں یہ امر بطور قدر مشترک موجود ہوتا ہے کہ تنظیمی ڈھانچہ نیچے سے اوپر کی جانب بڑھتا ہے۔ یعنی اس میں اصل حیثیت بنیادی رکنیت (PRIMARY MEMBERSHIP) کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ صدر یا سربراہ کو!

اس کے برعکس اسلام کا تنظیمی ڈھانچہ اوپر سے نیچے کی طرف بڑھتا ہے یعنی کوئی شخص معیّن جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے دین کی کسی خدمت کے داعیے

سے سرشار ہو کر اٹھتا ہے اور لوگوں کو پکارتا ہے کہ "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کون
جو اللہ کے دین کی اس خدمت میں میرا دست و بازو بننے کے لئے تیار ہو؟ اور جنہ
اللہ توفیق دیتا ہے وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ شخصِ معیّن آ
سے آپ ان کا سربراہ بن جاتا ہے اور اسے کسی کے ووٹوں سے 'منتخب' ہونے
ہرگز کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہ وہ محض ایک دستوری اور آئینی سربراہ نہ
ہوتا بلکہ 'امیر' یعنی 'صاحبِ امر' ہوتا ہے اور رہنمائی کی اصل ذمہ داری اسی
کاندھوں پر ہوتی ہے۔ وہ اپنے رفقاء سے مشورہ ضرور کرتا ہے لیکن اپنی ضرور
کے احساس کے تحت نہ کہ ان کا حق ادا کرنے کی خاطر...... یہ ایک ایسا فطری
جماعت ہے جس میں قواعد و ضوابط اور دخول و خروج کے لمبے چوڑے قوانین و
کرنے کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ جس شخص کو جس قدر اتفاق اس دعوت کے سا
اور جتنا اعتماد اس داعی کی ذات پر ہوتا ہے اتنا ہی وہ اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے ا
جب اور جتنی کمی ان دونوں چیزوں میں واقع ہو جائے اسی مناسبت سے دوری اختی
کرلیتا ہے۔ یہاں تک کہ جنہیں اس کے ساتھ کامل اتفاق اور اس پر پورا اعتماد
جاتا ہے وہ اس کے ہاتھ پر "بیعت" کر کے اس کے ساتھ سمع و طاعت کے ایک
شخصی رابطے میں منسلک ہو جاتے ہیں اور اسی کو اس ہیئتِ تنظیمی کے اصل مرکز
(NUCLEUS) کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے!

بنابریں میں نے یہ طے کیا کہ اگرچہ ابھی سمع و طاعت کے اصول پر مبنی ایک
ٹھیٹھ اسلامی نظمِ جماعت کے قیام کا وقت تو نہیں آیا اور سرِدست صرف ایک انجمن
ہی قائم کی جائے جس کے تحت اس 'دعوت رجوع الی القرآن' اور 'تحریک تعلیم
تعلّمِ قرآن' کے کم از کم ان جملہ امور کو منضبط کرلیا جائے جن کا تعلق روپے پیسے
سے ہو' تاہم اس کا تنظیمی ڈھانچہ عام انجمنوں کی طرز پر نہ ہو جس کے بارے میں
علامہ اقبال نے اپنے ظریفانہ کلام میں بہت خوب کہا ہے کہ:

الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت   بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں   نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

بلکہ اسی فطری طرز پر ہو جس کی وضاحت میں کر چکا ہوں اور چونکہ مجھے اس پر پورا انشراحِ صدر حاصل تھا لہٰذا میں نے اسے ہرگز مخفی نہیں رکھا بلکہ اواخر ۱۷ء ہی میں جبکہ ایک انجمن کے قیام کی تجویز ابتدائی مراحل میں تھی، میں نے متعدد بار مسجد خضراء میں درس قرآن کے بعد اپنا ذہن کھول کر حاضرین کے سامنے رکھ دیا اور پھر جولائی ۷۲ء کے 'میثاق' میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے مجوزہ خاکے کے ساتھ بھی میں نے 'تذکرہ و تبصرہ' کے صفحات میں اپنا نقطۂ نظر پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا۔

اس کا ردِّعمل بھی وہی ہوا جس کی اس 'جمہوریت نواز' بلکہ 'جمہوریت پرست' دور میں مجھے پہلے سے توقع تھی، چنانچہ مذاق بھی اڑایا گیا اور پھبتیاں بھی کسی گئیں۔ لیکن الحمدللہ والمنّۃ کہ لاہور میں جن لوگوں نے اس کام میں میرے ساتھ تعاون کا بیڑا اٹھایا تھا ان میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا اور بالآخر اواخر ۷۲ء میں 'مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور' انہی اصولوں پر بالفعل قائم ہو گئی اور اس طرح یہ چھوٹی سی اسلامی تحریک اپنے پہلے تنظیمی مرحلے میں داخل ہو گئی۔

اس مرحلے پر عام لوگوں کے استہزاء کی تو میں نے کوئی پرواہ نہ کی لیکن بعض بزرگوں کا شدید اختلاف میرے لئے بڑی آزمائش بن گیا۔ ان حضرات کی خدمت میں میں نے بصد ادب عرض کیا کہ دلائل سے میری رائے تبدیل ہو جائے تو میں یقیناً رجوع کر لوں گا لیکن محض لحاظِ بزرگی کے باعث یا صرف پاسِ ادب کے طور پر میں اپنا قدم واپس نہیں لے سکتا۔ اس سے کچھ شکر رنجیاں بھی ہوئیں اور بعض معاملات میں

RE-ADJUSTMENTS بھی کرنی پڑیں لیکن بحمد اللہ کام
رکا نہیں بلکہ قافلہ رواں ہی رہا!

اس کے بعد مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی دو ڈھائی سال کی کارکردگی کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا تھا جسے یہاں حذف کیا جا رہا ہے' اس لئے کہ اب بحمد اللہ

"دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر"

نامی کتاب شائع ہو چکی ہے جس میں یہ جملہ تفاصیل موجود ہیں۔

قصّہ مختصر یہ کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس عرصے میں پوری طرح مصروف رہا ہوں اور جہاں تک میرے اوقات اور میری حقیر سی قوتوں اور صلاحیتوں کا تعلق ہے ان کا پورا مصرف انجمن خدّام القرآن کے تحت ہو رہا ہے اور بحمد اللہ اپنی حقیر سی محنت کے نتائج سے بھی میں نہ بددل ہوں نہ مایوس' تاہم اس پورے عرصے کے دوران میں ایک خلش میرے دل میں مسلسل موجود رہی ہے اور یہ سوال بار بار ذہن میں ابھرتا رہا کہ کیا اس طرح میری تمام دینی ذمّہ داریاں پوری ہو رہی ہیں اور میں اپنے جملہ فرائضِ دینی سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اپنے اصل فرائض سے پہلوتہی کرنے کی غرض سے گریز کی راہ اختیار کر لی ہو۔ اور ایک باقاعدہ جماعت کے قیام اور شہادتِ حق اور اقامتِ دین ایسے کٹھن فرائضِ دینی کی "تپتی راہوں" سے فرار کی خاطر ایک انجمن اور اس کے تحت صرف درس و تدریس اور طباعت و اشاعت کی "ٹھنڈی چھاؤں" میں بسیرا کر لیا ہو؟[1]

میں نے اپنی سوچ کا جو پس منظر اور اپنے فکر کا جو 'شجرہ نسب' آج تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے پیش نظر اس بات کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں

---

[1] تپتی راہیں مجھ کو پکاریں دامن پکڑے چھاؤں گھنیری (جگر مراد آبادی)

س محدود اور جزوی کام پر پوری طرح مطمئن ہو سکتا۔ چنانچہ انجمن خدّام القرآن کے مجوّزہ خاکے کی اس اشاعت کے ساتھ ہی جولائی ۷۲ء کے 'میثاق' میں جو تصریحات یں نے شائع کی تھیں ان میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں کہ:

"واضح رہے کہ راقم الحروف اپنی ذہنی ساخت اور مزاج و طبع کی افتاد کے اعتبار سے محض انجمن سازی پر نہ کبھی پہلے مطمئن ہو سکا ہے اور نہ اب مطمئن ہو سکتا ہے، بلکہ اس کے پیش نظر بحمد اللہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ دینِ حق کا بلند و بالا نصب العین ہے اور اس کے لئے ایک ہمہ گیر جدّوجہد ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے...... پھر یہ بات بھی اس پر بخوبی واضح ہے کہ یہ کام انجمنوں کے ذریعے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کیلئے لازم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قولِ مبارک کے مطابق سمع و طاعت اور جہاد و ہجرت کی بنیادوں پر باقاعدہ ایک جماعت قائم کی جائے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مناسب وقت کب آئے گا اور فی الوقت ان مقاصدِ عظیمہ کی اصل جدّوجہد کی تمہید کے طور پر صرف تعلیم و تعلّمِ قرآن کے جزوی کام پر اکتفا کئے ہوئے ہے اور پیش نظر انجمن کی حیثیت اس جزوی کام کے بھی ایک شعبے کی ہے۔ چنانچہ مجوزہ انجمن کی قراردادِ تاسیس کے الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ "منبعِ ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت" بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی" کی شرط لازم یعنی "تجدیدِ ایمان کی عمومی تحریک" برپا کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے"۔ (ماہنامہ 'میثاق' بابت جولائی ۷۲ء)

بایں ہمہ مجھے اپنی کمزوریوں، خامیوں اور کوتاہیوں کا شدید احساس اس راہ میں پیش قدمی سے روکے رہا۔ اس لئے کہ جیسا کہ میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں میرے نزدیک مدرّس اور معلّم کا مقام اور ہے، داعی کا مقام اور![1] مدرّس یا معلّم کا کام

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

بات سمجھا کر یا راستہ دکھا کر ختم ہو جاتا ہے جبکہ داعی کا فرض یہ ہوتا ہے کہ خود آگے بڑھے اور نہ صرف یہ کہ لوگوں کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دے بلکہ خود راہِ عزیمت پر گامزن ہو کر دوسروں کے لئے مثال اور نمونہ پیش کرے اور ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری نہایت کٹھن ہے اور اس کی شرائط بہت سخت ہیں! میں نے جب بھی کبھی اپنے آپ کو ان تقاضوں کے اعتبار سے تولا تو محسوس ہوا کہ میں اس مقام کے کم از کم معیار پر بھی پورا نہیں اترتا۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس راہ میں اقدام سے روکے رکھنے ہی میں عافیت نظر آئی۔

لیکن اِدھر کچھ عرصے سے بعض باتیں ایسی سامنے آئیں جنہوں نے مجھے اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔

یہ خدشہ تو، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، مجھے پہلے بھی تھا کہ کہیں میرا نفس عافیت کوشی کی خاطر مجھے گریز اور فرار کی راہیں نہ سجھا رہا ہو۔ لیکن ایک بزرگ[۱] نے یہ اندیشہ بھی پوری شدت کے ساتھ پیش کیا کہ یہ کہیں شیطان کا وسوسہ ہی نہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے اقرار اور اعترافِ تقصیر کے پردے میں دراصل وہی دشمنِ ازلی راستہ روکے کھڑا ہو اور معاملہ وہی ہو کہ۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر   پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

پھر یہ بات بھی سامنے آئی کہ معصومیت خاصۂ نبوّت ہے اور نبوّت کا دروازہ بند ہو چکا! امامتِ معصومہ کے قائلین کے لئے تو گنجائش ہو سکتی ہے کہ وہ حالتِ انتظار

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بقول علامہ اقبال مرحوم۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن   ملّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں   کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں

۱؎ حاجی عبدالواحد مرحوم

ہی میں رہیں لیکن دوسروں کے لئے تو ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ وہ جیسے بھی ہوں اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر کرتے ہوئے فرائض کی انجام دہی پر کمربستہ ہو جائیں۔ پھر یہ بات بھی چاہے کلیتہً صحیح نہ ہو' جزوی حقیقت ضرور ہے کہ کام خود بہترین مربّی ہے اور اصلاح و تربیت کے بعض تقاضے اس کے بغیر پورے ہو ہی نہیں سکتے کہ انسان اللہ کا نام لے کر کام کا آغاز کردے اور منجدھار میں کود پڑے!

پھر یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ اگرچہ راہ نہایت پرخطر ہے اور جو غلطیاں دوسروں سے ہوئیں کوئی ضمانت نہیں کہ ویسی ہی نہیں ان سے بھی کہیں زیادہ بڑی غلطیوں کا صدور تم سے نہ ہوگا' یا جو لغزشیں یا کوتاہیاں دوسروں سے ظاہر ہوئیں تم ان سے محفوظ رہو گے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عین ممکن ہے کہ جس طرح ماضی میں بہت سے لوگ دین کی خدمت کے داعیے کے تحت کھڑے ہوئے اور "اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَکْدٰی"[1] کے مصداق تھوڑے سے خیر کے ساتھ بہت سا شر پیدا کر گئے اسی طرح تم بھی کسی فتنے کی داغ بیل ڈال کر چلتے بنو...... لیکن ان خدشات و خطرات سے فرض تو ساقط نہیں ہو جاتا اور خطرات کی پیش بندی کا یہ طریق تو بہرحال صحیح نہیں ہے کہ سرے سے کام ہی نہ کیا جائے۔ زندگی بذاتِ خود ایک عظیم چیلنج ہے جس کا مواجہہ ہر ذی حیات کے لئے لازم ولابد ہے۔ اِلّا آنکہ وہ زندگی ہی سے مستعفی ہو جائے۔ اسی طرح اسلام و ایمان بہت سی ذمّہ داریوں کا بوجھ انسان کے کاندھے پر لا ڈالتے ہیں جن کے شعور سے انسان پر بجا طور پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

...... لیکن ان سے جی چرانا اور فتنوں کے اندیشے سے وہ روش اختیار کرنا جس پر

---

[1] سورۃ النجم آیت ۳۴: "اور دیا کچھ تھوڑا سا اور فوراً رک گیا!"

قرآن حکیم کا وہ فتویٰ راست آئے کہ "اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا"[1] یقیناً دانش مندانہ روش نہیں!...... جن لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ صلوٰۃ و صوم اور حج و زکوٰۃ کے علاوہ بھی دین کا کوئی تقاضا اور مطالبہ ہے' وہ تو شاید اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر پیش کر سکیں لیکن جن پر یہ بات منکشف ہو چکی ہو کہ شہادتِ حق اور اقامتِ دین بھی مسلمان کے دینی فرائض میں شامل ہیں اور وہ ان کے بارے میں عنداللہ مسئول ہیں ان کے لئے تو ایک ہی راہ ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی نصرت و حمایت کی امید پر اور اسی سے ہدایت و استقامت کی دعا کرتے ہوئے ان فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ ہو جائیں۔ اس کے سوا "مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ" کی بھی کوئی سبیل کم از کم قرآن حکیم سے تو معلوم نہیں ہوتی! گویا بقول شاعر۔

تاب لاتے ہی بنے گی غالب مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!

دوسری طرف بعض حضرات نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ تم لوگوں کے سامنے دین کے مطالبات تو بہت بلند و بالا بیان کرتے ہو لیکن ان کی ادائیگی کی کوئی عملی صورت ان کے سامنے نہیں آتی۔ تم نے خود جو کام عملاً شروع کیا ہے اس میں لوگوں کی شرکت کے مواقع بہت محدود ہیں۔ "تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن" میں بالفعل صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو عربی سیکھ سکیں اور قرآن کا علم اس حد تک حاصل کر سکیں کہ دوسروں تک پہنچانے کے قابل ہو سکیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب کے لئے ممکن نہیں۔ اب جو شخص نہ عربی سیکھ سکتا ہو نہ قرآن مجید کا درس دے سکتا ہو وہ تمہارا شریک کار بنے تو کیونکر؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضور صلی اللہ

---

[1] سورۂ توبہ کی آیت ۴۹ : "ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہمیں رخصت عطا فرما دیجئے اور خواہ مخواہ کے امتحان میں نہ ڈالئے! آگاہ ہو جاؤ کہ امتحان میں تو وہ پہلے ہی مبتلا ہو چکے!"

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ" لیکن ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے کرنے کا کام نہیں ہے۔

تمہارے درسِ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمانِ حقیقی کا رکنِ لازم جہاد فی سبیل اللہ ہے' جس کی غایتِ اولیٰ فریضہ شہادتِ حق کی ادائیگی ہے اور غایتِ قصویٰ اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ حق کی جدّوجہد' لیکن تم یہ نہیں بتاتے کہ آخر ان فرائض کی ادائیگی کی عملی شکل کیا ہو؟ لوگ کیا کریں؟ کیسے جمع ہوں؟ کہاں سے سفر کا آغاز کریں؟ اور کس کی رہنمائی میں آگے چلیں؟ اگر تم ان سوالوں کا جواب نہیں دیتے اور لوگوں کے لئے عمل کی راہ نہیں کھولتے تو بجائے اس کے کہ تمہاری طرف سے ان پر حجت قائم ہو الٹی ان کی حجت تم پر قائم ہوئی جا رہی ہے!

بعض نے طنزاً اور بعض نے خلوص کے ساتھ یہ بھی کہا کہ تمہارے درسِ قرآن میں شریک ہونے والوں کی عظیم اکثریت محض روایتی اور رسمی طور پر حصولِ ثواب کی خاطر درس سنتی ہے۔ جیسے ہی تم نے عمل کے لئے پکارا اور "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کی ندا دی تم خود دیکھ لوگے کہ ساری بھیڑ چھٹ جائے گی,گویا ع "دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں!" تو اگرچہ ان کی یہ بات کلیۃً تو درست نہیں ہے اس لئے کہ متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں کہ اس سلسلۂ درس سے منسلک ہو کر عملی اعتبار سے لوگوں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا ہو گیا' تاہم ادھر کچھ عرصے سے میں خود بھی نہایت شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارے حلقۂ احباب میں درسِ قرآن کے سلسلے کو واقعۃً ایک رسم اور روایت کی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی ہے اور گویا خود درسِ قرآن ہی مقصود بالذّات بنتا چلا جا رہا ہے اور بہت سے لوگ اسے اپنے معمول (Routine) میں داخل کر کے مطمئن ہو گئے ہیں!........ یہ واقعہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنے دورِ انحطاط میں دین کے اعلیٰ سے اعلیٰ اعمال کو محض رسم بنا کر رکھ دینے کے فن میں یدِطولیٰ حاصل کیا ہے اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ ہمیں اس میں مہارتِ تامہ حاصل ہے لیکن میں لرز جاتا ہوں اس خیال سے کہ اگر قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا محض ایک رسم بن کر رہ گیا تو پھر اور کون سی چیز رہ جائے گی جو لوگوں کو آمادۂ عمل کر سکے...... اور میں کانپ اٹھتا ہوں اس احساس سے کہ اگر لوگ سورۂ صف اور سورۂ حدید کو بھی 'پی' گئے اور ٹس سے مس نہ ہوئے اور سورۂ عنکبوت' سورۂ احزاب' سورۂ منافقون اور سورۂ توبہ کو بھی بے سمجھے بوجھے نہیں بلکہ خوب سمجھ کر اور ایک بار نہیں بار بار پڑھ گئے لیکن معاملہ وہی رہا کہ ع "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد!" تو "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ"[1]

میرے لئے اس معاملے کا سب سے زیادہ قابلِ حذر پہلو یہ ہے کہ اگر لوگوں کی بے عملی اور ان کے تعطل و جمود میں کچھ دخل میری ہچکچاہٹ اور میرے تذبذب کو بھی حاصل ہوا تو کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی! گویا میرے سامنے اب یہ معاملہ بالکل دو ٹوک طور پر آ چکا ہے کہ یا تو یہ صورت حال ختم ہونی چاہئے کہ "یہ صور پھونک کے تم سو گئے کہاں آخر!"[2] اور سیدھی طرح دین کے تقاضوں کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ادائیگی کے لئے واضح لائحہ عمل بھی پیش کیا جائے اور خود راہ عزیمت پر پیش قدمی کر کے لوگوں کے لئے راستہ کھولا جائے یا پھر قرآن مجید کے اس انقلابی درس کا کام بھی کسی ایسے باہمت اور صاحبِ عزیمت انسان کیلئے چھوڑ دیا جائے جو محض درس ہی نہ دے' سامنے آ کر لوگوں کی رہنمائی کا فرض بھی انجام دے سکے! گویا میرے نزدیک اب صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ "یا چناں کن یا چنیں!" اور ع "یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر!"

---

[1] سورہ مرسلات کی آخری آیت: "اب اس کے بعد وہ آخر کس بات پر یقین لائیں گے؟"

[2] جناب نعیم صدیقی کا مصرعہ

اندریں حالات' جیسا کہ میں آغاز میں عرض کر چکا ہوں' میں نے اللہ تعالیٰ کی
ید و توفیق کے بھروسے پر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ میری مساعی صرف درس و
ریس اور تعلیم و تعلّمِ قرآن تک محدود نہیں رہیں گی بلکہ میں خالص دینی بنیادوں پر
ب نئی جماعت یا تنظیم قائم کرنے کی کوشش کروں گا جس میں وہ لوگ شامل ہوں
:

اولاً...... اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عائد کردہ
ال و حرام کی جملہ قیود کی پابندی کا عہد کریں اور اس معاملے میں رخصتوں کے
ائے عزیمت کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔

ثانیاً...... 'سمع و طاعت' کے ٹھیٹھ اسلامی اصول پر مبنی نظمِ جماعت کی پابندی
عہد کریں اور معروف کے دائرے کے اندر اندر اطاعتِ امیر کے التزام کے لئے
ری طرح آمادہ ہوں'...... اور

ثالثاً...... یہ عہد کریں کہ دنیوی زندگی اور اس کے لوازمات کے باب میں کم از
م پر قناعت اور قوتِ لایموت پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی بہتر اور بیشتر مساعی اور اپنے
وال اور اوقات کا معتد بہ حصہ احیائے اسلام اور تجدیدِ دین کی کوشش اور شہادتِ
ق اور اقامتِ دین کی جدّوجہد میں کھپا دیں گے۔

اپنی جگہ خود میں آپ سب کو گواہ بنا کر عہد کرتا ہوں کہ میرا جینا
اور مرنا اللہ کے دین ہی کے لئے ہو گا اور میں ہر حال میں دین کو
دنیا پر مقدّم رکھتے ہوئے اپنے بہتر اور بیشتر اوقات اور اپنی بہتر
اور بیشتر قوتیں جیسی کچھ اور جتنی کچھ وہ مجھ میں ہیں اور بیشتر
صلاحیتیں جیسی کچھ اور جتنی کچھ وہ مجھے حاصل ہیں، فریضۂ
شہادتِ حق کی ادائیگی اور اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ متین کی
سعی وَجہد کے لئے وقف کر دوں گا۔ گویا:——————

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ مجھے اپنے عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے' عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ

اب آپ میں سے ہر شخص کو بھی اپنے آئندہ طرزِ عمل کے بارے میں واضح فیصلہ کرنا ہو گا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے اگر کوئی کامل رفاقت پر آمادہ ہو اور پوری طرح دست و بازو بننے کے لئے تیار ہو تب تو کیا ہی کہنے! "دیدہ و دل فرشِ راہ!" کوئی جزوی طور پر تعاون کرنا چاہے تو بھی سر آنکھوں پر' کوئی صرف دعاؤں اور نیک تمناؤں سے تائید کرے تو وہ بھی بسرو چشم قبول' اور اگر کوئی محض سامع کی حیثیت سے حسب سابق ہماری محفلوں اور مجلسوں کو رونق بخشتا رہے' تو وہ بھی شکریہ کا مستحق۔

...... لیکن اپنی جگہ آپ کو چند باتیں واضح طور پر سمجھ لینی چاہئیں:

اولین اور اہم ترین معاملہ دین کے مطالبوں اور تقاضوں کے بارے میں انشراحِ صدر کا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص اس دعوتِ قرآنی سے کسی درجے میں بھی منسلک رہا ہو اسے اس سلسلے میں کوئی اشتباہ لاحق ہو سکے! جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں اس 'تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن' کا پورا اٹھان مطالعۂ قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کی اساس پر ہوا ہے جس کا مرکزی مضمون ہی یہ ہے کہ ازروئے قرآن انسان کی نجات کے لوازم کیا ہیں اور اللہ کی کتاب کی رُو سے ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہیں۔ اس منتخب نصاب کو میں سرزمینِ لاہور میں متعدّد بار بیان کر چکا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر کسی نے اسے تسلسل کے ساتھ ایک مرتبہ بھی پڑھ یا سن لیا تو اسے کم از کم اپنے دینی فرائض کے بارے میں ہرگز کوئی مغالطہ یا اشتباہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

آپ نے آج ہی یہ نصاب مکمل کیا ہے۔ ان بیس دنوں کے دوران میں قرآن

حکیم کے جو مقامات آپ نے پڑھے ان میں سے ایمان اور عمل صالح کے تفصیلی مباحث سے قطع نظر کرتے ہوئے ذرا اس مرکزی مضمون کی ڈور پر نگاہ جمائیے جو گویا ان تمام مقامات کو پروئے ہوئے ہے تو بات پھر دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جائے گی۔

سورۃ العصر' مختصر ترین سورتوں میں سے ہونے کے باوجود ایمان اور عمل صالح کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو بھی انسان کی نجات کی لازمی شرائط کی حیثیت سے پیش کرتی ہے' آیۂ بِرّ (سورۂ بقرہ: ۱۷۷) نیکی کے صرف اسی تصوّر کو مبنی بر صداقت قرار دیتی ہے جس میں بدی سے پنجہ آزمائی کرنا اور اسے میدان جنگ میں للکارنا لازماً شامل ہو' سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع اجتناب عن الشرک اور التزامِ توحید' شکرِ باری اور برِّ والدین' اور ایمان بالمعاد اور اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کو بھی لازمی قرار دیتا ہے۔ سورہ حٰم السجدہ میں دعوت الی اللہ کی پرزور ترغیب ملتی ہے۔ سورۂ حجرات کے آخری حصے میں یقین قلبی کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ اور اس میں جان اور مال کھپانے کو بھی ایمانِ حقیقی کے لوازم میں سے شمار کیا گیا ہے' سورۂ حج کا آخری رکوع ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کے ساتھ "جَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ" کا حکم بھی سناتا ہے اور اس کی غرض و غایت قرار دیتا ہے شہادتِ حق کو' بفحوائے الفاظِ قرآنی "لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" سورۂ صف پھر عذاب الیم سے چھٹکارا پانے کے لئے ایمان کے ساتھ ساتھ "وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ" کی شرط عائد کرتی ہے اور اس کا ہدف و مقصود قرار دیتی ہے غلبۂ دینِ حق کو' بفحوائے الفاظ قرآنی "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" اور محبوبیتِ خداوندی کی شرط کے طور پر پیش کرتی ہے اس کی راہ میں اس طرح جنگ کرنے کو گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں کہ کوئی رخنہ ڈالا ہی نہ جا سکے۔ سورۂ حدید دین کے تمام تقاضوں کو دو

الفاظ میں سمیٹ کر بیان کرتی ہے۔ ایک ایمان اور دوسرے انفاق اور یہاں انفاق سے مراد صرف انفاقِ مال نہیں بلکہ بذلِ نفس بھی ہے۔ چنانچہ اسی کی کوکھ سے فوراً ہی قتال بھی بر آمد ہو جاتا ہے اور بالآخر ارسالِ رسل' انزالِ کتاب و میزان اور تخلیقِ حدید سب کی غرض یہ بیان ہوتی ہے کہ "وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ" یعنی اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وہ وفادار بندے جو اس کی اور اس کے رسولوں کی نصرت و حمایت میں سلاحِ جنگ ہاتھ میں لے کر سر بکف میدان میں نکل آئیں........ پھر سورۂ عنکبوت ہو یا سورۂ احزاب' سورۂ توبہ ہو یا سورۂ حدید سب اس راہ سے گریز اور اس کے شدائد و مصائب سے گھبرانے اور ہمت ہار جانے پر نفاق کی وعید سناتی ہیں جس کا انجام ہے: "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ"

تو بتائیے کہ آخر فرار کی راہ کون سی باقی رہ گئی؟[1] مجھے تو عافیت کی راہ صرف ایک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ انسان قرآن کو اول تو پڑھے ہی نہیں یا پڑھے تو کم از کم سمجھے نہیں۔ ورنہ قرآن تو جس صراطِ مستقیم یا سواء السّبیل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کے ناگزیر سنگ ہائے میل وہی ہیں جو میں نے ابھی بیان کئے اور اس کی آخری منزل وہ ہے جو سورۂ احزاب میں بیان ہوئی یعنی یہ کہ یا تو انسان "فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ" کی فہرست میں شامل ہو کر سرخرو ہو جائے یا پھر "وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ" کے زمرے میں شریک ہو کر اپنی باری کا انتظار کرے۔ غالباً اسی احساس کے تحت کہا تھا علامہ اقبال مرحوم نے کہ: ؎

رفت سوزِ سینۂ تاتار و کرد یا مسلماں مرد یا قرآں بمرد!

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ کسی مخلوق کی تصنیف یا تالیف نہیں' خالق کا کلام ہے' کسی انسان کے نظریات نہیں جو بدل بھی سکتے ہوں' قرآن کی آیاتِ محکمات ہیں

---

[1] جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں (فیضؔ)

جو اٹل بھی ہیں اور غیر مبدل بھی' یہ ہزل نہیں قولِ فصل[1] ہے' پھر چیستاں نہیں کتابِ مبین ہے اور کسی مردہ زبان میں نہیں "لسانٍ عربیٍّ مبینٍ" میں ہے........ اور اچھی طرح جان لیجئے کہ اگر قرآن حکیم کے ان مقامات کو پڑھتے ہوئے آپ کے دل نے گواہی دی ہو کہ ان کا جو معنی و مفہوم اور مراد و مقصود میں نے بیان کیا ہے وہ حق ہے تو قرآن کی جانب سے ایک حجت آپ پر قائم ہو چکی۔ اب دو ہی راستے کھلے ہیں یا تو ان فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ ہو جائیں اور قرآن کو اپنے حق میں حجت اور دلیلِ راہ بنائیں یا اس سے پہلوتہی کی روش اختیار کر کے اپنے خلاف حجت اور برہانِ قاطع بنا لیں[2]۔ تیسری کوئی راہ ممکن نہیں!

دوسرا مسئلہ میرے ساتھ تعاون کرنے یا نہ کرنے اور میرا ساتھ دینے یا نہ دینے کا ہے تو سیدھی سی بات ہے اگر آپ کو کسی معقول سبب سے میرے خلوص و اخلاص پر اعتماد نہ ہو یا آپ کو میرے بارے میں کوئی حقیقی خدشہ اور واقعی اندیشہ لاحق ہو تو آپ ہرگز میرا ساتھ دینے پر مکلّف نہیں۔ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اس سے آپ کے فرائض بہرحال ساقط نہیں ہو جاتے۔ اگر آپ کو کسی اور پر اعتماد ہو تو اس کے ساتھ مل کر کام کریں ورنہ از خود کھڑے ہوں اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی فکر کریں...... اور خود ایک قافلہ تشکیل دے کر سفر کا آغاز کر دیں۔

لیکن اگر آپ کے پاس کوئی معقول وجہ مجھ سے سوءِ ظن کی نہیں ہے تو پھر آپ پر لازم ہے کہ میرا ساتھ دیں اور خواہ مخواہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ نہ بنائیں۔ اس معاملے میں آپ کا اصل مفتی آپ کا دل[3] ہے۔ اسے ٹٹولیے اگر وہ مجھ پر اعتماد کے حق میں رائے دے تو گویا ایک دوسری حجت آپ پر قائم ہو گئی اور آپ پر واجب

---

[1] "اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ" (سورۂ طارق)

[2] "اَلۡقُرۡاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوۡ عَلَيۡكَ" (الحدیث)

[3] "اِسۡتَفۡتِ قَلۡبَكَ وَلَوۡ اَفۡتٰكَ الۡمُفۡتِي" (الحدیث)

ہوگیا کہ میرا ساتھ دیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ محض گریز اور فرار کی خاطر الزام و اعتراض سے یہاں تو آپ دامن بچا جائیں گے خدا کے یہاں معاملہ مشکل ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں مَیں آپ کو کھلی اجازت دیتا ہوں کہ میرے بارے میں جو شبہات بھی آپ کے دل میں آتے ہوں بلا جھجک بیان کریں اور جو دریافت کرنا ہو بلا تکلّف دریافت کریں خواہ وہ میرے حال سے متعلق ہو یا ماضی سے اور خواہ اس کا تعلّق میری پبلک لائف سے ہو خواہ نجی زندگی سے! لیکن یہ احتیاط بہرصورت ملحوظ رہے کہ مجھے وضاحت کا موقع دیئے بغیر میرے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کریں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ محض آپ کا سوءِ ظن ہو اور آپ سورۂ حجرات میں یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں کہ "اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ !"

اس موقع پر ابتداء میں خود بھی میں اپنے بارے میں بعض وضاحتیں کئے دیتا ہوں:

ایکؔ یہ کہ میں عالمِ دین ہونے کا ہرگز مدّعی نہیں بلکہ مجھے اپنی کم علمی کا پورا اعتراف ہے۔ گویا بقول علامہ اقبال مرحوم ؎ "میں نہ عارف' نہ مجدّد' نہ محدّث نہ فقیہہ!" لہٰذا مجھے فقہی معاملات میں رائے دینے کا ہرگز کوئی شوق نہیں بلکہ میں صاف اقرار کرتا ہوں کہ مجھ میں اس کی اہلیت ہی موجود نہیں ہے...... میری کُل حیثیت قرآن کے ایک ادنیٰ طالب علم اور دین کے ایک ادنیٰ خادم کی ہے'

البتہ قرآن کے مطالعے سے مجھے یہ ضرور معلوم ہوگیا ہے کہ دین میں مقدّم کیا ہے اور مؤخّر کیا' اوّلیت کسے حاصل ہے اور ثانوی درجہ کس کا ہے' جڑ اور اصل کی حیثیت رکھنے والی چیزیں کون سی ہیں اور فروعات کی حیثیت کن کی ہے'

گویا 'حکمتِ دین' کے اس شعبے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حصہ عطا فرمایا ہے جس کی جانب اشارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظِ مبارک میں ملتا ہے جو آپؐ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے: "اِن شِئْتَ حَدَّثْتُکَ یا معاذ بِرَاْسِ ھٰذَا الْاَمْرِ و ذروۃ السَّنَام مِنْہ" یعنی اے معاذ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ہمارے اس کام (دین حق) کی جڑ اور اساس کیا ہے اور اس کی سب سے اونچی چوٹی کون سی ہے اور مجھے خالصتہً تَحْدِیثًا لِلنِّعْمَۃ یہ عرض کرنے میں بھی کوئی باک نہیں کہ اس معاملے میں بحمد اللہ مجھے اپنے آپ پر پورا اعتماد حاصل ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ جانتا ہوں کہ اس امت نے کس طرح دین کی جملہ اقدار کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے اور اصل کو فرع اور فرع کو اصل کا درجہ دے کر فرائضِ دینی کا پورا تصوّر ہی مسخ کر دیا ہے۔ نتیجۃً حضرت مسیحؑ کے الفاظ میں "مچھر چھانے جا رہے ہیں اور سموچے اونٹ نگلے جا رہے ہیں" اور ایک عظیم اکثریت کا حال یہ ہے کہ انہیں نہ "راس ہٰذا الامر" سے کوئی بحث ہے نہ "ذروۃ السنام منہ" سے کوئی دلچسپی۔ صرف کچھ درمیانی اعمال اور ان کے بھی محض ظاہر کو کُل دین سمجھے بیٹھے ہیں۔ گویا نہ جڑ کا دھیان نہ چوٹی کی فکر' تنے کی بھی صرف چھال نے کل دین کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور اب ساری بحث و تمحیص' قیل و قال' مناظرہ و مجادلہ اور تحقیق و تفحّص کا موضوع صرف رفع یدین' آمین بالجہر اور تعدادِ رکعاتِ تراویح ایسے فروعی مسائل بن کر رہ گئے ہیں!........ اور میں علیٰ وجہ البصیرت جانتا ہوں کہ اصلاحِ احوال کی کوئی صورت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس معاملے میں نسبت و تناسب کو از سرِنو درست کیا جائے' چنانچہ آپ کو بھی میرا مشورہ یہ ہے کہ فروعات کے باب میں اہل سنّت کے جس مسلک پر آپ چاہیں عمل پیرا ہوں اور فقہی معاملات میں اپنے ہم مسلک علماء ہی کی جانب رجوع کریں۔ البتہ اس کے لئے وسعت قلب پیدا کریں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں اختلاف سے دل

گرفتہ نہ ہوں...... البتہ دین کی جڑ اور اس کے 'ذروۂ سنام' کے بارے میں کوئی اشکال یا اشتباہ ہو تو مجھے وضاحت کا موقع دیں۔ پھر اگر آپ کا دل مطمئن ہو تو میری بات قبول کرلیں ورنہ میرے منہ پر دے ماریں۔

دوسرے یہ کہ مجھے اپنی عملی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا بھی بخوبی علم ہے اور مجھے نفسِ مزکّی ہونے کا ہرگز کوئی دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے "من آنم کہ من دانم!" اور جیسا کہ میں تفصیلاً عرض کرچکا ہوں یہی وہ احساس تھا جو مجھے اب تک اس راہ میں پیش قدمی سے روکے رہا اور اب بھی اقدام کی جرأت کر رہا ہوں تو صرف اس دعا کے سہارے کہ "رَبِّ اٰتِ نَفْسِی هُدَاهَا وَزَكِّهَا فَإِنَّكَ خَيْرُ مَنْ زَكَّهَا" اپنے بہت سے عیوب پر تو میں خود بھی مطلع ہوں اور ان کو دور کرنے کی امکان بھر سعی کروں گا۔ مزید پر جو بھی مجھے متنبہ کرے گا اس کا شکریہ ادا کروں گا اور انشاء اللہ العزیز اس کی بھی اصلاح کی سعی کروں گا بِيَدِهِ التَّوْفِيقُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ!

تیسرے یہ کہ میرا ایک ماضی بھی ہے جس سے دستبردار ہونے کے لئے میں ہرگز تیار نہیں۔ اس لئے کہ مجھے اس پر نہ کوئی ندامت ہے نہ پشیمانی۔ مجھے پورا اطمینان ہے کہ میں نے اپنا جو وقت جمعیتِ طلبہ یا جماعت اسلامی میں صرف کیا وہ ہرگز ضائع نہیں ہوا۔ اور اپنی جو قوتیں اور صلاحیتیں ان میں کھپائیں وہ قطعاً رایگاں نہ گئیں۔ اس لئے کہ میں نے یہ کام خلوص کے ساتھ محض خدمتِ دین کے جذبے کے تحت کیا لہٰذا اللہ کے یہاں میرا اجر بالکل محفوظ ہے۔ میں وہاں تھا تو اللہ کے لئے تھا اور وہاں سے نکلا تو بھی صرف اللہ کے لئے نکلا۔ کسی سے ذاتی نوعیت کی کوئی شکایت یا نجی قسم کی کوئی رنجش اس علیٰحدگی کا باعث نہیں بنی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج آپ کے سامنے اپنا پورا ماضی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور اپنی امکانی حد تک اس میں سے کسی چیز کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے بعد بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ جو حضرات اس کام میں میرا ساتھ دینے کا کوئی ارادہ یا خواہش

دل میں پاتے ہوں وہ میری کتابیں "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" اور "تاریخ جماعت اسلامی کا گمشدہ باب" ضرور نظر سے گزار لیں۔ مبادا کوئی چیز بعد میں ان کے علم میں آئے اور وہ جزبز ہوں۔ پھر ان کے مطالعہ کے بعد بھی کوئی اشکال ذہن میں رہ جائے تو میں حاضر ہوں وضاحت طلب کیجئے اور کامل اطمینان کے بعد ہی رفاقت اختیار کیجئے!

آئندہ کام کا جو نقشہ میرے ذہن میں ہے اس کو سمجھنے کے لئے میں درخواست کروں گا کہ ایک تو میرے کتابچے "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کا مطالعہ پوری توجہ کے ساتھ کر لیا جائے، جو طبع شدہ موجود ہے، اور دوسرے ۱۹٦٧ء میں تنظیم اسلامی کے قیام کی جو سعی ہم نے کی تھی اس کی قرارداد اور اس کی توضیحات بھی غور سے پڑھ لی جائیں اور اس پر جو تقاریر مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن نے کی تھیں ان کو بھی نظر سے گزار لیا جائے[1] وہ قرارداد اور اس کی توضیحات دراصل میں نے ہی لکھی تھیں جنہیں معمولی سی لفظی ترامیم کے ساتھ اجتماع نے اختیار (Adopt) کر لیا تھا اور میں ان پر آج بھی اتنا ہی مطمئن ہوں جتنا اس وقت تھا۔

رہا آئندہ کا تفصیلی لائحہ عمل ــــ اور ہیئتِ تنظیمی کی مفصّل صورت تو ان مسائل کے بارے میں مَیں اس وقت کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا، اس لئے کہ ان کا دارومدار کلیتہً اس پر ہے کہ کتنے لوگ تعاون پر آمادہ ہوتے ہیں اور کتنی کچھ صلاحیتوں اور قوتوں کا سرمایہ جمع (Pool) ہوتا ہے۔

آخر میں "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللہِ!" کے سوال پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں اس وضاحت کے ساتھ کہ مجھے اس کا کوئی فوری جواب مطلوب نہیں۔ اگر صرف جذبات میں ہاں کرا لینے کی خواہش ہوتی تو شاید میں ابھی آپ سب کے ہاتھ کھڑے کرا لیتا۔

---

۱ [illegible] "قرارداد تنظیم اسلامی" کا کتابچہ، شامل [illegible]

لیکن مطلوب اصل میں یہ ہے کہ:

جو آئے خوب سوچ سمجھ کر آئے۔ دل و دماغ کے متفقہ فیصلے کے بعد آئے اور پھر آئے تو تحفّظات کے ساتھ نہ آئے بلکہ تن، من، دھن سب کے ساتھ آئے اور یہ اچھی طرح جان کر آئے کہ۔

در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!

اَقُولُ قَولِی ھٰذَا وَاَستَغفِرُ اللّٰہَ لِی وَلَکُم وَلِسَائِرِ المُسلِمِینَ وَالمُسلِمَاتِ
وَاٰخِرُ دَعوَانَا اَنِ الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ

تنظیمِ اسلامی کے سولہویں سالانہ اجتماع کے اختتامی اجلاس میں

رفقاءِ تنظیم کے لیے

امیرِ تنظیم کا الوداعی تحفہ

(سورۃ الاعراف ، آیات ۴۲-۴۳)

اجتماع کے اختتام پر میں آپ حضرات کو سورۂ اعراف کی اِن دو آیات کا خصوصی تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رہنمائی ہے کہ اس نے مجھے اس موقع پر ان دو آیات کا انتخاب سجھا دیا جو میں سمجھتا ہوں کہ اِس وقت ہمارے لئے بہت مناسبِ حال ہیں۔

اِن دونوں آیات میں آپ کو یہ اسلوب ملے گا کہ آیت کے اصل مضمون کے درمیان میں ایک ضمنی بات بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں "Principal Clause" تو یہ ہوگی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ○

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ...... وہ جنّت والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے!"

جبکہ "لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَآ" کی حیثیت ایک جملۂ معترضہ یا ضمنی بات کی ہے' جو اپنی جگہ انتہائی اہم ہے۔

قرآن مجید کے متعدّد مقامات کی طرح یہاں بھی "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے ساتھ "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کا ذکر موجود ہے۔ توجّہ طلب بات یہ ہے کہ یہاں "اعمالِ صالحہ" سے مراد کیا ہے؟ ہمارے ذہنوں میں عملِ صالح کا کچھ اور نقشہ جم گیا ہے۔ اس آیت پر غور کرتے ہوئے سوچئے کہ اِس کے نزول کے وقت "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کا مطلب کیا تھا۔ سورۃ اعراف مکّی ہے اور اس کے نزول کے وقت تک شریعت کے تفصیلی احکام ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔ نہ شراب حرام تھی' نہ سُود حرام تھا۔ اور اگر اس کا زمانۂ نزول ۱۱ نبوی سے قبل کا ہے تو اُس وقت تک ابھی نماز بھی فرض نہیں تھی' اور روزے کا تو وجود ہی

میں تھا۔ تو ایسے میں عملِ صالح سے کیا مراد تھی؟ اُس وقت اہلِ ایمان کے لئے عملِ صالح کا مفہوم دین کی دعوت و اشاعت اور اس پر استقامت اختیار کرنا اور رات کو قرآن کے ساتھ جاگنا تھا۔ ان تین کاموں کے علاوہ بنیادی انسانی اخلاقیات مثلاً سچ بولنا' ایفائے عہد' پاسِ امانت' غریبوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ اور بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ اعمالِ صالحہ کے دائرے میں شامل تھے۔ ان بنیادی انسانی اخلاقیات کو تو اُس معاشرے میں پہلے ہی سے نیکی کے کام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ایمان لانے والوں کو ان کے ساتھ ساتھ جو اصل کام کرنا پڑتا تھا اس کے تین نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں: (۱) صبرو استقامت۔ یعنی اپنے دعوائے ایمان پر اس طرح مضبوطی سے جم جانا اور ڈٹ جانا کہ شدید ترین تکالیف اور بدترین تشدّد اور Persecution سے بھی پاؤں متزلزل نہ ہو سکیں۔ (۲) جس دینِ حق کو خود قبول کیا ہے اس کی طرف دوسروں کو دعوت۔ (۳) اپنی روحانی قوت میں اضافے کے لئے راتوں کو کھڑے ہو کر "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا" کے حکم پر عمل پیرا ہونا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مقام پر "عملِ صالح" کا یہ مفہوم معیّن کرتے ہوئے میں احکامِ شریعت پر عمل کی نفی نہیں کر رہا۔ اب واقعتہً ہماری تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ شریعت پر عمل کرنا ہے۔ لیکن اِس وقت میں آپ کو اس آیۂ مبارکہ کا پس منظر سمجھا رہا ہوں تاکہ ہمارے سامنے نسبت و تناسب واضح ہو جائے۔

اب ہم اس آیت کے درمیان میں آنے والی 'ضمنی بات' پر توجّہ مرکوز کرتے ہیں۔ میں یہ بارہا بیان کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم میں اہم ترین حکیمانہ باتیں ضمنی طور پر آئی ہیں۔ یہاں فرمایا گیا:

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

"ہم کسی جان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے' مگر اس کی وسعت کے مطابق!"

یعنی عملِ صالح کے ضمن میں یہ خوشخبری حاصل کر لو کہ ہم کسی کو اس کی استطاعت اور استعداد سے بڑھ کر ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ہر شخص سے اس کی اپنی مقدرت' وسعت اور استعداد کے مطابق حساب ہوگا۔ البتہ اس میں یہ خطرہ موجود ہے کہ ہم اپنی وسعت کا صحیح اندازہ نہ کر پائیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم میں دین کا کام کرنے کی صلاحیت و استعداد ہی موجود نہیں ہے' جبکہ دنیا کے لئے ہم خوب بھاگ دوڑ اور محنت و کوشش کر رہے ہوں۔ یہ طرزِ عمل

سراسر خود فریبی پر مبنی ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا:

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

"اور کھینچ نکالیں گے ہم ان کے دلوں میں سے جو کچھ بھی (باہمی) کدورت ہو گی۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔

معلوم ہوا کہ دلوں میں رنجش اور کدورت کا پیدا ہو جانا ایک بالکل طبعی اور فطری امر ہے۔ چنانچہ ایک وقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی یہ معاملہ اتنا شدید ہوا کہ باہم قتال کی نوبت آگئی۔ البتہ جنت میں داخلے سے پہلے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو ہر قسم کی باہمی کدورت سے پاک فرما دیں گے۔ یہی مضمون سورۂ حجر کی آیت ۴۷ میں ان الفاظ میں آیا ہے:

"وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ"

جس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ اس آیت میں میرا اور معاویہؓ کا ذکر ہے۔ جب ہم دونوں جنّت میں داخل ہوں گے تو اللہ ہمارے دلوں میں موجود باہمی 'غل' کو نکال دے گا۔

تو سمجھ لیجئے کہ رفقائے تنظیم کے مابین بھی 'غل' کا پیدا ہو جانا کوئی غیر طبعی اور غیر فطری بات نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بہت ضروری ہے کہ کسی قسم کی کدورت اور خلش کو برقرار نہ رہنے دیا جائے۔ ہر رفیقِ تنظیم کو شعوری طور پر اس کا مراقبہ کرتے رہنا چاہئے۔ سالانہ اجتماع کے اس موقع پر خاص طور سے ہمیں اپنے دلوں کو صاف کر کے جانا چاہئے۔ یہاں تمام رفقاء تین چار روز تک ایک ساتھ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران زبان یا عمل سے آپس میں کوئی اونچ نیچ' کمی بیشی یا زیادتی ہو گئی ہو۔ چنانچہ خاص طور پر ان چار دنوں میں کوئی 'غل' اگر کسی درجے میں پیدا ہو گیا ہو تو ہم سب کو اسے شعوری طور پر صاف کر کے یہاں سے رخصت ہونا چاہئے۔

آیت کا اگلا ٹکڑا ملاحظہ کیجئے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

"اور وہ کہیں گے کہ کُل شکر اس اللہ کا ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی۔ اور ہم (از خود) ہدایت پانے والے نہ ہوتے اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ بخشی ہوتی"۔

اہلِ جنّت جب جنّت میں داخل ہوں گے تو اللہ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر و سپاس کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارا یہاں تک پہنچ جانا کوئی ہماری اپنی کوشش و محنت کا نتیجہ نہیں ہے' بلکہ درحقیقت ہمیں اللہ نے یہاں پہنچایا ہے۔ اُسی نے راہِ حق کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی' اسی نے ہمیں اُس راہِ ہدایت پر گامزن رکھا اور اُسی نے گویا انگلی پکڑ کر ہمیں اِس مقام تک پہنچا دیا۔ ہمارے اپنے اعمال تو ایسے نہ تھے جن کی بدولت ہم جنت کے مستحق بن سکتے۔

یہ قول اصلاً تو اُس مرحلے سے متعلق ہے جب اہلِ جنّت جنّت میں داخل ہوں گے' لیکن یہ قول اس دنیا میں بھی قدم قدم پر ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہئے ------ چنانچہ جب بھی کوئی خیر میسّر آئے' کوئی علمی نکتہ ہاتھ لگے' بھلائی کیلئے کسی درجے میں بھی شرحِ صدر نصیب ہو' الغرض قولاً' عملاً یا علماً نیکی و بھلائی کی کوئی بھی توفیق ملے تو ہمیشہ زبان پر یہ کلمات آ جانے چاہئیں: **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ** ------ کہ یہ علم ہماری دسترس میں کہاں تھا' اس معرفت اور حکمت تک رسائی ہم کہاں حاصل کر سکتے تھے' یہ نیکی و بھلائی اور یہ ایثار و قربانی ہم سے کہاں بن آ سکتی تھی! یہ تو سراسر اللہ کا فضل و کرم اور اس کی عطا اور دین ہے۔

اسی حوالے سے مجھے اپنے اسلامی جمعیت طلبہ کے دور کا ایک واقعہ یاد آیا ہے۔ جمعیت کے ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر خرم جاہ مراد صاحب نے (جو اب جماعت اسلامی کے نائب امیر ہیں۔ اور جن سے میرا عزیز داری کا تعلّق بھی ہے) اپنی آٹو گراف بک میرے سامنے کر دی۔ میں اگرچہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا' لیکن اُس وقت میں نے اُن کی آٹو گراف بک میں جو الفاظ لکھے تھے وہ خود میرے اپنے دل پر اُسی وقت نقش ہو گئے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے:

> "کبھی کبھی میرا دل ایسے لوگوں کے تصوّر سے کانپ اٹھتا ہے جو کبھی تحریک اسلامی کی اولین صفوں میں تھے اور آج اسی نسبت سے اس سے دور جا چکے ہیں۔ میں خود "**اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ**" کے بعد اب "**رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ**" کا سہارا لیا

کرتا ہوں اور اسی کا مشورہ میں اپنے عزیز ترین دوستوں کو دیتا ہوں"۔

میں چاہتا ہوں کہ یہی الفاظ آپ بھی اپنے دل پر نقش کر کے اٹھیں۔ آپ کو تنظیم میں آنے کی جو توفیق ملی ------ ایک جذبہ پیدا ہوا' ایک فکر ذہن کے سامنے آیا' جس پر دل نے گواہی دی' اور آپ اس قافلۂ تنظیم میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد آپ کے قدم کچھ آگے بڑھے۔ اس سب پر اللہ کا شکر ادا کیجئے اور ڈریئے اس سے کہ کہیں معنوی ارتداد یا پسپائی کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ تاہم خلوصِ نیت کے ساتھ اختلاف کا پیدا ہونا اور علیحدگی تک کی نوبت آ جانا بالکل دوسری بات ہے۔ اسے پسپائی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص خلوص و اخلاص کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے کسی جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے وہ وہاں سے جا کر اُس وقت تک بے چین و بے قرار رہتا ہے جب تک وہ کسی دوسرے متحرک قافلے میں شریک نہیں ہو جاتا یا ازخود کوئی قافلہ تشکیل نہیں دے لیتا۔ اس کے برعکس اگر وہ معاشرے میں گم ہو کر رہ جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ کمی کہیں خود اسی میں تھی۔ ورنہ وہ دین کی اس جدّوجہد سے دستکش نہ ہوتا اور اس راہ میں اور کچھ نہ کر سکتا تو ع "بازی اگرچہ پا نہ سکا' سر تو دے سکا" کے مصداق اپنا سر تو پٹخ سکتا تھا۔ مجھے غالب کے اِس خیال سے ہرگز اتفاق نہیں ہے جو اس نے اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے کہ ؂

وفا کیسی' کہاں کا عشق' جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟

میرا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب سر ہی پھوڑنا ہے تو پھر کہیں اور جا کر کیوں پھوڑیں؟ اسی "سنگِ آستاں" پر ہی کیوں نہ پھوڑیں؟ زندگی میں ہر کسی کو سر ہی تو پھوڑنا ہوتا ہے۔ اگر کسی کاروبار' ملازمت یا کسی اور دھندے میں سر پھوڑنا ہے تو کیوں نہ دینِ کے لئے سر پھوڑا جائے! کاروبار اور تجارت میں کتنے لوگ کامیاب ہوتے ہیں؟ سر توڑ محنت اور کوشش سبھی کرتے ہیں' لیکن ان میں کوئی ایک ہی کروڑ پتی بنتا ہے' جبکہ کتنے ہی لوگ تجارت میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ بھی دین کی جدّوجہد میں اگر بظاہر ناکام ہو جائیں اور آپ کی جہد و کوشش کا کوئی نتیجہ نکلتا نظر نہ آئے تو کوئی پروا نہیں۔ لوگ دنیا کی خاطر سر پھوڑتے ہیں' آپ دین کی خاطر پھوڑیں۔ اس راہ کو چھوڑ کر اور کہاں جانا

بہرحال اس جدّوجہد میں ایک تو یہ احساس مدِّنظر رہنا ضروری ہے کہ اسی نے ہمیں اس کی توفیق دی' ہم اس قابل نہ تھے۔ اس نے غیب سے ہمارے لئے اسباب فراہم کر دیئے اور راہِ حق کی طرف ہماری رہنمائی فرما دی۔ اور دوسرے یہ کہ اب ہمارا تکیہ اور سہارا اپنی صلاحیت' لیاقت' استقامت اور بہادری پر نہ ہو' بلکہ اس راہ پر مستقیم رہنے کے لئے اللہ کے حضور دعا کی جائے: "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" ------ یعنی اے پروردگار جب تو نے ہی ہمیں ہدایت عطا کی ہے تو اس کے بعد اب ہمارے دلوں کو کج نہ کر دیجیو اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کیجیو۔ بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے مابین ہیں۔ چنانچہ ہمیں اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہئے: "يَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ' يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰى طَاعَتِكَ"۔

زیرِ نظر آیت کا اگلا ٹکڑا پیش کر رہا ہوں:

لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

"یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر ہی آئے تھے"

کاش کہ ہم میں سے ہر ایک کا دل اس پر صد فیصد یقین کے ساتھ گواہی دے سکے کہ ہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں! اور قرآن حق ہے! آنحضور کی تہجد کی دعاؤں میں سے یہ دعا میں آپ کو کئی مرتبہ سنا چکا ہوں کہ آپ کہا کرتے تھے: اَنْتَ الْحَقُّ' وَوَعْدُكَ الْحَقُّ' وَ قَوْلُكَ حَقٌّ' وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ' وَالْجَنَّةُ حَقٌّ' وَالنَّارُ حَقٌّ' وَالسَّاعَةُ حَقٌّ' وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ' وَالْقُرْاٰنُ حَقٌّ۔ اگر دل یہ گواہی دے رہا ہے تو کیا کہنے! ایسا دل مبارکباد اور تہنیت کے لائق ہے!

اہلِ جنت کو اب اللہ کی طرف سے جو جواب ملے گا وہ آیت کے آخری ٹکڑے میں بیان کر دیا گیا ہے:

وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

"اور وہ ندا دیئے جائیں گے کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے تھے"۔

یہ جواب اللہ تعالیٰ کی شانِ شکوری کا مظہر ہے کہ جنت کو اہلِ جنت کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اگرچہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے عمل کو حقیر سمجھیں اور راہِ حق میں جو کچھ بھی جہد و کوشش ہم سے بن آئے اسے اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم اور اس کی توفیق و تیسیر قرار دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدردانی اور قدر افزائی کا مظہر ہے کہ وہ اپنے بندے کے اعمال کا حوالہ ہی دے گا کہ محنت اور جدّوجہد تم نے کی تھی' میرے راستے میں ایثار و قربانی تم نے کی تھی' ہماری توفیق و تیسیر ضرور تمہارے شامل حال رہی اور ہم نے تمہاری کوتاہیوں کی تلافی بھی کی ------ لیکن تمہیں جس انعام و اکرام سے نوازا جا رہا ہے یہ تمہارے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جن کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ آمین! **وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین○○**

بقیہ : 'عرضِ احوال'

تعلیم مکمل کرنے والا طالب علم انگریزی' عربی اور اردو تینوں زبانوں میں عام کالجوں کے طلبہ کی نسبت بہت بہتر استعداد کا حامل ہو گا۔

قارئین نوٹ فرما لیں کہ قرآن کالج میں ایف اے کلاس کے آئندہ داخلے معمول کے مطابق یعنی میٹرک کا رزلٹ نکلنے کے بعد ہی ہوں گے۔ داخلوں کے لئے میرٹ کا تعین کیا جائے گا اور میٹرک میں حاصل کردہ نمبروں کو ہی معیار نہیں بنایا جائے گا بلکہ طلبہ کی لیاقت کو جانچنے کے لئے ایک درمیانے درجے کا داخلہ ٹسٹ بھی لیا جائے گا جس کے بعد طلبہ کو انٹرویو کے مرحلے سے گزرنا ہو گا۔ کالج میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے مندرجہ بالا اقدامات ناگزیر قرار پائے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہے کہ اس طرح بہت کم طلبہ قرآن کالج کی جانب مائل ہوں گے تاہم ہماری نظر میں اصل اہمیت کمیت (Quantity) کی نہیں کیفیت (Quality) کی ہے۔ ہمارے پیش نظر دوسرے کالجوں کی مانند محض ایک کالج کھولنا نہیں ہے کہ جس کا مقصود اس کے سوا اور کچھ نہ ہو کہ ایف اے اور بی اے کے نصاب کی تیاری اس انداز پر کرا دی جائے کہ طالب علم امتحان میں پاس ہو سکے' قطع نظر اس سے کہ ان میں قابلیت اور لیاقت کا ایک حبہ بھی پیدا ہو

سکے، بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا اپنے کالج میں طلبہ کے علمی معیار کو بلند کرنا اور کالجوں کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہیں دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان اور ترجمہ قرآن کے ساتھ آراستہ کرنا ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقصد میں کامیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

جماعت اسلامی کی موجودہ تنظیمی کیفیت پر

جناب نعیم صدیقی کی گرفت

جس میں جملہ دینی تنظیموں کے لئے قیمتی رہنمائی موجود ہے

(ماخوذ از ماہنامہ "ترجمان القرآن" جنوری ۱۹۹۱ء)

ہم نے ۱۹۴۱ء سے طریق انبیاء علیہم السلام پر کام کرنے کا بیڑہ اٹھایا' اور ایک لمبا عرصہ ہر قسم کی تنگ حالی اور مصائب کے باوجود بہت اطمینان سے گزرا۔ کبھی ذہن الجھا نہیں کہ کہیں ہم صحرائے حیات کی یونہی آوارہ گردی تو نہیں کر رہے یا جادۂ اقدام کو بار بار بدل کر تجربے تو نہیں کر رہے اور ان تجربوں کی وجہ سے ہم اپنے مقصد و منزل کی سمت کھو تو نہیں بیٹھے۔ نہ ہمیں کبھی رتی بھر یہ شبہ ہوا کہ ہماری گاڑی کے ڈرائیور کہیں اپنے نئے ذہنی منصوبوں پر تو نہیں چل پڑے اور ساتھ ہمیں بھی گھسیٹ نہیں رہے۔ نہ یہ اندیشہ کہ جو کوئی بھی سربراہ بنا وہ رفتارِ نتائج کو بدلنے کے لئے طریقِ انبیاء میں تغیّر کر کے کوئی نیا راستہ دریافت کرنے کے چکر میں ہو تاکہ کوئی اچنبھے کا کام کر دکھائے۔ کبھی ہمارا تشخص دھندلایا نہیں۔ اصول' قدریں اور معیارات بدلے نہیں' کبھی دوسروں کی رِیس اور نقالی کا رجحان ہم میں نہیں پیدا ہوا جو احساس کہتری کا نتیجہ ہوتا' کبھی مایوسی نہیں ہوئی کہ اب ہمارے لئے دعوت کا میدان تنگ ہوگیا ہے اور ہمارے دہقان مزاج کارکن پنیری لگانے کے تھکا دینے والے بے کیف کام میں فرار کرنے لگے ہیں۔ کبھی اجتماعی فیصلوں میں دھندلا پن یا دو رخا پن ایسا نہیں پایا گیا جو ہمارے ساتھیوں کو الجھا دے۔ کبھی عام حلقوں میں شکوک و شبہات اور چہ میگوئیاں فروغ نہیں پا سکیں۔ ہمارے ہاں سیاست کا کام پہلے سے ہو رہا تھا مگر اس کی باگ ڈور دین کے ہاتھ میں تھی اور ساری سرگرمیاں دینی مفاد اور تقاضوں کے مطابق ہوئیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی عین مین یہی حالت ہے اور آئندہ بھی ہم اس کو نبھا سکتے ہیں؟

طریقِ انبیاء (اور اسوۂ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق صلاح و فلاح کا کام کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک تو ملت کی بہبود اور پوری انسانیّت کی تعمیرِ نو کے لئے دعوت الی اللہ کے واحد طریق کو اہمیتِ کاملہ دی جائے' باقی جو کچھ بھی ہو اسی دعوت کے فروغ اور اسی کے عروج اور اسی کے اثر و نفوذ کے لئے ہو۔ جس کام کا ماحصل بندے کا خدا سے رابطہ نہیں' وہ خارج از بحث ہے۔

طریقِ انبیاءؑ (اور اسوۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا مطالبہ میرے مطالعہ کی رو سے یہ ہے کہ تقریروں اور جلسوں' یا تحریروں اور جرائد و کتب سے جتنا کچھ بھی معاشرے کے ذہنی ماحول پر اثر ڈالا جا سکے' ہر حال میں فرد بہ فرد ملنے اور گفتگوئیں کرنے کے سلسلے کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ اجتماعی حالات اور سرگرمیاں جو کچھ بھی رہیں' اس بنیادی طریقِ کار کو کبھی ترک نہ کیا جائے' اور اگر کچھ لوگوں کو تحریک ولانے کی ساری کوششیں ناکام ہو جائیں تو ان کو متفق یا حامی کارکنوں کے مقام پر کام سنبھالنے کا مشورہ دے کر رکنیّت کے بارِ گراں سے سبکدوش کر دیا جائے۔ ماسوائے ایسے محبّانِ تحریک کے جن کے پاس کوئی واضح عذر ہو اور اسے متعلقہ حلقۂ جماعت قبول کرے۔

اس کام کا کوئی اور شارٹ کٹ نہیں ہے۔ جتنے افراد کو آپ پوری طرح دین کے لئے مسخر کر لیں گے' وہی کچھ آپ کی اگلی طاقت ہوں گے' ورنہ جلدی ہو تو بھُس بہت ملے گا۔

طریقِ انبیاء (بہ شمولیتِ اسوۂ حسنہ) کے تحت دعوتِ حق کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ داعیانِ الٰہی اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگیوں میں ایک گونہ رنگِ درویشی اختیار کریں۔ ورنہ افراد کی شاندار زندگیاں اور مسرفانہ تقاریب اور تحریک کی مرعوب کن نمائش کاریاں لازمی طور پر مردانِ کار کو ایثار و قربانی کی روش چھوڑ کر دولت سمیٹنے کی طرف متوجہ کر دیں گی جس سے نہ صرف تحریک کا کام ثانوی اہمیت اختیار کر لے گا بلکہ افراد میں حصولِ دولت اور حصولِ مفاد کی ایک ایسی ریس لگے گی جو جماعت کے اندر بھی اثر انداز ہوگی۔ یہ تسلیم کہ تبدیلیٔ تمدّن سے معیارات میں بڑی تبدیلیاں ہوگئی ہیں مگر ان تبدیلیوں کے بعد بھی طبقۂ غربا' درمیانہ طبقہ اور طبقۂ اعلیٰ موجود ہیں۔ کم سے کم آج کے معیارات کے لحاظ سے بھی درمیانہ طبقہ کی حدوں میں رہنا' بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ نچلے درمیانہ طبقہ میں رہا

جائے۔ اس سے غریب عوام سے رابطہ آسان ہو جاتا ہے اور مفاد اور آرام کی قربانی دینا اور مشقت کرنا بھی دل پسند بن جاتا ہے۔ ایسے درویش مزاج لوگوں میں اگر دولت کے دروازے کھلیں بھی تو وہ حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور جناب ابوالدحداحؓ جیسے کردار نمودار ہوں گے جو دولت کو تحریک کے قدموں میں بھی ڈالیں گے اور اہلِ حاجت پر بھی قربان کریں گے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز بھی تو تھے جن کے دور میں تمدن زمانۂ نبوت سے بہت ترقی کر گیا تھا، مگر دریائے تمدن ایک طرف بہتا رہا اور اس کے ساحل میں ایک درویش خلیفہ نے اپنا بوریائے خلافت بچھایا اور راہبوں جیسی زندگی گزار دی۔

آج ان کہانیوں کو ہم لوگ جب اسٹیجوں یا جرائد سے معاشرے کو سنا رہے ہوتے ہیں اور حضورؐ اور صحابہ کرام کی فاقہ مستیوں کا حال بیان کر رہے ہوتے ہیں تو ہمارا اپنا حال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے ایک دن کا فاقہ بھی نہیں دیکھا ہوتا۔ ہم نے اپنے عالی شان اسلاف کی طرح اپنے کندھوں سے قیمتی اونی چادریں یا کمبل اتار کر کبھی کسی حاجت مند کو نہیں دیئے ہوتے۔ ہم نے اپنے کھانے یا پھلوں کو اٹھوا کر کسی ہمسائے کو، یہ معلوم ہونے پر نہیں بھجوایا ہوتا کہ اُس کے بچے بہت ضرورت مند ہیں۔ ہم لوگوں نے کتنی بیواؤں اور کتنے یتیموں اور طلبہ اور مریضوں کی ضروریات کا کسی درجہ میں انتظام اپنے ذمہ لیا ہوتا ہے۔ جماعت کے فنڈ میں چند روپے جمع کرا کے ہم اس سے فارغ ہو جاتے ہیں کہ غریبوں اور مصیبت زدوں کی خدمت کرنی ہے۔

بلکہ ہمارے ہاں سابق روایت یہ تھی کہ جماعتی مناصب پر کام کرنے کے لئے جن لوگوں کی خدمات طلب کی جاتیں وہ خود جماعت ہی سے کہتے کہ جو کچھ آپ مقرر کر دیں، مجھے تو کام کرنا ہے۔ چنانچہ کم سے کم درجے کی ضروریات کا ایک سرسری اندازہ کر کے کسی شخص کا معاوضہ مقرر کر دیا جاتا اور وہ اطمینان سے کام میں محو ہو جاتا۔ روزنامہ تسنیم کی ایڈیٹری کے زمانے میں مصباح الاسلام فاروقی جیسا حساس شخص ایک انقلابی جذبۂ ایثار کے تحت بُھنے ہوئے چنے کھا کر بھی گزارا کرتا تھا۔ بعد میں وہ شعبۂ نشر و اشاعت کے ناظم ہوئے (جو فوجی افسری کو چھوڑ کر آئے تھے) ان کے مقابلے میں آج کا تو ایک دفتری معاون اور ڈرائیور بھی مروجہ معیارات کے مطابق لڑ جھگڑ کر تنخواہیں اور ترقیاں

مانگتے ہیں ــــ کیوں نہ مانگیں کہ اب ہمارے دفتری نظام میں سکیل اور ترقیاں' اضافے اور بونس سب مقرر ہو چکے ہیں۔ بایں ہمہ دولت کا جادو اتنا زوردار ہے کہ سکیلوں سے بھی بات آگے نکل جاتی ہے۔ پھر دفاتر کی توسیع اور عہدوں اور ملازمتوں کی تکثیر اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے "افراد زیادہ اور کام کم" کی صورت پیدا ہو گئی ہے' جبکہ پہلے "افراد کم اور کام زیادہ" کا نقشہ تھا۔ پہلے رضاکار کارکن بہت زیادہ کام کرتے تھے' اب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہر کام کے لئے ہمہ وقتی ملازم بکثرت موجود ہیں' اب ہماری ضرورت نہیں' یعنی ان میں پہلا سا جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔

طریقِ انبیاء پر کام کرنے والوں کے لئے قرآن و حدیث کے سرچشمہ ہائے علم سے مسلسل رابطہ رکھنا اور بڑھانا ضروری ہے۔ اسی ضمن میں جماعت کے عقیدہ' نصب العین' نقشۂ تنظیم اور طریقِ کار کو واضح کرنے کے لئے جو لٹریچر برسوں میں قرآن و حدیث کے دلائل اور اسوۂ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے نظائر کی بنیادوں پر تیار کیا گیا ہے' اس کا مطالعہ کرنا دین اور لادینیت کی موجودہ کشمکش اور فرقہ وارانہ چشمکوں اور قسم قسم کی تنظیموں کے رنگ برنگے طور طریقوں کے اس پیچیدہ دور میں نہایت لازم رکھا گیا ہے' اور یہ لٹریچر بھی قرآن و حدیث کی تعلیمات اور ان تعلیمات کے علمبرداروں کے کارناموں سے ہم کو قریب تر کرتا ہے۔ دورِ حاضر کی زبان میں دین کے حقائق اور ان کے وسیع تر تصورات سامنے آتے ہیں اور نت نئی الجھنیں صاف ہو جاتی ہیں۔

سالہا سال سے قرآن و حدیث کے لئے سچے جذبۂ وابستگی اور جماعت کے رہنما لٹریچر کے ضروری مطالعہ کے بغیر ہمارے ہاں دستوری اور روایتی طور پر رکنیت نہیں مل سکتی تھی۔ اگر ہم اپنے مختلف اہم معیارات کے ساتھ اس معیار کو بھی نظرانداز کر دیں تو معاملہ رکنیت کے نظام کے درہم برہم ہونے تک ہی نہیں رک جائے گا' بلکہ جاہ و منصب کے نہایت مضبوط معیارات بھی تباہ ہو جائیں گے۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو خدانخواستہ نام چاہے آپ جماعت اسلامی سے بھی زیادہ شاندار رکھ لیں اور عددیت کی بڑھوتری آکاس بیل کی طرح زور پر ہو' تب بھی طریقِ انبیاء پر کام کرنا ناممکن ہوگا۔ اور طریقِ انبیاء (خصوصاً اسوۂ خاتم النبیینؐ) سے ہٹ کر کسی راستے پر چلنے سے اقامتِ دین کی منزل تو نہیں مل سکتی' اور بہت کچھ مل سکتا ہے۔

طریقِ انبیاءؑ پر کارِ دعوت کرنے والوں کے لئے ایک شرطِ لازم یہ ہے کہ وہ عملی کردار کے لحاظ سے اپنے عقیدہ، اخلاقی تصورات، تنظیمی معیارات اور اسلامی تہذیبی قدروں کے لحاظ سے ایک خوش آئند اور پُرکشش نمونۂ انسانیت ہوں۔ لوگ ان کو دیکھ کر محسوس کریں کہ یہ ایک اونچا اور پیارا آدمی ہے اور اس کے ساتھ چلنا باعثِ عزت!

اچھا پہن لینے اور اچھا کھا لینے، اور اعلیٰ عمارتوں میں جدید ترین سامانوں سے لیس ہو کر بیٹھنے، اکابر سے ملنے، شاندار تقریروں اور تحریروں اور مرعوب کن جلسوں اور جلوسوں سے تحریکِ اقامتِ دین کی اصل قوت نہیں واضح ہوتی۔ اصل قوت تو اس پر منحصر ہوتی ہے کہ کون کتنا راست باز، نصفت شعار اور فیاض ہے؟ کون پاسِ عہد میں کیا مقام رکھتا ہے، کس میں کتنا انکسار اور ایثار ہے، کون دیانت و امانت سے آراستہ ہے، کون اہلِ خانہ کے ساتھ، ہمسایوں کے ساتھ، ہم سفروں کے ساتھ اور دیگر تمام سماجی رابطوں کے دائروں میں اپنے ایک ایک قول و فعل سے یہ تاثر چھوڑتا ہے کہ یہ شخص خدا پرستانہ اخلاق کا عکس اپنے اندر رکھتا ہے۔ خصوصیت سے لین دین میں، کاروباری امور میں، حصہ دارانہ مسائل میں عالی ظرف اور قابلِ اعتماد ہے۔ کون اختلافی مسائل میں بحث کرتے ہوئے صبر و تحمل سے گفتگو کرتا ہے، اپنی منوانے کے بجائے دوسروں کی بھی سنتا ہے۔ اور اپنی چیز فقط دلائل کے زور سے منواتا ہے، دھونس یا غصے سے نہیں، اسی طرح دوسروں کی ہر اُس بات کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہے جو وزنی دلائل کے ساتھ آتی ہو۔ وہ دوسروں کو بہ آسانی معاف کر دیتا ہے اور دوسروں سے اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہے۔ عہد بر ہو تو ساتھیوں سے مساویانہ و برادرانہ طرز پر مشورہ لیتا ہے، لوگ تنقید کریں تو ٹھنڈے دل سے سنتا ہے۔ پھر اگر سیاست کے میدان میں آئے تو وہ ہر قسم کی چالبازیوں اور مغالطہ انگیز طریقوں سے پرہیز کر کے راست گوئی اور حق بیانی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ دوسرے جو شاطرانہ اور دسیسہ کارانہ انداز کے خوگر ہیں، ان کے ذہنوں اور مکروفسوں اور طریقِ کار کو سمجھتا خوب ہے، مگر خود شاطرانہ سیاست کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ اول تو اپنے اصول و معیارات کے تحفّظ کے لئے مخالفین سے اتحاد نہیں بناتا اور اگر بعض ناگزیر حالات میں ایسا کرنا پڑے تو اپنے غیر متبدل اصول و معیارات کے تحفظ کی گارنٹی پہلے لیتا ہے۔ اتحاد کا معاہدہ کر لینے کے بعد اس میں رخنہ اندازیاں نہیں کرتا۔ ذرا ذرا سے نفع و نقصان یا پسند و ناپسند کی بنا پر دوسروں سے غیر معتدل، غیر حلیمانہ، غیر حکیمانہ اور غیر

صابرانہ طرزِ معاملہ اختیار نہیں کرتا۔ یعنی وقار کے معیار کو چھوڑ کر چھچھورپن کا طریقہ نہیں اپناتا۔ اتحاد کے معاملات میں مارکیٹنگ کی طرح بھاؤ تاؤ (BAR GAINING) نہیں کرتا' اپنی تھوڑی قوت کو زیادہ دکھانے کے لئے' نمائشی مظاہرات کے لئے مسرفانہ اہتمام نہیں کرتا۔ اس طرح کا وسیع دائرہ کردار ہے جو اسلامی تحریک میں درکار ہے۔

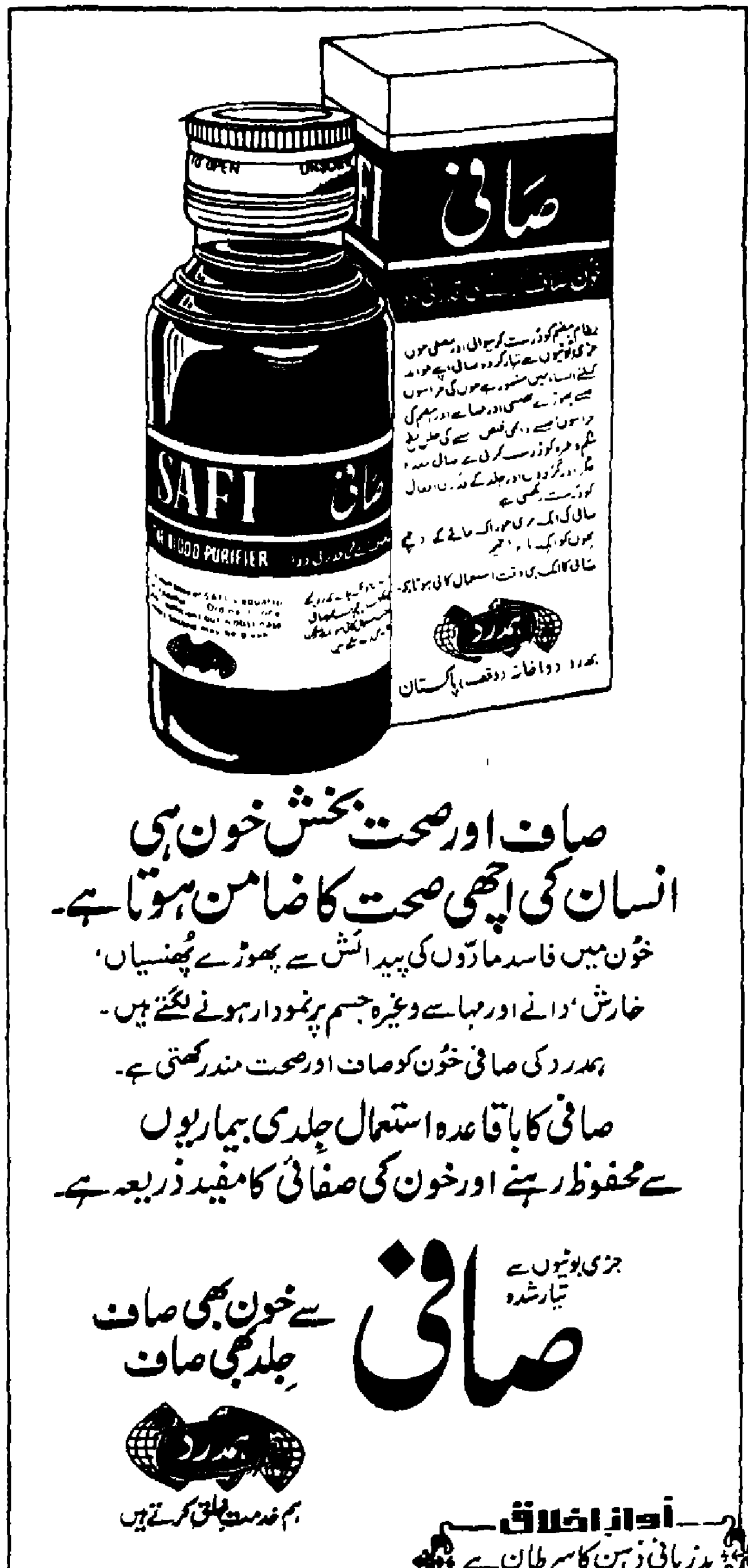
علوِّ کردار یا با اصولیت کے لئے ذوقِ استعجال بھی تباہ کن ہوتا ہے جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے۔ یعنی جس کام کی جو فطری رفتار کسی معاشرے یا ماحول میں ممکن ہے' اگر آپ اس سے بددل ہو کر یہ چاہیں کہ تیزی سے آپ بڑی طاقت بن جائیں' تیزی سے آپ برسرِ تمکن ہو سکیں اور تیزی سے آپ معاشرے کی سیاسی و معاشی زندگی کے سو ٔچڑ پر قابو پالیں جبکہ صحیح اصول و کردار کے ساتھ اسلام کے انقلابی جادۂ دعوت پر پیش قدمی کرتے ہوئے ایسا ہونا جلد ممکن نہ ہو تو پھر آپ اس کے سوا اور کیا کریں گے کہ تحریکِ اقامتِ دین کے اصولوں اور طریقِ کار اور طریقِ تنظیم میں تبدیلیاں کریں اور رکاوٹوں اور حدوں کی تعداد روز بروز گھٹاتے جائیں۔ ایسی جلدی کے نتیجے میں اوّل تو ساری مساعی بکھر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے' ورنہ اگر کچھ بنے بھی تو اسلامی نظام تو نمودار نہیں ہو سکتا (ماسوا بعض جزوی اور ناتمام چیزوں کے)' بنے گا تو کوئی اور ہی نظام بنے گا۔ سو ایسا تو ہو ہی رہا ہے' ہم ہوں یا نہ ہوں۔

پس اپنے عقیدہ' نصب العین' طریقِ کار' تشخص اور کردار کی حفاظت ضروری ہے۔ کردار پر ایک حملہ ذاتی خواہشات اور مفاد کا ہوتا ہے اور دوسرا اجتماعی کشمکش کے دباؤ کی وجہ سے' جبکہ کوئی قوت اپنی بساط سے زیادہ بڑی الجھنوں میں کودے یا اقتدار کی سیاسی و انتخابی دوڑ میں اتنی زیادہ محویت اختیار کرے کہ دین پیچھے سے پکارتا ہی رہ جائے' جیسے حضورؐ نے غزوۂ حنین میں آواز دی تھی کہ "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ" وہاں تو اتنے اچھے تیار شدہ مردانِ حق تھے کہ پکار سن کر فوراً پلٹے' لیکن ہم جس ماحول کے پروردہ ہیں اور جن قوتوں میں گھرے ہوئے اور جن کمزوریوں کے حامل ہیں' شاید کسی موقع پر دین کی پکار سن ہی نہ سکیں۔ لہٰذا احتیاط!

تذکر کی یہ باتیں دوسروں سے بڑھ کر چونکہ میری اپنی ضرورت ہیں' اس لئے کبھی کبھار ان کو چھیڑ کر اپنے شعور و احساس کا زنگ اتارنے کی کوشش کرتا ہوں۔

یہ باتیں اس لئے ضروری ہیں کہ ہم سب لوگ چاروں طرف سے لادینیّت اور نفس پرستی کے ٹھاٹھیں مارتے سیلابی پانی کے درمیان گھرے ہیں جو جسموں تک ہی نہیں' دلوں اور دماغوں تک نفوذ کرتا ہے اور ایمان و شعور تک میں جا کر خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اور شیاطین اس سیلابِ غلاظت میں پہاڑ جیسی موجیں اچھالتے ہیں۔ ان موجوں سے کوئی پناہ ہے تو تحریکِ اقامتِ دین کے سفینۂ نوحؑ ہی میں ہے۔ اور یہ سفینہ دعوت الی اللہ ہی کے چپوؤں سے اپنے نصب العین کے کوہ جودی کی طرف رواں رہتا ہے۔

☆☆☆



آوازِ اخلاق

بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts HSF 1/82

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے

پریس ریلیز

جمعہ ۲۲ فروری ۱۹۹۱ء

لاہور۔ ۲۲ر فروری ۔۔۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ام المحارب یعنی جنگ و جدال کے سلسلے کا وہ پہلا مرحلہ واقعی شروع ہو چکا ہے جس کے بعد خونریز جنگوں کے دو اور سلسلے درپیش ہوں گے اور اس کے بعد ہی غلبۂ اسلام کا وہ دور آنے والا ہے جس کی خبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی لیکن ان سلسلوں اور مراحل کے دورانیے اور ان کے مابین وقت کے فاصلوں کا تعین کسی کے بس کی بات نہیں۔ وہ ماڈل ٹاؤن میں جامع القرآن کے اجتماعِ جمعہ سے خطاب کر رہے تھے جو تنظیم اسلامی پاکستان کے سولہویں سالانہ اجتماع کا افتتاحی اجلاس بھی تھا۔ انہوں نے کہا کہ خود صدام حسین کو یا اس کے کسی قریبی ساتھی کو قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے گہرا شغف ہے جو "ام المحارب" جیسی اصطلاح اور عراقی صدر کی تقاریر و بیانات کے بعض حصوں سے جھلکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بظاہر خلیج کی جنگ کا آغاز عراق کی کویت پر جارحیت ہی سے ہوا اور ہمارا ریڈیو اور ٹی وی دن رات یہی ایک راگ الاپ رہا ہے بلکہ ہمارے وزیر اعظم دس بارہ ملکوں میں جا کر بھی اسی کا ڈھنڈورہ پیٹ آئے لیکن اس کے پیچھے امریکی سازش یا "واسپ" یعنی وائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ کی منصوبہ بندی اور اس کی پشت پر صیہونیت کے عزائم صاف نظر آتے ہیں اور ایک مسلمان تو وہ مشیتِ خداوندی بھی دیکھ سکتا ہے جو سب اسباب سے بڑا سبب ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ صیہونیت صرف عالم اسلام کے سینے پر اپنے پنجے گاڑنے پر قناعت نہ کرے گی کیونکہ اس کے پروگرام میں دنیا کی سب ہی بڑی قوتوں کو زیر کرنا شامل ہے۔ روس کو بکھیر دینا' خود امریکہ کے ٹکڑے کر دینا' بھارت کو توڑنا اور چین کے بھی حصے بخرے کرنا اسی پروگرام کے مختلف مراحل ہیں تاہم ہمارے نزدیک صیہونیت کی اولین کامیابی یعنی اسرائیل کا وجود میں آنا بھی صیہونی منصوبے کا نقطہ آغاز نہیں بلکہ اس آخری عذاب کی تمہید ہے جو اللہ پر قرض ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسے چکانے کے لئے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہودی دنیا بھر سے سمٹ کر ایک

بلکہ جمع ہو رہے ہیں تاکہ ایک ہی جگہ ان کا قبرستان بنے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ملت براہیمی کے سب اجزاء یعنی مسلمان، یہودی اور عیسائی تینوں اپنے اپنے مسیح کے انتظار میں ہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مسیح تو ایک ہیں لیکن یہودیوں کا واسطہ مسیحا سے نہیں بلکہ دجالِ اکبر سے پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ غلبۂ اسلام سے پہلے مسلمانوں کو طویل اور صبر آزما مرحلوں سے گزرنا ہوگا اور اس دورِ پُر فتن میں ان کے کرنے کا کام بہرحال یہ ہے کہ ایمان کی دعوت کو عام کریں، مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی۔ اور چونکہ زمانہ اب بہت ترقی کر چکا ہے لہٰذا ایمان کی دعوت کا ذریعہ قرآن حکیم کو بنانا ہوگا جو ذہانت کی اعلیٰ ترین سطح پر فائز لوگوں کو بھی متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امت مسلمہ کا یہی لائحہ عمل ہے جسے ترک کرنے کی سزا عرب بھگت رہے ہیں اور ہم خود بھی زیادہ دیر بچے نہ رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں نہ صدام سے محبت ہے نہ سعودی عرب سے کوئی عداوت لیکن کویت کے حکمرانوں کے طرز عمل کی جو تفصیلات اخبارات و جرائد میں آ رہی ہیں انہیں دیکھ کر یاد آ جاتا ہے کہ آج ایران سے اظہار یگانگت کرنے والے سعودی عرب میں رابطہ عالمِ اسلامی کی طرف سے ایرانیوں کی تکفیر کا فتویٰ جاری ہو رہا تھا اور اگر ترکی کا وفد اس کی مخالفت میں ڈٹ نہ جاتا تو یہ جاری ہو کر رہتا۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں کے نزدیک عراقی صدر کل عرب کا مجدد تھا انہیں آج صدام حسین کو اسلام کا دشمن قرار دینا زیب نہیں دیتا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے کہا کہ اس کی ناکامی تو ظاہر ہو چکی ہے لیکن ہماری سیاسی قیادت کے پاس شاید کوئی متبادل بھی موجود نہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ نے برملا ہمیں ناقابل اعتماد قرار دے دیا ہے اور اس وقت جبکہ خلیج کے بحران میں ساتھ نبھانے والے دوسرے مسلمان ملکوں پر خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے ہیں، ہمیں ہمنوائی کرنے اور فوج تک بھیج دینے کے بعد بھی دہاڑی دار سے زیادہ نہیں سمجھا گیا۔ ہماری اجرت پچاس ہزار بیرل تیل یومیہ مقرر ہوئی ہے اور وہ بھی تین ماہ کے لئے۔ بعد میں خدا ہی جانے کیا ہوگا۔

جمعہ یکم مارچ ۱۹۹۱ء

لاہور۔ یکم مارچ ... امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ خلیج کی گرم جنگ کے اختتام پر ایک نئی سرد جنگ کا آغاز ہوتا نظر آتا ہے۔ روس سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے رکوع کی حالت تک آ چکا ہے اور بھارت کے بالفعل وزیر اعظم راجیو گاندھی کا تہران اور وہاں سے ماسکو کا سفر عالمی سیاست میں ایک نئے رجحان کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ مسجد دارالسلام

بناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ پچھلے دنوں ملک کی خارجہ
، میں تبدیلی کے مطالبے نے زور پکڑا لیکن میں نے اس کی ہمنوائی نہ کی کیونکہ کوئی متبادل
نہ نظر نہ آتا تھا تاہم حالات کی نئی کروٹ نے اب سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ سرد جنگ کے
نئے دور میں امریکہ کی نظر التفات اگرچہ ایک بار پھر پاکستان کی طرف بھی ہو جائے گی مگر
ارہا تجربہ کر چکے ہیں کہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے اسے دیر نہیں لگتی چنانچہ ہمیں اپنی
بہ پالیسی کی بنیاد اب امریکہ جیسی ناقابل اعتماد سپرپاور کی مصلحت اور سعودی عرب و امارات
رہ کی پیروی پر نہیں رکھنی چاہئے جو پہلے بھی امریکہ کے ڈھکے چھپے ایجنٹ تھے اور اب تو وہی
کا مائی باپ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہم لوگوں نے نصرانیوں کی دوستی کو روسی ملحدوں
، تعلق پر ترجیح دی کہ وہ آخر تو اہل کتاب ہیں اور پھر روسی کیمونزم بھی کسی حال میں ہمارے
، قابل قبول نہ تھا مگر اب حالات بدل چکے ہیں۔ روس میں کیمونزم دم توڑ گیا اور وہاں
نلزم ہی باقی رہ جائے گا جس کے ساتھ مذہبی آزادی دیئے جانے کے آثار بھی نظر آتے
،۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ہمارے قومی مفادات کا تحفظ اب ایک ایسی آزاد خارجہ پالیسی
، ہے جسے روس اور بھارت سے بھی باعزت دوستی اور برابری کی بنیاد پر دو طرفہ تعلقات سے
ازن بنایا جائے۔ روس' بھارت اور ایران کی ابھرتی یک جہتی سے بھی ہمیں یہی اشارہ ملتا
،۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ روس میں پانچ کروڑ مسلمان آباد ہیں
ں میں مذہبی آزادی ملنے کے بعد اسلام کا احیاء ہو سکتا ہے اور یہ بھی فراموش نہ کیا جائے کہ
رت میں بیس کروڑ مسلمان بستے ہیں اور اتنے مسلمان یکجا کسی مسلم ملک میں بھی موجود
ہیں۔ قبل ازیں ڈاکٹر اسرار احمد نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ جنگ بندی سے
اور مسلم ملک عراق مکمل تباہی سے بچ گیا' صدر صدام حسین' اس کی قوم اور فوج کو سلام
ش کیا جنہوں نے اٹھائیس ملکوں کے سامنے چھ ہفتے تک ڈٹے رہ کر دکھا دیا جن میں امریکہ'
رطانیہ اور فرانس جیسے اعلیٰ ترین جنگی طیارے اور جدید ترین سامان حرب رکھنے والے ممالک
بھی شامل تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے صدام کو کبھی صلاح الدین ایوبی سے تشبیہ نہیں دی
س کے برعکس عراقی صدر کے بعض پس منظر پر پوری وضاحت سے روشنی ڈالی تھی لیکن اس
کی ہمت اور آخر میں حالات سے سمجھوتہ کر لینے کی صلاحیت کو داد نہ دینا زیادتی ہے۔ آخر وہ
بھی تو ہٹلر کی طرح اپنی قوم کو تباہی کے دہانے پر پہنچا کر خودکشی کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ
ہمیں خود بھی بیس سال پہلے ایسے ہی حالات کا سامنا تھا۔ عراق کی افتاد کو ۱۹۷۱ء کا "ایکشن ری

ملے" کہا جا سکتا ہے جس میں مغربی پاکستان بھی بھارت کے لئے چند دن کی مار رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے یاد دلایا کہ اللہ کی مشیت کے علاوہ جس طرح اس وقت نکسن کی اندرا گاندھی کو دھمکی کارگر ہوئی تھی ویسے ہی آج صدر بش نے بادل ناخواستہ جنگ بند کی تو اس میں گورباچوف کی طرف سے انتباہ کا دخل ہے جسے ذرائع ابلاغ نے زیادہ نمایاں نہیں کیا۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۰
شمارہ: ۴
رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
اپریل ۱۹۹۱ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زر تعاون -/۵۰

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel . 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr Anwar H Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel 01 805 8732

MID EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O Box 251
Riyadh 11411
Tel · 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
c/o Mr. M.A. Habib
CC 720 Saudia P.O. Box 167
Jeddah 21231
Tel : 651 3140

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جو ہر سال اللہ تعالیٰ کی رحمتوں' برکتوں اور مغفرتوں کے ساتھ سایہ فگن ہوتا ہے' تیزی کے ساتھ ہم سے رخصت ہو رہا ہے اور ان سطور کی تحریر کے وقت اس کا آخری عشرہ شروع ہو چکا ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عِتقٌ مِن النّار" قرار دیا ہے۔ ماہ صیام کے یہ آخری چند ایام ہمیں غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں کہ آیا واقعتاً ہم اس ماہ مبارک کی گزری ہوئی بابرکت ساعات سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ربِّ غفور و رحیم کی رحمتوں کو کما حقہا اپنے دامن میں سمیٹ سکے ہیں؟...... اور اس کا یہ آخری عشرہ بھی اگر ہم اپنی غفلت کی نذر نہ کر دیں تو یہ ہمارے لئے سابقہ کوتاہیوں کی مکمل تلافی اور نار جہنم سے رستگاری کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسی عشرے میں وہ عظیم رات "لیلۃ القدر" ہے جسے خود ربّ العزت نے "خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ" (ہزار مہینوں سے افضل) قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیلہ مبارکہ میں قیام کی سعادت حاصل کرنے والے خوش بخت کے لئے "غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ" کی نوید جانفزا سنائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ رمضان المبارک ہم سے اس حال میں رخصت ہو کہ ہم اس کے فیوض و برکات سے محروم اور تہی دامن رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق ٹھہریں کہ:

رَغِمَ انفُ رجلٍ دخل علیہ رمضان ثم انسلخَ و لم یُغفر علیہ

(ترمذی: عن ابی ہریرہ)

"اس شخص کی ناک خاک آلود ہو گئی (وہ ذلیل و خوار ہوا) جس کی زندگی میں ماہ رمضان آیا' پھر اس طرح سے گزر گیا کہ اس کی مغفرت نہ ہو سکی!"

رمضان المبارک کی بابرکت راتوں کو قرآن حکیم کے انوار سے منور کرنے کے لئے داعیٔ رجوع الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمۂ قرآن کا جو سلسلہ ۱۹۸۴ء کے رمضان میں شروع کیا تھا' وہ بحمد اللہ اب ایک روایت کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کے ذریعے ہر سال کثیر تعداد میں مرد و زن قرآن حکیم کے ترجمہ و تفہیم سے مستفید ہوتے ہیں۔ رفقاء و احباب کے علم میں ہو گا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امسال کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کروا رہے ہیں۔ کراچی میں یہ پروگرام قرآن اکیڈمی کی زیر تعمیر عمارت میں ہو

رہا ہے' جو شہر سے ایک طویل مسافت پر واقع ہونے کے باوجود اس وقت مرجعِ خلائق بنی ہوئی ہے۔ دورۂ ترجمہ کے شرکاء کی تعداد اڑھائی سے تین صد ہے' جس میں آخری عشرہ میں مزید اضافہ متوقع ہے۔ قرآن اکیڈمی میں عشاء کی نماز ۹ بجے ادا کی جاتی ہے اور تراویح' ترجمہ اور نمازِ وتر سے فراغت صبح تین ساڑھے تین بجے ہوتی ہے۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے علاوہ وہاں پر "اقامتی قرآنی تربیت گاہ" کا پروگرام بھی بحمد اللہ کامیابی سے چل رہا ہے' جس میں چالیس کے قریب طالبانِ قرآن شریک ہیں۔

قرآن اکیڈمی لاہور کی مسجد جامع القرآن میں' جہاں دورۂ ترجمۂ قرآن کا یہ مسلسل آٹھواں سال ہے' اس سال ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری محترم ڈاکٹر صاحب کے خلف الرشید حافظ عاکف سعید صاحب نبھا رہے ہیں۔ جناب عاکف صاحب کا اگرچہ یہ پہلا دورۂ ترجمہ ہے' لیکن وہ الحمدللہ انتہائی پر اعتماد لہجے میں بڑی سلاست و روانی کے ساتھ یہ ذمہ داری بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہیں۔ رفیق محترم حافظ محمد رفیق صاحب اس سال علامہ اقبال ٹاؤن کے رضا بلاک کی جامع مسجد میں دورۂ ترجمۂ قرآن کروا رہے ہیں' جہاں نمازیوں کی سہولت کے پیش نظر نماز تراویح پہلے ادا کر لی جاتی ہے اور اس کے بعد تراویح میں پڑھے گئے پارے کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شہر میں مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو اور قرآن سکول وسن پورہ سمیت پانچ مقامات پر امیر محترم کے ویڈیو کیسٹس کے ذریعے قرآن حکیم کے ترجمہ سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے یہ پروگرام درحقیقت دعوت رجوع الی القرآن ہی کے سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں اور الحمدللہ اس کے بہت مفید اثرات محسوس کئے گئے ہیں۔

☆☆☆

'میثاق' کی گزشتہ اشاعت میں شامل اشتہار سے یہ اطلاع قارئین کرام کے علم میں آ چکی ہوگی کہ قرآن کالج میں دینی تعلیم کا ایک سالہ نصاب' جس کا داخلہ بالعموم بی اے کلاسز کے ساتھ کیا جاتا ہے' امسال خلاف معمول رمضان المبارک کے فوراً بعد شروع ہو رہا ہے۔ یہ کلاس اگرچہ ترجیحاً گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ حضرات کے لئے ہے' تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے پاس امیدواروں کو بھی داخلہ دیا جا سکتا ہے۔ امیر محترم کی خواہش ہے کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کورس میں شرکت کریں۔ ایک سال کے دورانیے کا یہ کورس چونکہ دو ششماہی سمسٹرز (Semesters) پر مشتمل ہے' لہٰذا ایسے

(باقی صہ۸ پر)

الہدیٰ قسط: ۴۳

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۳۶

جہاد و قتالِ فی سبیل اللہ کے موضوع پر

قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ

سورۃ الصّفّ

(۶)

اللہ تعالیٰ کے قانون ہدایت و ضلالت کی ایک اہم دفعہ

سورۃ الصف کی آیت نمبر ۵ (وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ الخ) جس سلسلۂ کلام اور جس ربط کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئی ہے' اس کے مطابق اس کا اصل مفہوم واضح ہوگیا۔ لیکن جیسا کہ بارہا عرض کیا گیا ہے' یہ بات پیشِ نظر رہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت اپنی جگہ علم و حکمت کا ایک مکمل موتی ہے۔ اسے جب ایک سلسلۂ مضمون کی کڑی میں پرویا جاتا ہے تو اس کا ایک مفہوم اور ایک رخ معین ہو جاتا ہے' لیکن اس کا کوئی دوسرا رخ بھی ہو سکتا ہے جو اس سلسلۂ کلام کے اعتبار سے اگرچہ ضمنی قرار پائے گا لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن حکیم کے علوم و معارف کے بہت سے قیمتی موتی اسی طرح آیات کے ضمنی مضامین کی حیثیت سے وارد ہوئے ہیں۔

یہاں فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (پھر جب وہ ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی کج کر دیا) کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی ایک بہت

ہم دفعہ بیان ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ہدایت یا ضلالت میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اختیار (CHOICE) دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الدھر میں فرمایا گیا: **اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا** (خواہ وہ شکر کرنے والا بنے خواہ کفر کرنے والا)۔ چاہے ادھر آ جائے' چاہے ادھر چلا جائے۔ انسان اگر ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے لئے کھولتا چلا جائے گا' آسان کرتا چلا جائے گا۔ اور اگر وہ کجروی اختیار کرے گا تو وہی راستہ اس کے لئے آسان کر دیا جائے گا جس پر وہ بڑھتا چلا جائے گا۔ اور جب انسان غلط راستے پر پڑ جائے اور پھر اس پر بڑھتا چلا جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے جسے ہم انگریزی میں "POINT OF NO RETURN" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ گویا آدمی اس درجے آگے نکل گیا کہ اب واپسی کا امکان ہی نہیں۔ اس مرحلے کو قرآن ان الفاظ سے تعبیر کرتا ہے: **خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ** "اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں"۔ اسی کیفیت کے لئے یہاں "**اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ**" کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ یعنی جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا۔ اس لئے کہ اللہ کا یہ ضابطہ اور قانون ہے کہ وہ کسی کو بالجبر ہدایت کی راہ پر نہیں لانا چاہتا۔ چنانچہ آیت کے اختتام پر فرما دیا گیا: **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ۝ یعنی اللہ ان لوگوں کو جو فسق و فجور ہی کی راہ اختیار کر لیں' جو کجروی کو پسند کر لیں' زبردستی ہدایت نہیں دیا کرتا۔

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں تاریخ بنی اسرائیل کے ایک دور کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے' جب اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے مابین موجود تھے اور اس کے باوجود ان کا طرزِ عمل یہ تھا۔ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ بنی اسرائیل سے خطاب کر کے انہوں نے فرمایا: "اے قوم تُو تو اس چھنال کی مانند ہے کہ جو پہلی شب میں بے وفائی کی مرتکب ہوئی ہو!"

حضرت مسیح کی بعثت اور یہود کا معاندانہ رویہ

اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کی ایک اور جھلک دکھائی جا رہی ہے۔ یہ قوم اپنی اس کجروی میں اس حد تک بڑھ گئی کہ جب سلسلۂ بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء اور

آخر الرُسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو آپ کے ساتھ بھی ان کا طرزِ عمل نہائی معاندانہ رہا۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ط فَلَمَّا جَآءَہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

"اور جب کہا عیسیٰؑ ابن مریم نے کہ اولادِ یعقوب' میں تمہاری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں' میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی کہ جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے اور بشارت دیتے ہوئے آیا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام ہے احمد' (مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر جب وہ ان کے پاس صریح نشانیوں کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس ایسی کھلی کھلی نشانیاں اور معجزات لے کر آئے تھے جو پہلے کسی کو نہ دیئے گئے تھے۔ حسّی معجزات میں مُردوں کو زندہ کر دینے اور مٹی سے پرندوں کی تخلیق سے بڑھ کر کسی معجزے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن علمائے یہود اور ان کے بڑے بڑے اصحابِ علم و فضل کی گراوٹ' ان کی پستی' اور حق سے ان کے بعد کا عالم یہ ہوگیا کہ ایسے صریح معجزے دیکھ کر بھی ان بدبختوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اور چونکہ جادو کفر ہے' لہٰذا یہ مرتد ہے' اور واجب القتل ہے۔ تو بنی اسرائیل نے اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ یہ گویا کہ تاریخ بنی اسرائیل کا دوسرا دور ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں بھی ایک مضمون جو اس سورت کے سلسلۂ کلام کی نسبت سے تو اگرچہ ضمنی کہلائے گا' لیکن اپنی جگہ پر بہت اہم ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ایک عجیب شان کی حامل ہے۔ وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے' بلکہ شریعتِ موسوی ہی کی تجدید کے لئے آئے تھے۔ متی کی انجیل میں "SERMON OF THE MOUNT' میں ان کا یہ جملہ موجود ہے:

"DON'T THINK I HAVE COME TO DESTROY LAW"

یعنی کبھی یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں۔ آپ شریعت کو ختم کرنے کے لئے نہیں' بلکہ شریعت کو قائم کرنے کے لئے آئے تھے۔ ان کی ایک حیثیت ہے شریعتِ موسوی کے مجدد کی اور ایک حیثیت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشرو اور آپ کے بارے میں بشارت و خوشخبری دینے والے کی۔ تو "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" کے الفاظِ مبارکہ میں بعثتِ عیسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دو پہلو بھی بیان ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی جو روش رہی اس کو واضح کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تراشے جبکہ اسے اسلام کی طرف پکارا جا رہا ہو"

یہ آیت کچھ برزخی مزاج کی ہے۔ اس کا تعلق آیۂ ماسبق سے بھی جڑ جاتا ہے اور آیۂ مابعد سے بھی۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں یہود کے طرزِ عمل کی طرف اشارہ بھی موجود ہے اور بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ان کا سلوک رہا' وہ بھی اس کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ فرمایا گیا کہ ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کریں' جبکہ انہیں اسلام کی طرف پکارا جا رہا ہو۔ اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو! حضرت مسیح علیہ السلام بھی دعوتِ اسلام لے کر آئے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوتِ اسلام لے کر آئے۔ آیت کے آخر میں فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"

ربطِ کلام کو ذہن میں رکھ کر غور کیجئے کہ قول اور فعل کے تضاد سے کوئی امتِ مسلمہ پستی کی کس حد تک پہنچ سکتی ہے۔ اس کے لئے ایک نشانِ عبرت کے طور پر تاریخِ بنی اسرائیل کے یہ ادوار سامنے لائے جا رہے ہیں۔

ع نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

اس کے بعد آتی ہے وہ آیت جس میں یہود کے اس طرزِ عمل کا ذکر ہے' جو انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کیا' اور جس کی طرف اشارہ اس سے پہلی آیت میں موجود ہے۔ یہود کی بدبختی اور بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ وہ خود منتظر تھے آخری نبی کی بعثت کے' اور ان سے یہ توقع تھی کہ وہ بڑھ کر آپ کا استقبال کریں گے۔ ان کے کچھ قبیلے آکر عرب میں آباد ہی اس لئے ہوئے کہ ان کی کتابوں میں یہ خبر تھی کہ کھجوروں کی سرزمین میں آخری نبی کا ظہور ہو گا۔ چنانچہ اس امید میں کہ ہم اس کا وقت پا لیں اور اس کے ساتھی بن سکیں' ان کے کچھ قبیلے یہاں آکر آباد ہوئے اور وہ اوس و خزرج کے لوگوں کو دھمکایا کرتے تھے کہ اس وقت تو تم ہم پر غالب ہو' ہمیں دبا لو جتنا چاہو' لیکن ایک وقت آنے والا ہے اور وہ دور نہیں کہ نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے اور جب ہم ان کے ساتھ ہو کر تم سے جنگ کریں گے تو تم ہم پر غالب نہ آسکو گے۔ لیکن یہود کی کہی ہوئی اسی بات کی وجہ سے اوس اور خزرج کے لوگ ایمان میں پیش قدمی کر گئے۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے آئے ہوئے مدینہ کے چھ افراد کے سامنے دعوت پیش کی تو انہوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور آپس میں سرگوشی کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی رسول ہیں جن کا یہود حوالہ دیا کرتے ہیں اور جن کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور آؤ اس سے پہلے کہ یہود پیش قدمی کریں' ہم ان پر سبقت کریں اور ایمان لے آئیں۔ تو اللہ نے انہیں ایمان کی دولت سے سرفراز فرما دیا اور یہود اس نعمت سے محروم رہے۔ اور نہ صرف محروم رہے بلکہ یہ قوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور آپ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں کھلے کھلے کافروں اور مشرکوں کو مات کر گئی۔ یہاں قرآن نے ان پر ایک تعریض کے انداز میں ان کی جو اصل صورت حال تھی' اس کا نقشہ ان عجیب الفاظ میں کھینچا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

"یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں"۔

مولانا ظفر علی خاں نے دراصل یہیں سے اپنے اس شعر کے لئے خیال اخذ کیا ہے:۔

ر خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

"یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم" کے الفاظ میں خاص طور پر اس بات کی طرف شارہ ہے کہ یہود کبھی بھی کھلے میدان میں حضورؐ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ابوجہل مقابلے پر آیا تو مرنے اور مارنے کے لئے آیا اور اس نے اپنی گردن کٹائی۔ لیکن یہود میں یہ حوصلہ نہ تھا۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اے نبیؐ" یہ یہودی کبھی آپ کے ساتھ کھلے میدان میں مقابلے کے لئے نہ آئیں گے۔ ان کا سارا معاملہ کہیں دیواروں کے پیچھے سے اپنا تحفظ لے کر' کہیں چھتوں کے اوپر سے پتھر برسا کر یا دوسروں کو ابھار کر اور اشتعال دلا کر آپ کے خلاف اکسانے کی طرح کا ہی ہوگا۔ یہاں اسی کی طرف تعریض کے انداز میں اشارہ کیا ہے کہ یہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

"اور اللہ تو اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا' اگرچہ یہ کافروں کو کیسا ہی ناگوار گزرے"۔

اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے اور تاریخ نسل انسانی کا وہ وقت آچکا ہے کہ اس نور کا اتمام کر دیا جائے' اس ہدایت کی تکمیل ہو جائے' وہ وقت آ جائے جبکہ اعلان عام ہو کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا اور اللہ کا یہ اٹل فیصلہ پورا ہو کر رہے گا اور بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام حکمت خداوندی کے اسی تقاضے کے تحت ہوئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ وہ غالب کر دے اس کو کل کے کل دین پر ... خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے"۔

عالمِ واقعہ میں اللہ کے نور کے اتمام کی صورت یہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو "الہدیٰ" یعنی قرآن مجید دے کر بھیجا ہے' اس کا نور عام ہوگا۔ اس عالم میں اس قرآن مجید کا چرچا ہوگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کی مکمل طور پر تبلیغ فرمائیں گے اور اس کے ساتھ دینِ حق یعنی جو نظامِ عدل و قسط دے کر وہ بھیجے گئے ہیں' اسے قائم اور نافذ کر کے نوع انسانی پر اتمام حجت فرمادیں گے۔ اسی کے بارے میں فرمایا گیا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ یعنی دین کی تکمیل اور نوعِ انسانی پر نعمتِ خداوندی کا اتمام بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ہو کر رہے گا۔

کارِ رسالت کی تکمیل کے لئے اہلِ ایمان کی ذمہ داریاں

اس کے بعد اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا اس درس کے آغاز میں حوالہ دیا گیا تھا۔ جب اللہ کا اٹل فیصلہ یہ ہے تو اب اس کے لئے اہلِ ایمان کو جان اور مال کھپانا ہے۔ چنانچہ یہاں اہلِ ایمان کو اس کے لئے آمادہ کیا جا رہا ہے۔ کسی کو کسی کام پر آمادہ کرنے کے دو انداز ہوتے ہیں۔ ایک ترغیب و تشویق کا انداز ہے کہ یہ کرو گے تو یہ اجر ملے گا' یہ بدلہ ملے گا' یوں شاباش ملے گی' اس طرح تمہاری خدمات کا اعتراف کیا جائے گا' تمہیں ان خلعتوں سے نوازا جائے گا۔ اور دوسرا انداز یہ کہ اگر نہ کرو گے تو یہ سزا ملے گی۔ ان میں سے پہلا تشویق کا انداز ہے اور دوسرے کے اندر دھمکی اور وعید کا پہلو ہے۔ اس لئے پہلے کو "ترغیب" اور دوسرے کو "ترہیب" کہا جاتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے عین مرکز میں بعثتِ محمدیؐ کا مقصد معیّن ہوا ہے۔ اس کے لئے یہاں اہل ایمان کو جہاد کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور اس کے لئے ترغیب اور ترہیب کے دونوں انداز اختیار کئے جا رہے ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع بھی ترہیب پر مشتمل تھا کہ اگر دین کے تقاضوں پر عمل پیرا نہ ہوگے تو قول و عمل کے تضاد کے مرتکب گردانے جاؤ گے' اللہ تمہارے طرزِ عمل سے بیزار ہوگا اور تم اس کے غضب کے مستحق ٹھہرو گے۔ اور اس طرح تم گویا کہ یہود کے نقشِ قدم کی پیروی کرو گے جنہوں نے یہ طرز عمل اختیار کیا اور وہ اس مقام اور منصب سے معزول کر دیئے گئے جہاں آج تمہارا تقرر عمل میں لایا گیا ہے۔ دوسرے رکوع میں ترغیب کا انداز غالب ہے' اگرچہ اس کی ابتدا بھی ترہیب سے

کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝

"اے اہلِ ایمان' کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں (آخرت کے) دردناک عذاب سے چھٹکارا دے؟"

گویا کہ یہاں یہ بات IMPLIED ہے کہ اگر تم یہ نہ کرو گے تو چھٹکارا پانے کی کوئی امید نہیں۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ محض یہ کہنے سے کہ "ہم ایمان لے آئے" چھٹکارا ہو جائے گا تو یہ امیدِ موہوم ہے' خیالِ خام ہے۔ سورۃ العنکبوت شروع ہوتی ہے ان الفاظ سے: الم ۝ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ۝ "کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے گا صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟" انہیں پرکھا نہ جائے گا' ان کی آزمائش نہ کی جائے گی' انہیں جانچا نہ جائے گا' انہیں امتحانوں کی بھٹیوں میں ڈالا نہ جائے گا؟ وہی بات یہاں فرمائی جا رہی ہے کہ اگر کسی نے یہ سمجھا تھا کہ محض یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے' چھٹکارا ہو جائے گا تو یہ خیالِ خام ہے۔ اگر عذابِ الیم سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو تو ایک کاروبار کرنا پڑے گا' ایک مشقت جھیلنی پڑے گی' ایک محنت کرنی ہوگی۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔

"(وہ یہ ہے کہ) ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے"۔

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو"

اگر تم واقعی علم رکھتے ہو' اگر ہوشمند ہو' باشعور ہو' نفع اور نقصان کا صحیح فہم تمہیں حاصل ہے تو جان لو کہ یہی بہتر ہے۔ اپنی جان کا اللہ کی راہ میں دے دینا درحقیقت اس جان کو ہمیشہ کے لئے جاوداں بنا لینا ہے۔ جیسا کہ سورہ البقرہ میں فرمایا گیا: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون ۝ اسی طرح اگرچہ بظاہر مال

سے محبت ہے' اور اس کو جمع کر کے سینت سینت کر رکھنے کی طرف طبیعت کا میلان ہے' لیکن اگر تم حقیقت شناس اور حقیقت بیں ہو تو جان لو کہ اللہ کے راستے میں' اس کے دین کی سربلندی کے لئے اس کا کھپا دینا اور لگا دینا ہی بہتر ہے۔

مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے انعاماتِ ربّانی

اگلی دو آیات پر گویا کہ اسی آخری ٹکڑے (ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون) کی شرح ہیں' جن میں "ترغیب" کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں ایک کے بعد دوسرے انعام اور اعلیٰ مراتب کا ذکر ہے کہ اگر یہ کرو گے تو کیا کیا کچھ ملے گا۔ تو سب سے پہلے فرمایا:

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ "وہ تمہاری خطائیں معاف فرمائے گا"۔

یعنی اگر تم اس راستے پر قدم بڑھاتے چلو اور اس سے دامن بچا کر نکلنے کی کوشش نہ کرو' اس فرض منصبی کی ادائیگی سے پہلو تہی نہ ہو تو پھر اگر کہیں کوئی لغزش یا خطا ہو بھی گئی تو اللہ کا پہلا وعدہ تو یہ ہے کہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا' تمہاری غلطیوں کو معاف فرما دے گا' تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔

مزید برآں یہ کہ:

وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔

"اور تمہیں داخل کرے گا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی'
اور ان پاکیزہ گھروں میں جو جنّات عدن میں ہیں"۔

یعنی ہمیشہ باقی رہنے والے رہائشی باغات (RESIDENTIAL GARDENS) میں تمہیں اعلیٰ مسکن عطا فرمائے گا۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ "یہ ہے اصل کامیابی!"

یہ ہے اصل فوز و فلاح۔ یعنی اصل کامیابی و کامرانی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ہم پورے شدومد (EMPHASIS) کے ساتھ سورۃ التغابن میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں فرمایا گیا: ذٰلک یوم التغابن۔ "وہ ہے ہار اور جیت کے فیصلے کا دن"۔ جو اس روز جیتا وہ جیتا' اور جو اس روز ہارا وہ ہارا۔ جو اس روز کامیاب قرار دیا گیا' وہی کامیاب ہے اور

جو اس روز ناکام قرار پایا' وہی ناکام ہے۔ چنانچہ اصل کامیابی یہی ہے' بڑی کامیابی یہی ہے

نصرتِ خداوندی اور فتحِ قریب کا وعدہ

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا۔ "اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے"۔

یہ بڑا ہی عجیب اور قابل توجہ پیرایۂ کلام ہے۔ اللہ کے نزدیک تو اصل کامیابی وہ ہے جس کا ذکر ہو چکا' لیکن ایک اور چیز کا بھی وعدہ ہے' جو تمہیں بہت محبوب ہے۔ اور وہ ہے

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۝ "اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی"۔

یعنی اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ بھی ہے اور اس فتح کا بھی جو زیادہ دور نہیں ہے۔ اب یہ مرحلہ آیا چاہتا ہے۔ اللہ کے دین کا غلبہ ہوا چاہتا ہے۔ درحقیقت اس سورۂ مبارکہ کے زمانۂ نزول کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو ان آیات کا مفہوم صحیح طور پر سامنے آتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ احزاب کے فوراً بعد نازل ہوئیں۔ غزوۂ احزاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جدوجہد' کشمکش اور انقلابی دعوت میں ایک فیصلہ کن موڑ (TURNING POINT) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد نظر آ رہا تھا کہ گویا اب صورتِ حال تبدیل ہو جانے والی ہے۔ TABLES WERE TO BE (TURNED) اس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے فوراً بعد ان الفاظ میں ارشاد فرما دیا تھا کہ: "لَنْ يَّغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ" یعنی اے مسلمانو' اس سال کے بعد اب قریش تم پر حملہ آور نہ ہوں گے' یہ ان کی طرف سے آخری حملہ تھا۔ کفر کی کمر ٹوٹ چکی اور کفار حوصلہ ہار گئے۔ اب اقدام تمہاری طرف سے ہوگا۔ اسی کا گویا نقشہ ہے جو اس آیہ مبارکہ کے الفاظ میں سامنے آ رہا ہے۔

اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کے وعدے کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ "اور اے نبیؐ! اہل ایمان کو بشارت دے دیجئے!"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمانِ مبارک اور اس آیۂ مبارکہ کے مابین ایک گہرا منطقی ربط معلوم ہوتا ہے اور حضورؐ کا وہ قول اغلباً ... واللہ اعلم ... اسی آیۂ مبارکہ کے نزول کے بعد کی بشارت محسوس ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ اہل ایمان کو بشارت دیجئے کہ اب وہ مرحلہ دور نہیں ہے۔ اب اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے۔

اور فتح تمہارے قدم چومنے کو ہے۔ لیکن اس پورے معاملے کو "اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ تم کامیاب ہوتے ہو یا ناکام! اس کے نزدیک تو اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ بندہ مومن کا فرض ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے' اسے اللہ کی راہ میں لگا دے اور اپنے تمام وسائل میدان میں لا ڈالے۔ دنیا میں وہ کامیاب ہوتا ہے یا ناکام' اس سے اس کی حقیقی کامیابی اور ناکامی کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب یومِ احد ہی کو شہید ہوگئے اور انہوں نے دین کا غلبہ اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ انہوں نے وہ دور نہیں دیکھا جب اللہ کے دین کا جھنڈا لہرا رہا تھا' جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات یا وادیٔ منیٰ میں سوا لاکھ کے مجمع کو خطاب فرما رہے تھے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ناکام ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذالک! یہی وجہ ہے کہ یہاں ان دو وعدوں کو علیحدہ علیحدہ گروپ کیا گیا ہے۔ پہلا وعدہ خطاؤں کی بخشش اور داخلہ جنت کا ہے' جسے "اصل کامیابی" قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسرا وعدہ اور خوشخبری ایک ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کے لئے فرمایا گیا کہ "جو تمہیں بہت پسند ہے"۔ انسان بربنائے طبع بشری اپنی جدوجہد کے نتائج کو دیکھنا چاہتا ہے' اپنی کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہوئے دیکھنے کی خواہش انسان میں فطری طور پر ہوتی ہے۔ یہاں اس کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔

"کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ" کی پکار

اب ہم اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت کا مطالعہ کریں گے جو ایک طویل آیت ہے۔ اور منطقی اعتبار سے یہ اس سلسلۂ مضمون کا ایک انتہائی اہم اور بلند ترین مقام ہے جو گزشتہ آیات میں چلا آ رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔

"اے اہلِ ایمان اللہ کے مددگار بنو!"

اس کا تعلق اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت کے ساتھ جوڑیئے۔ وہاں فرمایا گیا تھا: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ... وہ زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے۔ وہ غالب ہے' زبردست ہے' توانا ہے' اس کی حکومت اس پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے' اسے کسی کی نصرت کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔ وہ (معاذ اللہ) ضعیف نہیں ہے کہ

اسے کسی کی مدد کی احتیاج ہو۔ بایں ہمہ اگر بندہ مومن اس کے دین کے غلبے کے لئے سعی کر رہا ہو' اس کے دین کی سربلندی کے لئے جان اور مال کھپا رہا ہو' اس کے رسول کے مشن کی تکمیل کے لئے جسم و جان کی توانائیوں کو صرف کر رہا ہو' اپنے مال و اسباب اور وسائل و ذرائع کو اس راہ میں خرچ کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حد تک حوصلہ افزائی اور قدر افزائی فرماتے ہیں کہ اس کی اس جدوجہد کو اپنی نصرت سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اور بندے کے لئے اس سے اونچا مقام اور کوئی نہیں ہے کہ مخلوق ہو کر خالق کا مددگار قرار پائے۔ عبد ہوتے ہوئے معبود کا مددگار قرار پائے۔ اور معبود اپنے بندوں سے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔[۲۹] "اے اہل ایمان اللہ کے مددگار بنو!"

اس کے لئے اب یہاں تاریخ سے شواہد لائے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ جہاں بہت سی پستیوں کی امین ہے' وہاں اس میں رفعتیں بھی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" کے مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد ان کے پیغام کی نشر و اشاعت میں جس تندہی کے ساتھ محنتیں کی ہیں' جو کوششیں کی ہیں' جس طرح کے مصائب جھیلے ہیں' جس طرح کی صعوبتیں اور شدائد برداشت کئے ہیں' وہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی کا اس پہلو سے ایک بڑا درخشاں باب ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔

"جیسے کہ کہا تھا عیسیٰ ابن مریمؑ نے اپنے حواریین سے کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف؟"

چونکہ یہ کام اللہ کا ہے' اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت مقصود ہے لہٰذا اسے "اللہ کی طرف نصرت" سے تعبیر فرمایا۔ بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مقصد اور اس کی غرض و غایت کو سامنے رکھئے تو کہا جائے گا کہ کون ہے جو اللہ کے دین کے غلبے اور اس کی سربلندی کی جدوجہد میں میرا مددگار ہو' میرا دست و بازو بنے' میرا ممدّ معاون ہو' اس راہ میں میرا ساتھ دے؟

آپ نے دیکھا کہ "كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ" اور "مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ" میں نصرت کی دونوں نسبتیں آ گئی ہیں۔ ایک نسبت اللہ کی طرف اور دوسری رسول کی طرف۔ یعنی اللہ

(باقی ص ۱۷ پر)

حسنِ انتخاب

ایمان اور عملِ صالح کا باہمی تعلّق

(از سیرۃ النبیؐ : علامہ سیّد سلیمان ندوی)

محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جس تعلیم کو لے کر آئے، اس کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی نجات دو چیزوں پر موقوف ہے، ایک ایمان اور دوسری عمل صالح، کتاب سیرۃ النبی کی گزشتہ چوتھی جلد ایمان کی شرح و توضیح میں تھی، اب یہ پیشِ نظر حصہ عمل صالح کی تشریح و بیان میں ہے۔ ایمان بنیادی اصولوں پر یقین کامل رکھنے کا نام ہے۔ اور عمل صالح ان اصولوں کے مطابق عمل کا۔ کسی بات کا تنہا علم و یقین کامیابی کے لئے کافی نہیں جب تک اُس علم و یقین کے مطابق عمل بھی نہ ہو؛

اسلام نے انسان کی نجات اور فلاح کو انہیں دو چیزوں یعنی ایمان و عمل صالح پر مبنی قرار دیا ہے لیکن افسوس ہے کہ عوام میں ایمان کو جو اہمیت حاصل ہے وہ عملِ صالح کو نہیں حالانکہ یہ دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت سے عملاً یکساں اہمیت رکھتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ایمان بُنیاد ہے اور عملِ صالح اس پر قائم شدہ دیوار یا ستون جس طرح کوئی عمارت بُنیاد کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح وہ دیوار یا ستون کے بغیر کھڑی بھی نہیں سکتی۔

ان دونوں کی بہترین مثال اقلیدس کے اصول اور اشکال کی ہے، ایمان کی حیثیت اُصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کی ہے جن کو صحیح مانے بغیر اقلیدس کی شکلوں کا ثبوت محال ہے لیکن اگر صرف اصول موضوعہ اور اُصول متعارفہ کو تسلیم کر لیا جائے اور ان کے مطابق شکلوں کو عمل نہ کیا جائے تو فنِ تعمیر و ہندسہ اور مساحت و پیمائش میں اقلیدس کا فن ایک ذرہ کارآمد نہیں ہو سکتا اور نہ اُس سے انسان کو وُہ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ اس فن سے اصل مقصود ہیں۔

عوام کی اِس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ اس بارہ میں قرآن پاک کی تعلیم کو تفصیلاً پیش کیا جائے، قرآن پاک نے انسان کی فلاح و کامیابی کے ذریعہ کو بیسیوں آیتوں میں بیان کیا ہے مگر ہر جگہ بلا استثناء

ایمان اور عملِ صالح دونوں پر اس کو مبنی قرار دیا ہے اور ہر جگہ ایمان کو پہلی اور عملِ صالح کو دوسری مگر ضروری حیثیت دی ہے، فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۔

زمانہ (مع اپنی پوری انسانی تاریخ کے) گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے لیکن وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے

(العصر ۱ تا ۳)

زمانہ کی پوری انسانی تاریخ اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہے کہ انہیں افراد اور قوموں پر فوز و فلاح اور کامیابی کے دروازے کھلے ہیں جنہیں ربانی حقائق کا یقین تھا اور اس یقین کے مطابق اُن کے عمل بھی نیک ہوتے رہے۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ (التین، ۴ تا ۶)

بیشک ہم نے انسان کو بہترین حالت درستی میں پیدا کیا پھر اس کو سب سے نیچوں کے نیچے لوٹا دیا لیکن جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو اُن کے لئے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے،

اس آیت میں انسانی فطرت کی بہترین صلاحیت کو پھر خود انسانوں کے ہاتھوں سے اُس کی بدترین منزل تک پہنچ جانے کو بیان کیا گیا لیکن اس بدترین منزل کی پستی سے کون بچائے جاتے ہیں، وہ جن میں ایمان کی رفعت اور عملِ صالح کی بلندی ہے۔ یہود سے جن کو یہ دعویٰ تھا کہ بہشت انہیں کے ٹھیکہ میں ہے یہ فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ (البقرۃ، ۸۲)

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی جنت والے ہیں۔

یعنی جنت کا حصول نسل اور قومیت پر موقوف نہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح پر ہے، جو شخص جنت کی یہ قیمت ادا کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہے۔ فرمایا:

یعنی جنت کا حصول نسل اور قومیت پر موقوف نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے، جو شخص جنت کی

یہ قیمت ادا کرے گا وہ اُسی کی ملکیت ہے؛ فرمایا ،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَ
الصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (المآئدۃ ، ٦٩)

بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں
اور صابئین اور نصارٰی جو کوئی اللہ پر اور
پچھلے دن پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے
نہ تو اُن پر ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

اس آیت کا منشا یہی ہے کہ فلاح و نجات کا حصول کسی نسل و قومیت پر موقوف نہیں اور نہ کسی مذہب و ملت کی طرف سے رسمی نسبت پر ہے، بلکہ احکام الٰہی پر یقین لانے اور اُن کے مطابق عمل کرنے پر ہے، عدم ایمان اور بدکاری کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی تباہی اور ایمان اور نکوکاری کا نتیجہ دین و دُنیا کی بہتری، اللہ تعالیٰ کا وہ طبعی قانون ہے جس میں نہ کبھی بال برابر فرق ہوا اور نہ ہوگا، چنانچہ ذوالقرنین کی زبانی یہ فرمایا ؛

قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ
يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ○
وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً
الْحُسْنَىٰ ۖ (الکہف : ٨٧-٨٨)

اس نے کہا جو کوئی گناہ کا کام کرے گا تو ہم
اس کو (دُنیا میں) سزا دیں گے، پھر وہ اپنے
رب کی طرف لوٹا کر جائے گا تو اس کو بُری
طرح سزا دے گا اور جو کوئی ایمان لایا اور نیک
عمل کئے تو اس کے لئے بھلائی کا بدلہ ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ○
(الانبیآء، ٩٤)

تو جو کوئی نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو
تو اس کی کوشش اکارت نہ ہوگی اور ہم اس
کے نیک عمل کو لکھتے جاتے ہیں۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا
الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ ۖ فَسَوْفَ
يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَ

تو اُن کے بعد اُن کے ایسے جانشین ہوئے
جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور نفسانی خواہش
کی پیروی کی تو وہ گمراہی سے ملیں گے لیکن

عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ (مریم : ۵۹-۶۰)

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کئے تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کا ذرا سا حق بھی مارا نہ جائے گا :

اس سے اور اسی قسم کی دوسری آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت کا استحقاق در اصل انہیں کو ہے جو ایمان اور پھر ایمان کے مطابق عمل سے بھی آراستہ ہیں اور جو عمل سے محروم ہیں، وہ اس استحقاق سے بھی محروم ہیں، الایہ کہ اللہ تعالیٰ بخشش فرمائے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ (الشوریٰ : ۲۲-۲۳)

اور جو ایمان لائے اور نیک کام کئے وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے، ان کے لئے پروردگار کے پاس وُہ ہے جو وُہ چاہیں، یہی بڑی مہربانی ہے یہی وُہ ہے جس کی خوشخبری اللہ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

دوسری جگہ فرمایا :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ (الکہف : ۱۰۷)

بے شک جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کی مہمانی کے لئے باغ فردوس ہیں۔

پھر آگے چل کر فرمایا :

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (الکہف : ۱۱۰)

تو جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی اُمید ہو تو چاہئے کہ وُہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہ بنائے۔

ایمان کے ہوتے عمل سے محرومی تو محض فرض ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں عمل کی کمی ہے اُسی کے بقدر ایمان میں بھی کمزوری ہے کسی چیز پر پُورا پُورا یقین آجانے کے بعد اس کے برخلاف عمل کرنا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ آگ کو جلانے والی آگ یقین کر لینے کے بعد پھر کون اس میں اپنے ہاتھ کو ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے لیکن نادان بچہ جو ابھی آگ کو جلانے والی آگ نہیں جانتا وُہ بار ہا اس میں ہاتھ ڈالنے کو آمادہ ہو جاتا ہے اس لئے عمل کا قصور ہمارے یقین کی کمزوری کا راز فاش کرتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ تنہا ایمان، یا تنہا عمل کو نہیں، بلکہ ہر جگہ دونوں کو ملا کر نجات کا ذریعہ بتایا ہے۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (الحج: ۵۶)

تو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وُہ آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

اسی طرح قرآن پاک میں تھوڑے تھوڑے تغیر سے ۵۴ موقعوں پر یہ آیت ہے ؛

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ....

جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

(الرعد: ۲۹)

اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں ایمان اور عمل باہم ایسے لازم و ملزوم ہیں، جو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اور نجات اور فوز و فلاح کا مدار ان دونوں پر یکساں ہے، البتہ اس قدر فرق ہے کہ رُتبہ میں پہلے کو دوسرے پر تقدم حاصل ہے۔

جن مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے دُنیاوی حکومت و سلطنت کا وعدہ فرمایا ہے وُہ بھی وہی ہیں جن میں ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ہو۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ

تم میں سے اُن سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے خدا نے وعدہ کیا کہ ان کو زمین کا مالک بنائے گا۔

(النور: ۵۵)

آخرت کی مغفرت اور روزی کا وعدہ بھی انہیں سے تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الفتح: ۲۹)	اللہ نے اُن میں سے اُن سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے بخشش اور بڑی روزی کا وعدہ کیا۔

بعض آیتوں میں ایمان کے بجائے اسلام یعنی اطاعت مندی اور عمل صالح کی جگہ احسان یعنی نکوکاری کو جگہ دی گئی ہے، مثلاً ایک آیت میں یہود اور نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تردید میں کہ بہشت میں صرف وہی جائیں گے، فرمایا:

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (البقرة: ۱۲)	کیوں نہیں جس نے اپنے کو اللہ کے تابع کیا اور وُہ نیکوکار ہے تو اُس کی مزدوری اس کے پروردگار کے پاس ہے نہ ڈر ہے اُن کو اور نہ غم۔

ان تمام آیتوں سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ نجات کا مدار صرف ایمان پر نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عملِ صالح پر ہے اور یہی وُہ سب سے بڑی صداقت ہے جس سے اسلام سے پیشتر مذاہب میں افراط اور تفریط نمایاں تھی، عیسائیوں میں جیسا کہ پال کے خطوط[1] میں ہے صرف ایمان پر نجات کا مدار ہے اور بودھ دھرم میں صرف نیکوکاری سے نروان کا درجہ ملتا ہے اور کہیں صرف گیان اور دھیان کو نجات کا راستہ بتایا گیا ہے مگر پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے پیغام نے انسان کی نجات کا ذریعہ ذہنی (ایمان) اور جسمانی (عملِ صالح) دونوں اعمال کو ملا کر قرار دیا ہے یعنی پہلی چیز یہ ہے کہ ہم کو اصول کے صحیح ہونے کا یقین ہو۔ اس کو ایمان کہتے ہیں، پھر یہ کہ ان اُصولوں کے مطابق ہمارا عمل درست اور صحیح ہو۔ یہ عمل صالح ہے اور ہر قسم کی کامیابیوں کا مدار انہیں دو باتوں پر ہے۔ کوئی مریض صرف اصولِ طبی کو صحیح ماننے سے بیماریوں سے نجات نہیں پا سکتا۔ جب تک وُہ ان اصولوں کے مُطابق عمل بھی نہ کرے، اسی طرح صرف اصولِ ایمان کو تسلیم کر لینا انسانی فوز و فلاح کے لئے کافی نہیں، جب تک اُن اصولوں کے مطابق پورا پورا عمل بھی نہ کیا جائے۔

---

[1] رومیوں کے نام

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ
فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۙ وَ
الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ

وُہ ایمان والے مُراد کو پہنچے' جو نماز میں
عاجزی کرتے ہیں اور جو نکمی باتوں کی طرف
رُخ نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور
جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے
ہیں اور جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں یہی بہشت
کے وارث ہیں۔

(المؤمنون: ۱-۵، ۸-۱۰)

اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ہمارے مادی علل و اسباب کے تابع فرمایا ہے' یہاں کی کامیابی اور فوز و فلاح بھی صرف ذہنی عقیدہ اور ایمان سے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس عقیدہ کے مطابق عمل بھی نہ کیا جائے صرف اس یقین سے کہ روٹی ہماری بھوک کا قطعی علاج ہے ہماری بھوک رفع نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے ہم کو جدوجہد کر کے روٹی حاصل کرنا اور اُس کو چبا کر اپنے پیٹ میں نگلنا بھی پڑے گا' اس عقیدہ سے کہ ہم کو ہماری ٹانگیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں ہم ایک جگہ سے دُوسری جگہ پہنچ نہیں سکتے' جب تک اس یقین کے ساتھ ہم اپنی ٹانگوں کو بھی خاص طور سے حرکت نہ دیں' یہی صُورت ہمارے دوسرے دُنیاوی اعمال کی ہے اسی طرح اس دُنیا میں عمل کے بغیر تنہا ایمان کامیابی کے حصُول کے لئے بیکار ہے' البتہ اس قدر صحیح ہے کہ جو ان اصولوں کو صرف صحیح باور کرتا ہے۔ وُہ اس سے بہر حال بہتر ہے جو اُن کو سرے سے نہیں مانتا کیونکہ اوّل الذکر کے کبھی نہ کبھی راہِ راست پر آ جانے اور نیک عمل بن جانے کی اُمید ہو سکتی ہے اور دوسرے کے لئے تو اوّل پہلی ہی منزل باقی ہے' اس لئے آخرت میں بھی وُہ منکر کے مقابلہ میں شاید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا زیادہ مستحق قرار پائے کہ کم از کم وُہ اس کے فرمان کو صحیح باور تو کرتا تھا۔

ارتکاب گناہ کے اسباب (۲)

زیرِ طبع کتاب کے باب اوّل کی فصلِ ثانی

مؤلف : ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور

۵۔ بُری محفل :

انسان کی فطری مجبوری ہے کہ وہ جس طرح کی محفل میں اُٹھتا بیٹھتا ہے ویسے ہی اثرات قبول کرتا ہے۔ اسی لیے اہل اللہ اور اہلِ تقویٰ کی محفلوں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ۔[۱]

"تم صرف مومن کی صحبت اپناؤ۔ اور نیک لوگ ہی تمہارے دستر خوان پر کھانا کھائیں"

اس کے برعکس کافر، منافق، فاسق اور فاجر لوگوں کی محفل سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں انسان کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال اور گندی باتوں سے نفرت کرتا ہے لیکن غلط محفلوں میں بیٹھتے بیٹھتے آہستہ آہستہ اس کا مزاج اِن باتوں کا عادی ہو جاتا ہے، چنانچہ پہلے تو نفرت ختم ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ اِن سے اُنس ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر وہ خود بھی ایسی باتوں میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور انجام کار اس کی اپنی زبان سے بھی بے ہودہ باتیں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔

---

[۱] سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب باب من یومران یجالس۔ سنن الترمذی۔ کتاب الزہد باب ماجاء فی صحبۃ المؤمن امام ترمذی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ محدث العصر الشیخ الالبانی کے نزدیک بھی حدیث کا یہی حکم ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرک للحاکم۔ کتاب الاطعمۃ۔ باب لا یاکل طعامک الا تقی۔ ۴/۱۲۸۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ایسی غلط محفلوں سے اجتناب کرنا امرِ ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ[1]

"جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جارہا ہے اور اُن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو"۔

بُری محفل اور غلط دوستوں میں گھر کر انسان کئی ایک غلط کام شروع کر دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی محفل اور بُری محفل اور اُن کے اثرات و نتائج کو ایک خوبصورت تشبیہ اور مثال کے انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السُّوءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ۔ فَحَامِلُ الْمِسْكِ: إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً۔ وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً[2]

"نیک ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال ایسے ہی ہے جیسے خوشبو والا اور لوہار کی بھٹی پھونکنے والا۔ کہ خوشبو والا ساتھی یا خود تم کو خوشبو کا عطیہ دے گا یا تم اس سے خوشبو خریدو گے یا کم از کم اس کی خوشبو کا خوشگوار جھونکا ہی تم کو آلگے گا۔ اس کے برعکس لوہار کی بھٹی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا کم از کم تمہاری ناک تک اس کی بدبو ہی پہنچے گی"۔

---

[1] سورت النساء، آیت ۱۴۰۔

[2] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب فی العطاءِ وَبیع المِسْکِ۔

صحیح مسلم، کتاب البر، باب استحباب مجالسة الصالحین۔

سنن ابی داؤد، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

ابوداؤد اور دیگر روایات میں دھوئیں کا بھی ذکر ہے۔

اس بلیغ مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نیک محفل ہر شکل میں فائدہ مند ہے ــــ اور بُری محفل ہر اعتبار سے نقصان دہ اور خطرناک ہے۔

۶۔ غلبۂ شیطان:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر آج تک اور قیامِ قیامت تک اولادِ آدم کا شیطان سے مقابلہ ہے اور رہے گا۔ شیطان کا وجود اور اس کے نوع بہ نوع وسوسے، اور گمراہی کے حربے انسان کے لیے چیلنج اور امتحان ہیں۔ قرآن کریم نے بیسیوں مرتبہ انسان کو ہدایت کی ہے کہ شیطان کے شر سے بچے کیونکہ وہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۔ اِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهٗ لِيَكُونُوا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ ۝[1]

"درحقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے، اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے پیرؤں کو اپنی راہ پر اس لیے بُلا رہا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں۔"

انسان کے پاس زندگی گزارنے کے دو ہی راستے ہیں: (۱) ربِ رحمان کا مقرر کردہ راستہ جو کتاب اللہ اور سنّت رسُول اللہ کی روشنی میں سورج کی طرح روشن اور واضح ہے (۲) اس کے ماسوا۔ اور جو کچھ اس کے ماسوا ہے وہ شیطان کا راستہ ہے، خواہ اسے کتنے ہی خوبصورت نام اور لیبل سے پیش کیا جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ وَاَنْ تَقُوْلُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝[2]

---

[1] سورت الفاطر، آیت ۶۔

[2] سورت البقرۃ، آیت ۱۶۸۔۱۶۹۔

"اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے، اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں۔"

کوئی انسان شیطان کے وسوسے اور حملے سے نہیں بچ سکتا کیونکہ وہ انسان کے اندر خون کی مانند دوڑتا رہتا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ[1]

"شیطان انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔"

چنانچہ شیطان انسان کے ہر معاملے میں اپنی طرف سے بھرپور مداخلت کی کوشش کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَحْضُرُ اَحَدَکُمْ عِنْدَ کُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَأْنِهٖ۔[2]

"شیطان تمہارے پاس ہر موقع پر آتا ہے۔"

شیطان کے آنے اور بُرائی کا حکم دینے کی یہ شکل نہیں ہوتی کہ وہ واضح الفاظ کے ساتھ انسان کو حکم دیتا ہو کہ فلاں کام کرو اور فلاں چھوڑ دو بلکہ وہ صرف دل میں ایک وسوسہ اور خیال سا پیدا کرتا ہے اور یہی وسوسہ اور خیال انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور پھر وہ ایسا کمزور دشمن نہیں کہ بس ایک دفعہ حملہ کر کے واپس ہو جاتا ہو، بلکہ حملے پہ حملہ کرتا رہتا ہے۔ اور ہر محاذ سے حملہ آور ہوتا ہے۔ شیطان کے ایسے ہی پے در پے حملوں سے دفاع کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورت النّاس نازل فرمائی۔ فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ہل یخرج المعتکف لحوائجہ۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب بیان انہ یستحب لمن رئی خالیًا بامرأۃ ان یقول "ہذہ فلانۃ"۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب استحباب لعق الاصابع۔

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ جِنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔"

شیطان کے وسوسہ انداز ہونے کے مختلف طریقے ہیں۔ کبھی وہ شرک کرواتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط نظریات و تصورات اُبھارتا ہے، کبھی آخرت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے۔ یہ بھی نہ بن پائے تو بڑے بڑے گناہوں کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ حملہ بھی ناکام ہو تو چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اکساتا ہے۔ یہاں بھی دال نہ گلے تو افضل کام چھوڑ کر کم درجے والے کاموں میں مشغول ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ وار بھی خالی جائے تو انسان کو ریاکاری، شہرت اور ناموری کی بیماری میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے، یا پھر "غلو فی الدین" کا سبق دے کر انسان کی آخرت خراب کر دیتا ہے۔ بہر حال اس کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ ہر طرف سے انسان پر حملہ آور ہو۔ خاص طور پر نیک اور دیندار طبقے پر وہ زیادہ محنت کرتا ہے، کیونکہ بے دین طبقہ تو پہلے ہی اس کا شریکِ سفر ہے۔[1]

۷۔ نفسِ امّارہ:

انسان کا اپنا نفسِ امارہ اسے غلط راہ پر ڈالنے کا سب سے بڑا اور خطرناک ذریعہ ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظلوم و جہول قرار دیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔[2]

"بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے۔"

---

[1] شیطان کے ان سارے حملوں اور طریق کار کا تذکرہ علامہ ابن القیم الجوزیہؒ نے "التفسیر القیم" ص ۶۱۲، ۶۱۳، ص ۵۹۶، اور مدارج السالکین ج ۱ ص ۲۲۲ میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

[2] سورت الاحزاب، آیت ۷۲۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر انسان کے پاس طاقت و اقتدار یا منصب و حیثیت ہوتی ہے تو دُوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ کہیں کسی کا مال کھا جاتا ہے تو کہیں کسی کی عزت سے کھیلتا ہے اور کہیں کسی کا حق دبا کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر طاقت میسّر نہ ہو تو حاسد بن جاتا ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے یا اُن کے مفادات میں روڑے اٹکانے کے لیے سازشیں کرتا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان انتہائی تنگ دِل اور کم ظرف بھی ثابت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ [1]

"اور نفوس کو تنگ دِلی کی طرف مائل کر دیا گیا ہے۔"

اس تنگ دِلی، بخل اور کنجوسی کی وجہ سے متعدّد گناہ اور جرم جنم لیتے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ دِلی کے نتائج اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے فرمایا:

اِتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَاءَ ھُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَھُمْ [2]

"اور تنگ دلی سے دُور رہو۔ کیونکہ اسی تنگ دِلی نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ اسی تنگ دِلی نے انہیں خون بہانے اور اللہ کی حرام کردہ حدود کو پامال کرنے پر آمادہ کیا۔"

نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ وہ بُرائی کی طرف جلد مائل ہوتا ہے، کیونکہ اکثر و بیشتر برائیوں کی جڑ مال و جاہ کی محبت یا آزاد شہوت رانی کی خواہش ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی تقریر قرآن حکیم نے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ، اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ [3]

---

[1] سورت النساء، آیت ۱۲۸۔

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، مسند احمد ج ۳، ص ۳۲۳۔ الادب المفرد للامام البخاری، حدیث ۴۸۳۔ اسی سے ملتی جلتی حدیث مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹۔ المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۱۵ میں موجود ہے۔

[3] سورت یوسف، آیت ۵۳۔

"نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے۔ الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو۔ بے شک میرا رب بڑا غفور رحیم ہے۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ[1]

"مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے۔"

دوسرا ترجمہ اہلِ علم نے یہ کیا ہے: "بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ برائیوں میں اور آگے بڑھتا چلا جائے" دونوں ترجموں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان برائی سے باز آنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ اس راہ میں ترقی کرنا چاہتا ہے۔

نفسِ امّارہ کے فتنے سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پناہ مانگتے تھے اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر خطبۂ جمعہ، خطبۂ نکاح اور خطبۂ عیدین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ دہراتے تھے:

وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنفُسِنَا[2]

"اور ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے ہی نفسوں کے شر سے۔"

چنانچہ مجھے اور ہر مسلمان کو اپنے نفسِ امّارہ کے فتنے اور شر سے ہمیشہ اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اس کا فتنہ اور وسوسا نتہائی قریبی اور انتہائی مؤثر ہے۔ لہٰذا نفس کے ہر تقاضے کو آنکھیں بند کر کے نہیں مان لینا چاہیے، بلکہ دیکھنا چاہیے کہ یہ کام شرعی نقطۂ نظر سے میرے لیے جائز بھی ہے یا کہ نہیں ہے! اگر کام جائز ہو تو پھر بھی ظاہری حالات اور حدُود و وسائل کو سامنے رکھ کر زیرِ غور معاملے کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لینا چاہیے تب جا کر نفس کے مطلوبہ تقاضے پر عملی قدم اُٹھانا چاہیے۔

---

[1] سورت القیامۃ، آیت ۵۔

[2] سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی خطبۃ النکاح۔ سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی خطبۃ النکاح؛ سنن النسائی، کتاب الجمعۃ، باب کیف الخطبۃ۔ حدیث صحیح ہے، لیکن تعددِ طرق اور شواہد کی وجہ سے۔

۸۔ مشکوک معاملات میں اُلجھ جانا:

جن احکام و ہدایات پر کسی مسلمان کی دُنیوی سعادت یا اُخروی فلاح کا دارومدار ہے اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے کسی قسم کا الجھاؤ یا شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی جن لوگوں کو خلوصِ نیّت سے دین پر عمل کرنا ہو اُن کے لیے یہی ہدایات بہت کافی ہیں۔ اور اسی میں فلاح و نجات کا سامان موجود ہے۔ البتہ جو لوگ خواہشِ نفس کو کسی نہ کسی طرح دین کے نام پر پُورا کرنا چاہتے ہیں وہ لوگ ایسے مشکوک مسائل میں اُلجھتے ہیں جن کی حِلّت یا حرمت کا حکم شریعت میں دوٹوک الفاظ میں نہ ملتا ہو۔ اگر بعض پہلو حِلّت کا تقاضا کرتے ہیں تو دوسرے بعض پہلو حرمت کا حکم لگاتے ہیں مثلاً گھوڑے اور خچر کا گوشت کھانا، کسی ایسے شخص کے گھر سے کھانا پینا جس کا ذریعہ معاش حرام یا مشکوک ہو، ایسے کپڑے استعمال کرنا جو اگرچہ ریشم تو نہ ہوں لیکن ریشم سے ملتے جُلتے ہوں۔ اور بعض ایسی تجارتی شکلیں جس کا حلال ہونا واضح نہ ہو۔ ایسے معاملات میں کنارہ کشی اور احتیاط ہی سلامتی کی راہ ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام اور بالخصوص مشتبہ معاملات سے پرہیز اور اجتناب کی نصیحت فرمائی ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ[1]

"حلال بہت واضح ہے اور حرام بھی بہت واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ اور مشکوک

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات۔

چیزیں ہیں، جن کی اکثر لوگوں کو خبر ہی نہیں۔ اب جو آدمی مشتبہ چیزوں سے بچتا رہا اس نے اپنے دین اور عزت کا تحفظ کر لیا اور جو انسان ان مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ انجام کار حرام میں پڑ جائے گا۔ (اس کی مثال ایسے ہی ہے) جیسے کوئی چرواہا کسی محفوظ سرکاری چراہ گاہ کے بالکل آس پاس اپنے جانور چرا رہا ہو تو اغلب ہے کہ اس کے جانور چراہ گاہ کے اندر جا پڑیں گے۔ یاد رکھو کہ ہر مالک یا بادشاہ کی اپنی محفوظ حدود ہوتی ہیں۔ اور اللہ کی حدود اس کے حرام کردہ کام ہیں!"

مشکوک اور مشتبہ چیزوں سے کنارہ کشی کرنے اور واضح احکام و مسائل کی پیروی کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَىٰ مَالَا يُرِيبُكَ[1]

"جو کام (دل کو) کھٹکیں انہیں چھوڑ دو، اور وہ کام کرو جو نہ کھٹکیں۔"

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مشتبہ اور مشکوک چیزوں کے قریب جانے کی بجائے واضح اور کھلی ہوئی حلال چیزوں پر اکتفا کرنا چاہیے، ورنہ شدید خطرہ ہے کہ انسان کسی وقت حرام کا ارتکاب کر بیٹھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی حلت میں ذرا سا بھی شک و شبہ گزرتا فوراً اس سے کنارہ کش ہو جاتے اور حلال محض پر قناعت کرتے، خواہ دُنیوی طور پر کتنا بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑتا۔ متعدد گناہوں سے بچنے کے لیے یہی محفوظ راستہ ہے۔ اِس لیے ایسے معاملات میں احتیاط اشد ضروری ہے۔

---

[1] مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۰، حدیث ۱۷۲۳، تخریج شاکر۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۶۱۔ المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، باب دع ما یریبک ... امام حاکم، امام ذہبی، امام ترمذی اور فضیلۃ الشیخ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دفتار کار

کراچی کا جلسہ عام

آرام باغ میں امیر تنظیم اسلامی کا خطاب عام

مرتب : محمد سمیع

الحمدللہ کہ ۱۵ مارچ ۱۹۹۱ء کو تنظیم اسلامی کراچی کا پہلا جلسہ عام منعقد ہو ہی گیا۔ گویا کہ ع . کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے! ورنہ غالب مرحوم سے معذرت کے ساتھ حقیقت حال کچھ یوں تھی کہ ع "مرحلہ" سخت تھا اور "تنظیم" عزیز!! تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ اس سے قبل دو بار جلسہ عام کا پروگرام بنا' تاریخ کا اعلان ہوا' انعقاد کے لئے کام ہوا' لیکن کراچی کے مخصوص حالات کی بنا پر ملتوی کرنا پڑا۔

۱۵ مارچ ۱۹۹۱ء کے جلسہ کے بارے میں امیر محترم نے بنفس نفیس ماہانہ دعوتی اجتماع کے دوران اعلان فرما دیا تھا۔ بعد ازاں اس اعلان کا اعادہ انہوں نے سالانہ اجتماع کے دوران بھی فرمایا۔ اس بات کا احتمال تھا کہ گزشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی کسی بنا پر جلسہ کا انعقاد نہ ہو سکے' لیکن امیر محترم نے یہ بات طے فرما دی کہ اگر کسی وجہ سے جلسہ عام نہ ہو سکا تو کم از کم ایک پرامن مظاہرہ تو ضرور ہو گا۔

اس جلسہ عام کی تیاری کے لئے ہمارے پاس وقت بہت ہی کم تھا۔ ہمیں پہلے تو سالانہ اجتماع میں شرکت کرنا تھی۔ سالانہ اجتماع کے سفر کراچی۔ لاہور۔ کراچی کو مقامی امیر جناب نسیم الدین صاحب نے چونکہ ایک تبلیغی و دعوتی سفر قرار دے دیا تھا' اس لئے ہماری ساری توجہ اس کی تیاری پر مبذول رہی۔ واپسی کے بعد کچھ عرصہ تو تھکن دور کرنے میں گزرا۔ پھر جب جلسہ عام کی طرف توجہ دی گئی تو اچھا خاصا وقت گزر چکا تھا۔

ایک بڑی دقت جو اس جلسہ عام کی تشہیر میں پیش آ رہی تھی' وہ امیر محترم کے دورۂ ترجمۂ قرآن اور ۱۶ مارچ کے استقبالِ رمضان المبارک کے اجتماع عام سے خطاب کی تھی۔ یہ دونوں پروگرام انجمن خدام القرآن کے تحت ہونے تھے۔ اس کے علاوہ شہر کی صورت حال بھی کافی خراب تھی۔ کراچی میں ایم کیو ایم اور جماعت اسلامی کے درمیان تصادم کی سی صورت حال

پیدا ہو چکی تھی' جس کے نتیجہ میں کئی افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ خلیج کی جنگ کے سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی نے ۱۵ر مارچ کو ایک یوم احتجاج کا اعلان کر دیا تھا' جس کے نتیجہ میں بڑے پیمانہ پر ہڑتال کی توقع تھی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ آرام باغ میں جہاں جلسہ عام طے کیا گیا تھا' بلدیہ کی طرف سے گوبر کی کھاد اور مٹی ڈال دی گئی تھی اور اندیشہ تھا کہ اس جگہ پر جب پانی دیا جائے گا تو پورے جلسہ گاہ میں تعفن پھیل جائے گا۔ الغرض حالات انتہائی مایوس کن تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ فی الحال جلسہ عام کو ملتوی کر دیا جائے لیکن اس موقع پر امیر تنظیم اسلامی کراچی کا موقف بڑا جرأت مندانہ تھا۔ انہوں نے امیر تنظیم اسلامی پاکستان کے مشورہ سے طے کیا کہ ان تمام حالات کے باوجود کراچی کا جلسہ عام ملتوی نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ جب یہ بات طے ہو گئی تو زور و شور سے جلسہ کی تیاری شروع ہو گئی۔

سب سے بڑا مسئلہ جلسہ کے انعقاد کی اجازت کا تھا۔ اس سلسلہ میں نسیم الدین صاحب نے سالانہ اجتماع کے لئے روانگی سے قبل ہی ڈپٹی کمشنر کو درخواست دے دی تھی۔ محترم راجہ محمد ارشاد اور ان کے رفیق کار جناب ظفر صاحب کی انتھک کوششوں سے صرف پانچ دن قبل ہمیں اس کی اجازت مل سکی۔

ہمارے پیش نظر سب سے اہم کام تشہیر کا تھا۔ اس میں دو چیزیں آڑے آ رہی تھیں' ایک وقت کی کمی اور دوسری فنڈز کی کمی۔ بہرحال اللہ کا نام لے کر کام کا آغاز کیا گیا۔ اس کام کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا (۱) ہینڈ بلز (۲) پوسٹرز (۳) بینرز (۴) اخبارات (۵) کیمپ (۶) گشتی مائیکروفون اور (۷) چاکنگ

(۱) ہینڈ بلز:

۵۴ ہزار کی تعداد میں چھپوائے گئے۔ اس کی تقسیم کا دن جمعہ ۸ر مارچ مقرر کیا گیا۔ کراچی کے کل رفقاء کو صبح ۱۰ بجے مسجد الخضراء میں بلایا گیا۔ درس قرآن پاک کے بعد مقامی امیر جناب نسیم الدین صاحب نے رفقاء سے مختصر خطاب کیا جس میں انہوں نے رفقاء کے سامنے جلسہ عام کی تشہیر کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ بعد ازاں دو دو اور تین تین کے گروپس بنائے گئے جو شہر کی مختلف مساجد میں پھیل گئے۔ اور بعد نماز جمعہ تقریباً ۴۸ مساجد میں ۳۲ ہزار ہینڈ بلز تقسیم کئے۔ اسی شام رفقاء نے اپنے اپنے محلہ کی مساجد میں نماز مغرب اور عشاء کے بعد ہینڈ بلز کی تقسیم کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اس کے علاوہ تقریباً آٹھ سو افراد کو یہ ہینڈ بلز خصوصی طور پر بذریعہ ڈاک بھجوائے گئے۔

(۲) پوسٹرز:

صرف ۲ ہزار پوسٹر چھپوائے گئے۔ پوسٹرز چپکانے کے لئے ۱۱ر مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی اس کے لئے رفقاء کی شرکت لازمی قرار دی گئی۔ رفقاء بعد نماز مغرب تنظیم کے دفتر میں ہوگئے اور دو دو کی ٹولیوں میں نماز عشاء کے بعد پہلے سے مقرر کردہ علاقوں میں پھیل گئے رات کے دو بجے تک یہ کام جاری رہا۔ اس سلسلہ میں رفقاء کا جوش و جذبہ قابل دید تھا۔ پوسٹرز چپکانے کے کام میں ابھی ان کی مزید تربیت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دیکھنے میں یہ آ کئی مقامات پر پوسٹروں کی بھرمار کر دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ امیر تنظیم اسلامی کراچی جـ نسیم الدین صاحب کی واضح ہدایات کے باوجود بعض ایسی جگہوں پر بھی پوسٹر چپکائے گئے جہاں نہیں چپکائے جانے چاہئیں تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان کوتاہیوں درگزر فرمائے۔ آمین۔

(۳) بینرز:

تقریباً ۳۵ بینرز تیار کرائے گئے۔ ان کو لگانے کے لئے ۱۲ر مارچ کی تاریخ مقرر کی بینرز کے سلسلہ میں ہمارا سابقہ تجربہ بڑا مایوس کن رہا ہے۔ ہمارے ۹۰ فیصد بینرز دوسر غائب ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جناب نسیم الدین صاحب نے نیا تجربہ کیا۔ یعنی ایک تو بینر کی چوڑائی کم کر دی اور دوسرے یہ کہ بینر کے درمیان بہت سارے گول گول سورا دیئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بعض جگہوں پر جلسہ عام کے بینر اب بھی لگے ہوئے ہیں۔ لگانے کا کام انتہائی مشکل' کٹھن اور خطرناک کام ہے۔ ہمارے رفقاء نے جس جانفشانی کام سرانجام دیا' اسے اللہ تعالیٰ ان کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین!

(۴) اسیارات:

عام طور پر اخبارات ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم عام کے سلسلہ میں دو پریس ریلیز وقفہ وقفہ سے جاری کئے۔ اشاعت پر خصوصی توجہ دی الحمدللہ کہ یہ خبریں شائع ہوئیں۔ فنڈز میں کمی کی وجہ سے امیر تنظیم کراچی نے فیصلہ صرف اخبار جنگ میں جمعرات کو اشتہار دیا جائے لیکن مشورہ ہوا کہ جمعہ کو بھی ایک اشتہار دے دیا جائے' اگر دوسرے اخبارات مثلاً نوائے وقت' جسارت اور ڈان میں بھی شائع ہوتے تو بہتر تھا' لیکن ہم خواہش کے باوجود اس پر عمل نہ کر سکے۔

۵) کیمپ:

طے کیا گیا تھا کہ ۱۳ مارچ کو ایمپرس مارکیٹ کے سامنے تعارفی و دعوتی کیمپ لگایا جائے
ر چونکہ شہر بھر کی ساری بسیں اور ویگنیں یہیں سے گزرتی ہیں' اس لئے بسوں کے مختلف
ڈں پر رفقاء بینرز لے کر کھڑے ہوں اور ہر بس میں ہینڈ بلز تقسیم کریں۔ چنانچہ شامیانہ اور
نہ رات کو ہی لگا دیا گیا۔ رفقاء رات بھر وہیں رہے اور صبح ہی سے اپنی سرگرمیاں شروع کر
ں۔ صبح دس بجے پولیس والوں نے آ کر حکم دیا کہ چونکہ کیمپ کی اجازت نہیں لی گئی ہے لہٰذا
سے اٹھا دیا جائے۔ امیر تنظیم کراچی جناب نسیم الدین صاحب کا حکم تھا کہ ہمیں کسی مقام پر
ی مزاحمت نہیں کرنی ہے۔ لہٰذا رفقاء نے اپنے جوش اور غصہ کو قابو میں رکھا اور شامیانے
ماڑ لئے۔ حقیقت یہ ہے کہ رفقاء کا غصہ اور جوش بجا تھا کیونکہ اسی مقام پر سینکڑوں کی تعداد
ی ناجائز تجاوزات کی صورت میں اسٹال روزانہ لگتے ہیں' مگر چونکہ ان سے "بھتوں" کی
ورت میں پولیس والوں کو اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے لہٰذا ان سے تو کچھ نہیں کہا جاتا جبکہ
رے کیمپ کو پولیس والے نیکی سے تعاون کے جذبہ سے بھی برداشت نہیں کر سکے۔ بہرحال
لی چونکہ ہماری ہی تھی لہٰذا "قہرِ درویش بر جانِ درویش" کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔ گو کہ اس
گرام میں شرکت لازمی قرار نہیں دی گئی تھی۔ تاہم رفقاء نے "فاستبقوا الخیرات" کے قرآنی
م کے مطابق اس پروگرام میں بھی بھرپور شرکت کی۔ کیمپ کے اٹھا دیئے جانے کے باوجود
فقاء رات کے آٹھ بجے تک بسوں اور گاڑیوں میں ہینڈ بلز تقسیم کرتے رہے اور مختلف اڈوں
بینرز لے کر کھڑے رہے۔

۶) گشتی مائیکروفون اور چاکنگ:

گشتی مائیکروفون کے ذریعہ اعلانات کی اجازت نہیں مل سکی' اس لئے ہم یہ کام نہ کر
ے۔ "چاکنگ" کے متعلق جناب نسیم الدین صاحب کا خیال ہے کہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت
ہے' جس کی بنا پر تنظیم کا اچھا اثر لوگوں پر نہیں ہو گا' اس لئے ہم نے اس طرف بھی توجہ نہیں
ی۔

☆☆☆

آخر وہ مرحلہ بھی آن پہنچا جبکہ جلسہ عام منعقد ہونا تھا۔ دوپہر سے قبل تقریباً نوے رفقاء
ہور سے کراچی پہنچ چکے تھے۔ ان کی تواضع رفیق محترم تقی صاحب کی قیام گاہ پر "برنچ" سے
ی گئی۔ بعد ازاں ان رفقاء نے نماز جمعہ مسجد خضراء میں ادا کی۔ نماز سے پیشتر اور بعد میں

رفقاء نے توبہ کی منادی کے سلسلہ میں خاموش مظاہرہ کیا۔ رفقاء خاموشی سے ان بینرز اور "ٹی بورڈز" کو لے کر کھڑے رہے جن پر مختلف عبارات تحریر تھیں۔ اس کے بعد مظاہرے میں شریک رفقاء ایک منظم طریقہ سے مارچ کرتے ہوئے جلسہ گاہ پہنچے۔ لاہور کے رفقاء نے جس ہمت اور استقلال کا مظاہرہ کیا' وہ قابل دید تھا۔ امیر محترم کے حکم پر صرف ایک دن کے لئے کراچی تک کا سفر تنظیم سے گہری وابستگی اور اقامت دین کے لئے ان کی دلی تڑپ کا مظہر تھا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا دونوں میں عطا فرمائے۔ آمین!

جلسہ گاہ کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ کھاد کی وجہ سے تعفن ہوگا' لیکن الحمدللہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ پورے جلسہ گاہ پر شامیانہ لگایا گیا تھا جس میں سلیقہ سے تین قطاروں میں کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ پورے جلسہ گاہ میں قرآنی آیات اور ان کے تراجم پر مشتمل رنگا رنگ کے بینرز آویزاں کئے گئے تھے۔ بعض بینرز میں عبارت کی غلطیاں منفی تاثر بھی دے رہی تھیں۔ اسٹیج کے پیچھے 8 x 12 فٹ کا تنظیم کے نشان کا بینر لگا ہوا تھا۔ اجتماع گاہ کے ایک طرف مکتبہ بھرپور طریقہ سے لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف ابتدائی طبی امداد اور رابطہ تنظیم اسلامی کا دفتر تھا۔ اس قسم کا دفتر کراچی میں پہلی مرتبہ لگایا گیا تھا۔ جناب نسیم الدین صاحب کی ہدایت پر رابطہ آفس اور مکتبہ جلسہ کے اختتام کے دو گھنٹہ بعد تک کھلا رہا جس سے بعد میں سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔

ٹھیک ۲ بجکر ۴۵ منٹ پر اسٹیج سیکرٹری جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ صاحب نے جلسہ کے آغاز کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے امیر تنظیم اسلامی کراچی جناب نسیم الدین صاحب کو اسٹیج پر بلایا' پھر جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان سے اسٹیج پر آنے کی گزارش کی۔ آخر میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کو تشریف لانے کی دعوت دی۔ کارروائی کا باقاعدہ آغاز رفیق محترم علی رضا صاحب کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی کراچی کے امیر جناب سید محمد نسیم الدین صاحب نے خطاب فرمایا جس میں انہوں نے تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف اور جلسہ عام کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے مشن کے متعلق بتایا۔ بعد ازاں ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے خطاب فرمایا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ جاری رہا۔ اس خطاب میں امیر محترم نے فرمایا کہ 'امتِ مرحومہ' اس وقت 'امتِ معذّبہ' بنی ہوئی ہے' کیونکہ اس نے اپنے نصب العین یعنی امربالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کو ترک کر دیا ہے۔ امیر محترم نے پندرہویں صدی ہجری کے پہلے

(۵) کیمپ:

طے کیا گیا تھا کہ ۱۳ مارچ کو ایمپرس مارکیٹ کے سامنے تعارفی و دعوتی کیمپ لگایا جائے اور چونکہ شہر بھر کی ساری بسیں اور ویگنیں یہیں سے گزرتی ہیں' اس لئے بسوں کے مختلف اڈوں پر رفقاء بینرز لے کر کھڑے ہوں اور ہر بس میں ہینڈ بلز تقسیم کریں۔ چنانچہ شامیانہ اور مکتبہ رات کو ہی لگا دیا گیا۔ رفقاء رات بھر وہیں رہے اور صبح ہی سے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ صبح دس بجے پولیس والوں نے آ کر حکم دیا کہ چونکہ کیمپ کی اجازت نہیں لی گئی ہے لہٰذا سے اٹھا دیا جائے۔ امیر تنظیم کراچی جناب نسیم الدین صاحب کا حکم تھا کہ ہمیں کسی مقام پر بھی مزاحمت نہیں کرنی ہے۔ لہٰذا رفقاء نے اپنے جوش اور غصہ کو قابو میں رکھا اور شامیانے کھاڑ لئے۔ حقیقت یہ ہے کہ رفقاء کا غصہ اور جوش بجا تھا کیونکہ اسی مقام پر سینکڑوں کی تعداد یں ناجائز تجاوزات کی صورت میں اسٹال روزانہ لگتے ہیں' مگر چونکہ ان سے "بھتوں" کی صورت میں پولیس والوں کو اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے لہٰذا ان سے تو کچھ نہیں کہا جاتا جبکہ مارے کیمپ کو پولیس والے نیکی سے تعاون کے جذبہ سے بھی برداشت نہیں کر سکے۔ بہرحال غلطی چونکہ ہماری ہی تھی لہٰذا "قہرِ درویش بر جانِ درویش" کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔ گو کہ اس پروگرام میں شرکت لازمی قرار نہیں دی گئی تھی۔ تاہم رفقاء نے "فاستبقوا الخیرات" کے قرآنی حکم کے مطابق اس پروگرام میں بھی بھرپور شرکت کی۔ کیمپ کے اٹھا دیئے جانے کے باوجود رفقاء رات کے آٹھ بجے تک بسوں اور گاڑیوں میں ہینڈ بلز تقسیم کرتے رہے اور مختلف اڈوں پر بینرز لے کر کھڑے رہے۔

۶) گشتی مائیکروفون اور چاکنگ:

گشتی مائیکروفون کے ذریعہ اعلانات کی اجازت نہیں مل سکی' اس لئے ہم یہ کام نہ کر سکے۔ "چاکنگ" کے متعلق جناب نسیم الدین صاحب کا خیال ہے کہ یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہے' جس کی بنا پر تنظیم کا اچھا اثر لوگوں پر نہیں ہوگا' اس لئے ہم نے اس طرف بھی توجہ نہیں دی۔

☆☆☆

آخر وہ مرحلہ بھی آن پہنچا جبکہ جلسہ عام منعقد ہونا تھا۔ دوپہر سے قبل تقریباً نوے رفقاء لاہور سے کراچی پہنچ چکے تھے۔ ان کی تواضع رفیق محترم تقی صاحب کی قیام گاہ پر "برنچ" سے کی گئی۔ بعد ازاں ان رفقاء نے نماز جمعہ مسجد خضراء میں ادا کی۔ نماز سے پیشتر اور بعد میں

رفقاء نے توبہ کی منادی کے سلسلہ میں خاموش مظاہرہ کیا۔ رفقاء خاموشی سے ان بینرز اور "ٹی بورڈز" کو لے کر کھڑے رہے جن پر مختلف عبارات تحریر تھیں۔ اس کے بعد مظاہرے میں شریک رفقاء ایک منظم طریقہ سے مارچ کرتے ہوئے جلسہ گاہ پہنچے۔ لاہور کے رفقاء نے جس ہمت اور استقلال کا مظاہرہ کیا' وہ قابل دید تھا۔ امیر محترم کے حکم پر صرف ایک دن کے لئے کراچی تک کا سفر تنظیم سے گہری وابستگی اور اقامت دین کے لئے ان کی دلی تڑپ کا مظہر تھا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا دونوں میں عطا فرمائے۔ آمین!

جلسہ گاہ کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ کھاد کی وجہ سے تعفن ہو گا' لیکن الحمدللہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ پورے جلسہ گاہ پر شامیانہ لگایا گیا تھا جس میں سلیقہ سے تین قطاروں میں کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ پورے جلسہ گاہ میں قرآنی آیات اور ان کے تراجم پر مشتمل رنگا رنگ کے بینرز آویزاں کئے گئے تھے۔ بعض بینرز میں عبارت کی غلطیاں منفی تاثر بھی دے رہی تھیں۔ اسٹیج کے پیچھے 8 x 12 فٹ کا تنظیم کے نشان کا بینر لگا ہوا تھا۔ اجتماع گاہ کے ایک طرف مکتبہ بھرپور طریقہ سے لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف ابتدائی طبی امداد اور رابطہ تنظیم اسلامی کا دفتر تھا۔ اس قسم کا دفتر کراچی میں پہلی مرتبہ لگایا گیا تھا۔ جناب نسیم الدین صاحب کی ہدایت پر رابطہ آفس اور مکتبہ جلسہ کے اختتام کے دو گھنٹہ بعد تک کھلا رہا جس سے بعد میں سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔

ٹھیک ۲ بجکر ۴۵ منٹ پر اسٹیج سیکرٹری جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ صاحب نے جلسہ کے آغاز کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے امیر تنظیم اسلامی کراچی جناب نسیم الدین صاحب کو اسٹیج پر بلایا' پھر جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان سے اسٹیج پر آنے کی گزارش کی۔ آخر میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کو تشریف لانے کی دعوت دی۔ کارروائی کا باقاعدہ آغاز رفیق محترم علی رضا صاحب کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی کراچی کے امیر جناب سید محمد نسیم الدین صاحب نے خطاب فرمایا جس میں انہوں نے تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف اور جلسہ عام کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے مشن کے متعلق بتایا۔ بعد ازاں ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے خطاب فرمایا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ جاری رہا۔ اس خطاب میں امیر محترم نے فرمایا کہ 'امتِ مرحومہ' اس وقت 'امتِ معذّبہ' بنی ہوئی ہے' کیونکہ اس نے اپنے نصب العین یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کو ترک کر دیا ہے۔ امیر محترم نے پندرہویں صدی ہجری کے پہلے

عشرے کے دوران امت میں برپا ہونے والی ہلاکتوں کا جائزہ لیا کہ کس طرح افغانستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور تقریباً پندرہ لاکھ افراد ہلاکت کا شکار ہوئے' جبکہ روسی زیادہ سے زیادہ بیں' تیس ہزار ہلاک ہوئے ہوں گے۔ ایران' عراق کی جنگ میں تقریباً دس لاکھ مسلمان ہلاک ہوئے اور موجودہ خلیج کی جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ ایک ہی دن میں بغداد پر اتنا گولہ بارود برسایا گیا جس ناگاساکی اور ہیروشیما پر برسائے جانے والے بارود کی مجموعی مقدار سے زیادہ تھا۔ ان تباہیوں اور بربادیوں سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ عوام الناس کی ایک معتد بہ تعداد خلوصِ دل کے ساتھ توبہ کرے اور عزم مصمم کرے کہ آئندہ ان کا جینا اور مرنا صرف اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے وقف ہوگا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بننے کے بجائے ازسرنو جائزہ لیں کہ جن توقعات پر امریکہ سے دوستی کی گئی تھی' ان میں سے کتنی پوری ہوئیں۔ امریکہ نے چونکہ انتہائی ناقابلِ اعتماد ہونے کا ثبوت دیا ہے لہٰذا اب خارجہ پالیسی کے رخ کو تبدیل کیا جائے۔ پڑوسی ممالک روس اور ہندوستان سے برابری کی بنیاد پر اپنی خود مختاری کا سودا کئے بغیر تعلقات پیدا کئے جائیں۔ جب نظریاتی اختلافات کے باوجود چین نے بہترین دوست ہونے کا ثبوت دیا ہے' تو کوئی وجہ نہیں کہ روس جہاں اب سوشلزم اپنی موت آپ مر چکا ہے' ہمارا ایک اچھا دوست ثابت نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی مکمل طور پر غیرجانبداری کی بنیاد پر ہو۔

نمازِ عصر سے قبل تنظیم اسلامی کراچی کے اس پہلے جلسہ عام کا اختتام ہوا۔ تقریباً ایک ہزار افراد نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ امیر محترم کا خطاب سنا۔ جلسہ کے اختتام سے قبل جناب نسیم الدین صاحب نے شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور دعوت دی کہ تنظیم اسلامی کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے جلسہ گاہ میں قائم رابطہ آفس میں تشریف لائیں۔

بعد ازاں امیر محترم نے رفقاء سے گفتگو کرتے ہوئے اس جلسہ عام کو عمومی طور پر ایک کامیاب کوشش قرار دیا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی۔ امیر محترم نے رفقاء کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے دن رات محنت کر کے اس جلسہ عام کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری ان کوششوں کو اقامت دین کی جدوجہد کے سلسلہ میں قبول فرمائے اور ہمارے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین!

”رہ نوردِ شوق“

رفقاءِ لاہور کا ایک یادگار دعوتی سفر

مرتب : میاں اعجاز احمد، ناظم تنظیم اسلامی لاہور شرقی

کہتے ہیں کہ سفر وسیلۂ ظفر ہے اور اگر ظفرمندی آخرت کی مطلوب ہو تو سفر کی شان کیا ہوگی' آئندہ سطور میں ایسے ہی ایک سفر کی روداد قلمبند کی جا رہی ہے:

پس منظر

گزشتہ سالانہ اجتماع تنظیم اسلامی پاکستان ۲۲ تا ۲۵ر فروری ۹۱ء منعقدہ قرآن اکیڈمی لاہور کے آخری سیشن میں امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رفقاء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ اب تنظیم کا نظام العمل نمبر۲ بھی پیش ہو چکا ہے' جو رفقاء کو دعوت و توسیع کے ضمن میں ایک واضح لائحہ عمل دیتا ہے لہٰذا اُس کا پہلا مظہر رفقاء میں ایک تحریک کی صورت میں ظاہر ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے امیر محترم نے رفقاء کے سامنے ایک ہدف رکھا کہ ۱۵ر مارچ کو کراچی میں ایک جلسۂ عام اور مظاہرہ کا انعقاد طے ہوا ہے لہٰذا لاہور کے رفقاء اس میں شرکت کے لئے ایک پروگرام طے کریں اور نئے تنظیمی سال کی ابتدا ایک ایسے پروگرام سے کریں جو سارا سال رفقاء کو متحرک رکھنے میں ایک مثال کے طور پر پیش نظر رہے لہٰذا اس کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔ ایک بوگی جو اٹھاسی ۸۸ افراد کے سفر کے لئے مخصوص تھی' بک کرائی گئی۔ رفقاء کو یاددہانی کے لئے یکم مارچ کو اجتماع جمعہ کے بعد مسجد دارالسلام میں ہی رفقاء کا ایک اجتماع دوبارہ کیا گیا جس میں امیر محترم بھی شریک تھے۔ امیر محترم کی ترغیب و تشویق سے پُر گفتگو کے بعد آناً فاناً مطلوبہ ساتھیوں کی تعداد پوری ہوگئی۔

روانگی

روانگی ۱۴ر مارچ بروز جمعرات صبح ۹.۳۰ بذریعہ خیبر میل طے تھی۔ اس روز رفقاء کا سب

سے پہلا قافلہ صبح پونے آٹھ بجے لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچ چکا تھا۔ یہ قرآن اکیڈمی' قرآن
اور اس کے قرب و جوار کے رفقاء تھے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے رفقاء پلیٹ فارم نمبر
جمع ہوتے چلے گئے۔ بوگی پلیٹ فارم نمبر ۱ پر پہلے سے موجود تھی لہٰذا کچھ رفقاء کو وہاں بھیج
گیا۔ بہرحال پشاور سے ٹرین آئی' بوگی ساتھ لگی' سامان لوڈ کیا گیا۔ ڈبے کو باہر سے تنظیم
تعارفی پوسٹروں اور اسٹکرز سے سجایا گیا اور بالآخر پچیس منٹ کی تاخیر سے 9.55 پر گاڑی عا
سفر ہوئی۔ اور اس طرح ۹۶ رفقاء پر مشتمل یہ قافلہ **سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا
مقرنین** کا ورد کرتا ہوا کراچی کے لئے روانہ ہوا۔

امیر سفر

تنظیم اسلامی لاہور کے امیر چونکہ بذریعہ ہوائی جہاز کراچی جا رہے تھے لہٰذا ناظم لاہو
جناب غازی محمد وقاص صاحب کو امیر سفر مقرر کیا گیا۔ آپ نام کے ہی غازی نہیں بلکہ کام ۔
بھی غازی ہیں لیکن لگتا ہے کہ ہم انہیں شہید بنا کے ہی چھوڑیں گے۔ گاڑی کے روانہ ہو۔
ہی ناظم دعوت و تبلیغ جناب فیاض حکیم صاحب نے چند رفقاء کی مدد سے فی الفور بوگی کے اند
ساؤنڈ سسٹم نصب کر دیا۔

پہلا اعلان

امیر سفر نے اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے پہلے سفر کا مقصد بیان کیا' ضروری ہدایات جار
کیں اور ناظمین کے تقرر کا اعلان کیا۔ یہ بوگی بائیس' بائیس نشستوں کے چار حصوں پر مشتمل
تھی لہٰذا ہر سیکشن کے ناظم کا تقرر کیا گیا۔ سیکشن نمبر ۱ کے ناظم جناب حافظ خالد محمود خضر صاحب
مقرر ہوئے۔ آپ اسرہ قرآن اکیڈمی لاہور کے نقیب ہیں اور انجمن خدام القرآن لاہور کے
شعبہ نشر و اشاعت میں کام کرتے ہیں۔ قرآن اکیڈمی کے اولین فیلوز میں سے ایک ہیں۔ سیکشن
نمبر ۲ کا ناظم جناب سہیل عزیز شامی صاحب کو مقرر کیا گیا۔ آپ اسرہ ملتان روڈ لاہور کے نقیب
ہیں اور قالینوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ سیکشن نمبر ۳ کا ناظم میاں اعجاز احمد (راقم) کو مقرر کیا گیا۔
راقم تنظیم کے ہمہ وقتی کارکن کی حیثیت سے اس وقت تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے ناظم ک
ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ سیکشن نمبر ۴ کے ناظم جناب عبدالرؤف صاحب مقرر ہوئے۔ آپ تنظیم
اسلامی لاہور شرقی کے زونل نقیب اعلیٰ ہیں اور انجمن خدام القرآن لاہور کے شعبہ خط و کتابت

کے نگران ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اہم امور کے لئے ناظمین کے تقرر کا بھی اعلان کیا گیا جن کا ذکر حسبِ موقع آگے مذکور ہوتا رہے گا۔

پہلی میٹنگ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تنظیم اسلامی پاکستان اس وقت اپنے دعوت و تبلیغ اور تربیت کے مرحلہ سے گزر رہی ہے لہٰذا کوئی بھی موقع ہو' اس پہلو کو رفقاء ہرگز نظرانداز نہیں کرتے اور سفر میں تو اس کے لئے ایک بہترین موقع تھا کہ دین کا پیغام لوگوں تک پہنچایا جائے لہٰذا سب سے زیادہ توجہ دورانِ سفر و قیامِ کراچی جس بات پر رہی وہ یہی تھا۔ ناظمِ دعوت و تبلیغ جناب فیاض حکیم صاحب نے فوری طور پر ایک میٹنگ طلب کی جس میں امیر سفر اور چاروں ناظمین کے علاوہ ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب' مرکزی ناظم بیت المال جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب' مرکزی ناظم تربیت و امیر تنظیم لاہور شرقی جناب میاں محمد نعیم صاحب نے شرکت کی۔ مکمل منصوبہ بندی کی گئی۔ رفقاء کی ذمہ داریاں لگا دی گئیں جس کی تفصیل آگے موقع بہ موقع آتی رہے گی۔

مبلّغین

سب سے پہلی حرکت جو دعوت و تبلیغ کے ضمن میں ہوئی' وہ مبلغین کی مختلف ڈبوں کی طرف روانگی تھی۔ اس کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی تھی کہ تین تین افراد پر مشتمل گروپس تشکیل دیئے گئے جن میں سے ایک امیر اور دو مامورین ہوتے تھے۔ وہ مختلف ڈبوں میں جاتے تھے' خطاب کرتے تھے اور لٹریچر تقسیم کرتے تھے۔ اس میں جن رفقاء نے باقاعدہ حصہ لیا' ان میں جناب محمد غوری صدیقی صاحب' جناب چوہدری منظور احمد صاحب' جناب حافظ شبیر احمد صاحب' جناب طارق جاوید صاحب' جناب شاہد احمد عبداللہ صاحب' جناب شکیل احمد صاحب' جناب حبیب الرحمٰن صاحب' جناب نوید احمد صاحب اور جناب آفتاب الرحمٰن صاحب شامل ہیں۔ انکے علاوہ بھی متعدد رفقاء نے اس پروگرام میں معاونین کی حیثیت سے شرکت کی۔ الحمدللہ یہ پروگرام بہت مفید رہا۔ لوگوں نے حسبِ توفیق گفتگو اور لٹریچر سے استفادہ کیا۔ بہرحال یہ ایک اچھا تجربہ ثابت ہوا۔ عمومی تاثر تو آگے چل کر بیان ہوگا چند ایک فوری مظاہر کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ مثلاً ایک کمپارٹمنٹ میں حسبِ معمول چند لوگ تاش کھیلنے میں معروف

تھے۔ جب مبلغین کا گروپ جناب محمد غوری صدیقی صاحب کی قیادت میں وہاں پہنچا اور گفتگو کا آغاز کیا گیا تو انہوں نے تاش کھیلنا بند کر دی اور متوجہ ہوگئے۔ اسی طرح ایک صاحب کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے اور کرتے رہے لیکن جب ان کی توجہ اس جانب دلائی گئی کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات ہو رہی ہو تو دیگر مشاغل کو ترک کرنا بہتر ہے تو انہوں نے کتاب بند کر دی۔ ڈبوں میں آج کل چونکہ مخلوط نشست ہوتی ہے لہٰذا چند خواتین کو بھی توجہ سے سنتے ہوئے اور اثبات میں سرہلاتے ہوئے پایا گیا گویا کہہ رہی ہوں کہ بات تو درست ہے لیکن عمل کون کرے؟ صرف ایک جگہ پیچھے سے ایک چبھتا ہوا جملہ اچھالا گیا کہ پہلے بے نظیر کی بڑی مخالفت کرتے تھے' اب نواز شریف کی مخالفت کریں ناں! جس کا مناسب جواب دے دیا گیا کہ نہ ہم تین میں نہ تیرہ میں بلکہ ہم تو انتخابی سیاست کو دین کی دعوت کے لئے زہرِ قاتل سمجھتے ہیں اور اپنا موقف بیان کر دیا گیا کہ ہم تو دین کے نفاذ کا واحد ذریعہ نبوی نہج پر انقلاب کو سمجھتے ہیں۔ چند افراد نے آگے بڑھ کر خود لٹریچر طلب کیا خصوصاً پندرہ روزہ 'ندا' جو وہاں بہت ہی محدود تعداد میں تقسیم کیا گیا۔

خطاباتِ عام

یہ پروگرام بنایا گیا کہ جہاں ٹرین کم از کم دس پندرہ منٹ رکتی ہو' وہاں پلیٹ فارم پر خطاب عام کیا جائے۔ اس کے لئے ساؤنڈ سسٹم کا معقول انتظام تھا۔ لکڑی کے ایک چھوٹے سے بکس میں دو چھوٹے سپیکر لمبی لمبی تاروں کے ساتھ موجود تھے' مقرر درمیان میں مائیک لے کر کھڑا ہو جاتا اور دو رفقاء دائیں بائیں دور تک سپیکر لے کر پہنچ جاتے۔ اس طرح گاڑی کا کچھ حصہ اس سے براہ راست سماعت و بصارت دونوں کے ذریعہ مستفید ہوتا اور جہاں جہاں تک آواز جاتی' خلقِ خدا تک پیغام دین پہنچتا رہا۔ کراچی جاتے ہوئے اور واپسی کے سفر میں خانیوال' ملتان' بہاولپور' سمہ سٹہ اور بن قاسم کے اسٹیشنوں پر خطابات ہوئے۔ کچھ مقامات پر دونوں اطراف کے سفر میں دو مرتبہ خطاب ہوا۔ خانیوال کے اسٹیشن پر تین مرتبہ خطاب ہوا' چونکہ وہاں ٹرین کا کافی دیر سٹاپ رہتا ہے لہٰذا ایک دفعہ جاتی مرتبہ اور دو مرتبہ واپسی پر خطاب ہوا۔ اس طرح یہاں بہت بھرپور خطابات ہوئے۔ ویسے بھی یہاں ہمارے عوامی مقرر جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر نے پنجابی میں بڑا بھرپور خطاب فرمایا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ٹرین کے علاوہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دلجمعی سے خطاب کو سنا اور پذیرائی بخشی۔ دیگر مقررین جنہوں نے مختلف مقامات پر خطاب کیا' ان میں جناب فاضل، حکیم صاحب' جناب شاہد احمد

عبداللہ صاحب، جناب غازی محمد وقاص صاحب، سہیل عزیز شامی صاحب، حبیب الرحمٰن صاحب اور راقم (میاں اعجاز احمد) شامل تھے۔ ان میں سے چند ساتھیوں نے دو تین مرتبہ خطاب کیا۔

صوبہ سندھ کا "استحصال"

اس وقت اور گزشتہ کئی سالوں سے صوبہ سندھ کے استحصال کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اس طرح کا ایک استحصال ہمارے ہاتھوں بھی اس صوبہ کا ہوا یعنی صوبہ سندھ کے کسی اسٹیشن پر خطاب نہ ہو سکا۔ سوائے بن قاسم کے جو کراچی کا ایک نواحی اسٹیشن سمجھ لیجئے، اندرون سندھ اتفاق سے دونوں اطراف کے سفر میں ہماری ٹرین رات کے اوقات میں گزری لہٰذا ہماری مجبوری تھی۔ بن قاسم کے اسٹیشن پر بھی کسی فنی مجبوری کی بنا پر گاڑی کافی دیر رُکی رہی ورنہ وہاں باقاعدہ اسٹاپ نہ تھا اور دوسرا یہ کہ وہاں ہمارے سامعین ہماری اپنی ٹرین کے ہی مسافر تھے، دوسرا کوئی اور وہاں نہ تھا کیونکہ وہ ایک بہت ہی چھوٹا سا اسٹیشن ہے حالانکہ راقم کو سندھی زبان کی کافی حد تک شدبد ہے اور یہ خواہش ہی رہی کہ وہاں کسی جگہ سندھی میں خطاب کیا جاتا ع: یار زندہ صحبت باقی۔

موضوع خطابات و تبلیغ

خطابات جو ٹرین کے اندر ہوئے یا پلیٹ فارم پر، ان کا بنیادی مقصد اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنا تھا جو شہادت علی الناس کے حوالہ سے ہم پر عائد ہوتی ہے اور دیگر مخلوقِ خدا کو بھی یہ فریضہ ادا کرنے کی طرف توجہ دلانا تھی۔ بات کی گئی مسلمان ہونے کے ناطے سے ذمہ داریوں کی، مسائل و پریشانیوں کے حوالہ سے، انذارِ آخرت کے پہلو سے، تنظیمی طریقۂ کار کے حوالہ سے، ہر مقرر کا رنگ جدا جدا تھا لیکن مقصد ایک ہی تھا کہ دعوت و تربیت کے اس مرحلہ پر دین کی دعوت کو پھیلایا جائے۔ اس طرح ایک تو اپنی تربیت ہوتی رہے اور اپنی افرادی قوت میں اضافہ کے لئے کوشاں رہا جائے تاکہ دین کے مطلوبہ معیار پر پورا اترنے والے افراد کی ایک معتد بہ تعداد اگر اللہ کرے جمع ہو جائے تو اقامت دین کے اگلے مرحلہ کی طرف قدم بڑھانے کے بارے میں سوچا جا سکے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اب بات ہو جائے اس عمومی تاثر کی جو اس دعوت و خطابات پر محسوس کیا گیا۔ سب سے بڑا تصور جو کہا جا سکتا ہے وہ تو یہ ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ .... لوگ عام طور پر اس اس قسم کی

[redacted]

سرگرمیوں پر حیرت کا اظہار تو ضرور کرتے ہیں لیکن لاتعلقی کا رویہ عام ہے جیسے کہہ رہے ہوں کہ ہاں کام تو ٹھیک ہے لیکن ہم کیا کریں؟ وجہ! اس پر بات کرنے لگیں تو دفتر درکار ہے۔ قوم کی بے حسی بھی اور داعیان دین کا کردار بھی۔ الا ماشاء اللہ۔ کس کو ذمہ دار گردانیں' کس کو الزام دیں' چپ ہی بھلی۔ سو ہر طرف چپ ہی چپ ہے۔

البتہ کسی اکا دکا نے تحسین کے الفاظ بھی ادا کئے۔ ایک جگہ ایک شخص کہتا ہوا پایا گیا "صحیح کیندے نیں وچارے"۔ گویا "وچارے" پر زور تھا۔ کئی گردنیں اثبات میں گردش کرتی ہوئی بھی دیکھی گئیں گویا کہہ رہے ہوں کہ ہاں ہونا تو ایسے ہی چاہئے لیکن ہوتا کہاں ہے؟ یہ معلوم نہیں! چند ایک نے لٹریچر طلب کر کے پڑھا۔ صرف ایک جگہ چند نوجوانوں نے دفتر وغیرہ کے بارے میں پوچھا' شاید رابطہ کا ارادہ بن جائے۔ ایک بزرگ لمبی ریش مبارک' حلیہ سے ہی دینی حلقہ سے معلوم ہوتے تھے' انہوں نے بڑا تلخ رویہ اختیار کیا۔ بلند آہنگ گویا ہوئے "اپنی اپنی بولیاں بولتے رہتے ہیں' دین کی کسی کو فکر نہیں' اپنی اپنی دکان چمکانے کی فکر ہے"۔ اب اللہ جانے ملال دین کے بارے میں تھا یا اپنی دکان کے مندے کا خوف لاحق تھا۔ واللہ اعلم۔ ہم تو یہی عرض کر سکتے ہیں کہ ع کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔

ٹی بورڈ مہم

دعوت کا ہی ایک انداز یہ رہا کہ رفقاء ٹی بورڈ لے کر پلیٹ فارم پر اتر جاتے اور ادھر ادھر پھیل جاتے اور چپ سادھے بورڈ پکڑے کھڑے ہو جاتے۔ بورڈوں پر مختلف عبارتیں درج تھیں۔ لوگ پڑھتے اور حیران ہوتے کہ اس طرح بھی دعوت دی جا سکتی ہے؟۔ اس مہم میں تقریباً ہر رفیق نے باری باری حصہ لیا۔

تقسیم لٹریچر

اسی طرح پلیٹ فارم اور گاڑی میں لٹریچر اور اسکرز بھی کثیر تعداد میں تقسیم کئے گئے ع شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔

صلوٰۃ

دعوت و تبلیغ کے بعد جو دوسری اجتماعی سرگرمی عمل میں آتی رہی' وہ نماز باجماعت کا اہتمام تھا۔ اس کے لئے باقاعدہ ایک ناظم کا تقرر کیا گیا تھا۔ ناظم صلوۃ جناب مرید حسین

صاحب تھے جو مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور میں خطوط کی ڈسپیچنگ کے علاوہ دیگر متفرق دفتری امور انجام دیتے ہیں۔ ان کے معاونین جناب مغیث عرفان صاحب' جناب گلزار احمد صاحب' جناب محمد شعیب صاحب اور جناب راحیل شاہ صاحب تھے۔ ان ساتھیوں نے دوہرا ثواب کمایا' خود بھی نماز باجماعت ادا کی اور دریاں بچھا کر دوسروں کو نماز پڑھنے میں سہولت مہیا کی۔ نماز کے لئے ایسے اسٹیشن کا انتخاب کیا جاتا رہا جہاں مناسب وقت تک ٹرین رکی رہے اور نماز فجر کے علاوہ بقیہ چار نمازیں جمع بین الصلوٰتین کے طریقہ سے پڑھی گئیں۔ صرف فجر کی نماز ایسی تھی جو ڈبہ میں ہی کئی جماعتوں کی صورت میں باری باری ادا کی گئی کیونکہ اس کے لئے کسی ایسے اسٹیشن کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا جہاں ٹرین کچھ زیادہ وقفہ کے لئے رک سکے۔

نماز اور پاکستان ریلوے

ویسے تو پوری ٹرین کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی' لیکن سب سے بڑا مسئلہ جو ٹرین میں پیش آتا ہے' وہ وضو کا ہے۔ ٹرین میں اکثر پانی ندارد۔ ٹونٹیاں ہر چند ہیں کہ نہیں ہیں۔ اگر پلیٹ فارم پر کوئی ایک آدھ نلکا ہوتا ہے تو وہاں پانی بھرنے والوں اور پینے والوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ وضو کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف۔

کاش! اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ریلوے کے ذمہ داران کی نظر سے یہ بات گزر جائے اور کوئی مردِ قلندر جو دماغ بھی رکھتا ہو اور ایمان بھی' اس مسئلہ کو حل کر سکے۔ لیکن یہ تو تب ہی ممکن ہے کہ جب معاشرے میں صلوٰۃ کی اہمیت اجاگر ہو جائے۔ تب تو معاشرہ بھی اسلامی ہو جائے اور وضو کیا' تمام مسائل حل ہو جائیں۔ تب تک تو ع ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ بہرحال عرض کر دیا ہے ع شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔

اکل و شُرب

کھانے کا اجتماعی بندوبست تھا۔ ناظمِ طعام جناب عبدالغفار صاحب تھے۔ اس کشمیری نوجوان کا تعارف کرائے بغیر آگے بڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ آپ قرآن کالج لاہور کے ہاسٹل میس (Mess) کے انچارج ہیں لیکن پہلے ایک سالہ دینی تعلیمات کا کورس کیا تب اس ذمہ داری پر فائز ہوئے۔ اگر مصرعے میں تصرف کروں تو یوں کہوں کہ ع ہر فرد ہے تنظیم اسلامی

کے مقدر کا ستارہ۔ کھانے کا انتظام اس وافر مقدار اور خوبی سے کیا گیا تھا کہ اس بارے میں کچھ کہنے کی گنجائش کم ہی ہے۔ ہر سیکشن میں ایک ایک نائب ناظم طعام کا تقرر کیا گیا تھا جو اپنے اپنے سیکشن میں کھانا تقسیم کرنے' برتن سنبھالنے اور استعمال شدہ برتنوں کی صفائی وغیرہ کا ذمہ دار تھا۔ کھانے کے ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کھانا اتنی وافر مقدار میں تھا کہ ساتھیوں کے ایثار کی نوبت ہی نہیں آئی البتہ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ جاتے ہوئے بھی قیمہ' آتے ہوئے بھی قیمہ گویا قیمہ ہی قیمہ۔ واپسی کا کھانا کراچی والوں نے شاملِ بارات کیا تھا۔

ملتانی چائے اور صادق آبادی بائے بائے (Bye Bye)

کراچی جاتے ہوئے ملتان تنظیم کے رفقاء نے ملتان پلیٹ فارم پر چائے کے ساتھ پذیرائی کی' ساتھیوں سے ملے اور دو ساتھیوں کو ساتھ ٹرین پر سوار کرا دیا جو شجاع آباد تک ساتھیوں کو چائے پلاتے رہے اور وہاں سے چائے کے برتن لے کر واپس ہوگئے۔ اسی طرح صادق آباد کے رفقاء کو پیغام بھجوایا گیا تھا کہ وہ کراچی سے واپسی پر صبح کی چائے کا انتظام کریں تو نوازش ہوگی لیکن نہ معلوم شاید ان کو پیغام نہ ملا' دوسرا یہ کہ گاڑی وہاں دو گھنٹہ تاخیر سے پہنچی' شاید انتظار کر کے واپس چلے گئے ہوں۔ بہرحال یہی کہا جا سکتا ہے کہ ع قطرے قطرے پہ لکھا ہے پینے والے کا نام۔

ایثار کا اصل امتحان

ایثار کا اصل امتحان رات کا آرام تھا کیونکہ سونے کے لئے اوپر کی برتھیں صرف سولہ تھیں۔ سیٹوں کے درمیان فرشی بستر ڈال کر بھی سب باری باری ہی سو سکتے تھے لہٰذا اس بارے میں ناظمین نے پوری طرح اپنے احکامات کا استعمال کیا اور باری باری ساتھیوں کو جگاتے اور سلاتے رہے۔ چند ایک خود بھی اٹھتے رہے اور دوسروں کو سونے کا موقع دیتے رہے۔ یہاں ایثار تبصرہ طلب ہے اور ابھی مطلوبہ معیار کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔

نمائندگیٔ خواتین

حسنِ اتفاق کہ سفر میں تنظیم کی خواتین کی نمائندگی بھی ہوگئی۔ چونکہ امیر محترم نے رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے سلسلہ میں کراچی میں مقیم رہنا ہے لہٰذا ان کے ساتھ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی وہیں قیام فرمائیں گی تاکہ ان کی نجی ضروریات کی فراہمی میں آسانی

رہے اور مسنون طریقہ بھی تو یہی ہے۔ لہٰذا تنظیم کی خاتون اول اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی کے ہمراہ خواتین کے علیحدہ کمپارٹمنٹ میں موجود تھیں۔ آپ تنظیم کی خواتین شاخ کی ناظمہ بھی ہیں۔ تنظیم کے مرد' بیٹوں' بزرگوں' بھائیوں کو جوش و خروش سے کام کرتے' دیکھتے اور سنتے ہوئے یقیناً ان کے جذبہ کو مہمیز لگی ہوگی۔

سفر کا دوسرا کنارہ

جیسا کہ معلوم ہے کہ سفر کا دوسرا کنارہ کراچی تھا جو کہ سمندر کا بھی کنارہ ہے۔ وہاں اگلے روز چار گھنٹہ تاخیر سے صبح ۹.۳۰ پر پہنچے۔ سامان وغیرہ اتار کر ایک جگہ جمع کیا گیا۔ کراچی کے ساتھی استقبال کے لئے موجود تھے۔ تنظیم کے ایک رفیق جناب غلام محمد سومرو صاحب کی وساطت سے ایک عدد گیسٹ روم کی بکنگ موجود تھی' کوشش تو زیادہ کے لئے کی تھی' بہرحال دستیاب اس وقت ایک ہی ہوا۔ وہاں سامان وغیرہ رکھا گیا۔ ایک دو باتھ روم میں جلدی جلدی چند ایک رفقاء نہا یا منہ ہاتھ دھو سکے۔ ضروری سامان وغیرہ ساتھ لیا اور باقی بستر اور دیگر زائد دعوتی سازوسامان اور برتن وغیرہ وہیں چھوڑ کر بس اور ویگن میں بیٹھ کر جن کا انتظام کراچی تنظیم نے کیا تھا' رفیق تنظیم اسلامی کراچی جناب محمد نقی صاحب کے گھر واقع فریئر روڈ جو کہ ایک عدد بڑے فلیٹ پر مشتمل تھا پہنچے۔ جاتے ہی ناشتہ + لنچ یعنی Brunch کا انتظام تھا۔ اُس سے فارغ ہو کر نہا دھو کر رفقاء نے کپڑے بدلے اور اگلا پروگرام مسجد خضراء کے سامنے مظاہرہ تھا۔ مظاہرے کے لئے گاڑی کے چار ناظمین ہی کی قیادت میں رفقاء قطار کی صورت میں منظم انداز سے ٹی بورڈ اٹھائے ہوئے مسجد خضراء کی جانب روانہ ہوئے جو کہ وہاں سے زیادہ دور نہ تھی۔ نماز جمعہ وہیں ادا کی اور اس کے فوراً بعد مظاہرہ کیا گیا۔ خاموشی کے ساتھ رفقاء ٹی بورڈ اور بینر تھامے سڑک کے دوسرے کنارے کھڑے تھے۔ ٹی بورڈوں کے ذریعے توبہ کی منادی کی گئی۔ دین کی طرف رجوع کی دعوت دی گئی اور اللہ کے بندے بننے اور آخرت کی نجات کے لئے عمل کی تلقین کی گئی۔ رفقاء جلسۂ عام اور دورۂ ترجمۂ قرآن کی اطلاع پر مبنی ہینڈ بل بھی تقسیم کرتے رہے۔ جب نمازیوں کا مجمع چھٹ گیا تو ویسے ہی نظام کے ساتھ آرام باغ کی طرف روانگی ہوئی۔

جلسۂ عام آرام باغ

باغ کا نام آتے ہی ذہن میں گھاس اور پھولوں کے تختوں سے مزین جگہ کا تصور آتا ہے

لیکن کراچی کا آرام باغ آج کل دھول کا منظر پیش کرتا ہے جس کے اوپر خشک گوبر کی ایک تہہ جما دی گئی ہے۔ شاید تزئینِ نو کی تیاری ہے بہرحال ہمارے حصہ میں تو یہ ہی آیا۔ جلسہ عام کی رپورٹ ظاہر ہے' علیحدہ سے شائع ہو ہی جائے گی لہٰذا اس کا مزید ذکر یہاں ضروری نہیں سوائے اس کے کہ ع نیند آ جاتی ہے کانٹوں پہ بھی انساں کو۔ کچھ رفقاء جو شاید طویل سفر سے زیادہ ہی تھکے ہوئے تھے' امیر محترم کی بھرپور تقریر کے باوجود کبھی کبھی اونگھ کے غلبہ سے ضرور متاثر ہوئے۔ ویسے کراچی کا موسم بھی کافی گرم تھا اور مارچ میں مئی جون کا منظر نظر آ رہا تھا۔ تین بجے جلسۂ عام کا پروگرام شروع ہوا اور اختتام پر وہیں متصل مسجد میں نمازِ عصر ادا کی گئی۔ نماز عصر کے بعد بس اور ویگن پر بھی رفقاء قرآن اکیڈمی کراچی جو ابھی زیر تعمیر ہے گئے جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ نمازِ مغرب وہیں ادا کی گئی۔ بعد ازاں وہیں کھانا کھایا گیا اور نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد اسٹیشن روانگی ہو گئی۔

واپسی

ٹھیک مقررہ وقت' رات کے ۱۰:۳۰ پر خیبر میل دوبارہ لاہور کی جانب رواں دواں تھی۔ کراچی کے چند ساتھی الوداع کہنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ واپسی پر وہی خطابات' وہی دیگر دعوتی مظاہر' وہی نمازیں' وہی معمولات و انتظامات۔ البتہ واپسی پر گھر واپسی کی ایک خوشگوار کیفیت ہوتی ہے لہٰذا چند دیگر کیفیات بھی وارد ہوتی ہیں۔

حیدر آبادی چوڑیاں

گاڑی میں ایک حیدر آبادی چوڑیوں کی آواز آئی تو یہ نظارہ دیکھنے میں آیا کہ یہ رات کے راہب' دن کے شہسوار بھی ہیں۔ دینی تقاضے بھی نبھا رہے ہیں تو گھر والوں کو بھی نہیں بھولے۔ اپنی زندگی کی ساتھیوں' اپنی بہنوں' اپنی بیٹیوں' اپنی ماؤں کے لئے چوڑیوں کی خریداری۔ اللہ اللہ کیا سماں ہے ع ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم۔ رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن۔ ساتھیوں نے حسبِ ذوق و توفیق روہڑی سکھر کی کھجوریں' ملتانی سوہن حلوہ' سندھ کی اجرک اور سندھی ٹوپی' بچوں کے لئے کھلونے خریدے۔ کیوں نہیں مومن تو اپنے نفس کا بھی حق ادا کرتا ہے۔ اپنے متعلقین کے حق سے کیسے غافل رہ سکتا ہے۔

سمری عدالت

سیکشن نمبر ۳ میں کچھ رفقاء نے ایک رفیق کی چپل شاید شرارت سے ادھر ادھر کر دی۔ شکایت امیرِ سفر کو پیش ہوئی۔ انہوں نے سیکشن کے ناظم یعنی راقم کو کیس پیش کیا۔ راقم اتفاق سے ایل ایل بی بھی ہے۔ عدالت نے عمومی آبزرویشن (Observation) کے علاوہ سزا یہ تجویز کی کہ ملزمان کو برتن دھونے کی سزا دی جو پوری کر دی گئی۔

ختم ہوا سفر بخیر

تقریباً دو گھنٹہ تاخیر سے ٹرین لاہور رات پونے نو بجے پہنچی۔ لاہور کے ساتھی گاڑیوں سمیت استقبال کے لئے موجود تھے۔ سامان وغیرہ اتارنے کے بعد نماز باجماعت ادا کی گئی' اس کے بعد اجتماعی دعا بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ کی گئی اور پھر ساتھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے اور یوں جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں سرخرو فرمائے (آمین)۔

زندگی ایک سفر ہی تو ہے' ابھی منزل باقی ہے۔ کوئی پہلے' کوئی بعد' منزل پر پہنچنا ہی ہے اور پھر ایک وقت جب بہت بڑی منزل پر تمام گاڑیاں آ کر اکٹھی ہو جائیں گی' اسٹیشن پر افراتفری کا عالم تو ہوتا ہی ہے' پھر جس کو جگہ مل گئی وہ کامیاب' جو رہ گیا' سو رہ گیا۔ ابھی وقت ہے' ریزرویشن کرا لو۔ پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی۔ یہی ہے ہماری صدا۔ اب بھی موقع ہے' اب بھی موقع ہے' اب بھی موقع ہے۔ اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کے سفر پر گامزن کر دے (آمین)

سالِ گزشتہ کے دوران

تنظیمِ اسلامی کی کارکردگی کا جائزہ

سالانہ رپورٹوں کی روشنی میں

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی پاکستان

از مارچ ۹۰ء تا جنوری ۹۱ء

مرتب : (ڈاکٹر) عبدالخالق ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

تنظیم اسلامی پاکستان کا یہ سولہواں سالانہ اجتماع ۲۲ر فروری تا ۵ر فروری ۹۱ء قرآن اکیڈمی میں منعقد ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے کہ گزشتہ سالانہ اجتماع کے بعد پہلی مجلس مشاورت کے دوران ہی ہم نے اس سالانہ اجتماع کے لئے جن تاریخوں کا تعین کیا تھا انہی میں اس کا انعقاد ہو رہا ہے۔ ارادہ یہی تھا کہ اس سال سالانہ اجتماع کراچی میں منعقد ہو۔ اس کے مطابق اعلان بھی ہوا' انتظامات بھی تکمیل ہو رہے تھے اور کراچی کے رفقاء اپنی اس دیرینہ تمنا کو پایۂ تکمیل کے قریب پا کر بہت خوش تھے اور جوش و جذبہ کے ساتھ اس کی تیاری میں منہمک تھے' لیکن "عرفت ربی بفسخ العزائم" کے مصداق کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہوئی کہ کراچی میں اس کا انعقاد ممکن نہ رہا۔ بہرحال یار زندہ صحبت باقی' مواقع پھر بھی پیدا ہوں گے۔

گزشتہ سالانہ اجتماع ۱۹ر تا ۲۳ر مارچ ۹۰ء قرآن آڈیٹوریم میں ہوا تھا۔ گویا کہ ہم قریباً گیارہ ماہ بعد اپنی سالانہ کارکردگی اور موجودہ صورت حال کے جائزہ کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح غور و فکر اور آئندہ کے لئے بہتر پروگرام مرتب کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

جماعتی زندگی میں سالانہ اجتماع کی اہمیت سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اس میں اولاً ہمیں اپنے پیش نظر مقاصد اور ان کے حصول کے لئے طریق کار اور اس کے تقاضوں کو از سرِ نو ذہن میں تازہ کرنا ہے اور ثانیاً خود احتسابی اور اجتماعی کارکردگی کے جائزہ سے یہ اندازہ کرنا ہے کہ :

[illegible]

لو سے پیش رفت ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور توفیقِ مزید کے طلبگار ہوں۔ ہمیں
ئندہ کے لئے نقشۂ کار کے خطوط بھی متعین کرنا ہیں اور اس پر عملدر آمد کے لئے نئے جذبہ و
ش اور عزمِ تازہ کے ساتھ یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

اس مرکزی رپورٹ میں ہماری اجتماعی کارکردگی کا بحیثیتِ مجموعی جائزہ پیش ہو گا۔ ان شاء
ئد العزیز اس کی تفصیلات آپ مقامی تنظیموں کی رپورٹوں میں سن لیں گے۔ اس موقع پر میں
پ کی توجہ ایک انتہائی اہم بات کی طرف دلانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ احتساب اور جائزہ کا
مل فیصلہ کن میزانیہ تو ذاتی اور انفرادی ہے اور تنظیم اسلامی کی تو تاسیس ہی اس لئے ہوئی
ں کہ وہ ہمارے انفرادی نصب العین یعنی نجات و فلاحِ اخروی کے حصول میں معاون و مددگار
۔ لہٰذا ہر رفیقِ تنظیم اپنی حقیقی اور واقعی کیفیت کا جائزہ خود لے کہ اس کی قوت و صلاحیت،
ں و جان اور اوقات کہاں صرف ہو رہے ہیں۔ میری اور آپ سب کی نجات تو اس سے
بستہ ہے کہ ہم نے جو یہ عہد کیا تھا کہ **"ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب
لعٰلمین"** ...... ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم اس پر کہاں تک پورے اتر رہے ہیں!

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر تنظیم اسلامی کے نئے نظام العمل کو باقاعدہ پڑھا گیا تھا اور
یر محترم نے ضروری وضاحتیں بھی کی تھیں۔ رفقاء کو اس کی طبع شدہ نقول بھی مہیا کی گئی
یں۔ اور یہ کہا گیا تھا کہ اگر اس میں کسی پہلو سے ترمیم و اصلاح مقصود ہو تو تجاویز اجتماع کے
ندرہ روز بعد تک مرکزی دفتر ارسال کر دی جائیں تاکہ مجلسِ عاملہ میں غور کے بعد مناسب
زامیم کر لی جائیں۔ یہ بھی فیصلہ ہوا تھا کہ اس نظام العمل کو دو ماہ بعد یعنی یکم جون ۹۰ء سے
قاعدہ نافذ کر دیا جائے گا۔ اس دوران اس نظام العمل کے مطابق حلقہ جات اور مقامی تنظیموں
ی تنظیمِ نو، دفاتر کے قیام اور دیگر ضروری انتظامات، نیز ملتزم رفقاء کی بنیاد پر مجلسِ مشاورت
کے انتخابات کا اہتمام کیا جائے۔ نظام العمل میں ترمیم و اصلاح کے ضمن میں رفقاء کی جانب
سے مختلف تجاویز موصول ہوئیں۔ مرکزی دفتر میں ان کی باقاعدہ ترتیب و درجہ بندی کی گئی اور
جلسِ عاملہ میں ان پر غور کے بعد مناسب فیصلے کئے گئے اور متعلقہ تجویز کنندہ رفقاء کو اس کی
اقاعدہ اطلاع بھی دی گئی۔ ترمیم شدہ نظام العمل کو 'میثاق' کے شمارہ مئی ۹۰ء کے ذریعہ رفقاء
تک پہنچا بھی دیا گیا اور جون ۹۰ء سے اس پر باقاعدہ عملدر آمد کا آغاز ہو گیا۔ اس سال کے
دوران الحمدللہ نظام العمل کا دوسرا حصہ بھی جو کہ مختلف سطح پر ذمہ داریوں اور تقسیمِ کار کے
متعلق ہے تیار ہو گیا ہے۔ اور اس اجتماع کے دوران رفقاء کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

تنظیمی جائزہ

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر تنظیم اسلامی پاکستان سات علاقائی حلقہ جات میں منقسم
تھی: یعنی کراچی، بلوچستان، جنوبی پنجاب، لاہور، وسطی پنجاب، شمالی پنجاب اور سرحد۔ اور
اندرون ملک ۱۸ مقامی تنظیمیں کام کر رہی تھیں: یعنی کراچی کی تین تنظیمیں ...... کراچی شرقی
شمالی اور جنوبی، کوئٹہ، سکھر، ملتان، وہاڑی، فیصل آباد۔ لاہور کی چار تنظیمیں ...... لاہور شرقی
جنوبی، وسطی اور شمالی، تنظیم اسلامی فیروز والہ، گجرات، راولپنڈی، اسلام آباد اور پشاور۔ سالانہ
اجتماع کے موقع پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ نئے نظام العمل کے مطابق حلقہ جات اور مقامی تنظیموں
کی تشکیلِ نو کی جائے گی اور مقامی ملتزم رفقاء کے مشورہ سے ذمہ دار حضرات کا بھی از سر
نو تعین ہوگا۔ چنانچہ امیر محترم نے پورے ملک کا تنظیمی دورہ کیا اور مختلف مقامات پر صورت حال
کے جائزہ اور مشورہ کے بعد مناسب فیصلے کئے گئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حلقہ سرحد اگرچہ کافی عرصہ سے قائم تھا، لیکن کچھ عرصہ قبل میجر فتح محمد صاحب کی
قرآن کالج لاہور منتقلی کی وجہ سے یہ حلقہ عملاً ختم ہوگیا تھا۔ ۲۸ مئی کو امیر محترم کے دورہ
پشاور کے موقع پر اس حلقہ کو دوبارہ باقاعدہ قائم کیا گیا۔ میجر فتح محمد صاحب بھی دوبارہ پشاور منتقل
ہوگئے۔ تنظیم اسلامی پشاور کے دفتر ہی میں حلقہ کا دفتر بھی قائم کر دیا گیا اور حلقہ سرحد اور
تنظیم اسلامی پشاور کے مشترک معتمد جناب غلام مقصود صاحب مقرر ہوئے۔ سال کے دوران
حلقہ سرحد میں اطمینان بخش طریق سے کام ہوا ہے۔ دفتر باقاعدگی سے صبح و شام کے اوقات
میں کھلتا رہا ہے اور ناظم حلقہ سرحد نے حلقہ کے رفقاء و احباب سے خط و کتابت کے ذریعہ
رابطہ کا اہتمام رکھا۔ حلقہ کے مختلف مقامات مثلاً سوات، مردان اور کوہاٹ کے کامیاب دعوتی
دورے اور رابطہ عوام کے پروگرام کئے گئے۔ اس حلقہ میں ایک ہی مقامی تنظیم پشاور میں قائم
ہے۔ ملتزم رفقاء کے مشورہ سے جناب اشفاق احمد میر صاحب اس کے امیر اور میجر محمد اسلم
صاحب ناظم بیت المال مقرر ہوئے۔ سال کے دوران یہاں پر معمول کے پروگرام جاری
رہے۔

۲۔ حلقہ شمالی پنجاب عملاً قائم نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کے لئے ذمہ دار حضرات میسر نہ
آ سکے۔ ۲۹ مئی کو امیر محترم نے راولپنڈی اسلام آباد کا تنظیمی دورہ کیا۔ راولپنڈی اور اسلام
آباد کی مقامی تنظیموں کا مشترکہ اجتماع ہوا، جس میں صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد یہی طے
ہوا کہ فی الحال حلقہ کی سطح پر پیش قدمی کا امکان نہیں۔ سال کے دوران اس حلقہ کے منفرد

مقامی تنظیموں کا مرکز سے براہ راست رابطہ رہا۔ ۹؍ مئی کے تنظیمی اجلاس میں یہ فیصلہ کیا
کہ راولپنڈی اور اسلام آباد کی تنظیموں کو یکجا کر کے ایک تنظیم قائم کی جائے۔ جناب محمد
مرزا صاحب اس کے امیر مقرر ہوئے۔ ایک موزوں جگہ پر اس تنظیم کا دفتر بھی قائم ہو گیا
جو شام کے اوقات میں باقاعدگی سے کھلتا رہا ہے اور رابطہ کی ایک مفید صورت قائم رہی
۔ امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی اسلام آباد نے اندرون و بیرون شہر دعوتی پروگراموں اور رابطہ
م کی کوششوں کا اہتمام جاری رکھا ہے' جس کے مفید اور مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

۳۔ حلقہ وسطی پنجاب گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر جناب شمس الحق اعوان صاحب کی
بت میں قائم تھا۔ مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۲؍ مئی میں اس کے معاملات پر غور ہوا۔
حلقہ جز وقتی خدمات سرانجام دے سکتے تھے' لہٰذا ان کی معاونت کے لئے ایک ہمہ وقتی
ب ناظم کے تقرر کا فیصلہ ہوا۔ اگرچہ اس حلقہ کا دفتر پہلے وزیر آباد میں قائم تھا' لیکن چونکہ
ر آباد میں ہمارے رفقاء کی تعداد کم ہے اور دفتر کے لئے ہمیں وہاں سے کوئی معتمد بھی میسر
آ سکے' لہٰذا صورت حال کچھ تسلی بخش نہ تھی اور بہتر مقام پر دفتر کی تلاش تھی۔ حلقہ کے
ی مقام گوجرانوالہ میں دفتر قائم کرنے کا فیصلہ ہوا لیکن افسوس کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے
ں میں بھی کام کے آغاز کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا۔ تاہم اس دوران حلقہ کے مختلف
ات پر کام کو مربوط انداز میں آگے بڑھانے کی خاطر دعوتی پروگرام اور رابطہ کی کوششیں
ول کے مطابق جاری رہیں۔ چند ماہ پیشتر حلقہ کا دفتر ڈسکہ منتقل کیا گیا' جہاں پہلے سے مقامی
و کا دفتر اور کارکن موجود تھے لیکن ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کے مصداق ابھی تک
ر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکے۔ یقیناً اس میں اللہ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی۔ حلقہ وسطی
ب میں ابتداءً دو مقامی تنظیمیں گجرات اور فیروز والہ میں موجود تھیں۔ ۲۱؍ مئی کو امیر تنظیم
امی نے گجرات اور فیروز والہ کا تنظیمی دورہ کیا اور رفقاء کے اجتماعات میں مشورہ کے بعد ذمہ
حضرات کا تعین ہوا۔ دونوں مقامات پر تنظیم کا دفتر اور لائبریری قائم ہے۔ یہاں معتمد دفتر
ر کئے گئے۔ سال کے دوران گجرات میں دفتر کا نظام اور رابطہ کے لئے محنت و کوشش بہت
سب رہی ہے۔ تاہم امیر مقامی اور دوسرے ذمہ دار حضرات کی تگ و دو کے باوجود رفقاء
بت مجموعی متحرک نہیں ہو سکے۔ فیروز والہ کی تنظیم میں معمول کے پروگرام جاری رہے
۔ دفتر اور لائبریری شام کے اوقات میں رابطہ کے لئے کھلتے ہیں۔ اگرچہ دفتر کے لئے باقاعدہ
ند کی خدمات حاصل کی گئی تھیں لیکن یہ انتظام جاری نہ رہ سکا۔ لہٰذا مقامی امیر ہی کا وقت
میں صرف ہوتا رہا۔ یہ بات تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ یہاں پر بھی تنظیم کا

کام کچھ زیادہ نہیں ہو سکا۔

۴ ۔ حلقہ لاہور میں لاہور شہر اور مضافاتی اضلاع شامل تھے اور گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اس کا باقاعدہ الگ دفتر بھی قائم تھا' اگرچہ دعوتی کام اور تنظیمی رابطہ صرف شہر لاہور تک محدود تھا۔ لاہور میں چار مقامی تنظیمیں بھی موجود تھیں۔ عیدالفطر کے فوراً بعد رفقائے لاہور کے اجتماع میں مشورہ کے بعد امیر محترم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ حلقہ لاہور کو فی الحال ختم کر دیا جائے اور لاہور کی چار تنظیمیں بھی ایک ہی مقامی تنظیم میں مدغم کر دی جائیں۔ اس تنظیم کے ذمہ دار حضرات کا بھی تعین ہوا۔ اس تنظیم کی امارت کی ذمہ داری مرزا ایوب بیگ صاحب کو تفویض کی گئی۔ دفترِ حلقہ مقامی دفترِ تنظیم قرار پایا جس کے لئے کارکن پہلے سے مقرر تھے۔ سال کے دوران کارکردگی اور موجودہ کیفیت آپ کے سامنے 'مقامی رپورٹ' میں پیش ہوگی۔ یہاں پر صرف یہی عرض کروں گا کہ لاہور کی تنظیم ان چند تنظیموں میں بھی اول نمبر پر ہے جس کی کارکردگی اطمینان بخش ہی نہیں حوصلہ افزا بھی ہے۔ "اللہ کرے زورِ عمل اور زیادہ"۔ مضافاتی اضلاع کے رفقاء کا رابطہ بذریعہ خط و کتابت مرکز کے ساتھ رہا۔

۵ ۔ ۲۶ر مئی کو امیر تنظیم اسلامی نے فیصل آباد کا تنظیمی دورہ کیا۔ اور اجتماع رفقاء میں مشورہ کے بعد ایک نیا حلقہ غربی پنجاب قائم کرنے کا فیصلہ ہوا' جو کہ فیصل آباد' جھنگ' میانوالی اور بھکر کے اضلاع پر مشتمل ہوگا۔ جناب احسان الٰہی ملک صاحب نے جزوقتی خدمات کی پیشکش کی تھی۔ انہیں اس حلقہ کا ناظم مقرر کیا گیا اور ان کی معاونت کے لئے ایک ہمہ وقتی نائب ناظم جناب مختار احمد صاحب کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں۔ تنظیم اسلامی فیصل آباد کے ذمہ دار حضرات کا تعین ہوا۔ مقامی تنظیم کا دفتر اور لائبریری پہلے سے موجود تھی۔ اس میں حلقہ غربی پنجاب کا دفتر بھی قائم کر لیا گیا۔ سال کے دوران ناظم حلقہ کی قیادت میں مضافاتی دیہات میں مفید دعوتی کام ہوا ہے۔ تنظیم اسلامی فیصل آباد کی کیفیت اطمینان بخش رہی ہے۔

۶ ۔ حلقہ جنوبی پنجاب زیریں پنجاب کے علاقہ پر مشتمل تھا اور اس میں دو مقامی تنظیمیں: ملتان و وہاڑی اور اسرہ جات شجاع آباد' بہاولپور' صادق آباد اور مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے منفرد رفقاء شامل ہیں۔ مختار حسین فاروقی صاحب نے انقلابی انداز میں اس حلقہ کی ابتدا کی تھی' لیکن ذاتی مصروفیات کی بنا پر وہ پس منظر میں چلے گئے۔ گزشتہ اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی امیر حلقہ تھے' لیکن وہ بھی جز وقتی خدمات سرانجام دے سکے۔ ۴ر جون کو امیر محترم نے ملتان کا تنظیمی دورہ کیا۔ حلقہ کے رفقاء بھی وہاں جمع تھے۔ مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ حلقہ جنوبی

پنجاب ختم کر دیا جائے۔ اور اس حلقہ کی مقامی تنظیموں' اسرہ جات اور منفرد رفقاء کا براہ راست مرکز سے رابطہ رہے گا۔ مرکز میں اس حلقہ کی نگہداشت کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ میاں اعجاز احمد صاحب کو ناظم اعلیٰ کے خصوصی معاون کی حیثیت سے اس حلقہ کے دعوتی و تنظیمی امور کی نگہداشت کا کام تفویض کیا گیا۔ موصوف نے خط و کتابت اور تنظیمی دوروں کے ذریعہ محنت کی' لیکن یہ انتظام جاری نہ رہ سکا' کیونکہ موصوف نے اپنی تعلیمی استعداد میں اضافہ کے لئے قرآن کالج میں ایک سالہ کورس میں شمولیت اختیار کر لی۔ تاہم اس حلقہ کے رفقاء سے مرکزی دفتر کا رابطہ رہا۔ ناظم اعلیٰ اور ناظم بیت المال وقتاً فوقتاً اس علاقہ کے تنظیمی و دعوتی دوروں کے لئے اس حلقہ میں جاتے رہے۔ تنظیم اسلامی ملتان کا دفتر پہلے دفتر حلقہ ۲۵ آفیسر کالونی میں قائم تھا۔ حلقہ ختم ہونے پر کوشش کی گئی کہ اس کو شہر میں کسی معروف جگہ پر منتقل کیا جائے' لیکن بعض عملی دشواریوں کی بنا پر یہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکا اور اب مقامی تنظیم کا دفتر پھر پرانی جگہ ۲۵ آفیسر کالونی میں قائم ہے۔ باقاعدہ معتمد دفتر موجود ہیں اور خط و کتابت و رابطہ عمدہ طریق سے ہو رہا ہے۔ تنظیم اسلامی وہاڑی مختصر تنظیم ہے۔ ۴ر جون کو ملتان ہی میں رفقائے حلقہ کے اجتماع میں اس کے نظم سے متعلق امور کا فیصلہ ہوا تھا۔ یہ مختصر تنظیم ہے اور سالہا سال سے یکساں کیفیت سے چل رہی ہے۔ اگرچہ دفتر و لائبریری موجود ہے لیکن باقاعدہ معتمد میسر نہ ہونے کی وجہ سے خط و کتابت اور رابطہ کی کیفیت توجہ طلب ہے۔

۷ ۔ اندرون سندھ اور سکھر کے تنظیمی معاملات کو طے کرنے کے لئے اوائل جون میں امیر محترم کے دورہ کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ لیکن وہاں کے مخدوش حالات کے پیش نظر جناب نجیب صدیقی صاحب کے مشورہ سے یہ دورہ منسوخ کرنا پڑا۔ سکھر کی مقامی تنظیم میں چونکہ ملتزم رفقاء کی تعداد نئے نظام العمل میں ایک مقامی تنظیم کے لئے مقرر تعداد سے کم تھی' لہٰذا مقامی تنظیم کے نظم کو ختم کر کے اسرہ کا نظم قائم کر دیا گیا۔ گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اندرون سندھ سے ہمارے ایک ساتھی جناب علی اصغر عباسی صاحب نے اپنے آپ کو تنظیم کی ہمہ وقت خدمات کے لئے پیش کیا تھا۔ بعد ازاں مئی میں منعقدہ تربیت گاہ میں انہوں نے شرکت کی اور امیر محترم سے تفصیلاً گفتگو کے بعد اندرون سندھ ایک حلقہ قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور جناب علی اصغر عباسی صاحب اس کے ناظم مقرر ہوئے۔ سکھر میں اس حلقہ کا دفتر قائم کرنے کی کوشش ہوئی۔ بعد ازاں اگست کے اوائل میں امیر محترم نے سکھر کا دو روزہ دورہ کیا جس کے دوران تنظیمی امور پر بر موقع مشورہ ہوا۔ جناب ناظم حلقہ نے اس دورہ کو مفید بنانے کے لئے

محنت کی۔ مقامی سندھی علماء سے ملاقات کے لئے بھی ایک مفید نشست کا انتظام ہوا۔ حلقہ کے لئے الگ دفتر کا تو انتظام نہ ہو سکا' تاہم سابق تنظیم اسلامی سکھر کے دفتر ہی میں ایک ہمہ وقتی کارکن کے تقرر سے اس کا آغاز کر دیا گیا۔ جناب ناظم حلقہ نے اندرون سندھ مختلف مقامات پر علماء اور دینی فکر رکھنے والے اصحابِ علم و دانش سے رابطہ کے لئے محنت کی۔ سکھر میں دعوتی اور تنظیمی پروگرام منظم کئے۔ کچھ عرصہ قبل جناب علی اصغر عباسی نے اپنی بعض مجبوریوں کی بنا پر اپنی سابقہ ملازمت کو دوبارہ اختیار کر لیا ہے۔ اور اس طرح یہ نو تشکیل شدہ حلقہ ہمہ وقتی ناظم کی خدمات سے محروم ہو گیا ہے۔

۸ ۔ حلقہ بلوچستان تنظیم اسلامی کوئٹہ تک ہی محدود ہے۔ اس کی تنظیم نو گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ہی ہو گئی تھی اور سال کے دوران جناب راشد گنگوہی صاحب کی قیادت میں اس کے پروگرام تسلی بخش طریق پر معمول کے مطابق چلتے رہے ہیں۔

۹ ۔ گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر حلقہ کراچی کے نام سے ایک حلقہ موجود تھا' جس کی سرگرمیاں عملاً کراچی شہر تک محدود تھیں۔ اور کراچی شہر میں تین مقامی تنظیمیں موجود تھیں۔ امیر محترم مئی کے پہلے ہفتہ ہی میں کراچی کے آئندہ تنظیمی نقشہ کے تصفیہ کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ مشورہ کے بعد حلقہ کو محض رسمی اور غیر ضروری سمجھتے ہوئے ختم کرنے کا فیصلہ ہوا اور تین مقامی تنظیموں کو باہم ضم کر کے ایک مقامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ ہوا اور سید محمد نسیم الدین صاحب اس کے امیر مقرر ہوئے۔ موصوف نے دفتر کے نظام اور مرکز اور رفقاء سے رابطہ کی کیفیت کو مستحکم بنانے کے لئے محنت کی ہے۔ کراچی کو ۸ انتظامی حصوں میں تقسیم کر کے تنظیمی و دعوتی کیفیت کو باقاعدہ اور وسعت پذیر بنایا ہے۔ جناب نسیم الدین صاحب کی سرکردگی میں کراچی میں کام کے آگے بڑھنے کی توقعات ہیں۔ **اللھم زد فزد......** آمین۔ گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اندرون ملک سات حلقہ جات قائم تھے۔ بیان کردہ تفصیلات کے نتیجہ میں اب اس سالانہ اجتماع پر اندرون ملک چھ حلقہ جات: سرحد' شمالی پنجاب' وسطی پنجاب' غربی پنجاب' سندھ اور بلوچستان کے نام سے قائم ہیں۔ اسی طرح اندرون ملک ۱۸ مقامی تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ کراچی' لاہور' اسلام آباد اور راولپنڈی کے مقامات پر کئی مقامی تنظیموں کو یکجا کرنے کے نتیجہ میں اب اندرون ملک دس مقامی تنظیمیں ہیں: یعنی پشاور' راولپنڈی و اسلام آباد' گجرات' فیروز والہ' لاہور' فیصل آباد' ملتان' وہاڑی' کوئٹہ اور کراچی۔

اندرونِ ملک رفقائے تنظیم کی تعداد حسبِ ذیل ہے:

تنظیم/حلقہ	تعداد رفقاء	تعداد رفقاء جن سے رابطہ ہے	تعداد ملتزم رفقاء
تنظیم اسلامی کراچی	۲۱۶	۱۹۳	۵۵
اندرون سندھ	۴۹	۱۸	۳
تنظیم اسلامی کوئٹہ	۲۱	۲۱	۱۶
منفرد رفقاء بلوچستان	۲	۲	۱
تنظیم اسلامی ملتان	۴۵	۲۳	۱۰
تنظیم اسلامی وہاڑی	۱۳	۱۳	۷
جنوبی پنجاب	۸۸	۵۸	۹
تنظیم اسلامی فیصل آباد	۴۸	۳۵	۹
غربی پنجاب	۷۰	۳۶	۱۱
تنظیم اسلامی لاہور	۳۷۹	۲۳۰	۱۱۰
حلقہ لاہور	۱۰	۶	۰
تنظیم اسلامی فیروز والہ	۱۹	۱۵	۸
منفرد رفقاء شیخوپورہ	۱۷	۸	۱
حلقہ وسطی پنجاب (ضلع گوجرانوالہ۔ سیالکوٹ)	۲۱۲	۱۴۰	۷
تنظیم اسلامی گجرات	۹۰	۵۲	۱۷
حلقہ شمالی پنجاب	۴۰	۳۲	۱
تنظیم اسلامی راولپنڈی/اسلام آباد	۹۵	۸۱	۲۶
حلقہ سرحد	۴۶	۳۶	۶
تنظیم اسلامی پشاور	۶۰	۵۳	۱۳
مرکز	۵	۵	۵
میزان	۱۵۲۵	۱۰۵۷	۳۱۵
کل تعداد گزشتہ سال	۱۲۲۱		۲۹۷
اضافہ دوران سال	۳۰۴		۱۸

جلسہ ہائے عام

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر امیر تنظیم اسلامی نے اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ اپنے اس قلبی اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اب کسی درجے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تنظیم اسلامی نے ایک چلتے ہوئے قافلہ کی شکل اختیار کر لی ہے اور ہم اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ آپ نے آئندہ سال کو پیش قدمی کا سال یعنی Launching year قرار دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اب ہم ان شاء اللہ العزیز تنظیم اسلامی کی دعوت و پکار کو مساجد اور بند کمروں سے نکال کر کھلے مقامات پر جلسہ ہائے عام میں بیان کریں گے۔ اس کی ابتدا تو سالانہ اجتماع کے موقع پر ہی ہو گئی تھی' جبکہ معمول کے پروگراموں کے ساتھ جلسہ عام کا بھی اہتمام ہوگیا' جس میں چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے فرائض دینی کے جامع تصور اور امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان کا مستقبل اور انقلاب اسلامی کے مراحل کے موضوعات پر مفصّل خطاب کیا۔ اس جلسہ کا اہتمام چونکہ قرآن اکیڈمی ہی کے باہر صحن میں ہوا تھا لہٰذا اس کی تلافی کے طور پر مئی کے وسط میں چوبرجی کوارٹرز کی وسیع گراؤنڈ میں جلسہ ہوا جو بحمد اللہ ہر پہلو سے کامیاب ثابت ہوا۔ سالانہ اجتماع میں فیصلہ کے مطابق مجلس مشاورت نے ملک کے مختلف مقامات پر جلسہ ہائے عام کے انعقاد کا ایک نقشہ بنایا اور الحمدللہ سال کے دوران پشاور' لاہور' کوئٹہ' راولپنڈی اور سرگودہا میں جلسہ ہائے عام ہوئے۔ موضوع "پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کا مصطفوی طریق" رہا۔ ان جلسہ ہائے عام کی تفصیلات آپ 'میثاق' کے صفحات میں ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ الحمدللہ ان کے نتیجہ میں جہاں تنظیم اسلامی کے تعارف اور اس کے فکر و موقف کی نشر و اشاعت کا اہتمام ہوا' وہاں رفقائے تنظیم میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور ایک ٹیم کی حیثیت سے اجتماعی کام کرنے کا تجربہ اور صلاحیت پیدا ہوئی۔ کراچی میں دو تین دفعہ جلسہ عام کرنے کی کوشش ہوئی' لیکن نامساعد حالات اور موسم کی خرابی کے باعث مطلوبہ سطح پر انعقاد نہ ہو سکا۔ تاہم رفقاء نے محنت کی اور جزوی اور زونل سطح پر اس کے نتائج بھی برآمد ہوئے۔

مشاورتی نظام

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر مجلس مشاورت برائے سال ۹۱-۱۹۹۰ء کا انتخاب نہیں ہوا تھا اور یہ طے کیا گیا تھا کہ نئے نظام العمل کے مطابق ملتزم رفقاء کی بنیاد پر اس انتخاب کو جلد از

جلد مکمل کیا جائے، تاکہ نو منتخب مجلس مشاورت کا پہلا سہ ماہی اجلاس بروقت منعقد ہو سکے او سال کے دوران تنظیمی اور دعوتی امور کا جو نقشہ ہم نے طے کیا ہے اس کی طرف پیش قدمی کا اہتمام ہو سکے۔ چنانچہ جملہ ضروری انتظامات جلد مکمل کر کے جون کے وسط تک نئی مجلس مشاورت کے اراکین کا اعلان کر دیا گیا اور مجلس مشاورت کا پہلا سہ ماہی اجلاس ۱۰ر تا ۱۲ر جولائی منعقد ہوا۔ نظام العمل میں طے شدہ مشاورتی نظام کے مطابق تنظیم اسلامی میں مشاورت کے لئے چار سطحیں معین ہیں۔ اولاً امیر تنظیم اور مرکزی شعبہ جات کے ناظمین (یعنی مجلس عاملہ) ہفتہ وار اجلاس میں مشورہ کے بعد ضروری امور طے کرتے ہیں۔ ثانیاً ناظمین حلقہ جات ایک ماہوار اجلاس میں شریک ہوتے ہیں جس میں دیگر امور کے علاوہ علاقائی معاملات بھی زیر بحث آتے ہیں۔ ثالثاً معین مجلس مشاورت جس میں پورے پاکستان سے رفقاء کے منتخب نمائندے بھی شریک ہوتے ہیں۔ تین ماہ کے وقفہ سے اس کے اجلاس ہوتے ہیں۔ رابعاً 'توسیعی مشاورت' جس میں تمام رفقاء کے لئے اظہار خیال کا موقع ہوتا ہے۔ چنانچہ روزمرہ کے امور کے تصفیہ اور فوری معاملات میں مشاورت کے لئے سال کے دوران مرکزی اسرہ (یا مجلس عاملہ) کے ہفتہ وار اجتماع کا التزام رہا۔ اس اجتماع کے ماہوار اجلاس میں حلقہ جات کے ناظمین اور بڑی تنظیموں کے امراء کی شرکت بھی رہی۔ سال کے دوران معمول کے مطابق مجلس مشاورت کے اجلاس ہوئے، جن میں تنظیمی اور دعوتی امور پر مشورہ کے بعد مناسب فیصلے کئے جاتے رہے۔ رفقاء کے وسیع تر حلقہ کی آراء سے استفادہ کی خاطر سال کے دوران دو دفعہ 'توسیعی مشاورت' کے اجتماعات مرکز تنظیم میں منعقد کئے گئے۔ ضابطہ کے مطابق سال کے دوران 'توسیعی مشاورت' کا ایک اجتماع منعقد ہونا ضروری ہے جو کہ چار دن تک جاری رہ سکتا ہے۔ یہ اجتماع ۶ر تا ۹ر اکتوبر منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن اس میں زیادہ رفقاء نے دلچسپی نہیں لی۔ لہٰذا یہ اجتماع ایک ہی روز یعنی ۶ر اکتوبر کو جاری رہ سکا۔ ۷ر جنوری ۹۱ء کو 'توسیعی مشاورت' کا دوبارہ اہتمام کیا گیا، تاہم اس بار بھی حاضری حوصلہ افزا نہ تھی۔

تربیتی نظام

رفقاء کے مابین درجہ بندی اور ان کے لئے تربیتی و تنظیمی نصاب اور تربیت گاہوں کے نظام کو ہم نے تین سال قبل شروع کیا تھا۔ میاں محمد نعیم صاحب نے اولاً ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اور بعد ازاں ناظم تربیت کی حیثیت سے اس کے لئے محنت کی۔ الحمدللہ گزشتہ سالانہ اجتماع سے قبل ہم اس قابل ہو سکے تھے کہ ہم اپنے تنظیمی ڈھانچہ کو ملتزم رفقاء کی بنیاد پر استوار کر

سکیں۔ مجلس مشاورت کی تشکیل تو بھی انہی بنیادوں پر ہو گئی۔ نئے نظام العمل کی تنفیذ کے بعد تربیت گاہوں کے نظام اور درجہ بندی کے لئے تربیتی/ تنظیمی نصاب میں بعض بنیادی تبدیلیاں کی گئیں۔ ایک 'مبتدی رفیق' کے 'ملتزم' قرار دیئے جانے کا باقاعدہ طریق کار متعین ہوا۔ پہلے مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لئے الگ الگ تربیتی/ تنظیمی نصاب مقرر تھے۔ ان دونوں کو مختصر اور یکجا کر کے ایک ہی نصاب مقرر کیا گیا۔ ہفتہ وار احتسابی رپورٹس بھی مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لئے الگ الگ تھیں۔ اس نئے نصاب کی رپورٹنگ کے لئے 'ہفتہ وار احتسابی یادداشت' کی نئی کاپیاں تیار کروائی گئیں۔ ملتزم قرار دیئے جانے سے قبل صرف ایک ہفت روزہ تربیت گاہ میں شرکت ضروری قرار دی گئی جس کا نام 'مبتدی تربیت گاہ' طے ہوا۔ گزشتہ سال کے دوران سات مبتدی تربیت گاہوں کے انعقاد کا اہتمام ہوا' جن میں ۱۱۲ مبتدی رفقاء نے شرکت کی۔ ان میں سے ۱۸ ملتزم قرار پا چکے ہیں۔ بقیہ ابھی تربیتی نصاب مکمل نہیں کر سکے۔ ان میں ۷۷ رفقاء کی جانب سے مرکز میں رپورٹ موصول ہو رہی ہے۔ سال کے ابتدائی حصہ میں منعقدہ تربیت گاہوں میں تو رفقاء کی معقول تعداد نے شرکت کی' لیکن بعد ازاں حاضری کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہی۔ تربیت گاہوں کے انعقاد کی تاریخوں کا تعین کئی ماہ قبل کر دیا جاتا ہے اور اس کی اطلاع 'میثاق' اور مرکزی دفتر سے جارہ شدہ سرکلرز اور خطوط کے ذریعہ رفقاء تک پہنچتی رہتی ہے۔ ہمارے پرانے رفقاء میں کثیر تعداد ایسے رفقاء کی موجود ہے جو ابھی تک تربیت گاہ کے لئے وقت فارغ نہیں کر سکے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی اولین فرصت میں اس کا اہتمام کریں۔ تنظیم میں نئے شامل ہونے والوں کو ابتدا ہی میں تربیت گاہ اور تربیتی نصاب کے بارے میں معلومات فراہم کر دی جاتی ہیں۔ سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل مرکزی دفتر تنظیم اسلامی میں ۱۵ر تا ۲۱ر فروری ایک ہفت روزہ 'ملتزم تربیت گاہ' کا اہتمام ہوا ہے۔ الحمدللہ یہ تربیت گاہ بہت کامیاب رہی ہے۔ اس میں ۵۵ رفقاء نے شرکت کی جن میں سے چھ بیرون پاکستان سے تشریف لائے۔

اولاً کراچی میں سالانہ اجتماع سے قبل مبتدی تربیت گاہ کے پروگرام کا اعلان ہوا تھا جو کہ اصلاً بیرون پاکستان کے رفقاء کے لئے تھی لیکن بعد ازاں خلیج کی جنگ کی وجہ سے بیرون پاکستان سے رفقاء کم تعداد میں آنے کی توقع رہ گئی۔ لہٰذا آخر وقت میں اس کو ملتزم تربیت گاہ کی حیثیت سے منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اگرچہ اس کی اطلاع رفقاء کو دیر سے ملی تاہم شرکاء کی تعداد حوصلہ افزا قرار دی جا سکتی ہے۔

حلقہ جات

مقامی تنظیموں اور منفرد رفقاء کے لئے مرکز سے رابطہ کے ضوابط متعین ہیں۔ گزشتہ سالانہ اجتماع کے فوراً بعد ایک سرکلر کے ذریعہ ان کی یاددہانی کرائی گئی۔ مقامی تنظیموں کی تنظیمی دعوتی کیفیات اور بعض دیگر کوائف کو ایک یکساں انداز میں مرکز کو فراہم کرنے کے لئے ایک ماہوار رپورٹ کا خاکہ تیار کر کے مقامی تنظیموں کو مہیا کیا گیا۔ مرکزی دفتر میں ان رپورٹس کی باقاعدہ وصولیابی کی نگہداشت و متعلقہ امور کی جانچ پڑتال اور مناسب راہنمائی کا موثر انتظام کیا گیا۔ اس سال کے دوران حلقہ جات اور مقامی تنظیموں کے دفتری معاملات کو بہتر بنانے کے لئے بھی کچھ کوشش ہوئی ہے۔ اس کے نتیجہ میں الحمدللہ حلقہ جات اور مقامی تنظیموں کی جانب سے رپورٹس کی وصولی میں بالعموم باقاعدگی کی کیفیت ہے۔ البتہ وہاڑی اور فیروز والہ کی مقامی تنظیموں کی جانب سے اس سلسلہ میں کوتاہی ہوئی ہے۔ حلقہ جات کی ماہوار رپورٹس موصول ہوتی رہی ہیں اور مجلس عاملہ کے ماہوار اجلاس میں کارکردگی اور دیگر اہم امور کے جائزہ کے بعد امیر محترم مناسب ہدایات دیتے رہے ہیں۔

وہ علاقے جہاں پر حلقہ جاتی نظام باقاعدہ قائم رہا ہے' ان کے منفرد رفقاء سے رابطہ حلقہ جات کی ذمہ داری رہا ہے اور اس کا تذکرہ آپ کو ان کی رپورٹس میں مل جائے گا۔ حلقہ جنوبی پنجاب' لاہور اور شمالی پنجاب کے رفقاء سے رابطہ مرکزی دفتر سے ہوتا رہا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ ہر رفیق سے ماہوار رابطہ ہو' اگرچہ منفرد رفقاء کی جانب سے جواب کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں۔ حقیقتاً ایک منفرد رفیق بالعموم جماعتی برکات سے محروم رہتا ہے۔ اگر وہ اپنی دعوتی کوشش سے اپنا ایک حلقہ قائم نہیں کرتا تو اضمحلال کا شکار ہو کر زود یا بدیر اپنی سابقہ حالت میں لوٹ جاتا ہے اور تعلق قائم نہیں رکھ پاتا۔ لاتعلق رفقاء کو بھی یاددہانی کے خطوط گاہے بگاہے جاری ہوتے رہے ہیں۔ اور اس طرح بعض بھولے بسرے رفقاء کی بازیافت بھی ہوئی ہے۔ درجہ بندی اور تربیتی نظام کے حوالہ سے مرکزی دفتر کا متعلقہ رفقاء سے مضبوط رابطہ رہا ہے اور اس پہلو سے ہر رفیق کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ ہفتہ وار احتسابی رپورٹ مرکز میں موصول ہوتی ہے اور رپورٹس پر تبصرہ اور ہدایات پر مشتمل ایک ماہوار خط ہر متعلقہ رفیق کو ضرور ارسال کیا جاتا ہے۔ گزشتہ سال کے دوران رفقاء کی ہفتہ وار احتسابی رپورٹس کے علاوہ مرکزی دفتر تنظیم میں موصول ہونے والے خطوط کی اوسطاً ماہوار تعداد تقریباً ١٥٠ اور دفتر سے جاری ہونے والے خطوط کی اوسطاً ماہوار تعداد ٦٠٠ ہے۔ ہفتہ وار احتسابی رپورٹس کی تعداد میں [illegible]

سالانہ رپورٹ ۹۰۔ ۱۹۹۱ء

(مشرق وسطیٰ میں مقیم رفقاء)

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اس بات کا تذکرہ کر دیا گیا تھا کہ بیرون پاکستان عارضی طور پر مقیم ہمارے رفقاء (جو پاکستانی پاسپورٹ رکھتے ہیں) اصلاً تنظیم اسلامی پاکستان ہی کے نظم میں شمار ہوتے ہیں۔ گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ایسے رفقاء کی کل تعداد ۲۱۵ تھی' اور اس سال یہ تعداد ۲۴۹ ہے۔

تنظیمی کیفیت

گزشتہ سال کے دوران ایک تنظیم کا اضافہ ہوا جو کہ شارجہ میں مقیم ہمارے رفقاء پر مشتمل ہے۔ اس طرح ان علاقوں میں جاری ۵ تنظیمیں اور ایک اسرہ قائم ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام تنظیموں اور مرکز کے مابین دو طرفہ رابطہ مستقل اور مربوط بنیادوں پر استوار ہو چکا ہے۔ ہر تنظیم کی طرف سے باقاعدگی کے ساتھ ماہانہ رپورٹ موصول ہوتی ہے اور تنظیمی و دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر مرکز کی طرف سے ہدایات و مشورے دیئے جاتے ہیں۔

تنظیم اسلامی ابو ظہبی

اگرچہ اس ریاست میں تنظیم اسلامی کا قیام ۸۵ء ہی میں عمل میں آ چکا تھا لیکن اس کو اصل تقویت ۸۹ء کے رمضان المبارک میں امیر محترم کے دورہ ترجمہ قرآن سے حاصل ہوئی' جس کے نتیجے میں ۳۷ نئے رفقاء تنظیم میں شامل ہوئے۔ گزشتہ سالانہ اجتماع تک جناب نسیم الدین صاحب یہاں کے امیر تھے۔ اجتماع کے فوراً بعد اس بات کی توقع پیدا ہوئی کہ موصوف جلد ہی اپنے کاروبار کی بساط لپیٹ کر مستقل طور پر پاکستان منتقل ہو جائیں گے (جیسا کہ واقعتاً ہوا بھی)۔ اس کے پیش نظر اجتماع کے فوراً بعد امیر محترم نے محمد خالد صاحب کو تنظیم اسلامی ابو ظہبی کا امیر مقرر کر دیا اور اس وقت سے یہ الحمدللہ نہایت ہی احسن انداز میں اپنی ذمہ

داریاں نبھا رہے ہیں۔ خلیج کی صورتِ حال کی بنا پر خالد صاحب کو چھٹی نہیں مل سکی' لہٰذا وہ اجتماع میں شریک نہیں ہو سکے۔

ابو ظہبی کی تنظیم کے ۳۴ رفقاء کے علاوہ دوبئ' راس الخیمہ اور العین کے ۱۳ رفقاء کی ذمہ داری بھی ابو ظہبی کی تنظیم پر ہی ہے۔ مزید برآں تنظیم اسلامی شارجہ کی راہنمائی کے لئے بھی جناب محمد خالد صاحب وقتاً فوقتاً وہاں کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔

تنظیمی کیفیت

تنظیم اسلامی ابو ظہبی کو ۸ اُسروں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہاں پر یہ تقسیم بالکل نئے انداز میں یعنی مبتدی و ملتزم رفقاء کے حوالے سے ہے۔

ایسے اسرہ جات جو مبتدی رفقاء پر مشتمل ہیں' وہ اسرہ کے اجتماعات میں اپنے نصاب کی تکمیل کر رہے ہیں اور ملتزم رفقاء پر مشتمل اسرہ جات اپنے نصاب کو مکمل کر رہے ہیں۔ ملتزم رفقاء کے وہ اسرہ جات جو اپنے نصاب کی تکمیل کر چکے ہیں' انہیں گروپ کی شکل میں دعوتی کام پر لگا دیا گیا ہے۔

اسرہ جات کے ہفتہ وار اجتماعات کے علاوہ ماہانہ پوری تنظیم کی سطح پر ایک اجتماع ہوتا ہے جو زیادہ تر دعوتی و تربیتی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس میں منتخب نصاب کا درس' ادعیہ ماثورہ کا یاد کرنا' نماز با ترجمہ اور درس حدیث بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ امیر تنظیم کا خطاب بھی ہوتا ہے جس میں حالات حاضرہ کا تذکرہ بھی شامل ہوتا ہے۔

ابو ظہبی کی تنظیم مقامی دعوتی اجتماعات کے علاوہ گردونواح یعنی العین' دوبئ اور راس الخیمہ میں بھی ماہانہ ایک روزہ دعوتی پروگرام کر رہی ہے' جس میں درس قرآن کے علاوہ سوال و جواب کی نشست بھی رکھی جاتی ہے۔

درس قرآن کے حلقے

○ ... ابو ظہبی میں دو مرکزی حلقوں کے علاوہ ۱۰ مقامات پر ہفتہ وار درس قرآن کا پروگرام جاری ہے۔

○ ... العین میں بھی ایک ہفتہ وار درس قرآن کا پروگرام ہو رہا ہے۔

○ ... راس الخیمہ میں ویڈیو کیسٹ کے ذریعے ہفتہ وار درس قرآن ہوتا ہے۔

تربیت گاہیں

بیرون پاکستان ابو ظہبی تنظیم کو یہ منفرد مقام حاصل ہے کہ اس نے گزشتہ سال کے دوران دو تربیت گاہوں کا اہتمام کیا۔

پہلی تربیت گاہ ایک ہفتہ پر محیط تھی لیکن اس میں شرکاء نے جزوقتی شرکت کی۔ شرکاء تربیت گاہ سے سیدھے اپنی ڈیوٹی پر اور پھر ڈیوٹی سے براہ راست تربیت گاہ میں تشریف لے آتے۔ ۲۵ رفقاء نے اس تربیت گاہ میں شرکت کی۔

دوسری تربیت گاہ جمعرات اور جمعہ کے ایام میں ۴ ہفتوں پر مشتمل تھی۔ اس میں تقریباً ۴۰ حضرات نے شرکت کی۔

تنظیم اسلامی شارجہ

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر یہاں رفقا کی تعداد تو اگرچہ ۱۰ تھی لیکن ابھی تنظیم کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ اجتماع کے فوراً بعد ابو ظہبی کے امیر جناب محمد خالد صاحب نے شارجہ کے متعدد دورے کئے جس کے نتیجے میں پرانے رفقاء کو تحریک ملی اور کچھ نئے احباب بھی تنظیم میں شامل ہوئے چنانچہ وہاں نظم قائم کر دیا گیا اور جناب مشتاق حسین صاحب کو وہاں کا امیر مقرر کیا گیا۔ اس وقت وہاں پر رفقاء کی تعداد ۲۴ ہے۔

تنظیمی کیفیت

تین اسرے قائم ہیں' جن کے ہفتہ وار اجتماع باقاعدگی سے ہو رہے ہیں۔ ان اجتماعات میں عموماً تربیتی پروگرام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام رفقاء کا ایک ماہانہ اجتماع بھی ہوتا ہے۔ یہ تنظیم ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ اگر رفقاء اور ذمہ دار حضرات کی محنت جاری رہی تو امید ہے کہ جلد ہی یہاں تنظیم مربوط بھی ہوگی اور وسعت پذیر بھی۔

تین مقامات پر ہفتہ وار درس قرآن کا اہتمام ہو رہا ہے۔ ماہانہ رپورٹ اور احتسابی رپورٹ کے مندرجات پر مشتمل پروفارما بھی موصول ہونا شروع ہوگیا ہے۔

سعودی عرب

تنظیم اسلامی جدہ

یہاں پر ہمارے رفقاء کی تعداد گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر [illegible]

لیکن ابھی تقریباً ایک ماہ پیشتر جناب اصغر حبیب صاحب' جو تنظیم اسلامی جدہ کے امیر بھی رہے ہیں' کی مستقل طور پر پاکستان منتقلی کے باعث رفقاء کی تعداد ۸ رہ گئی ہے۔ نئے امیر جناب افتخار الدین صاحب مقرر کئے گئے ہیں۔

ہفتہ وار اور ماہانہ پروگرام باقاعدگی سے جاری ہیں۔ ہفتہ وار پروگرام میں درس قرآن' درس حدیث اور ترجمۃ القرآن کی کلاس ہوتی ہے۔ ماہانہ پروگرام کا ابتدائی حصہ دعوتی ہوتا ہے' جس میں ڈاکٹر صاحب کا خطاب یا درس بذریعہ ویڈیو کیسٹ دکھایا جاتا ہے۔ تنظیمی اجتماع میں گزشتہ ماہ کی کارروائی اور مختلف شعبوں کی رپورٹوں کو پڑھا جاتا ہے۔ آئندہ کے کام کے لئے مشورے اور فیصلے کئے جاتے ہیں۔ جدہ میں امیر محترم کے ویڈیو کیسٹ کی بہت مانگ ہے۔

تنظیم اسلامی ریاض

تنظیم اسلامی ریاض کے امیر جناب انور مسعود صاحب ہیں۔ رفقاء کی تعداد ۳۳ ہے جنہیں تنظیمی اعتبار سے تین اسروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تینوں اسروں میں علیحدہ علیحدہ پروگرام ہوتے ہیں' جن کی نوعیت بالعموم تربیتی و دعوتی ہوتی ہے۔ ان پروگراموں کا بڑا حصہ درس قرآن اور عربی کلاس پر مشتمل ہوتا ہے۔

پوری تنظیم کی سطح پر ہفتہ وار دعوتی ر تربیتی و تنظیمی اجتماع بھی ہوتا ہے۔ اس پروگرام کا دورانیہ چار' ساڑھے چار گھنٹے ہوتا ہے۔ اس میں امیر محترم کا درس یا خطاب بذریعہ ویڈیو کیسٹ دکھایا جاتا ہے۔ بعد میں مزید وضاحت کے لئے سوال و جواب کی نشست رکھی جاتی ہے۔ وقفہ کے بعد کا حصہ عموماً تنظیمی ہوتا ہے' جس میں پروگرام کی منصوبہ بندی اور تنظیمی امور طے کئے جاتے ہیں۔ درس قرآن کے حلقے بھی قائم ہیں' جن میں رفقائے تنظیم مدرّسین کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ تین مقامات پر عربی کی کلاسیں جاری ہیں۔

۲ تا ۳ جگہوں پر عورتوں کے حلقے میں بھی درس قرآن کا سلسلہ جاری ہے' جن میں ۱۰ تا ۱ خواتین حصہ لیتی ہیں۔ ہمارے رفقاء جناب عظیم الدین خان اور جناب خالد مسعود صاحب کی اہلیہ ان حلقوں میں درس قرآن دیتی ہیں۔ تنظیم اسلامی ریاض کے مرکز میں تجوید کی کلاس بھی جاری ہے' جو روزانہ ہوتی ہے۔ ۷ یا ۸ حضرات اس میں شرکت کرتے ہیں۔

نشرو اشاعت کا شعبہ بھی کافی مؤثر و متحرک ہے۔ ماہانہ تقریباً ۵۰۰ تا ۷۰۰ آڈیو اور ۱۵۰ ۲۰۰ ویڈیو کیسٹ نکل رہی ہیں۔ کتب بھی استفادہ کے لئے موجود ہیں۔ تقریباً ۲۵ رفقاء بھی

مبتدی نصاب کا کورس کر رہے ہیں۔ ماہانہ رپورٹ اور رفقاء کی احتسابی رپورٹ پر مشتمل پروفارما باقاعدگی کے ساتھ مرکز میں موصول ہو رہا ہے۔

تنظیم اسلامی الواسیع

رفقاء کی تعداد ۲۱ ہے۔ جناب غلام مصطفےٰ صاحب امیر ہیں۔ پوری تنظیم کا ہفتہ وار اجتماع بروز سوموار ہوتا ہے۔ اس میں ویڈیو کیسٹ اور منتخب نصاب کے درس اور درس حدیث کے علاوہ تنظیمی امور طے کیے جاتے ہیں۔ یہ پروگرام دو تا اڑھائی گھنٹے تک جاری رہتا ہے۔ اس کے علاوہ جمعہ کے روز بعد نماز عصر ویڈیو کیسٹ کا پروگرام ہوتا ہے۔ تقریباً تمام رفقاء کی رپورٹوں کے مندرجات پر مشتمل پروفارما اور ماہانہ رپورٹ باقاعدگی سے موصول ہو رہی ہیں۔ نشرو اشاعت کا شعبہ بھی مؤثر طور پر کام کر رہا ہے۔

دہران (اسرہ)

یہاں پر ہمارے چار رفقاء ایک جگہ یعنی ائیر پورٹ پر کام کرتے ہیں۔ تمام حضرات نے مبتدی کورس مکمل کر لیا ہے اور نقیب اسرہ جناب عبدالرزاق نیازی صاحب کی سفارش پر سب ہی کو ملتزم قرار دے دیا گیا ہے۔ خلیج کی جنگ شروع ہونے سے قبل تک ان حضرات سے رابطہ تھا، لیکن بعد ازاں جنگ کی فرنٹ لائن ہونے کے سبب رابطہ نہیں ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان ساتھیوں کو خصوصاً اور تمام پاکستانیوں اور مسلمانوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

منفرد رفقاء

۸ منفرد رفقاء میں سے جن حضرات سے باقاعدگی کے ساتھ رابطہ ہے، ان میں ملائشیا کے جناب نعیم غفور شیخ اور نیوزی لینڈ کے جناب محمد یوسف صاحب ہیں۔ باقی حضرات کو بھی خطوط تو لکھے گئے لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

سالانہ رپورٹ تنظیمِ اسلامی بیرونِ پاکستان

(OVERSEAS)

بابت سال ۱۹۹۰ء

بیرونِ پاکستان تنظیم اسلامی کے نمایاں مراکز' شمالی امریکہ میں شکاگو اور ٹورنٹو اور برطانیہ و فرانس میں لندن اور پیرس ہیں۔ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں قائم تنظیم کی شاخوں کو تنظیم اسلامی پاکستان ہی کا جزو قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ زیر نظر رپورٹ شکاگو' ٹورنٹو' لندن اور پیرس میں قائم تنظیم اسلامی کے مراکز کی گزشتہ سال کی کارکردگی کے بیان تک محدود رہے گی۔ تاہم اس رپورٹ کو ہر اعتبار سے مکمل اور Comprehensive رپورٹ سمجھنا درست نہ ہوگا' اس لئے کہ اس کے مرتب کرنے والے کا بیرون پاکستان تنظیموں سے براہ راست تعلق گزشتہ سال کے دوران برقرار نہ رہ سکا۔ اولاً وقتی طور پر اپنی سرکاری ملازمت Join کرنے اور ثانیاً مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں بعض ذمہ داریاں تفویض کئے جانے کے سبب سے راقم سال ۱۹۹۰ء کے دوران امیر تنظیم اسلامی کے بیرونِ پاکستان اسفار میں ان کا شریکِ سفر بننے کی سعادت سے محروم رہا۔ چنانچہ امریکہ' لندن اور پیرس کے رفقاء سے حسبِ سابق بالمشافہ رابطے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ لہٰذا یہ رپورٹ اگر رپورٹ سے زیادہ معذرت معلوم ہو تو محسوس نہ فرمایئے گا۔

سالِ گزشتہ کے دوران امیر تنظیم اسلامی کے بیرونِ ملک اسفار گزشتہ برسوں کی نسبت زیادہ رہے۔ ماہِ جون میں فرانس' سپین اور برطانیہ کا سفر درپیش ہوا۔ پھر اواخرِ اگست ISNA کنونشن میں شرکت کے لئے امیر محترم امریکہ تشریف لے گئے' واپسی پر ہفتے بھر کے لئے سعودی عرب ٹھہرے اور عمرہ ادا کرنے کا بھی موقع ملا۔ پھر اوائلِ دسمبر میں دوبارہ امریکہ جانا ہوا جہاں امیر محترم کو ایک انٹرنیشنل سیرت کانفرنس میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ اس سفر میں جاتے ہوئے پیرس میں مختصر قیام اور واپسی پر ملائشیا اور سنگاپور کے مختصر VISITS بھی شامل تھے۔ ان تمام اسفار کی مفصل روداد آپ 'میثاق' میں ملاحظہ فرما چکے ہیں' لہٰذا میں تفصیل میں نہیں جا رہا۔ یوں امیر محترم کو سالِ گزشتہ کے دوران دو بار یورپ اور دو ہی بار امریکہ کے رفقاء سے ملاقات کا موقع ملا۔ بلکہ امریکہ کے ذمہ دار رفقاء سے تین مختلف مواقع پر

ملاقات کا موقع نکل آیا۔ اس لئے کہ اسپین میں امیر محترم جس کونشن میں شرکت کے لئے گئے تھے' وہ بھی ہمارے امریکہ کے ساتھیوں ہی کا ترتیب دیا ہوا تھا۔

اس بار بار اور براہ راست ملاقات کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ امیر محترم کو وہاں کے رفقاء کے مسائل بالخصوص وہاں تنظیم کی پیش قدمی کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور وہاں تنظیم کے سکوپ (Scope) اور فروغ کے امکانات کا جائزہ لینے اور بالواسطہ مشاہدہ کرنے کا بہتر موقع ہاتھ آیا۔ چنانچہ امیر محترم نے یورپ اور امریکہ دونوں جگہ رفقائے تنظیم کے سامنے زیادہ واضح اور دو ٹوک انداز میں بیرونِ پاکستان تنظیم کے سکوپ اور لائحہ عمل کے بارے میں گفتگو کی اور ایک معیّن نقشہ ان کے سامنے رکھا۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۹۰ء کے میثاق میں امیر محترم کی وہ تقریر شائع ہو چکی ہے جس میں یہ تمام امور تفصیل سے زیر بحث آئے تھے۔

امیر محترم کے تجزیے کا لب لباب یہ تھا کہ امریکہ اور یورپ میں وہاں کے مخصوص حالات کے مطابق علیحدہ تنظیمِ اسلامی قائم ہونی چاہئے جس کی قیادت تحریکی ذہن رکھنے والے ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جو وہیں پلے بڑھے ہوں اور وہیں سے انہوں نے تعلیم پائی ہو تاکہ وہاں کے مخصوص حالات کے مطابق وہ صحیح طور پر کام کر سکیں۔

امیر محترم کی ان تقاریر سے جہاں رفقاء پر مثبت طور پر یہ بات واضح ہوئی کہ وہ بیرونِ پاکستان رہتے ہوئے تنظیم اسلامی کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکتے' وہاں اس کا ایک منفی اثر ان پر یہ پڑا کہ وہ نفسیاتی طور پر خود کو تنظیم اسلامی پاکستان سے منقطع محسوس کرنے لگے۔ اور وہاں چونکہ مقامی قیادت کی بنیاد پر مقامی تنظیمیں ابھی قائم نہیں ہو سکتیں لہٰذا یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ وہ لوگ نہ ادھر کے رہے' نہ ادھر کے رہے۔ گزشتہ سال کے دوران امریکہ کے مختلف شہروں میں قائم تنظیم کی شاخوں کا کوئی رابطہ راقم کے ساتھ نہیں رہا۔ نہ ان کی تنظیمی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی باقاعدہ رپورٹ موصول ہوئی۔ ہاں شکاگو کی حد تک برادرم ڈاکٹر خورشید ملک صاحب سے ذاتی سطح پر خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ برقرار رہا۔ شکاگو میں SSQ یعنی انجمن خدام القرآن کی سطح پر ایک قابلِ ذکر پیش رفت گزشتہ سال کے دوران یہ ہوئی ہے کہ رفیق محترم جناب فہیم چوہدری صاحب کو ہمہ وقت SSQ کے لئے فارغ کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا توقع ہے کہ فہیم صاحب ان شاء اللہ تنظیم اور انجمن دونوں شعبوں کی ترقی کا باعث بنیں گے۔

لندن

امیر محترم شبیر علی خاں صاحب کی کچھ ذاتی مجبوریوں کے باعث تنظیمی معاملات سرد بازاری کا شکار ہیں۔ ان کی کارکردگی کی کوئی باقاعدہ رپورٹ ہمیں موصول نہیں ہوتی رہی۔ ہاں ظہور الحسن صاحب اور ان کی اہلیہ اپنے طور پر تنظیم کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ بیگم ظہور الحسن وہاں ایک عربی کلاس چلا رہی ہیں۔ اس فیملی سے بذریعہ خط یا بذریعہ ٹیلی فون کبھی کبھار رابطہ ہو جاتا ہے۔

پیرس

فی الوقت بیرونِ پاکستان تنظیموں میں صرف پیرس کی تنظیم کی کارکردگی تسلی بخش قرار دی جا سکتی ہے۔ وہاں الحمدللہ تنظیمی نظم پوری طرح استوار ہے۔ ہفتہ وار اجتماعات کا انعقاد باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعے امیر محترم کے دروس سنوانے کا اہتمام بھی پابندی سے جاری ہے۔ رپورٹیں بھی باقاعدگی سے موصول ہو رہی ہیں۔ وہاں کی تنظیم کے فعال ہونے میں سب سے بڑا حصہ بجا طور پر رفیقِ محترم اعجاز لطیف صاحب کا ہے اور یہ ان کے اعجاز ہی کا مظہر ہے کہ بہت کم وقت میں انہوں نے وہاں تنظیمی نظم قائم کیا اور مثالی انداز میں قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ سچی بات یہ ہے کہ تنظیم کے حوالے سے انہیں اگر پیرس کا "نسیم الدین" قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جس طرح برادرم نسیم الدین صاحب نے ابو ظہبی میں تنظیم کو Organise کیا تھا' بالکل اسی انداز میں محترم اعجاز لطیف صاحب نے پیرس میں تنظیم کی بنیادوں کو اٹھایا ہے اور اب نسیم الدین صاحب ہی کی مانند وہ بھی دیارِ غیر سے پاکستان منتقل ہوگئے ہیں۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ اب کراچی میں اسی طرح active ہوں گے اور برادرم نسیم الدین کے دست و بازو ثابت ہوں گے۔

پیرس میں رفقاء کی کل تعداد ۱۱ ہے۔ سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل منعقد ہونے والی تربیت گاہ میں پیرس سے تین افراد شریک ہوئے ہیں' جن میں سے دو حضرات اشرف صاحب اور جاوید صاحب تنظیم کے باقاعدہ رفیق ہیں۔ اور ایک ساتھی سہیل صاحب مبصر کے طور پر شرکت فرما رہے ہیں۔ ویسے پیرس میں سہیل صاحب بھی تنظیمی کاموں میں رفقاء سے کسی طرح پیچھے نہیں رہتے۔ اشرف صاحب' جو تربیت گاہ Attend کر چکے ہیں اور اس سالانہ اجتماع میں شریک ہیں' اعجاز لطیف صاحب کے بعد پیرس کی تنظیم کے ذمہ دار ہوں گے۔ انہیں امیر کے طور پر نامزد کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو صحیح نہج پر آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مرتب : قمر سعید قریشی

ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی برائے بیرونِ پاکستان

[redacted]

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی کوئٹہ

از مارچ ۱۹۹۰ء تا فروری ۱۹۹۱ء

تنظیم اسلامی کے سولہویں سالانہ اجتماع میں تنظیم اسلامی کوئٹہ کی سالانہ رپورٹ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ حسبِ روایت سب سے پہلے کوئٹہ کی تنظیم کے قیام اور رفقاء کی تعداد کے بارے میں ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کوئٹہ کی تنظیم کا باقاعدہ قیام اپریل ۱۹۸۳ء میں عمل میں آیا۔ اس آٹھ سال کے عرصے میں بہت سے ساتھی اس مختصر سے قافلے میں شریک ہوئے، لیکن کوئٹہ چونکہ ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں سے ملازم پیشہ حضرات اکثر تبادلے کی فکر میں رہتے ہیں، لہٰذا ساتھی آتے رہے، جاتے رہے۔ اس وقت پاکستان کی بیشتر بڑی تنظیموں میں کوئٹہ کے فراہم کردہ رفقاء موجود ہیں جو کہ تنظیم کا سرمایہ ہیں۔ مثلاً مرکز میں میاں محمد نعیم صاحب، پشاور میں اشفاق احمد میر صاحب اور کراچی میں شعیب الرحیم صاحب۔ بہرحال اس وقت کوئٹہ میں رفقاء کی کل تعداد ۲۱ ہے ...... جس میں ۱۵ ملتزم، ۵ مبتدی اور ایک غیر متعلق رفقاء شامل ہیں۔ ان رفقاء میں سے اللہ کے فضل و کرم سے فعال رفقاء کی تعداد ۱۴ ہے۔

الحمدللہ کہ تنظیم میں شمولیت کے بعد رفقاء کے اندر عبادات سے شغف بڑھا ہے۔ اکثر رفقاء باجماعت نماز کا التزام کرتے ہیں اور وقت سے پہلے مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی و مالی معاملات میں بھی محتاط ہیں۔ اس وقت تنظیم اسلامی کوئٹہ کی ٹیم ان رفقاء پر مشتمل ہے:

۱۔ امیر تنظیم: محمد راشد گنگوہی

۲۔ ناظم بیت المال: سید برہان علی صاحب

۳۔ ناظم نشر و اشاعت: اقتدار احمد صاحب

۴۔ نقیب اسرہ شہر: جاوید انور صاحب

۵۔ نقیب اسرہ چھاؤنی: محمد امین صاحب

معتمد محبوب سبحانی صاحب محکمہ جاتی تربیت کے سلسلے میں ایک سال کے لئے ہالینڈ گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری فی الحال میں خود ہی نبھا رہا ہوں۔

تنظیمی کام اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک طور پر انجام پا رہے ہیں۔ البتہ دعوتی کام میں

مشکل پیش آ رہی ہے، اس لئے کہ درسِ قرآن یا تقریر وغیرہ کے لئے رفقاء کی کمی ہے۔ اسی طرح خواتین کے اجتماع میں درس قرآن یا تقریر کے لئے کوئی تنظیمی خاتون مہیا نہیں ہیں اور کارنر میٹنگ وغیرہ کے سلسلے میں بھی یہی دشواری ہے۔ بہرحال اللہ کے بھروسے پر کچھ رفقاء نے تنظیمی اجتماعات میں ہلکے پھلکے خطاب کی کوشش شروع کر دی ہے۔ فی الحال ایک رفیق درس قرآن دیتے ہیں، ان شاء اللہ العزیز مزید دو رفقاء درس قرآن کی تیاری شروع کریں گے۔

دسمبر ۱۹۹۰ء میں کوئٹہ کی تنظیم کو پہلی مرتبہ دو اسروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تقسیم سے اللہ کے فضل سے تنظیم کی کارکردگی میں اضافہ ہوا ہے۔

اجتماعات

ہفتہ میں ایک دفعہ اسرہ جاتی تنظیمی اجتماع ہوتا ہے، جس میں تنظیمی امور کے علاوہ امیر محترم کے خطاب جمعہ کی کیسٹ بھی سنی جاتی ہے۔

ہفتہ میں ایک دفعہ تنظیمی سطح پر رفقاء درس قرآن میں شرکت کرتے ہیں جو بدھ کے دن دفتر سے قریبی مسجد میں انجمن کے زیر اہتمام ہوتا ہے۔

مہینے میں ایک دفعہ تنظیمی سطح پر ماہانہ اجتماع ہوتا ہے، جس میں تنظیمی امور اور رفقاء کی کارکردگی کے جائزہ کے علاوہ لٹریچر، سیرتِ صحابہ اور سیرتِ رسول سے کچھ حصے بھی پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ رفقاء کو بھی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اظہارِ خیال فرمائیں۔ لہٰذا بعض رفقاء اظہار خیال کرتے ہیں جس سے دوسرے رفقاء استفادہ کرتے ہیں۔

ہر ماہ خواتین کا اجتماع منعقد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس میں رفقاء کی خواتین خاص طور پر شرکت کرتی ہیں۔ لیکن بوجوہ اس اجتماع کی کارکردگی اچھی نہیں ہے۔

پچھلے چار پانچ ماہ سے امیر محترم کے خطابِ جمعہ کی مدد سے مقامی تنظیم کی طرف سے اخبارات کو بیان جاری کئے جا رہے ہیں اور یہ بیانات روزنامہ "جنگ" اور "مشرق" میں ہفتے میں دو ایک مرتبہ شائع ہوتے رہتے ہیں۔

دعوتی سرگرمیاں

رفقاء اپنے حلقۂ احباب میں میثاق، ندا اور دیگر اہم کتب اور کیسٹس کے ذریعے تنظیم کی دعوت و تعارف پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں پچھلے دو تین ماہ سے کچھ افراد کو ہدف بنا کر کام کرنے کا آغاز کیا گیا ہے۔

[illegible] ہو گئے جس میں عام لوگوں

کے لئے درسِ قرآن، درسِ حدیث اور فرائضِ دینی کا جامع تصور بھی شامل تھے۔ رفقاء نے ان تربیتی پروگراموں کے دوران رات کو مسجد ہی میں قیام کیا۔

سال رواں کا اہم ترین پروگرام کوئٹہ کا جلسۂ عام تھا، جس میں امیر محترم نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے خطاب فرمایا۔ اگرچہ یہ انتخابات کی ہنگامہ خیزیوں کے دوران ہوا، تاہم یہ جلسہ توقعات سے زیادہ کامیاب رہا۔ جلسۂ عام کے دوسرے دن امیر محترم نے مسجد طوبیٰ میں قبل از جمعہ خطاب بھی فرمایا جس میں آپ نے جلسہ عام والی تقریر کی مزید وضاحت فرمائی۔

...... ☆☆☆ ......

اللہ کے فضل و کرم سے اکثر رفقاء نصاب کے مطابق اعانت ادا کرتے ہیں اور اکتوبر ۱۹۹۰ء میں ہونے والے جلسہ عام کے سلسلے میں بھرپور اعانت کی۔

جگہ، وسائل اور افراد کار کی کمی کے باعث مقامی طور پر رفقاء کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ بندوبست ممکن نہیں ہے، تاہم اس کی کمی مرکز کی تربیت گاہوں میں شمولیت سے کسی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔

تجاویز

۱۔ مرکز گاہے بہ گاہے دو یا چار ورقے کی شکل میں دعوتی لٹریچر مقامی تنظیموں کو فراہم کرے۔

۲۔ مرکز سے ذمہ دار حضرات وقتاً فوقتاً مقامی تنظیموں کا دورہ کیا کریں۔

۳۔ مرکز سے جو پریس ریلیز اخبارات کو جاری کئے جاتے ہیں، ان کی نقول مقامی تنظیموں کو فوراً مہیا کر دی جایا کریں۔

مرتب: محمد راشد گنگوہی (امیر تنظیم اسلامی کوئٹہ)

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی پشاور

اگرچہ تنظیم اسلامی پاکستان کی تاسیس ۱۹۷۵ء میں لاہور میں ہوئی تھی، تاہم پشاور میں اس قافلۂ سخت جان کی دعوت ۱۹۸۱ء میں پہنچی، جب امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تین روزہ دورے پر پشاور تشریف لائے۔ اس موقع پر سنہری مسجد پشاور میں دو روز تک سورۃ الحج کے آخری رکوع کا درس ہوا تھا، جبکہ تیسرے روز سوال و جواب کی ایک نشست منعقد

ہوئی تھی اور اسی موقعے پر اسرہ تنظیم اسلامی پشاور کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ۱۹۸۳ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اسرہ پشاور کو تنظیم کا درجہ دے دیا گیا اور جناب صلاح الدین صاحب کو تنظیم اسلامی پشاور کا پہلا امیر مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جناب فہیم صاحب کو امیر اور راجہ سردار احمد صاحب کو قیم بنایا گیا۔ جناب فہیم صاحب کی رہائش چونکہ پشاور سے بہت دور باجوڑ میں تھی' اس لئے اسی اثنا میں راقم الحروف (اشفاق احمد میر) جب کوئٹہ سے پشاور منتقل ہوا' تو اسے پشاور کی تنظیم کا امیر مقرر کیا گیا۔ تب سے اب تک تنظیم اسلامی پشاور کا قافلہ میری نگہداشت میں رواں دواں ہے۔

الحمدللہ جب سے تنظیم اسلامی پشاور قائم ہوئی ہے' اس کا ہر آنے والا دن ترقی کی جانب رواں دواں ہے۔ گزشتہ سال کے دوران اور اس سال تنظیم اسلامی پشاور میں کافی استحکام پیدا ہوا ہے اور اسی لحاظ سے دعوتی سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

تعداد رفقاء

گزشتہ سال فروری ۹۰ء میں رفقاء کی کل تعداد ۳۵ تھی' جن میں سے ملتزم رفقاء ۱۲ اور مبتدی ۱۰ تھے' جبکہ باقی ۱۳ حضرات غیر فعال کے زمرے میں آتے تھے۔ الحمدللہ کہ اس سال رفقاء کی تعداد ۵۳ ہے جن میں سے ۴۰ مبتدی اور ۱۳ ملتزم رفقاء ہیں۔

اسرہ جاتی نظم

سال گزشتہ کو امیر محترم نے پیش قدمی کا سال (Launching Year) قرار دیا تھا اور گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر امیر محترم نے تمام تنظیموں کو توڑ کر نئے سرے سے ڈھانچہ بنانے کا اعلان فرمایا تھا۔ اسی سلسلے میں امیر محترم نے ماہ مئی کے اواخر میں پشاور کا دورہ فرمایا تھا اور پشاور کی تنظیم کو تین اسروں یعنی (۱) اسرہ شہر' (۲) اسرہ صدر اور (۳) اسرہ یونیورسٹی میں تقسیم فرمایا۔ اور وارث خان صاحب' جمشید عبداللہ صاحب اور حافظ عرفان صاحب کو بالترتیب نقیب مقرر فرمایا۔

اجتماعات

تنظیم اسلامی پشاور کے ہفتہ وار اجتماع کو ختم کر کے اسے مہینے میں ایک بار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جبکہ ہر اسرے کا ایک ہفتہ وار اجتماع منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے علاوہ پشاور شہر اور یونیورسٹی کے اسرہ کے تحت ایک ہفتہ وار دعوتی پروگرام بھی ہوتا ہے۔

الحمدللہ پچھلے سال کے دوران پشاور کی تنظیم کی دعوتی سرگرمیوں میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ پشاور تنظیم کے تحت پہلے صرف ایک دعوتی پروگرام ہوتا تھا' جبکہ اسرہ جاتی نظام کے تحت اب دو ہفتہ وار پروگرام باقاعدگی کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اسرہ شہر کے نقیب جناب وارث خان صاحب کے دو' جناب ڈاکٹر محمد مقصود صاحب کے دو' اور محمد مقبول صاحب' مراد علی شاہ صاحب اور جاوید اسلام صاحب کا ایک ایک ہفتہ وار درس بھی مختلف مقامات پر باقاعدگی سے منعقد ہو رہا ہے۔ مزید برآں تین رفقاء جناب وارث خان صاحب' جناب ڈاکٹر محمد مقصود صاحب اور جمشید عبداللہ صاحب تین مختلف مساجد میں جمعہ کا بیان بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہفتہ وار ویڈیو پروگرام تنظیم اسلامی پشاور کے دفتر میں بھی منعقد ہوتا ہے۔ اسرہ شہر کے تحت مختلف کالجوں اور الیکشن ۹۰ء کے دوران جلسوں کے موقعوں پر امیر محترم کی کتب اور رسائل کے سٹال لگا کر تنظیم کی دعوت کو آگے بڑھایا گیا۔

تنظیم کے زیر اہتمام اگرچہ الحمدللہ کافی اچھے انداز میں دعوتی سرگرمیاں جاری ہیں لیکن اس کے باوجود چند چیزیں تنظیم کی دعوت کے سلسلے میں اثرانداز ہو رہی ہیں جن میں سب سے بڑھ کر ہماری اپنی کم مائیگی ہے۔ اس کے علاوہ تنظیم کے لٹریچر کا سلیس زبان میں نہ ہونا اور پشتو زبان میں کسی کتاب کا نہ ہونا وغیرہ بھی بنیادی وجوہات ہیں۔

تنظیم میں شمولیت کے بعد رفقاء کی دینی کیفیت میں بحیثیت مجموعی چند چیزوں میں اضافہ اور چند میں کمی واقع ہوئی ہے۔ ملتزم رفقاء کی نمازوں کی کیفیت تو الحمدللہ اچھی ہے تاہم خشوع و خضوع اور نوافل وغیرہ میں کمی کو رفقاء خود بھی محسوس کرتے ہیں۔ تمسک بالقرآن کی کیفیت بھی اچھی ہے۔ معاشرتی معاملات میں بھی رفقاء اپنی سی کوشش کرتے ہیں۔ پردہ کے معاملہ میں پورے طور پر شرعی پردہ کے اہتمام میں کوتاہی ہے' البتہ رفقاء اپنی حد تک پردہ کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کاروباری معاملات میں اصلاح کی صورت حال بھی بہتر ہے۔

میں اپنی تنظیم کے ذمہ دار حضرات کی کارکردگی سے بحیثیت مجموعی مطمئن ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ ٹیم کے ساتھ تنظیم کی دعوت اور وسعت کا کام احسن طریقے کے ساتھ سرانجام دے سکتا ہوں۔ والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

منجانب: اشفاق احمد میر
امیر تنظیم اسلامی پشاور

کی نصرت بایں معنی کہ دین اللہ کا ہے ... اور رسول ؐ کی نصرت اس حوالے سے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا اصلاً رسول ؐ کا فرض منصبی ہے۔ یہ دونوں نسبتیں ہمارے منتخب نصاب کے آخری مقام سورۃ الحدید میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہیں: **ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب** کہ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وہ جانثار اور وفادار بندے جو غیب میں رہتے ہوئے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ تو یہ نصرتِ خداوندی اور نصرتِ رسل ہی گویا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اصل ماہیت' اس کی اصل حقیقت' اس کا لب لباب اور اس کا خلاصہ ہے۔ آگے "**من انصاری الی اللہ**" کے جواب میں حوار یین مسیح کا جواب نقل ہوا ہے:

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ "حواریین نے کہا کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے!"

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ

"پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا (حضرت مسیح علیہ السلام پر) اور ایک گروہ کفر پر اڑا رہا"۔

اللہ کی تائید سے اہل ایمان کا غلبہ

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝

"تو ہم نے تائید فرمائی ان کی جو ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں' اور (بالآخر) وہی غالب ہوئے!"

یہاں "**فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ**" میں وہی لفظ "اظہار" اسم فاعل کی شکل میں آیا ہے جو "**لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ**" میں بطور فعل آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا دنیا میں غالب ہوئے اور اللہ کے رسول کا انکار کرنے والے یہودی مغلوب ہوئے۔ اور تاریخ میں پھر وہ ادوار بھی آئے' کہ جن میں ان کے لئے اپنا کوئی تشخص برقرار رکھنا بغیر اس کے ممکن نہیں رہا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام لیواؤں کی پناہ میں آئیں اور ان کے دامن میں اپنے آپ کو چھپائیں۔ تاریخ انسانی کے دوران وقفے وقفے کے بعد ان پر عذاب خداوندی کے کوڑے بھی برستے رہے۔ کبھی بخت نصر کے حملے

صورت میں ان پر عذابِ الٰہی آیا اور کبھی ٹائٹس رومی کی صورت میں ان پر قہرِ
وندی نازل ہوا۔ اس صدی میں ہٹلر کے ہاتھوں ان پر قیامت ٹوٹی۔ لیکن بہرحال
یخ کی یہ انمٹ شہادت ہے کہ وہ اس وقت سے ہمیشہ مغلوب ہی رہے ہیں۔ اس وقت
ہر دنیا میں ان کی کچھ چلت پھرت اور کچھ حیثیت و مقام نظر آتا ہے لیکن وہ بھی حضرت
ٰی علیہ السلام کے نام لیواؤں کے طفیل اور ان کے سہارے پر ہے۔ اور اگر یہ آج کچھ
ے رہے ہیں تو انہی کے کھونٹے پر کہ جو چاہے حضرت عیسیٰؑ کے صحیح معنی میں متبعین
ں ہیں' لیکن بہرحال ان کے نام لیوا ہیں۔

یہاں یہ سورۂ مبارکہ ختم ہوتی ہے۔ اب چند جملوں میں اس کا لب لباب ذہن نشین
ر لیجیے۔ سورۂ مبارکہ کا مرکزی مضمون ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ
ثت اور اس کی تکمیلی اور امتیازی شان یعنی وہ دین حق جو آپ دے کر بھیجے گئے اسے
پورے نظامِ زندگی پر بالفعل قائم کرنا' غالب کرنا' رائج کرنا' نافذ کرنا۔ اور وہ جو ایمان
رکھتے ہوں اللہ پر اور ایمان رکھتے ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' ان کا فرض منصبی ہے
س مقصد کے لئے جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنا۔ وہ اگر یہ کرتے ہیں تو ان کے لئے
سب کچھ ہے۔ مغفرت بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والے رہائشی باغات میں ان کو بہترین
مکانے بھی میسر آجائیں گے۔ ان پر اللہ کی طرف سے انعام و اکرام اور اعزاز کی بارش
ہوگی۔ پھر یہ کہ مزید اس دنیا میں بھی نصرت اور فتح کے وعدے ہیں۔ اور مزید برآں یہ کہ
ان کی اس طرح قدر افزائی ہوگی اور وہ بلند مقام انہیں ملے گا کہ وہ اللہ اور اس کے
رسول کے مددگار قرار پائیں گے۔ اور اگر نہیں کرتے ہیں تو عذابِ الیم سے چھٹکارا پانے
کی امید بھی امید موہوم ہے' بلکہ یہ اللہ کے غضب کو بھڑکا دینے والی بات ہے کہ انسان
زبان سے دعوائے ایمان کرے' اللہ اور اس کے رسول کے ماننے کا اقرار کرے اور
بالفعل اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے انکار کردے!! ○○

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بقیہ : عرضِ احوال

رفقاء و احباب جو اس کے لئے پورا سال فارغ نہ کر سکتے ہوں' اگر پہلے چھ ماہ کے لئے شریک ہو جائیں' تو بھی یہ ان کے لئے عربی کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر سکتا ہے۔ یاد رہے کہ داخلے کے لئے انٹرویوز ۲۵ر اپریل (اغلباً ۹ شوال) کو ہوں گے اور تدریس کا آغاز اس کے دو روز بعد' ۲۷ر اپریل سے شروع ہو جائے گا۔ اس کورس میں داخلہ کے خواہشمند حضرات کو اپنی درخواستیں عیدالفطر سے قبل ارسال کر دینی چاہئیں۔

☆☆☆

'میثاق' کے زیر نظر شمارہ کا ایک قابل لحاظ حصہ تنظیم اسلامی کی سال گزشتہ کی کارکردگی پر مبنی سالانہ رپورٹوں پر مشتمل ہے اور اس طرح یہ گویا ایک اعتبار سے "رپورٹ نمبر" کی سی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہ رپورٹیں فروری میں منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع میں پیش کی گئی تھیں۔ پرچے کی تنگ دامانی کے باعث تمام علاقائی تنظیموں کی رپورٹیں اس اشاعت میں شامل نہیں کی جا سکیں۔ تنظیم اسلامی لاہور اور حلقہ خواتین کی رپورٹیں قبل ازیں 'ندا' میں شائع کی جا چکی ہیں' لیکن انہیں بھی ان شاء اللہ باقی ماندہ رپورٹوں کے ساتھ 'میثاق' کی کسی قریبی اشاعت میں شامل کر دیا جائے گا' تاکہ رفقائے تنظیم کے لئے ان کا مکمل ریکارڈ تیار ہو جائے۔

گزشتہ ماہ تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء نے کراچی میں امیر محترم کے خطاب عام میں شرکت اور وہاں پر ٹی بورڈز کے ساتھ ایک خاموش مظاہرہ کرنے کی غرض سے کراچی کا سفر کیا۔ یہ تین روزہ سفر جو خود اپنی جگہ ایک بھرپور تنظیمی و دعوتی سفر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک متحرک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا تھا' رفقائے لاہور کے لئے ایک نہایت خوشگوار تجربہ تھا۔ اس سفر پر مبنی مکمل رپورتاژ بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

امیر تنظیم اسلامی کے ۸ مارچ کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور۔ ۸ مارچ۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمارے وطن میں جمہوریت کا پودا اب جڑیں پکڑنے لگا ہے اور وزیر اعظم نواز شریف صنعت و حرفت اور تجارت کو استحکام دینے کے لئے بہت حوصلہ افزا کام کر رہے ہیں۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ کے آخر میں حالات حاضرہ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ انتظامیہ کی تطہیر شروع کر دی گئی ہے اور اگر اسے استقامت سے جاری رکھا گیا' جس کے آثار نظر بھی آنے لگے ہیں تو ہمارے ملک کی اس روگ سے گلوخلاصی ہو جائے گی جو بد عنوان افسر شاہی کی وجہ سے قومی زندگی کے ہر پہلو کو لگ گیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ٹیکسوں کے نظام کی اصلاح کے ساتھ متعلقہ محکموں کی بھی صفائی ضروری ہے جس کے بغیر ٹیکس دہندگان میں یہ اعتماد پیدا نہیں ہو گا کہ ان کی دیانت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس حساب کتاب کو تسلیم کر لیا جائے گا جو وہ احساس ذمہ داری کے تحت پیش کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی نظر آنا چاہئے کہ سرکاری خزانے میں ان کی طرف سے جمع کرائی جانے والی رقوم پوری کی پوری ملک و قوم کی فلاح و بہبود پر ہی خرچ ہو رہی ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے حکمران جماعت کے پیپلز پارٹی سے کھلے اور درپردہ رابطوں کو بھی سراہا جن کے نتیجے میں آٹھویں ترمیم کی وہ تلوار منتخب حکومت کے سر پر لٹکی نہ رہے گی جو ہمارے نئے جمہوری انتظام کے آغاز ہی سے لٹکی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آٹھویں ترمیم کی موجودگی میں پارلیمانی جمہوریت ایک دھوکا اور فریب ہے۔ آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ پارلیمانی نظام پسند نہیں تو صدارتی نظام اختیار کر لیں لیکن پارلیمانی نظام کو برقرار رکھ کر اس پر ایک دستوری ترمیم کے ذریعے صدر کو مسلط کر دینا ہرگز مناسب نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میرے نزدیک صدارتی نظام اگرچہ اسلام کے سیاسی نظام کے مزاج سے قریب تر ہے' تاہم بحالات موجودہ مطلوب شے جمہوریت کا استحکام ہے اور قوم اتفاق رائے سے اس کے تحت اگر پارلیمانی نظام رکھنا چاہتی ہے تو اس میں بھی کوئی بات خلاف اسلام نہیں۔ ون یونٹ میں بھی بڑی برکت تھی' کاش وہ چل سکتا مگر میری رائے میں فوقیت بہرحال ملک کے سب صوبوں اور علاقوں کے قلبی اطمینان کو حاصل ہے۔ خارجہ پالیسی کے ضمن میں روس' ایران اور بھارت کے ساتھ تعلقات کو نئی بنیادوں پر استوار کرنے کی اپنی تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ کسی بھی آزاد و خود مختار ملک کی خارجہ حکمت عملی کوئی جامد شے نہیں ہوتی بلکہ آس پاس کے حالات اور بین الاقوامی سیاسی تبدیلیوں سے اثر قبول کرتے ہوئے بدلتی رہنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کے معاملے میں ہمارے ایک محب وطن حلقے کے جذبات بہت نازک ہیں لیکن حقائق ان لوگوں کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہیں ہونے چاہئیں۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں کیا جا رہا کہ آج بھارت جمہوریت کی معراج سے نیچے کی طرف لڑھک رہا ہے اور وہاں سیاسی حالات عدم استحکام کا وہ رخ اختیار کر رہے ہیں' جو پاکستان میں پچاس کے عشرے کے دوران پایا گیا تھا جبکہ پاکستان اس اعتبار سے پاتال سے اٹھ کر بلندی کی طرف جا رہا ہے اور یہی وقت ہے جب ہم بھارت کے ساتھ برابری کی سطح پر معاملہ کرنے کی بات سوچ سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر بش کتنے ہی سہانے وعدے کریں' وقت آنے پر امریکہ وہی کچھ کرے گا جو یہود کو پسند ہو گا کیونکہ دنیا کی یہ واحد سپرپاور پوری طرح صیہونیت کے پنجے میں ہے اور اس کی تاریخ گواہ ہے کہ یہود کے مفاد کے خلاف قدم اٹھانا تو بڑی بات ہے' ان کے خلاف بولنے والی زبان بھی ہمیشہ کے لئے خاموش کر دی گئی۔ کوئی امریکی کانگرس مین یا سینیٹر حتیٰ کہ صدر تک صیہونیت کو ناخوش کرنے کے بعد اپنی جگہ برقرار نہ رہ سکا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ دوسری طرف روس آج پھر انہی حالات سے دوچار ہے' جن سے ستر (۷۰) برس پہلے دوچار تھا۔ وہاں کیمونزم مر چکا ہے۔ وہ ایک نظام سے جان چھڑا چکے ہیں لیکن کوئی متبادل نظام تاحال ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ اس خلاء سے ہم اسلام کو اپنے ملک میں نافذ کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو روشنی کا مینار ثابت ہو گا۔ انہوں نے اپنے اس موقف کا اعادہ کیا کہ روس اور بھارت کے ساتھ پاکستان کو برابری کی سطح پر مصالحت کا رویہ اختیار کر کے ان دونوں ممالک اور ایران و چین کے اشتراک کے ساتھ ایک نئے اور مضبوط بلاک کی داغ بیل ڈالنی چاہئے جو اس علاقے کو امریکہ کی تھانیداری سے آزاد رکھ سکے۔ ○○

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد :	۴۰
شمارہ :	۵
شوال المکرم	۱۴۱۱ھ
مئی	۱۹۹۱ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرتعاون	-/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶- امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹- امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲- امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

حکومت کی جانب سے پیش کردہ مجوزہ شریعت بل آج کل دینی حلقوں میں بحث کا اہم ترین موضوع بنا ہوا ہے۔ "شریعت بل" کا اپنا ایک مخصوص تاریخی پس منظر ہے جس کے باعث ملکی تناظر میں اس کی اہمیت کئی چند ہو گئی ہے۔ سب سے پہلے جونیجو کے دو حکومت میں اس بل کی تشکیل ہوئی اور اس کی بنیاد پر دینی تنظیموں کا ایک متحدہ محاذ وجود میں آیا جس کی ہاؤ ہو کچھ عرصے تک ملک کے طول و عرض میں خاصی نمایاں رہی' یہ الگ بات ہے کہ وہ محض ایک وقتی ابال ثابت ہوا۔ پھر پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں وہ بل کسی قدر ترمیم کے ساتھ سینٹ میں منظور ہوا اور اُس وقت اپوزیشن پارٹی نے اس کی نہ صرف بھرپور سرپرستی کی' بلکہ اسے اپنے سیاسی مقاصد کے ساتھ باقاعدہ نتھی کر لیا۔ اب حکومت کی جانب سے ایک تیسرا شریعت بل پیش ہوا ہے جو بعض اعتبارات سے اُس سابقہ شریعت بل سے مختلف ہے جو سینٹ میں منظوری کے مراحل سے گزر چکا تھا۔ ملک کے نمایاں دینی حلقوں نے تادمِ تحریر بحیثیت مجموعی موجودہ شریعت بل کو مسترد کر دیا۔ اور موجودہ حکومت سے اس باب میں سخت احتجاج کیا ہے کہ وہ شریعت بل کیا ہوا جو سینٹ میں منظور کیا گیا تھا اور جسے اس سیاسی جماعت کی بھرپور سرپرستی حاصل تھی جو اب ایوانِ حکومت میں جلوہ افروز ہے، اور اس بل کو سرکاری بل کی حیثیت سے اسمبلی میں پیش کرنے سے گریز کی روش کیونکر اپنائی جا رہی ہے! رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے موجودہ شریعت بل پر اپنے خیالات کا اظہار ماہ اپریل کے آخری دو اجتماعاتِ جمعہ میں فرمایا۔ ۱۹ر اپریل کے خطبہ میں امیر محترم نے وزیر اعظم نواز شریف کی اسمبلی کی تقریر کے حوالے سے ان کے نیک ارادوں اور نیک تمناؤں کے اظہار پر اطمینان ظاہر کرتے ہوئے اُس مجوزہ آئینی ترمیم کا خیر مقدم کیا جس کے بارے میں یہ نوید سنائی گئی تھی کہ وہ شریعت بل کے ساتھ ہی اسمبلی میں منظوری کے لئے پیش کر دی جائے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ہنوز پردۂ غیب ہی میں ہے۔ امیر تنظیم کی یہ تقریر قریباً مکمل صورت میں "ندا" کے تازہ شمارے میں شامل۔

پھر ۲۶؍ اپریل کے خطبۂ جمعہ میں موجودہ سرکاری شریعت بل پر تفصیل سے اظہار خیال کرتے ہوئے اس کا بھرپور تجزیہ شرکائے اجتماع کے سامنے رکھا۔ اور بل کے بارے میں نو دینی جماعتوں کے متفقہ موقف کی بھرپور تائید و تصویب کرتے ہوئے ایک قرارداد کی صورت میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ اسی سابقہ شریعت بل کو سرکاری بل کی حیثیت سے پیش کیا جائے جو قبل ازیں سینٹ کا ہفت خواں عبور کر چکا ہے۔ تاہم محترم ڈاکٹر صاحب نے واضح فرمایا کہ سابقہ شریعت بل میں بھی دو خلا ایسے باقی رہ گئے تھے جنہیں اب فی الفور دور کیا جانا چاہئے۔ ایک کا تعلق سودی معاہدات کے ساتھ ہے جبکہ دوسرا بندوبست اراضی سے متعلق ہے۔ یہ تقریر چونکہ مکمل شکل میں زیر نظر شمارے میں شامل ہے لہٰذا اس کی تفصیل قارئین متعلقہ مضمون میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس موقع پر شرکائے اجتماع کی جانب سے جو متفقہ قرارداد منظور کی گئی' اسے اجتماع کے شرکاء ہی کے خرچ پر نمایاں اشتہار کی صورت میں ملک کے چوٹی کے تین اخبارات میں شائع کرایا گیا۔ قارئین "میثاق" کی دلچسپی کے پیش نظر اس قرارداد کو بھی شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف کی مکمل نمائندگی کے پیش نظر ۱۹؍ اپریل کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز بھی انہی صفحات میں شامل ہے۔

☆ ☆ ☆

قرآن کالج میں ایف اے کلاس کے نئے داخلوں کے بارے میں کالج انتظامیہ کی جانب سے تاریخوں کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ٹائٹل کے اندرونی صفحے پر اس ضمن میں ایک تفصیلی اعلان ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کے لئے یہ اطلاع باعثِ مسرت ہوگی کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس کی جانب رفقاء و احباب کے رجوع میں بحمد اللہ مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بنیادی عربی قواعد' تجوید' قرآن حکیم کے منتخب اسباق اور کم و بیش دو پاروں کے ترجمے پر مشتمل یہ دینی نصاب عربی گرامر سیکھنے اور قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی کے حصول میں اللہ کے فضل و کرم سے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ آئندہ سے ارادہ یہ ہے کہ ایک سال کے دورانئے پر مشتمل اس کورس کو دو سمسٹرز میں تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ ہر چھ ماہ بعد نئے داخلے دیئے جا سکیں اور اس طرح ایک سال کے دوران بیک وقت دو کلاسوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو

چلایا جا سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین میثاق' قرآن کالج اور اس کی تعلیمی اسکیموں سے استفادے کے کسی موقع کو ضائع نہیں کریں گے اور رجوع الی القرآن کی اس تحریک میں بقدر استطاعت اپنا حصہ ضرور ادا کریں گے جو تنظیم اسلامی کے لئے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ○○

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۹ر اپریل کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور : ۱۹ر اپریل۔ ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان کے مسلمانوں سے درخواست کی ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف کے حق میں استقامت کی دعا کی جائے اور خود وزیر اعظم کو مشورہ دیا کہ انہوں نے نفاذِ شریعت کا ارادہ خلوص و اخلاص سے کیا ہے تو اس امر کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کریں کہ اگر اس کوشش میں اقتدار اور شریعت میں سے ایک چیز کے انتخاب کا مرحلہ آ جائے تو وہ اسلام کے کسی جزو کے لئے بھی طویل سیاسی عمل اور شدید محنت کے بعد ملنے والی حکومت سے ہاتھ دھونے پر آمادہ ہوں گے اور یہ بھی کہ اپنے بارے میں یہ کہنا چھوڑ دیں کہ میں فنڈا منٹلسٹ نہیں ہوں۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماعِ جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نواز شریف کے بارے میں مجھے کچھ ایسے لوگوں نے رائے دی ہے جن کی دیانت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ معاشرے کو اسلامی نظام کے اجتماعی عدل و قسط کی برکات سے روشناس کرانے کا عزم کر چکے ہیں شریعت جس کا محض قانونی پہلو ہے۔ یہ عزم قابل مبارکباد ہے لیکن اس میں کامیابی کے حصول کے لئے سیاسی اور حکومتی مصلحت سے بالاتر ہونا اور خود اپنے اقتدار کو بھی داؤ پر لگانا ہوگا۔ اس معاملے میں انہوں نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمنٹ میں وزیر اعظم کی تقریر میں الفاظ کسی کے بھی ہوں' جذبات ان کے اپنے تھے جن کی بڑے خلوص سے قدر کی جانی چاہئے البتہ یہ اصرار ہرگز مناسب نہ تھا کہ انہیں بنیاد پرست نہ سمجھا جائے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگرچہ جناب نواز شریف نے یہ وضاحت کر کے اچھا کیا کہ میں فنڈا منٹلسٹ نہیں جو زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکے لیکن پھر بھی اپنے نام کو بنیاد پرستوں میں سے خارج کرانے کی کوشش میں مغرب کو خوش کرنے کی خواہش چھپی ہوئی۔ جبکہ ضرورت اسے یہ بتانے کی ہے کہ ہم اسلام کی بنیاد یعنی اصولوں پر ہرگز سمجھوتہ نہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ نظامِ اسلام کا شجرِ طیبہ جس کی شاخیں آسمان کو چھوتی ہیں' اپنی مضبوط

جڑوں پر ہی کھڑا رہ سکتا ہے۔
ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جو سرکاری شریعت بل اگلے روز قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا' اس پر کچھ کہنا قبل از وقت ہے کیونکہ تاحال وہ بے سروپا ہے۔ اس کا سر وہ دستوری ترمیم تھی جسے لانے کا اعلان کیا گیا لیکن خبر نہیں راتوں رات اس پر کیا گزری کہ اسے دن کی روشنی نصیب نہ ہو سکی۔ شاید وزیر اعظم سے بالا کوئی قوت موجود ہے جو آڑے آئی۔ اس کے پاؤں یا دست و بازو سرکاری بلوں کا وہ مربوط سلسلہ ہے جس کی تفصیل تو سامنے آ چکی لیکن خود انہیں ابھی پیش ہونا ہے۔ وزیر اعظم نے بجا طور پر اسے پیکیج کہا اور جب تک یہ پورے کا پورا پیش نہ کر دیا جائے اس پر تبصرے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا تاہم اس کی شق ۱۸ اور ۱۹ پر مشتمل ایک یقین دہانی سخت قابل اعتراض ہے جس میں بیرونی دنیا کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ان کے ساتھ سابقہ اور آئندہ مالی معاملات شریعت کی قید سے آزاد ہوں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امریکی سفیر اوکلے کی طرف سے مبارکباد بھی شاید اسی بات پر تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم امریکہ کی خوشنودی کے لئے اپنے ایٹمی پروگرام کو ترک کرنے پر تیار نہیں ہوئے تو اس کی یا مغرب کی رضا جوئی کے لئے اپنے ایمان و اسلام کا سودا کرنے پر کیوں اتر آئے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عالمی قوتیں اگر ہم سے کوئی معاملہ کرتی ہیں تو اس میں ہماری ضرورت کا کم اور ان کی اپنی مصلحت کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔ ہم اگر تن کر کھڑے ہو جائیں کہ اپنے دین کے معاملے میں مصالحت نہیں کریں گے تو تھوڑے بہت پس و پیش کے بعد دنیا کو ہمارا موقف تسلیم کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جس آئینی ترمیم کا اعلان کیا گیا تھا اس کے بارے میں شنید ہے کہ عائلی قوانین اور عدالتی نظام کو وفاقی شرعی عدالت کے حوالے کر دیا گیا لیکن دستوری معاملات پر پارلیمنٹ کی بالادستی رکھی گئی ہے اور سب سے خوفناک معاملہ یہ ہے جو آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے کے مترادف ہے کہ مالی معاملات کو مزید تین سال کے لئے وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دستور کو وفاقی شرعی عدالت کے احاطہ اختیار میں دے دینے میں بے بنیاد توہمات حائل ہیں۔ سمجھا یہ جا رہا ہے کہ کہیں ہمارا سیاسی نظام درہم برہم نہ ہو جائے حالانکہ سیاسی نظام کے لئے ہمارے دین نے محض دو بنیادی اصول دیئے ہیں اور موجودہ جمہوری نظام کو عین اس کے مطابق رکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مالی معاملات کو مزید تحفظ دینے کا ہرگز کوئی جواز نہیں اور کوئی کمیشن بٹھانا اس کا متبادل نہیں بن سکتا۔ کمیشن بیٹھیں اور اپنا کام اسی محنت سے کریں جس عرق ریزی سے گزشتہ تین ہفتوں

تذکرہ وتبصرہ

پاکستان میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام
اور
موجودہ مجوّزہ سرکاری شریعت بل

امیر تنظیمِ اسلامی کا ۲۶ اپریل کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ، سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ اور سورۃ المائدہ کے رکوع ۷ کی آیات
تلاوت اور ایک حدیث نبویؐ (اِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً) ۔
بیان کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

حضرات!

پرسوں (۲۴ اپریل) کے اخبارات میں آپ نے وہ مفصل خبر پڑھ لی ہوگی جس کی
سے نو دینی اور مذہبی و سیاسی جماعتوں نے اس شریعت بل کو یکسر مسترد کر دیا ہے جو نو
شریف صاحب نے سرکاری بل کے طور پر پارلیمینٹ میں پیش کیا۔ مزید برآں ان
طرف سے اپیل کی گئی ہے کہ آج کے دن جمعہ کے اجتماعات میں اس موضوع پر گفتگو
جائے اور قراردادیں پاس کی جائیں۔ لہٰذا سب سے پہلے میں اپنی، مرکزی انجمن خدّ
القرآن اور تنظیمِ اسلامی پاکستان کی جانب سے ان کے موقف کی مکمل تائید کرتا ہوں
البتہ میں اس میں بعض اضافے تجویز کر رہا ہوں جو ابھی آپ کے سامنے عرض کروں،
اور آخر میں ہم یہاں ایک قرارداد بھی پاس کریں گے۔

میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے: "پاکستان میں نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام اور مو
مجوّزہ سرکاری شریعت بل"۔ یعنی آج کا موضوع دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے ان دو
حصوں کے فرق کو سمجھ لیجئے۔ اور یہ بات تین اصطلاحات کو تین اصطلاحات کے بالمقا

لانے سے بہ آسانی سمجھی جا سکتی ہے۔

سب سے پہلے "نظام" اور "قانون" کی اصطلاحات کو مقابل رکھئے۔ نظام سے میری مراد سیاسی' سماجی اور معاشی پہلوؤں پر محیط نظام (Politico-Socio-Economic System) ہے' جبکہ قانون سے مراد ہے دیوانی یا فوجداری قوانین' مثلاً قانونِ شہادت و وراثت اور قصاص و دیت وغیرہ۔ ان دونوں کے درمیان ربط و تعلق یہ ہے کہ قانون' نظام کو Subserve کرتا ہے' یہ نظام کے تابع ہوتا ہے' اور نظام کو چلانے کے لئے قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظام اگر سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ ہو تو قانون اس کا تحفظ کرے گا۔ اور اسی طرح سوشلزم' کمیونزم اور اس طرح کے دیگر نظام اگر رائج ہوں گے تو قانون ان کی تائید اور پشت پناہی کرے گا' چنانچہ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ نظامِ اسلام اور قانونِ اسلامی مترادف نہیں ہیں بلکہ اسلام کا نظام عدل اجتماعی اور شے ہے' اور قانون اور شے۔

مزید یہ کہ اسلام کے اس نظام کے لئے قرآن حکیم میں "دینُ الحق" (سچا دین) اور "دینُ اللہ" (اللہ کا دین) کی اصطلاحات وارد ہوئی ہیں' جبکہ قانون کے لئے ہمارے دین کی اصطلاح "شریعت" کی ہے۔ "دین" اور "شریعت" کی یہ دونوں اصطلاحات اپنی اپنی جگہ مختلف حیثیت کی حامل ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات کو مقابل رکھ کر ان کا فرق ذہن نشین کیجئے۔ اسلام دین الحق ہے جبکہ شریعت اسلامی کے چار مآخذ (Sources) ہیں ——— (i) کتاب اللہ (ii) سنت رسولؐ (iii) اجماع (iv) قیاس۔

"دین" اور "شریعت" کی ان دونوں اصطلاحات کے ساتھ کچھ اور اصطلاحات متعلق ہیں' جو ایک دوسرے کے مقابل آتی ہیں۔ چنانچہ دین کو قائم کرنے کی جب بھی بات ہو گی تو اس کے لئے ہمیشہ یہ دو الفاظ استعمال ہوں گے: (i) غلبۂ دین۔ اور (ii) اقامت دین۔ دین کی تنفیذ یا ترویج کا لفظ کبھی استعمال نہیں ہوتا۔ "غلبۂ دین" کے لئے قرآن حکیم میں تین مقامات (سورۂ توبہ' سورۃ الصف' سورۃ الفتح) پر "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" ——— کے الفاظ آئے ہیں' یعنی ——— تاکہ وہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین پر! اور "اقامت دین" کی اصطلاح سورۃ الشوریٰ میں وارد ہوئی ہے: اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ... کہ دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقے میں

مت پڑو! اور شریعت کی تنفیذ کے لئے قرآن حکیم میں "حکم بِمَا اَنزَلَ اللّٰہ" کے الفاظ آئے ہیں۔ فرمایا: وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ۝ "جو لوگ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں"۔

نظامِ اسلام کے تین گوشے اور ان کے تقاضے

اصطلاحات کے باہم تقابل کے بعد اب اسلام کے نظام یعنی "دین الحق" کے بارے میں نوٹ کیجئے کہ اس کے تین گوشے ہیں۔ یعنی (i) سیاسی' (ii) سماجی اور (iii) معاشی عدل۔ عدل اجتماعی کے ان تین گوشوں کو جدید اصطلاح میں "The Politico - Socio - Economic System" کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر گوشے کے اپنے تقاضے ہیں۔

سماجی عدل کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے سے اونچ نیچ ختم کی جائے۔ پیدائشی طور پر نہ کوئی اونچا ہے اور نہ کوئی نیچا!۔ ہندو معاشرے میں برہمن کو پیدائشی طور پر بہت اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے' خواہ وہ کردار کے اعتبار سے انتہائی گھٹیا ہو' جبکہ شودر کو پیدائشی طور پر نیچ سمجھا جاتا ہے' چاہے وہ ذاتی طور پر کتنا ہی بلند کردار کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ہمارے ہاں سید زادہ بہت بڑی عزت و توقیر کے لائق سمجھا جاتا ہے' خواہ وہ سیرت و کردار کے اعتبار سے انتہائی پست ہو' اور اس کے مقابلے میں اپنے اعزہ و اقارب سے کٹ کر اسلام قبول کر لینے والے کو "مصلّی" گردانا جاتا ہے اور اسے کمتر اور نیچ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں پنجاب میں ایک مسلم شیخ کسی سید کے برابر تو کجا چودھری کے ساتھ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ جبکہ اسلام کے سماجی عدل کا تقاضا یہ ہے کہ تمام انسان پیدائشی طور پر برابر ہیں۔ رنگ' نسل' ذات' پات اور قومیت وغیرہ کی بنا پر کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ سیاسی عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان پر حاکم نہ ہو۔

ع تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے!

سب انسان اللہ کی حاکمیت کے سامنے محکوم ہیں۔ ان کی اپنی کوئی حاکمیت نہیں اور اللہ کے بندے ہونے کے اعتبار سے سب مساوی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا" "سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بنو"۔ اسلام میں قومی اور طبقاتی دونوں سطحوں پر انسانوں کی حاکمیت کی نفی ہے۔ چنانچہ

سیاسی عدل سے مراد یہ ہوگی کہ حاکمیتِ مطلقہ صرف اللہ کی ہے اور تمام انسان آپس میں حاکمیت کے اعتبار سے برابر اور ایک حاکم مطلق کے محکوم ہیں۔ البتہ ریاستی معاملات آپس میں مشورے سے طے ہوں گے۔ "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"... یہ اسلام کے سیاسی عدل کا اہم جزو ہے۔

اسلام کا معاشی عدل کمیونزم کی طرح کا جبری نوعیت کا عدل نہیں ہے۔ سرمائے کے لئے اسلام نے ایک اصول معین کر دیا کہ "كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ" ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ نے جو کچھ دیا ہے' زمین سے جو کچھ اُگ رہا ہے اس پر کوئی ایک طبقہ قابض ہو جائے اور تقسیمِ دولت کا نظام ایسا ناہموار ہو کہ "Haves" اور "Haves Not" کے طبقات وجود میں آ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف دولت کا ارتکاز ہو اور دوسری طرف احتیاج بڑھتی چلی جائے۔ اس کے خاتمے اور روک تھام کے لئے اسلام میں قواعد و ضوابط مرتب کئے گئے ہیں۔ نقد کے سُود کو دو ٹوک الفاظ میں حرام قرار دیا گیا جو کہ سرمایہ داری کی بنیاد بنتا ہے۔ اسی طرح زمین کا سود' جس پر آج ہم بات کرنا نہیں چاہتے' وہ بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ جاگیرداریاں اور زمینداریاں بالعموم اسی سود یعنی مادر پدر آزاد مزارعت کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اسلام کے نظام میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔

اِسلامی نظام کا قیام کس طرح ممکن ہے ؟

مذکورہ بالا تین چیزیں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا مظہر ہیں' جن کے نفاذ اور اقامت کے بغیر دین کو قائم کرنا محال ہے۔ اس اعتبار سے مزید دو باتیں نوٹ کر لیں۔

(i) اسلام کے کامل نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام مکمل انقلاب کے بغیر ناممکن ہے۔ اس کے لئے سنار کی ٹھک ٹھک سے کام نہیں چل سکتا' بلکہ لوہار کا ہتھوڑا ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی آسانی سے اپنے مفادات کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ جنہوں نے دوسروں کے حقوق غصب کر رکھے ہیں' ان سے حقداروں کو حقوق دلوانا شیر کے منہ سے نوالہ نکال لانے کے مترادف ہے۔ جن کو مراعات حاصل ہیں' جو پیدائشی طور پر اونچے سمجھے جاتے ہیں' جو لوگوں کا خون چُوس رہے ہیں' ان میں سے کوئی بھی ٹھنڈے پیٹوں اپنی

پوزیشن چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوگا' چنانچہ اس کے لئے مکمل انقلاب (Total Revolution) ناگزیر ہے۔ اور جو کوئی اس کے بغیر اسلامی نظام کی آمد کا منتظر ہے' وہ "جَنَّتُ الْحُمَقَاءِ" کا مکین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اتاری۔ اس لئے تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں"۔

تو عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ان کے ساتھ کتابیں اور میزان بھیجے' تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں۔ یہ اسلام کا مقصد ہے کہ عدلِ اجتماعی کا نفاذ ہو اور معاشرے سے ہر طرح کے جبر' ظلم' استبداد' استحصال اور Discrimination (امتیاز) کا خاتمہ کیا جا سکے۔

(ii) اسلامی انقلاب کا قیام محض وعظ و نصیحت اور ترغیب و تلقین کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ سورۃ الحدید کی اسی آیت میں آگے فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ... "اور ہم نے لوہا بھی اتارا"... کہ یہ کام ٹھنڈے ٹھنڈے وعظوں سے ہونا ممکن نہیں۔ اگر ممکن ہوتا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کا خون تو کجا' کسی کافر کا خون بہانا بھی پسند نہ فرماتے۔ آپ ؐ سے بڑا مبلغ' داعی' مربّی' مزکّی اور واعظ دنیا میں کوئی ہوا ہے' نہ ہوگا۔ اگر صرف تعلیم' تبلیغ' وعظ و نصیحت یا فضائل کی تبلیغ سے یہ کام ہو سکتا تو محمد رسول اللہ ؐ کبھی بدر و حنین کی وادیوں میں سے نہ گزرتے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے' وقت پڑنے پر' خون بہانا ناگزیر ہے۔ اور اس سے بھی پہلے خود اپنا خون دینے کے لئے تیار رہنا ضروری ہے۔ مکّی دور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خون نچھاور کیا۔ طائف کی زمین میں سن ۱۰ نبوی ؐ میں آپ ؐ کا خون جذب ہوا۔ اس راہ میں صحابہ کرام ؓ نے بھی خون کا نذرانہ دیا۔ حضرت سمیّہ' حضرت یاسر' حضرت عمّار' حضرت خبّاب' حضرت بلال رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر بہت سے صحابہ کرام ؓ کا خون بہا کہ نہیں بہا؟ البتہ مکی دور میں یہ معاملہ یکطرفہ تھا۔ جواباً کسی کا خون لیا نہیں جا رہا تھا... لیکن مدنی دور میں اگلا مرحلہ بھی آیا کہ "يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔" "وہ اللہ کی راہ

میں جنگ کرتے ہیں۔ پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں"۔

"اقامتِ دین" اور "تنفیذِ شریعت" کا باہمی تعلق

اپنے موضوع کے اس حصے کی آخری بات عرض کرتا ہوں' جو بڑی قابل افسوس ہے کہ ہماری تمام دینی جماعتیں ساری گفتگو تنفیذ شریعت کی کرتی ہیں' جبکہ نظام اسلام کے قیام کی بات کوئی نہیں کر رہا۔ اور یہ بات اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ یہ نکتہ سامنے رہے کہ اصل شے نظام ہے' نہ کہ قانون۔ قانون تو نظام کو Subserve کرتا ہے۔ مثال کے طور پر' ایک ظالمانہ اور بدترین سرمایہ دارانہ نظام کے اندر آپ چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ کر دیتے ہیں تو اس کا فائدہ کسے حاصل ہوگا؟ تحفظ کن کو ملے گا؟ ظاہر بات ہے کہ دولت مندوں اور حرام خوروں کو!! انہوں نے سودی معیشت اور استحصالی نظام کے ذریعے جو دولت جمع کی ہے اسے تو یقیناً تحفظ مل جائے گا چوری کے ختم ہونے سے' لیکن معاشرے میں موجود ناہمواری اور ظلم چور کو سزا دینے سے ختم نہیں ہوں گے۔ اس کے خاتمے کے لئے نظام کو بدلنا ہوگا۔ یہاں یہ واضح کرتا چلوں کہ اسلامی حدود و تعزیرات اور قوانین کی اپنی برکتیں ہیں اور بحالاتِ موجودہ بھی ان کا نفاذ خیر سے خالی نہیں' لیکن بہرحال صرف قوانین کے نفاذ سے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں کئے جا سکتے۔ مقام افسوس ہے کہ دینی جماعتیں سارا زور اسی پر صرف کر رہی ہیں اور ان میں ایک ایسی جماعت بھی شامل ہے جو خالص انقلابی انداز میں اٹھی تھی۔ کاش کہ ان کی جدوجہد اسلامی نظام کے قیام کی خاطر ہوتی!!

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ جہاں تک معاملہ حضورؐ کی سیرتِ مطہرہ کا ہے' وہاں ہمیں یہ تقدیم و تاخیر نظر آتی ہے کہ آپؐ نے نظام پہلے بدلا' قانون اس کے بعد نافذ ہوا۔ شروع میں قانون آیا ہی نہیں۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سورۃ المائدہ میں وارد ہوئی جو ہجرت کے ساتویں برس نازل ہوئی ہے۔ شراب کی حُرمت کا حکم بھی مدنی دور میں نازل ہوا ہے اور اس حُرمت سے پہلے شراب بھی پی جاتی رہی اور نمازیں بھی پڑھی جاتی رہیں۔ سود آنحضورؐ کی وفات سے صرف ڈیڑھ برس قبل' قریباً ۹ ہجری میں حرام ہوا۔ بہرحال وہاں ہمیں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ جب اللہ کے رسولؐ کو

غلبہ اور فیصلہ کن اختیار حاصل ہوگیا تب ایک تدریج کے ساتھ قوانین اسلامی کی ترویج اور ان کا نفاذ ہوا۔ لیکن اپنے اس دور میں ہم اس تقدیم و تاخیر کو دلیل نہیں بنا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج ہمارے پاس قانونِ شریعت مکمل صورت میں موجود ہے' جسے بعد میں آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین نے نافذ کر کے دکھایا ... آج ہمارے پاس کوئی وجہ جواز نہیں ہے کہ ہم اس کی ترویج نہ کریں۔ سود' شراب' زنا اور دیگر گناہوں کی حرمت کے سب احکام موجود ہیں۔ ہمارے لئے تو ایک دن کا بھی جواز نہیں کہ ہم بغیر شریعت کے نفاذ کے زندگی گزاریں' کیونکہ ہم پیدائشی مسلمان ہیں۔

تنفیذِ شریعت کی اہمیت : سورۃ المائدہ کی آیات کی روشنی میں

سورۃ المائدہ کا ساتواں رکوع' جو سات ہی آیات پر مشتمل ہے' تنفیذِ شریعت کے اعتبار سے قرآن مجید کا ذروۂ سنام (Climax) ہے۔ (واضح رہے کہ "ذروۂ سنام" کی اصطلاح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے' جو آپ نے بلند ترین چوٹی کے معنوں میں استعمال کی!) ان آیات میں سب سے پہلے تورات کا ذکر ہوا۔ شریعت اسلامی کا آغاز تورات سے ہوا ہے' جس سے پہلے صحیفے تو تھے' کتاب کوئی نہ تھی۔ فرمایا:

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ

"ہم نے ہی تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور نور دونوں تھے"۔

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا

"فیصلے کرتے تھے اس کے مطابق وہ انبیاء جو خود فرمانبردار تھے' یہودیوں کے لئے"۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تنفیذ شریعت سے پہلے خود فرمانبرداری اختیار کرنا کس قدر ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ خود فرمانبرداری کی روش اپنائی نہ جا رہی ہو اور تنفیذ شریعت کے لئے جلوس نکالے جا رہے ہوں۔ یہ واضح طور پر قول و فعل کا تضاد ہے کہ اپنے گھروں میں اسلام کا نفاذ نہ ہو سکتا ہو' لیکن ملک میں نفاذ اسلام کے لئے نعرے لگائے جا رہے ہوں۔ یہ صورت حال کہ وہ لوگ جو خود اپنے وجود پر اسلام کا نفاذ نہ کر سکتے ہوں' اسلام کا علم اٹھانے میں پیش پیش ہوں! یہ وہ نفاق ہے جس کی وجہ سے ہمارے ہاں آج

تک شریعت نافذ نہیں ہوئی۔ قرآن حکیم میں یہاں رسولوں کی فرمانبرداری کا بھی حوالہ دیا جا رہا ہے کہ یہودیوں کے لئے شریعت مُوسوی کے مطابق فیصلے کرنے والے انبیاء خود اللہ کے فرمانبردار تھے۔

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ

"اور ان کے درویش اور عالم بھی (تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے)' کیونکہ وہ اللہ کی کتاب پر محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے"۔

یہاں احبار اور ربانیین کے لئے دو چیزیں بیان کی گئی ہیں' ایک یہ کہ انہیں بھی حدودُ اللہ کی حفاظت پر مامور فرمایا گیا تھا۔ وہ نگرانی کرتے تھے کہ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ انہیں اس پر گواہ بن کر کھڑا ہونا تھا کہ یہی حق ہے۔ آگے فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

"پس تم لوگوں سے مت ڈرو' بلکہ مجھی سے ڈرو!"

یہ نہ سمجھنا کہ دنیا دقیانوسی قرار دے گی ع کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

"اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے فروخت نہ کرو"۔

دنیا کے حقیر سے مفاد کے لئے ------ اور ہمارے لئے کہا جائے گا کہ امریکہ کی سرپرستی حاصل کرنے کے لئے ------ ہماری آیات کا سودا نہ کرو!

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

"اور جو اللہ کی نازل کردہ (شریعت اور قوانین کے مطابق) فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں"۔

اگلی آیت میں قصاص کا قانون بیان فرمانے کے بعد یہی مضمون بایں الفاظ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

"اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی (شریعت اور قانون) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں"۔

اور نوٹ کیجئے کہ ظالم کی اصطلاح قرآن میں خاص طور پر مشرک کے لئے آتی ہے۔ یعنی

یہاں اس کا مفہوم یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ وہ مشرک ہیں۔ اپنے طور پر چاہے وہ کتنے ہی مُوحّد بنے پھرتے ہوں، لیکن اگر ایسے نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہوں، جس میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں ہو رہے تو وہ مشرک ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان آیات قرآنیہ کا انطباق اس وقت ہم پر ہو رہا ہے۔ اجتماعی سطح پر واقعتہً ہم سب اس کی زد میں آتے ہیں۔ انفرادی سطح پر ہم جو کچھ بھی ہوں اس سے قطع نظر، قرآن کے الفاظ میں اجتماعی سطح پر ہم کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔ اگلی آیت میں الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

"اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو فاسق ہیں"۔

تو اس کو نوٹ کر لیجئے کہ ترویج شریعت کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ اس سے انحراف پر کفر، فسق اور ظلم کے قرآنی فتوے موجود ہیں کہ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ان آیات میں تورات اور انجیل کا ذکر کر کے اب اگلی دو آیات میں نبی اکرمؐ سے خطاب ہو رہا ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ

"اور اے نبیؐ! آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"۔

اللہ کے نازل کردہ احکام کی تنفیذ کے معاملے میں لوگوں کی خواہشات کا احترام نہ کیا جائے۔ اس میں ہمارے لئے یہ رہنمائی ہے کہ ہمیں یہ فکر لاحق نہ ہو جائے کہ یہ قوانین ہمارے عوام کی اکثریت کو پسند بھی ہیں یا نہیں؟ ان کے بارے میں خواص کی رائے کیا ہے؟ بیگمات انہیں کیسے قبول کریں گی؟ سرمایہ دار اور جاگیردار اس بارے میں کیا چاہتے ہیں؟ وغیرہ۔ بدقسمتی سے آج کے دور میں یہی باتیں سامنے رکھی جاتی ہیں۔ ع "باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی"۔ مقام افسوس ہے کہ ماضی قریب میں گیارہ برس اسی سوچ کی نذر ہو گئے اور کوئی ٹھوس اور قابل ذکر مثبت کام نہ ہو سکا۔

ایکٹروں کو بھی راضی رکھا جاتا رہا کہ میں کٹر نہیں ہوں۔ نوٹ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ: وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ "اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے"۔

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

"اور ان سے بچتے رہئے کہ کہیں یہ آپ کو بچلا نہ دیں اس (کتاب) کے کسی حکم سے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے"۔

اس کا معاذ اللہ کوئی امکان نہ تھا، مگر اس کے تناظر میں دوسروں کو یہ تنبیہہ کی جا رہی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○

"پھر اگر وہ روگردانی کریں (اور اللہ کے حکم کو قبول نہ کریں) تو (اے نبیؐ) جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان پر ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے عذاب نازل کرے اور انسانوں کی اکثریت تو فاسقوں پر ہی مشتمل ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ اے نبیؐ اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ لازماً آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ اگلی آیت میں سوال کیا گیا:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ○

"تو کیا یہ (اللہ کے حکم کو چھوڑ کر) جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟"

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○

"اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے، ان لوگوں کے نزدیک جو یقین رکھتے ہیں"۔

اگر اللہ پر یقین ہو تو اس کے حکم سے بہتر کس کا حکم نظر آ سکتا ہے! یہاں ایمان کے بجائے یقین کا لفظ استعمال فرمایا گیا کہ "ایمان" تو دینی اصطلاح ہے، جبکہ یقین کا مفہوم معیّن ہے۔ اگر یقین حاصل ہو تو اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص یا قوم اللہ کے فیصلوں اور احکامات کو چھوڑ کر من مانی روش اختیار کرے۔

تنفیذِ شریعت کی تاریخ کے چند نمایاں سنگ ہائے میل

اب اپنے اس ملک میں تنفیذ شریعت کے حوالے سے ایک تاریخ اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ اس تاریخ کے کچھ اہم سنگ ہائے میل (Land marks) ہیں، جن کی میں نشاندہی کر رہا ہوں۔

۱۔ اس سلسلے میں یہاں سب سے پہلا کام "قرارداد مقاصد" کا ہوا، جو واقعتاً ایک بہت بڑا کام تھا۔۔۔ جماعت اسلامی نے اس کام کو ایک مہم کے انداز میں شروع کیا تھا۔ مسلم لیگ میں اس وقت ہر طرح کے لوگ تھے۔ یہاں تک کہ ملحد اور کمیونسٹ بھی تھے جو "Communist International" کی ہدایت پر اس وقت شامل ہو گئے تھے جب پاکستان بننے والا تھا، تاکہ پاکستان کے قیام کے بعد یہاں کمیونسٹ انقلاب کے لئے کام شروع کیا جا سکے۔ لیکن بہرحال ان لوگوں کا پلڑا بھاری تھا جو اسلام کے ساتھ مخلص تھے۔ چنانچہ وہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسی شخصیات بھی تھیں، نتیجتاً قرارداد مقاصد منظور ہو گئی۔ جماعت اسلامی کی حیثیت بھی اس وقت تک کسی "سیاسی پارٹی" کی نہ تھی۔ چونکہ ابھی تک انتخابات کا سوال نہ تھا، لہٰذا یہ کسی کی مدمقابل بھی نہ تھی، بلکہ عوام کے جذبے کو لے کر کھڑی ہوئی اور سب نے اس مسئلے میں اس کا ساتھ دیا۔ خود دستور ساز اسمبلی میں ایسے لوگوں کا غلبہ تھا جو تحریک پاکستان کے کارکن تھے، جنہوں نے اسلام کے نام پر تقریریں کی تھیں اور "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" کے نعرے لگائے تھے۔ لہٰذا بحمد اللہ قرارداد پاس ہو گئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تو دستور ساز اسمبلی میں کھڑے ہو کر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر یہ قرارداد پاس نہ کی گئی تو میں عوام کی عدالت میں جا کر تم لوگوں کا بھانڈا پھوڑوں گا کہ تم نے اسلام کے نام پر جھوٹے نعرے لگائے تھے۔ ورنہ وہاں اس وقت ایسے لوگ بھی موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ اس دور میں اللہ کی حاکمیت کی بات؟ بقول اکبر الہ آبادی ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

اور قرارداد کی منظوری کے بعد یہ تک کہا گیا کہ آج ہماری نگاہیں شرم سے جھکی جا رہی ہیں، ہم دنیا سے آنکھیں چار کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔

۲۔ دوسرے مرحلے پر دستور میں کچھ رہنما اصول معین کئے گئے اور اس میں ایک ایسی شق داخل کی گئی جو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے یعنی

"No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah".

یعنی اس مملکت خداداد میں کوئی ایسی قانون سازی نہ کی جا سکے گی جو قرآن و سنت کے منافی ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی ذہین اور سمجھدار شخص نے قانون کی زبان میں سورۃ الحجرات کی پہلی آیت کی نہایت عمدہ ترجمانی کی ہے کہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

"اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول ؐ سے آگے مت بڑھو"۔

جہاں اللہ اور رسول ؐ نے حد قائم کر دی ہو' وہاں رک جاؤ۔ اس حد کے اندر اندر آزاد ہو' اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرو۔ لیکن حدود اللہ سے تجاوز کفر ہو جائے گا۔ بہرحال اس آیت مبارکہ کے مفہوم پر مشتمل یہ شق دستور میں شامل ہو گئی۔ لیکن اس کی حیثیت محض ایک "رہنما اصول" (Directive Principle) کی رہی' جس کی بنیاد پر کوئی شخص عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتا تھا کہ فلاں قانون کتاب و سنت کے منافی ہے۔

۳۔ اس سلسلے کا ایک مزید قدم ۷۳ء کے دستور میں اٹھایا گیا۔ یہ ایک ایسا دستور تھا جو متفق علیہ تھا۔ اس پر مولانا مفتی محمود مرحوم کی قیادت میں تمام مذہبی جماعتوں نے اعلان کیا تھا کہ اسلامی دستور کا تقاضا پورا ہو گیا ہے اور دعائیں کی گئی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق بھی عطا فرمائے ------ اس دستور میں یہ شق رکھی گئی تھی کہ دس سال کے عرصے میں تمام قوانین اسلامی بنا دیئے جائیں گے۔ لیکن افسوس کہ اس شق پر اس پورے عرصے میں سنجیدگی کے ساتھ پیش رفت کی کسی کوشش کا کوئی سراغ نہیں ملتا!۔

۴۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے برسر اقتدار آ کر دو کام کئے۔ ایک یہ کہ قرارداد مقاصد کو دستور کے دیباچے (Preamble) سے نکال کر دستور کا جزو بنا دیا۔ اور دوسرے یہ کہ انہوں نے شریعت کورٹ کا نظام قائم کیا۔ پہلے جو شریعت کورٹ بنی وہ ہائی کورٹ کی سطح کی تھی' لیکن پھر پاکستان کی سپریم کورٹ کی سطح پر ایک فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام

عمل میں آیا جس میں بہت سے مستند اور قابل علماء اور جدید ماہرینِ قانون کا ججوں کی حیثیت سے تعین کیا گیا اور انہیں اختیار دے دیا گیا کہ کسی قانون کے بارے میں وہ ازخود یا کسی شہری کی طرف سے چیلنج کئے جانے پر غور و فکر کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ قانون کلّی یا جزوی طور پر شریعت کے منافی تو نہیں ہے۔ اگر واقعتہً کوئی قانون کلی یا جزوی طور پر شریعت کے منافی پایا جائے تو صوبائی سطح کا معاملہ ہونے کی صورت میں صوبے کے گورنر کو اور مرکزی امور کی صورت میں صدر مملکت کو نوٹس دے دیا جائے کہ اتنی مدت کے اندر اندر اس قانون کی جگہ دوسرا قانون لے آیا جائے جو شریعت کے مطابق ہو' ورنہ فلاں تاریخ کو یہ قانون کالعدم ہو جائے گا۔ پھر اگر ملک میں صدر راج نافذ ہو تو نوٹس ملنے کے بعد صدر آرڈیننس جاری کرے اور اگر اسمبلی موجود ہو تو اسمبلی قانون سازی کرے' تاکہ معینہ مدت کے بعد کوئی خلا پیدا نہ ہو۔ شرعی قوانین کی تنفیذ کے لئے یہ ایک بہت بڑی اور صحیح انداز کی پیش رفت تھی لیکن......! یہاں ایک بہت بڑا "لیکن" ہے کہ اس شریعت کورٹ کے ہاتھ میں دو ہتھکڑیاں اور پاؤں میں دو بیڑیاں ڈال دی گئیں' جس سے اس کی حیثیت' محض نمائشی ہو کر رہ گئی۔ شریعت کورٹ پر عائد کی جانے والی چار پابندیاں یہ تھیں:

(i) عائلی قوانین شریعت کورٹ کے دائرہ کار سے مستثنیٰ رہیں گے ------- حالانکہ عائلی قوانین شریعت کے سب سے بنیادی قوانین ہیں۔ اور قرآن میں جس قدر تفصیل سے یہ زیر بحث آئے ہیں' اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔

(ii) اسی طرح مالی قوانین کے بارے میں بھی شریعت کورٹ میں بات نہیں ہو سکتی! سُود' جوا اور سٹہ وغیرہ سب جاری رہیں گے۔

(iii) دستور پاکستان کے بارے میں کوئی بات اس عدالت میں زیر بحث نہیں آ سکتی' وہ اس سے بالاتر رہے گا۔

(iv) عدالتی طریق کار سے متعلق تمام ایکٹس اور قوانین بھی اس کے دائرہ کار سے باہر رہیں گے۔

آخری وقت میں مرحوم ضیاء الحق صاحب نے اس سلسلے میں ایک اور اقدام کیا تھا۔ ان کی طرف سے جو شریعت آرڈیننس آیا تھا' اس میں عائلی قوانین کے ضمن میں یہ پیش

رفت کی گئی تھی کہ یہ فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرے میں آ جائیں گے البتہ باقی تینوں چیزوں کے بارے میں سابقہ پالیسی بحال رکھی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد صاحب نے اسے "نفاذ شریعت آرڈیننس" کے بجائے "انسداد شریعت آرڈیننس" قرار دیا تھا۔ ہم نے اس اعتبار سے اسے بھی خوش آمدید کہا تھا کہ چلئے عائلی قوانین تو شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار میں لائے جا رہے ہیں۔ ہم نے اسے ایک مثبت پیش رفت قرار دیا تھا۔ تو یہ ہے ہمارے ملک میں دستوری سطح پر نفاذ شریعت کی ایک تاریخ!۔

شریعت بِل کی تاریخ اور مختلف بِلوں کا جائزہ

اب ہم شریعت بل کی تاریخ کی طرف آتے ہیں۔ شریعت بل میں متحدہ شریعت محاذ نے تنفیذِ شریعت کا جو نظام تجویز کیا تھا' اس میں اگرچہ ایک طرح کے انتشار (Chaos) کے پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا' لیکن ہم نے تنفیذ شریعت کی خاطر اس Chaos کو بھی منظور کر لیا تھا اور متحدہ شریعت محاذ میں شامل ہو کر اس بل کی بھرپور تائید کی تھی۔ کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ ہم زیادہ دیر تک "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ" کا مصداق نہ بنے رہیں۔ اور یہ Chaos بہرحال کچھ وقت گزرنے کے بعد دور ہو سکتا تھا۔ ہمارے ہاں آخر سیاسی انتشار بھی تو چلا آ رہا ہے جسے ہم بامرِ مجبوری گوارا کرتے ہیں۔ شریعت کے معاملے میں اگر کوئی وقتی انتشار پیدا ہوتا تو اسے ہم بخوشی گوارا کرتے۔ یہ انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ اس لئے تھا کہ اس شریعت بل میں ماتحت عدالتوں کو بھی شریعت کے مطابق فیصلوں کا اختیار تجویز کیا گیا تھا' جس کے نتیجے میں مختلف فقہوں سے تعلق رکھنے والے جج صاحبان کی طرف سے ایک ہی نوعیت کے مقدمات میں مختلف فیصلوں کی توقع کی جا سکتی تھی۔ بہرحال شریعت کی تنفیذ کے ضمن میں اس امکانی انتشار کو دینی جماعتوں نے گوارا کرنا پسند کیا کیونکہ تنفیذ شریعت کا دوسرا راستہ دستور میں ترمیم کا تھا' جس کے لئے اسمبلی میں دو تہائی اکثریت درکار تھی اور جس کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

یہ پرائیویٹ شریعت بل ابتداءً قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق صاحبان تیار کیا تھا' جسے متحدہ شریعت محاذ بن جانے کے بعد مزید بہتر بنایا گیا اور بالآخر ایوانِ بالا پیش کر دیا گیا۔ لیکن اس شریعت بل کے متعلق اس وقت کے وزیر اعظم اور اس وقت مسلم لیگ کے سربراہ' جناب جونیجو نے صاف کہا تھا کہ جب تک میں ہوں اور میہ حکومت موجود ہے' یہ بل پاس نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد اس بل کا دوسرا مرحلہ آیا۔ انتخابات کے بعد جب پیپلز پارٹی کی حکوم بن گئی تو بل کے مجوّزین حضرات نے اسے دوبارہ سینیٹ میں پیش کیا اور اس میں ترامیم قبول کیں۔ بلکہ یوں کہئے کہ ایک اعتبار سے اسے بہتر بنایا گیا' جبکہ ایک اعتبار۔ اس میں پسپائی اختیار کی گئی۔ بہتری اس اعتبار سے کی گئی کہ ماتحت عدالتوں کے بار۔ میں یہ طے کیا گیا کہ انہیں شرعی معاملات میں فیصلے کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ عدالتیں شرعی معاملات و مقدمات ہائی کورٹ کو بھیج دیں گی جہاں کسی معاملے کے بار۔ میں طے ہوگا کہ وہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔ ایسا اس لئے کرنا پڑا کہ فیڈر شریعت کورٹ کے تو دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں' جو دستور میں ترمیم۔ بغیر کھل نہیں سکتی تھیں' لہٰذا متبادل راستہ یہ اختیار کیا گیا کہ جو معاملات پہلے سے فیڈر شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار میں ہیں' ان میں وہ کام کرتی رہے گی اور جو معاملات ا کے دائرہ اختیار میں نہیں ہیں ان میں فیصلے کا اختیار ہائی کورٹس کو دے دیا جائے۔ واقعتہً ایک بہتر شکل تھی جس سے انتشار (Chaos) کے خطرات کم رہ گئے۔ لیکہ دوسری طرف مالی معاملات میں پسپائی اختیار کی گئی۔ اور سُود کے بارے میں یہ مداہنت گئی کہ اگر اس ملک میں آئندہ کسی موقع پر سود کو حرام قرار بھی دے دیا گیا' تب بھی اُ تاریخ سے پہلے' بیرون ملک و اندرون ملک جو بھی سودی معاہدات ہوئے ہوں' وہ متاثر ہوں گے۔ یعنی سود کی حرمت کا معاملہ موثر بہ ماضی نہ ہوگا بلکہ غیر سودی نظام صرف مستقبل کے لئے مؤثر ہوگا۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اللہ سے بغاوت کے مترادف ہے جس میں صاف فرمایا گیا ہے کہ "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا" یعنی جو پہلے کھا لی ہے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہوگا لیکن ماضی میں کئے گئے معاہدات کو آئندہ کے لئے برقرار رکھ ہرگز جائز نہیں۔ سود میں سے جو کچھ باقی ہے اسے فی الفور چھوڑ دو!۔ "مداهنت فی

الدّین" کا معاملہ آپ ایک معاملے میں کریں گے تو دس کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ اور یہ بات جان لیجئے کہ سود کے معاملے میں اگر یہ پسپائی اختیار نہ کی جاتی تو سینیٹ میں یہ بل منظور بھی نہ ہو سکتا' کیونکہ وہاں تو بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں اگر احساس ہو جائے کہ یہ ہمارے مفادات کے خلاف ہوگا تو وہ اسے کس طرح منظور کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بھاری رشوت دے کر اسے منظور کروایا گیا اور خود پسپائی اختیار کی گئی۔

موجودہ مجوزہ سرکاری شریعت بل

اب یہ تیسرا بل آیا ہے جسے نواز شریف صاحب نے پیش کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی طرف سے ایک بہت بڑی وعدہ خلافی اور بے اصولی کا مظہر ہے۔ اس وقت چونکہ شریعت بل کو پیپلز پارٹی کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا تھا' لہٰذا سینیٹ میں آئی جے آئی کی اکثریت کی وجہ سے وہ بل پاس بھی ہو گیا۔ اس پر مبارکبادیں بھی دی گئیں' کیک بھی کاٹے گئے اور دعائیں بھی مانگی گئیں۔ لیکن یہی آئی جے آئی والے جب Absolute Majority (مطلق اکثریت) کے ساتھ پارلیمنٹ میں آ گئے تو اب انہیں اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اس بل میں مزید ترمیم کی ضرورت ہے!۔ یہ نری ہی گھٹیا سیاست کا مظاہرہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک سیاست کی اقدار معین نہیں ہو سکیں۔ میں سارا الزام انہیں نہیں دے رہا۔ اس میں وہ سب کے سب شریک ہیں' جنہوں نے اس ملک میں سیاست کی گاڑی چلنے نہیں دی۔ لہٰذا کوئی پائیدار سیاسی خطوط معیّن نہیں ہو سکے' کوئی مستحکم سیاسی جماعتیں وجود میں نہیں آئیں اور سیاسی قائدین میں کوئی سیاسی شرم و حیا کا احساس پیدا نہیں ہوا کہ ہم نے جب ایک مینڈیٹ پر لوگوں سے ووٹ لئے ہیں تو اب اس کے خلاف کیسے کام کریں۔ انہیں اس بات کا پابند ہونا چاہئے تھا کہ سینیٹ میں جو بل پیش کیا تھا اور جسے بڑے کروفر سے منظور کرایا تھا کم از کم وہی پارلیمنٹ میں بھی پیش کرتے۔ اس سے پہلے پی پی کی حکومت میں یہ بل نہ صرف اسمبلی میں پیش ہوا بلکہ ۶۶ ارکان اسمبلی نے اس کی تائید بھی کی تھی۔ مگر اب جبکہ اس بل کے حامیوں کو اکثریت حاصل ہوئی ہے تو اس سے انحراف کیا جا رہا ہے۔

اس بل پر ۹ دینی اور مذہبی و نیم سیاسی جماعتوں نے جو تبصرہ کیا ہے' میں اسے صد فی صد درست سمجھتا ہوں۔ ان جماعتوں نے اس سرکاری بل پر شق وار دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور دس نکات کی صورت میں بتایا ہے کہ اس بل میں اس سابقہ پیش کردہ بل سے فلاں فلاں انحراف موجود ہے' جس کے ساتھ آپ کی وابستگی تھی اور اپنی الیکشن کی تقاریر میں آپ نے عوام سے جس کے نفاذ کا وعدہ کیا تھا۔

پرائیویٹ شریعت بل کے دو اہم خلا

لیکن ہماری دانست میں وہ شریعت بل جسے دینی جماعتوں نے پیش کیا تھا اور جو سینیٹ سے منظور ہوا خود اس میں بھی دو بڑے بڑے خلا موجود ہیں اور ان دونوں کا تعلق نظام سے ہے۔

i) اس میں سود کے ساتھ مداہنت ہے' جو اللہ کے ساتھ بغاوت ہے۔ تازہ سرکاری بل کے تو خیر کہنے ہی کیا ہیں کہ جس میں تین سال کے لئے تو ویسے ہی ہر طرح کا سودی کاروبار جائز قرار دیا گیا ہے' مزید ستم ظریفی یہ کہ اسمبلی کو اس مدت میں توسیع کا اختیار بھی ہر دم حاصل رہے گا۔ اور مزید یہ کہ خارجی معاملات میں نہ صرف سابقہ سودی معاہدے بلکہ جو آئندہ بھی ہوں گے' سب کے سب شرعی قوانین کے دائرے سے مستثنیٰ رہیں گے!۔ میں سینیٹ سے منظور شدہ بل کی بات کر رہا ہوں کہ سود کے معاملے میں اس میں بھی مداہنت اختیار کی گئی ہے اور میرے نزدیک یہ محض درجے کا فرق ہے۔ آپ نے ایک بات میں مداہنت اختیار کی تھی تو نواز شریف صاحب دس باتوں میں مداہنت برت رہے ہیں۔ جو چیز حرام ہے اس کی کم مقدار بھی حرام ہی رہے گی۔ سود تو سود ہی ہے' چاہے چھٹانک بھر ہو یا سیر بھر' چنانچہ قرآن مجید کا یہ فتویٰ دینی جماعتوں کے اس سابقہ بل پر بھی صادق آتا ہے جسے سینیٹ نے منظور کیا تھا کہ:

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ...فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ"۔

کہ کیا تم ہماری کتاب اور شریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کا انکار کر دیتے ہو؟ سو تم میں سے جو کوئی بھی یہ روش اختیار کرے اس کی سزا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ اسے دنیوی زندگی میں ذلیل و رسوا کر دیا جائے۔ اور قیامت کے دن ایسے لوگ شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں گے! اعاذنا اللہ من ذٰلک!!

ii) اس بل میں مذکورہ بالا مداہنت کے باوجود نقد کے سود کا تذکرہ تو موجود ہے کہ وہ آئندہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی حرمت مؤثر بہ ماضی نہ سہی، آئندہ کے معاملات میں تو تسلیم کی گئی ہے، لیکن زمینی سود کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ------ جبکہ اس ملک کا اصل روگ یہی ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر فاروق حسن بار ایٹ لاء کا ایک مضمون کسی اخبار میں چھپا ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں اس ملک کی تقدیر کے مالک ۲۲ خاندان ہوتے تھے۔ آج بس اتنی ترقی ہوئی ہے کہ وہ ۲۲ کے بجائے ۳۳ ہو گئے ہیں! یعنی ان میں ۵۰ فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔ اور یہی وہ خاندان ہیں جو ملک کے اصل حکمران ہیں اور اس ملک کی تقدیر سے کھیلتے ہیں۔ اس صورت حال کو جڑ سے ختم کئے بغیر اس ملک میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ یہی جاگیردار خاندان اب بڑے صنعت کار بھی بن گئے ہیں، اور انہوں نے بہت بڑے بڑے صنعتی قرضے معاف کروائے ہیں۔ غریب کا تو ایک پیسہ بھی معاف نہیں کیا جاتا اور یہ بڑے بڑے مگرمچھ اربوں روپے معاف کرا لیتے ہیں۔ غریب سے قرضے کی واپسی کے لئے تو اس کی کُٹیا تک قرق کر لی جاتی ہے، لیکن ان بڑوں پر کوئی گرفت نہیں۔ انہوں نے اس قوم کو ہر طریقے سے لُوٹا ہے اور ان کی جڑ کٹے بغیر نہ اس ملک کی سیاسی دلدل ختم ہو سکتی ہے اور نہ ہی نظامِ اسلام کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

جاگیرداری و زمینداری کا یہ نظام مزارعت پر مبنی ہے، جس کے بارے میں ہمارے ہاں اختلافات چلے آ رہے ہیں۔ بہرحال امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کی یہ شکل جو ہمارے ہاں مروّج ہے، حرامِ مطلق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں مزارعت کو سود قرار دیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک مہاجر صحابیؓ نے ایک انصاری صحابیؓ کے ساتھ یہ معاملہ کر لیا تھا۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے سودی معاملہ کیا... زمین لوٹا دو اور جو

کچھ تم نے زمین پر محنت کی تھی، اس کی اُجرت وصول کر لو"۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ جو زمینیں بزورِ شمشیر مفتوح ہوئی ہیں، وہ عُشری نہیں خراجی شمار ہوتی ہیں۔ اور خراجی زمینیں اسلامی ریاست کی ملکیت ہوتی ہیں۔ گویا ایسی صورت میں کاشت کار سے خراج سیدھا بیت المال میں جائے گا اور درمیان میں زمیندار نام کی کوئی شے باقی نہیں رہے گی، لیکن آج ہمارے علماء بھی بالعموم اس چیز سے صَرفِ نظر کئے ہوئے ہیں۔ جس طرح دیہات کا مولوی چوہدری کے خلاف زبان نہیں کھول سکتا، اسی طرح بدقسمتی سے اس ملک کے چوہدریوں کے خلاف یہاں کا بڑے سے بڑا مولوی بھی زبان نہیں کھول سکتا۔ الا ماشاء اللہ۔ یہ کتمان دین ہے، جس کی وجہ سے عوام مجبور ہو کر دوسری طرف جاتے ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ "کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا" کہ فقر تو کفر کے قریب لے جاتا ہے۔

نفاذِ شریعت کے ضمن میں چند گزارشات

اب آیئے گفتگو کے تیسرے حصے کی طرف۔ آج کے اخبار میں نوید آئی ہے کہ پرسوں ترمیمی بل آ رہا ہے جس میں دستور کے اندر کتاب و سنت کی بالادستی ثبت کر دی جائے گی۔ فی الحال معلوم نہیں ہے کہ وہ دستوری ترمیم کیا ہے۔ اس وقت میں اصولی طور پر صرف ایک بات عرض کر رہا ہوں کہ اگر دستور میں ایک بنیادی اور ایک ثانوی ترمیم کر دی جائے تو کسی شریعت بل کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ بنیادی ترمیم یہ کہ فیڈرل شریعت کورٹ کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دی جائیں۔ اگر آپ شریعت کو "سپریم لاء" تسلیم کرتے ہیں، تو یہ طے کرنے کے لئے کہ کوئی شے شریعت کے مطابق ہے یا نہیں آپ نے جو ادارہ بنایا ہے، اس پر یہ پابندیاں اور بندشیں چہ معنی دارد! یہ بات دستور میں طے شدہ ہے کہ یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنے گا۔ اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کو یہ کامل اختیار حاصل ہو کہ جس قانون کے بارے میں وہ فیصلہ دے دے کہ یہ شریعت کی حدود سے تجاوز کر رہا ہے، وہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔ اس کی جگہ نئی قانون سازی کی جائے۔ اس طرح یہ گیند گویا خود بخو

حرکت کرے گی۔ (The ball will be set rolling) اب یہ میرا اور آپ کا کام ہو گا کہ کورٹ میں جا کر ثابت کریں کہ فلاں فلاں قانون شریعت کے خلاف ہے۔ اس میں یقیناً وقت تو لگے گا' لیکن یہ سب سے محفوظ راستہ ہے' جس میں انتشار کا امکان بھی کم سے کم ہے۔ ہماری عدالتیں "Codified Law" کی ہی عادی ہیں۔ ان کے سامنے دفعات پر مشتمل قانون ہونا چاہئے اوز اس طریق کار میں نئے قوانین اور ان کی دفعات بنتی چلی جائیں گی اور قانون کی کتابوں میں ان کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ثانوی ترمیم یہ کہ فیڈرل شریعت کورٹ اور ہمارے ہاں کی عام اعلیٰ عدالتوں کے درمیان جو فرق روا رکھا گیا ہے' اس فرق کو ختم ہونا چاہئے۔ فیڈرل شریعت کورٹ اور ہائی کورٹس کے جج صاحبان کا مرتبہ (Status) بہت اونچا ہوتا ہے۔ اور یہ بات دستور کے بنیادی نکات میں سے ہے کہ عدالت کا مقام اتنا اونچا کر دیا جائے کہ نہ تو اعلیٰ حکام میں سے کوئی اس پر اثرانداز ہو سکے اور نہ ہی جج صاحبان کو اس طرح کا کوئی خطرہ ہو کہ کسی کی پسند کے مطابق فیصلہ نہ ہونے کی صورت میں وہ انتقامی کارروائی کا نشانہ بن سکیں گے اور انہیں اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں گے۔ یہ تحفظ جس طرح ملک کی دوسری اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کو حاصل ہے وہ شریعت کورٹ کے جج صاحبان کو بھی حاصل ہونا چاہئے' تاکہ ہر طرح کے خوف سے بالاتر ہو کر وہ اپنے ضمیر' کتاب و سنت کے علم اور علماء و ماہرین قانون کے دلائل کے مطابق فیصلہ کر سکیں۔ یہ دو کام اگر ہو جائیں تو یوں سمجھئے کہ ع

"علموں بس کریں او یار   اِکوّ الف ترے درکار"

کے مصداق کسی اٹھارہ نکاتی' بیس نکاتی یا چوبیس نکاتی شریعت بل کی ضرورت نہیں رہتی۔

اگر ایسا نہیں ہوتا تو موجودہ مجوزہ شریعت بل کے معاملے میں ہم دینی و مذہبی سیاسی جماعتوں کے موقف کی مکمل تائید کرتے ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ درست ہے کہ وہی شریعت بل اس اسمبلی میں لایا جائے جسے سینیٹ نے منظور کیا تھا۔ صرف یہ کہ دو چیزوں کا اس میں اضافہ ہم تجویز کرتے ہیں جن کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ یعنی

i) سود کی حرمت جب بھی طے ہو' اسے موثر بہ ماضی بھی کیا جائے۔

ii) علماء اور بندوبست اراضی کے ماہرین پر مشتمل ایک لینڈ کمیشن بنایا جائے جو ہمارے ہاں کی زمینوں کی حیثیت کا جائزہ لے کہ یہ خراجی ہیں یا عُشری؟ اگر عشری ہیں تو ان میں مزارعت جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو اس کی شرائط کیا ہیں؟ ویسے تو یہ کام فیڈرل شریعت کورٹ کے تحت بھی کیا جا سکتا ہے مگر یہ تبھی ہو سکتا ہے جب اس کے ہاتھ اور پاؤں کھولے جائیں۔ ہم ان دو اضافی مطالبوں کے ساتھ نو جماعتوں کے موقف کی مکمل تائید و تصویب کرتے ہیں۔

دینی اور مذہبی و سیاسی جماعتوں کی خدمت میں

تقریر کے آخری حصے میں مجھے دینی اور مذہبی و سیاسی جماعتوں کی قیادت سے کچھ باتیں عرض کرنا ہیں:

۱۔ پہلی اور اہم ترین بات یہ ہے کہ خدارا اب بھی اس بات کو سمجھ لیں کہ پاور پالیٹکس اور انتخابی سیاست کے تحت مختلف دھڑوں کے ساتھ منسلک ہو کر اس راستے سے حقیقی اسلامی نظام کے قیام کا حصول قطعاً ناممکن ہے۔ اس الیکشن سے ۸۵ فیصد وہی لوگ آگے آئیں گے جو جاگیردار' سرمایہ دار اور زمیندار ہیں۔ اور ان سے خیر کی کبھی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی' خواہ وہ الیکشن کے وقت کیسے ہی حسین اور دلفریب وعدے کر لیں۔ یہ لوگ یہاں کے نظام میں کبھی کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آنے دیں گے۔ ان کی اپنی ایک سوچ ہے' اپنی ایک فکر ہے' اپنے مفادات ہیں' اپنا ایک طرز بودو باش ہے جس میں یہ کوئی تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے۔ آپ ان سے اپنی توقعات وابستہ کر کے خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں' آخر ان میں سے کسی کو کندھا دے کر اور کسی کو گرا کر اب تک کیا نتیجہ حاصل ہوا؟ ایوب خان کے خلاف مہم چلائی' بھٹو بر آمد ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کھینچیں تو مارشل لاء بر آمد ہو گیا۔ مارشل لاء رخصت کیا تو پھر پی پی پی مسلط ہو گئی۔ پی پی کو گرایا تو اب آئی جے آئی موجود ہے اور یہ مخمصہ اب پہلے سے بھی زیادہ گمبھیر ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے آپ کی مختلف جماعتوں کا علیحدہ تشخص تو برقرار تھا! لیکن اب آپ آئی جے آئی کا حصہ ہیں' اور جیسا کہ نواز شریف صاحب نے کہا ہے اور ٹھیک کہا کہ اگر آپ باہر بات کر رہے ہیں تو پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ آپ کو کوئی بات کرنی

ہے تو آئی جے آئی کے اندر کیجئے ورنہ شرافت سے استعفاء دیجئے اور باہر جا کر جو جی چاہے کیجئے! اس وقت آپ جس مخمصے اور شکنجے میں پھنس چکے ہیں' اس سے نکلنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ خدارا سوچئے کہ اب بھی بات سمجھ میں نہیں آئے گی تو کب آئے گی؟ جب پانی سر سے گزر چکا ہو گا اس وقت سمجھ میں آنے کا کیا فائدہ!

تو سمجھ لیجئے کہ نظام اسلام کا قیام اور شریعت اسلامی کی تنفیذ کے تقاضے کچھ اور ہیں' اور انتخابات اور پاور پالیٹکس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ آپ جب تک اپنے آپ کو ان دھڑے بندیوں سے اس طور پر علیحدہ نہیں کریں گے کہ آپ کی نہ کسی سے مخالفت کا معاملہ ہو اور نہ موافقت' بلکہ بس شریعت اور اسلام کا مطالبہ ہو' اس وقت تک آپ کی محنتیں بار آور نہیں ہو سکتیں۔ اس طرح کے سیاسی گٹھ جوڑ عوام کے لئے بھی شدید الجھن (Confusion) کا باعث بنتے ہیں کہ ادھر آپ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف لاہور کی سڑکوں اور گلیوں میں نعرے لکھ رہے تھے' اور ادھر آئی جے آئی کی تشکیل ہوئی تو آپ انہی لوگوں کی گود میں جا بیٹھے جن کے خلاف آپ نے علم جہاد بلند کیا تھا۔ اس میں آپ کی لاکھ مصلحتیں اور حکمتیں سہی' لیکن لوگ اس سے کیا سمجھیں؟ میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کر رہا لیکن ہمیشہ ہوتا یہی ہے کہ جس "برائی" کو آپ سینے سے لگانا چاہتے ہیں' اسے بڑی برائی (Greater Evil) کے مقابلے میں چھوٹی برائی (Lesser Evil) قرار دیا جاتا ہے اور "اھون البلیتین" کے فلسفے پر عمل کرتے ہوئے اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور اس میں آپ کو اپنے سارے اصول قربان کرنے پڑتے ہیں۔ آئی جے آئی کی کامیابی پر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا تھا کہ الیکشن کے راستے سے انقلاب آ گیا ہے' مگر اب کہاں ہے وہ انقلاب؟ آج آپ کو یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ ہم سے بے وفائی اور غداری کی گئی ہے۔ اب آپ کے لئے مخمصے میں سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ آپ استعفے دیجئے' آپ انہی کے ووٹوں سے سینیٹرز بنے۔ اب وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ "ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں؟" آخر دنیا کے کوئی اصول ہیں' کوئی عقل کی بات ہونی چاہئے۔ اگر آپ اب پبلک میں جا کر مہم چلانا چاہتے ہیں تو معقولیت کا تقاضا ہے کہ پہلے آپ مستعفی ہونے کا فیصلہ کریں جبکہ مولانا سمیع الحق صاحب کا کل کا بیان بھی یہ تھا کہ ہم آئی جے آئی سے علیحدگی میں جلدی نہیں کریں گے! یہ چیز خرابی کی اصل جڑ بنیاد

اور بس گانٹھ ہے کہ الیکشن اور پاور پالیٹکس کو تنفیذِ شریعت اور قیام نظام اسلام کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھا جائے!

۲۔ دوسری بات یہ کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا قیام یا شریعت کی تنفیذ و ترویج صرف ایک عوامی تحریک کے ذریعے سے ممکن ہے' انتخابات کے ذریعے یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اس ذریعے سے تو یہی لوگ آئیں گے جنہیں آپ بار بار آزما چکے۔ یہ لوگ اپنے مفادات کو کیونکر چھوڑیں گے۔ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی کیونکر ماریں گے؟ اگر آپ اب بھی ان سے نظام اسلام کے قیام کی توقع رکھتے ہیں تو یہ آپ کی حماقت نہ سہی' سادہ لوحی ضرور ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک عوامی تحریک برپا کرنا ہوگی۔ لیکن اس عوامی تحریک کے لئے تین بڑی بڑی شرائط ہیں:

i) سب سے پہلے ایک ایسی جمعیت فراہم کی جائے جو ان لوگوں پر مشتمل ہو جو اپنی ذات اور اپنے گھر میں شریعت نافذ کر چکے ہوں۔ اس کے بغیر اسلام کا نام لینا خود فریبی اور سیاست بازی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ii) پھر جو تحریک چلے وہ پرامن اور منظم ہو۔

iii) یہ تحریک ذمہ دارانہ ہو۔ ذمہ دارانہ کا مفہوم یہ ہے کہ فرض کیجئے آپ کوئی پرامن جلوس نکالتے ہیں' اگر اس کے ذریعے توڑ پھوڑ ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری آپ کو اپنے سر لینی ہوگی۔ لہٰذا جب تک اتنی طاقت فراہم نہ ہو کہ آپ یہ تین شرائط پوری کر سکیں' ایجی ٹیشن نہ کریں۔ اگر آپ کو اعتماد ہو کہ آپ کے پاس اتنے رضاکار ہیں جو کسی کو غلط حرکت کرنے نہیں دیں گے تو آیئے میدان میں! یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ جلوس تو ہم نے نکالا تھا' توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا۔ آپ صرف اسی وقت سڑکوں پر آنے کے حقدار ہیں' جب آپ پوری ذمہ داری لیں۔ یہ بات میں نے پی پی کے دور میں بھی کہی تھی کہ عورت کی سربراہی کے موضوع پر یا کسی اور حساس مذہبی Issue پر عوامی ایجی ٹیشن نہ کیجئے' آپ حکومت کی تبدیلی چاہتے ہیں تو اسمبلی اور الیکشن کا راستہ اختیار کیجئے۔ آج پھر کہہ رہا ہوں کہ اب شریعت بل کے عنوان سے کوئی ایسی تحریک چلانا موجودہ حالات کے اعتبار سے انتہائی مہلک ہے۔ جب تک آپ کے ساتھ ایسے لوگ نہ ہوں جو دین کے ساتھ مخلص ہوں' تربیت یافتہ اور منظم ہوں' اس وقت تک کوئی تحریک

کامیاب نہیں ہو سکتی۔ محض جذبات سے تعمیر نہیں، تخریب ہوا کرتی ہے۔ متحدہ محاذوں سے پہلے کوئی خیر وجود میں آیا ہے نہ آئندہ اس کی کوئی توقع ہے، بلکہ یہ کام ایک منظم، ذمہ دار اور مخلص لوگوں کی جمعیت ہی سے ہو سکتا ہے۔ اگر آپ یہ شرائط پوری کر سکتے ہیں تو ایجی ٹیشن کریں، ورنہ آپ کی تحریک سے کوئی خیر برآمد نہیں ہوگا، بلکہ مارشل لا کا راستہ ہموار ہوگا۔ ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ سندھ میں پھر وہ لاوا بڑی شدت سے پکنا شروع ہوگیا ہے۔ پروفیسر غفور احمد صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے اور یہی بات بے نظیر نے کہی ہے کہ وہاں اب پاکستان سے علیحدگی کی تحریک پھر زور پکڑ رہی ہے۔ اور سب سے بڑا کمال تو وہاں جام صادق دکھا رہے ہیں جو ع "آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک!" کے مصداق پرانے سندھی وڈیروں کو تمام مراعات فراہم کر رہے ہیں۔ اور ان کی یہ پالیسی چونکہ پی پی پی کے خلاف اور حکومت اور آئی جے آئی کے حق میں ہے، لہٰذا وہاں سب اچھا کا راگ الاپا جا رہا ہے، لیکن اس طرح جو قوت بن کر اپنا وجود منوائے گی، وہ بہت بھیانک ہوگی۔ جام صاحب اس وقت تک ایم کیو ایم کو لارے لپّے دیئے رکھیں گے اور آئی جے آئی کی مرکزی قیادت کو بھی۔ لیکن پھر سندھ میں یہ لاوا اگر پھٹا تو اس کا نتیجہ مارشل لا کی صورت میں سامنے آ سکتا ہے اور مارشل لا کے بارے میں میں نے سن ۸۰ء میں یہ بات کہہ دی تھی اور میں اب بھی یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایک بار پھر مارشل لا لگا تو شاید یہ ملک باقی نہ رہ سکے۔ اس لئے کہ دشمن تو ہمارے دائیں بائیں بیٹھا ہوا ہے۔ روس کی طرف سے از سرنو دھمکیاں ملنا شروع ہوگئی ہیں۔ ادھر مشرقی پنجاب اور کشمیر میں بھارت کا ناک میں دم آیا ہوا ہے۔ پھر امریکہ کی وہ مدد اور پشت پناہی اب آپ کو حاصل نہیں جو کبھی حاصل تھی، کیونکہ اب آپ اس کے لئے اگلے مورچوں کی طاقت (Front line power) نہیں رہے، اس لئے کہ اس کا اصل دشمن روس تو بیٹھ ہی گیا ہے۔ ان اعتبارات سے موجودہ حالات بہت مختلف اور خطرناک ہیں جس میں اس نوعیت کا کوئی ایجی ٹیشن بہت خطرناک اور منفی نتائج کا حامل ہو سکتا ہے جس سے جمہوریت کی گاڑی دوبارہ پٹڑی سے اتر سکتی ہے۔

کچھ نواز شریف صاحب کے بارے میں!

اب مجھے وزیر اعظم پاکستان نواز شریف صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

☆ ... پہلی بات اگرچہ تنقیدی ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس اعتبار سے انہیں اس کا کریڈٹ دیا جانا چاہئے کہ وہ اپنے دل کی بات صاف کہتے ہیں کہ میں Fundamentalist (بنیاد پرست) نہیں ہوں۔ میرے لئے تو خیر یہ بات انتہائی ناقابل قبول ہے اور میں اگر اپنے بنیاد پرست ہونے سے انکار کروں تو یہ شاید میرے اسلام سے انکار کے مترادف ہو۔ میرے پاس ۱۹۸۲ء میں "وال سٹریٹ جرنل" کا نمائندہ آیا تھا جس نے مجھ سے ایک سوال یہ کیا کہ کیا آپ فنڈا منٹلسٹ کہلوانا پسند کریں گے؟ میں نے کہا: "یقیناً!"۔ ابھی چند روز قبل "ٹائمز آف لندن" کا ایک نمائندہ آیا ہوا تھا۔ اس کے سوال کے جواب میں میں نے کہا: ہم یقیناً فنڈا منٹلسٹ ہیں۔ لیکن ہمارے فنڈا منٹلزم کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ ہم کوئی آج سے ۱۴۰۰ برس پہلے کی ساری تفاصیل اور اس وقت کے نظام کو لے کر بیٹھے رہیں گے ------ ہمارے فنڈا منٹلسٹ ہونے سے مراد یہ ہے کہ کتاب و سنت ہمارے لئے جڑ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ جیسے قرآن میں آیا ہے "کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ" کہ اس کی جڑ زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہو۔ اور وہ جڑ ہے کتاب اللہ اور سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ اگر درخت اپنی جڑ ہی چھوڑ دے تو وہ درخت کہاں رہا؟ وہ تو پھر سوختنی لکڑی ہے جو چولہے میں جلائے جانے کے قابل ہے۔ یا اسے کاٹ کر کسی اور کام میں لایا جا سکتا ہے۔ بہرحال ہماری مذہبی و دینی جماعتوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ نواز شریف صاحب صاف کہہ رہے ہیں کہ وہ فنڈا منٹلسٹ نہیں ہیں۔

☆ ... اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ فنڈا منٹلسٹ نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ خود اس کی نفی کریں' لیکن میں اپنے آپ کو open to correction سمجھتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ میرے نزدیک درحقیقت وہ بھی اصلاً وہی کچھ ہیں جس کا دعویٰ کبھی بھٹو صاحب نے کیا تھا یعنی سوشل ڈیموکریٹ! سوشل ڈیموکریسی کا نقطہ عروج سکینڈے نیوین سوشلزم ہے' جو ایک ایسا سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں عوام کی بہبود کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ غریبوں اور بے روزگاروں کو الاؤنس دیئے جاتے ہیں۔ مریضوں کی دیکھ بھال کا مناسب انتظام ہوتا ہے اور یہ چیزیں ڈنمارک' سویڈن اور ناروے وغیرہ میں جا کر دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہاں ایک غریب آدمی کو بھی علاج کی وہی سہولتیں مہیا

کی جاتی ہیں جو وہاں کی ملکہ کو حاصل ہیں۔ بادشاہ اور غریب کے بچے کو تعلیم کے یکساں مواقع حاصل ہیں۔ ان لوگوں نے یہ سب کچھ کر کے دکھایا ہے جس پر وہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ بہرحال بھٹو صاحب اور نواز شریف صاحب میں اس اعتبار سے سوچ کا کوئی بنیادی فرق موجود نہیں ہے۔

☆ ... ظاہر بات ہے کہ نواز شریف صاحب ایک صنعت کار اور کاروباری آدمی ہیں۔ ان کی ساری سوچ اسی حوالے سے پروان چڑھی ہے' ان کی اٹھان اسی میں ہے اور ان کا تجربہ اور مہارت اسی میں ہے لہٰذا یہ قیاس کرنا شاید غلط نہ ہوگا کہ ان کی سوچ کی معراج تو یہی ہے کہ کچھ مذہب کی ٹیپ ٹاپ کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام موجود رہے' جس میں ظاہر ہے کہ سود برقرار رہے گا۔ کیونکہ یہ تو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی پتھر ہے' جس کو کھسکا دینے سے اس نظام کی بنیادیں زمیں بوس ہو جائیں گی۔ البتہ ان کے کچھ اچھے Points بھی ہیں۔ اس ملک میں پہلی مرتبہ کچھ سیاسی استحکام آیا ہے۔ جماعتی ڈسپلن نام کی کوئی شے بھی نظر آئی ہے۔ اس وقت چاہے وہ دینی جماعتوں کے خلاف جا رہی ہے کہ پارٹی ڈسپلن کا لحاظ کریں۔ ورنہ سینٹ یا اسمبلی کی وہ سیٹ چھوڑ دیں جو آپ نے اس پارٹی ٹکٹ پر جیتی ہے۔ اور یہ اس ملک میں پہلی مرتبہ ہو رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے ہاں کچھ سیاسی روایات اسی طرح مستحکم ہو جائیں تو یہ بھی اس ملک کے لئے ایک فائدے کی شے ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکا تو ایک سیاسی انتشار وجود میں آئے گا جو مارشل لاء کو جنم دے گا۔ اور یہ مارشل لاء میرے نزدیک اس ملک کے خاتمے کی تمہید بن سکتا ہے۔

نواز شریف صاحب کے پیش نظر جو سوشل ڈیموکریسی کے نفاذ کا ایک کام ہے' کاش کہ وہ یہی کر جائیں۔ اگر سوشل ڈیموکریسی بھی اس ملک میں کسی درجے میں آ جائے تو وہ اس گند سے تو بہتر ہے جو اس وقت یہاں موجود ہے۔ غریب کا تو یہاں کوئی والی وارث ہی نہیں۔ وہ بیچارہ تو دوا تک کو ترستا ہے۔ اس وقت یہاں بہت بڑے بڑے ہسپتال بن گئے ہیں' لیکن ان میں تو وہی جا سکتا ہے جس کے پاس ہزارہا روپیہ موجود ہو۔ چنانچہ اگر نواز شریف صاحب سوشل ڈیموکریسی کا وہ نظام بھی لے آئیں جو مغرب میں ہے تو پوری قوم یہ تسلیم کرے گی کہ انہوں نے کوئی مثبت کام تو کیا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ بھٹو کی اصل

ناکامی یہی ہے کہ جو بات اس نے کہی' وہ کر کے نہیں دکھائی۔ وہ جاگیردار تھا' جاگیردار نکلا ... He could'nt go out to his skin ... وہ اپنی جاگیردارانہ کھال سے باہر نہ نکل سکا۔ ورنہ اگر وہ یہاں سے جاگیرداری ختم کر دیتا تو یہ اس ملک پر بہت بڑا احسان ہوتا اور ملک میں حقیقتاً ایک عوامی سیاست شروع ہو جاتی۔ لیکن وہ محض ایک جذباتی فضا میں آیا تھا اور کوئی کام نہیں کر سکا۔ نواز شریف صاحب اگر یہ کام بھی کر دیں تو ہم ان کے ممنون ہوں گے۔ جیسے کبھی غالب نے کہا تھا ع "غالب نہ لکھنؤ سے نہ دِلّی سے ہے غرض" اسی طرح ہمیں بھی نہ پیپلز پارٹی سے کوئی غرض ہے نہ آئی جے آئی سے ------ البتہ ملک میں اگر کوئی سیاسی استحکام پیدا ہو جائے' کچھ مثبت سیاسی روایات پروان چڑھ جائیں تو یہ بھی اس ملک کی ایک قابل ذکر خدمت ہوگی۔

اسی طرح نواز شریف صاحب نے جن معاشی اصلاحات کی بات کی ہے' وہ بھی قابل قدر ہیں۔ انہوں نے بل پیش ہونے سے ایک روز قبل اسمبلی میں جو تقریر کی تھی' میں نے اس کی بھرپور تائید کی تھی کہ پہلی مرتبہ کسی نے شریعت کے ساتھ ساتھ سماجی عدل کا نام بھی لیا ہے' غریبوں کی بات بھی کی ہے۔ غریب کی فلاح و بہبود کی بات بھٹو نے بھی کی تھی مگر اس کا انداز کچھ اور تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ تقریر نیک خواہشات اور آرزوؤں کا ایک حسین مرقع تھی۔ میرے نزدیک یہ دو کام بھی اگر اس ملک میں ہو جائیں تو یہ ایک مثبت پیش رفت ہوگی۔ اس کے ساتھ اگر عائلی قوانین پر سے بھی قدغن اٹھ جائے تو وہ بھی ایک مثبت قدم ہوگا۔ ہم اسے بھی خوش آمدید کہیں گے۔

لیکن یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ ان اصلاحات سے ہمارا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا ہمارے پیش نظر یہ رہنا چاہئے کہ درحقیقت اسلام کے کامل نظامِ عدل اجتماعی کا قیام (جو سیاسی' سماجی اور معاشی عدل پر محیط ہے) اور پوری شریعت اسلامی کی تنفیذ ہمارا مقصد ہے۔ اور اس کے لئے ایک عوامی تحریک برپا کرنا ناگزیر ہے مگر یہ عوامی تحریک ان لوگوں پر مشتمل ہوگی جو خود اپنی ذات پر اور اپنے گھروں میں دین کا نفاذ کر لیں اور جب ایجی ٹیشن کے لئے سڑکوں پر آئیں تو پرامن اور منظم ہوں۔ ایک ایسی تحریک کے ذریعے ہی سے یہاں پر مسلط نظامِ باطل کو تلپٹ کیا جا سکتا ہے۔

علمائے کرام سے ایک خصوصی گذارش

آخر میں ایک گزارش خاص طور پر علمائے کرام سے ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ جو شریعت بل بھی پیش کریں' اس میں خدا کے لئے مفتی اور قاضی حضرات کے لئے تنخواہوں کے معاملے کو نمایاں نہ کریں۔ اگر دین کا کام کرنا ہے تو اجرت کے معاملے کو بیچ میں نہ لائیے۔ خود آپ نے دین کی تعلیم بغیر فیس کے پائی ہے۔ دینی اداروں کے لئے لوگ انفاق کرتے ہیں۔ آپ کو اس کے لئے ہزاروں لاکھوں کی فیسیں نہیں ادا کرنی پڑیں۔ اس قوم نے آپ کو پڑھایا ہے چنانچہ اگر آپ کو دین کا کام کرنا ہے تو یہ اسسٹنٹ اور ڈپٹی ایڈووکیٹ جنرل کے مراتب اور ان کے برابر تنخواہوں کے گریڈ کی بات آپ کے منہ پر نہیں جچتی۔ میں یہ بات پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ خدا کے لئے ان گریڈوں کے چکر سے نکلئے! اس لئے کہ اس پر پھبتیاں چست کی جا رہی ہیں۔ اور ایک دانشور نے' جن کا میں یہاں نام نہیں لینا چاہتا' مجھ سے بات کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ پرائیویٹ شریعت بل تو مولویوں کی ایمپلائمنٹ کا بل ہے۔ خدارا اس کام کے لئے تنخواہوں اور مراعات کی بات نہ کیجئے۔ یہ قوم اب بھی آپ کی بہ دل و جان کفالت کرے گی۔ اس قوم نے آج تک آپ کو بھوکا نہیں مرنے دیا۔ آپ ڈنکے کی چوٹ اعلان کریں کہ ہم عدالت میں جائیں گے تو بغیر کسی فیس کے یہ رہنمائی کریں گے کہ شریعت کا حکم کیا ہے اور اگر ہمیں کہیں قاضی کی حیثیت سے بٹھایا جائے گا تو تنخواہ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ آپ عوام پر یہ واضح کریں کہ ہمیں ہمارا رب دینے والا ہے' ہماری اجرت اس کے ذمہ ہے' وہ کھلانے اور پلانے والا ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں: اَلَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ اور تمام رسول اپنی اپنی قوم کے سامنے یہی کہتے رہے ہیں: وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ("میں تم سے کسی اجرت کا طلبگار نہیں ہوں۔ میری اجرت تو جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے"۔) اگر آپ بھی رسولوں کی اتباع میں ایسا کر سکیں تو شاید عوام کے لئے بھی شریعت بل کی بات زیادہ قابلِ قبول ہو اور کچھ خواص بھی اس بات کو اہمیت دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

اب میں آپ کے سامنے یہ قرارداد پیش کر رہا ہوں جسے آپ نے منظور کرنا ہے:

قرارداد برائے نفاذ شریعت

جو جامع القرآن' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تحریک پر جمعہ کے عظیم اجتماع میں منظور ہوئی

جامع القرآن' قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کا جمعہ کا یہ اجتماع عظیم اپنے انتخابی وعدے کے مطابق نواز شریف حکومت کی طرف سے نفاذ اسلام کے عزم و ارادے کے اظہار کا خیر مقدم کرتے ہوئے واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اس غرض سے قومی اسمبلی میں جو سرکاری بل پیش کیا گیا ہے' وہ ناقص اور نفاذِ شریعت کی طرف پیش قدمی کے بجائے پسپائی کے مترادف ہے۔ اس امر پر اس اجتماع کو اطمینان ہوا کہ ملک کی نو دینی و سیاسی جماعتوں نے بل کو مسترد کرنے میں عجلت پسندی سے کام نہ لیا بلکہ شق وار غور کر کے اس کے نقائص کو دلائل و براہین سے واضح کیا ہے۔ مسلمانوں کا یہ اجتماع ان کے موقف کی تائید کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ سرکاری شریعت بل کو واپس لے کر وہ پرائیویٹ شریعت بل قومی اسمبلی میں پیش کر کے ضروری اضافے اور ایک دستوری ترمیم کے ساتھ بلا تاخیر منظور کرایا جائے جسے پارلیمنٹ ہی کے ایوان بالا نے گزشتہ برس ضابطے کے سب مراحل طے کر کے پاس کیا تھا۔ اس اجتماع کا مطالبہ یہ ہے کہ مطلوبہ دستوری ترمیم کے ذریعے ان چاروں معاملات یعنی دستور' پرسنل لاء' عدالتی طریق کار اور مالی قوانین کو بھی وفاقی شرعی عدالت کے احاطۂ اختیار میں دے دیا جائے جو قبل ازیں فاضل عدالت کے دائرہ کار سے باہر رکھے گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں پرائیویٹ شریعت بل کی وہ شق ساقط کی جا سکے گی جس سے دوسری عدالتوں میں قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی قرار دیئے جانے پر قانونی افراتفری کا خدشہ تھا۔ یہ اجتماع یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ پرائیویٹ شریعت بل میں مالی معاملات پر شریعت کے اطلاق کو موثر بہ ماضی کیا جائے تاکہ بل کے ایکٹ بننے کے بعد جوئے اور سُود کا کامل خاتمہ ہو جائے اور کسی بھی طرح کی حرام خوری کو تحفظ حاصل نہ رہے۔ مزید برآں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ معیشت میں اسلام کی برکات کے حصول کی غرض سے زمینداری کے موجودہ نظام پر بھی تحقیق کے لئے زراعت اور بندوبست اراضی کے

ماہرین اور علمائے دین پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیاراتی لینڈ کمیشن کی فوری تشکیل کی جائے جو جاگیرداری' مزارعت اور غیر حاضر زمینداری کی مروجہ شکلوں کا اسلام کی روشنی میں جائزہ لے اور یہ بھی دیکھے کہ ہماری زرعی زمین خراجی ہے یا عُشری!... زراعت کے موجودہ نظام پر شریعت کو نافذ کیا جائے اور اگر زرعی اراضی خراجی قرار پائیں تو اس اہم ترین شعبے سے نہ صرف استحصال کا خاتمہ ہوگا بلکہ ملک کی اسلامی حکومت کو خراج کی بلا واسطہ آمدنی سے اتنے وسائل حاصل ہوں گے کہ ٹیکسوں کے موجودہ فرسودہ اور بدعنوانیوں کو جنم دینے والے نظام سے چھٹکارا مل جائے گا۔

الہدیٰ قسط: ۴۷

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۷

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار یا انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۱)

سورۃ الجمعہ کے مضامین پر غور و فکر کے ضمن میں بھی ہم وہی طریق کار اختیار کریں گے جو سورۃ الصف کے ذیل میں اختیار کیا گیا تھا کہ پہلے سورہ کی مرکزی آیت کو کماحقہ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے بعد ایک ایک آیت کو غور و فکر کا موضوع بنایا جائے۔ بالخصوص ہر آیت کا جو ربط و تعلق اس مرکزی آیت کے ساتھ بنتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے مضامین کا باہمی ربط

یہ بات اس سے پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ میں جوڑے جوڑے ہونے کی وہ نسبت جو قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں موجود ہے' بہت ہی نمایاں ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں بلند پایہ سورتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دو پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ الصف کا مرکزی مضمون تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت' جبکہ سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس مقصدِ بعثت کے حصول اور اس عظیم مشن کی تکمیل کے لئے آپ کا بنیادی طریق کار کون سا تھا! ـــــــ یہاں لفظ "بنیادی" خاص طور پر توجہ کے قابل ہے اور اسے سمجھنے کے لئے ہمیں قدرے تفصیل میں جانا ہو گا۔

اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر ہم عام مروجہ معنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انقلابی رہنما کہیں تو یہ یقیناً آپؐ کی توہین کے مترادف ہوگا لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ داعیٔ انقلاب کا اطلاق نسل انسانی کے کسی فرد پر اگر بتمام و کمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں!! اس لئے کہ تاریخ انسانی کا ہمہ گیر ترین اور گمبھیر ترین انقلاب برپا کرنے کا سہرا بلاشبہ آپؐ ہی کے سر ہے۔

تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب

غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ تاریخ کے وہ بڑے بڑے انقلاب جن کا بہت شہرہ ہے' محض جزوی انقلابات تھے۔ انقلاب فرانس ہو یا انقلاب روس' ان دونوں نے زندگی کے رخ میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی برپا نہیں کی۔ انقلاب فرانس میں لوگوں کے افکار اور عقائد نہیں بدلے' ان کا طرز معاشرت تبدیل نہیں ہوا' صرف نظام حکومت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ شخصی حکومت کا دور ختم ہوا اور جمہوریت کا آغاز ہوگیا۔ اسی طرح انقلاب روس (BOLSHEVIK REVOLUTION) اگرچہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا بلکہ اسے انقلابوں کی ماں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کی کوکھ سے انقلابوں کی ایک پوری کھیپ برآمد ہوئی ہے' بایں ہمہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے ذریعے بھی ایک جزوی تبدیلی ہی آ سکی' یعنی محض نظامِ معیشت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا' اور ویسے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک بڑا انقلابی فکر یعنی "DIALECTICAL MATERIALISM" اس انقلاب کی پشت پر تھا لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو مادیت پہلے سے موجود تھی' اس نے صرف ایک قدم آگے بڑھایا اور جدلی مادیت کی شکل اختیار کر لی' اسے آپ MATERIALISM سے DIALECTICAL MATERIALISM تک ایک ارتقائی عمل تو کہہ سکتے ہیں' انقلابی عمل نہیں کہہ سکتے۔ گویا کہ وہاں بھی اصل تبدیلی زندگی کے محض ایک گوشے میں یعنی نظام معیشت میں واقع ہوئی کہ کوشش کی گئی کہ ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لے کر حصہ رسدی تمام افراد تک کسی قدر منصفانہ انداز میں پہنچا دیا جائے۔ اس سے قطع نظر کہ معاشی ڈھانچے میں اس تبدیلی کے ضمن میں انسان کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی اور اس کا کیا

ردِ عمل سامنے آ رہا ہے، فی الوقت صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ دنیا کے یہ تمام انقلابات جزوی تھے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب ہمہ گیر تھا۔ اس انقلاب میں لوگوں کے عقائد بدلے، افکار بدلے، نظریات بدلے، زندگی کی قدریں بدلیں نقطۂ نظر تبدیل ہوگیا، سوچ کا رخ بدل گیا، طرز بود و باش بدل گئی، معیشت کا انداز بدل گیا سیاست کے طور اطوار بدل گئے، یوں کہئے کہ زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا۔ بلکہ یہاں یہ تلاش کرنا پڑتا ہے کہ کیا چیز نہیں بدلی!------ اس پہلو سے کسی دوسرے انقلاب کو انقلابِ محمدیؐ سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی! چنانچہ اس پہلو سے ہمارے اس دور کے برعظیم پاک و ہند کے ایک بہت بڑے انقلابی ایم این رائے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "HISTORICAL ROLE OF ISLAM" میں اگر یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے انقلابی رہنما تھے تو واقعہ یہ کہ غلط نہیں کہا۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ دنیا کے تمام اہم انقلابات کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو ایک بات قریباً ہر جگہ مشترک نظر آئے گی کہ انقلابی فکر تخلیق کرنے والے یا پیش کرنے والے کچھ اور لوگ تھے اور اس انقلاب کو عملاً برپا کرنے کا معاملہ کچھ اور لوگوں کے ہاتھوں ہوا۔ انقلاب فرانس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ والٹیئر اور روسو اور ان جیسے نامعلوم کتنے اہل قلم تھے جنہوں نے وہ فکر دیا کہ جس کی بنیاد پر اس انقلابی عمل کا آغاز ہوا۔ لیکن یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ انقلاب فرانس کے عملاً برپا ہونے میں اور اس کی عملی رہنمائی میں ان مفکرین کو کوئی دخل حاصل نہیں تھا۔ وہ انقلاب عملاً کچھ اوباش قسم کے لوگوں کی رہنمائی میں برپا ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑا ہی خونی انقلاب تھا۔ اسی طرح کا معاملہ BOLSHEVIK REVOLUTION (انقلاب روس) کا بھی تھا۔ اس انقلاب کے لئے انقلابی فکر دینے والا کارل مارکس جو جرمنی کا رہنے والا تھا خود اپنی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کر سکا۔ سوچئے، یہاں ایک بالکل ہی دور دراز کے ملک میں ایک فعال شخصیت لینن کے ہاتھوں وہ انقلاب برپا ہوا جس نے کارل مارکس کے دیئے ہوئے فکر و فلسفہ کو دنیا میں ایک انقلاب کی عملی شکل میں ڈھالا۔ معلوم ہوا کہ انقلابی فکر دینے والے بالعموم کچھ اور لوگ ہوتے ہیں اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور!۔

اس پس منظر میں دیکھئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز ہوا اور کل تیئس برس میں یعنی ایک "LIFE SPAN" کے اندر اندر انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ بلکہ یہ تیئس برس بھی شمسی نہیں قمری ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ہمارے حساب سے وہ بمشکل بائیس برس بنتے ہیں۔ کل بائیس برس میں ایک شخص فرد واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ دعوتی و انقلابی جدوجہد ان تمام مراحل کو طے کر کے جو کسی بھی انقلاب کو درپیش ہوتے ہیں، نہایت خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں آپؐ کو تمسخر و استہزاء کے ابتدائی مرحلے سے بھی گزرنا پڑا، پھر وہ شدید تشدد (PERSECUTION) کا دور بھی آیا جس میں اہل ایمان پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے، پھر وہ مرحلہ بھی آیا کہ وطن کو چھوڑنا پڑا، مکے کی سرزمین کو خیرباد کہہ کے مدینہ منورہ کا رخ اختیار کرنا پڑا، پھر اقدام کا مرحلہ بھی آیا اور جہاد و قتال کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے تمام مراحل سے گزر کر کل تیئس برس کی مدت میں وہ انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ جس کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ ساری بات گوش گزار کی گئی، یہ نکلا کہ حضورؐ کی سیرت مطہرہ میں اس انقلابی عمل کے مختلف مراحل بہت نمایاں ہو گئے۔ بلکہ آپؐ کے اس انقلابی عمل کا TEMPO اتنا شدید ہے اور وہ انسان کی توجہ کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس انقلابی عمل کی پشت پر کارفرما اساسی طریق کار بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اساسی طریق کار یا منہج عمل اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس انقلابی جدوجہد، اس تصادم اور اس تمامتر جہاد و قتال کے لئے وہ افراد کس طور سے حاصل ہوئے کہ جن میں ہر ایک عزم و ہمت اور استقامت کی چٹان ثابت ہوا۔ ان افراد کے فکر و نظر میں انقلاب کیونکر برپا ہوا اور پھر ان کی تربیت کا معاملہ کس نہج پر ہوا! گویا غور طلب بات یہ ہے کہ اس انقلابی عمل کی تہہ میں کارفرما وہ عمل کون سا تھا کہ جس کے ذریعے انفرادی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا۔ جس طریقے سے کسی پہاڑی ندی کا زور شور اور اس کی موجوں کا تلاطم انسان کو اس طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس کی گہرائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اسی طریقے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا یہ پہلو یعنی انقلابی کشمکش اور اس

میں تصادم کے مختلف مراحل کسی بھی سیرت کے سننے والے یا پڑھنے والے کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کہ اس جدوجہد کے پس پشت کارفرما اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ساری توجہ اسی ایک پہلو پر مرتکز ہو جاتی ہے۔

انقلابِ نبوی ؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ میں درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار کو واضح کیا گیا ہے کہ جس کے ذریعے وہ افراد تیار کئے گئے کہ جو اسی انقلابی جدوجہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے اور جن کے اندر کا انقلاب بیرونی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس مضمون کی اہمیت کو اکبر الہ آبادی کے ایک شعر کے حوالے سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے، بڑا پیارا شعر ہے

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے!
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

کہ اگرچہ حضور ؐ کی سیرت طیبہ میں غزوہ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ بڑے اہم Land marks شمار ہوتے ہیں لیکن اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ وہ بنیادی PROCESS اور طریق کار کون سا تھا کہ جس سے اس انقلاب کی داغ بیل پڑی، جس سے افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، وہ افراد کہ جنہوں نے اپنی سیرت و کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا نقشہ وہ ہے جو سورۂ احزاب میں آیا ہے کہ: "رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" یعنی وہ جوان مرد جنہوں نے اپنے رب سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ "فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝" کہ ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے، سرخرو ہو چکے اور باقی ابھی منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی سبکدوش ہو جائیں۔ وہ مردان کار کس PROCESS سے اور کس طور سے تیار ہوئے تھے، یہ ہے درحقیقت سورۂ جمعہ کا مرکزی مضمون۔

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت (یعنی آیت نمبر۲) کے بارے میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں جو چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان کا اعادہ کیا گیا ہے اور یہ ایک نہایت غیر معمولی بات ہے۔ سب سے پہلے سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں وہ الفاظ آئے، پھر چند رکوعوں کے بعد اللہ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے اعلان کے ذکر میں انہی الفاظ کا اعادہ ہوا، پھر سورۃ آل عمران میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے بیان میں کہ اللہ نے تم میں اپنا ایک رسول بھیج دیا ہے پھر انہی چار اصطلاحات کو دہرایا گیا اور پھر آخری مرتبہ یہ چاروں اصطلاحات یہاں سورۃ الجمعہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہاں تو یہ الفاظ یا یہ اصطلاحات گویا کہ اس پوری سورہ کے لئے بمنزلۂ عمود ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ انہیں اس سورہ کے مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے آیئے کہ اس سورۂ مبارکہ پر اور بالخصوص اس کی آیت نمبر۲ پر نگاہوں کو پورے طور پر مرتکز کر دیا جائے۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

دیکھئے، جس طرح سورۃ الصف کی مرکزی آیت کا آغاز ہوا تھا "**هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ**" کے الفاظ سے، اسی طرح سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت کا آغاز ہو رہا ہے "**هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ**" کے الفاظ مبارکہ سے۔ دونوں جگہ ایک ہی اسلوب ہے اور نہایت ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ "وہی ہے اللہ کہ جس نے اٹھایا امیین میں ایک رسول"۔ بعث کے معنی ہیں کسی چیز کا اٹھانا یا برپا کرنا۔ چنانچہ "بعث بعد الموت" کی اصطلاح موت کے بعد جی اٹھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ "**هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ**" کہ وہی ہے اللہ جس نے اٹھایا امیین میں ایک رسول

انہی میں سے۔ لفظ "اُمیّین" پر ہم ان شاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے کہ یہ اس سورۂ مبارکہ کے اہم مضامین میں سے ہے۔ ابھی ذرا وقتی طور پر اس لفظ سے توجہ کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھیے۔ اگلے الفاظ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان میں رسول کے طریق کار یا منہج عمل کا بیان ہے کہ وہ رسول جو اللہ نے مبعوث فرمایا ہے' کیا کرتے ہوئے آیا ہے! "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"۔ ترجمہ: "تلاوت کرتا ہے ان لوگوں پر اس کی آیات' (یعنی اللہ کی آیات) اور ان کا تزکیہ کرتا ہے' اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی"۔ آیت کا آخری ٹکڑا حسب ذیل ہے: "وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" ترجمہ: "اور اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے"۔

چار اہم اصطلاحات

یہ ہے وہ آیۂ مبارکہ جس کے بارے میں عرض کیا گیا کہ یہ مضمون کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے۔ اس میں چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں۔ i) تلاوت آیات' ii) تزکیہ' iii) تعلیم کتاب اور iv) تعلیم حکمت۔ ان چاروں پر آپ غور کریں گے تو پہلی بات نمایاں ہو کر آپ کے سامنے یہ آئے گی کہ ان چار میں سے کم از کم دو کے بارے میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ ان سے مراد سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں! ظاہر بات ہے کہ تلاوت آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہی کا پڑھ کر سنانا ہے۔ اسی طرح تعلیم کتاب سے مراد بھی قرآن حکیم ہی کی تعلیم ہے۔ البتہ دو اصطلاحات وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کچھ ظاہر بین لوگوں کو یہ اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ شاید ان سے کتاب اللہ کے سوا کوئی اور شے مراد ہے۔ چنانچہ عمل تزکیہ کے بارے میں ایک گمان یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا اپنا ایک علیحدہ تشخص ہے۔ اسی طرح لفظ "حکمت" کے بارے میں بھی ہمارے ہاں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا اور بعض بڑے بڑے ائمہ دین کی طرف سے بھی جن میں امام شافعیؒ بھی شامل ہیں' یہ خیال سامنے آیا ہے کہ اس سے مراد ہے سنّتِ رسولؐ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے تمام تر احترام کے باوصف یہاں ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ان چاروں اصطلاحات کا باہمی ربط و تعلق

کیا ہے اور خود قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے ان کا کیا مفہوم متعین ہوتا ہے۔
جس طرح سورۃ العصر کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ شرائط نجات کے بیان میں وہ چاروں چیزیں جو وہاں بیان ہوئی ہیں' ان میں باہم بڑا گہرا معنوی ربط موجود ہے۔ ایمان حقیقی کا لازمی نتیجہ عمل صالح۔ اور عمل صالح اگر پختگی کو پہنچے گا تو اس سے تواصی بالحق کے برگ و بار لازماً ظاہر ہو کر رہیں گے' اسی طرح اگر صحیح معنی میں حق کی دعوت دی جائے تو یقیناً صبر کا مرحلہ آکر رہے گا۔ تکالیف و مشکلات آئیں گی اور انہیں جھیلنا ہو گا۔ تو جس طرح سورۃ العصر کی ان چار اصطلاحات میں باہم گہرا ربط ہے' اسی طرح سورۃ الجمعہ کی متذکرہ بالا چار اصطلاحات بھی باہم نہایت مربوط ہیں۔

تزکئے کے بارے میں تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی' سردست اتنی بات نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید مدعی ہے کہ تزکئے کا اصل ذریعہ وہ خود ہے۔ سورہ یونس میں صاف الفاظ میں فرمادیا گیا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" کہ اے لوگو تمہارے پاس آچکی ہے تمہارے رب کی طرف سے ایک موعظت' ایک نصیحت جو شفا ہے تمہارے سینوں کے امراض کے لئے۔ یہ قرآن تمہارے تمام باطنی اور روحانی امراض کا مداوا بن کر نازل ہوا ہے۔ تزکیۂ نفس یا تزکیۂ باطن کا اصل ذریعہ خود قرآن ہے۔ اور جہاں تک "تعلیم حکمت" کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں سورہ بنی اسرائیل میں وہ آیت وارد ہو چکی ہے جو اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی ہے کہ حکمت کا اصل سرچشمہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ" کہ یہ ہے وہ چیز کہ جو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر وحی کی ہے آپ کے رب نے از قسم حکمت!۔۔۔۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں اصطلاحات یعنی تلاوتِ آیات' تزکیہ' تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت درحقیقت قرآن مجید ہی کے گرد گھوم رہی ہیں۔ ان سب کا مرکز و محور قرآن مجید ہی ہے۔ گویا بالفاظ دیگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آلۂ انقلاب یہی قرآن مجید ہے جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے پیارے انداز میں کہا تھا:۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا   اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

غور کیجئے' افراد کی زندگیوں میں وہ عظیم انقلاب کیسے برپا فرمایا! ان کے فکر اور ان کے کردار میں جو ہمہ گیر تبدیلی آئی' وہ کیونکر آئی؟ اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تمام تبدیلی کی بنیاد اور اساس خود قرآن حکیم ہے۔ تو آیئے کہ ہم ان چار اصطلاحات پر اپنی توجہات کو مرکوز کریں۔

تلاوتِ آیات

نبی ؐ کا پہلا کام یا آپ ؐ کے فرائض چہار گانہ میں سے پہلا فریضہ ہے تلاوت آیات' جس کے لئے یہاں الفاظ لائے گئے "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ"۔ "تَلیٰ' یَتْلُو" اگر بغیر کسی صلے کے آئے تو اس کے معنی خود پڑھنے کے ہوتے ہیں اور جب اس پر "علیٰ" کا اضافہ ہو جائے جیسے تَلیٰ علیہ تو اس کے معنی ہوں گے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ کار نبوت یا کار رسالت کا سر آغاز یہی تلاوت آیات ہے۔ دعوت کا آغاز تلاوت آیات ہی سے ہوتا ہے۔ لفظ آیات پر اس سے قبل ہمارے ان اسباق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ غور کیجئے کہ آیات یا نشانیوں کا حاصل کیا ہے! ہم پڑھ چکے ہیں کہ ان آیات سے اصل مقصود ذہن کو اللہ کی جانب متوجہ کرنا ہے۔ اللہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جائے' اللہ کی معرفت اور اس پر ایمان قلوب میں اجاگر ہو جائے' یہی آیات ہیں کہ جو پھر انسان کو بعث بعد الموت کی طرف اور جزا و سزا کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ گویا ہر اعتبار سے اولین کام تلاوت آیات ہی بنتا ہے۔ قرآن مجید کی حکمت نزولی سے ہمیں اس کی مزید تائید ملتی ہے کہ قرآن مجید میں مکی سورتوں میں جو آیات نازل ہوئی ہیں' ان سب کا بنیادی موضوع ایک ہی ہے اور وہ ہے توحید کہ اصل مقصود یہ ہے کہ ایمان باللہ دلوں میں جاگزیں ہو جائے' ہستی باری تعالیٰ کا یقین راسخ ہو جائے' اس کی صفات کمال کا علم حاصل ہو جائے' اس کی توحید پر دل ٹھک جائے' جزا و سزا' بعث بعد الموت' حشر نشر اور جنت و دوزخ پر ایک یقین محکم پیدا ہو جائے' نبوت و رسالت اور انزال وحی و کتب کے ضمن میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ یہ ہے اصل اہمیت کی چیز' یہ ہے کار رسالت کا نقطہ آغاز!

قرآن حکیم کی آیات نے آ کر لوگوں کے ذہنوں سے تمام ملحدانہ خیالات' مشرکانہ عقائد اور اس کائنات اور خود اپنے بارے میں انسان کے قائم کردہ تمام غلط نظریات کو دھو

دیا اور صاف کر دیا۔ اس تطہیر ذہنی و فکری کا اصل ذریعہ ہے تلاوت آیات!

ایک فرد کے معاملے کو ذہن میں رکھ کر آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک فرد میں اسلامی انقلاب آ جائے تو ظاہر بات ہے آپ کو سب سے پہلے اس کی سوچ اور اس کے نقطہ نظر کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کے فکر کی اصلاح سے کام کا آغاز کرنا ہوگا۔ آپ اگر چھوٹتے ہی اسے کچھ شعائر اسلامی کا احترام کرنے یا نماز روز کی تلقین کریں گے تو یہ ایک غیر حکیمانہ ترتیب ہوگی۔ آپ کو سب سے پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ اس شخص کا فکر کیا ہے، اس کی سوچ کیا ہے، آیا وہ اس کائنات کو محض ایک حادثہ سمجھتا ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ یہ نظام از خود چل رہا ہے یا وہ مانتا ہے کہ اس کا کوئی خالق، مالک اور مدبر بھی ہے!! اسی طرح یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ اسی دنیوی زندگی کو کل زندگی سمجھتا ہے یا حیات بعد موت کا کوئی تصور اس کے ذہن میں موجود ہے!------ اور آیا وہ صرف عقل اور حواس ہی کو اپنے لئے حصول علم کا ذریعہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ سمجھتا ہے یا یہ کہ وہ کسی ماوراء عقل یا ماوراء حواس ذریعہ علم (SOURCE OF KNOWLEDGE) کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟ اگر آپ کی اس انقلابی کوشش کا آغاز یہاں سے نہیں ہوگا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی کوششیں بار آور نہیں ہوں گی۔ اگر ذہن پر مادہ پرستی، الحاد اور مختلف مشرکانہ اوہام کا تسلط ہے تو سب سے پہلے ان کی تطہیر لازم ٹھہرے گی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ماحول میں وہ انقلاب برپا فرمایا، اس میں تلاوت آیات کے ذریعے لوگوں کی ذہنی اور فکری تطہیر کے عمل کو مقدم رکھا۔ مادہ پرستی، الحاد اور مشرکانہ اوہام کے زہر سے قلوب و اذہان کو پاک کر کے مثبت طور پر دلوں میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالوحی و رسالت کی بنیادیں قائم کیں۔ یہ ہے درحقیقت انقلاب محمدؐ کا نقطہ آغاز۔ یہاں سے بات آگے چلتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں جتنی اصطلاحات بھی وارد ہوئی ہیں، ان سب کا مبنیٰ، ان سب کا مرکز، ان سب کا محور قرآن مجید خود اپنے آپ کو قرار دیتا ہے[1] دعوت و تبلیغ کے ضمن میں "انذار و تبشیر" انبیاء کرام کا ایک بنیادی فریضہ

---

[1] یہ مضمون اس سے قبل کسی قدر اختصار سے "شہادت حق" کے بیان میں بھی آ چکا ہے۔

سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ انذار کے بارے میں فرمایا گیا: "وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ" کہ مجھ پر یہ قرآن نازل کیا گیا تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعے سے خبردار کر دوں۔ معلوم ہوا کہ انذار کا اصل ذریعہ خود قرآن حکیم ہے۔ اسی طرح تبشیر کے بارے میں فرمایا: "فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا" کہ اے نبیؐ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اسی کے ذریعے اہل تقویٰ کو بشارت دیجئے اور اسی کے ذریعے آپ انذار فرمائیے اور خبردار کیجئے جھگڑالو قوم کو۔ گویا انذار ہو یا تبشیر دونوں کا ذریعہ اور مرکز و محور خود قرآن ہے۔ اسی طرح انبیاء کا ایک فریضہ "تذکیر" بھی ہے۔ یعنی یاددہانی کرانا، نصیحت کرنا۔ سورہ ق کی آخری آیت میں اس کے بارے میں فرمایا گیا: "فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۝" کہ تذکیر فرمائیے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔ اسی طریقے سے فرائض نبوت و رسالت کی تعبیر کے ضمن میں ایک اہم اصطلاح "تبلیغ" کی ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے: "يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" کہ اے نبیؐ" پہنچا دیجئے، تبلیغ فرمائیے اس کی جو نازل کیا گیا آپ پر، آپ کے رب کی طرف سے۔ الغرض دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن حکیم کی جو بھی بنیادی اصطلاحات ہیں مثلاً انذار و تبشیر اور تذکیر و تبلیغ، ان سب کا مرکز و محور خود قرآن ہے۔ چنانچہ سیرت مطہرہ میں بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ نے ہر جگہ قرآن ہی کو پیش کیا، اپنی بات کہنے اور اپنی تقریر کرنے سے حتی الامکان احتراز فرمایا۔ بعض لوگوں نے خطبات نبویؐ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی قلیل تعداد میں خطبات دستیاب ہو سکے ہیں۔ آپ کی گفتگو نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی اور جس جگہ بھی آپ دعوت پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے، قرآنی آیات لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور ان کے ذریعے انذار، تبشیر اور تذکیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ یہ ایک پیغام ہے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ اسی قرآن کے ذریعے سے آپ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ تو گویا انقلاب محمدیؐ کا نقطہ آغاز ہے تلاوت آیات اور اس کے ذریعے انذار و تبشیر، تذکیر و نصیحت اور دعوت و تبلیغ!

تزکیہ

"يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" کے بعد اب آگے چلئے! "وَيُزَكِّيْهِمْ"۔ یہ وہ مرحلہ ہے

جس کے بارے میں بدقسمتی سے ہمارے ہاں سب سے زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور یہ خیال عام ہے کہ قرآن مجید نے شاید تزکیہ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا! بلاشبہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے طرز عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس سوئے ظن میں مبتلا ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تزکیہ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا۔ میں پھر عرض کروں گا کہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے قرآن حکیم سے بھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔

تزکئے کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس مرحلے پر اسے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے ـــــــ پہلی بات یہ نوٹ کیجئے کہ تزکیہ کرنا انسان کا مطلوب ہے اور انسان مجموعہ ہے دو چیزوں کا۔ ایک ہے اس کی فکر اور اس کی سوچ اور دوسری چیز ہے اس کا عمل اور اس کی روش یا اس کا وہ طرز عمل جو وہ زندگی میں اختیار کرتا ہے۔ کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے فکر و عمل میں بعد یا تضاد پایا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ ایک مریض شخصیت قرار دیتے ہیں' اسے نارمل انسان نہیں قرار دیا جاتا ورنہ ایک نارمل انسان ایک INTEGRATED WHOLE (اکائی) ہوتا ہے' اس کا عمل اور اس کا رویہ درحقیقت اس کے نظریات' اس کے افکار' اس کی سوچ اور اس کی فکر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سوچ غلط ہے' نقطہ نظر غلط ہے' قلوب و اذہان پر اگر غلط نظریات و افکار کا تسلط ہے تو ظاہر بات ہے کہ عمل از خود غلط ہو جائے گا۔ عمل کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے سوچ کو درست کیجئے' نقطہ نظر کی اصلاح کیجئے' فکر کو صحیح بنیادوں پر استوار کیجئے' اسے صحیح اساس پر RECONSTRUCT کیجئے اور تب توقع رکھئے کہ اس کا عمل درست ہوگا اور صحیح خطوط پر استوار ہوگا' قرآن مجید کا طریق تزکیہ یہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں تزکئے کا ذکر دراصل "یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ" کے نتیجے کے طور پر آیا ہے کہ آیات الٰہی کے ذریعے سے جب انسان کے فکر کی اصلاح ہو گئی' اس کے نظریات درست ہو گئے' الحاد اور مشرکانہ اوہام کی جڑیں جب انسان کے ذہن اور اس کے قلب سے کٹ گئیں تو گویا اس طریقے سے غلط اعمال' غلط کردار اور غلط عادات کی جڑ بھی کٹ گئی' اس لئے کہ ان کے لئے اب غذا مہیا نہیں ہو رہی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط اعمال بالکل اس طریقے سے انسانی سیرت سے علیحدہ ہو جائیں گے جس طریقے سے کہ پت جھڑ کے موسم میں پتے درختوں سے گر جاتے ہیں۔ (جاری ہے)

کتابیات

دِل پر گناہوں کے اثرات

زیرِ طبع کتاب کے باب اوّل کی فصلِ ثالث

مؤلف: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

انسانی جسم کا اہم ترین جزو دل ہے۔ اگر یہ زندہ ہے تو انسان زندہ ہے اور اگر یہ مر گیا تو انسان بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ عین اسی طرح انسان کی اصلاح اور بگاڑ کا دارومدار بھی دل پر ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو انسان کا سارا کردار، اس کے اعمال اور اس کی ساری جدّوجہد صحیح راستے کی طرف ہو گی اور اگر دل میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو سارے کا سارا انسان اور اس کا کردار بگڑ گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَانَوٰی . . . . [1]

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور انسان کو نیت کے مطابق ہی پھل ملے گا . . . "

ایک دُوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ
وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ [2]

"یاد رکھو! جسم میں ایک ٹکڑا ہے۔ اگر یہ ٹھیک رہا تو سارا جسم ٹھیک ہے۔ اور اگر یہ بگڑ گیا تو سارا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب کی سب سے پہلی حدیث۔ صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیّات۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرءَ لدینہٖ۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب اخذ الحلال وترک الشبہات۔

جسم بگڑ جائے گا۔ توجہ سے سُن لو: اس ٹکڑے کا نام ہے دل!

اگر دل میں جذبۂ اطاعت کے ساتھ خلوص و اخلاص ہو، ریاکاری نہ ہو، کوئی دُنیوی غرض نہ ہو تو ہر نیک کام باعثِ اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر دس گنا سے ستّر گنا بلکہ سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ بڑھتا رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ۔[1]

"آدم زاد کی ہر نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے۔"

دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک کا فرق خلوص و اخلاص اور صدقِ اطاعت کے تناسب سے ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی اُتار چڑھاؤ آتا رہتا ہو یا اللہ تعالیٰ کے ہاں عطاء و عنایت کی تقسیم غیر منصفانہ بنیاد پر ہو۔ نیز اگر نیک کام کرتے وقت کوئی دنیوی لالچ، دکھلاوا، یا شہرت و ناموری کا خیال آجائے تو نہ صرف بڑی سے بڑی نیکی ضائع ہو جاتی ہے بلکہ روزِ قیامت اُلٹے وبالِ جان بن جائے گی۔

(تفصیلات "شرکِ اصغر" کے بیان میں دیکھ سکتے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اُخروی نجات کے لیے سب سے اہم شرط دل کی پاکیزگی کو قرار دیا ہے، فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝[2]

"اُس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور پیش ہو۔"

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام۔

[2] سورت الشعراء، آیت ۸۸-۸۹۔

جب انسان کی اصلاح یا بگاڑ، اعمالِ صالحہ کے قبول یا عدمِ قبول، اور اُخروی نجات یا عذاب کا معاملہ اصلاً دِل پر منحصر ہے تو سب سے پہلے دیکھا جانا چاہیے کہ بُرے کاموں کا انسان کے دِل پر کیا اثر ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ بُرے کام انسان کی اصلاح یا بگاڑ اور اُخروی حساب پر کس قدر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۱۔ ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت موجود ہوتی ہے۔ البتہ گناہ کرنے سے یہ عظمت و محبت رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ اللہ کا خوف بھی انسان کے دل میں رہے اور پھر وہ گناہ بھی کرے۔

۲۔ کبھی کبھار گناہ کرنے کی شکل میں انسان کے دل میں ندامت و شرمندگی اور حیا کا خفیہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ غلطی کر کے چھپاتا بھی ہے۔ بالآخر اسے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ لیکن مستقل گناہوں کا عادی اِن پاکیزہ جذبات سے بالکل خالی ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ گناہ کرنے کے باوجود اسے نہ کوئی ندامت ہوتی ہے اور نہ شرمندگی، بلکہ اُلٹا وہ اس پر فخر محسوس کرنے لگتا ہے اور محفلوں میں اس کا چرچا کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ وَإِنَّ مِنَ الْإِجْهَارِ أَنْ يَعْمَلَ الْعَبْدُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ رَبُّهُ فَيَقُوْلُ: يَا فُلَانُ قَدْ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا۔[1]

"میری اُمّت کے ہر فرد کو عافیت مِل جائے گی، سوائے اعلانیہ گناہ کرنے والے کے، اور علی الاعلان گناہ کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی انسان رات کی تاریکی میں کوئی کام کرے۔ پھر اس حالت میں صبح کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی پردہ پوشی کر رکھی ہو۔ لیکن از خود کہے کہ اے فلاں!

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علی نفسہ۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب النہی عن ہتک الانسان ستر نفسہ۔

آج رات میں نے فلاں فلاں کام کیے۔" ۔۔۔

۳۔ مسلسل گناہ کرنا اور کرتے ہی رہنا دل میں ٹیڑھ اور کجی پیدا کر دیتا ہے۔ اس ٹیڑھ اور کجی سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گوشت پوست کا ٹکڑا جو انسان کے اندر ہر دم حرکت میں رہتا ہے اس میں کوئی مادّی خرابی آجاتی ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی سوچ، سمجھ اور اس کی توجہ کا رُخ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمَّا زَاغُوا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ [1] ○

"پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیئے، اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

دُوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ، وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ، وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ [2] ○

"اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے پاس دل ہیں، مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ اِن کے پاس کان ہیں، مگر وہ اُن سے سُنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں۔"

۴۔ محض لفظوں کو پڑھ لینے یا اُن کا مفہوم سمجھ لینے کا نام علم نہیں ہے، بلکہ علمِ صحیح کی پہچان یہ ہے کہ وہ انسان کو حقیقت کی راہ دکھلائے اور گمراہیوں سے بچانے کا ذریعہ بنے۔ گناہوں کا سیا

---

[1] سورت الصّف، آیت ۵۔ [2] سورت الاعراف، آیت ۱۷۹۔

انسان خواہ کتنے ہی لفظ پڑھ لیتا ہو اور اس کے معانی میں کتنے ہی لطیف اور باریک نکتے بیان یا ایجاد کر سکتا ہو، وہ علم کی برکت اور اس کے نور سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حصولِ علم کے لیے تقویٰ کی شرط لگائی ہے۔ فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ[1]

"اور اللہ سے ڈرتے رہو! اللہ تعالیٰ تم کو حقائق کا علم دیتا رہے گا۔"

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حصولِ علم کے لیے آئے۔ حضرت امام شافعیؒ کا حافظہ اور سوجھ بوجھ دیکھ کر امام مالکؒ کو بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل کو منور کیا ہوا ہے۔ گناہوں کی تاریکی میں پڑ کر اس نور کو ضائع نہ کر لینا۔"[2]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل دو شعر تو ہر طالبِ حق اور طالبِ علم کو ہمیشہ یاد رہنے چاہئیں:

شَكَوْتُ إِلَىٰ وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي — فَأَرْشَدَنِي إِلَىٰ تَرْكِ الْمَعَاصِي

وَأَخْبَرَنِي بِأَنَّ الْعِلْمَ نُورٌ — وَنُورُ اللّٰهِ لَا يُهْدَىٰ لِعَاصِي[3]

"میں نے اپنے استاد وکیعؒ سے حافظہ کے کمزور ہونے کی شکایت کی۔ انہوں نے مجھے گناہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ علم اللہ کا نور ہے ـــــ اور اللہ کا نور غلط کار لوگوں کو عطا نہیں کیا جاتا۔"

۵۔ ظاہر بین انسان سمجھتا ہے کہ سکون اور آرام مال و دولت اور آسائشِ دنیا میں ہے۔ حالانکہ اصل سکون اور چین صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

---

[1] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۲

[2] الجواب الکافی، ص۵۶ تالیف امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ

[3] دیوان الامام الشافعی، ص ۷۱ ۔ دار الکتب بیروت

فرمان ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝[1]

"آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے۔"

احکامِ الٰہی سے منہ موڑنے والے آدمی کو سکھ چین کبھی نصیب نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کروڑ پتی ہو جائے یا دنیا کی کتنی ہی نعمتیں اس کے پاس مہیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝[2]

"اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی۔ اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔"

۶۔ گناہوں اور بدکاریوں میں مستقل ملوّث رہنے کی وجہ سے انسان کے دل سے گناہ کا احساس اور اس کی کراہیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا۔[3]

"مومن اپنے گناہوں کو اس انداز سے دیکھ رہا ہوتا ہے گویا کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ یہ پہاڑ اس کے اوپر گر نہ جائے۔ اور فاسق و فاجر آدمی کے نزدیک گناہوں کا عالم ایسے ہے جیسے کوئی مکھی اس کی ناک پر بیٹھی اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اڑا دیا۔"

۷۔ ایمانِ کامل کا تقاضا ہے کہ انسان نہ صرف خود برائیوں سے دُور رہے بلکہ دوسروں کو بھی

---

[1] سورت الرعد، آیت ۲۸۔ [2] سورت طٰہٰ، آیت ۱۲۴۔
[3] صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التوبۃ۔

حسبِ توفیق برائیوں سے روکتا رہے۔ اور اگر روک نہیں سکتا تو کم از کم اسے دِل میں بُرا ضرور سمجھے اور یہ ایمان کا کم از کم تقاضا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔[1]

"تم میں سے جو کوئی بُرائی دیکھے وہ اسے بزورِ بازو بدل دے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو زبان سے اس کے خلاف جہاد کرے، اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم دل میں ہی اسے بُرا کہے۔ اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو آدمی ہاتھ سے بُرائی کے خلاف جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو زبان سے بُرائی کے خلاف جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اور جو دل سے بُرائی کو بُرا سمجھے وہ بھی مومن ہے —— اور اس کے بعد رائی کے دانے جتنا بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔[2] معلوم ہوا کم از کم ایمان بلکہ ایمان کا آخری حصہ بُرائی سے نفرت ہے۔ اگر کوئی بُرائی سے نفرت کی بجائے اُلٹا محبت شروع کر دے تو اس کے پلّے ایمان کا کوئی حصہ باقی نہیں بچتا اور اس کے دل پر کفر کی مہر لگا دی جاتی ہے، خواہ وہ کسی بڑے سے بڑے مسلمان گھرانے کا فرد ہو اور اس کا نام بھی عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہی کیوں نہ ہو۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ ذَنْبًا كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، فَذَالِكَ "الرَّانُ" الَّذِي قَالَ جَلَّ ثَنَاءُهُ: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی تغییر المنکر بالید۔

[2] صحیح مسلم حوالہ سابقہ۔

مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[1] (سورت المطففین آیت ۱۴)

"جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑجاتا ہے۔ اگر توبہ واستغفار کر لے اور گناہ سے باز آجائے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے۔ اگر گناہوں میں آگے بڑھتا گیا تو یہ سیاہ دھبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے سارے دل کو کالا کر دیتا ہے۔ اور یہی وہ "رَانَ" (زنگ اور میل کچیل) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے (سورت المطففین آیت ۱۴ میں) تذکرہ کیا ہے:

"ہرگز نہیں، بلکہ اِن لوگوں کے دلوں پر اُن کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے"۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ انسان کا دل صاف ستھرے کپڑے کی طرح سفید ہے جوں جوں انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے اس پر دھبے پڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس دوران انسان مختلف مراحل سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ چھ مراحل کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اور بالآخر ساتویں مرحلے پر اس کے دل پر مستقل زنگ چڑھ جاتا ہے اور وہ کلیۃً سیاہ ہوجاتا ہے۔

امام ابن جریر طبری، امام ابن کثیر رحمہما اللہ اور دیگر ائمہ تفسیر کی رائے ہے کہ جب اس کے سارے دل پر زنگ چڑھ جائے اور وہ مکمل طور پر گناہوں کی پاداش میں سیاہ ہوجائے تو وہ مرحلہ آجاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔[2]

"اللہ نے اُن کے دلوں اور اُن کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور اُن کی نگاہوں پر پردہ پڑ گیا ہے"۔

تو معلوم ہوا کہ گناہوں کا اثر دل پر ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے اور بالآخر سارے دل کو کالا کر کے چھوڑتا ہے۔ انجام کار اس دل پر اللہ کی طرف سے مہر لگادی جاتی ہے اور وہ مستقل ہدایتِ ربانی سے محروم ہوجاتا ہے

اعاذنا اللہ بفضلہ وکرمہ من ذٰلک

---

[1] مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۹۷، حدیث ۷۹۳۹، تحقیق شاکر طبع دار المعارف۔ سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ ویل للمطففین۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المطففین ۲/۵۱۷۔ امام حاکم، امام ذہبی اور امام ترمذی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ استاذ شاکر نے تائید کی ہے۔ [2] سورت البقرہ آیت ۷۔

”ترے قرآن کو سینوں میں بسایا ہم نے“

کراچی میں امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ ترجمہ قرآن کی رپورٹ

مرتب: رحیم کاشفی

الحمدللہ امسال رمضان المبارک کی راتوں کو تفہیم قرآن کے ذریعے مزین کرنے کی سعادت اہل کراچی کے حصے میں آئی جس کا سلسلہ امیر تنظیم اسلامی، داعی الی القرآن، محترم اسرار احمد مدظلہٗ نے ۱۹۸۴ء میں شروع کیا تھا۔ جس میں ہر چار رکعت تراویح سے قبل ان میں تلاوت کی جانے والی آیات قرآنیہ کا سلیس ترجمہ اور مختصر تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ اس معمول کا عنوان ”دورۂ ترجمہ قرآن“ ہے۔

امسال دورہ ترجمہ قرآن کی مبارک محافل کے لئے قرآن اکیڈمی کراچی کو منتخب کیا گیا تھا جو انجمن خدام القرآن سندھ کا ایک عظیم اور اہم پروجیکٹ ہے اور ابھی زیر تکمیل ہی ہے۔ بحیرہ عرب سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر درخشاں سوسائٹی کلفٹن میں واقع قرآن اکیڈمی کا فرش سمندر کے تقریباً ہم سطح ہی ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی کوکھ سے جنم لینے والی اس انجمن کے بھی وہی اغراض و مقاصد ہیں، یعنی ○ عربی زبان کی تعلیم و ترویج ○ قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق ○ علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت ○ ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلیم و تعلم قرآن کو مقصد زندگی بنا لیں اور ○ ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔

قرآن امت مسلمہ کے عروج و زوال کی بنیاد ہے اور موجودہ دور میں مسلمانوں کا اس سے تعلق محتاج بیان نہیں، ۔ ”وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر، اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر“۔ امت عقیدت کے عقدہ میں ہی الجھ کر رہ گئی۔ کتاب اللہ پر ریشمی جزدان چڑھا کر الماریوں کی زینت بنایا جاتا ہے۔ سونے کی تاروں سے خطاطی کی جاتی ہے اور اس کا بیشتر مصرف قسموں میں اٹھانا یا جہیز میں دینے کے علاوہ دلہن کے سر پر اس سے سایہ کر دینا ہے۔ اس کی تعلیم بھی محض طوطا مینا کی طرح رٹا دینے تک محدود ہے۔ بالعموم پڑھنے والے کو یہ معلوم

نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے اور نہ سننے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ کیا پڑھا جا رہا ہے' بس ایک رسم ہے جو ادا کی جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے اسرار و رموز' فکر' فلسفہ اور حکمت کو اعلیٰ ترین سطح پر پیش کرنے کے علاوہ عوامی سطح پر "عوامی درسِ قرآن" کی صورت میں قرآن کے معانی و مفاہیم کو عام کیا جائے تاکہ رجوع الی القرآن کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اسی کے داعی ہیں اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسی میں کھپا چکے ہیں اور تاحال یہ سلسلہ اللہ کے فضل سے جاری ہے۔

رمضان المبارک رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے جس کے دوران مسلمانوں میں نہ صرف نیکیوں کا رجحان عام دنوں کے مقابلے میں بڑھ جاتا ہے بلکہ دلوں میں نرمی و گداز پیدا ہونے کے علاوہ جذبہ عمل بھی متحرک ہو جاتا ہے اور قرآن کے پیغام کو عام کرنے کا یہی بہترین موقع ہوتا ہے۔ یہ نزول قرآن کا مہینہ اور روح ربانی کو سرسبز و شاداب کرنے کا سنہری موقع ہے۔ داعی الی القرآن نے اسی مناسبت سے "قیام اللیل بالقرآن" کا تعارف "دورۂ ترجمہ قرآن" کے ذریعے کرایا یعنی راتیں قرآن کے ساتھ بسر کی جائیں۔ اسی کا پڑھنا پڑھانا ہو' اسی کا سمجھنا سمجھانا ہو۔ تعلیم و تعلّمِ قرآن ہو تاکہ تراویح میں تلاوت کی جانے والی آیات اپنے مفہوم کے ساتھ سامعین کے قلوب میں اترتی چلی جائیں۔ اور ان پر انذار و تبشیر' جزا و سزا' انعام و ثواب' عذاب و رسوائی' ایمان و یقین' اعمال صالحہ' دعوت حق' صبر و مصابرت' تذکیر بایام اللہ' تذکیر بآلاء اللہ' انباء الرسل اور قصص الرسل کے مضامین براہ راست آشکارا ہوں۔ ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

دراصل یہ امت مرحومہ کا رشتہ قرآن سے ازسرنو استوار کرنے کی ایک کوشش ہے۔
خَیرُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآنَ وَعَلَّمَہٗ (الحدیث)

۱۹۸۴ء میں قرآن اکیڈمی لاہور سے شروع ہونے والا امیر تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ سلسلہ دورہ ترجمہ قرآن بیرون ملک بھی اپنی بہاریں دکھاتا ہوا تائید ایزدی سے دوسری مرتبہ کراچی کی فضاؤں کو مہکانے کے لئے اور دلوں کی کھیتیوں کو سیراب کرنے کے لئے ساحل سمندر پر خیمہ زن ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ بحیرہ عرب سے اٹھنے والی بوجھل ہواؤں میں کلام ربانی کا آہنگ یقیناً شامل ہو کر کراچی کی بسیط فضاؤں میں پھیلا ہوگا۔ اور قطروں کی صورت میں بادل بن کر پہاڑوں' جنگلوں' شہروں' بیابانوں میں برس کر رحمت خداوندی کی شکل

میں ضرور ظاہر ہوا ہوگا۔

کاش سطح سمندر سے ابھرنے والی یہ بانگِ درا مردہ دلوں میں اسی طرح حرارت پیدا کرنے کا سبب بن جائے جس طرح بارش کے بعد مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ دورہ ترجمہ قرآن کے ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس سے قبل یہ پروگرام دو مرتبہ رمضان المبارک میں محدود پیانے پر رفقائے تنظیم اسلامی نے ترتیب دیا تھا جس میں ترجمہ کی سعادت حافظ محمد رفیق صاحب (لاہور) اور انجینئر نوید احمد صاحب (کراچی) نے حاصل کی تھی۔ گویا اس طرح اب یہ چوتھی بہار تھی جو اہل کراچی کے حصے میں آئی۔

اس دفعہ استقبال رمضان کی مجلس ۱۶ر مارچ کو قرآن اکیڈمی میں ہی منعقد کی گئی اور رمضان کا چاند نظر آجانے کی وجہ سے دعائے امن و امان اور سلامتی و اسلام کے بعد ۱۷ر مارچ کی شب، بار بار پڑھی جانے والی "سبع مثانی" یعنی سورہ فاتحہ کی تفسیر سے دورہ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا گیا۔ اس طویل نشست میں صرف اسی سورہ مبارکہ کے بیان پر اکتفا کیا گیا، بعد ازیں ۱۸ر مارچ تا ۱۳ر اپریل یعنی ۲۶ راتوں میں حسب توفیق تھوڑا تھوڑا تسلسل کے ساتھ سورۂ بقرہ تا سورۃ الناس کا ترجمہ و تفسیر مکمل کیا گیا۔ الحمدللہ جس میں اوسطاً ۲۰۰ تا ۳۵۰ مرد و خواتین ذوق و شوق سے شریک ہوتے رہے۔ خواتین کے لئے علیحدہ باپردہ انتظام تھا۔

قرآن اکیڈمی کراچی شہر کے گنجان علاقوں سے بہت دور ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے نسبتاً کم آباد حصے میں واقع ہے لیکن شرکاء کی ہمت قابل داد ہے کہ ان کی اکثریت رات کے آخری پہر انتہائی قلیل وقت میں سحری کے لئے اپنے گھروں کو واپس جاتی تھی۔ شب جمعہ کو شرکاء کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہو جاتا اور چائے کے وقفہ کے دوران فی الواقع جنگل میں منگل کا سماں ہوتا تھا۔ ۲۷ویں شب کو ختم قرآن کے موقع پر تو چھت پہ بھی دریاں اور شامیانے لگا کر شرکاء کے لئے خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ عشاء کی جماعت کا وقت ابتداء ساڑھے نو بجے تھا جسے بعد ازیں نو بجے کر دیا گیا تاکہ واپسی میں کچھ سہولت پیدا ہو جائے۔ شب بھر قرآن کا ہی چرچا رہتا اور نورِ ہدایت کے پروانے وہیں موجود رہتے تھے اور سمندر کا تلاطم قرآن کے اس شیدائی کی آواز کے مدوجزر میں دبا رہتا کہ جس کا نام آتے ہی ذہن درس و تدریس قرآن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ~

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن، قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

جب بھی وقفہ ہوتا، اتھاہ گہرائیوں والا سمندر اپنے وجود کا احساس اپنی خاص طرزِ فغاں سے کراتا جیسے کہ وہ بھی اپنے کنارے لہروں کے آہنگ میں بلند ہونے والی اس ملکوتی صدا سے متاثر

ہو چکا ہو' لیکن قرآن کی گہرائی بے پناہ ہے۔ "یہ ملکوتی صدا اس کتاب ہدایت کی ہے جس سے علماء کبھی سیر نہ ہو سکیں گے' نہ کثرت و تکرار تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا"۔ (حدیث نبوی ؐ)

دوسری طرف سامعین نہایت سکون و سکوت' توجہ اور جذبۂ احترام و تقدس کے ساتھ ربِّ کائنات کے آخری پیغام کو روح میں جذب ہوتا ہوا محسوس کرتے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق دوران تعلیم و تعلّمِ قرآن فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو قرآن کی اس محفل کو گھیرے میں لئے رہتے ہیں۔

رات کی پرسکون ساعتوں میں قرآن سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ دن کے روشن اوقات میں اقامت گزیں شرکاء کے لئے' جن میں کراچی سے باہر کے افراد بھی شامل تھے' ایک تربیتی پروگرام بھی ترتیب دیا گیا تھا جسے اقامتی تربیت گاہ کا نام دیا گیا۔ درس و تدریس کا یہ پروگرام ایک ایک گھنٹہ دورانیہ کی تین نشستوں پر مشتمل تھا جس میں عربی قواعد' درس قرآن کی مہارت اور قرآنی تعلیمات کی وضاحت کے لئے سوال و جواب کے پیریڈز رکھے گئے تھے۔ البتہ شام کو بعد نماز عصر بھی ایک پیریڈ قرب و جوار میں رہائش پذیر ان حضرات کے لئے تھا جو کہ عربی قواعد سیکھنا چاہتے تھے۔

صبح کے اوقات میں پہلا گھنٹہ عربی کی تعلیم کا تھا جس میں تدریسی فرائض جناب عبداللہ جاوید صاحب نے انجام دیئے۔ موصوف امریکہ سے ایم ایس کر کے آئے ہیں اور قرآن کی تلوار سے ایسے گھائل ہوئے کہ اولاً قرآن اکیڈمی لاہور سے ایک سالہ نصاب کی تکمیل کی بعدہ فلسفہ میں ایم اے کیا اور اب قرآن اکیڈمی کراچی میں تعلیم و تعلّم قرآن سے وابستگی کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔ اللّٰھم زِد فزِد۔ دوسرا پیریڈ درس قرآن کا ہوتا تھا۔ تدریس کے فرائض اسد الرحمٰن فاروقی صاحب ادا کرتے تھے۔ اسد صاحب کیمیکل انجینئر ہیں اور ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے ان شاگردوں میں سے ہیں جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو اطمینان ہے کہ وہ ان کے قرآنی فکر سے پوری طرح واقف ہیں اور اسے باحسن وجوہ بیان بھی کر سکتے ہیں۔ اسد صاحب اپنی تدریسی صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار لائے اور شرکاء کو درس قرآن کے اسلوب سے آگاہ کیا۔ تدریسی اوقات کا تیسرا گھنٹہ داعی الی القرآن اسرار احمد مدظلہ کے ساتھ سوال و جواب کی نشست پر مشتمل ہوتا تھا جس میں قرآن کی حکمتیں اور تکھر کر سامنے آتی تھیں۔ اس تربیت گاہ میں اقامتی شرکاء بعد نماز فجر تقریباً اڑھائی تین گھنٹے نیند کرنے کے بعد شریک ہوتے تھے۔ اسی طرح شام کے اوقات میں عربی قواعد کی کلاس میں اسد الرحمٰن صاحب مدرس ہوتے

[redacted]

تھے' اس کلاس میں تعداد سے زیادہ ذوق و شوق مشاہدہ میں آیا۔ امید ہے آئندہ مستقل کلاسوں میں یہ شرکاء بھرپور شرکت کر کے اپنی علمی پیاس بجھا سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔

دوران رمضان المبارک ۲۷ اور ۲۹ مارچ اور ۵ اور ۱۲ اپریل جمعہ کے ایام تھے۔ جمعہ کی نماز کے لئے خصوصی اہتمام کیا جاتا رہا جس میں حاضری توقع سے کہیں زیادہ رہی۔ الحمدللہ خطابات جمعہ میں بھی رجوع الی القرآن ہی کی بنیادی فکر کے حوالے سے چاروں خطاب ہوئے۔ امیر تنظیم اسلامی نے اپنے مخصوص متاثر کن خطیبانہ انداز میں ہر دفعہ سامعین کے دلوں کو گرمایا۔ انہوں نے دعوتِ ایمانی' حقیقتِ ایمان' توبہ کی ضرورت و اہمیت' عبادت رب' شہادت علی الناس' نہی عن المنکر' اقامت و غلبہ دین کی جدوجہد کے نکات پر مشتمل خطابات میں حقِ نصح و خیر خواہی ادا کرنے کی امکانی حد تک کوشش کی۔ ساری رات تدریس و تبلیغ کا مشقت طلب فریضہ انجام دینے کے بعد جمعہ کے خطابات کی ذمہ داری نبھانا بلاشبہ طبیعت کو بگڑنے سے بچانے کے لئے امیر محترم کو سریع الاثر ادویات کا مسلسل اور بکثرت استعمال کرنا پڑا۔ تاہم یہ سارا کام محض اللہ رب العزت کی توفیق خاص سے ہی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمدللہ والمنہ۔

اس پورے کام کو منظم و مربوط رکھنے کے لئے بے لوث اور ہمہ وقت کارکنان کی محنت و مشقت سے کسی طور بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا' سارا انتظام و انصرام ایسے افراد کے ہاتھوں میں تھا جو ہمیشہ گمنامی میں ہی نام کماتے ہیں' داد و تحسین سے بے نیاز ان افراد کا اجر اللہ کے ہاں ثبت ہے ان شاء اللہ۔ ان میں تنظیم اسلامی کے رفقاء کے علاوہ ایسے حضرات بھی پیش پیش تھے اور بڑھ چڑھ کر تندہی سے حصہ لیتے رہے جو اس وقت تک امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف کر کے تنظیم میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ پروگرام کے ابتداء میں بڑی دشواریاں تھیں' ہر شے بے ترتیب تھی' اکیڈمی بھی زیر تعمیر تھی اور اب بھی ہے' چنانچہ بیت الخلاء اور غسل خانوں کا معاملہ بھی نیم پختہ تھا۔ افطاری و سحری کی ترسیل و تقسیم' اقامت گاہوں کی دیکھ بھال' خواتین کے لئے پردہ کا انتظام' لاؤڈ اسپیکرز کا نظام' پارکنگ کے مسائل سکیورٹی کے انتظامات' فراہمیٔ آب' صحت و صفائی اور فرسٹ ایڈ' مکتبہ کی ذمہ داری' چائے اہتمام وغیرہ جیسے معاملات کے سرسری جائزہ سے ہی کارکنوں کی حوصلہ مندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شہر سے کوسوں دور پیش آمدہ مشکلات و مصائب میں انہوں نے اپنے ناخنِ تدبیر سے کیونکر قابو پایا ہوگا۔ معاملہ صرف دنیا داری کا ہوتا تو ہر شریک کار بلاشبہ تعریفی اسناد کا حقدار تھا۔ گو کہ اقامت دین کے مجاہدوں کا مطلوب و مقصود رضائے الٰہی ہے تاہم ان کی سعی و جہد داد نہ دینا بھی حق تلفی شمار ہوگا۔ یہاں ہر معاملہ کی تفصیلات درج کرنا تو ممکن نہیں لیکن لط

نمونہ مشتے از خروارے صرف فراہمی آب کے مسئلے کو لے لیجئے جس کی مثال ۔ سمندر سے ملے پیاسے کو قطرہ' کے مصداق بلکہ اس سے بھی دگرگوں تھی کہ فرلانگ بھر فاصلے پر ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا پانی اپنے ذائقے و کثافت کی وجہ سے قطعاً ناقابل استعمال ہے۔ جبکہ قرآن اکیڈمی کو کوئی واٹر کنکشن حاصل نہ تھا۔ پانی کی فراہمی واٹر ٹینکرز کے ذریعے کی جاتی رہی جو کہ کافی مہنگا سودا ہے۔ ذرا سی عدم توجہی سے سب ہی کو زحمت اٹھانا پڑتی تھی لیکن ہمت مرداں مدد خدا' رفتہ رفتہ تمام مشکلات و موانع پر کسی قدر قابو پالیا گیا۔

کتب و کیسٹس کی فروخت کے لئے ایک کمرہ میں مکتبہ لگایا گیا تھا جس سے شرکاء حسب ذوق و استطاعت استفادہ کرتے رہے' مکتبہ سے ملحق کمرہ امیر محترم کے لئے مخصوص تھا جہاں خواہشمند حضرات ان سے ملاقات کر سکتے تھے۔ البتہ ان کی رہائش کا بندوبست قرآن اکیڈمی سے کچھ فاصلہ پر واقع ایک کرایہ کے فلیٹ میں تھا جہاں وہ اپنی اہلیہ محترمہ کے علاوہ ایک بیٹے اور بیٹی کے ساتھ قیام پذیر رہے۔

شرکاء کے تاثرات حاصل کرنے کے لئے چھپا ہوا ایک فارم بھی دستیاب تھا جس پر شرکاء کی ایک تعداد نے اپنے تاثرات کو قلمبند کیا اور اپنی تجاویز اور مشوروں سے بھی نوازا۔

اسی دوران رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو تنظیم اسلامی کے ایک رفیق محترم راؤ معظم علی صاحب کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ راؤ صاحب ابتدا ہی سے انتظامی معاملات میں انتہائی جوش و خروش سے حصہ لیتے رہے۔ آخری عشرہ میں معتکف بھی رہے۔ والد صاحب کی رحلت کی خبر سن کر انہیں مجبوراً حالت اعتکاف سے نکلنا پڑا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حسب دستور ختم قرآن ۲۷ر رمضان المبارک کو ہی ہوا لیکن ۲۸ر رمضان المبارک کی شب میں شرکاء کے لئے سوال و جواب کی خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں داعی الی القرآن نے اپنے تاثرات کا بھی اظہار فرمایا اور اسی کے ساتھ ۲۸ روزہ قرآنی تربیت گاہ اختتام پذیر ہوئی۔ لیکن جہاں لوگ ایک طرف معانی و مطالب اور مفاہیم قرآنی سے روشناس ہوئے' وہاں ان کی مسئولیت میں بھی اضافہ ہوگیا۔

> "اے اہل قرآن' قرآن کو تکیہ نہ بنا لو بلکہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور اس کی نشر و اشاعت کرو اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اس میں غور و فکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔
> (حدیث)

طلب ہدایت کی کوشش

ایک اشکال اور اس کا ازالہ

مرسلہ: اقبال حسین، امیر تنظیم اسلامی، فیروزوالہ

بسا اوقات بعض معمولی باتیں پہاڑ بن جاتی ہیں یا سمجھ لی جاتی ہیں۔ اور بعض اوقات الفاظ کے چکر میں پھنس کر انسان نہ جانے کتنی مایوسی، گمراہی اور بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ کچھ عرصہ پہلے تنظیم اسلامی کے ایک رفیق محترم ملک سرفراز حسین صاحب کے ساتھ پیش آیا۔ اگرچہ ملک صاحب کو تنظیم اسلامی کے فکر اور فلسفہ انقلاب اور اس کے مراحل اور طریقہ کار میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن برا ہو شیطان کا جس کے وسوسوں سے انسانوں کے دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور دلوں میں پھوٹ پڑ ہے۔ اس نے ملک صاحب کو امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتابچے "عظمتِ صوم" میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ کے ضمن میں وساوس میں مبتلا کر ملک صاحب ایک عرصہ تک اس کشمکش اور بے چینی میں مبتلا رہے کہ کسی نہ ک کے اشکال کا ازالہ ہو جائے۔

"عظمتِ صوم" میں امیر محترم نے روح اور جسم کی تقسیم کے ضمن میں "کُلُّ شَیٍٔ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ"۔ (ہر چیز اپنی اصل کی جانب لوٹتی ہے) کا حوا ہے کہ جسم چونکہ خاکی الاصل ہے، اس لئے اس کا رجوع زیادہ تر زمین ہے۔ اور روح نوری الاصل ہونے کے باعث عالمِ بالا کی جانب مائل اُس بحث سے ملک صاحب کو یہ مغالطہ لاحق ہوگیا کہ انسانی جسم اور امیر محترم کا تصوّر یہ ہے کہ جسمِ انسانی جو زمین سے بنا ہے اور اس ہی سے حاصل ہوتی ہے، آخرکار یہ زمین میں ہی مل کر اس کا حص اللہ کی جانب لوٹتی ہے اور اس میں ضم ہو جاتی ہے ... اور یہ ضمن میں ملک صاحب کو دوسرا اشکال یہ لاحق ہوا کہ ڈاکٹر میں فرمایا ہے کہ یہ "امرِ ربی" بھی ہے اور "جلوۂ ربانی" بھی

"جلوۂ ربانی" کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ روح اللہ کی ذات کا جزو ہے۔ لہٰذا یہ بات بھی
شرک ہے۔ دوسری طرف اس کے برعکس ملک صاحب یہ رائے بھی رکھتے ہیں
"حقیقت و اقسام شرک" کے ضمن میں امیر محترم نے متعدد بار بڑی تفصیل اور بار
بینی سے گفتگو فرمائی ہے اور شرک کے تمام ممکنہ پہلو بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔
تاہم طے یہ ہوا کہ اس سلسلے میں امیر محترم سے ملاقات کرکے اس اشکال کو رفع
جائے۔ چنانچہ امیر محترم کے معتمد ذاتی سے رابطہ کرکے ملاقات کا وقت طے کیا گیا
اس کے مطابق راقم الحروف اور ملک صاحب قرآن اکیڈمی پہنچ گئے۔ نماز عصر سے فا
ہو کر امیر محترم سے ملاقات ہوئی۔ ملک صاحب نے اپنا اشکال امیر محترم کے سامنے رکھا
امیر محترم نے بڑے اطمینان کے ساتھ ان کی بات سنی اور پھر مومنانہ فراست کے
ان کے اشکال کو صرف دو منٹ میں رفع کر دیا۔ جواب سن کر مجھے رسول اللہ صلی اللہ
وسلم کی حدیث کے وہ الفاظ یاد آ گئے جس میں آپ نے "فراسۃ المؤمن" کا ذکر کیا۔
امیر محترم نے اس اشکال کو جن الفاظ میں رفع کیا، انہیں نقل کرنے سے پہلے
اس ملاقات کے کچھ دلچسپ واقعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ گھر سے روانگی
قبل میرے ذہن میں خیال آ رہا تھا کہ اس اشکال کے ازالے کے لئے ہماری گفتگو
سے مغرب تک ضرور چلے گی۔ ملک صاحب اپنے اشکال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے
دلائل کا سہارا لیں گے اور اس مسئلے پر بڑی لے دے ہوگی۔ لیکن امیر محترم سے ملا
کے بعد جب ہم روانہ ہوئے تو راستے میں میں نے ہنستے ہوئے ملک صاحب سے کہا
محترم نے تو ہمارے ساتھ وہ کیا کہ "آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے!"
ملک صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ امیر محترم کے پاس جاتے ہوئے راستے میں اللہ سے
ہدایت کی دعائیں کرتے رہے تھے۔ یہ سن کر مجھے اللہ کا یہ قانون ہدایت یاد آیا
ہدایت طلب کرنے والوں کو ضرور ہدایت دیتا ہے۔ ساتھ ہی میں ملک صاحب کی
کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا کہ واقعۃً وہ طلبِ ہدایت کے لئے آئے تھے، ورنہ وہ
پڑ کر بات کو خواہ مخواہ الجھا کر طول دے سکتے تھے، جس کا نتیجہ عموماً منفی ہوتا ہے۔
قات کا ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہمیں گھر سے روانگی سے لے کر گھر آمد تک
گھنٹے وقت لگا، لیکن اس میں ملاقات کا دورانیہ، جس میں سارے اشکالات دور

ور ملک صاحب بہت مطمئن ہو کر لوٹے' بمشکل پانچ یا چھ منٹ ہو گا۔ ملاقات کے بعد جازت دینے سے پہلے امیر محترم نے ملک صاحب کو ایک نہایت حسین و جمیل تحفہ دیا۔ یہ تحفہ چونکہ صرف ملک صاحب کی ذات کے لئے تھا' لہٰذا میں اس کا اظہار مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس کا یہاں ذکر نہیں کر رہا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس تحفہ کی قدر و قیمت سے کماحقہ آگاہ فرمائیں۔

اب آیئے اس اشکال کے جواب کی طرف جو امیر محترم نے دیا۔ سب سے پہلے بات چونکہ "جلوۂ ربانی" کی ہوئی تھی' لہٰذا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جلوہ سے مراد مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کردہ ہر شے کو اپنی "آیت" یعنی نشانی قرار دیتا ہے' جس سے اس کی صفتِ تخلیق کا اظہار ہوتا ہے۔ کائنات میں اللہ کی صفات کا مختلف ذرائع سے ظہور ہو رہا ہے۔ روح بھی اس کی مخلوق میں شامل ہے' اس لئے یہ بھی اس کی صفتِ تخلیق کا ایک مظہر ہے۔ لہٰذا مخلوق کو کسی طرح بھی اس کی ذات کا جزو قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرے اشکال کے جواب میں امیر محترم نے فرمایا کہ انسان دو چیزوں کا مرکّب ہے۔ ایک اس کا مادی جسم ہے اور دوسرا روحانی جسم' جسے روح کہتے ہیں۔ مادی جسم زمین سے تخلیق ہونے کی وجہ سے زمین کی جانب رجوع کرتا ہے اور روح چونکہ عالمِ بالا کی شے ہے' لہٰذا اس کا رخ عالم بالا کی طرف ہی ہوتا ہے۔ اور عالم بالا میں خدائے بزرگ و برتر کی ہستی عرش پر متمکن ہے' لہٰذا اس (روح) کا رجوع ذات باری تعالیٰ کی جانب ہوتا ہے۔

آخر میں عرض کرتا چلوں کہ اس بات کو تحریر میں لانے کی ضرورت کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب محترم ملک صاحب نے یہ بات کہی کہ ہمارے ساتھ اللہ کا بڑا کرم ہوا کہ مجھے جس بات سے اشکال ہوا' اس کا کہنے والا ہم میں موجود ہے۔ ورنہ اس کے جانشین نہ جانے اس کی کیا کیا تعبیریں کرتے جس سے بات سلجھنے کے بجائے الجھ بھی سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ میں اس بات کو ریکارڈ پر لے آؤں اور اسے حوالۂ 'میثاق' کر دوں' تاکہ قارئینِ میثاق اور رفقائے تنظیم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور آئندہ کے لئے بھی یہ بات بطور سند کام آ سکے۔ ❖❖❖

رفتارِ کار

تنظیم اسلامی ملتان کی سالانہ رپورٹ

مرتب : ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی
امیر تنظیم اسلامی ملتان

تاسیس، تمہید و ماضی کے اہم واقعات

تنظیم اسلامی ملتان کی باقاعدہ تاسیس مارچ ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔ بنیادی طور پر تنظیم اسلامی ملتان کے قیام میں رفیق محترم کرنل غلام حیدر ترین صاحب کے جذبہ ایثار و عمل کو بڑا دخل حاصل ہے۔ چنانچہ تنظیم اسلامی ملتان کے پہلے امیر بھی محترم کرنل ترین صاحب تھے۔ انہوں نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے حلقہ تعارف کو محض دین پسندی کے دل فریب خول سے نکل کر دین پر مخلصانہ کاربندی کو واحد ذریعہ نجات بتانے اور سمجھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہ انہی کی سعی و جہد کا نتیجہ تھا کہ ملتان میں تنظیم اسلامی کا تعارف ایک وسیع حلقہ میں ہوا۔

۱۹۸۷ء میں جب تنظیم اسلامی پاکستان کی حلقہ بندی کی گئی تو ہماری تنظیم حلقہ جنوبی پنجاب کے دائرہ کار میں آئی۔ خوش قسمتی سے اس حلقہ کا مرکز بھی ملتان ہی قرار پایا۔ رفیق محترم مختار حسین فاروقی صاحب جیسی ہمہ صلاحیت شخصیت کو حلقہ کی امارت سونپی گئی اور رفیق محترم ڈاکٹر منظور حسین حلقہ ہذا کے ناظم مقرر ہوئے۔ دونوں ساتھیوں نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے حلقہ ملتان میں موجود رفقاء کو زندہ و متحرک کر دیا۔ جناب فاروقی صاحب کو رب کریم نے درس و تقریر اور تنظیم و تربیت کی صلاحیت کے ذیل میں بڑی ہی فیاضی سے نوازا ہے۔ موصوف نے اپنی ان خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ملتان کے پڑھے لکھے لوگوں کو خاصا متاثر کیا۔ چند ذاتی مجبوریوں کی بنا پر جناب فاروقی صاحب کو جھنگ منتقل ہونا پڑا چنانچہ ان کے جانے کے بعد کچھ دیر تک حلقہ کا نظام مرکز لاہور کی براہ راست نگرانی میں چلتا رہا۔ بعد ازاں امارت کا بوجھ مجھ ناتواں کے کندھوں پر آن پڑا۔ اللہ رب العزت مجھے اس کے تقاضوں پر پورا اترنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

دوران سال تنظیمی کیفیت

مرکز تنظیم اسلامی ملتان میں انجمن خدام القرآن کے قیام کے بعد مرکز لاہور کی ہدایت پر تنظیم کے دفتر کو ایک بارونق بازار میں منتقل کیا گیا جو روزانہ نماز عصر تا عشاء کھلتا رہا مگر وسائل کے فقدان کے باعث چند ماہ کی صحرا نوردی کے بعد ہمیں بالآخر سابقہ دفتر ۲۵ر آفیسرز کالونی ہی میں ڈیرا لگانا پڑا۔ الحمدللہ کہ ہم نے دروسِ قرآن اور کارنر میٹنگز کے ذریعہ دعوت دین اور تنظیم کے تعارف کا اہتمام کئے رکھا۔ تنظیم اسلامی ملتان میں امیر' معتمد عمومی اور ناظم بیت المال کے تین عہدیدار ہیں۔ الحمدللہ کہ نئے نظام العمل کے مطابق تنظیم اسلامی ملتان اپنے وجود کو برقرار رکھے دعوتی کام میں مصروف ہے۔

تعداد رفقاء

مبتدی: ۱۳ فعال: ۱۸

ملتزم: ۱۰ غیر متعلق: ۱۰

اُسرہ جاتی نظام

تجرباتی طور پر ہم نے اسرہ جاتی نظام تشکیل دیا تھا۔ مگر رفقاء کی تعداد کی کمی کے باعث یہ تجربہ کامیاب نہ پا کر اسے ختم کر دیا گیا۔ اب ہمارے ہفتہ وار تنظیمی اجتماعات حسبِ سابق دفتر تنظیم اسلامی ہی میں منعقد ہو رہے ہیں۔

درجہ بندی اور رفقاء کی کارکردگی

انقلابی تنظیموں میں درجہ بندی کا نظام اور تربیت لازمی و لابُدی ہوتا ہے۔ لٰہذا ہم بھی مقامی تنظیم کے رفقاء کی تربیت اور درجہ بندی کو مفید پا رہے ہیں' اس طرح ان کی کارکردگی بھی اطمینان بخش رہی۔

دعوتی پیش رفت

تنظیم اسلامی کی توسیعِ دعوت کی غرض سے ملتان سٹی میں تنظیم کے زیر اہتمام تین جا مساجد میں ہفتہ وار دروس قرآن کا اہتمام رہا اور اوسطاً ہر ماہ ایک کارنر میٹنگ بھی شہر مختلف مقامات پر کامیابی سے منعقد ہوئی۔ مختلف مواقع پر تنظیم کا تعارفی لٹریچر بھی تقسیم کیا رہا۔ جب بھی موقع ملا ہم نے مخصوص اجتماعات بلا کر بھی افہام و تفہیم کے ذریعے تنظیم پیش نظر مقاصد کو عام کیا۔

لیم و تربیت کے انتظامات

ہمارے ہاں تعلیم و تربیت کی غرض سے ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں۔ جمعۃ المبارک کی ام عمومی درس قرآن ہوتا ہے جس میں حاضری بیس پچیس افراد کی ہوتی ہے۔ ہر منگل کی شام . امیر محترم کے خطابِ جمعہ کا کیسٹ سنا جاتا ہے اور رفیق محترم سعید بھٹہ صاحب "ندا" میں ائع شدہ سیاسی تبصروں اور تجزیوں کے خلاصے پیش کرتے ہیں جو کہ رفقاء کی سیاسی تربیت کا ث بنتے ہیں۔ دوران سال دو دفعہ امیر محترم ملتان تشریف لائے۔ ایک مرتبہ ناظم اعلیٰ اور چار رتبہ ناظم بیت المال ملتان تشریف لائے اور نہایت دلنشین انداز میں عمومی و خصوصی اجتماعات ، خطاب فرمایا۔

لزی تربیت گاہوں سے استفادہ

الحمدللہ کہ اس وقت تک ہماری تنظیم کے ۱۰ ملتزم رفقاء مرکزی تربیت گاہوں سے استفادہ . چکے ہیں۔ تین زیر تربیت ملتزم ہیں اور دس متبدی رفقاء ہیں۔ گزشتہ سال نصابی کورس کا ب تحریری امتحان لیا گیا تو فرسٹ اور سیکنڈ پوزیشنیں لینے کی سعادت بھی ہماری تنظیم ہی کے . میں آئی تھی۔

راز شمولیت بحیثیت مجموعی ترقی یا تنزل

یقیناً تنظیم اسلامی ملتان کے ہر ہر رفیق نے تنظیم میں شمولیت کے بعد ایمان میں ترقی اور برسیرت و تہذیبِ اخلاق و معاملات کی جانب پیش قدمی کی۔ ملتزم رفقاء کی نماز باجماعت اور تک بالقرآن میں بھی اضافہ ہوا مگر ہم ترقی کی اس رفتار پر مطمئن نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں ید محنت کی ضرورت ہے۔ معاشرتی و مالی معاملات کی اصلاح کے ذیل میں بھی ان کی حس تیز رہی۔

. داران تنظیم کی کارکردگی پر اطمینان

کسی باصلاحیت رفیق کی ہمہ وقتی خدمات اگر میسر آ جائیں تو ان شاء اللہ توسیع دعوت کا کام ن طریق پر انجام دیا جا سکتا ہے۔ جز وقتی ساتھی کو چونکہ ذہنی و جسمانی یکسوئی میسر نہیں آ ' لہٰذا صحیح منصوبہ بندی اور اس پر عملدر آمد نہیں ہو پاتا۔ اگر تمام ذمہ دار ساتھی مزید وقت ں تو توقع کی جا سکتی ہے کہ رفتار کار میں اضافہ ممکن ہو گا۔

دورانِ سال ہم نے ہر ماہ پچاس میثاق٬ ۱۰ حکمت قرآن اور ۳۵ ندا کی کھپت کا اہتمام کیا۔ آڈیو٬ وڈیو کیسٹس اور کتب کی لائبریری کے ذریعہ بھی تنظیم کی دعوت کو آگے بڑھایا۔ مکتبہ تنظیم اسلامی ملتان سے لگ بھگ ۲ ہزار روپیہ کی کتب بھی سیل ہوئیں۔ نئے نظام العمل کے مطابق ماہانہ مالی اعانت کی ترسیل میں بھی باقاعدگی رہی اور بحمد اللہ اس اعتبار سے بھی ہمارا معاملہ UP TO DATE ہے۔

دوران سال ہماری تنظیم کے ۴ ساتھیوں نے ایک سالہ عربی کلاس سے استفادہ کیا۔ دو طلبہ نے امیر محترم کی خواہش کے احترام میں قرآن کالج میں فرسٹ ایر میں داخلہ بھی لیا جو کہ پورے استقلال سے تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں۔

رب کریم سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں سے صرف نظر فرماتے ہوئے ہماری حقیر مساعی کو شرف قبول بخشے اور تلافیٔ مافات کی توفیق دے۔ آمین! شکریہ۔

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین

تنظیم اسلامی میں خواتین کا مختصر سا حلقہ تو اگرچہ ۸۳ء ہی میں قائم ہو چکا تھا لیکن اس کی کارکردگی کا تذکرہ پہلی بار گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ہوا جو کہ مختصر سی رپورٹ پر مشتمل تھا۔

شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی اصلاً ذمہ داری اگرچہ مردوں پر ہی عائد ہوتی ہے٬ تاہم اگر مردوں کو گھر کی خواتین کی طرف سے تعاون نہ ملے اور وہ اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کے بارے میں مطمئن نہ ہوں تو یقیناً وہ اپنے اس فرض کو بحسن و خوبی ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ خود خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کا کوئی اہتمام کیا جائے۔ خاص طور سے ایسی خواتین میں دین کا فہم و شعور عام کیا جائے جن کے گھروں کے مرد حضرات تنظیم میں شامل ہیں تاکہ ایک طرف تو وہ آئندہ نسل کی صحیح تربیت کر سکیں اور دوسری طرف مردوں کی ممدّ و معاون ثابت ہوں۔

ہمارے دین کا مزاج یہ ہے کہ وہ مرد و عورت کے علیحدہ علیحدہ دائرہ ہائے کار متعین کرتا ہے۔ مردوں کا دائرہ کار گھر سے باہر اور عورت کا دائرہ کار ان کا گھر ہے٬ جہاں انہیں ایک طرف تو آئندہ نسل کی تربیت کرنا ہے اور دوسری طرف اپنے محدود دائرے میں رہتے ہوئے اپنے دینی

فرائض اور احکامات جو ان پر عائد ہوتے ہیں' ان پر عمل پیرا ہونے اور ان کو پھیلانے کی کوشش کرنا ہے کیونکہ آخرت کی مسئولیت کے اعتبار سے دونوں اپنی اپنی جگہ مسئول ہیں اور اجر و ثواب کے لحاظ سے دونوں اپنے اپنے اعمال کے مطابق بدلہ پائیں گے۔ ازروئے الفاظ قرآنی: **انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی......** اسی احساس کے تحت محدود دائرے میں رہتے ہوئے خواتین کی تنظیم کا قیام عمل میں آیا اور "بیعت النساء" کے ضمن میں قرآنی الفاظ کے حوالے سے ان سے بیعت لی گئی۔

اسلام میں عورت کا دائرۂ کار محدود ہونے کی وجہ سے ان کی کارکردگی میں بھی نمایاں کمی ہے اور گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانے کی وجہ سے بھی خواتین کی تنظیم میں دینی دعوت کو پھیلانے کا کام زیادہ وسعت نہیں پا سکا۔ لیکن گزشتہ چند ماہ سے چونکہ مرد حضرات نے بھی ہمارے ساتھ کچھ نہ کچھ تعاون کرنا شروع کیا ہے اور خواتین کی تنظیم کے کاموں کو بڑھانے کے لئے خود بھی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ نتیجۃً ان چند ماہ میں ہمارے کام میں کافی وسعت آئی ہے اور اللہ کے فضل سے ہمارے دروس و اجتماعات میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو اس چیز سے ہو جائے گا کہ بیرونِ شہر کے تمام اجتماعات جن کی تعداد تقریباً دس ہے' وہ تمام مرد حضرات کے زیرِ اہتمام ہو رہے ہیں جن میں بعض جگہ مرد حضرات ہی درس دیتے ہیں اور بعض جگہ آڈیو ر ویڈیو کیسٹس سنوائے جاتے ہیں' جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

خواتین کی تنظیم کے قیام کے وقت یعنی ۸۳ء میں ۱۹ خواتین نے امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت برکاتہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس وقت تنظیم میں شامل خواتین کی کل تعداد ۱۳۵ سے زائد ہے۔ تنظیم اسلامی خواتین کی ناظمہ محترم امیر تنظیم اسلامی کی زوجہ محترمہ ہیں۔ مردوں کے حلقے کی طرح خواتین کا بھی سب سے موثر تنظیمی حلقہ لاہور ہی میں ہے۔ لاہور کی تنظیمی سرگرمیاں ناظمہ صاحبہ کے زیرِ اہتمام ہی ہوتی ہیں۔ لاہور میں تنظیمی خواتین کی تعداد ۸۵ ہے۔

لاہور میں مختلف مقامات پر اجتماعات اور دروسِ قرآن و حدیث کی تعداد تقریباً ۱۲ ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ۸۳ء میں ہی قرآن اکیڈمی میں خواتین کے ماہانہ اجتماع کا آغاز ہوگیا تھا جو کہ بفضلہ تعالیٰ بدستور جاری ہے اور یہاں خواتین کی تعداد ۱۰۰ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔

۲۔ ہر ماہ کی دوسری اتوار کو مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں خواتین کا اجتماع ہوتا ہے جس میں حاضری ۳۵ اور ۴۰ کے درمیان رہتی ہے۔ یہاں پر قرآن حکیم کا مطالعہ ترجمے کے

ساتھ شروع ہے۔

۳۔ مہینے کی تیسری اتوار فیصل ٹاؤن میں درسِ قرآن ہوتا ہے اور دوسرے موضوعات پر بھی تقریر ہوتی ہے۔ یہاں پر حاضری ۳۰ کے قریب ہوتی ہے۔

۴۔ مہینے کی پہلی پیر راوی روڈ پر محمد احمد صاحب کے گھر اجتماع ہوتا ہے جو کہ ۸۶ء سے منعقد ہو رہا ہے۔ وہاں حاضری ۳۰ سے زیادہ نہیں ہے۔

۵۔ ہر ماہ تیسری پیر کو قرآن اکیڈمی میں ایک تربیتی پروگرام ہوتا ہے جو کہ ۸۷ء سے ہو رہا ہے۔ یہ پروگرام ہر لحاظ سے خواتین کے لئے مفید ثابت ہو رہا ہے۔ یہاں منتخب نصاب زبانی یاد کروایا جا رہا ہے۔ چالیس حدیثیں بھی مع ترجمہ اور حوالہ کے یاد کروائی گئی ہیں۔ محترم امیر تنظیم کی کتب کا مطالعہ شروع کیا گیا ہے۔ مزید برآں جن خواتین نے پچھلے سال قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھا تھا' ان سے ترجمۂ قرآن سنا جاتا ہے۔ اس طرح خواتین کی درس قرآن کی مشق ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جس نے کسی بھی موضوع پر بولنا ہو' اس کے لئے یہاں گفتگو کا موقع ہوتا ہے۔

۶۔ ہر ماہ چوتھی پیر چوبرجی کوارٹرز میں فیاض حکیم صاحب کے گھر درس ہوتا ہے۔ یہ درس ۸۸ء میں شروع ہوا تھا۔ یہاں بھی منتخب نصاب کا درس مکمل ہو چکا ہے۔ عام طور پر ۳۵۔۴۰ خواتین شرکت کرتی ہیں۔

۷۔ پہلی جمعرات طارق بلاک میں میجر طارق صاحب کے ہاں درس ہوتا ہے۔ اس کا چونکہ حال ہی میں آغاز ہوا ہے' اس لئے خواتین ابھی کم تعداد میں شرکت کرتی ہیں۔

۸۔ دوسری جمعرات کو چوہان روڈ پر درس ہوتا ہے۔ یہاں خواتین کی تعداد ۴۵ اور ۵۰ کے درمیان ہوتی ہے۔

۹۔ تیسری اور چوتھی جمعرات کو گڑھی شاہو میں علی المراد ہائی سکول میں درس کا آغاز کیا گیا ہے۔ سکول کی ہیڈ مسٹریس صاحبہ کی خواہش تھی کہ سکول کی ٹیچرز کو چھٹی کے بعد درس قرآن و حدیث دیا جائے' لہٰذا اللہ کے فضل سے یہ پروگرام شروع ہو گیا ہے۔ سکول کی تمام ٹیچرز نہایت شوق و ذوق سے یہ درس سنتی ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن اکیڈمی میں خواتین کے ماہانہ اجتماع کے موقع پر گزشتہ چند مہینوں سے کتابوں کا سٹال لگانا شروع کیا گیا ہے جہاں پر امیر محترم کے مختلف موضوعات پر دروس و تقاریر کے کیسٹس وغیرہ بھی رکھے جاتے ہیں۔ تنظیم میں شامل خواتین کے علاوہ دوسری خواتین بھی ان کو شوق سے خریدتی ہیں۔ ان خواتین میں سے کئی ایک کو دین کے بارے میں باقاعدہ شوق و

دلچسپی اور لگن بھی پیدا ہونا شروع ہوئی ہے۔ بعض خواتین سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے جو کہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔

یہ تھا ان چند مختصر سی کوششوں کا تذکرہ جو خواتین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق و تائید سے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی راہ میں محنت و کوشش کی مزید توفیق عطا فرمائیں! اب ان اجتماعات کا ذکر کیا جاتا ہے' جن کا تعلق بیرونِ لاہور سے ہے اور جو مردوں کے زیر اہتمام منعقد ہوتے ہیں۔

☆ ... کراچی : ناظم آباد میں ہفتہ وار بنیادوں پر ہو رہا ہے۔ دروس اور کیسٹس سننے کا پروگرام ہوتا ہے۔

☆ ... سرگودھا : رفقائے تنظیم کی ماہانہ میٹنگ کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ کیسٹس سننے کے علاوہ باہمی تعارف کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

سرگودھا میں خواتین کی تنظیم کا حلقہ کافی فعال ہے اور گورنمنٹ کالج برائے خواتین کی لائبریری کی انچارج جو تنظیم میں شامل ہیں' ان کی زیر تربیت کچھ طالبات قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ چکی ہیں اور اب ترجمے کی اگلی کلاس ڈاکٹر صاحب کے دورۂ ترجمۂ قرآن کے کیسٹس کے ذریعے شروع ہو چکی ہے۔ مزید بر آں محترم ڈاکٹر صاحب کے لٹریچر اور منتخب نصاب کا مطالعہ بھی کروایا جاتا ہے۔

☆ ... راولپنڈی' اسلام آباد : ماہانہ اجتماع ہوتا ہے جس میں کیسٹس سننے کے علاوہ باہمی میل جول پیدا کیا جاتا ہے۔

☆ ... پشاور : ماہانہ اجتماع صدر گلبرگ میں جمشید عبداللہ صاحب کے گھر میں ہوتا ہے۔ درسِ قرآن ایک خاتون ہی دیتی ہیں۔

☆ ... فیصل آباد : ماہانہ بنیادوں پر مختلف رفقاء کے گھروں میں ہوتا ہے۔ تنظیم کے کسی رفیق کا درس ہوتا ہے۔

☆ ... گجرات : ماہانہ اجتماع مختلف رفقائے تنظیم کے گھروں میں جاری ہے۔ درس بذریعہ کیسٹس یا مطالعۂ کتب کا معمول ہے۔

☆ ... کوئٹہ : ماہانہ اجتماع ہوتا ہے جس میں باہمی گفت و شنید اور تبادلۂ خیال کے ذریعے دینی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☆ ... ملتان : ہفتہ وار اجتماع ڈاکٹر طاہر خاکوانی کے گھر ہوتا ہے۔ تعارف اور باہمی گفت و شنید کا پروگرام رہتا ہے۔

دروس میں حاضری تو کسی حد تک اطمینان بخش ہے لیکن تنظیم میں نئی شامل ہونے والی خواتین کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ نہ ہو سکا۔ تنظیمی مرد اسی طرح دینی کاموں میں خواتین کے ساتھ تعاون کرتے رہے تو ان شاء اللہ خواتین بھی ان کے ساتھ ضرور تعاون کریں گی۔

تنظیم اسلامی کراچی کی عید ملن پارٹی

علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں　　　عیدِ محکوماں ہجوم مومنیں

ہم اب تک یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ ہماری عید آیا "عیدِ آزاداں" کے زمرے میں آتی ہے یا "عید محکوماں" کے۔ بظاہر تو ہم نے انگریزوں کے تسلط سے آزادی حاصل کر لی ہے لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری عید "عید آزاداں" ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزادی کے ۴۵ برسوں کے بعد بھی ہمارے ملک کو وہ منزل میسر نہ آ سکی جو اسلامی شریعت کی منزل ہے۔ ہم پر اب تک انگریزوں کے بنائے ہوئے وہ قوانین جو انہوں نے ایک محکوم قوم کے لئے بنائے تھے، مسلط ہیں۔ تنظیم اسلامی وطن عزیز کی ان چند جماعتوں میں سے ایک ہے جو اپنے اپنے طریقے سے اس ملک کو اسلامی انقلاب کی منزل سے ہمکنار کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس مرتبہ ہمارے امیر ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کو دوسری بار کراچی میں دورۂ ترجمہ قرآن کے انعقاد کا موقع میسر آیا۔ قرآن اکیڈمی کراچی میں دورہ ترجمہ قرآن مکمل کرنے کے بعد میرِ کارواں تو تنظیم کے مرکز لاہور روانہ ہوگئے۔ امیر کراچی نے رفقاء کی رمضان المبارک کے دوران شبانہ روز اور تھکا دینے والی مساعی کو مدنظر رکھتے ہوئے عید کے پرمسرت موقع پر ایک عید ملن پارٹی کا اہتمام کر ڈالا۔ اگرچہ عید ملن پارٹی سے ذہن میں ایک ایسی تقریب کا تصور ابھرتا ہے جسے شرکاء کی تفریح طبع کے لئے منعقد کیا گیا ہو، لیکن تنظیم کے ہر ہر پروگرام میں رفقاء کی تربیت کا پہلو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے، لہٰذا عید ملن پارٹی بھی دراصل تفریحی سے زیادہ ایک تربیتی پروگرام تھا۔ یہ پروگرام ۱۹ر اپریل کو منعقد ہوا۔ رفقاء کو قرآن اکیڈمی کراچی کے محلِ وقوع کی بنا پر یہاں پہنچنے میں ضرور دشواری پیش آئی ہوگی تاہم وہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ نماز ظہر سے قبل جمع ہوئے۔ رفقاء کی کل حاضری معہ اہل خانہ تقریباً ۲۰۰ سے متجاوز تھی۔

سب سے پہلے جناب اسد الرحمٰن صاحب کی امامت میں رفقاء نے نماز جمعہ ادا کی۔ گو کہ اس سے پہلے اسد الرحمٰن صاحب جمعۃ الوداع کی امامت کر چکے تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے یہاں جمعہ کا خطبہ بھی دیا۔ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی چار آیات کے حوالے سے انہوں نے عظمتِ قرآن کریم کے موضوع پر ایک بھرپور خطاب کیا۔ مسجد میں نمازیوں کی حاضری تقریباً ساڑھے چار سو تھی۔ نماز جمعہ کے بعد خواتین کو کھانا بھجوا دیا گیا جن کے لئے باپردہ اہتمام کیا گیا تھا۔ اس دوران رفقائے تنظیم کے لئے ایک کوئز پروگرام طے کیا گیا تھا۔ پروگرام کے آغاز میں رفقاء کو چند چھوٹی چھوٹی اشیاء کا مشاہدہ کرایا گیا جو رفقاء نے باری باری دیکھیں۔ اس کے بعد انہیں ایک مرتب شدہ سوالنامہ دیا گیا۔ رفقاء کو پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ "قرآن مجید کے حقوق" اور میثاق کے فروری ۱۹۹۱ء کے شمارہ کو پڑھ کر آئیں۔ یہ تو معلوم نہیں کتنے رفقاء نے مذکورہ کتب کا مطالعہ کیا تھا لیکن جب راقم الحروف کو پتہ چلا کہ رفقاء میں سے نصف سے زائد لوگوں کے پاس قلم موجود نہیں تو اسے یقیناً حیرت ہوئی۔ اس سے رفقاء کی غیر ذمہ داری کا احساس اجاگر ہوا۔ یہ ایک لازمی پروگرام قرار دیا گیا تھا للذا رفقاء کی اکثریت کا اس پروگرام کو غیر سنجیدگی سے لینا تنظیمی روح کے یقیناً خلاف ہے۔ ہمیں اس کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرنی چاہئے۔ بہرحال سوالنامہ چار حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ "قرآن مجید کے حقوق" کے حوالے سے، دوسرا حصہ جنرل نالج (قرآن کے بارے میں) تیسرا حصہ "میثاق" کے حوالے سے، اور چوتھا حصہ ان اشیاء کے بارے میں سوالات پر مبنی تھا جو رفقاء کو پروگرام کے آغاز میں دکھائی گئی تھیں اور یہ دراصل ان کی قوت مشاہدہ کا ٹیسٹ تھا۔ آخر میں پروگرام کے ہر حصہ میں سب سے زیادہ نمبر پانے والوں کو مختلف انعامات اور ایک خصوصی انعام مجموعی طور پر سب سے زیادہ نمبر پانے والے کو دیا گیا۔

کوئز پروگرام کے بعد رفقاء نے کھانا کھایا، کھانے کے لئے رفقاء سے ۱۲ر اپریل ۱۹۹۱ء تک فی کس پندرہ روپے زر تعاون جمع کرنے کا کہا گیا تھا لیکن راقم الحروف سمیت بیشتر رفقاء نے زر تعاون پروگرام والے دن ادا کیا جس کی بنا پر کھانے کا انتظام کرنے والوں کو یقیناً دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوتاہی کو بھی معاف فرمائے۔ بحیثیت مجموعی، یہ ایک مفید اور دلچسپ پروگرام تھا جس کی افادیت کو تمام رفقاء نے محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مرتب: محمد سمیع

فہم و تفہیم

۱۲ اپریل کو تنظیم اسلامی لاہور شہر کے ایک اجتماع میں

رفقاء کے سوالات' امیر تنظیم کے جوابات

○ ـ سوال : آپ اپنی تقاریر میں کئی بار یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ اسلامی انقلاب انتخابات کے ذریعے نہیں آ سکتا بلکہ بیعت سمع و طاعت فی المعروف پر مبنی کوئی جماعتی نظام ہو گا تو مؤثر ہو سکے گا۔ لیکن ہمارے وزیر اعظم تو انتخابات کے ذریعے برسر اقتدار آئے ہیں اور نفاذ شریعت کے لئے اقدامات بھی کر رہے ہیں۔ اس قسم کی کوشش سے جو بھی پیش رفت ہو گی' وہ تنظیم اسلامی کے پروگراموں کا کس حد تک بدل ہو سکتی ہے۔
(محمد اسلم قاضی)

☆ ـ جواب : پہلی بات تو قاضی صاحب یہ ہے کہ ابھی تک تو معاملہ محض خوشنما عزائم اور نیک ارادوں کے اظہار تک محدود ہے' کوئی عملی پیش رفت ابھی تک سامنے نہیں آئی۔ اور اس اعتبار سے ہماری تائید بھی فی الوقت محض اچھے ارادوں کے اظہار ہی کی حد تک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تو کوئی ٹھوس عملی پیش رفت سامنے آئی ہی نہیں۔ گزشتہ انتخابات کے غیر معمولی نتائج اور آئی جے آئی کی فیصلہ کن کامیابی کے موقع پر جماعت اسلامی کے ایک رکن نے' جن کا خلوص و اخلاص بالائے شک ہے' جامع القرآن میں کھڑے ہو کر بڑے جذباتی انداز میں کہا تھا کہ انتخابات کے ذریعے انقلاب آ گیا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ وہ انقلاب ہے کہاں؟ کون سی وادی میں ہے؟ میں نے اُس وقت بھی کہا تھا اور آج بھی یہ کہہ رہا ہوں کہ اس قسم کی سطحی چیزوں سے اس درجے تاثر قبول کر لینا معقولیت کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ کہ جو طریق کار وزیر اعظم اختیار کر رہے ہیں اور جن نیک عزائم کا انہوں نے اظہار کیا ہے' اگر وہ اس میں نیک نیت ہوں تب بھی اس کے ذریعے جو تبدیلی آئے گی' وہ تبدیلی محض قانونی نظام کی حد تک

ہوگی۔ جبکہ ہمارے موجود الوقت سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ نظام کے بارے م
کوئی ایک لفظ بھی کہنے کی جرات نہیں کرتا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں ۔
ایک موقع پر صرف اتنا کہا تھا کہ زرعی ٹیکس کے بارے میں بھی سوچا جانا چاہئے تو آ
نے دیکھا کہ ۷۰ ممبرانِ اسمبلی کی جانب سے احتجاجی تحریر ان کے پاس پہنچ گئی تھی اور ا
کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پر عمل در آمد کے بارے میں سنجیدگی سے غور شروع ہو
تھا۔ لہٰذا وزیر اعلیٰ کو فوراً سجدۂ سہو کرنا پڑا۔ یہ ہے حال زمینداری اور جاگیرداری کی قو
کا۔ اسی لئے میں نے اپنے جمعے کے خطاب میں یہ تجویز سامنے رکھی کہ کم از کم لینڈ کمیش
تو بلا تاخیر تشکیل دیا جانا چاہئے کہ انگریزوں کا وضع کردہ نظامِ تقسیم اراضی بہرحال اللہ او
اس کے رسولؐ کے احکامات پر مبنی تو نہیں ہے کہ جس میں تبدیلی کے بارے میں کو
بات سوچی ہی نہ جاسکے۔ یہی بات ۸۲ء میں میں نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کی مجلس شور
میں کہی تھی۔ مشاہدہ یہ ہے کہ جاگیرداری اور زمینداری نظام کے بارے میں یہ حضرات
سوچنے کی ہمت بھی نہیں کرسکتے۔ جبکہ دوسرا اہم معاملہ سود سے متعلق ہے کہ تین سال
تک اسے بھی جاری و ساری رکھنے کا فیصلہ حکومتی سطح پر کرلیا گیا ہے اور اس مدت میں
مزید توسیع کی گنجائش بھی رکھ دی گئی ہے۔ چنانچہ موجودہ مجوزہ شریعت بل کے ذریعے نظا
میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اگر کہیں کوئی تبدیلی ہوئی بھی تو بس قانون
نظام کی حد تک ہو سکتی ہے۔ ہم اس تبدیلی کو بھی خوش آمدید کہیں گے اور ہمارا رویہ یہ
ہونا چاہئے کہ قانون اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں جو کوشش بھی ہو، ہم اس کا خیر مقد
کریں۔ اس لئے کہ بہرحال اگر ایک قانون بھی اللہ کی شریعت کے مطابق نافذ ہو جائے
اس کی کچھ نہ کچھ برکات تو معاشرے میں لازماً ظاہر ہوں گی۔ یہ تو ہوگا کہ ہم شریعت ک
احکامات سے روگردانی کے جس اجتماعی جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس میں کمی واقع ہ
جائے گی۔ مزید یہ کہ آئین میں جس ترمیم کا نواز شریف صاحب نے ذکر کیا ہے، اگر وہ ہ
جائے اور عائلی قوانین بھی شریعت کورٹ کے دائرے میں آجائیں تو میں اس کو بھی ایک
مثبت پیش رفت سمجھتا ہوں۔ اگرچہ ان کے طریق کار میں جو خامیاں ہیں، ہم ان کو بیان
کرتے رہیں گے تاکہ لوگ دھوکے میں نہ آجائیں۔ اس لئے کہ جب تک نظام تبدیل

نہیں ہوگا' عوام کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ اگر محض ان چند اقدامات پر یہ کہہ دیا جائے کہ اسلام آگیا ہے تو نظام کے اعتبار سے اسلام پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لئے ہمیں یہ بیان کرتے رہنا ہے کہ نظام کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور اس کے لئے سوائے انقلاب کے اور کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔

○ ۔ سوال : امیر محترم ! آپ نے شالانہ اجتماع کے موقع پر فرمایا تھا کہ کسی بھی تحریک کی عمر پچاس ساٹھ سال سے زائد نہیں ہوتی۔ تنظیم اسلامی بھی ایک تحریک ہے۔ کیا اس کی عمر بھی اتنی ہی ہوگی؟ وضاحت فرما دیں۔ (عمران احمد۔ ایبک روڈ۔ لاہور)

☆ ۔ جواب : میں نے "تحریک" کے بجائے غالباً "جماعت" کا لفظ استعمال کیا تھا اور جماعت کی زندگی عام طور پر اس سے زائد نہیں ہوتی۔ پھر وہ کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی جماعت کسی تحریک کو لے کر چلے اور اسے کچھ آگے تک پہنچا دے۔ اس کے بعد پھر کوئی اور جماعت اس کی ذمہ داری سنبھال لے' جس طرح اولمپک مشعل ایک کھلاڑی کچھ فاصلے کے بعد دوسرے کو تھما دیتا ہے یا پرانے زمانے میں ڈاک کا نظام بھی ایسے ہی تھا کہ ہر چوکی پر تازہ دم گھوڑا اور سوار موجود رہتے جو آنے والے ہرکارے سے ڈاک وصول کر کے اسے اگلی چوکی تک پہنچا آتے۔ انہی مثالوں سے سمجھئے کہ اس وقت جو احیائی تحریکیں اسلام کی سربلندی کے لئے کام کر رہی ہیں' وہ اپنی بساط کے مطابق کچھ کام کر کے آنے والوں کے لئے راستہ ہموار کر جاتی ہیں' جیسے مولانا ابوالکلام نے ایک پودا لگا دیا' لیکن بہت جلد بددل ہوگئے' مولانا مودودی نے اس کام کو اور آگے بڑھا کر اسے ایک تنظیم اور جماعت کی شکل دی اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی مضبوطی سے اپنے موقف پر جمے رہے۔ علماء کی طرف سے بھی ان کی مخالفت جاری رہی اور سیاسی سطح پر اگرچہ پوری عوام تحریک پاکستان کی حامی تھی لیکن مولانا اپنے انقلابی موقف پر جمے رہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے بھی اپنے طرز عمل میں کمزوری پیدا کرلی۔ اب ہم اس تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

شاید ہم اس تسلسل میں کوئی پیش رفت کر سکیں۔ چنانچہ میں اس خیال کی تائید کرتا ہوں کہ تنظیموں اور جماعتوں کی زندگی میں پچاس ساٹھ برس کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے اور عام طور پر وہ فرقوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

بقیہ: پریس ریلیز

میں نفاذ شریعت کا یہ پیکیج تیار کیا گیا لیکن اس پر وفاقی شرعی عدالت کا اختیار ساقط نہیں ہونا چاہئے ورنہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی وہی وعید وارد ہوگی جو دین کے ایک حصے کو قبول کرنے اور دوسرے کو رد کرنے والوں کے لئے ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے توجہ دلائی کہ وزیر اعظم کی تقریر میں معاشی اصلاحات پر تو بہت زور دیا گیا ہے لیکن بندوبستِ اراضی کو بالکل نہیں چھیڑا گیا حالانکہ ہماری معیشت بنیادی طور پر زرعی ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ایک لینڈ کمیشن کی بھی فی الفور تشکیل کی جائے جو زراعت اور بندوبست اراضی کے ماہرین کے علاوہ علمائے دین پر مشتمل ہو اور معیشت کے اس ستون کو ٹٹول کر دیکھے، اسے استحصال سے پاک کرے بلکہ یہ بھی فیصلہ کرے کہ ہماری اراضی عشری ہے یا خراجی اور اگر خراجی قرار پائے تو فساد کی جڑ ختم ہو جائے گی اور قومی خزانے میں اس خراج سے ہی وہ برکت ہوگی کہ ٹیکسوں کا موجودہ گلا سڑا نظام ہماری مجبوری نہ رہے گا۔ ○○

جاری کردہ: عبداللہ باسط
برائے ناظم نشر و اشاعت۔ تنظیم اسلامی لاہور

توجّہ فرمائیے

تمام قارئین حضرات بالخصوص تنظیم کے رفقاء اور انجمن کے اراکین کی یاد دہانی کے لیے عرض ہے کہ اپنے نام و پتہ کے لیبل پر درج زرِ تعاون ختم ہونے کی تاریخ کے مطابق آئندہ زرِ تعاون کی ادائیگی کا اہتمام جلد فرمایا کریں۔
یا کم از کم مطلع کر دیا کریں کہ پرچہ جاری رکھا جائے!

سرکولیشن مینجر



ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا
تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔
روح پاکستان۔ رُوح افزا
راحت جان۔ رُوح افزا
خدمت خلق رُوح اخلاق ہے
ADARTS
HMD-6 87

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۰

شمارہ: ۶

ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ

جون ۱۹۹۱ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرِ تعاون ۵۰/-

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/-
c/o Dr Khursid A Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel . 312 969 6755

c/o Mr Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel 313 977 8081

CANADA US $ 12/-
c/o Mr Anwer H Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/-
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel 01 805 8732

MID EAST DR 25/-
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel · 479 192

INDIA US $ 6/-
c/o Mr Hyder M D Ghauri
AKQI 4 -1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel 42127

K S A SR 25/-
c/o Mr M. Rashid Umar
P O Box 251
Riyadh 11411
Tel . 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/-
c/o Mr M.A Habib
CC 720 Saudia P O. Box 167
Jeddah 21231
Tel 651 3140

D.D /Ch To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۰۳-۸۵۶۰۰۳-۸۵۶

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷- اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

سرکاری شریعت بل قومی اسمبلی میں منظوری کا مرحلہ طے کرنے کے بعد سینٹ کی گھاٹی بھی کامیابی سے عبور کر چکا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی کا اس پر یہ فوری تاثر کہ اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ قوم کو اس موقع پر مبارک باد دی جائے یا اس کے ساتھ اظہارِ تعزیت کیا جائے، بہت سے لوگوں کو اپنے دل کی آواز محسوس ہوا۔ یوں تو اس بل کی خامیوں اور نقائص کے بارے میں اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے، جو بہت حد تک امرِ واقعہ کے مطابق ہی ہے، لیکن ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ تشویش بات جس کی جانب امیر تنظیم اسلامی بار بار توجہ دلا چکے ہیں، یہ ہے کہ اس ناقص و نامکمل بل کی منظوری کے ذریعے بعض حلقوں کی جانب سے دانستہ یا نادانستہ طور پر عوام میں یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نفاذِ شریعتِ اسلامی کی منزل سَر کر لی گئی ہے۔ اس نوع کے بیانات بلا ناغہ اخبارات کی زینت بنتے ہیں کہ "قیامِ پاکستان کا مقصد حاصل کر لیا گیا" اور "نفاذِ شریعت بل کی منظوری کے ذریعے ملک میں قیامِ نظامِ مصطفےٰؐ کا خواب پورا ہوگیا" وغیرہ۔ چنانچہ ملک کے بعض دینی و مذہبی طبقات فی الواقع اس نشے اور سرور میں سرخوش و سرمست نظر آتے ہیں کہ پاکستان میں شریعتِ اسلامی اور نظامِ اسلام کے نفاذ کا مرحلہ طے پا چکا ہے ------ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس شریعت بل کی منظوری کے ذریعے ہم نے شریعتِ اسلامی کے تمسخر و استہزاء کی انتہا کر دی ہے۔ ہماری ڈھٹائی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ ایک جانب ہم نفاذِ شریعت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور مذکورہ بل کی منظوری پر ایک دوسرے کو مبارک بادیں دینے اور ایک دوسرے سے مبارک باد وصول کرتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف ہم نے بین الاقوامی مالیاتی معاملات میں آئندہ ہمیشہ کے لئے سُود کو برقرار رکھنے کا اعلان کر کے اگرچہ اپنے "مغربی اَن داتاؤں" کی ناراضگی سے تو خود کو بچا لیا ہے لیکن درحقیقت اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف حالتِ جنگ جاری رکھنے کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر کے اپنی بدبختی اور محرومی پر ہم نے گویا مُہرِ

تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ہمارے صبر اور قناعت پسندی کی داد دیجئے کہ ہم اپنے اس فیصلے پر مطمئن اور قانع ہی نہیں' شاداں و مسرور نظر آتے ہیں۔ صدمے اور رنج کی اصل بات یہ ہے کہ اس معاملے میں ہم احساسِ زیاں سے بھی خوفناک حد تک عاری اور تہی ہو چکے ہیں۔ ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

شریعت بل میں سود کو تحفظ دینے کے معاملے پر امیرِ تنظیم نے حال ہی میں ۱۷ مئی اور ۲۴ مئی کے خطاباتِ جمعہ میں مفصل اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان خطابات کو مرتب کر کے "ندا" کے تازہ شمارے میں' جس پر ۱۵ جون کی تاریخ درج ہے' شائع کیا جا چکا ہے۔ "میثاق" کے زیرِ نظر شمارے میں ان خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز شامل کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔

۳۱ مئی کے خطابِ جمعہ میں امیرِ تنظیم نے بالخصوص عائلی قوانین کے مسئلے کو موضوعِ گفتگو بنایا اور موجودہ خلافِ اسلام عائلی قوانین کو جو ۱۹۶۱ء سے نافذ چلے آ رہے ہیں' فوری طور پر ختم کرنے اور اس ضمن میں فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ کھولنے کا مطالبہ پوری شدت سے پیش کیا۔ امیرِ تنظیم نے مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے بارے میں علماءِ کرام کے اس تاریخی فیصلے کا حوالہ بھی دیا جس کی رُو سے پاکستان میں بسنے والے تمام مذہبی مکاتبِ فکر کے چوٹی کے علماء نے متفقہ طور پر مسلم فیملی لاز آرڈیننس کو خلافِ اسلام قرار دیا تھا۔ علماء نے اپنے بیان میں اس آرڈیننس پر شق وار گرفت کرتے ہوئے ہر اس نکتے کی صراحت کی تھی جو انہیں خلافِ اسلام معلوم ہوا۔ علماء کرام کا وہ تفصیلی بیان جو بلاشبہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے' اس شمارے میں شامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے خطے میں گزشتہ ۳۰ برسوں سے صریحاً خلافِ اسلام عائلی قوانین نافذ العمل چلے آ رہے ہیں اور آج تک ہمیں اس کے خلاف کوئی عوامی تحریک اٹھانے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اس معاملے میں اس درجے بیداری اور غیرت کا ثبوت دیا کہ انہوں نے اپنے یہاں مسلم فیملی لاز میں سپریم کورٹ کی ایک معمولی سی دخل اندازی کو بھی گوارا نہیں کیا اور اتنا زبردست اور بھرپور احتجاج کیا کہ وہاں کی حکومت کی ناک

رگڑوا دی اور راجیو حکومت کو یہ بات تسلیم کرتے بنی کہ مسلمانوں کے فیملی لاز کے معاملے میں سپریم کورٹ بھی دخل اندازی کی مجاز نہ ہوگی! اور ہم نے اس معاملے میں ستم کی انتہا کر دی ہے۔ حد یہ ہے کہ موجودہ شریعت بل میں بھی اس بارے میں مداہنت کی روش برتی گئی ہے، بلکہ حکومتی حلقوں کی جانب سے انہی سابقہ خلافِ اسلام عائلی قوانین کو برقرار رکھنے اور انہیں تحفظ دینے کی واضح الفاظ میں یقین دہانی کرائی جا رہی ہے۔ ع
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

☆ ☆ ☆

شریعت بل کی ان خامیوں، بالخصوص سُود اور عائلی قوانین کے معاملے میں مداہنت برتنے کے خلاف امیر تنظیمِ اسلامی نے اپنے خطاباتِ جمعہ میں تو آواز اٹھائی ہی تھی، اس بار "نہی عن المنکر باللسان" کا ایک ذریعہ یہ بھی اختیار کیا گیا کہ نمایاں اخباری اشتہارات کے ذریعے اپنا موقف عوام کے سامنے پیش کر کے گویا اپنا اختلاف رجسٹر کروا دیا گیا۔ اس ضمن میں اب تک تین بڑے اشتہارات اخبارات میں شائع کرائے جا چکے ہیں۔ اس معاملے میں الحمدللہ ہمیں یہ سہولت حاصل رہی کہ ان تین میں سے دو اشتہارات کا خرچ بعض اہلِ خیر نے برداشت کیا اور اس طرح ہماری بات کو عوام تک پہنچانے میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔ ان اشتہارات کے ذریعے تنظیمِ اسلامی کا نقطۂ نظر نہایت واضح انداز میں ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کے ایک بہت وسیع حلقہ تک پہنچا اور اس کے مفید اور خوشگوار اثرات بڑے پیمانے پر محسوس کئے گئے۔ ملک کے بعض نامور صحافیوں نے اپنے اخباری کالموں میں ان اشتہارات کے مضمون کو موضوعِ بحث بنایا اور اپنے اپنے انداز میں اس پر رائے زنی کی۔ ظاہر بات ہے کہ ہر نوع کے ذہن کے لوگوں اور بالخصوص سیکولر مزاج لوگوں کے لئے تنظیمِ اسلامی کا موقف پورے طور پر قابلِ قبول نہیں ہو سکتا، تاہم اخباری کالموں میں اس طور سے ان اشتہارات کا موضوعِ گفتگو بننا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اخبار بین طبقے نے ان اشتہارات کے وزن اور ان کی اہمیت کو محسوس کیا ہے ـــــــ ان اخباری اشتہارات کے ساتھ ساتھ تنظیمِ اسلامی لاہور شہر نے اس معاملے میں اپنے احتجاج کو رجسٹر کروانے کے لئے جون کو احتجاجی مظاہرہ کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ یہ مظاہرہ تنظیم کی سابقہ روایت کے مطابق

خاموش اور پر امن ہو گا۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہونے کے لئے وسط جون میں عازم حجاز ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اس سال حج کرنے کا خیال پہلے سے ذہن میں نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے غیر محسوس طور پر اچانک کچھ ایسے اسباب جمع کر دیئے کہ سفرِ حج کی صورت بن گئی۔ راقم پر بھی اللہ کی یہ عنایت ہوئی کہ امیرِ تنظیم کے ساتھ ہی گویا اس کا بھی قرعہ نکل آیا۔ بلاشبہ یہ سب کچھ مِنْ جانبِ اللہ ہوا۔ راقم کے لئے یہ دوہری سعادت کا معاملہ ہو گا کہ اسے اپنے والد اور والدہ کی ہمراہی میں سفرِ حج کی سعادت نصیب ہو گی، فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس دعا میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سفر کو ہمارے لئے واقعتاً خیر و برکت کے حصول کا ذریعہ بنا دے اور یہ حج ہمارے حق میں حجِ مبرور ثابت ہو۔ (آمین) ——— خیال ہے کہ امیر تنظیم فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد وہیں سے شمالی امریکہ کے سفر پر روانہ ہو جائیں گے جو پہلے سے طے پا چکا تھا۔ امریکہ سے واپسی پر امیرِ محترم ایک ہفتے کے لئے ملائشیا رُکنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی انہیں ملائشیا میں تین روز کے لئے قیام کا موقع ملا تھا لیکن ملائشیا میں قیام کے اعتبار سے وہ تین روز بہت ہی ناکافی ثابت ہوئے اور وہاں کی احیائی تحریکوں کو قریب سے دیکھنے اور ان سے متعارف ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ توقع ہے کہ اس بار وقت کی تنگ دامانی آڑے نہیں آئے گی۔

بقیہ: "پریس ریلیز"

نہ ہوئی، جس پر خود قرآن مجید میں حد درجہ باریک تفصیلات تک احکام موجود ہیں، تو شریعت کا نفاذ آخر کہاں ہو گا؟ مسجد میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی موعودہ ترمیم کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دیا جائے تاکہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک کے بارے میں وہ اندازے غلط ہو جائیں کہ وہاں نام نہاد مسلمان قیادت اسلام کی جڑیں کھودنے میں غیر مسلموں سے بھی زیادہ جری ہو گی۔

تذکرہ وتبصرہ

حالاتِ حاضرہ،
بالخصوص سرکاری شریعت بل اور اس میں موجود خامیوں کے بارے میں
تنظیمِ اسلامی کا موقف
امیر تنظیمِ اسلامی کے حالیہ خطاباتِ جمعہ کے آئینے میں

—— ۱۰ر مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز ——

لاہور: ۱۰ر مئی۔ امیر تنظیمِ اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ کل جو متفقہ شریعت بل قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا' اسے سلیکٹ کمیٹی نے مزید قابلِ قبول بنانے کے لئے اسلام کی روح سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ محروم کر دیا ہو گا' جس میں مولانا شیرانی کے سوا کوئی عالمِ دین موجود نہ تھا۔ وہ مسجد دارالسلام باغِ جناح میں اجتماعِ جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ دینی اور مذہبی جماعتوں کا ردِّعمل مِلا جُلا سا ہے اور بل کے اسمبلی میں پیش ہونے پر ہی معلوم ہو سکے گا کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ سلیکٹ کمیٹی سے گزر کر آنے والے سرکاری شریعت بل کو حکومت اسمبلی میں اپنی عددی برتری کے زور پر بڑی آسانی سے اور عُجلت میں پاس کرا لینے کی پوزیشن میں ہے' جس کے بعد وہ فاتحانہ عوام کے سامنے آ سکتی ہے کہ دیکھو ہم نے شریعت بل پاس کر دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میں امید و بیم کی کیفیت میں مبتلا ہوں' تاہم زیادہ قوی اندیشہ یہی ہے کہ مذہبی اور دینی سیاسی جماعتیں شریعت بل میں مطلوبہ اصلاح و ترمیم منظور کرانے میں ناکام ہوں گی اور ان کو دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہو گا۔ ایک یہ کہ وہ عوام میں نکل آئیں اور ایجی ٹیشن چلائیں اور دوسرا یہ کہ اپنی مادر جماعت آئی جے آئی کو جس کا وہ حصہ ہیں یا حمایت دے چکے ہیں' اس دھمکی پر اکتفا کریں کہ بل کو ٹھیک کر لو ورنہ ... ورنہ ہم اسی تنخواہ پر کام کریں گے۔ امیر تنظیمِ

اسلامی نے کہا کہ ایجی ٹیشن کے لیے لوگوں کو سڑکوں پر لے آنا موجودہ حالات میں زیادہ مشکل نہیں جب امن و امان کی صورتحال اور خوفناک مہنگائی نے ویسے بھی عوام کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ لیکن میں ہرگز اس کا مشورہ نہ دوں گا' کیونکہ اس کے نتیجے میں صرف یہ ہوگا کہ ملک میں سیاست کی گاڑی ایک بار پھر پٹڑی سے اتر جائے گی۔ ہمارے دینی حلقے منظم اور متفقہ قیادت کے تحت مظاہروں کو پُرامن اور بامقصد بنانے کے لئے ضروری تیاری سے محروم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بصورتِ دیگر ان لوگوں کو اسمبلیوں میں اپنی سیٹیں چھوڑ کر باہر آ جانا چاہئے تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ سے جنگ میں خود تو شریک نہ ہوں' لیکن اس کی بھی توقع نہیں کیونکہ حکومتی آسائشیں اور عوامی نمائندوں کے طور پر اپنے استحقاق کا انہیں چسکا پڑ چکا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ شریفہ کی روشنی میں واضح کیا کہ ایک بات بہرحال طے ہے کہ مالی لین دین میں سُود نامی کسی چیز کا وجود پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدترین حرام شے قرار دیا اور اسے ترک نہ کرنے والوں کو شدید ترین وعیدیں سنائی ہیں۔ اب اگر ہم اللہ اور رسول ؐ پر ایمان رکھتے ہیں' یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایک زمانے میں اس کی متعدّد شکلیں پوری انسانی معیشت کو لپیٹ میں لے لیں گی اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآنِ حکیم ابد تک کے لئے راہنمائی اپنے اندر رکھتا ہے تو ہمیں کم از کم یہ معلوم تو کرنا چاہئے کہ ہمارے ہاں مالی معاملات میں کون کون سی چیزیں سُود کے حکم میں آتی ہیں اور اس کے لئے فیڈرل شریعت کورٹ کو اختیار ہونا چاہئے کہ بلا مزید کسی تاخیر کے یہ فیصلے دینے شروع کر دے کہ معیشت میں سُود کا عنصر کہاں اور کتنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک فیڈرل شریعت کورٹ کی طرف سے مقننہ اور انتظامیہ پر' جو ہمارے ہاں گڈمڈ ہو کر ایک ہوگئی ہیں' یہ پابندی عائد نہ ہوگی کہ فلاں فلاں چیزیں خلافِ اسلام ہیں جن کا متبادل مقرّرہ میعاد میں تلاش نہ کیا گیا تو وہ کالعدم قرار پائیں گی' اس وقت تک کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ بیٹھ کر محنت کرے اور متبادل صورتیں تلاش کرے۔ انہوں نے کہا کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے' یہ ضرورت جونہی لاحق ہوئی متبادل راستے نکلتے چلے آئیں گے' کیونکہ بطور مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ حرام سے بچ کر بھی زندگی کے معاملات ضرور چلائے جا سکتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو علیم و حکیم خدا انہیں حرام قرار ہی نہ دیتا۔ امیر تنظیمِ اسلامی نے یاد دلایا کہ ہمارے ایک ماہرِ اقتصادیات مرحوم شیخ محمود احمد نے دنیا بھر کے ترقی یافتہ اور نیم ترقی یافتہ اقتصادی نظاموں سے مصدّقہ اعداد و شمار لے کر ثابت کیا تھا کہ آج بھی سُود تمام معاشی خرابیوں کی جڑ ہے۔ انہوں نے سائنسی انداز میں اور معیشت کی مروّجہ اصطلاحات میں حساب لگا کر دکھا دیا ہے کہ سُود کی

شرح کے ساتھ بے روزگاری اور افراطِ زر کی شرح خود بخود بڑھتی ہے اور سُود کی شرح کو صفر فیصد پر لے آیا جائے تو دورِ جدید کی یہ دونوں بیماریاں معاشرے کی جان بالکل چھوڑ دیتی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ دس اپریل کو گزرے ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے جب وزیر اعظم نواز شریف نے شریعت اور اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی کے بارے میں بڑی ہی قابلِ قدر اور حوصلہ افزا باتیں کہیں، لیکن انہیں بامعنی بنانے والا دستوری ترمیم کا بل ابھی تک پیش نہیں کیا گیا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ نفاذِ شریعت میں کسی فریب دہی اور فیڈرل شریعت کورٹ پر کسی پابندی کی شکل میں سُود کی حُرمت کو ٹالنے کی کوشش قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اگرچہ ایجی ٹیشن اس نازک وقت میں بڑی ہی خطرناک ہوگی جب ملک داخلی اور خارجی مشکلات کا شکار ہے، تاہم اس کے امکان کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک تنظیمِ اسلامی کا تعلق ہے، وہ ابھی مزاحتی لیکن منظم اور پُرامن مظاہرے کرنے کی ضروری اہلیت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکی چنانچہ وہ دل سے بُرا سمجھنے اور زبان سے منکر کو منکر کہتے رہنے پر فی الحال اکتفا کریں گے اور حکومت اور قوم کو بیک وقت یہ بتاتے رہیں گے کہ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کا خیال چھوڑ کر سرتسلیم خم کر دینے کی روش اپنائی جائے۔ قبل ازیں ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ ضرورت سے زیادہ سرمایہ یعنی قدر فاضل ہی درحقیقت مارکس کے فلسفے کی جڑ ہے اور اسی کو "انفاق" کے راستے پر ڈال کر اسلام سُود اور معاشی استحصال کا دروازہ بند کرتا ہے۔

جمعہ کے اس اجتماع میں ایک قرارداد بھی اتفاقِ رائے اور جوش و خروش سے منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ سرکاری شریعت بل کو واپس لے کر پرائیویٹ شریعت بل کو، جو سینٹ سے پاس ہو چکا تھا، اس اضافے کے ساتھ قومی اسمبلی سے بلا تاخیر منظور کرایا جائے کہ سُود کی جو شکل بھی خلافِ اسلام قرار دی جائے، اس کی تنفیذ کو مؤثر بہ ماضی کیا جائے اور ملک کے اندر باہر یکساں طور پر اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ مزید مطالبہ کیا گیا کہ نظامِ زراعت کی اصلاح کے لئے ایک با اختیار اور اعلیٰ سطحی لینڈ کمیشن کی تشکیل کی جائے جو زراعت و بندوبستِ اراضی کے ماہرین اور علمائے دین پر مشتمل ہو، تاکہ معیشت کے اس اہم ترین شعبے میں بھی اسلامی اصلاحات کی جا سکیں جو قومی اقتصادیات کا سب سے بڑا ستون ہے۔ ○○

ـــــ ۱۷ مئی کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز ـــــ

لاہور: ۱۷ مئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیمِ اسلامی نے کہا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد شریعت ایکٹ بن جانے والے شریعت بل پر مسلمانانِ پاکستان کو

مبارک باد دوں یا ان سے اظہارِ تعزیت کروں۔ مسجد دارالسلام باغِ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک مثبت پیش رفت تو بہرحال یہ ہے کہ اب قرآن و سنّت کا ذکر ہمارے آئین کے تمہیدی باب میں ہی نہیں رہے گا بلکہ قانون سازی اور کاروبارِ حکومت میں بھی اس کا نام لیا جانے لگے گا' لیکن ۴۵ برسوں کے طویل عرصے کے بعد ہم نے قرآن و سنّت کی بالادستی کو تسلیم کیا بھی تو اس سے کچھ نہ کچھ چیزوں کو مستثنیٰ رکھ ہی لیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ تعزیت کی بات یہ ہے کہ بہت کچھ مان لینے کے بعد بھی ہم اللہ اور اس کے رسول ؐ سے جنگ جاری رکھنے کے فیصلے پر قائم ہیں۔ سُودی لین دین کو تین سال کی مدّت کے لئے تحفظ دیا گیا تھا اور اس مدّت میں توسیع بھی ممکن تھی' لیکن اب اسے "کم سے کم مدّت میں" کے الفاظ سے بدل کر اعتراض کرنے والوں کی آنکھوں میں دُھول جھونک دی گئی ہے' کیونکہ "کم سے کم" اور "زیادہ سے زیادہ" تو حد درجہ غیر متعیّن مفہوم رکھنے والے الفاظ ہیں۔ "کم سے کم مدت" کو ہم اپنی واقعی اور مفروضہ مجبوریوں کی آڑ لے کر شیطان کی آنت کی طرح کھینچ سکتے ہیں۔

امیر تنظیمِ اسلامی نے کہا کہ جس نئے عالمی نظام کی باتیں سننے میں آ رہی ہیں' اس میں اور موجودہ عالمی نظام میں بھی سُود کو ریڑھ کی ہڈی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فرنگ کی رگِ جاں اگر پنجۂ یہود میں ہے تو محض اس لئے کہ پوری دنیا سُودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور اس کا تانا بانا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے' سُود خوری جن کے خون میں شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ شریعت ایکٹ میں ہم نے اعلان کر دیا ہے اور واحد عالمی سپرپاور یعنی امریکہ کو یقین دلا دیا ہے کہ ہم اسی سُودی نظام میں جکڑے رہنا منظور کرتے ہیں جو سامراج نے تیسری دنیا اور خاص طور پر مسلمانوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قرآن و سنّت کے سب سے بالادست قانون ہونے کی بات بڑی خوش آئند ہے لیکن دستور میں ترمیم کے بغیر اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ شاید شریعت ایکٹ کو بہت جلد چاروں ہائی کورٹوں میں چیلنج کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ معلوم نہیں کہ مجوزہ دستوری ترمیم کب آئے اور جب تک وہ نہیں آتی' شریعت ایکٹ پوری طرح موثر نہ ہو سکے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ دوبارہ باندھ دیئے جائیں گے جو دستور کی متعلقہ دفعہ کے مطابق ہتھکڑیوں سے آزاد ہو چکے ہیں اور اس طرح اسمبلیوں کو اس مجبوری سے آزاد کر دیا جائے گا جو فاضل عدالت کے فیصلوں کے تحت غیر اسلامی قوانین کی جگہ نئی اسلامی قانون سازی مطلوبہ مدّت کے اندر

کرنے کی صورت میں انہیں لاحق ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شریعت ایکٹ میں شریعت کی تنفیذ کا کوئی طریقِ کار متعین نہیں کیا گیا اور اگر فیڈرل شریعت کورٹ پر پابندیوں کے سلسلے میں ان کا خدشہ درست نکلا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پاس ہونے والا شریعت بل محض مبارک سلامت کی حد تک ہی کار آمد ہو گا جس سے مطلوبہ نتائج بر آمد نہیں ہوں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ شریعت دینے والے رحمۃؐ للعالمینؐ کی امت کے پس ماندہ طبقات کے لئے اُس نظامِ عدل کا شریعت ایکٹ میں کوئی ذکر نہیں آیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کا خاص مظہر ہے' کیونکہ ہماری سیاسی قیادت کے ذہن پر مغربی نظام سرمایہ داری کا غلبہ ہے اور وہ یورپ کی بعض فلاحی ریاستوں کی برکتوں سے زیادہ کی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتے۔

انہوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جے یو آئی فضل الرحمٰن گروپ کے سوا ان نو دینی' سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا ذکر کہیں سننے میں نہیں آ رہا جنہوں نے سرکاری شریعت بل کو مسترد کر دیا تھا اور دعویٰ کیا تھا کہ سرکاری بل کو موجودہ صورت میں کسی طرح بھی منظور نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے سوال کیا کہ کیا انہوں نے اسی تنخواہ پر کام کرتے رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ جماعتِ اسلامی کا موقف اب کیا ہے جس نے اسلامی جمہوری اتحاد کو "آئی ڈی اے" کے بجائے "آئی جے آئی" کہنے پر اس لئے اصرار کیا تھا کہ "جے آئی" یعنی جماعت اسلامی اس کا اٹوٹ انگ بنتا ہے۔ شریعت ایکٹ کی غیر اسلامی گو بالخصوص سُود سے متعلق دفعات' بغیر کسی تبدیلی کے' مشرف بہ اسلام ہوئیں تو آخر کیسے؟

ــــــ ۲۴ر مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز ــــــ

لاہور: ۲۴ر مئی :- ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے کہا ہے کہ فضا ان افواہوں اور اندازوں سے بوجھل تھی کہ نئے عالمی نظام میں بھارت کے آئندہ وزیر اعظم راجیو گاندھی امریکہ کے اگلے ہدف پاکستان کے خلاف استعمال ہوں گے اور ایک خوفناک پاک بھارت جنگ کی پیشین گوئیاں کی جا رہی تھیں جس میں پاکستان کو عراق کی طرح کا سبق سکھایا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اندیشوں کے بھنور سے اسی طرح ایک بار پھر باہر نکال دیا ہے جیسے آنجہانی اندرا گاندھی کی زندگی کے آخری دنوں میں نکالا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس خطرے کے ٹلنے پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا' لیکن ہم نے اس کے برعکس ایک مشروط شریعت بل پاس کر کے گویا بانگِ دہل اعلان کر دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے ہماری جنگ

جاری رہے گی۔

مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب کے دوران ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ راجیو گاندھی کے قتل سے بھارتی سیاست پہلے سے بھی زیادہ عدمِ استحکام کا شکار ہو جائے گی اور بھارت میں ایک کمزور سیاسی حکومت ہمارے لئے زیادہ بڑا خطرہ ہے جو داخلی انتشار سے اپنے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے کسی بھی وقت ہم جُوئی کی بات سوچ سکتی ہے۔ انہوں نے راجیو گاندھی کے آخری انٹرویو کے حوالے سے کہا کہ اگرچہ وزیر اعظم کے مشیر برائے اطلاعات نے اس امر کی تردید کی ہے' تاہم مرحوم ضیاء الحق نے کشمیر کے مسئلہ پر راجیو گاندھی سے کوئی مفاہمت کر لی تھی تو اس میں تعجب کی بات بھی نہیں۔ کیونکہ اس وقت تک کشمیری مسلمانوں نے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا تھا اور دونوں ملکوں میں سے کوئی بھی اس کے لئے ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہونے پر تیار نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ اب صورت حال بدل چکی ہے اور کشمیر اب بھارت اور کشمیری مسلمانوں کے درمیان ایک تنازعہ ہے جس میں پاکستان کی ہمدردیاں اور ہر ممکن تعاون بہرحال اپنے محکوم و مظلوم مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہیں۔

امیر تنظیمِ اسلامی نے کل سینٹ میں پیش ہونے والے نفاذِ شریعت بل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سینٹ میں بیٹھے ہوئے علماء اور اقامتِ دین کے علمبرداروں نے قومی اسمبلی سے موصول ہونے والے اس بل کا راستہ نہ روکا تو اسلام سے ان کے خلوص کا پول کھل جائے گا' جس میں نہ صرف اجتماعی زندگی کے اہم ترین شعبے یعنی معیشت کو شریعت سے آزاد رکھا گیا ہے بلکہ کئی اور چیزوں کو بھی تحفظ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مروّجہ سیاسی نظام میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو شریعت کے صریحاً خلاف ہو' لیکن ہم نے اسے استثناء دے کر اپنے دل کے چور کو بہرحال ظاہر کر دیا ہے اور شریعت کے ساتھ خیانت کا ثبوت دیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے اختیارات کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی طرف سے جواز اور عدمِ جواز کے نتیجے میں قانون سازی عدلیہ کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ عدالت کا کام صرف یہ بتانا ہوگا کہ کون سا قانون شریعت کے خلاف ہے جس کا متبادل قانون اس صورت میں بھی مقننہ ہی کو بنانا ہوگا اور یوں قانون سازی بدستور منتخب اسمبلی کے دائرہ اختیار میں رہے گی۔

۳۱ مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور: ۳۱ مئی۔ انگریزوں کو دورِ غلامی میں بھی ہمارے عائلی قوانین پر دست درازی کی

ہمت نہ ہوئی اور اسے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے "محمڈن لاء" کے نام سے ایسا قانون بنانا پڑا جو مسلم پرسنل لاء کی روح کے مطابق تھا' لیکن ۱۹۶۱ء میں پاکستان کے فوجی آمر ایوب خان نے منکرینِ حدیث کے زیر اثر عائلی قوانین میں وہ ترامیم کیں جن کی مسلمانوں کے کسی فرقے کی فقہ اور اہلِ سنت کے کسی مسلک میں گنجائش نہ تھی۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اِسرار احمد نے جامع القرآن' ماڈل ٹاؤن میں جمعہ کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہی اور افسوس کا اظہار کیا کہ تیس سال سے غیر اسلامی عائلی قوانین یہاں مسلسل نافذ ہیں' جنہیں ۱۹۶۱ء میں تمام قابلِ ذکر شیعہ اور سُنّی علماء نے باتفاقِ رائے مسترد کر دیا تھا۔

انہوں نے کہا کہ بھارت میں بھی جہاں مسلمان اقلیت کو اب "مسلمان کے دو استھان' قبرستان یا پاکستان" جیسے نعرے سنائی دیتے ہیں' مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی ہمت نہیں کی جا سکی۔ انہوں نے کہا کہ ایک کامن سِوِل کوڈ کے نام سے بھارت میں یکساں فیملی لاز کے نفاذ کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے تاکہ مسلمان کو اس کی آخری پناہ گاہ یعنی چار دیواری سے بھی باہر نکالا جا سکے' لیکن پچھلے دنوں بھارتی سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے خلاف یک جان ہو کر تحریک چلانے اور خون دینے کے بعد مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ مٹ تو جائیں گے مگر اپنے مذہب میں ترمیم و اضافہ قبول نہ کریں گے' جس کے نتیجے میں اس وقت کے وزیر اعظم آنجہانی راجیو گاندھی کو متعصب ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود بھارتی لوک سبھا سے ایک قانون منظور کرانا پڑا جس کے نتیجے میں مسلم پرسنل لاء بھارتی عدالتوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے یاد دلایا کہ تقسیمِ ہند کے مخالف علمائے کرام کا موقف یہ تھا' جن میں سے اکثر کے خلوص و اخلاص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک قومی تحریک کے نتیجے میں قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان سے اسلام ختم ہو جائے گا اور ہندوستان سے مسلمانوں کا نام مٹ جائے گا اور کہا کہ افسوس ہم نے ان کے اندیشے درست ثابت کر دیئے۔ ایوب خان کے نافذ کردہ عائلی قوانین کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ وہ ہمارے دین میں مداخلت ہیں' علماء نے کبھی ان کے خلاف تحریک نہیں چلائی اور اگر چلائی تو وہ لادین عناصر کو ساتھ ملا کر جمہوریت کی بحالی کے لئے تھی' جس کے نتیجے میں ایوب خان کی ٹانگ تو کھینچ لی لیکن اس کے پیچھے سے ہمارے اعمال کی شامت میں بھٹو صاحب بر آمد ہو گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نفاذِ شریعت ایکٹ کے محرک آئی جے آئی کے وزیر قانون و پارلیمانی امور مغرب زدہ خواتین کو بار بار یقین دہانی کرا رہے ہیں کہ عائلی قوانین پر شریعت کی زد نہیں پڑے گی۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان پر شریعت نافذ

سودی معیشت کے تسلسل کے خلاف

تنظیم اسلامی کی جانب سے شائع کرائے جانے والے اخباری اشتہارات کے عکس

(یہ اشتہارات ۲۱ مئی اور ۲۷ مئی کے اخبارات میں شائع کرائے گئے)

دولتِ خداداد پاکستان میں سودی لین دین

پہلے بھی اندرونی اور بیرونی دونوں سطحوں پر جاری تھا، اور گویا اللہ اور رسولؐ کے خلاف
خاموش جنگ تو پہلے ہی سے جاری تھی، لیکن اب نام نہاد **نفاذِ شریعت بل**
کی منظوری کے ذریعے پوری دنیا کے سامنے سود کو جاری رکھنے کا بہانگِ دہل اعلان کر کے

ہم نے شریعت کے تمسخر اور استہزاء کی انتہا کر دی ہے!

اور گویا پوری ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کے عذاب کو دعوت دے دی ہے!

وزیر اعظم پاکستان جناب نواز شریف!

اور نام نہاد اسلامی جمہوری اتحاد!

ابھی وقت ہے اللہ کی جناب میں توبہ کر لیں

اور فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد شدہ جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعتِ اسلامی کے ساتھ کامل
وفاداری اور خلوص و اخلاص کا ثبوت دیں!

تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا

مبادا قوم پر وہ عذاب مسلط ہو جائے جس کا ٹالنا پھر کسی کے بس میں نہ رہے!

الداعی الی الخیر والناہی عن المنکر

تنظیمِ اسلامی پاکستان

{امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد}

۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور (فون ۳۰۵۱۱۰)

(پاکستان کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ جملہ سیاسی اور مذہبی گروہ بندیوں سے بلند ہو کر
توبہ کی اس منادی میں تنظیم اسلامی کے ساتھ تعاون کریں یا صدائے حق اپنے طور پر بلند کریں)

معززاراکین سینٹ توجہ فرمائیں!

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے دو پہلو ہیں:

۱۔ قانونِ اسلامی یعنی شریعت کی تنفیذ اور

۲۔ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یعنی سماجی، سیاسی اور معاشی انصاف کا قیام۔

جسے قائداعظم مرحوم نے اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کی عملی مثال "پیش کرنے" سے تعبیر کیا تھا۔

- قانون نظام کو تحفظ دیتا ہے، اگر نظام ظالمانہ اور استحصالی ہو تو بہترین قانون بھی نہ صرف بے ثمر اور بے برکت اور علامہ اقبال کے الفاظ میں نخلِ بے رطب بن کر رہ جاتا ہے بلکہ ظالموں کو تحفظ دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔
- اگرچہ شریعتِ اسلامی کا ہر حکم بابرکت ہے اور اس کا نفاذ ہم پر لازم ہے لیکن موجودہ استحصالی نظام کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ شریعت کی برکات ظاہر نہیں ہو سکیں گی بلکہ شریعت کے بدنام ہو جانے کا شدید اندیشہ ہے!
- موجودہ شریعت بل نے ایک جانب موجودہ ظالمانہ نظام کو مکمل تحفظ دیا ہے اور دوسری جانب قانونِ اسلامی کی تنفیذ کے لیے بھی سیدھے اور ہموار راستے کو چھوڑ کر طویل اور پیچیدہ راہ اختیار کی ہے جس سے ملک کی تمام عدالتوں میں طویل بحثیں چھڑ جائیں گی۔
- نفاذِ شریعت کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر عائد جملہ پابندیاں بشمول عائلی اور مالی قوانین ختم کر دی جائیں۔ اور وہ جس جس قانون کو کالعدم قرار دے اس کی جگہ نئے قانون پارلیمنٹ بناتی چلی جائے۔ گویا "قانون سازی" اصلاً پارلیمنٹ ہی کی ذمہ داری ہو۔
- لیکن اہم ترین معاملہ یہ ہے کہ موجودہ استحصالی نظام کے خاتمے کے لیے حضرت عمرؓ کے فرمان "ترک کر دو نہ صرف صریح سود کو بلکہ ہر اُس معاملے کو جس میں سود کا شائبہ پایا جاتا ہے" (ابن ماجہؒ) اندرونِ ملک بھی نہ صرف سرمایہ اور نقدی کے سود، بلکہ زمین کے سود یعنی جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے
- اور بیرونی استحصالی قوتوں سے بھی کہہ دیا جائے کہ اگر تم بخوشی سود ختم کر دو تو ہم اپنی سہولت کے مطابق تمہارے اصل زر لوٹانے کا وعدہ کرتے ہیں ——— ورنہ ہم تمہاری جانب سے جنگ قبول کر لیں گے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے نہیں! ——— اور فاقہ کرنا قبول کر لیں گے سود دینا نہیں۔

ورنہ "گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!"

اور موجودہ شریعت بل کی حیثیت مذہبی سیاست بازوں کے لیے "لالی پاپ" یا کچھ فقیہوں اور مفتیوں کے معاشی مسئلے کے مولویانہ اور سرمایہ دارانہ حل کے سوا کچھ نہیں! پاکستان کے مسلمانو! خدا کے لیے غور کرو!!

تنظیمِ اسلامی پاکستان

امیر تنظیم

۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور (فون ۳۰۵۱۱۰) (عطیۂ اشتہار من جانب ایک بندۂ خدا)

عظمتِ قرآن

بزبانِ قرآن و صاحبِ قرآن ﷺ

"عظمتِ قرآن" امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خصوصی دلچسپی کے موضوعات میں سے ہے۔ اس موضوع پر وہ ایک سے زائد بار مفصل اظہار خیال فرما چکے ہیں۔ جدہ میں مقیم ہمارے ایک ساتھی اور بزرگ محترم عبدالرشید رحمانی کو ایک موقع پر امیر تنظیم کا اس موضوع پر خطاب سننے کا موقع ملا تو وہ اس درجے ان کے دل کو بھایا کہ فوراً ٹیپ کی ریل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ہمیں بھجوا دیا۔ رحمانی صاحب کے ارسال کردہ اوراق کی نوک پلک سنوارنے کا فریضہ حافظ خالد محمود خضر نے انجام دیا ہے۔ (ادارہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

امابعد - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝

وقال تبارک وتعالیٰ:

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۝ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَهَّرَۃٍ ۝

بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ۝ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ ۝

صدق اللہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ — آمین یارب العالمین۔

حضرات! میری آج کی یہ گفتگو دو حصّوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلے حصّے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ تعلیم و تعلّمِ قرآن یعنی قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کی کیا اہمیت ہے۔ اور دوسرے حصّے میں مجھے اپنے موجودہ حالات کے حوالے سے رُجوع الی القرآن یعنی قرآن حکیم کی طرف از سرِنو راغب ہونے کی اہمیت کو بیان کرنا ہے۔ پہلے مضمون کے ضمن میں میں نے اس وقت سورۃ الرحمٰن اور سورۃ عبس کی چار چار آیات کی تلاوت کی ہے۔ ان کے حوالہ سے میں چاہوں گا کہ قرآن مجید کی جو عظمت ہمارے سامنے آتی ہے اس پر ہم غور کریں۔ اور اسی ضمن میں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث بھی آپ کو سنانا چاہتا ہوں تاکہ عظمتِ قرآن کا بیان جہاں ہم خود اللہ تعالیٰ سے سمجھیں وہاں نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بھی یہ بات ہمارے سامنے آئے کہ اس کلام کی کیا عظمت ہے۔ فارسی کا ایک مصرعہ ہے ؏ "قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری" یعنی موتی اور ہیرے کی قدر و قیمت کو جاننے والا یا تو بادشاہ ہوتا ہے اور یا جوہری! ایک عام دیہاتی کے ہاتھ پر اگر آپ ایک ہیرا یا قیمتی موتی رکھ دیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کانچ کا ایک ٹکڑا سمجھے۔ تو اسی طریقے پر قرآن مجید کی عظمت سے اصلاً تو وہ ہستی واقف ہے جس کا یہ کلام ہے اور پھر دوسرے نمبر پر اس کی عظمت سے صحیح معنوں میں واقف وہ ہستی ہے کہ جس پر یہ قرآن نازل ہوا یعنی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی چار آیات بڑی مختصر ہیں۔ پہلی آیت صرف ایک لفظ پر مشتمل ہے: اَلرَّحْمٰنُ ○ اس کے بعد کی تین آیات دو دو الفاظ پر مشتمل ہیں: عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ○ لیکن اگر ہم ان الفاظ پر تدبّر کریں، غور و فکر کریں، سوچ و بچار سے کام لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان مختصر ترین الفاظ میں جو مضامین پنہاں ہیں ان مضامین کا بیان کرنا کسی ایک تقریر میں ممکن ہی نہیں۔ ہر اعتبار سے ایک چوٹی کا مضمون ہے جو ہر آیت میں آیا ہے۔

پہلی آیت جیسا کہ میں نے عرض کیا صرف ایک لفظ "اَلرَّحْمٰنُ" پر مشتمل ہے۔ الرحمٰن اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کے بہت سے نام وارد ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں بھی ان کا ذکر ہے۔ ویسے تو قرآن

مجید سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ "فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى" یعنی جتنے بھی اچھے نام ہیں سب اللہ کے ہیں۔ جتنی اچھی صفات کا ہم تصور کر سکتے ہیں وہ تمام صفات ذات باری تعالیٰ میں بتمام و کمال موجود ہیں۔ جس اچھائی، جس خوبی، جس خیر اور جس کمال کا ہمارے ذہن میں خیال آ سکتا ہے وہ اللہ پاک کی ذات میں موجود ہے۔ لیکن تعین کے ساتھ اللہ پاک کے نام وہی ہیں جو قرآن مجید میں یا حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں۔ ان ناموں میں سب سے زیادہ محبوب نام "اللہ" ہے اور اس سے قریب ترین نام "رحمٰن" ہے۔ چنانچہ تلاوتِ قرآن مجید کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کیا جاتا ہے۔ پھر سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت کے الفاظ بھی یہ ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور دوسری آیت ہے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

واقعہ یہ ہے کہ لفظ "اللہ" تو عرب میں بہت معروف تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی اہل عرب "اللہ" کے نام سے بخوبی واقف تھے۔ وہ اللہ سے دعائیں کرتے تھے اور اپنے تمام شرک کے باوجود اس حقیقت کو مانتے تھے کہ اس کائنات کے تخلیق کرنے میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس پوری کائنات کا خالق تنہا وہی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (لقمان: ۲۵) کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان سے سوال کریں کہ یہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے تو وہ لازماً کہیں گے کہ اللہ نے! لیکن اللہ تعالیٰ کے دوسرے ناموں میں سب سے زیادہ نمایاں اور ایک خاص پہلو سے سب سے زیادہ پیارا نام جو ہے وہ "رحمٰن" ہے۔ قرآن مجید میں جب یہ نام بار بار آیا تو اہل عرب نے اعتراض کیا کہ یہ "رحمٰن" کون ہے؟ سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں فرمایا گیا: "قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" کہ اے نبیؐ! ان سے کہئے: چاہے اللہ کہہ کر پکار لو، چاہے رحمٰن کہہ کر پکار لو، پس یہ جان لو کہ جس کو پکار رہے ہو تمام اچھے نام اسی کے ہیں! تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے "اللہ" کے قریب ترین جو نام آتا ہے، وہ "رحمٰن" ہے۔

لیکن میں نے جو عرض کیا کہ ایک دوسرے پہلو سے یہ سب سے زیادہ پیارا نام ہے تو اس بات کو بھی سمجھ لیجئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام اس کی صفتِ رحمت

سے بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت وہ صفت ہے جس کے ہم سب سے زیادہ محتاج ہیں۔ اور ہمارا معاملہ تو بہت دُور کی بات ہے' خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ضرورت مند ہیں۔ ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی محض اپنے عمل کی بنا پر جنت میں داخل نہ ہو سکے گا"۔ اس پر کسی صحابیؓ نے ہمت کر کے یہ سوال کر لیا کہ: "حضورؐ کیا آپ بھی نہیں؟" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں' میں بھی نہیں۔ مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنے خصوصی فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے!" (متفق علیہ۔ عن ابی ہریرۃؓ) اب آپ اندازہ کیجئے کہ اگر اللہ کے نبیوں اور پیغمبروں کو اور سیّد المرسلین سیّد الاولین والآخرین محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتِ خداوندی کی احتیاج ہے تو ہم اس سے کس طرح مستغنی ہو سکتے ہیں؟ ہم سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی شدید احتیاج رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ" (فاطر: ۱۵) کہ اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کی ذات کے فقیر ہو' محتاج ہو! غنی اور حمید ذات تو صرف اسی کی ہے!!۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب مصر سے جان بچا کر نکلے اور پاپیادہ پورا صحرائے سینا عبور کر کے تنِ تنہا مدین پہنچے تو آبادی کے باہر کنوئیں پر بیٹھ گئے۔ آپؑ اس وقت انتہائی کسمپرسی کے عالم میں تھے' وہاں آپؑ کی کوئی جان پہچان تک نہ تھی۔ اس حال میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک پر جو دعا آئی وہ قرآن حکیم میں بایں الفاظ منقول ہے: "رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ" (پروردگار میں ہر اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میری جھولی میں ڈال دے) اور واقعہ یہ ہے کہ مخلوق کا معاملہ اللہ کے سامنے اسی فقر اور احتیاج کا ہے' اور ہم رحمتِ خداوندی کے ہر آن محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ رحمت سے اس کے دو نام بنے ہیں: رحمٰن اور رحیم! اور یہ واحد صفت ہے جس سے اللہ کے دو نام آتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ان میں رحمت کی دو شانوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ "رحیم" فعیل کے وزن پر صفتِ مشبّہ ہے جو اس کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے جو اس دریا کی مانند ہے جو مسلسل بہہ رہا ہو ـــــ جس میں سکون' دوام اور پائیداری ہو اور "رحمٰن" رحمت خداوندی کی اس شان کو ظاہر کرتا ہے جو ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی مانند ہے' جس میں ایک ہیجان کی کیفیت ہے۔

فعلان کے وزن پر عربی زبان کے جو الفاظ بھی آتے ہیں ان میں یہ شدّت پائی جاتی ہے۔ ایک ہیجانی اور طوفانی کیفیت ان کا خاصہ ہے۔ عرب کہے گا: "اَنَا عَطْشَانٌ" کہ میں بہت پیاسا ہوں۔ یعنی پیاس سے جان نکل رہی ہے۔ بھوک سے کوئی شخص مر رہا ہے تو وہ کہے گا: "اَنَا جَوْعَانٌ" اسی طرح "غَضْبَانٌ" کے معانی ہیں بہت زیادہ غضبناک۔ تو اسی طریقہ سے یہ لفظ "رحمٰن" بنا ہے یعنی انتہائی رحم فرمانے والا' جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت گویا کہ انتہائی پیاری اور محبوب صفت ہے' اور اس میں بھی شان رحمانیت ایک عجیب کیفیت کی حامل ہے۔

اسی شانِ رحمانیت کے حوالے سے فرمایا گیا:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○

"اس رحمٰن نے تعلیم دی ہے قرآن کی!"

قرآن کی عظمت کو اس سے سمجھو کہ اس کا تعلق اللہ کی صفتِ رحمانیت سے ہے۔ اگر فرمایا جاتا: "اَللّٰہُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"۔ تو بھی بات مکمل ہو جاتی' لیکن قرآن کا ذکر اللہ پاک کی صفتِ رحمانیت کے حوالے سے ہو رہا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ : جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہے' اس نے قرآن سکھایا۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اللہ نے صرف قرآن نہیں سکھایا' اس نے تو انسان کو بہت کچھ سکھایا ہے۔ انسان کے پاس جو بھی علم ہے' وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ابتداء میں حضرت آدمؑ کا جو قصہ بیان ہوا ہے' اس میں فرمایا گیا: **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** اور اس موقع پر فرشتوں کا جواب یہ تھا: "**سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا**" (تو پاک ہے' ہمیں کوئی علم حاصل نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں عطا کیا)۔ تو جنّ و انس ہوں' ملائکہ ہوں' انبیاء و رسل ہوں' اولیاء اللہ ہوں' یا بڑے سے بڑا سائنسدان اور بڑے سے بڑا فلسفی ہو' جس کے پاس بھی علم کی کچھ رمق موجود ہے' وہ آخر کہاں سے آتی ہے؟ آیۃ الکرسی میں فرمایا گیا: "**وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ**" کہ مخلوق میں سے کوئی اس کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتا' سوائے اتنے حصے کو جتنا وہ خود کسی کو دینا چاہے۔ بلکہ ایک نومولود بچہ جو دنیا میں آتا ہے' اسے یہ علم ہوتا ہے کہ اس کا رزق کہاں ہے' اس کی روزی کہاں ہے۔ وہ ماں کی چھاتی پر جس طرح منہ مارتا ہے' اس کی تربیت اسے کس نے

دی ہے؟ یہ شعور وہ کہاں سے لے کر آیا ہے؟ وہ کون سی تربیت گاہ تھی جہاں سے وہ یہ ٹریننگ لے کر آیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ علم خواہ جبلی ہو' خواہ فطری ہو' خواہ وہ ہمارے نفس میں ودیعت شدہ ہو اور خواہ وہ ہم تعلیم کے نظام کے ذریعے سے حاصل کرتے ہوں' اس کا منبع اور سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اور ہمیں سبھی کچھ اسی نے سکھایا ہے۔ لیکن اس نے جو کچھ سکھایا ہے' اس میں چوٹی کی چیز قرآن ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بہت بلند صفت ہے رحمت ---- اور اس رحمت کی بہت بلند شان ہے جو لفظ "رحمٰن" میں ظاہر ہوتی ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ سکھایا ہے' اس میں سب سے چوٹی کی چیز جس کی تعلیم دی' وہ قرآن حکیم ہے: اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○

اب تیسری آیت پر آیئے۔ فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ "انسان کی تخلیق فرمائی"۔

یہاں پھر وہی بات سامنے آتی ہے۔ اللہ نے صرف انسان کی تخلیق نہیں فرمائی' جنوں کو بھی اسی نے تخلیق فرمایا' ملائکہ کی تخلیق بھی اسی نے فرمائی' یہ شجر و حجر جو ہیں' یہ بھی اسی کے تخلیق کردہ ہیں' یہ چاند اور سورج بھی تو اسی نے پیدا کئے۔ لیکن یہاں امتیازی طور پر انسان کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے۔ آج ہمارے سائنسی اور مادی علوم کا نتیجہ اور ماحصل بھی یہی ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے جمادات تھے' جمادات کے بعد نباتات اور نباتات کے بعد حیوانات آئے۔ پھر جمادات کے مقابلہ میں نباتات ایک اعلیٰ خلقت کی حامل ہیں۔ نباتات کے اوپر حیوانات کا سلسلہ ہے' اور وہ ایک مزید اعلیٰ درجہ کی تخلیق ہے۔ حیوانات میں اگر ارتقاء (EVOLUTION) کے نظریے کو تسلیم کیا جائے تو انسان کا مقام شجرِ ارتقاء (EVOLUTION TREE) کی چوٹی پر ہے۔ گویا کہ یہ سلسلۂ تخلیق کا نقطۂ عروج ہے۔ اور قرآن سے بھی اس کی گواہی ملتی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۷۰) میں فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○

"اور ہم نے بنی آدم کو عزت اور اکرام عطا فرمایا ہے' اور ان کو بحر و بر میں

سواریاں دیں' اور پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا فرمایا' اور جتنی مخلوقات ہم نے
پیدا کیں' ان میں سے اکثر پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"۔

سورۃ صٓ میں فرمایا:

"خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" (میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا)

تورات میں بھی اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ یہ الفاظ اگرچہ قرآن میں نہیں ہیں' لیکن حدیث صحیح میں موجود ہیں:

"خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ" (متفق علیہ: عن ابی ہریرۃؓ)
(اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا)

اس کے لئے اب مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔ سورۃ الرحمٰن کی پہلی تین آیات سے ہم نے تین باتیں سمجھی ہیں: (i) صفاتِ باری تعالیٰ میں سے چوٹی کی صفت ——— رحمٰن۔ (ii) اللہ نے انسان کو جو علم عطا فرمایا' اس میں چوٹی کا علم ——— قرآن۔ (iii) جو کچھ اس نے پیدا فرمایا اس میں چوٹی کی تخلیق ——— انسان۔

اب چوتھی آیت آتی ہے:

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

"انسان کو ہم نے بیان کی تعلیم عطا فرمائی!"

اب ذرا غور کیجئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے قوتِ بیان کا حوالہ کس اعتبار سے دیا گیا ہے؟ واقعہ یہ ہے ہم میں جو بھی جسمانی صلاحیتیں ہیں' وہ اکثر و بیشتر دیگر حیوانات میں بھی ہیں۔ ہم کھانا کھاتے ہیں' اور جو کچھ کھاتے ہیں اسے ہضم کرتے ہیں۔ یہ نظامِ ہضم حیوانات میں بھی ہے۔ ہم میں اگر جنس کا مادہ رکھا گیا ہے اور توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے تو یہ حیوانات میں بھی ہے۔ ہمیں اگر بینائی عطا کی گئی ہے تو آپ کو پرندوں میں ایسے پرندے بھی مل جائیں گے جن کی بینائی ہم سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔ مثلاً بلندی پر پرواز کرتا ہوا عقاب زمین پر پڑی ہوئی سوئی تک دیکھ لیتا ہے۔ اب ایسے آلے بھی ایجاد کر لئے گئے ہیں جن کی بینائی ہماری بینائی سے کہیں زیادہ ہے۔ کتنے ہی حیوانات ہیں جن کی قوتِ شامہ یعنی سونگھنے کی قوت ہم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ تو یہ استعدادات جو ہمارے اندر ہیں' حیوانات میں بھی ہیں۔ البتہ

ایک صفت وہ ہے جس کے اعتبار سے اہلِ فلسفہ اور اہلِ منطق نے انسان کو دیگر حیوانات سے ممیّز قرار دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان حیوانِ ناطق ہے۔ اس کو نطق و گویائی کی صفت عطا کی گئی ہے۔ اسے اظہار مافی الضمیر کے لئے زبان دی گئی ہے۔ وہ زبان جو اس کے باہمی تبادلۂ خیالات کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسانی دماغ کی ساخت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام حیوانات کے مقابلے میں انسانی دماغ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں سب سے بڑا حصہ مرکزِ تکلّم (Speech Centre) ہے' جو تمام حیوانات کی نسبت سب سے زیادہ ترقی یافتہ (DEVELOPED) ہے۔ چنانچہ یہاں انسان کی سب سے امتیازی صلاحیت کا حوالہ دیا گیا کہ ہم نے اسے قوت بیانیہ عطا کی۔

اب ان چار آیات کا ماحصل ایک بار پھر اپنے سامنے رکھئے:

اَلرَّحْمٰنُ: صفاتِ باری تعالیٰ میں سے چوٹی کی صفت۔

عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ: رحمٰن کی طرف سے سب سے بڑی دولت اور نعمت جو انسان کو عطا کی گئی وہ یہ ہے کہ اسے قرآن سکھایا گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ: اللہ نے انسان کو پیدا کیا جو اس کی تخلیق کا نقطۂ کمال ہے۔

عَلَّمَہُ الْبَیَانَ: انسان کو اس نے جو صلاحیتیں دی ہیں ان میں سب سے اونچی صلاحیت اس کے بیان کی قوت ہے۔

یہ چار آیات تین جملوں پر مشتمل ہیں' جن کا ترجمہ یہ ہو گا:

(i) رحمٰن نے قرآن سکھایا۔
(ii) اس نے انسان کو تخلیق فرمایا۔
(iii) اسے قوتِ بیان عطا فرمائی۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان تین باتوں سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ریاضی میں نسبت و تناسب کے قاعدے سے تین معلوم اقدار کی مدد سے چوتھی قدر کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ہمیں چوتھی قدر کا تعین کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہو گی کہ انسان کو جو قوت گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے' اس کا بہترین مصرف اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کا سیکھنا سکھانا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو قوتِ بیانیہ دی ہے' یہ انسان کے اوصاف میں سے اعلیٰ ترین وصف ہے۔ اور اس کا بہترین مصرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے

اللہ کے کلام کو بیان کیا جائے' اللہ کے پیغامِ ہدایت کو عام کیا جائے' اللہ کے اس کلام کی تبلیغ و اشاعت کی جائے۔

سورۃ الرحمٰن کی تین آیات سے میں نے یہ جو نتیجہ نکالا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہے' جس کے راوی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سے ہمیں قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ ایسے محروم لوگ ہیں جو اپنے آپ کو حدیث سے مستغنی سمجھ بیٹھے ہیں اور اس طرح شدید گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے بس قرآن کافی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو سمجھنے اور ان سے استفادہ کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر صرف کتاب کافی ہوتی تو نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی ضرورت نہیں تھی۔ کتاب کے ساتھ ایک معلم ضروری ہوتا ہے۔ آپ اعلیٰ سے اعلیٰ کتابیں چھاپ لیجئے' لیکن آپ کا کیا خیال ہے کہ دنیا کے اندر کوئی نظامِ تعلیم بغیر معلمین کے بنایا جا سکتا ہے؟۔ اکبر الہ آبادی کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ۔

کورس تو لفظ ہی پڑھاتے ہیں آدمی آدمی بناتے ہیں

کورس پڑھنے سے تو انسان انسان نہیں بنتا۔ انسان تو انسان کے بنانے سے بنتا ہے۔ تعلیم کے لئے معلّم کی ضرورت ناگزیر ہے۔ تو یہ جان لیجئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلّم بن کر آئے۔ حضورؐ نے خود فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (لوگو! میں تو معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ کار کے ضمن میں آپ کو چار جگہ یہ الفاظ ملیں گے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

"وہؐ انہیں اللہ کی آیات تلاوت کر کے سناتا ہے' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے' اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

ذ اللہ کی کتاب' اللہ کے کلام کے معلّم ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان چار آیات کی جو میں نے اس قدر تفصیل بیان کی ہے' اور ایک ایک لفظ پر اتنا قت صَرف کرنے کے بعد آپ کو جس نتیجہ پر پہنچایا ہے' جس کے لئے میں نے نسبت و ناسب کے قاعدے کا حوالہ بھی دیا ہے' وہ نتیجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک سادہ سے جملہ میں بیان فرما دیا ہے۔ اس کے راوی حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ ہیں۔ اور چونکہ میں اسے ان آیات کے ساتھ جوڑ رہا ہوں جن میں چوٹی کے مضامین بیان ہوئے ہیں تو یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث بھی چوٹی کا مقام رکھتی ہے۔ یہ حدیث امام بخاری' امام ترمذی اور امام ابو داؤد (رحمہم اللہ) نے روایت کی ہے۔ صحیح بخاری کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ کتبِ حدیث میں یہ چوٹی کی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کے بارے میں "اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ" ہونے پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ یعنی قرآن حکیم کے بعد یہ دنیا کی صحیح ترین کتاب ہے۔ صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث جامع ترمذی اور سُنن ابی داؤد میں بھی موجود ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ۔

"تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اسے (دوسروں کو) سکھایا"۔

یعنی اہلِ ایمان میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں' قرآن پڑھیں اور پڑھائیں۔ اور دیکھئے یہاں "خَیْرُکُمْ" کن سے کہا جا رہا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے! ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بھی فرقِ مراتب ہے۔ ان میں درجات ہیں۔ ؏ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی۔ ہم اہلِ سنّت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ: اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ بِالتَّحْقِیْقِ' اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ' یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ انبیاء کے بعد افضل البشر ہیں۔ آپؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا مقام ہے' پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں۔ خلفائے اربعہ کے بعد پھر عشرۂ مبشرہ ہیں۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین۔ تو ظاہر ہے کہ ؏ ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ مزاج میں بہرحال کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت جمالی ہے' حضرت عمرؓ کی جلالی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اندر رحمت و شفقت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ دین کے معاملات میں بہت شدید ہیں۔ حضرت عثمانؓ میں سچائی اور حیاء کا مادہ بدرجۂ اتمّ ہے۔ حضرت علیؓ مقدمات کے فیصلے کرنے میں بہت زیرک ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ ...... الخ (رواہ الترمذی، عن انس بن مالک)

ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی نسبتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ یہ وسلم ان سے فرماتے ہیں:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے (دوسروں کو) سکھائے!"

اس حوالے سے میں خاص طور پر نوجوانوں کے لئے عرض کروں گا کہ ان کے دلوں ں قرآن کو سیکھنے سکھانے کی آرزو اور امنگ پیدا ہونی چاہئے۔ جوانی کا دور آرزوؤں اور نگوں کا دور ہوتا ہے لیکن عام طور پر ہم جن آرزوؤں کے پیچھے دوڑتے ہیں ان کا تعلق ی دُنیوی زندگی سے ہوتا ہے۔ عمدہ کیریئر، اچھا مکان اور دنیوی آسائشوں کے حصول کی رزوئیں تو ہر ایک کے دل میں پیدا ہوتی ہیں ـــ لیکن آپ کے دل میں وہ آرزو پیدا ونی چاہئے جس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ـ

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!

ہ کون سی آرزو ہے؟ وہ آرزو ہے ان چیزوں کی آرزو کہ جن سے اس مادہ پرستی کے دور ں ہماری نگاہیں بالکل ہٹ گئی ہیں۔ کاش کہ یہ آرزو پیدا ہو جائے کہ ہم صحابہ کرام ضی اللہ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔ کاش نوجوانوں کے دلوں میں وہ آرزو یدا ہو کہ اللہ ہمیں جناب ارقمؓ یا مصعب بن عمیرؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے ے۔ یہ دو نام میں نے آپ کو اس لئے سنائے ہیں کہ یہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم سے قرآن سیکھتے تھے اور پھر جا کر دوسروں کو سکھاتے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ ں حالات بڑے دگرگوں اور ناساعد تھے۔ کفر و شرک کا غلبہ تھا۔ کوئی مسجد تو ایسی نہ تھی ہاں حضورؐ تشریف فرما ہوں اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیں۔ ایسا تو ممکن ہی نہ تھا۔ ایک ضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو تعلیم یتے اور ظاہر بات ہے کہ سب لوگ وہاں جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ لوگوں کی اپنی مصروفیات ی ہوتیں۔ پھر یہ کہ اگر محسوس ہو جاتا کہ یہاں مرکز بن گیا ہے تو مخالفت شدید ہو

جاتی۔ ان حالات میں تعلیم کا طریقِ کار یہ تھا کہ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا تھا کہ وہ حضور ؐ کی صحبت میں رہتے تھے۔ جیسے ہی وحی نازل ہوتی' وہ اسے سیکھ لیتے اور پھر اہلِ ایمان ان کے گھروں پر جا کر اس وحی کو پہنچاتے تھے۔ اس طریقے سے قرآن کے علم کی تبلیغ جاری تھی۔

انہی نوجوانوں میں سے ایک صحابی حضرت خباب بن ارت ؓ تھے۔ یہ وہ صحابی ؓ ہیں کہ جن کو دہکتے ہوئے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹایا گیا اور ان کی کمر کی چربی پگھلنے سے وہ انگارے ٹھنڈے ہوئے۔ ایمان لانے کے بعد انہیں ایسی ایسی سختیاں جھیلنی پڑی ہیں' لیکن وہ اس سب کے باوجود اس کام میں ثابت قدمی سے لگے رہے کہ اللہ کا جو کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا' وہ آپ ؐ سے سیکھتے اور لوگوں تک پہنچاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا جو واقعہ آتا ہے اس میں بھی حضرت خباب بن ارت کا کردار بہت اہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے ننگی تلوار لے کر بڑی جلالی کیفیت میں نکلے تھے۔ راستے میں انہیں حضرت حذیفہ ؓ مل گئے جو اگرچہ ایمان لا چکے تھے' لیکن انہوں نے اپنا ایمان ابھی چھپایا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا: میں آج محمد ؐ کو قتل کر کے چھوڑوں گا' اب یہ قصہ چکا دینا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)۔ حضرت حذیفہ ؓ نے بڑی حکمت سے رُخ موڑ دیا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہے ہو' پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو' تمہاری ہمشیرہ اور تمہارے بہنوئی دونوں ایمان لا چکے ہیں! اب آپ تصور نہیں کر سکتے کہ اُس وقت عمر ؓ کے غیظ و غضب کا کیا عالم ہوگا۔ وہ غصے میں آگ بگولہ اپنی ہمشیرہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہاں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ' آپ کی ہمشیرہ اور آپ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو سورۂ طٰہٰ کی آیات سکھا رہے تھے۔ کاش ہمارے دل میں بھی یہی جذبہ پیدا ہو جائے۔

دوسرا نام میں نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا لیا ہے۔ ان کا ذکر شاید ہمارے دلوں کے اندر کوئی آرزو پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ یہ بڑے لاڈ اور پیار سے پلے تھے۔ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ جوانی کے عالم میں پنڈت جواہر لال نہرو کے کپڑے پیرس سے سِل کر آیا کرتے تھے۔

وستان میں پہلی کار جو غیر سرکاری طور پر آئی تھی وہ ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو تھی۔ اپنی پوتی اندرا گاندھی کی پیدائش پر پنڈت موتی لال نہرو نے پورے الہ اباد کے ں کی دعوت کی تھی۔ تو جس طرح یہ بات مشہور تھی کہ جواہر لال نہرو کے کپڑے ں سے سِل کر آتے ہیں اور پیرس سے دُھل کر آتے ہیں' اس طرح کا معاملہ تھا رت مصعب بن عمیرؓ کا۔ ان کے جوڑے شام سے تیار ہو کر آتے تھے اور لباس اس معطّر ہوتا تھا کہ جس راستے سے مصعبؓ گزر جاتے' پورا راستہ معطّر ہو جاتا۔ لیکن وہ ب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کے بدن ، سارے کپڑے تک اتار لئے اور انہیں بالکل برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا کہ اگر تم باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے تو باپ کی کمائی میں سے جو کپڑے ہیں' ان پر بھی تمہارا نہیں ہے۔ اس کے بعد دو دو سو درہم کا جوڑا پہننے والے اس نوجوان پر وہ وقت بھی کہ پھٹا ہوا ایک کمبل جسم پر ہے' اور اس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ایمان لانے کے انہوں نے اپنے آپ کو تعلیم و تعلّم قرآن کے لئے وقف کر دیا۔

انسان کا رُخ جب بدلتا ہے تو اس کی آرزوئیں اور امنگیں بھی بدل جاتی ہیں۔ پہلے س معاملہ میں آگے تھے اب اس معاملہ میں آگے ہیں۔ اسی کام میں اپنی صلاحیتیں لگا ے ہیں۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر ایمان لانے والے مدینہ کے بارہ افراد نے ضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں اپنے کوئی ایسے ساتھی دے دیجئے جو ہمیں ن پڑھائیں۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ر کیا کہ تم مدینہ جا کر وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھاؤ۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ں سال بھر قرآن کی تعلیم و تدریس کا کام کیا۔ اور اس عظیم کام کی مناسبت سے وہاں پ کا نام ہی "مُقرِی" (پڑھانے والا) پڑ گیا۔ لوگ آپ کو دیکھتے تو پکار اٹھتے: "جاءَ قرِی" (وہ پڑھانے والے آگئے) حضرت مصعب بن عمیرؓ کی سال بھر کی محنت و کوشش نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال مدینہ سے ۷۵ اشخاص آئے اور انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ م کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ گویا مصعبؓ کی ایک سال کی کمائی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا ہے تو میں ان کے بارے میں کچھ ، عرض کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف

لے آئے تو ایک روز آپ' مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور مصعب" دروازے کے سامنے سے گزرے۔ اس وقت ان کے جسم پر ایک پھٹا ہوا کمبل تھا کہ جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ یہ مصعب" اللہ کے دین کے لئے کہاں سے کہاں پہنچا! غزوہ احد میں جب یہ شہید ہوئے تو اس وقت ان کے جسم پر بس ایک چادر تھی۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ شہید کا کفن وہی لباس ہوتا ہے جس میں اسے شہادت ملے۔ اب تدفین کے وقت یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ مصعبؓ کے جسم پر جو چادر تھی' وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر اس سے ان کا سر ڈھانپتے تھے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا۔ یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا تو آپ' نے فرمایا کہ ان کا سر چادر سے ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ یہ ہے آخری لباس جو مصعب بن عمیر" کو ملا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مشابہت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں جب آپ نے جامِ شہادت نوش کیا تو مشہور ہو گیا کہ حضور' شہید ہو گئے۔ غزوۂ اُحد میں یہ اسلامی فوج کے علم بردار تھے۔ مسلمانوں کا عَلَم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس طرح کے واقعات قلب پر گہرا تاثر چھوڑتے ہیں۔ جو بھی مسلمان ہے اگر اس کے سامنے حضرت خباب" کی تصویر آئے یا مصعب بن عمیر" کی تصویر سامنے آئے تو کیسے ممکن ہے کہ دل پر اثر نہ ہو! لیکن جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ یہاں ان صاحبِ عزیمت ہستیوں کا ذکر کس حوالے سے ہو رہا ہے! کاش اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی یہ آرزو پیدا فرما دے کہ جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا کہ وہ کلامِ الٰہی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کو عام کریں' اس کو پھیلائیں' اسے دوسروں تک پہنچائیں' اسی طرح اسی کے لئے زندگیاں وقف کرنے کی کوئی امنگ' کوئی آرزو ہمارے دلوں میں بھی پیدا ہو جائے۔

سورۂ عبس کی چار آیات' جن کی آغاز میں تلاوت کی گئی' وہ بھی اسی مضمون کی شرح پر مشتمل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ○ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ○

ذرا غور کیجئے کہ ان الفاظ میں کس قدر شکوہ ہے۔ کاش کہ قرآن کریم سے ہماری یہ مناسبت بھی پیدا ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کا جو صوتی آہنگ ہے اور اس میں جو ایک ملکوتی غنا اور موسیقی مضمر ہے' اس کی کوئی دوسری نظیر ممکن نہیں۔ ایک موسیقی وہ ہے جس کے ہم عادی ہوگئے ہیں اور ایک یہ ملکوتی موسیقی ہے جو اس قرآن مجید کے صوتی آہنگ میں ہے۔ آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملے ہوں گے جنہیں موسیقی سے ہی کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ کوئی اچھے سے اچھا راگ بھی ہو تو انہیں پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسی طریقہ سے ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قرآن حکیم کی ملکوتی موسیقی سے بے بہرہ ہیں۔ اس کائنات میں بہترین موسیقی یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے لئے اس میں کوئی کشش اور دلچسپی نہیں۔ اس پہلو سے قرآن کے ساتھ ہماری ذہنی و قلبی مناسبت پیدا ہونی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ

"اس قرآن کو اپنی آوازوں سے مزیّن کیا کرو!"

(اس حدیث کے راوی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ سُنن ابی داؤد اور سُنن نسائی میں وارد ہوئی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی آواز عطا کی تھی۔ اور ان کی قراءت کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شوق سے سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کے گھر کے پاس سے گزرے' اس وقت حضرت ابو موسیٰؓ اپنی خاص کیفیت کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک وہاں کھڑے ہو کر قرآن سنتے رہے اور فجر میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا: "يَا أَبَا مُوسَىٰ! لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ" کہ اے ابو موسیٰ! تجھے تو اللہ تعالیٰ نے آلِ داؤد کے سازوں میں سے ایک ساز عطا کیا ہے!۔ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام جب صبح کے وقت زبور کے حمد کے ترانے پڑھا کرتے تھے تو قرآن میں گواہی موجود ہے کہ پرندے بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور پہاڑ بھی وجد میں آ جاتے تھے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں جو پُرشکوہ صوتی آہنگ اور ملکوتی غناء ہے وہ ان چار آیات میں نمایاں طور پر

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ○ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ ○ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ○ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ○

قرآن مجید کی عظمت خود قرآن میں جابجا بیان ہوئی ہے، لیکن آج کی اس نشست میں ہم نے اس کے لئے سورۂ رحمٰن اور سورۂ عبس کی چار چار آیات کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں سورۂ عبس میں اس قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا:

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ○

"یہ کتاب بڑے باعزت صحیفوں میں ہے"۔

یہ لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ یہاں دنیا میں تو اس کا ایک عکس ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اصل کتاب تو لکھی ہوئی ہے لوحِ محفوظ میں:

بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ○ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○

ایک دوسری جگہ فرمایا:

فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ○ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ○

کہ یہ کتاب تو "مکنون" ہے جیسے کسی بہت ہی قیمتی ہیرے کو ڈبیہ میں بند کر کے ڈبیہ کو کسی بکس میں رکھا جاتا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اسے صرف وہی چُھوتے ہیں جو انتہائی پاک و طیب ہیں، یعنی فرشتے۔ اس وقت ان سب آیات کی تشریح ممکن نہیں ہے۔ میں صرف سورۂ عبس کی آیات کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ ان باعزت صحیفوں کے بارے میں فرمایا:

مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ ○

"بہت ہی رفیع الشان اور بہت ہی پاک کئے ہوئے (صحیفے ہیں)"۔

اور کن کے ہاتھوں میں ہیں؟

بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ○ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ○

"ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں، جو بڑے بلند مرتبہ اور نیکوکار ہیں"۔

اب ان آیات سے متعلق ایک حدیث سن لیجئے۔ سورۃ الرحمٰن کی چار آیات کا خلاصہ بھی میں نے آپ کو حدیث شریف سے سنایا ہے۔ اور ان چار آیات کا خلاصہ بھی حدیث میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی راویہ ہیں۔ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَاھِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَۃِ الْکِرَامِ الْبَرَرَۃِ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کا ماہر ہو جائے، اس کو صحیح طور پر پڑھتا ہو، اس کو سمجھتا ہو، اس کا رتبہ بھی ان فرشتوں کا سا ہے جن کے لئے سورہ عبس میں "سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی لوحِ محفوظ میں قرآن کو لکھنے والے بلند مرتبہ نیکوکار فرشتوں کا جو مقام و مرتبہ ہے، وہی رتبہ ہے ان لوگوں کا جو قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے ہیں، سمجھنے سمجھانے والے ہیں، قرآن کی مہارت رکھتے ہیں، پڑھتے ہیں تو صحیح پڑھتے ہیں، اس کے مفہوم کو سمجھتے ہیں، اور اسی میں شب و روز لگے ہوئے ہیں۔

اب میں اپنے موضوع کے دوسرے حصے کی طرف آتا ہوں جس کا تعلق ہمارے موجودہ حالات سے ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث، جس کے الفاظ اگرچہ بہت مختصر ہیں، لیکن یہ ایک بڑی عظیم حقیقت کو بیان کر رہی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہے۔ اس کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ

کہ اللہ تعالیٰ اسی کتاب کی بدولت قوموں کو اٹھائے گا، ترقی دے گا، عروج بخشے گا، انہیں اس دنیا میں بلندی سے سرفراز فرمائے گا، اور اسی کتاب کو چھوڑنے کے باعث قوموں کو ذلیل و خوار کرے گا۔ یہ حدیث بڑی اہم ہے۔ میں نے جب اس حدیث پر غور کیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس حقیقت کا تعلق بالخصوص مسلمانوں سے ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا مستقل ضابطہ یہ ہے کہ ان میں سے جو قوم بھی قرآن کو لے کر اٹھے گی اسے اللہ تعالیٰ دنیا میں عروج اور سربلندی عطا فرمائے گا، غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور مسلمانوں میں سے جو قوم قرآن کو ترک کر دے گی، قرآن کو چھوڑ دے گی، قرآن کی طرف پیٹھ کر لے گی، اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رُسوا کر دے گا۔ ہمارے موجودہ حالات میں یہ بات ہمارے لئے بڑی قابلِ توجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رواں صدی یعنی بیسویں صدی عیسوی ــــ یہ دنیا میں ہماری ذلت و رسوائی کی آخری حد ہے۔ ویسے تو چند سال قبل مجھے یہ گمان ہوا تھا کہ شاید ہماری ذلت و رسوائی کا دور اب ختم ہو رہا ہے اور شاید اب ہم دنیا میں عروج کی طرف گامزن ہو رہے ہیں

۔ وہ جو مولانا حالیؒ نے کہا تھا کہ ۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

، قانونِ فطرت ہے۔ جزر کے بعد مد آتا ہے اور مد کے بعد جزر۔ تو ایک خیال یہ آیا تھا شاید ہمارے زوال کا دور اب ختم ہوگیا ہے اور ہمارے عروج کا دور شروع ہوگیا ہے۔ دن وہ تھے جب ہمارے یہاں اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی تھی۔ ملتِ اسلامیہ میں ت جوش اور ولولہ نظر آ رہا تھا۔ اس زمانے میں شاہ فیصل موجود تھے' جو مسلمانوں کی یدوں کا مرکز بن گئے تھے۔ عرب حکمرانوں کے اندر بھی اتحاد نظر آ رہا تھا اور عربوں نے الؒ کے الفاظ میں ع "لڑا دے ممولے کو شہباز سے!" کے مصداق تیل کا ہتھیار استعمال کے امریکہ جیسی طاقت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر یہ کہ ترکوں اور عربوں کے درمیان جو نی تھی' وہ بھی کچھ کم ہو رہی تھی۔ چنانچہ بہت سے اعتبارات سے محسوس ہوتا تھا کہ ب شاید امتِ مسلمہ کے دن پھرنے والے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ وقت یں آیا۔ غالباً ابھی ہمارے اوپر اللہ کے عذاب کے مزید کوڑے برسنے والے ہیں۔ اب ۔ ہماری پیٹھ پر عذابِ الٰہی کے کئی کوڑے برس چکے ہیں۔ لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ، نے ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ۱۹۱۹ء کا بالشویک انقلاب کوئی معمولی المیہ نہ ا' جس کے نتیجے میں روسی ترکستان کا وسیع و عریض علاقہ' تاجکستان' ازبکستان اور سمرقند و خارا جیسے ہماری تہذیب و تمدن کے ایسے بڑے گہوارے سرخ امپریلزم کے شکنجے میں آ لئے۔ اور وہاں کے مسلمانوں کی اس طرح برین واشنگ کی گئی ہے کہ انہیں اپنا مسلمان ونا بھی یاد نہیں رہا۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے کبھی اپنے عروج و زوال کے ادوار کی طرف نظر تک ہیں کی۔ ہم تو اپنے ماضی سے بالکل منقطع ہو کر رہ گئے ہیں۔ انگریز کے مسلّط کردہ نظامِ علیم نے ہمیں اپنے ماضی سے بالکل کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ عربی اور فارسی سے تعلق منقطع ہوا تو اپنے ماضی سے تعلق منقطع ہوگیا ہے۔ کس کو یہ معلوم ہے کہ ایک وقت وہ بھی تھا

جب بنو امیہ کی فوجیں پورے سپین کو اپنے قدموں تلے روندتی ہوئی عین فر
قلب میں پہنچ گئی تھیں۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ ترک افواج پورا مشرق
کرنے کے بعد اٹلی کے دروازوں پر پہنچی ہوئی تھیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبّر بھی کیا تو نے!
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

لیکن آج ہم ذلت و رسوائی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ہر طرف سے ہمیں خ
خدشات نے گھیرا ہوا ہے۔ سب سے بڑا خطرہ ہمیں اپنے ہندو ہمسائے سے ہے
پاکستان کے وقت سے ہماری دشمنی پر کمربستہ ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ پر اندرا گاندھی ۔
کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے
کے سینے میں انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ ان کے سینے کا اصل ناسُور تو سند
جسے "بابُ الاسلام" بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہیں پر ہندو کو مسلمان کے ہاتھوا
سے پہلی شکست اٹھانا پڑی۔ راجہ داہر یہاں پر بہت بڑے علاقے پر حکمران تھا جسے
ذلت آمیز شکست ہوئی تھی۔ اور سندھ صرف دارالاسلام ہی نہیں، اس پورے
کے لئے باب الاسلام بنا تھا۔ بے چارے مشرقی پاکستان میں تو بہت دیر بعد کہیں اسا
تھا۔ چنانچہ سندھ سے بدلہ لینے کی امنگیں تو ان کے دل میں اب بھی ہیں۔ سقوطِ
پاکستان کے سانحے پر اندرا گاندھی نے اپنی قوم کو چند ماہ کے اندر ایک اور خو
سنانے کا اعلان بھی کیا تھا۔ اور آپ کو یاد ہوگا کہ اسی زمانے میں یہاں لسانی فسادا
آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ان کی طرف سے نقشہ تیار تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعا
اس سے بچا لیا۔ اس وقت پورے عالمِ اسلام کے جو حالات ہیں، ان سے یہی معلو
ہے کہ ذلت و رسوائی کے یہ سائے ابھی اور گہرے ہوتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ
عذاب کے کوڑے جو ہماری پیٹھ پر برسے ہیں، وہ ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار نہیہ
سکے۔ جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا، جیسی کچھ عربوں کو یہودیوں کے ہاتھوں شکس
ہزیمت ہوئی اور مسجد اقصیٰ ہمارے ہاتھ سے نکلی ـــــــ اس کا تو آج ہمارے
سے لوگوں کے ذہن میں خیال بھی نہیں رہا ہوگا۔ جب شروع شروع میں یہ واقعہ ہوا
بڑی بے چینی تھی۔ بڑے جلسے جلوس تھے، قراردادیں پاس کی جاتی تھیں، عالمی رائے

بیدار کرنے کی کوششیں ہوتی تھیں، لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ہم قبلۂ اوّل پر یہودیوں کا قبضہ ذہنی طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ مستقبل کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اب کیا صورت ہے جو سامنے آنے والی ہے۔ اگر حالات پر غور کیا جائے تو بڑا ہی تاریک اور بہت ہی مایوس کُن نقشہ سامنے آتا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ ہماری اس ذلت و رسوائی اور پستی و زوال کا سبب کیا ہے؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس کا کوئی جواب ملنا چاہئے۔ اس کا جواب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں موجود ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا: "اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ"۔ ہمیں سزا مل رہی ہے تو اسی بات کی کہ ہم نے اس قرآن کریم سے بہت دُوری اختیار کر لی۔ حضورؐ کے فرمان کے بعد کسی اور کی دلیل ضروری نہیں۔ ہمارے لئے سب سے بڑی سند اللہ کا کلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے اس صدی کی دو عظیم ترین شخصیتوں کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں اہلِ علم کے دو حلقے ہیں۔ ایک حلقہ علماء کا ہے جن کی پوری زندگیاں دارالعلوموں میں قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کے سیکھنے سکھانے میں گزرتی ہیں۔ دوسرے ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے لوگ ہیں۔ برِّعظیم پاک و ہند میں دارالعلوموں کا سلسلہ دیوبند سے اور کالجوں یونیورسٹیوں کا سلسلہ علی گڑھ سے شروع ہوا ہے۔

اب آپ ذہن میں رکھئے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے لوگوں میں سے چوٹی کی شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ ذہنی و فکری اعتبار سے پورے عالمِ اسلام میں ان کی فکر کا آدمی اس صدی میں پیدا نہیں ہوا۔ Intellectual Level پر وہ بالکل مسلّم طور پر بلند ترین شخصیت ہیں جو اس صدی میں پیدا ہوئی۔ اور دینی حلقوں سے، دارالعلوموں سے تعلیم یافتہ، قال اللہ و قال الرسول کی فضاؤں میں پلنے بڑھنے والوں میں

اس صدی کی عظیم ترین شخصیت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے۔ آپؒ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں۔ اور پھر ایسے ایسے بڑے شاگردوں کے استاد ہیں کہ جن کا نام سن کر انسان کی گردن خود بخود جھک جاتی ہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور یہ سب کے سب شاگرد ہیں مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے۔ لفظ دیوبندی سے ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو تھوڑا سا مغالطہ ہو جائے۔ تو میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ مولاناؒ اس وقت جمعیت علمائے ہند کے صدر تھے جبکہ پورے ہندوستان میں ایک ہی جمعیۃ العلماء تھی۔ اُس وقت آج کی طرح دیوبندیوں' بریلویوں اور اہلِ حدیث کی علیحدہ علیحدہ یہ جمعیتیں نہ تھیں۔ جمعیۃ علمائے ہند پورے ہندوستان کے علماء کا متفقہ پلیٹ فارم تھی۔ بریلوی' دیوبندی اور اہلِ حدیث علماء سب اسی میں شامل تھے۔ بالفاظ دیگر دہلی' بدایوں اور اجمیر کے علماء اسی جمعیت میں تھے۔ اور اس وقت شیخ الہندؒ اس جمعیۃ علمائے ہند کے صدر تھے۔ پھر سیاسی اعتبار سے ان کے قد کاٹھ کا تصور اس سے کیجئے کہ انہوں نے ریشمی رومال کی تحریک چلائی تھی۔ شاید آپ میں سے بہت سوں نے اس تحریک کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اُس وقت انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جو ایک زبردست ٹیم بنی تھی' اس کے بنانے والے یہی شیخ الہندؒ تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ آپ اس وقت حجازِ مقدس میں تھے۔ اور شریف حسین جو والیٔ مکہ تھا' اس نے غداری کر کے گرفتار کروا دیا۔ مکّہ سے آپ کو گرفتار کرنے کے بعد انہیں ہندوستان نہیں لایا گیا' بلکہ بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا میں رکھا گیا۔ گویا ۔

اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سَرا کو چمن سے نکال دو!

اور انہیں اس وقت رہا کیا گیا جب ٹی بی تیسری سٹیج کو پہنچ چکی تھی۔ انگریز کو اندیشہ یہ تھا کہ اگر ہماری قید میں ان کی موت واقع ہو گئی تو طوفان کھڑا ہو جائے گا' لہٰذا رہا کر دیا گیا۔ رہا ہو کر جب ہندوستان پہنچے اور بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا تو پہلے دن جو لوگ ملنے کے لئے حاضر ہوئے ان میں مہاتما گاندھی بھی تھا۔ وہ آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے شیخ الہندؒ کی شخصیت کا۔

شیخ الہندؒ اور علامہ اقبال کا ذکر میں یہاں اس لئے کر رہا ہوں کہ یہ دونوں شخصیتیں

اس بات پر متفق ہیں کہ ہمیں جو سزا مل رہی ہے، وہ قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آپ کو سنا چکا ہوں اور ہمارے لئے مستند ترین بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے اپنے ان بزرگوں کی بات بھی سن لیجئے۔ علامہ اقبال نے جواب شکوہ میں فرمایا کہ ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہی بات انہوں نے فارسی میں بڑے پر شکوہ انداز میں کہی ہے کہ ۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شُدی
اے چو شبنم برزمین افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

کہ اے امتِ مسلمہ تو جو ذلیل و رُسوا ہوئی ہے اور دنیا میں اس طرح پامال کی جا رہی ہے، یہ قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہاں اقبال نے "مہجوریٔ قرآن" کی ترکیب سورۃ الفرقان سے لی ہے، جہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○

"اور رسولؐ فریاد کریں گے کہ اے ربّ! میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا"۔

تو یہ ہے علامہ اقبال کی نظر میں ہماری ذلت و نکبت اور پستی و رُسوائی کا اصل سبب جو اس نے قرآن پر گہرے غور و خوض کے نتیجے میں اخذ کیا ہے۔

دوسری طرف شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کا واقعہ اپنی کتاب "وحدتِ امت" میں نقل کر دیا، ورنہ اتنا بڑا اور اہم واقعہ ہمارے علم میں نہ آ سکتا۔ وہ اس واقعے کے عینی شاہد ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا کی جیل سے رہائی پا کر ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں وہ سب بزرگ موجود تھے، جن کے ابھی میں نے نام گنوائے ہیں۔ یعنی مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا اشرف علی

تھانوی ؒ ، مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ اور مولانا انور شاہ کاشمیری ؒ وغیرہم۔ انہی کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت شیخ الہند ؒ نے فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں"۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے ۸۰ سال علماء کو درس دینے کے بعد آخری عمر میں جو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں۔ فرمایا:

> "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صَرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے ...... اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے!"

(وحدتِ امت، ص ۳۹ - ۴۰)

اس کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے کہ حضرت ؒ نے جو دو باتیں فرمائیں اصل میں وہ دو نہیں ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے اختلافات میں شدت اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ قرآن مرکز تھا، اور جب تک سب مرکز سے جُڑے ہوتے تھے تو ایک دوسرے سے بھی جُڑے ہوتے تھے۔ جب اس مرکز سے دور ہوتے چلے گئے تو ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے چلے گئے۔ بالکل سادہ سی بات ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: "غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ تھی۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی"۔ پس اس تباہی کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے قرآن کو ترک کر دینا۔

میں آپ کو وہ حدیث سنا چکا ہوں جس میں یہ قانونِ خداوندی بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اٹھائے گا تو اسی قرآن کی وجہ سے اٹھائے گا اور جب گرائے گا تو اسی قرآن کو ترک کرنے کے باعث گرائے گا۔ آج ہم اسی قانون خداوندی کی زد میں ہیں۔ قرآن کے معاملے میں اپنا جو حال ہے وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا ہے۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے مسلمانوں کے محلوں میں سے گزرتے ہوئے ہر گھر سے قرآن پڑھنے کی آواز تو

آتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ ٹھیک سے سمجھتے نہیں تھے، لیکن تلاوت تو بہرحال ہوتی تھی۔ اب تو تلاوت بھی نہیں ہے۔ غور و فکر اور سوچ و بچار کا تو سوال ہی نہیں۔ عربی کون سیکھے، کون پڑھے؟ عربی سے ہمارا کوئی دنیوی مفاد وابستہ ہو تو ہم سیکھیں۔ ہم انگریزی پڑھیں گے اور ایسی پڑھیں گے کہ انگریزوں کو پڑھا دیں، لیکن عربی سیکھنے کے لئے کوئی بھی وقت نکالنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم نے کئی جگہ عربی کلاس کا اجراء کیا۔ شروع میں بڑا ذوق و شوق ہوتا ہے۔ پچاس ساٹھ افراد شریک بھی ہو جاتے ہیں لیکن چند دنوں کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سب چھٹی کر گئے۔ پابندی کے ساتھ وقت نکالنا آسان نہیں جب تک کہ دین کی لگن نہ ہو، اور ایک فیصلہ نہ ہو کہ یہ کام مجھے کرنا ہے۔ اور اس طرح کے فیصلے ہم دنیا کے لئے تو کرتے ہیں، دین کے لئے نہیں۔

اس وقت ہمارے جو حالات ہیں، ان میں جگانے کی ضرورت ہے، ہوش میں آنے کی ضرورت ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں کہ وہ ہونا چاہئے، یہ کرنا چاہئے، اس طرح کا ہونا چاہئے۔ میں ان میں سے کسی کی تردید یا تضحیک نہیں کر رہا ہوں۔ ٹھیک ہے، اسلحہ بھی فراہم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے حکم ربانی ہے: "اَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" کہ جس قدر ممکن ہو جمع کیا جائے۔ پھر ہمیں اپنی خارجہ پالیسی پر بھی نظر کرنا ہوگی۔ دوست و دشمن کی تمیز کرنا ہوگی۔ یہ سارے کام کرنے ہوں گے۔ دعا کریں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی زمامِ کار ہے، اللہ تعالیٰ انہیں صحیح رائے پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان میں سے کسی کی نفی نہیں ہے لیکن میں جو بات بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں مسلمان کا معاملہ خاص ہے۔ ع "خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!" اس کا معاملہ عام دنیا والوں کی طرح کا نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے بایں الفاظ خطاب فرمایا گیا: "لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ" کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ تم اگر نیکی کرو گی تو اس کا دُگنا اجر ملے گا اور اگر کوئی غلط حرکت کرو گی تو سزا بھی دُگنی ملے گی۔ کیونکہ تمہاری نیکی امت کی لاکھوں عورتوں کے لئے نمونہ بننے والی ہے، اور تمہاری لغزش امت مسلمہ کی کروڑہا عورتوں کے لئے لغزش کی بنیاد بن سکتی ہے۔ یہی معاملہ امتِ مسلمہ کا ہے۔ ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب ہے اور اس کو دنیا تک پہنچانا ہمارے ذمے لگایا گیا ہے۔ اگر ہم ہی اس میں

کوتاہی کرتے ہیں تو دوسروں کے پاس تو عذر موجود ہے کہ اے اللہ' ہمیں تو انہوں نے یہ کتاب پہنچائی ہی نہیں۔ یہ بدبخت اس کے اوپر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھے رہے' نہ خود پڑھا نہ ہمیں پڑھنے دیا' نہ خود عمل کیا' نہ اسے ہمارے سامنے رکھا۔ لہٰذا یہ دوہرے مجرم ہیں' ان کو سزا بھی دُگنی ملنی چاہئے۔ چنانچہ یہ وہ سزا ہے جو ہمیں دنیا میں مل رہی ہے اور یہی ہے اس سوال کا جواب کہ ؂

"ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!"

ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ غیر مسلم اقوام دنیا میں سربلند کیوں ہیں؟ ہم کتنے ہی گئے گزرے سہی' پھر بھی ہم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے' کوئی روزہ رکھتا ہے' کوئی نہ کوئی قرآن بھی پڑھتا ہے' لیکن علامہ اقبال کے الفاظ میں ؂

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

والا معاملہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ دوہری سزا کے مستحق ہیں۔ اگر یہ اپنا فرضِ منصبی انجام دیں اور جس پیغام کے یہ علمبردار اور امین بنائے گئے تھے' اس پیغام کو دنیا میں پیش کریں اور پھیلائیں تو دوہرا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: "وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ" اور اگر یہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اوّلین سزا کے مستحق بھی یہی ہوں گے۔ ان کی پیٹھ پر اللہ کے عذاب کے کوڑے دوسروں سے زیادہ برسیں گے۔ اور آج ہم اسی قانونِ خداوندی کی گرفت میں آئے ہوئے ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے اس سلسلے کی ایک اور حدیث کا مفہوم پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس حدیث کے راوی حضرت علیؓ ہیں۔ میں نے آپ کو ایک روایت حضرت عثمانؓ کی اور ایک روایت حضرت عمر فاروقؓ کی سنائی ہے اور اب حضرت علیؓ کی روایت بیان کر رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا' جس میں آپؐ نے فرمایا: عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہوگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضورؐ اس فتنے سے نکلنے کا راستہ کیا ہوگا' اس سے بچاؤ کیسے ہوگا' اس فتنے سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کا طریقہ کونسا ہے؟ اب اس سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا: "کتاب اللہ"۔ یعنی اس فتنے سے نکلنے کا ایک ہی راستہ

ہے' اور وہ ہے اللہ کی کتاب! یہی اس فتنے سے محفوظ کر سکتی ہے۔ آپ ؐ نے مزید فرمایا: "فِیْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَنَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ" کہ اس میں جو تم سے پہلے کے حالات ہیں وہ بھی لکھے ہوئے ہیں اور جو بعد میں آنے والے حالات ہیں ان کا عکس بھی اس کتاب کی آیاتِ بیّنات میں موجود ہے......

...... یہ حدیث خاصی طویل ہے' لیکن اس کا ایک ٹکڑا میں خاص طور پر یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: "هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ" کہ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے!!۔

موجودہ حالات میں ہر چہار طرف سے مسلمانوں سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ انہیں متحد ہو جانا چاہئے۔ اور انہیں اپنے سارے اختلافات ختم کر لینے چاہئیں۔ یہ بات اصولی طور پر تو درست ہے' لیکن اتحاد کی بات کرنے والے یہ نہیں بتاتے کہ بنائے اتحاد کیا ہو؟ وہ کونسی چیز ہے جس کی بنیاد پر ہم مجتمع ہو سکتے ہیں؟ صرف خطرے کی بنیاد پر جو اتحاد ہوتا ہے وہ منفی اتحاد ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ منفی اتحاد بہت ہوئے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ آج تک ان منفی اتحادوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تو ضرورت مثبت اتحاد کی ہے جس کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد ہو۔ اور قرآن حکیم نے اہلِ ایمان کے لئے اتحاد کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (اللہ کی رسی کو مجتمع ہو کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو!) اب غور طلب بات یہ ہے کہ وہ "حبل اللہ" کونسی ہے جسے مضبوطی سے تھاما جائے؟ زیرِ نظر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسی کی وضاحت ہے: "هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ" کہ یہ قرآن مجید ہی اللہ کی وہ مضبوط رسی ہے جسے تم نے تھامنا ہے۔ یہی وہ مرکز ہے کہ اس کے قریب تر آؤ گے تو ایک دوسرے سے بھی جڑتے چلے جاؤ گے۔ اور اس سے دور ہٹتے جاؤ گے تو تمہارے اندر اضطراب' اختلاف اور انتشار اور تشتّت بڑھتا چلا جائے گا۔

تو واقعہ یہ ہے کہ ان حالات میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن حکیم کی طرف ہمارا رجوع ہو۔ ہماری تقدیر اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک اس قرآن کے ساتھ ہم اپنے تعلق کو از سرِ نو مضبوط نہیں کر لیتے۔ جب تک ہم اس قرآن کا حق ادا نہیں کریں گے' اس وقت تک صرف ساز و سامان ہمارے لئے مفید نہیں ہو گا۔ ساز و

مسلم فیملی لاز آرڈی نینس

پر

علماء کرام

کا

تبصرہ

○

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

۲ مارچ کو مرکزی حکومت نے مسلم فیملی لاز آرڈی ننس ۱۹۶۱ء کے نام سے جو قانونی حکم صادر کیا ہے اور اس کو پیش کرتے ہوئے وزیرِ قانون جناب محمد ابراہیم صاحب نے جو توضیحی بیان دیا ہے اس کو ہم نے بغور دیکھا۔ ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پچھلے پانچ سال کے دوران میں عائلی کمیشن کی رپورٹ پر اہلِ علم (یعنی علمِ دین کے جاننے والوں) کی طرف سے جو مدلل تبصرے کیے گئے تھے۔ اور اس کی کمزوریوں کی جو صاف صاف نشان دہی خود کمیشن کے ایک عالمِ دین رکن اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی ان سب کو مرکزی حکومت نے بے تکلف نظرانداز کر دیا اور اس کمیشن کی بیشتر سفارشات کو قانون کا جامہ پہنا دیا۔ مزید افسوس اِس بات کا ہے کہ وزیرِ قانون نے اس نئی قانون سازی کو عین مطابقِ قرآن قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ تاہم یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ آرڈیننس کو فوری طور پر نافذ العمل قرار نہیں دیا گیا ہے اور اس کے نفاذ کو آئندہ کے کسی اعلان تک مؤخر رکھا گیا ہے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر پورے دلائل کے ساتھ اس آرڈیننس کی کمزوریوں اور اس کے نقصانات کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ حکومت پھر ایک مرتبہ غور کرے اور اس غلطی کی تلافی کرے۔ اب تک موجودہ حکومت کی یہ ایک قدر روایت رہی ہے کہ اس کے کسی فیصلہ کی غلطی اگر اس پر واضح کر دی گئی ہے تو اس نے اِس فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے میں تامل نہیں کیا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈی ننس کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

ذیل میں آرڈیننس کی قابلِ اعتراض دفعات پر سلسلہ وار تبصرہ اسی تعمیری غرض کے لیے پیش کیا جا رہا ہے:

دفعہ نمبر ۴:۔ اس دفعہ کی رُو سے دادا اور نانا کے اُن پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مُورِث کی زندگی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ محترم وزیر قانون کے خیال میں یہ قرآنی قانون کی پیروی ہے۔ لیکن اس کے اندر قرآن کے چار صریح قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

۱۔ قرآن ایک مُورث کے ترکے میں صرف اُن رشتہ داروں کے حصّے مقرر کرتا ہے جو مُورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں۔ لیکن آرڈی ننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مُورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہوں۔ اس دفعہ کی رُو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مُورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ شدہ ارث

ے ساتھ ان کا حصّہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصّہ نکالتے ہی انہیں مُردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے
ں کے وارثوں میں وہ حصّہ تقسیم کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیت سے یہ قانونی مفروضات
رقانونی حیلے اخذ کیے گئے ہیں؟

۲۔ قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصّے مقرر کیے گئے ہیں ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے
لاوہ ماں، باپ، بیوی، شوہر اور مورث کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں،
لن آرڈی ننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی
ہے کہ مورث کی زندگی میں مر جانے کے باوجود وہ حصّہ وصول کرنے کے لیے مورث کی موت کے
ت زندہ فرض کیے جائیں گے اور پھر آگے حصّہ تقسیم کرنے کے لیے مُردہ تسلیم کر لیے جائیں۔ یہ
یاز قرآن کی کس نص یا اس کے کس اقتضاء یا دلالت یا اشارے سے ماخوذ ہے؟

۳۔ قرآن کی رُو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا حق ہے،
لع نظر اس کے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں
لن اس آرڈی ننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لاولد مر گئے
ں ان کو تو حصّہ وصول کرنے کے لیے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جو اولاد چھوڑ گئے
ں صرف اُن کا حصّہ وصول کیا جائے گا۔ اس امتیاز کے لیے قرآن کریم میں کیا دلیل ہے۔

۴۔ یہ آرڈی ننس مزید امتیاز یہ برتتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف
لاد کو حصّہ پہنچاتا ہے۔ دراں حالیکہ قرآن کی رُو سے اگر مورث کے مال میں اُن کا کوئی حق نہ ہے تو وہ
ران کی ماں یا ان کے باپ اور اُن کی بیوی یا اُن کے شوہر کو بھی پہنچنا چاہیے مثلاً اگر ایک متوفیہ
ی کا حصّہ نکالا جاتے تو اس کا شوہر بھی حقدار ہے اگر وہ زندہ ہو اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ
وفیہ باپ سے حصّہ پا رہی ہو اور اس کا باپ بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ ماں سے حصّہ پا رہی ہو۔ نانا
ے صرف نواسوں اور نواسیوں کو حصّہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کو چھوڑ دینا قرآن کے کس حکم پر مبنی ہے؟

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے
روضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ
می کی مدد کی جائے اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ لیکن یہ عذر دو

وجوہ سے بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مالدار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حقدار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا، اگر قانونِ میراث بنانے سے قرآن کا منشاء یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہوگا یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں اُن کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو آخر کیا امر اس میں مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعے سے کھول دیتا؟ اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو یہ منشا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ انہوں نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا؟ اگر حضورؐ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ ہے کہ قرآن کا یہ منشاء تمام خلفاء سے، تمام صحابہ سے، تمام آئمہ واہل بیت سے، تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہا سے مخفی رہ گیا اور اس کو پایا تو اس زمانہ میں چند اُن لوگوں نے جنہوں نے چاہے جس علم کی بھی تعلیم و تربیت پائی ہو، قرآن و سنّت کے علم کی تعلیم و تربیت نہیں پائی۔ باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو رفع کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علماء کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ البتہ اس معاملے میں شریعت کے خلاف طریقوں کو درخورِ اعتناء سمجھا جاتا ہے اور انہیں رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دفعہ نمبر ۵ : اس دفعہ کی رُو سے یہ لازم کیا گیا ہے کہ تمام نکاح جو کسی علاقے میں ہوں وہ اِس علاقے کی یونین کونسل کے مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے پاس درج کیے جائیں اور اگر نکاح رجسٹرار کے سوا کسی اور نکاح خوان سے پڑھایا ہو تو اس کی اطلاع نکاح رجسٹرار کو کی جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تین مہینے قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جہاں تک کہ نکاح کی رجسٹری کا تعلق ہے اس کی ضرورت اور اس کے فائدے سے انکار

نہیں۔اگر اس رجسٹری کے لیے ملک میں جگہ جگہ مناسب انتظامات موجود ہوں اور لوگوں کے علم میں اس کے فائدے لائے جائیں تو اُمید ہے کہ لوگ خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے رجسٹریشن کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن اس کو قانوناً لازم کرنا اور اس کی خلاف ورزی کو ایک جُرم مستلزمِ سزا قرار دینا متعدد وجُوہ سے غلط ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نکاح شرعاً بالکل صحیح طور پر منعقد ہو جاتا ہے اگر عورت اور مرد نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کر لیا ہو۔ نکاح کا خطبہ پڑھا جانا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کسی قاضی یا عالم کا موجُود ہونا اور اس کا خطبہ پڑھنے کے بعد ایجاب وقبول کرانا زائد از ضرورت مستحبات میں سے ہے۔ نکاح اس کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے لیکن یہ رجسٹریشن کا حکم نکاح خوان کا ایک باقاعدہ منصب قائم کرتا ہے۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ جس نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو اور شریعت کے مطابق دو شہادتیں اس پر قائم ہو جائیں، آیا اس کو آپ کی عدالت تسلیم کرے گی یا نہیں ؟ اس نکاح کی بنا پر عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا جائز وارث تسلیم کیا جائے گا یا نہیں ؟ ان سے پیدا شدہ اولاد کو جائز اولاد مانا جائے گا یا نہیں ؟ وہ اولاد اپنے باپ سے میراث پائے گی یا نہیں ؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو یہ شریعتِ اسلامیہ سے کھلا تصادم ہے کیونکہ شریعت کی رُو سے ایک نکاح جائز ہوگا اور آپ کے قانون کی رُو سے ناجائز ہوگا۔ شریعت کی رُو سے کچھ حقوق ثابت ہوں گے اور آپ کے قانون کی رُو سے وہ باطل ہو جائیں گے اور اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر آپ کا از رُوئے قانون رجسٹریشن کو لازم کرنا اور رجسٹری نہ کرانے والوں کو سزائیں دینا عملاً بے معنی ہو جاتا ہے۔

تیسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ آیا واقعی یہ رجسٹریشن جائز نکاحوں کے ثبوت کا کوئی یقینی ذریعہ ہے ؟ اور آج تک مسلمانوں میں جو نکاح رجسٹری کے بغیر ہوتے رہے ہیں ان پر اس طریقہ کو کوئی واضح فوقیت حاصل ہے ؟ ہمارے خیال میں تو رجسٹریشن کو اس حد تک اہمیت دینا صحیح نہیں ہے۔ ملک کی موجُودہ بگڑی ہوئی حالت میں اس بات کا بہت کافی امکان ہے کہ ایک بااثر غنڈہ رشوت اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا بالکل فرضی اندراج کرا دے

اور اس پر اپنے ساتھی غنڈوں کی گواہیاں ثبت کرا دے۔ اس طرح کے اندراجات سے وہ ساری قباحتیں پیدا ہو سکتی ہیں، جو مروّج طریقِ نکاح کی صورت میں فرض کی جا سکتی ہیں۔

اِن وجوہ سے ہم پھر اپنی اس رائے پر اصرار کریں گے کہ رجسٹریشن کی سہولتوں کو صرف مہیا کر دینے پر اکتفا کیا جائے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کا عادی کیا جائے کہ وہ رضا کارانہ طریقے پر ان سے فائدہ اٹھائیں۔ معاشرے کے ہر مسئلہ کو جبر و تعزیر کے زور سے حل کرنے کی کوشش نہ صحیح ہے اور نہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۶ : یہ دفعہ تعدّدِ ازدواج پر پابندیاں عاید کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس دفعہ کا تجزیہ کر کے اس پر بحث کریں، ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعددِ ازدواج کو اصلاً ایک برائی سمجھنا اور صرف ناگزیر ضرورت کی حالت میں اس کو جائز قرار دینا ایک غیر اسلامی تخیّل ہے۔ اسلام اس تخیّل سے قطعاً ناآشنا ہے، یہ مغرب سے درآمد ہوا ہے اور اس کے جواز کو ناگزیر ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی کوشش مغرب کے سامنے ایک معذرت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام اور پیشوا اور مقتدا قرار دیتا ہے، اُن میں سے بیشتر تعددِ ازدواج پر عامل تھے۔ خود سرورِ انبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ کوئی منکرِ حدیث بھی اس امرِ واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر ہے (وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ - قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء، بیشتر صحابہؓ، اکثر ائمہ اہلِ بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابرین جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔ اُن میں سے کس کس کے متعلق آخر آپ ثابت کریں گے کہ اُن کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی؟ اس چیز کو اصلاً ایک برائی تسلیم کر لینے کے بعد تو لازماً ایک زوجی کے قائل اہلِ مغرب بہت سی ناجائز داشتائیں اور آشنائیں رکھنے کے باوجود صالح قرار پاتے ہیں۔ اِس لیے کہ ان میں سے کسی نے کسی ضرورت کی بناء پر بھی ایک سے زائد قانونی بیویاں نہیں رکھیں، اور مسلمانوں کے بیشتر اکابر کم ازکم نیم صالح تو قرار پاتے ہی ہیں کیونکہ وہ ضرورتاً اس "برائی" پر عمل کرتے رہے۔

مزید برآں یہ بات قابلِ غور ہے کہ تعددِ ازدواج کے معاملے میں تو ہمارے وزیر قانون صاحب

اور ہمارے دوسرے لیڈروں اور حکمرانوں کو قرآن کا کوئی مخفی منشا تلاش کر کے اس پر پابندیاں عائد کرنے کی اس قدر سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن قرآن نے جن برائیوں کو صریح الفاظ میں منع کیا ہے ان میں سے کسی کو قانون کے ذریعہ سے روکنے کی انہوں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر ایک شخص ایک بیوی کے موجود ہوتے ہوئے طوائفوں کے ہاں جائے یا کوئی داشتہ رکھے یا آزادانہ شہوت رانی کرتا پھرے تو فرمایئے کہ آپ کے قانون میں اس کے لیے کیا رکاوٹ ہے؟ کیا سزا اس کے لیے تجویز کی گئی ہے؟ کن بیگمات نے اس کے خلاف کبھی احتجاج کیا اور اُس کو ازرُوئے قانون روکنے کا کبھی مطالبہ کیا؟ کب آپ نے کوئی کمیشن بٹھایا کہ اس کے سدِباب کے لیے بھی کوئی تدبیر تجویز کی جائے؟ اس صریح بُرائی کو تو آپ رواداری کا مستحق سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن اسے انتہائی سخت جُرم قرار دیتا ہے اور اس کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے مگر تعدّدِ ازواج پر آپ پابندیاں عائد کرنے کی فکر کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے منشا کو پُورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طرزِ عمل کسی صحیح ذہنیت کی غمازی نہیں کرتا۔ کیوں صاف صاف یہ اعتراف نہیں کیا جاتا کہ قرآن کا منشا پُورا کرنا پیشِ نظر نہیں ہے بلکہ اُن اہلِ مغرب کے سامنے معذرت پیش کرنا مقصود ہے جو مسلمانوں سے سابقہ پیش آتے ہی سب سے پہلے تعدّدِ ازواج پر برسنا شروع کر دیتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ غیر قانونی تعدّدِ ازواج اُن کے ہاں جس بڑے پیمانے پر رائج ہے اتنا مشکل ہی سے دنیا کی کسی سوسائٹی میں آج تک رائج رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ اُن کے بعض مُلکوں میں آج خود یو۔این۔او کی ایک رپورٹ کے مطابق ناجائز ولادتوں کا اوسط ۶۰ فی صدی تک پہنچ چکا ہے۔

اب ہم اس دفعہ کے مشتملات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس میں ایک شخص کو جو ایک بیوی یا زائد بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کرنا چاہتا ہو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اوّلاً وہ اپنی موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے، ثانیاً اپنے علاقہ کی یونین کونسل کے چیئرمین سے اجازت حاصل کرنے کی درخواست کرے، ثالثاً ایک پنچایت کو جو اس شخص کے نمائندے اور اُس کی بیوی یا بیویوں کے نمائندے اور یونین کونسل کے چیئرمین پر مشتمل ہوگی، اس بات پر مطمئن کرے کہ اس کا مزید ایک بیوی کرنا ضروری اور حق بجانب ہے۔ ان شرائط کی تکمیل کے بعد پنچایت سے اجازت نامہ حاصل کرنے پر وہ نکاح کرنے کا مجاز ہوگا لیکن پنچایت کے اِس فیصلے کے خلاف مغربی پاکستان میں کلکٹر کے پاس

اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفیسر کے پاس نگرانی کی جاسکے گی اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جس کے خلاف کہیں کوئی اپیل نہ ہوسکے گی قطع نظر اس کے کہ وہ نکاح کی اجازت دینے کے حق میں ہو یا اجازت منسوخ کرنے کے حق میں۔ مزید برآں اس دفعہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا قاعدہ کے خلاف نکاح کرلے۔

۱۔ اس کی بیوی یا بیویوں کو فوراً پورا مہر دلوایا جائیگا، خواہ وہ اصلاً مہر معجل ہو یا مؤجل۔

۲۔ اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

۳۔ اس کا نکاح علاقے کے رجسٹرار کے پاس درج نہیں کیا جائے گا، جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ وہ سرے سے قانوناً مسلّم ہی نہیں ہوگا۔

۴۔ اس کی بیوی یا بیویوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس شکایت کی بنیاد پر عدالت میں خلع کا مطالبہ کرے یا کریں۔

وزیرِ قانون صاحب ہم کو یہ یقین دلانے کی کوشش فرماتے ہیں کہ سب کچھ انہوں نے قرآن کے منشا کو پورا کرنے کے لیے کیا ہے لیکن قرآن کے جس منشا کی وہ نشان دہی فرماتے ہیں وہ خود ان کے الفاظ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ نکاح اس شرط پر جائز ہے کہ شوہر سب بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ وزیرِ قانون صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ تعدّدِ ازواج پر پابندیاں اس لیے عائد فرما رہے ہیں کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا کر ایک سے زائد بیویاں کر لیتے ہیں اور عدل کی شرط پوری نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدل کا سوال آیا نکاح سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا نکاح کے بعد؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سوال ایک سے زائد نکاح کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ آیا شوہر نے عدل کیا ہے یا نہیں۔ وجہ شکایت قرآن کی رُو سے جائز طور پر صرف اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ شوہر نے عدل نہ کیا ہو۔ اور اُس وقت ایک بیوی کو جس کے ساتھ عدل نہ ہو رہا ہو یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ یا تو اس کے ساتھ عدل کیا جائے یا شوہر صرف ایک بیوی رکھے۔ قرآن کا نام لے کر اس کے اس منشا کو پورا کرنے کی یہ شکل قرآن کے کس لفظ یا اشارے یا فحویٰ سے اخذ کی گئی ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر اپنی موجود بیوی یا بیویوں

کی رضامندی حاصل کرے اور ایک پنچایت کو اپنی ضرورت کا اطمینان دلائے ؟ پھر قرآن کے کس لفظ یا اشارے سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ جو نکاح موجود بیوی یا بیویوں سے اجازت لیے بغیر اور ایک پنچایت سے لائسنس حاصل کیے بغیر کیا گیا ہو، وہ قانوناً تسلیم ہی نہ کیا جائے اور اس شخص کو جیل بھی بھیج جائے ؟ اور قبل اس کے کہ اس کی بیوی یا بیویوں کو عدل نہ کیے جانے کی شکایت پیدا ہو مجرد نکاح کر لینا ہی وہ جائز وجہ شکایت ہو جس کی بنا پر وہ خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے یا کر سکتی ہیں ؟ براہ کرم ہمیں بتائیے کہ یہ سب کچھ قرآن کے کس مقام سے اخذ کیا گیا ہے ؟ اور اگر قرآن میں یہ نہیں ہے تو کیا کوئی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوی کے بعد جتنی شادیاں کیں اُن سے پہلے حضور نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے انہیں اس بات پر مطمئن کیا ہو کہ مجھے مزید بیویوں کی ضرورت ہے ؟ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو دوسری شادی کرنے سے پہلے اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت ثابت کریں ؟ یا تاریخ اسلام میں کبھی کسی بیوی کو صرف اس بنا پر خلع کے مطالبے کا حق دیا گیا ہو کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے ؟ یا کسی شخص کو اس جرم میں پکڑا گیا ہو کہ اس نے پچھلی بیویوں سے اجازت لیے بغیر اور پنچایت سے لائسنس لیے بغیر مزید ایک نکاح کر ڈالا ہے ؟

اگر پیشِ نظر قرآن کا نام لے کر مغربی تخیلات کو اسلامی قانون میں داخل کرنا ہو تب تو بات دوسری ہے ورنہ قرآن کے منشا ہی کو پورا کرنا فی الواقع پیش نظر ہو تو یہ پوری دفعہ منسوخ کر دینے کے قابل ہے کیونکہ قرآن اور سنّت اور فقہِ اسلامی اس کے بنیادی تخیلات اور اس کے اصول و قواعد سے بالکل ناآشنا ہیں ۔ اس کے بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں اُن کے درمیان عدل نہ کرے، اس کے خلاف اس بیوی کو عدالت میں شکایت لے جانے کا حق ہو گا جس کے ساتھ عدل نہ کیا جا رہا ہو اور عدالت شوہر کو اس کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور کرے گی ۔

دفعہ نمبر ۷ : اِس دفعہ میں طلاق کے جو احکام وضع کیے گئے ہیں، وہ تقریباً پورے کے پورے قرآن کے احکام کے خلاف ہیں ۔ اور ان احکام کو نافذ کرنے کے نتائج مسلم معاشرے کے حق میں اس قدر فتنہ انگیز ہوں گے کہ شاید ابھی اُن کا پورا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

اِس کی پہلی شق میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو کسی صورت میں طلاق دے (غالباً "کسی صورت" سے مُراد یہ ہے کہ خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلظ) وہ یونین کونسل کے چیئرمین کو اپنے اس فعل کی اطلاع دے گا۔ دوسری شق میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو شخص اطلاع نہ دے اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ تک کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ تیسری اور پانچویں شق میں طے کیا گیا ہے کہ: (۱) طلاق کی عدت طلاق دینے کے وقت سے نہیں شروع ہو گی، بلکہ یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس ملنے کے بعد سے شروع ہو گی۔ (۲) اور یہ عدت عورت کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں ۹۰ دن کی ہو گی اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک یا ۹۰ دن تک (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) ممتد ہو گی یعنی اُس مدت کے اندر رجوع کا حق ہو گا۔ (۳) یونین کونسل کا چیئرمین نوٹس ملنے کے بعد ۳۰ دن کے اندر ایک پنچایت مقرر کرے گا جو زوجین کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے گی اور اُس کے ناکام ہونے کی صورت میں طلاق نافذ ہو گی۔

یہ تمام شقیں قرآن کے صریح احکام سے ٹکراتی ہیں۔ وزیر قانون صاحب اپنے بیان میں فرماتے ہیں کہ "اسلامی قانونِ طلاق کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کبھی میاں اور بیوی میں اختلافات رُونما ہوں تو قریبی رشتہ دار اور دوسرے لوگ اُن کے درمیان صُلح کرانے کی کوشش کریں تاکہ فوری تفریق نہ ہونے پائے"۔ لیکن دراصل انہوں نے قرآن کے دو احکام کو بالکل غلط طریقے سے ایک دُوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور قرآن کے دیتے ہوئے حقِ طلاق کو ایک پنچایت کے ساتھ معلق کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے احکام بالکل الگ بیان کیے گئے ہیں اور میاں بیوی کے اختلافات کو رفع کرنے کی صورت الگ بیان کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں آیت ۲۲۷ سے لے کر ۲۴۲ تک اور سورۂ احزاب کی آیت ۴۹ میں اور سورۂ طلاق کی پہلی ۷ آیتوں میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ کوئی قانونی فہم رکھنے والا شخص ان احکام کو پڑھتے ہوئے قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہاں شوہر کے حقِ طلاق کو کسی پنچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اُس کا فیصلہ حاصل کرنے سے مقید کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر جب چاہے طلاق دینے کا مختار ہے۔ ایک آیت کے اندر تو صاف الفاظ میں "بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ" کا فقرہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عقدِ نکاح کو برقرار رکھنا یا توڑ دینا شوہر کے اختیار میں

ہے اور اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے کے لیے وہ قطعاً کسی دوسرے کی طرف رُجوع کرنے کا پابند نہیں ہے۔ دوسری طرف سُورۂ نسار کی آیت ۳۴، ۳۵ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ اگر بیوی نشوز کا رویہ اختیار کرے تو شوہر کو اسے مطیع بنانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے اور اگر زوجین کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر کیا جائے تاکہ وہ دونوں مل کر اُن کے جھگڑے کو رفع کرانے کی کوشش کریں۔ اِس آیت میں سرے سے طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اِس سعیِ مصالحت کے بغیر شوہر طلاق کا اختیار استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اِن دو الگ قوانین کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

دراصل اِس دفعہ کا پُورا تخیّل مغرب کے انتہائی ناقص قوانینِ نکاح و طلاق سے اخذ کیا گیا ہے اور نام یہ لیا جا رہا ہے کہ یہ قرآنی قانونِ طلاق کے اصُولوں پر مبنی ہے۔ مغرب ایک مدّتِ دراز تک طلاق کو ایک بُرائی اور ایک ناجائز کارروائی سمجھتا رہا اور اسلام پر اعتراض کرتا رہا کہ اس میں یہ جائز ہے۔ پھر اپنے اس غلط تخیّل کے بدترین نتائج دیکھ لینے کے بعد جب اس نے طلاق کے جواز کی ضرورت محسوس کر لی تو اپنے سابق طرزِ فکر کو برقرار رکھتے ہوئے، اس نے طلاق کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی کہ عورت اور مرد دونوں کو علیٰحدگی چاہنے کی صُورت میں عدالت کے فیصلہ کا پابند کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانوں کے گندے کپڑے کُھلم کُھلا عدالتوں میں دھوئے جانے لگے۔ طلاق چاہنے والے چونکہ مجبُور تھے کہ ایک عدالت کو اس بات پر مطمئن کریں کہ اُن کے لیے جدائی ناگزیر ہو چکی ہے، اس لیے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات اور بداخلاقی کے اتہامات مجبوراً لگائے کیونکہ اصل وجوہِ طلاق لازماً وہی نہیں ہو سکتے جو کسی عدالت کو مطمئن کر دیں۔ اِس طرح اِن غلط قوانینِ طلاق کی بدولت مغربی معاشرہ طلاق کے انتہائی فتنہ انگیز مقدمات سے لبریز ہو گیا۔ اب ہمارے نئے قانون سازان اہلِ مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارے معاشرے کو اس فتنہ سے دوچار کرنے کے درپے ہیں۔

آرڈیننس کی اس دفعہ کی مذکورہ بالا شقوں میں حسبِ ذیل امور صریح طور پر قرآن کے خلاف ہیں:

۱۔ اس میں عورت کی عدت یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس دینے کے بعد سے شروع ہوتی ہے، خواہ طلاق دینے کے مہینے دو مہینے بعد ہی یہ نوٹس دیا گیا ہو، حالانکہ قرآن کی رُو سے طلاق زبان سے نکالتے ہی عدت کی مدت شروع ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس میں عدت کی مدت غیر حاملہ عورت کے لیے ۹۰ دن قرار دی گئی ہے، حالانکہ قرآن کی رُو سے تین حیض اس کی مدت ہے۔

۳۔ اس میں حاملہ عورت کی عدت کی مدت وضعِ حمل یا ۹۰ دن (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) قرار دی گئی ہے حالانکہ قرآن کی رُو سے حاملہ کی عدت وضعِ حمل پر ختم ہو جاتی ہے اور صرف غیر حائضہ عورت کی مدتِ عدت نوّے دن نہیں، بلکہ تین مہینے رکھی گئی ہے۔

۴۔ اس میں طلاق کے نفاذ کو یونین کونسل کے چیئرمین تک اطلاع پہنچنے اور اس کی سعی مصالحت کرنے پر موقوف کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ قرآن کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ ہم اُوپر واضح کر چکے ہیں۔

۵۔ اس میں شوہر کے خاندان اور بیوی کے خاندان کے ایک ایک حَکَم کے ساتھ یونین کونسل کے چیئرمین کا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن صرف دونوں خاندانوں کے ایک ایک حَکَم کے سامنے اختلافات پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یونین کونسل کا چیئرمین لازماً اپنے علاقے کے تمام خاندانوں کا کوئی معتمد علیہ سرپرست نہیں ہو سکتا بلکہ آپ کے کسی قانون کی رُو سے اس کا مسلمان ہونا تک ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں خاندان یا ان میں سے کوئی ایک اس بیرونی آدمی کے سامنے اپنے گھریلو جھگڑے رکھنے پسند نہ کریں۔ کسی بیرونی شخص کے سامنے میاں اور بیوی کے بعض ایسے معاملات بھی آ سکتے ہیں کہ اگر ازروئے قانون اُن کا لانا لازم کر دیا جائے تو شاید وہی خواتین جو آج اِس طرح کے قانون کا بڑے جوش و خروش سے خیر مقدم فرما رہی ہیں، اُس وقت چیخ اٹھیں گی جب یہ جھگڑے پنچایتوں میں آنے شروع ہوں گے۔ اور بعید نہیں کہ جب طلاق کا نفاذ ایک پنچایت کے اطمینان پر موقوف ہو جائے تو ہمارے ہاں بھی شوہر اپنی بیویوں پر جھوٹے اخلاقی الزامات لگانا شروع کر دیں گے تاکہ پنچایت کو طلاق کے ناگزیر ہونے کا قائل کر سکیں۔

اِس دفعہ کی شق نمبر ۶ ایک اور فتنہ انگیز صُورت پیدا کرتی ہے۔ اِس میں یہ طے کیا گیا ہے

کہ ہر وہ نکاح جو کسی مؤثر طلاق کے ذریعے سے ختم ہو چکا ہو' اس کے فریقین دوبارہ باہم نکاح کر سکیں گے، بغیر اس کے کہ بیک وقت دی ہوئی طلاقیں' خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں مغلّظ نہیں ہوں گی اور عملاً ان کی تاثیر ایک ہی طلاق کی ہو گی۔ بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دیئے گئے ہوں تو اس سے طلاقِ مغلّظ واقع ہو جاتی ہے اور مطلّقہ عورت سے اس کا سابق شوہر نہ تو مدّتِ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے' جب تک کہ اس کی تحلیل نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مذہبِ حنفی کے ائمہ وفقہا کے علم وتقویٰ پر ہے وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ اس قانون سازی کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کے عقیدے اور قانونِ رائج الوقت کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا اور اس سے اُن کی معاشرتی زندگی میں بڑی پیچیدگیاں رُونما ہوں گی۔ مثال کے طور پر ایک شوہر اگر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کر لے تو اسی کی حنفی بیوی اور اُس کا خاندان اس رُجوع کو جائز تسلیم نہیں کریں گے' بیوی نہ شوہر سے آزاد ہو کر دُوسرا نکاح کر سکے گی کیونکہ قانون اس میں مانع ہو گا اور نہ اپنے آپ کو اس شوہر کے حوالے کر سکے گی کیونکہ اس کے عقیدہ کی رُو سے یہ زنا کا ارتکاب ہو گا۔ کیا اس پیچیدگی کو آپ کا کوئی قانون رفع کر سکتا ہے؟ کیا آپ کے قوانین یہ طاقت رکھتے ہیں کہ لوگوں کے عقائد تبدیل کر سکیں؟

دفعہ نمبر ۱۲: اس دفعہ میں لڑکیوں کے لیے عمرِ نکاح کی مدّت ۱۴ سال سے بڑھا کر ۱۶ سال کر دی گئی ہے۔ یعنی ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح اب از رُوئے قانون نہ ہو سکے گا۔ عمرِ نکاح مقرر کرنے کا قانون پہلی مرتبہ جب انگریزی دَور میں بنایا گیا تھا، اُس وقت بھی علماء نے اس پر احتجاج کیا تھا اور اب اس موقعہ پر ہم پھر اس پر اعتراض کرنے کے لیے مجبُور ہیں کیونکہ یہ قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف اور اُن کے مصالح سے متصادم ہے جنہیں اسلامی شریعت نے اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں بالفاظِ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۴ میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض آنا بند ہو چکا ہو یا جن عورتوں کو ابھی

حیض آنا نہ شروع ہوا ہو ان کے معاملے میں عدّتِ طلاق تین مہینے ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ عدّتِ طلاق کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جبکہ پہلے نکاح ہو چکا ہو۔ اس طرح قرآن مجید صریح طور پر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتا ہے جس کو حیض آنا نہ شروع ہوا ہو۔ ہمارے ملک میں بالعموم لڑکیوں کو ۱۳ برس کے لگ بھگ عمر میں حیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رُو سے اس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن اس آرڈی ننس کی رُو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے۔

قرآن کے ساتھ اِس تصادم کے علاوہ یہ سوال قابلِ غور ہے کہ اس ملک میں کیا کوئی ایسا قانون ہے جس کی رُو سے ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ زنا کی روک تھام ہو سکے؟ محض یہ بات کہ ۱۶ برس سے کم عمر کی لڑکی نابالغہ ہو اور اس کے ساتھ مباشرت زنا بالجبر قرار پائے اس خرابی کی روک تھام کے لیے مؤثر ذریعہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایسی لڑکی اگر اپنی مرضی سے زنا کرائے تو اس جُرم کا قانون کے علم میں آنا ضروری نہیں ہے، لیکن اس کا نکاح جب بھی کیا جائے گا وہ لازماً قانون کے علم میں آئے گا اور اس کے مرتکبین سزا پائیں گے۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک لڑکی کے زانیہ ہو جانے کا تو سدِّباب نہ ہو مگر اُس کے نکاح کا سدِّباب کر دیا جائے اور اگر ایک باپ اپنی ۱۴، ۱۵ برس کی عمر کی لڑکی بگڑتے ہوئے دیکھ کر اُس کا نکاح کر دینا چاہے تو نہ کر سکے اور اس کے بگڑنے کے خطرے کو مجبوراً برداشت کرتا رہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صغر سنی کی شادی بالعموم ہمّت افزائی کی مستحق نہیں ہے اور جن علاقوں میں اس کا رواج قباحتیں پیدا کر رہا ہے وہاں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن معاشرے کی ہر خرابی کا علاج لازماً جبر ہی نہیں ہے۔ عوام میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے اس رُجحان کو روکا جا سکتا ہے، بغیر اس کے کہ قانوناً نکاح کی عمر مقرر کر کے اس سے کم عمر کے نکاح کو سرے ہی سے حرام کر دیا جائے۔

یہ ایک حق نصیحت ہے جو ہم اس ملک کی بھلائی کے لیے اس آرڈی ننس کے نفاذ سے پہلے ادا کر رہے ہیں۔ اس کو ادا کر دینے کے بعد ہمارا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جن غلطیوں کی نشاندہی دلائل کے ساتھ کر دی گئی ہے اُن کی اصلاح کرے۔

مولانا مفتی محمد حسن۔ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، ناظم مرکزی حزب الاحناف پاکستان لاہور

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد، سابق ممبر بورڈ آف تعلیمات، دستور ساز اسمبلی پاکستان

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، صدر جماعت اہلحدیث لاہور

مولانا سید محمود احمد رضوی، نائب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور

مولانا ابن الحسنات سید خلیل احمد قادری، خطیب مسجد وزیر خان لاہور

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، خطیب جامعہ قدس اہلحدیث لاہور

مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لاہور

مولانا عبدالستار خاں نیازی لاہور

"مجھے اصل دفعات سے وہی اختلاف ہے جو اس مضمون میں ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن ان دفعات کی وضاحت میں جو امور تحریر فرمائے گئے ہیں ان کے بعض اجزاء سے اتفاق نہیں ہے۔"

مولانا حافظ کفایت حسین مجتہد ادارہ عالیہ
تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور

"مضمون بالا کی بعض جزئیات اگرچہ تفصیل طلب یا غور طلب ہیں، مگر اصل مقصد کے لحاظ سے میں اس پورے مضمون سے متفق ہوں۔"

مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔ متولی جامع قدس اہل حدیث لاہور

مسلم فیملی لاز آرڈی ننس پر علماء کرام کا یہ تاریخی تبصرہ

اوّلاً ۱۹ مارچ ۱۹۶۱ء کو ہفت روزہ "شہاب" لاہور میں شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں پاک میڈ لیسنز پاک گیٹ ملتان کے پروپرائٹر جناب غلام مصطفےٰ نے اسے کتابچے کی شکل میں ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان سے شائع آج سے چند سال قبل تنظیم اسلامی نے اس کتابچے کا ہو بہو عکس لے کر اسے شائع کیا اور بڑے پیمانے پھیلانے کا اہتمام کیا تھا۔ اور اب یہ بہتر کتابت و طباعت کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

نام نہاد مسلم فیملی لاز کا المیہ!

اور مسلمانانِ پاکستان سے ایک فریاد

■ انگریز نے ہندوستان پر اپنی دو سو سالہ حکومت کے دوران مسلمانوں کے عائلی قوانین میں دخل دینے کی جرأت نہیں کی۔

■ بھارت میں ایک عدالتی فیصلے میں ذرا سے تعارض پر مسلمانانِ بھارت نے ایسا شدید ایجی ٹیشن کیا کہ حکومتِ وقت کو یہ قانون بنانا پڑا کہ بھارت کی کوئی عدالت مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت نہیں کر سکتی۔

■ لیکن پاکستان میں ایک فوجی آمر نے ۱۹۶۱ء میں منکرینِ حدیث کے زیر اثر ایک آرڈیننس کے ذریعے وہ نام نہاد مسلم فیملی لاز نافذ کیے جن کی متعدد دفعات کو تمام مکاتبِ فکر اور جملہ مذاہبِ فقہ کے حسبِ ذیل علماء و زعماء نے خلافِ شریعت قرار دیا:

● مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (جماعت اسلامی) ● مفتی جعفر حسین اور حافظ کفایت حسین (فقہ جعفریہ) ● حافظ عبداللہ روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ محمود احمد روپڑی اور مولانا عطاء اللہ حنیف (اہلحدیث) ● مفتی محمد حسن اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی (جامعہ اشرفیہ ـ دیوبندی) ● ابوالبرکات سید احمد قادری، ابن الحسنات خلیل احمد قادری اور سید محمود احمد رضوی (حنفی بریلوی) ● مولانا عبدالستار نیازی، اور ابویحییٰ امام خاں نوشہروی۔

(نوٹ: ان حضرات کا مفصل بیان ماہنامہ "میثاق" ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور کی جون کی اشاعت میں شائع کیا جا رہا ہے۔)

لیکن غلطی یہ ہوئی کہ اس سلسلے کی کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی گئی بلکہ ان تمام حکمرانوں سے تعاون جاری رکھا گیا جنہوں نے ان قوانین کو برقرار رکھا

نتیجۃً یہ قوانین آج تک نافذ ہیں اور انہیں تحفظ دینے کا مسلسل اعلان کیا جا رہا ہے!

■ دستورِ پاکستان میں غیر مسلموں کو بھی یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اُن کے پرسنل لاء میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ تو کیا یہ ستم ظریفی کی انتہا نہیں ہے کہ ایک مسلمان مملکت میں خود مسلمانوں پر اُن کے مسلّمہ فقہی احکام کے منافی قوانین جبراً مسلط کیے جا رہے ہیں۔

■ ان قوانین سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں وہ ایک مثال سے بھی جانی جا سکتی ہیں کہ اگر کسی مسلمان عورت کو اس کا شوہر بیک وقت تین طلاقیں دیدے تو اہلِ سنت والجماعت کی چاروں فقہیں اس شوہر کو رجوع کا حق نہیں دیتیں اور عورت کو اختیار دیتی ہیں کہ عدت کے ختم ہونے پر دوسری شادی کر لے جبکہ ان قوانین کی رُو سے اس خاتون پر زنا کا مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے! فاعتبروا!

■ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دس سال کی تاخیر کے بعد نفاذِ شریعت آرڈیننس کے ذریعے ان عائلی قوانین کو فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار میں داخل کر دیا تھا مگر اُن کی حادثاتی موت کے بعد وہ آرڈیننس بھی اپنی موت آپ مر گیا اور فیڈرل شریعت کورٹ کے ہاتھ بندھے کے بندھے رہ گئے۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ دستور میں موعودہ ترمیم کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ

پر عائد جملہ پابندیاں ختم کر کے شریعت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دیا جائے

امیر تنظیم

تنظیمِ اسلامی پاکستان — ڈاکٹر اسرار احمد

۶۷-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور (فون ۳۰۵۱۱۰) عطیۂ اشتہار منجانب ایک بندۂ خدا

یم اسلامی کی جانب سے یہ اشتہار ۳ رمئی کے اخبارات میں شائع کرایا گیا

فریضۂ حج :

حجاج کرام کی خدمت میں چند گزارشات

عازمینِ حج کے ایک خصوصی اجتماع سے امیرِ تنظیم اسلامی کا خطاب

محترم حجاج بیت اللہ العظیم اور مکرم حاضرین

میں اسے اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسے حضرات سے مخاطب ہوں جو کہ عنقریب سفرِ حج کا آغاز کرنے والے ہیں، اگرچہ یہ سعادت مجھے بھی نصیب ہو چکی ہے لیکن یہ معاملہ وہ ہے کہ جب بھی موسم حج آتا ہے تو ہر صاحب ایمان کے دل میں ایک ہُوک سی اُٹھتی ہے کہ کاش میں پھر وہاں حاضر ہوتا لیکن بعض انتظامی اُمور اور حکومتوں کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ آپ میں سے بعض حضرات کے علم میں ہو گا کہ میری طبیعت ایک عرصہ سے ناساز چل رہی ہے۔ جس کی وجہ سے آجکل میں اپنے مستقل پروگرام کے علاوہ کسی دوسرے پروگرام کی دعوت قبول نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن جب مجھے اس مُبارک اجتماع میں خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تو انکار نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ شائد آپ حضرات کی سعادتوں میں سے مجھے بھی کوئی حصّہ مِل جائے۔

جہاں تک حج کے احکامات کا تعلق ہے اس مختصر سے وقت میں اُن کا بیان ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی آپ حضرات کو "پی آئی اے" کی جانب سے جو کتاب احکاماتِ حج سے متعلق ملی ہے۔ اس میں اگرچہ بعض جزوی اغلاط موجود ہیں تاہم بحیثیت مجموعی وہ اس درجے جامع اور مفید ہے کہ پہلی دفعہ حج کرنے والے شخص کو بھی ان شاء اللہ کوئی دقّت باقی نہیں رہے گی۔

میں آج کی محفل میں آپ حضرات کی توجہ فلسفۂ حج، حکمتِ حج یا جو حج کی اصل روح ہے اسکی طرف دلاؤں گا۔ حج کی جو روحانی برکات ہیں اسکو صرف وہی حضرات محسوس کر سکتے ہیں جو اس کوچے سے واقف ہیں۔ دوسرے حضرات جنہوں نے اس کوچہ میں قدم نہیں رکھا وہ اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ حج کی عبادت خاص طور پر ایسی ہے کہ اس میں اکثر مناسک ایسے ہیں جن کی بظاہر کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی، اور وہاں جا کر انسان کو یہ تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ عقل کو ایک طرف رکھ کر صرف "اتباعِ رسولؐ" کرنا ہے۔ بغیر یہ سمجھے ہوئے کہ اس کی حکمت کیا ہے؟ اور غرض و غایت کیا ہے؟ — عام طور پر دین کے جتنے احکام ہیں ان کی حکمتیں بھی بتلائی گئی ہیں مثلاً نماز کی حکمت کے متعلق فرمایا گیا:۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي یعنی نماز اللہ کی یاد کے لئے ہے، روزہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ آیت ۱۸۳)

یعنی روزے کی حکمت و غرض و غایت "تقویٰ" ہے — لیکن حج کے ضمن میں کئی مناسک ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں ہم قطعاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی غرض و غایت کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ صرف ایک بات ہمارے سامنے رہے کہ محمد رسول اللہ نے ایسا کیا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) — چنانچہ آپ میں سے اکثر حضرات نے حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ سنا ہوگا جب کہ وہ حجرِ اسود کو بوسہ دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اے حجرِ اسود میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے تیرے اندر کوئی الوہیت نہیں ہے۔ لیکن میں تجھے صرف اس وجہ سے بوسہ دے رہا ہوں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا تھا۔ مناسکِ حج میں سے ایک رمیِ جمرات ہے جو کہ بہت مشکل کام ہے۔ اس کے بارے میں بھی کوئی قطعی بات ہمارے پاس نہیں ہے کہ یہ کس بات کی علامت ہے۔ ویسے اس کو شیطان تو کہتے ہیں لیکن یہ کہ شیطان کا کونسا واقعہ اس کے ساتھ ہے۔ بعض روایات تو موجود ہیں مگر وہ روایات مرفوعہ نہیں ہیں۔ یعنی ایسی کوئی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو اور اس سے معلوم ہو سکے کہ اس کی غرض و غایت کیا ہے، ذخیرۂ احادیث میں ہمیں نہیں ملتی۔ یہاں پر بھی صرف اتباعِ نبویؐ ہی کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

جن حضرات کو روحانی کیفیات و واردات میں سے کچھ حصہ ملا ہے وہاں ان کو

کیا کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہی بتلا سکتے ہیں ۔ لیکن اس سے ذرا کمتر سطح پر آ کر میں عرض کروں گا کہ حج کا یہ پورا نظام اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک شخصیت کی یاد پر مشتمل ہے اور وہ شخصیت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جن کی کہ تین نسبتیں ہیں اور وہ تینوں ہی بہت عظیم ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے : وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ۝ " اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست قرار دیا " یعنی خلیل بنا لیا ۔ دوسری طرف ان کی نسبت نوعِ انسانی کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ : اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط یعنی اے ابراہیم میں تمہیں نوعِ انسانی کا امام بنانے والا ہوں ۔ اور ان کی تیسری نسبت آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہوگی یعنی یہ کہ اُن کی نسل میں بے شمار نبی آئے یہاں تک کہ نبی آخر الزمان بھی آپؑ ہی کی ذریت میں سے ہیں ۔ اس طرح آپ ابو الانبیاء ہیں ، خلیل اللہ ہیں ، اور امام الناس ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معمارِ حرم بھی ہیں ۔ اس حرم کے جس کی زیارت کی نیت سے آپ حضرات جا رہے ہیں جس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے : ۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ

" اور یاد کرو جب کہ ہم نے ابراہیم کے لئے وہ جگہ معین کر دی جو ہمارے گھر کی جگہ تھی کہ ہمارے اس گھر کی تعمیر بھی کرو اور اس کو پاک صاف بھی رکھو طواف کرنے والوں کے لئے ، قیام کرنے والوں کے لئے ، رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے ، اور لوگوں کو بلاؤ حج کے لئے تم دیکھو گے کہ وہ چلے آئیں گے اس گھر کی طرف پیدل بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی بڑے دُور دراز راستوں سے اور بڑی گہری وادیاں عبور کر کے تاکہ وہ پہنچیں ان جگہوں پر جہاں ان کے لئے نفع ہے " یعنی اپنے نفع کے مقامات پر موجود ہوں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کیا کیا نفع کی

چیزیں رکھی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معمار قرار دیا گیا ہے بیت اللہ کا۔ اگرچہ اس میں ایک اختلاف ہے کہ معمارِ اوّل کون ہیں۔ میرے نزدیک یہ رائے زیادہ قوی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ معمارِ ثانی ہیں۔ معمارِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ	یعنی روئے ارضی پر اللہ کی عبادت
لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ	کے لئے جو سب سے پہلا گھر بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان کم از کم چار پانچ ہزار سال کا فصل ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دوران میں نوع انسانی نے کوئی گھر خدا کی عبادت کے لئے تعمیر نہ کیا ہو۔ اسی لئے میری قوی رائے یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے معمارِ اوّل حضرت آدمؑ ہیں۔ امتدادِ زمانہ اور سیلاب وطوفان کی وجہ سے یہ منہدم ہو گیا تھا پھر اس کی دوبارہ تعمیر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں کروائی اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ	جبکہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں باپ
الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ	بیٹے اس گھر کی دیواروں کو اٹھا رہے
وَاِسْمٰعِیْلُ	تھے۔

یعنی جہاں تک اس کی بنیادوں کا تعلق ہے وہ موجود تھیں اور انہی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کا فریضہ انجام دیا ہے ان باپ بیٹا دونوں نے۔

حج کے اکثر مناسک کا تعلق ہے حضرات ابراہیمؑ کی زندگی اور ان کے واقعات سے اگر آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی پوری کی پوری زندگی آزمائشوں اور امتحانوں کا مجموعہ ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے: وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ "اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کا امتحان لیا اس کے رب نے بہت سی باتوں میں اور اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔" اور تمام امتحانات میں ثابت قدم رہے۔ ان کی سب سے پہلی آزمائش ان کی فکر اور عقلِ سلیم کی آزمائش ہے۔ وہ ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کفر وشرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں، بتوں کو پوجا جا رہا ہے۔ اجرامِ سماویہ سورج،

چاند اور ستاروں کو پوجا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت نمرود خود معبود ہونے کا مدّعی ہے۔ گویا اس معاشرہ میں تین طرح کے شرک موجود تھے، جس میں اس نوجوان نے آنکھ کھولی ہے۔ لیکن یہ ان کی سلامتی طبع اور فطرتِ سلیمہ کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انہوں نے توحید کی روشنی کو دیکھا اور اسی کی طرف ہی اپنا رُخ کر لیا اور ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر یہ نعرۂ توحید ان کی زبان پر آتا ہے: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ کہ میں ان تمام سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہوں۔ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ انہوں نے کہا کہ میں اس چیز سے بری اور بیزار ہوں جو تم سب کرتے ہو؛ میں تو صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی پرستش کروں گا۔ ان کے اس نعرۂ مستانہ کے ساتھ ہی ان پر امتحانات آنے شروع ہو گئے۔ والد نے انتہائی ترش لہجے میں کہا: قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝ ”اے ابراہیمؑ! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کر رہے ہو“۔ ہماری قومی و نسلی روایات ان سب کو اپنے پاؤں تلے روند دینا چاہتے ہو۔ ”اگر تم باز نہیں آؤ گے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا“۔ یہ تو خیر بعد کی بات ہے ”سو فی الوقت تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ“ اور فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ“۔ اپنے والد کی یہ تلخ اور کڑوی بات سننے کے بعد بڑے حلم اور وقار کے ساتھ یہ کہتے ہوئے: قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝ ٹھیک ہے کہ میں آپ کے گھر سے رخصت ہو رہا ہوں۔ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝ ”میں تم سب سے ترکِ تعلق کرتا ہوں۔ اور صرف اللہ کو پکاروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ مجھے ناکام و نامراد نہیں کرے گا“۔ یہ کہہ کر وہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ دوسرا امتحان یہ ہوا کہ قوم نے آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جب اس موحّد کو قوم نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ٥ اللہ کے حکم سے یہ آگ گل و گلزار بن گئی اور آپ اس امتحان میں بھی سرخرو ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے وطن کو خیرباد کہی: اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ۔ میں تو اب اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ کبھی شام میں رہے کبھی مصر میں رہے کبھی حجاز میں گئے، گویا پوری زندگی صحرا نوردی میں گزری کسی بھی جگہ ٹِک کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ آپ نے ہر جگہ توحید کے مراکز قائم کئے حضرت لوطؑ کو شرقِ اُردن میں مامور کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی عمر شریف جب ستاسی برس کی ہوئی تو محسوس ہوا کہ اب میرے قویٰ مضمحل ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرے بعد ان توحید کے مراکز کا اور میری دعوت کا وارث کون ہو گا۔ تب آپ نے یہ دُعا کی: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ "اے میرے رب مجھے ساتھی عطا فرما جو صالحین یعنی نیکوکاروں میں سے ہو" اللہ تعالیٰ نے فوراً دُعا قبول فرمائی اور حضرت اسماعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا۔

جیسے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی امتحانات کا مجموعہ ہے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لئے دُعائیں مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ستاسی برس کی عمر میں ایک فرزند عطا فرمایا ابھی وہ فرزند شیرخوار ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس شیرخوار بچے اور اس کی ماں کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔ ذرا تصور کیجئے کہ جہاں آج سے چار پانچ ہزار سال قبل آبادی نام کی کوئی چیز بھی وہاں نہ تھی اور نہ درخت وغیرہ تھے۔ یہ موحّدِ اعظم اللہ کے حکم کی فرمانبرداری میں ان دونوں کو وہاں چھوڑ کر فوراً واپس چل پڑتے ہیں۔ ایسے موقع پر حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا پکارتی ہیں آپ ہمیں اس جنگل بیابان میں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا۔ "اللہ کے حکم سے"۔ آگے کے واقعات آپ حضرات کو معلوم ہیں کہ جب کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ رہی اور حضرت اسماعیلؑ پیاس سے بیتاب ہوئے، اس وقت حضرت ہاجرہ نے جو دوڑ لگائی ہے ان دو پہاڑیوں (یعنی صفا و مروہ) کے درمیان (اب تو صرف ان کی علامتیں رہ گئی ہیں۔ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان آپ کو عمدہ ماربل کا فرش ملے گا جس پہ کہ آپ چلیں گے)، پانی کی تلاش میں کہ کبھی اس پہاڑی

پر چڑھ جاتی ہیں تو کبھی اُس پہاڑی پر کہ کوئی انسان نظر آئے تو اس کو مدد کے لئے پکاریں۔ اس طرح وہ سات چکر لگاتی ہیں۔ حضرت ہاجرہ ابھی تلاش ہی میں اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں کہ وہ دیکھتی ہیں کہ جہاں حضرت اسماعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ یہ وہی زم زم ہے کہ جس کو پینے کی سعادت آپ وہاں جا کر حاصل کریں گے۔ یہ سعی صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ابراہیمؑ کے اس امتحان کی یادگار ہے۔ یہ چیزیں میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ ہماری زندگی میں بھی قدم قدم پر امتحانات ہیں۔ ہماری زندگی کیا ہے؟ اس کے متعلق سورۃ الملک میں فرمایا گیا: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط ہمیں بھی زندگی کے ہر موڑ پر دوراہا ملتا ہے کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے۔ اب ہمارے معاشرہ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس امتحان میں اچھے اچھے لوگ ناکام ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم حج پر جا کر حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے ان واقعات کی صرف یاد منا لیں تو اس سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں ہو گا۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہمیں ان کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔

حضرت اسماعیلؑ قریباً تیرہ برس کے ہو گئے ہیں بوڑھا باپ اپنے جوان ہوتے ہوئے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہا ہے کہ اس وقت دل کو چھید جانے والے امتحان کا حکم ہوتا ہے کہ اپنے اس لختِ جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر دو۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں اس واقعہ کی تصویر کشی اس انداز سے کی گئی ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ "اور جب وہ (ابراہیم کے ساتھ) بھاگ دوڑ کے قابل ہوئے" تب ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ میں اسماعیلؑ کو ذبح کر رہا ہوں، ایک دن خواب دیکھا پریشان ہوئے پھر دوسرے دن تیسرے دن یہی خواب دیکھا اس لئے قرآن مجید میں آیا ہے: یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط "میں خواب میں متواتر یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تم اب ذرا سوچو اور غور و فکر کر کے بتلاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے"۔ حضرت اسماعیلؑ کے جواب کو اللہ تعالیٰ نے ابدالآباد تک کے لئے محفوظ کر دیا انہوں نے فرمایا: قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ہ "ابا جان کر گزرئیے جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے۔ ان شاءَ

اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے" آگے ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ "جب باپ بیٹے دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا" یہاں یہ بات بڑی قابلِ غور ہے کہ ذبح کرتے وقت تو چہرے کو سامنے کیا جاتا ہے تاکہ گردن کا نرم حصہ سامنے رہے لیکن حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو جو الٹا لٹایا اس میں حکمت یہ تھی کہ بیٹے کی نگاہ سامنے نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری کہیں جوش میں آجائے اور ہاتھ میں قوت نہ رہے اور اطاعتِ خداوندی میں لغزش آجائے۔ ابھی وہ اپنے نورِ نظر کی گردن پر چھری پھیرنے والے ہی تھے کہ: وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا "پھر ہم نے پکارا اور کہا کہ اے ابراہیمؑ! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا" اس سے آگے فرمایا: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ یہ وہ ذبحِ عظیم ہے جس کی یاد ہم ہر سال مناتے ہیں اور اب تو یہ صرف ایک رسم بن کر رہ گئی ہے! اگر ہم اپنے جذبات کو اللہ کے حکم کے آگے قربان نہ کر سکے، اپنے معاملات کو اللہ کے احکامات کے تابع نہ کر سکے اس طرح ہم اپنی دنیاوی خواہشات کو آخرت کے مقابلہ میں قربان نہ کر سکے تو پھر اس کے کوئی معنی نہیں ہے۔ بقول اقبال مرحوم:

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

جیسے کہ ہم نے نماز کو ایک رسم بنا لیا ہے، اسی طرح روزہ کو بھی رسم بنا لیا ہے، کیونکہ روزہ کی جو اصل غرض و غایت ہے وہ تو ہماری آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑتا اور اسی طرح جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو کوئی احتیاج نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے ایسے شخص نے روزہ نہیں رکھا بلکہ اس نے فاقہ کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ ایک اندازہ کے مطابق سوا لاکھ صحابہ کرامؓ کا اجتماع تھا۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے مسلمانو! اب دین کی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر آگئی ہے۔ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ اب تمہیں یہ پیغام سارے عالم میں پہنچانا ہے۔ میں نے اللہ کے دین کو جزیرہ نمائے عرب میں غالب کر دیا ہے اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کو پورے کرۂ ارضی پر غالب کر دو۔ تو آپ حضرات

کو معلوم ہے کہ اس سوا لاکھ کی تعداد نے چوبیس برس کی قلیل مدت میں بحرِ الکاہل کے ساحل سے لے کر افریقہ کے مغربی ساحل تک اور افریقہ کے مغربی ساحل سے لے کر مکران کے علاقے تک اور افغانستان سے روسی ترکستان تک کے علاقے فتح کئے۔ اور یہاں پر اللہ کے دین کو نافذ کر دیا۔ ان حضرات نے قربانیاں دیں، محنتیں کیں، اللہ کے دین کے لئے اپنی جان مال اور اولاد کو لگا دیا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کا دین غالب ہوا۔ آج ہمارے حج کے موقع پر تیس تیس لاکھ کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا دنیا میں کوئی اثر نہیں ہوتا ——— لوگ جیسے جاتے ہیں ویسے ہی واپس آتے ہیں، حج کا ہماری سیرت و کردار پہ کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ہم نے صرف رسم بنا لیا ہے۔ اس کی اصل غرض و غایت نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ آپ حضرات ایک کثیر رقم خرچ کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ سفر کی مشقتیں جھیلیں گے اپنے گھروں کی آسائشوں کو چھوڑیں گے۔ سفر کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: السفر قطعۃ من العذاب. لیکن سفرِ حج کے موقع پر یہ تکالیف اور بھی زائد ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی پڑی ہوتی ہے اس لئے بعض دفعہ جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں، بدگمانیاں بھی ہوتی ہیں، بدقسمتی سے آج سے پہلے ہمارے یہاں کوئی نظم نہیں تھا اب تو پھر بھی گروپ کی شکل میں جاتے ہیں۔ کسی کو لیڈر بناتے ہیں۔ جب یہ شکل نہ تھی تو جھگڑے ہی جھگڑے تھے۔ اکثر و بیشتر یہ ہوتا تھا کہ دو انتہائی قریبی دوست بڑے ذوق و شوق کے ساتھ حج کے لئے جاتے تھے مگر واپسی پر ان کے دل پھٹے ہوئے ہوتے تھے اور وہ ایک دوسرے سے بدظن ہو جاتے تھے۔ یہ ہمارا اپنا مشاہدہ رہا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جو مقصد تھا وہ سامنے نہ رہا۔ اور جب مقصد سامنے نہ ہو گا تو پھر کئی مواقع ایسے آئیں گے کہ جھگڑے خود بخود کھڑے ہو جائیں گے۔ مثلاً بس میں سفر ہے جو شخص کھڑکی کے ساتھ بیٹھے گا اس کو زیادہ آرام ملے گا اس کی نسبت سے جو درمیان میں بیٹھے گا۔ اب اس بات پہ دل میں میل آ جائے گا کہ کون کھڑکی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ بعینہٖ یہی بات سامنے آتی ہے جو کہ حالی نے کہی تھی ؎

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

تو یہ چیزیں یہاں بہت نمایاں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج جو پہلی آیت پڑھی ہے

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ ان باتوں سے حج میں اجتناب کرنا ہے۔ پہلے سے آپ حضرات اس بات کا عزم مصمم کرلیں کہ کسی قسم کا آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ اپنا حق دوسرں کو دیں گے اور اپنے حق کے لئے کبھی دوسرے سے نہیں لڑیں گے۔ اب تو آپ حضرات انشاء اللہ ایک امیر کی امارت میں سفر کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو شخص بھی سفر میں نکلیں تو ان میں سے ایک کو امیر بنالیں۔ امیر کا مطلب ہوتا ہے صاحب امر۔ امیر کو مشورہ تو دیا جا سکتا ہے لیکن اس پر کوئی مشورہ ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ آپ اپنا مشورہ اپنی رائے دیدیں اس کے بعد آپ فارغ ہیں۔ اب امیر کا کام ہے کہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ اس کے فیصلے پر اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کیجئے بلکہ یہ سوچئے کہ اس کو تو میں نے اپنا امیر مانا ہے اس کا ہر فیصلہ خوش دلی سے قبول کرنا ہے۔ اگر امیر کوئی کوتاہی کریگا نا انصافی کرے گا تو اللہ کے یہاں وہ جواب دہ ہوگا۔ اگر ہم خواہ مخواہ اس کے ساتھ جھگڑیں گے تو جو ہم نے معاہدہ کیا ہے اس کی خلاف ورزی کریں گے۔ اس سفر میں جو بھی روحانی و اخلاقی ترقی ہو اُس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں —

اب میں آپ حضرات کو ایک اہم بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کی آپ شدت سے پابندی کریں۔ الحج کے احکامات کے متعلق فرمایا: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ایک تو یہ کہ حج میں مرد اور عورتیں گڈمڈ ہوجاتی ہیں۔ طواف اور رمی جمرات میں مرد اور عورتوں کی علیحدگی کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے اور یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب کہ شیطان کو انسان کے اندر شہوت کا جذبہ اُبھارنے کا موقع ملتا ہے اس سے امکانی حد تک اپنے آپ کو بچانا ہے اپنی نگاہوں کو نیچے رکھنا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ عورتیں احرام میں ہونگی جس کی وجہ سے ان کے چہرے کھلے ہوں گے۔ اس لئے امتحان کڑا ہوجاتا ہے اس لئے فرمایا۔ فَلَا رَفَثَ کوئی شہوت کی بات نہ کریں کہ جس سے جنسی تحریک پیدا ہو۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ایک نوجوان صحابی بھی تھے۔ کچھ خواتین کا ادھر سے گذر ہوا جو کہ احرام میں تھیں۔ ان کے چہرے کھلے ہوتے تھے۔ ان صحابی کی نگاہ ایک خاتون کے چہرہ پر جم گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے چہرے کو پھیر

دیا ۔ اور فرمایا کہ پہلی مرتبہ اتفاقاً نگاہ پڑ جائے تو مواخذہ نہیں ۔ مگر نامحرم کو
دیکھنا جائز نہیں ۔ آپ حضرات اس بات کی طرف خاص خیال رکھیں ۔ کہ کسی نامحرم کی
نہ دیکھیں ۔ دوسرے آپ اس بات کا بھی عزم کرلیں کہ وہاں کسی سے بھی نہیں جھگڑیں
اپنی مرضی یا مزاج کے خلاف اگر کوئی بات دیکھیں تو اس سے درگزر کریں اور اپنے آپ
قابو رکھیں ۔ تیسرے یہ کہ آپ جہاں جا رہے ہیں ۔ وہاں کافی مارکیٹیں ہیں اور چونکہ و
کسٹم وغیرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے چیزیں سستی مل جاتی ہیں ۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر
مارکیٹوں میں چیزوں کی بھاؤ وغیرہ معلوم کرتے رہتے ہیں اور پھر آپس میں بھی بیٹھ
پر تبادلہ خیال کرتے ہیں ، جس کی وجہ سے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ اس کام میں
ہوجاتا ہے ۔ حالانکہ وہاں کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور بعض عبادتیں تو ایسی ہیں جو
اور صرف اسی جگہ کے ساتھ خاص ہیں اور وہ دنیا کے کسی اور گوشے میں ادا نہیں
مثلاً طواف ہے یہ صرف اس گھر کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اور وہاں کی سب سے افض
بھی یہی ہے ۔ اسی لئے آپ کو چاہیئے کہ جتنے طواف بھی کر سکیں کریں ۔ اگر تھک
تو بیٹھ کر خانہ کعبہ کو محبت تعظیم اور احترام سے دیکھنا بھی عبادت ہے ۔

یہاں میں آپ کو اپنا ایک تاثر بھی بیان کردوں گا کہ جب میں پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء
حج پر گیا تھا تو جب میں نے مسجد حرام کا باہر کا نقشہ دیکھا کہ ساری کی ساری دیواریں
کی بنی ہوئی ہیں تو مجھ پر اچھا اثر نہیں پڑا ۔ میں آپ کو سچ سچ بتاؤں کہ الٹا ردعمل
میں نے کہا کسی والڈ سٹریٹ کا بہت بڑا بنک بھی اس عمارت سے اچھا بنا ہوا نہیں ہو
لیکن اندر جا کر جب اس گھر پر نظر پڑی جس کی سادگی آج بھی وہی ہے جو کہ آج سے چو
برس پہلے تھی ۔ وہی ایک سیاہ کپڑا اس کو ڈھانپے ہوئے ہے ۔ اس میں کہیں کوئی
نہیں ۔ اس گھر پر نظر پڑتے ہی انسان کی کیفیت بدل جاتی ہے ۔ خانہ کعبہ کو دیکھنے کے
کی ایک خاص دعا ہے آپ حضرات اس کو یاد کریں ۔ آپ کی زبان پر اس وقت اس
آجانا ہی درحقیقت یہ سب سے پہلی برکت ہوگی جو آپ کو حاصل ہوگی ۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سعودی عرب کی حکومت اس حکم کی بڑی احسن طریقے سے تعمیل
ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو دیا تھا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ
میرے گھر کو پاک و صاف رکھو ۔ پاک و صاف رکھنے میں ایک اس کی باطنی پاکی ہے

شرک سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور ایک اس کی ظاہری پاکی اور صفائی ہے کہ وہاں گندگی نہ ہو اور صفائی ستھرائی کا پورا پورا اہتمام ہو تاکہ کوئی شخص جائے تو اس کی طبیعت میں انقباض نہ ہو۔

اس بیت اللہ کے اندر جو روحانی عظمت ہے اس کا اصل ادراک تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنکی باطنی آنکھیں کھلی ہوں لیکن کچھ نہ کچھ ہمیں اپنی آنکھوں سے بھی نظر آتا ہے کہ اس میں کوئی شے ہے جو کہ ہمیں کھینچتی ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ ہم اس کو الفاظ میں بیان نہ کر سکیں کہ وہ کیا چیز ہے۔

مناسکِ حج میں سے جہاں تک طوافِ بیت اللہ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تو صرف مکہ مکرمہ ہی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قربانی کو عید الاضحیٰ کی صورت میں روئے زمین کے ان تمام لوگوں کے لئے عام کر دیا گیا جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کر کے گویا ابراہیمؑ ہی کی معنوی ذریت میں شامل ہو گئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کا کوئی صُلبی و نسلی تعلق ان سے ہے یا نہیں۔ چنانچہ ایک روایت کی رو سے جسے زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد ابن حنبل اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے اپنی اپنی مسند میں نقل کیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟" تو جواباً آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنّت ہے!" ـــــ گویا بھیڑوں، بکریوں، گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی ہے اطاعت و فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد اور اس پر مداومت و استقامت کی اس روح کے لئے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری و ساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متذکرہ بالا آیات کے متصلاً بعد ہی متنبہ فرما دیا گیا تھا کہ:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا	اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت
دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ	یا خون، ہاں اس تک رسائی ہے
التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)	تمہارے تقویٰ کی۔

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے جس کا مرثیہ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی　　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اسی طرح قربانی کی رُوح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم وخیال سے بھی غائب ہوچکی ہے اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر صرف ایک قومی تہوار کی یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے لیکن وہ رُوحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے!

بقول علّامہ اقبال مرحوم

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے　　　وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج　　　یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کرسکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عیدِ قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزمِ مصمّم کرلیں کہ اپنا تن، من، دھن اسی کی رضا پہ قربان کردیں گے — گویا بقولِ شاعر ؏

"میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے"

اور بفحوائے الفاظِ قرآنی:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○
لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ○

حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ افراد کا اتنا نتیجہ خیز اجتماع ہوا کہ چوبیس برس کے اندر اندر دنیا میں انقلاب آگیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات بھی حج سے واپسی پر اپنی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کرکے آئیں۔ صحابہ کرامؓ کو یہ احساس شدت سے تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری اپنے شانوں سے اتار کر اب ہمارے کندھوں پر رکھ دی ہے۔ میں آپ حضرات کو وہ پورا نقشہ بتانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے اندر بھی کوئی احساس پیدا ہو۔ حجۃ الوداع میں جب حضورؐ نے اپنا خطبہ ختم کرلیا تو آخر میں ایک سوال کیا۔ هَلْ بَلَّغْتُ؟ لوگو! کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے کہ نہیں؟ تو پورے مجمع نے ایک زبان ہو کر جواب دیا ہاں حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حقِ تبلیغ ادا کردیا، حق

نصیحت ادا کر دیا، حقِ امانت ادا کر دیا۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی سوال کیا اور تینوں مرتبہ مجمع نے یہی جواب دیا۔ پھر روایات میں آتا ہے حضورؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور بارگاہ خداوندی میں تین مرتبہ عرض کی: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ کہ آج وہ بارِ گراں میرے کندھوں سے اتر کر ان کے کندھوں پر آگیا ہے۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے پہنچا دیا۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔ سب سے آخری جملہ جو آپؐ نے فرمایا وہ وہ ہے جو کہ ہر صحابی نے اپنے پلے باندھ لیا وہ یہ تھا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ "اب لازم ہے ہر اس شخص پر جو کہ یہاں موجود ہے کہ پہنچائے یہ پیغام ان سب کو جو کہ یہاں موجود نہیں ہیں"۔ اس لئے کہ میں صرف تمہاری طرف رسول بن کر نہیں آیا بلکہ میں تو پورے کرۂ ارضی کے لئے رسول بن کر آیا ہوں۔

———— اے محمدؐ! ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر۔ لیکن میں نے تو ابھی تم تک پہنچایا ہے — (ظاہر بات ہے کہ ابھی ہندوستان تک حضورؐ کا پیغام نہیں آیا تھا۔ اسی طرح روس اور سائبریا کے لوگوں تک پیغام نہیں پہنچا تھا۔ یورپ اور افریقہ کے لوگوں پر بھی ابھی تک اتمام حجّت نہیں ہوا تھا — حضورؐ نے تو ابھی صرف چند بادشاہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے تھے) — اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس پیغام کو نوعِ انسانی کے ہر ہر فرد تک پہنچاؤ۔ خدا کرے کہ آپ میں سے ہر شخص کو احساسِ ذمّہ داری عطا فرمائے۔

آپ حضرات سفرِ حج پر روانہ ہونے والے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حج مبرور کی توفیق عطا فرمائیں۔ حج مبرور وہ حج ہے کہ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین اعمال ایسے ہیں کہ جن سے سابقہ زندگی کے تمام گناہ صاف ہوجاتے ہیں پہلا عمل کفر سے اسلام میں داخل ہونا ہے۔ یعنی پہلے کافر تھا اب مسلمان ہوگیا اس سے سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ دوسرا عمل اللہ کے لئے ہجرت ہے۔ یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے گھر بار، وطن اور اہل و عیال کو چھوڑ دینا۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ کے درندہ صفت انسانوں کے حوالہ کرکے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، اور انہیں بخوبی علم تھا کہ مکہ والے ان کے بیوی بچوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے — آخر وہی ہوا کہ مکہ والوں نے ان کے مال و اسباب اور

گھروں کو لوٹ لیا۔ تیسرا عمل جس سے کہ زندگی کے سابقہ گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں وہ حجِ مبرور ہے یعنی وہ حج جو کہ اللہ کے یہاں قبول ہو جاتے۔ اس حج مبرور میں شرط یہ ہے کہ آپ کی نیت درست ہو۔ اس میں ریاکاری نہ ہو۔ سفرِ حج اور دوسری ضروریات میں جو روپیہ خرچ کر رہا ہو وہ جائز ذرائع سے کمایا گیا ہو۔ اور آئندہ کے لئے عزم مصمم کریں کہ آپ کی کمائی میں کبھی کوئی حرام پیسہ شامل نہ ہوگا اور اپنے پہلے کے اعمال پر اللہ سے توبہ کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں۔ آپ توبہ اس طرح کریں کہ اپنے پچھلے گناہوں پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے پکا ارادہ کریں کہ کوئی گناہ نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ لوگوں کے جو حقوق غصب کئے ہیں ان کو ان کا حق لوٹا دیں، اور جن جن کے حق آپ کے ذمّہ میں ہوں ان کو ادا کر دیں۔ بہنوں کی اگر میراث وصول کر لی ہے تو اس کو واپس کرنے کی فکر کریں۔ اور آخری شرط میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں وہ یہ کہ: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ یہ پورا سفرِ حج آپ کا اس شان سے گزرے کہ اس میں کوئی معصیت یا گناہ نہ کیا ہو۔ کسی سے جھگڑا نہ کیا ہو۔ کسی کی دل آزاری نہ کی ہو۔ کسی سے تلخ کلامی نہ کی ہو۔ اپنے حقوق کی دست برداری کے لئے تیار ہوں۔ اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لیے تیار رہیں۔ ارکان حج میں سے آپ جس رکن کو بھی ادا کر رہے ہوں پورے ادب و احترام سے کریں، اور معلّمین وغیرہ کے رویّہ سے بددل نہ ہوں۔ وہ لوگ تو کاروباری حضرات ہیں اور جو کچھ کاروباری حضرات میں ہوتا ہے وہ سب کچھ ہوتا ہے اس لئے ان کے افعال و اعمال سے صرفِ نظر کریں۔

آپ کی زندگیوں میں ایک انقلاب بپا ہوگا اور ہر ایک اللہ کے دین کا سپاہی بن جائے گا۔ اور ہر ایک یہ سمجھے گا کہ یہ دین میرے پاس ایک امانت ہے، اور اسے تمام انسانوں تک پہنچانا میری ذمّہ داری ہے۔ آپ کی زندگی کی بھاگ دوڑ بدل جائیگی۔

آخر میں مَیں ایک اور اہم بات کی طرف اشارہ کر دوں کہ اصل میں حج نام ہے "وقوفِ عرفہ" کا۔ اگر حج کے ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو اس کی تلافی کفارہ وغیرہ سے پوری کر دی جا سکتی ہے مگر جس کا "وقوفِ عرفہ" رہ گیا اس کا حج نہیں ہوا۔ "وقوفِ عرفہ" زوال کے بعد سے شروع ہو کر غروب آفتاب کے بعد تک ہے، اور اس دوران میں تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب آتی ہیں۔ لیکن ظہر اور عصر کی نماز میدان عرفات سے باہر کسی

مسجد میں پڑھ کر میدان عرفات میں داخل ہوتے تھے ۔ اسی طرح مغرب کی نماز بھی یہاں نہیں پڑھ سکتے بلکہ مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر مزدلفہ میں پڑھیں گے وقوفِ عرفہ کی اصل عبادت دعا ہے ۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ کتابیں کھول کھول کر دعائیں پڑھتے رہتے ہیں ۔ یہ دعا مانگنا تو نہ ہوا ۔ بلکہ دعا کی تلاوت ہو گئی ۔ دعا کی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اپنے دل کی گہرائیوں سے اللہ سے ہمکلام ہو کر کچھ مانگ رہے ہوں ۔ تو جو دعائیں آپ کو یاد ہوں وہ پڑھیں ۔ ایک دعا جو کہ آپ میں سے ہر ایک کو یاد بھی ہو گی وہ آپ کو طواف کے ہر چکر میں رکنِ یمانی سے لے کر حجرِ اسود تک کے درمیان میں مانگنی ہے وہ ایک جامع دعا ہے ۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اس کے علاوہ آپ جو چاہیں دعا مانگیں ۔ اور یہ سارا وقت دعائیں مانگنے کے لئے ہے ۔ اگر خدانخواستہ کیفیت ایسی ہو جائے کہ سب کچھ مانگ بیٹھا ۔ اب کیا مانگوں اور سمجھ میں نہیں آ رہا تو تلاوتِ قرآن مجید شروع کر دیں ۔ اور یہ سارا وقت اسی میں گزاریں ۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ میرے لئے ہر جگہ دعا کیجئے اس کے ساتھ دین کی جس خدمت کے لئے میں نے اور میرے ساتھیوں نے کمر کس لی ہے اس پر استقامت کے لئے اللہ سے دعا کریں ۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو دین کا سپاہی بنائے آمین ۔

بقیہ : عظمتِ قرآن

سامان دوسروں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے' لیکن اس امت کے لئے یہ اُس وقت مفید ہو گا جب یہ اپنے مرکز کے ساتھ بھی وابستہ ہو جائے۔ اور ہمارا مرکز' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں قرآن ہے۔ ہمارے اتحاد کی اگر کوئی بنیاد ہے تو قرآن ہے۔ ہمارے عروج و بلندی کے لئے اگر کوئی زینہ ہے تو قرآن ہے۔ اور ذلت و رسوائی سے نجات کا کوئی راستہ ہے تو قرآن ہے۔ ہماری قسمت اسی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کوئی راستہ کھلے گا تو اسی کے ذریعے سے کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب کو حرزِ جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے جو جملہ حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں' ان کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ **اقول قولی هذا واستغفر الله لی و لکم و لسائر المسلمین والمسلمات۔**

افہام وتفہیم

جامع القرآن‘ قرآن اکیڈمی کے ۱۹ مئی کے ہفتہ وار درس قرآن کے پروگرام میں
شرکاءِ درس کے سوالات اور امیر تنظیم کے جوابات

○ ۔ س ۔ ایک حدیث مبارکہ میں نہی عن المنکر کے ضمن میں فرمایا گیا ہے کہ: ”مَنْ رَاٰی مِنکُم مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ... الی الاخر“۔ اس بات کے جاننے کی خواہش ہے کہ آپ کی تنظیم اسلامی اس سلسلے میں کیا کر رہی ہے؟ (عبداللہ)

☆ ۔ ج ۔ اس حدیث میں حضورؐ نے نہی عن المنکر کے تین درجے بیان کئے ہیں۔ بدی کے خلاف جدوجہد میں سب سے اونچا درجہ ”بیدہ“ کا ہے۔ یعنی اسے دیکھنے والا اسے اپنے زورِ بازو سے روک دے‘ طاقت کے ساتھ برائی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن ”فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ“ اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو: ”فَبِلِسَانِہٖ“ تو پھر اپنی زبان سے۔ ”فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ“ اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو یا حالات سازگار نہ ہوں: ”فَبِقَلْبِہٖ“ تو دل سے برائی سے نفرت ضرور کرے۔ ”وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ“ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں ہمارے سامنے بالفعل جو شکل آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کو جہاں اختیار حاصل ہے‘ وہاں تو اسے اسی وقت طاقت کے ساتھ بدی کو روکنا ہے۔ اپنے وجود پر اختیار حاصل ہے‘ لہٰذا طاقت سے نفس کو روکنا ہوگا۔ بمصداق الفاظ قرآنی: وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ”اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا“۔ اسی طریقے سے آپ اپنے گھر میں سربراہ ہیں‘ وہاں کوئی بدی نہ ہونے دیں اور اسے طاقت کے ساتھ روکیں ———— اور جہاں آپ کے پاس طاقت اور اختیار نہیں ہے وہاں آپ طاقت فراہم کرنے کی کوشش کریں۔

اب پورے معاشرے میں بدی کو روکنے کے لئے جو ایک اجتماعی طاقت درکار ہے‘ وہ ایک منظم جماعت یا تنظیم کی صورت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے‘ جو ایسے افراد پر مشتمل

ہو جو پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر سے برائیوں کو دور کریں۔ اور اگر وہ یہ نہیں کرتے اور جا کر باطل سے سر پھٹول کرتے ہیں تو پھر یہ منافقت ہے۔ اپنی ذات اور گھر سے بدی کو دُور کرنے والے ایسے افراد مل جل کر ایک طاقت و قوت بنیں۔ ایک حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی بنیں جو تربیت یافتہ اور منظّم ہوں اور جیسے جیسے بدی کے خلاف طاقت فراہم ہو اسی درجے میں بدی کو روکنا شروع کر دیں۔ اور جب تک مطلوبہ قوت میسر نہ آئے اس وقت تک "باللّسان" کے درجے میں نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ لوگوں کو زبان اور قلم سے برائیوں سے روکتے اور منع کرتے رہیں کہ دیکھو یہ برائی ہے' اسے چھوڑ دو! جیسے ہم کہتے ہیں کہ سُود حرام ہے' شریعت بل کے اندر اس کا جواز مت فراہم کرو! یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے!! یہ سب کچھ کہتے رہیں گے' لیکن ہمارے پاس طاقت تو نہیں ہے کہ ہم اسے روک سکیں۔ اس لحاظ سے اِس وقت ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہم زبان سے برائی کے خلاف آواز اٹھاتے رہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جو افراد ملتے جائیں انہیں جمع کرتے جائیں' منظّم کرتے جائیں' ان کی تربیت کرتے جائیں اور اس طرح جب یہ ایک طاقت بن جائیں تو انہیں پھر باطل سے ٹکرا دیا جائے کہ یہ برائی ہم نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے لئے ہم پکٹنگ (Picketing) کریں گے' پرامن مظاہرے کریں گے۔ اور اس میں اگر ہم پر تشدد ہوا تو برداشت کریں گے' لاٹھی چارج ہوگا تو جھیلیں گے' گولیاں چلیں تو کھائیں گے اور موت کو خوش آمدید کہیں گے۔ لیکن اس سے پہلے اس طاقت کو وجود میں لانا ضروری ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔

یہ بات بظاہر بزدلی کی معلوم ہوتی ہے' مگر میں اس کا جواب سیرت النبیؐ کے حوالے سے آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ کیا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بزدلی یا کم ہمتی کا شبہ کیا جا سکتا ہے؟ مگر آپؐ نے کیا لائحہ عمل اختیار کیا؟ زبان سے تو پہلے دن سے کہا کہ یہ بُت باطل ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں' لیکن فوری طور پر بتوں کو توڑا نہیں۔ جب تک جمعیت فراہم نہیں ہوگئی ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپؐ اسی خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہے جس میں بُت بھی رکھے ہوئے تھے اور تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے اسی حرم میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھیں جہاں چاروں اطراف میں بت رکھے ہوئے تھے۔ وحی کے

آغاز کے بعد پورے تیرہ برس آپؐ نے اسی کیفیت میں گزارے۔ آپؐ نے ' معاذ اللہ ' بت پرستی نہیں کی ' اور نہ ہی وحی سے پہلے کی تھی۔ نبی تو پیدائشی معصوم ہوتے ہیں اور اللہ انہیں بدی سے بچاتا ہے۔ تو آپؐ نے تیرہ برس تک دعوت دی اور نہی عن المنکر کا فریضہ باللّسان سرانجام دیا۔ زبانی دعوت اور تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو جمع کیا۔ جو خود بُت پرستی سے تائب ہو گئے ان کو ایک طاقت بنایا۔ انہیں حزب اللہ بنایا۔

"اُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

پھر اس طاقت کا باطل کے ساتھ مسلح تصادم بھی کرایا۔ بدر و احد کے معرکے بھی ہوئے اور پھر آپؐ جب فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو آپؐ نے بیت اللہ میں داخل ہو کر پہلا کام یہ فرمایا کہ ان بتوں کو توڑ دیا۔

ہمارے لئے یہ بڑی روشن مثال ہے کہ "نہی عن المنکر بالید" کا مرحلہ کونسا ہے اور "باللّسان" کا مرحلہ کونسا ہے۔ جب تک مطلوبہ جمعیت اور طاقت فراہم نہیں ہوتی ' تب تک یہ تنظیم اپنے افراد کی اصلاح کرتی رہے اور "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا" کے قرآنی الفاظ پر عمل کرتی رہے۔ اور اگر یہ خود تو "قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا" کی عملی تصویر ہو اور بدی کے خلاف جہاد کرنے کے لئے سڑکوں پر آ جائے تو یہ طریقہ عقل و منطق کے بھی خلاف ہے اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھی متعارض ہے۔ ہم اس وقت نہی عن المنکر باللّسان کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دیئے رکھے اور ہمیں اس سے بچائے کہ ہم کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے زبان کو بند رکھیں۔ البتہ یہ ساری دعوت اور تنظیم اس مقصد کے لئے ہے کہ ایک قوت فراہم ہو جائے ' پھر ہم للکاریں گے اور چیلنج کریں گے کہ یہ منکر ہے اور ہمارے جیتے جی یہ کام نہیں ہو گا!!

○ ۔ س ۔ بندہ اپنی زندگی خیر و شر کی جدوجہد میں گزارتا ہے اور آخری لمحے تک اس جنگ سے گزرتا ہے۔ کیا موت سے پہلے انسان پر کبھی یہ حقیقت آشکار ہو سکتی ہے کہ وہ دنیا سے کیا لے کر جا رہا ہے؟ (غلام محمد بھٹی)

☆ ۔ ج ۔ اس سوال کا جواب سورۃ قیامہ میں بہت صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ انسان اپنے بارے میں خوب جانتا ہے: "بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ"۔ انسان کو اپنے

نفس پر پوری بصیرت حاصل ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں کیا ہوں اور کتنے پانی میں ہوں۔ "وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ" چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔ وہ دوسروں کی زبان بند کرنے کے لئے بہانے بنا سکتا ہے، جھوٹ بول سکتا ہے اور اپنے اعمال کی عقلی توجیہات بیان کر سکتا ہے۔ مگر جس وقت انسان ان طریقوں سے دوسروں کی زبان بند کر دیتا ہے اس وقت بھی اس کا ضمیر (Conscience) اندر سے اسے ملامت کرتا ہے کہ نہیں، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے یہ عمل اسی ارادے سے کیا تھا جس کی تم نفی کر رہے ہو۔ تمہارا مقصد خیر نہیں بلکہ شر تھا۔ اسی نفسِ ملامت گر کی سورۂ قیامہ میں قسم کھائی گئی ہے:
"لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○"

انسان اگر رات کی تاریکیوں میں دروں بینی کرے اور تنہائیوں میں غور کرے تو اس پر یہ بات پوری طرح منکشف ہو جائے گی کہ میں کہاں کھڑا ہوں اور کتنے پانی میں ہوں!۔ قرآن میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ لوگ جب میدانِ حشر میں کھڑے ہوئے ہوں گے تو ان کا انجام ان کے چہروں پر لکھا ہوا ہوگا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ "اور بہت سے چہرے اس روز غبار آلود ہوں گے اور مایوسی کی سیاہی ان پر چھائی ہوئی ہوگی"۔ ایسا کیوں ہوگا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ ہائی اسکول میں جس روز رزلٹ نکلنا ہوتا ہے تو اسے سننے کے لئے سب کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کے چہرے پر نتیجہ تو لکھا ہوتا ہے! جو فیل ہے اسے معلوم ہے کہ میں نے امتحان میں کیا کیا تھا اور جو پاس ہے اسے بھی پتہ ہے۔ آج کے مروجہ غلط طریقوں کی وجہ سے کوئی طالب علم اپنے پاس ہونے کی امید کر رہا ہو تو یہ دوسری بات ہے لیکن جب تک یہ طریقے رائج نہیں تھے تو واقعہ یہ ہے کہ ہر بچے کے چہرے پر لکھا ہوتا تھا کہ یہ فیل ہو رہا ہے یا پاس!۔ اور جو زیادہ ہوشیار تھے، انہیں فکر یہ ہوتی تھی کہ فرسٹ آ رہا ہوں یا نہیں!۔۔۔ اسے اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا کہ میں فیل ہو جاؤں گا۔

اسی سے عذابِ قبر کی توجیہہ بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ حساب کتاب اور اللہ کی طرف سے رزلٹ تو یوم القیٰمۃ کو ڈکلیئر ہوگا لیکن عالمِ برزخ کی زندگی میں اس کا ایک عکس پڑتا رہتا ہے۔ انگریزی میں کہتے ہیں کہ:

"Coming events cast their shadows before."

تو قیامت میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا ایک عکس عالمِ برزخ میں پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث میں اسے یوں تعبیر کیا گیا کہ "قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے' یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے"۔ یا یہ فرمایا گیا کہ "قبر میں جنت یا جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے' جس سے یا تو جنت کی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں یا جہنم کی لو یا آگ کی لپٹ آتی ہے"۔ یہ اس لئے کہ انسان کو خود پتہ ہے کہ میں کیا کر کے آیا ہوں!

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۰
شمارہ :	۷
ذوالحجہ	۱۴۱۱ھ
جولائی	۱۹۹۱ء
فی شمارہ	۵/-
سالانہ زرتعاون	۵۰/-

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات۔	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔	۶۔ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹۔ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲۔ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

"حاکمیتِ خداوندی اور حاکمیتِ جمہور یا بالادستیٔ پارلیمنٹ کی بحث کو ختم کرنے کے لئے مناسب ہے کہ ہم 'جمہوریت' کی بجائے اصل اسلامی اصطلاح 'خلافت' کا استعمال عام کریں"۔ یہ اس اشتہار کا مضمون ہے جو امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ۵ر جولائی کے خطابِ جمعہ کے لئے اخبارات میں اشاعت کے لئے تجویز فرمایا اور جو یقیناً رفقاء و احباب کی نظر سے گزرا ہوگا۔ جمہوریت کی بجائے آئندہ خلافت کی اصطلاح کو اختیار کرنے کی بات امیرِ تنظیم کی جانب سے اولاً قرآن اکیڈمی کراچی میں ۱۴ر جون کے خطاب جمعہ میں اجمالاً سامنے آئی تھی۔ پھر ۲۸ر جون کے خطاب جمعہ میں جو قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع مسجد میں ہوا' امیر تنظیم نے اس بات کا اعادہ فرمایا۔ تاہم یہاں بھی یہ مضمون اجمالاً ہی بیان ہو سکا۔ امیر محترم کے اس بیان پر رفقاء و احباب کا کچھ ملا جلا سا ردِ عمل سامنے آیا۔ بعض نے اس کی تحسین کی اور اسے صحیح سمت میں ایک پیش رفت قرار دیا' بعض نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے اصولی موقف میں ایک تبدیلی سے تعبیر کیا اور بعض اس بنا پر شش و پنج میں رہے کہ امیر تنظیم کی بات ابھی تک وضاحت سے سامنے نہیں آسکی تھی ------ الحمدللہ کہ ۵ر جولائی کے خطاب جمعہ میں امیر محترم نے نہایت مفصل انداز میں اپنی بات شرکاءِ اجتماع کے سامنے رکھی ہے اور راقم کو یقین ہے کہ امیر محترم کی اس تقریر کے بعد شکوک و شبہات کے وہ بادل چھٹ چکے ہیں جو بعض رفقاء کے ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے اور امیر تنظیم کا موقف بالکل نکھر کر سامنے آگیا ہے۔ امیر محترم نے واضح کیا کہ ہم اسلامی انقلاب کے نتیجے میں جس طرز کے نظامِ حکومت کے قیام کی بات کرتے ہیں اس کے لئے اسلامی جمہوریت کی بجائے خلافتِ عامّہ کی اصطلاح ہر اعتبار سے زیادہ موزوں بھی ہے اور مناسب بھی' اور اگر ہم فی الواقع پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواہاں ہیں تو جمہوریت کی بجائے نظامِ خلافت کو رائج کرنا ہمارے پیش نظر ہونا چاہئے۔

لفظ جمہوریت کے ساتھ حاکمیتِ عوام کا تصور لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ

اسلام میں غیر اللہ کی حاکمیت کا کوئی تصور سرے سے موجود نہیں۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ حاکمیت تو کُل کی کُل اللہ کی ہے۔ چنانچہ جب ہم اسلامی جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمیں یہ وضاحتیں پیش کرنا پڑتی ہیں کہ جمہوریت سے ہماری مراد مغرب سے درآمد شدہ مادر پدر آزاد جمہوریت نہیں ہے جو عوام کی حاکمیتِ مطلقہ کے تصور پر مبنی ہے بلکہ اسلامی جمہوریت میں حاکمیت کا اصل اختیار اللہ ہی کو ہوگا' کتاب و سنت کو مکمل بالادستی حاصل ہوگی' اللہ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ حدود کی پابندی لازم ہوگی' ہاں اس سے نیچے نیچے مباحات کے دائرے میں ہمیں آزادی ہوگی کہ باہم مشورے سے قانون سازی کر سکیں گے' وغیرہ۔ اس وضاحت اور تشریح کے بعد بھی یہ بحث تشنہ رہتی ہے کہ کتاب و سنت کی بالادستی نافذ کس طور سے ہوگی' پارلیمنٹ کا کردار اس میں کیا ہوگا' کسی قانون کے بارے میں اس فیصلے کا اختیار کہ یہ اسلام کے کسی اصول سے متصادم تو نہیں' پارلیمنٹ کو حاصل ہوگا یا عدلیہ کو' وغیرہ۔ امیر تنظیم نے واضح کیا کہ اگر ہم حاکمیتِ جمہور کی بجائے خلافتِ جمہور کی اصطلاح استعمال کریں تو ان ساری بحثوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خلافت ٹھیٹھ دینی اصطلاح ہے جس کا حوالہ قرآن حکیم میں مختلف پیراؤں میں موجود ہے۔ جب ہم خلافت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کے مفہوم میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ حاکمیتِ مطلقہ تو اللہ کی ہے' خلافت کا ادارہ محض اس کی حاکمیت کی تنفیذ کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ یہ دراصل Popular Sovereignty کی بجائے Popular Vicegerency کا تصور ہے اور یہ تصور اسلام کے عطا کردہ نظامِ حکومت سے پورے طور پر ہم آہنگ ہے۔

امیر تنظیم نے مزید واضح کیا کہ اگرچہ یہ درست ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظام صدارتی طرزِ حکومت کے قریب تر تھا لیکن اس معاملے میں اسلام ہم پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا اور ویسے بھی خلافتِ راشدہ کا معاملہ بہت سے اعتبارات سے امتیازی تھا' اسی لئے اسے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" قرار دیا جاتا ہے اور اب آئندہ ہوبہو اس طرز کا نظام قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ تمدن کے ارتقاء اور وقت کی ضرورت کے پیش نظر اگر ہم پارلیمانی طرز کو اختیار کرنا چاہیں یعنی خلافتِ عامہ یا خلافتِ جمہور کو رائج کریں تو یہ بات دین کے مزاج سے ہرگز متصادم نہ ہوگی۔ تاہم یہ امر اپنی جگہ غور و فکر کا متقاضی ہے کہ

نان کی موجودالوقت صورت حال میں صدارتی طرز کی خلافت مفید رہے گی یا پارلیمانی
ز کی۔

امیر محترم کا یہ خطاب مکمل صورت میں تو 'ندا' یا 'میثاق' کے آئندہ شمارے ہی
شامل ہو سکے گا تاہم اس خطاب کا پریس ریلیز شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

۱۴ر جون کو حلقۂ خواتینِ تنظیم اسلامی لاہور کے زیرِ اہتمام قرآن اکیڈمی میں ایک
ع عام منعقد ہوا جو بہت سے اعتبارات سے بحمداللہ نہایت بھرپور اور کامیاب رہا۔
. خواتین تنظیم اسلامی کی مختصر سی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد اجتماع تھا۔ اس
ع کے پروگرام میں امیر تنظیم اسلامی کا ایک خطابِ عام بھی شامل تھا۔ موقع کی
بت سے امیر تنظیم نے اپنے خطاب کا موضوع "مسلمان خواتین کی دینی ذمہ داریاں"
ز کیا۔ تنظیم اسلامی کے حلقۂ خواتین میں اگرچہ ایک دھیمی آنچ کی مانند پچھلے کئی
ں سے غیر نمایاں اور غیر محسوس انداز میں محدود پیمانے پر دعوتی و تربیتی کام جاری تھا
، اس میں سرگرمی اور تیزی پچھلے کچھ عرصے ہی میں پیدا ہوئی ہے۔ اس اجتماع کی
ابی میں اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ ساتھ اس پیہم جدوجہد کو بڑا دخل حاصل تھا جو
، عرصے سے غیر محسوس طور پر جاری تھی ـــــــ اس اجتماع کی اہمیت کے پیش نظر
شمارے میں نہ صرف امیر تنظیم کا مذکورہ بالا خطاب مکمل صورت میں شائع کیا جا رہا
بلکہ اجتماعِ خواتین کی ایک جامع رپورٹ بھی جس میں اجتماع میں شامل بعض خواتین
تاثرات بھی شامل ہیں، شاملِ اشاعت کی جا رہی ہے۔ یوں زیرِ نظر شمارہ ایک اعتبار
"خواتین نمبر" کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی بحمداللہ سفرِ حج سے بصحت و عافیت واپس تشریف لا چکے ہیں۔ یہ
رت سفر جس میں راقم بھی امیر تنظیم کے ہمرکاب تھا، خلافِ توقع بہت مختصر رہا۔ سفرِ
ے ضمن میں ہم کل بارہ راتیں اور گیارہ دن پاکستان سے باہر رہے۔ ایامِ حج کے آغاز
چار روز قبل ہم نے سرزمینِ حجاز میں قدم رکھا۔ ابتدائی تین دن مدینہ منورہ میں
ہے، مسجد نبوی کی زیارت اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۶ر

ذوالحجہ کو جدہ مراجعت ہوئی' ٦ اور ٧ر کی درمیانی شب عمرے کی ادائیگی سے مشرف ہوئے' ۸ر ذوالحجہ یوم الترویہ کی صبح جدہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہوئے' ۸ تا ۱۲ر اللہ کی توفیق سے مناسکِ حج کی ادائیگی میں گزرے اور الحمدللہ کہ بہت ہی سکون و اطمینان کے ساتھ مناسکِ حج ادا کرنے کا موقع ملا۔ فللہ الحمدُ والمنّۃ ---- ۱۲ر کی شام کو طوافِ وداع کرتے ہوئے رات تاخیر سے جدہ برادرم فیض اللہ خان کی قیام گاہ پر پہنچے اور اس سے اگلے روز یعنی ۱۳ر ذوالحجہ (۲۵ر جون) کی شام پی آئی اے کی فلائٹ میں لاہور کے لئے ہماری سیٹیں کنفرم ہو چکی تھیں' حالانکہ ابتداءً ہمارا ارادہ ۷ر جولائی کو واپس آنے کا تھا' بلکہ اس بات کا امکان بھی موجود تھا کہ واپسی ۲ر جولائی کے بعد ہی ہو سکے گی' اس لئے کہ سیٹیں کنفرم نہیں تھیں ------ لیکن "ماشاءَ اللّٰہُ کان وما لم یَشأ لم یَکُن" کے مصداق نہ تو حج کے لئے جانے میں ہماری پلاننگ اور پیشگی ارادے کو دخل تھا اور نہ واپسی کے بارے میں ہم توقع کر سکتے تھے کہ اتنی جلدی ممکن ہو جائے گی۔ جس طرح اس سفرِ سعادت پر ہمارا جانا اللہ کی خصوصی مشیت کے تحت بالکل اچانک ہوا اسی طرح واپسی بھی اس کی خصوصی مشیت کے طفیل بالکل غیر متوقع انداز میں ہوئی۔ اسی کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ہمارے حج کو شرفِ قبول سے نوازے گا۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

☆ ☆ ☆

سفرِ حج سے مراجعت کے فوراً بعد جمعہ ۲۸ر جون کو قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں امیر تنظیم اسلامی نے اپنے خطاب جمعہ میں ملکی اور بین الاقوامی حالات کے بارے میں اپنا بھرپور جائزہ اور تبصرہ شرکاء کے سامنے وضاحت سے پیش فرمایا۔ پھر اسی روز بعد نمازِ مغرب مرکزی انجمن خدام القرآن کے ماہانہ دعوتی اجتماع میں امیر محترم نے اپنے سفرِ حج کے تاثرات اور بالخصوص حج کے دوران وہاں کی انتظامی بدحالی اور اس کے ضمن میں اصلاحِ احوال کے نقطۂ نظر سے بعض تجاویز تفصیلاً بیان فرمائیں۔ مقدم الذکر خطاب مکمل صورت میں تازہ 'ندا' میں جس پر ۵ر جولائی کی تاریخ درج ہے' شائع ہو چکا ہے۔ اور مؤخر الذکر خطاب کا بھی ایک حصہ جو تجاویز پر مشتمل ہے' ندا میں شامل ہے۔ ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات تازہ 'ندا' کے مطالعے کو اپنے لئے مفید پائیں گے۔

○ ○

تذکرہ وتبصرہ

حالاتِ حاضرہ

کے بارے میں تنظیمِ اسلامی اور اس کے امیر کا موقف

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے آئینے میں

•

جاگیرداری اور سرمایہ داری کو ختم کئے بغیر
اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کی برکات کا ظہور نہیں ہو سکتا

(۷ر جون کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز)

لاہور: ۷ر جون۔ "اسلامی نظامِ اقتصادیات کی سب سے نمایاں بات سُود کی حرمت ہے جو ے دوسرے موجودہ معاشی نظاموں سے ممتاز کرتی ہے اور بدترین سرمایہ دارانہ نظام کا سب ے بڑا استحصالی ہتھکنڈا بھی سُود ہی کا رواج ہے"۔ یہ بات امیر تنظیمِ اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار د نے آج مسجد دارالسلام باغِ جناح میں اجتماعِ جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے ا کہ اسلام نے سرمایہ کو سُود کی حرمت کے ذریعے پابند کیا ہے اور اسے کھلی چھٹی نہیں دی کہ ر محنت کے گھر بیٹھے منافع کمانے اور پھلنے پھولنے کا موقع حاصل کرے، چنانچہ مضاربت میں ، تحفظ محنت کو ہے سرمایہ کو نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ آئی جے آئی کی حکومت نے شریعت بل کے نام سے بعض ایسے املات کو بھی تحفظ فراہم کر دیا ہے جو صریحاً اسلامی شریعت سے متصادم ہیں۔ اس طرح یہ بل ریعت کے نفاذ میں معاون ہونے کی بجائے اس کے انسداد کے لئے زیادہ کارگر ہوگا۔ امیر یم اسلامی نے کہا کہ موجودہ حکومت نے گزشتہ ۳۰ سال سے رائج غیر اسلامی اور نام نہاد ں قوانین کو از سرِنو تحفظ فراہم کرنے کا اعلان کر کے شریعت کے ساتھ تمسخر و استہزاء کی انتہا دی ہے۔ ماضی کی حکومتوں کی طرح موجودہ حکومت نے بھی غیر اسلامی عائلی قوانین کو جاری کر بھارتی ہندوؤں کے لئے اس دعوے کا جواز فراہم کر دیا کہ مسلمان اگر اپنے آزاد ملک اسلامی پرسنل لاء پر عمل نہیں کر سکتے تو بھارت میں انہیں ایک کامن سول کوڈ پر اعتراض کا

حق حاصل نہیں۔ ماضی کے حکمرانوں کی طرح موجودہ حکمرانوں نے بھی غیر اسلامی عائلی قوانین کے ساتھ ساتھ سُودی نظامِ معیشت کو جاری رکھنے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر اِسرار احمد نے سُود کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ سُود تو ایسی اُمّ الخبائث ہے جس کے نتیجہ میں سوائے ظلم اور استحصال کے اور کوئی شے برآمد نہیں ہو سکتی۔ آج دولت کے ارتکاز کا سب سے بڑا سبب یہی سُود ہے، جس نے پوری انسانیت سمیت ہمیں بھی اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے۔

انہوں نے یاد دلایا کہ مرحوم ضیاء الحق کے نافذ کردہ شریعت آرڈیننس کو تو ایک اسلامی جماعت کے سربراہ نے انسدادِ شریعت آرڈیننس سے تعبیر کیا تھا جبکہ اس میں عائلی قوانین کو بھی شریعت کورٹ کے دائرے میں لانے کا اعلان موجود تھا اور سُودی نظام کو بھی غیر محدود تحفظ حاصل نہیں تھا، مگر اب نام نہاد شریعت ایکٹ کے نام سے غیر اسلامی قوانین کو تحفظ فراہم کرنے کی سرکاری کارروائی پر سب ہی دینی جماعتیں اور ممتاز علماء خاموش ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نواز شریف کی مہارت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ شریعتِ اسلامی کا راستہ بھی بڑی مہارت اور دیدہ دلیری سے روک دیا گیا ہے، جبکہ اس کارروائی میں مولانا سمیع الحق سے لے کر قاضی حسین احمد اور عبدالستار نیازی جیسے لوگ استعمال کر لئے گئے اور یہی وجہ ہے کہ آئی جے آئی کا حلیف ہونے کی حیثیت سے آج یہ لوگ خاموش ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صورتِ حال یہ ہے کہ گزشتہ ۴۵ سالہ تاریخ میں اس سے بڑا دھوکہ شریعت کے ساتھ نہیں ہوا جیسا دھوکہ اور فریب آج کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے وفاقی شرعی عدالت کے سابق چیف جسٹس گل محمد خان کے بیان کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے بڑے دھڑلے سے یہ کہا ہے کہ نفاذِ شریعت ایکٹ میں شریعت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے جبکہ اس کے برعکس غیر شرعی چیزوں کی موجودگی بڑی نمایاں ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو تحفظ فراہم کرنے کے علاوہ کوئی اور مثبت کام سرانجام نہیں دیا، اسی لئے آج تک سِوَل بیوروکریسی، فوج اور جاگیرداروں کی تثلیث ہی ملک کی بالادست اور حکمران طاقت بنی ہوئی ہے۔ امیرِ تنظیم نے اپنے خطاب کے آخر میں کہا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری کو ختم کئے بغیر اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی کی برکات کا ظہور نہیں ہو سکتا جن کی تلاش ہی آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

"سیر الی اللہ" کی بجائے "فرار الی اللہ" وقت کی ضرورت ہے

مخدوش حالات کی وجہ سے عوام کا اعتماد حکومت کے ساتھ ساتھ امن و امان قائم کرنے والے اداروں سے بھی اٹھ چکا ہے

(۲۸ر جون کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز)

لاہور: ۲۸ر جون۔ "ہمارے ہاں جو ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے اس کے ہدایت کاروں کو سٹیج کے لئے نئے اداکار شاید ابھی نہیں ملے' ورنہ سین کو بدلنے کا اس سے کہیں زیادہ جواز پیدا ہو چکا ہے جو مئی ۸۸ء اور اگست ۹۰ء میں موجود تھا"۔ یہ بات امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اِسرار احمد نے سفرحج سے واپسی پر جامع القرآن' ماڈل ٹاؤن میں اپنے خطابِ جمعہ میں ملک کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ بدامنی' بے چینی اور خوف و دہشت کی فضا ملک پر اس درجہ مسلّط ہے کہ گزشتہ دنوں وزیر اعظم کے اپنے شہر لاہور میں بھی دن دہاڑے ۱۳ افراد کو بہیمانہ طریقے سے ذبح کر دیا گیا۔ صوبہ سندھ میں تو عرصہ سے امن و چین کی فضا ختم ہو چکی ہے' مگر اب پنجاب جیسا صوبہ بھی' جو آئی جے آئی کا گڑھ ہے' اسی فضا کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مخدوش حالات کی وجہ سے عوام کا اعتماد حکومت کے ساتھ ساتھ امن و امان قائم کرنے والے نام نہاد اداروں سے بھی اٹھ چکا ہے۔ اور حکومتِ وقت کے ہاں شرم نام کی کوئی شے موجود ہوتی تو وہ ان حالات کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کبھی کی ازخود مستعفی ہو چکی ہوتی۔

انہوں نے کہا اگرچہ ملک میں آج تک انگریز کا عطا کردہ نظام جاری و ساری ہے' لیکن موجودہ حکومت نے نام نہاد شریعت ایکٹ کے ذریعے دستور پر قرآن و سنّت کی بالادستی کی بجائے پارلیمنٹ کی بالادستی کا اعلان کر کے شریعت ایکٹ کے ذریعے دستور پر قرآن و سنّت کی بالادستی کی بجائے پارلیمنٹ کی بالادستی کا اعلان کر کے شریعت کے نام پر شریعت کا راستہ روکنے کا "تاریخی کارنامہ" انجام دیا اور اسلام کے نام پر ووٹ لے کر برسرِاقتدار آنے والوں نے شریعت کے علمبردار سندھی سیاست دانوں کے ناک میں وہ نکیل ڈالی ہے کہ دنیا بھر میں اس پر تعریف و ستائش کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے توجہ دلائی کہ ملک کے سیاسی منظر سے مذہبی جماعتیں یوں غائب ہو گئی ہیں جیسے ان کا وجود یہاں کبھی تھا ہی نہیں۔ اب تو اخبارات میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا۔

انہوں نے کہا کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید جمہوریت سے ملک کے حالات بہتر ہو جائیں گے مگر جمہوریت کی بحالی سے بھی حالات میں بہتری نہیں ہو سکی۔ آج ملک کی پارلیمانی سیاست

جس درجہ زبوں حالی سے دوچار ہے' اس کا اندازہ پنجاب اسمبلی میں ہونے والے اس مکمل واک آؤٹ سے ہوتا ہے جس کی مثال پارلیمانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ یہ بائیکاٹ ایک رُکنِ اسمبلی کی غیر قانونی کارروائی کی حمایت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے خلاف تھا اور اس طرح قانون بنانے والوں نے خود اپنے ہاتھوں قانون کی مٹی پلید کی۔

امیر تنظیمِ اسلامی نے سندھ میں جام صادق حکومت کی طرف سے پیپلز پارٹی کے خلاف یکطرفہ انتقامی کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج جس قسم کی سیاست کو جام سندھ میں فروغ دے رہا ہے' اس کا رنگ دیکھ کر خود سیاست بھی شرم سے پانی پانی ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر اِسرار احمد نے کہا کہ ہمارے ملک میں پارلیمانی جمہوریت کا حلیہ جس طرح بگاڑا جا رہا ہے اسے دیکھ کر جمہوریت سے مایوسی پیدا ہو رہی ہے' جبکہ خود جمہوریت کو بھی اپنے مغربی پس منظر کے باعث اسلامی جمہوریت کا جامہ پہناتے ہوئے بڑی کتر بیونت کی ضرورت پڑتی ہے' کیونکہ مغربی جمہوریت عوامی حاکمیت اور پارلیمنٹ کی بالادستی کے ستونوں پر قائم ہے' جبکہ اسلام میں جمہوریت سے وہ شُورائیت مراد ہے جو حاکمیتِ الٰہی اور قرآن و سنّت کی بالادستی کے تحت محض ان اُمور میں استعمال ہوگی جن میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکام موجود نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت کی یہ تعریف اتنی اجنبی اور وضاحت کی اتنی زیادہ محتاج ہے کہ اس اصطلاح کو ترک کر کے اب احیائے خلافت کی بات کی جانی چاہئے جو اسلام کے سیاسی نظام کا اصل عنوان ہے۔ امیر تنظیمِ اسلامی نے کہا کہ اللہ نے بندوں کو زمین پر حکومت نہیں' بلکہ اپنی خلافت تفویض کی ہے۔ چنانچہ مسلمان جو حکومت بنائیں اسے حاکمیت کے اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر اِسرار احمد نے کہا کہ ملک کے اندرونی حالات کے ساتھ بیرونی سطح پر بھی ناسازگاری اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ ہمارے پاس وقت کی زیادہ مہلت موجود نہیں۔ عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے بعد صیہونیت کا اگلا ہدف پاکستان ہے جو جوہری صلاحیت کی استعداد بھی رکھتا ہے اور سری نگر کی ڈل جھیل میں ایک سو اسرائیلیوں کی موجودگی بڑی معنی خیز ہے۔ انہوں نے کہا کہ تصوّف کی اصطلاح استعمال کی جائے تو اب "سیر الی اللہ" کا' یعنی قدم بقدم اللہ کی طرف لوٹنے کا وقت باقی نہیں رہا بلکہ ضرورت اب "فرار الی اللہ" کی' یعنی اپنے ربّ کی پناہ میں دوڑنے اور لپکنے کی ہے۔

اسلام کے سیاسی نظام کے لئے درست اصطلاح "جمہوریت" نہیں "خلافت" ہے

(۵ر جولائی کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز)

لاہور: ۵ر جولائی۔ "ہم اسلام کے سیاسی نظام کو جمہوریت کا نام دے کر مشکل میں گرفتار ہوتے جا رہے ہیں اور اب ضروری ہوگیا ہے کہ اسے اپنے درست نام خلافت سے پکارا جائے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے باغِ جناح' مسجد دارالسلام میں خطابِ جمعہ میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ آئین میں آٹھویں ترمیم نے ہمارے سیاسی نظام کا حلیہ بگاڑ کر اسے پارلیمانی رہنے دیا نہ صدارتی۔ اس ترمیم کی وجہ سے فیصلہ کُن اختیارات صدرِ مملکت کو حاصل ہیں' لیکن ان پر ملکی معاملات کے حوالے سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور حکومتی و ملکی معاملات کا تمام تر کام وزیر اعظم کے سپرد ہے' جسے صدر صاحب جب چاہیں گھر بھیج سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلام کی رُو سے نہ پارلیمانی جمہوریت ممنوع ہے اور نہ ہی صدارتی جمہوریت' تاہم دورِ خلافت راشدہ کے سیاسی نظام کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو صدارتی طرزِ حکومت ہی اس کے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس موضوع پر بحث ہوئی ہی نہیں کہ ہمارا طرزِ حکومت پارلیمانی ہو یا صدارتی' کیونکہ انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے بعد اس کی وراثت یعنی پارلیمانی نظامِ سیاست و حکومت کو ہم نے جوں کا توں سینے سے لگا لیا جسے اب ختم ہونا چاہئے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ عہدِ حاضر کی جدید اسلامی ریاست اور اسلام کے سیاسی نظام میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے' جبکہ جمہوریت کا اصول عوام کی حاکمیت ہے اور چونکہ اسلام کے نزدیک انسانی حاکمیت کا تصور کُفر اور شرک کے مترادف ہے' لہٰذا اب ہمیں جمہوریت کی بجائے خلافت کی اصطلاح استعمال کرنی ہوگی کیونکہ جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کر کے بھی "حاکمیتِ عامہ" کے تصوّر سے جان نہیں چھوٹتی۔ جمہوریت کا تصوّر مغرب کی پیداوار ہے اور اس لفظ کا ذکر قرآن و حدیث کے علاوہ ہماری اسلامی تاریخ میں بھی کہیں نہیں ملتا' جبکہ خلافت کی اصطلاح قرآن و حدیث میں بھی متعدد اسالیب میں استعمال ہوئی اور یہی خلافت اسلامی تاریخ کا دورِ زرّیں ہے' جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بیسویں صدی کے آغاز تک ایک زندہ حقیقت تھی۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ ہم خود ایک عرصے سے جمہوریت کی وکالت کر رہے تھے کہ بدترین جمہوریت بھی بہرحال اچھے سے اچھے مارشل لاء سے بہتر ہوتی ہے' مگر اب

جمہوریت کی آڑ میں ڈاکٹر جاوید اقبال جیسے دانشور بھی پارلیمنٹ کی حاکمیت کا علَم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' حالانکہ ان کے والدِ محترم علامہ اقبال نے پارلیمنٹ کی حاکمیت کے تصور کی کامل نفی کرتے ہوئے واضح اور دو ٹوک انداز میں کہا تھا کہ ۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی' باقی بتانِ آزری!

اسلام کی رُو سے انسان سرے سے حاکمیت کا حق ہی نہیں رکھتا' بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے خلافت کا منصب عطا کر کے دنیا میں بھیجا ہے۔ نظامِ خلافت میں خلیفہ خود حاکم نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکامات کا پابند ہوتا ہے البتہ ایسے معاملات میں' جہاں اللہ نے اپنی حکمت سے ہمارے لئے گنجائش پیدا کر رکھی ہے' وہاں ہمیں باہمی مشورے سے اپنے حقِ نیابت کو بروئے کار لانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ خلافت کسی شخصی یا گروہی حکومت کا نام نہیں ہے' بلکہ آج کے جدید تصوّرات کے مطابق ہی لوگ ووٹ کے ذریعے اپنے حکمرانوں کا انتخاب کریں گے۔ خلافتِ راشدہ میں خاندانی اور موروثی سیاست کا نام تک نہیں تھا اور وہاں خلیفہ کا تقرر کسی نہ کسی انداز میں عوامی مشورے کے بعد ہی عمل میں آتا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پارلیمانی طرزِ حکومت میں عوام اپنے حقِ خلافت کو چند سو نمائندوں کو تفویض کریں گے جو آگے اپنے میں سے کسی کو وزیرِ اعظم منتخب کر کے اس پر ذمّہ داری ڈال دیں گے۔ صدارتی طرزِ حکومت میں عوام اپنا حق رائے دہی استعمال کرتے ہوئے خلافت کی یہی نیابت ایک شخص کو سونپ دیں گے' جسے اگر مسلمانوں کا صدر کہا جا سکتا ہے تو خلیفۃ المسلمین کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے وضاحت کی کہ اب کسی مسلمان ملک میں قائم ہونے والی خلافت کو نہ خلافتِ راشدہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ اور درحقیقت دورِ نبویؐ ہی کا تتمہ اور ضمیمہ تھی اور نہ اسے اُموی یا عبّاسی یا عثمانی خلافت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو شخصی یا خاندانی اقتدار کی علامت تھیں۔ جمہوریت کی جگہ لینے والی ہماری خلافت ان دونوں سے مختلف اور دراصل خلافتِ عامّہ ہوگی۔

مسلمان خواتین کے دینی فرائض

حلقۂ خواتین تنظیمِ اسلامی لاہور کے اجتماعِ عام میں

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

خطبۂ مسنونہ کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اجتماعِ خواتین میں شرکت کے لئے تشریف لانے والی خواتین کو خوش آمدید کہا اور دعا فرمائی کہ وہ جن نیک جذبات کے ساتھ اجتماع میں شریک ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ ان میں انہیں استقامت اور ترقی عطا فرمائے۔ بعد ازاں امیر محترم نے "مسلمان خواتین کے دینی فرائض" کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔

دینی فرائض کے جامع تصوّر کی اہمیت

دینی فرائض کے جامع تصور کی اہمیت یہ ہے کہ اگر انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میرے دین کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے تو وہ ان دینی فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ ہو سکے گا جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر فرائضِ دینی کے بارے میں ہمارا تصوّر ناقص یا نامکمل ہو، یعنی بعض فرائض تو معلوم ہوں اور انہیں ہم ادا بھی کر رہے ہوں، لیکن بعض فرائض کا ہمیں علم ہی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ہم ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس طرح اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ اگرچہ اپنی جگہ ہم یہ سمجھ رہے ہوں کہ ہم نے تو اپنے تمام فرائض ادا کئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں ہمیں بتایا جائے کہ تمہاری ذمّہ داریاں صرف وہی نہیں تھیں کہ جو تم نے پوری کی ہیں بلکہ مزید بھی تھیں، اور اُن کے ضمن میں چونکہ ہمیں علم ہی حاصل نہیں تھا، لہٰذا ان سے متعلق ہماری کارگزاری صفر ثابت ہو اور ہم اپنے تمام تر خلوص اور محنت کے باوجود ناکام قرار پائیں۔

اس مسئلے کا ایک دوسرا رُخ بھی قابلِ توجہ ہے، جو خواتین کی ذمہ داریوں کے ضمن میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک دوسرا امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ذمے خواہ مخواہ ایسی ذمہ داریاں لے لیں جو ہمارے دین نے ہم پر عائد نہ کی ہوں۔ یہ بات بھی اتنی ہی خطرناک، مضر اور نقصان دہ ہے جتنی کہ پہلی بات۔ کیونکہ انسان کا جذبۂ عمل بسا اوقات حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ غلط رُخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی بہت اہم مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً نیکی کا جذبہ ہی دنیا میں رہبانیت جیسے خلافِ فطرت نظام کو وجود میں لانے کا سبب بنا، جس نے بالآخر ایک بُرائی کی شکل اختیار کر لی اور بہت سے منکرات کو جنم دیا اور اُس کے نتائج بہت ہی منفی اور خوفناک ہوئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا یہ واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ تین صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جن پر عبادت گزاری، زُہد اور تقویٰ کا بہت زیادہ غلبہ ہو گیا تھا، انہوں نے ازواجِ مطہراتؓ سے آنحضرتؐ کی نفلی عبادات کے متعلق پوچھا کہ آپؐ رات کو کتنی دیر تک نماز پڑھتے ہیں اور مہینے میں کتنے نفلی روزے رکھتے ہیں؟ ازواجِ مطہراتؓ نے انہیں آنحضورؐ کے نفلی اعمال کی جو کیفیت بتائی وہ انہیں اپنے تصوّر اور گمان کے مطابق بہت کم نظر آئی۔ تاہم انہوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ تو معصوم ہیں، آپؐ سے تو کسی گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی مغفرت کا وعدہ ہو چکا، لہٰذا آپؐ کے لئے تو اتنی عبادت کفایت کرے گی، لیکن ہمارے لئے یہ کافی نہیں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں تو ساری رات نماز پڑھا کروں گا اور اپنی پیٹھ بستر سے نہیں لگاؤں گا۔ دوسرے نے طے کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کسی دن بھی ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں گھر گرہستی کا کھکھیڑ مول نہیں لوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ ان کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں تو آپؐ نے انہیں طلب فرما کر بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ اللہ کی قسم، میں تم میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، لیکن میں کبھی (نفلی) روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، اور میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور میں عورتوں سے شادیاں

بھی کرتا ہوں۔ پس (جان لو کہ) جسے میری سنّت پسند نہیں، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ: "فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي" (پس جسے میری سنّت پسند نہیں اُس کا مجھ سے کوئی تعلّق نہیں!) بہت جامع الفاظ ہیں۔ اور ان کی روشنی میں ہمیں زندگی کے ہر موڑ اور ہر گوشے میں یہ دیکھنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کیا تھا۔ خواتین کی دینی ذمہ داریوں کے ضمن میں ہمیں صحابیاتؓ، خصوصاً ازواجِ مطہراتؓ کی زندگیوں اور ان کے طرزِ عمل کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ اس لئے کہ خواتین کے لئے آنحضورؐ کا جو اُسوۂ مبارکہ ہے وہ ہم تک ازواجِ مطہراتؓ ہی کے ذریعے سے پہنچا ہے اور آپؐ نے عام طور پر صحابیات (رضی اللہ عنہن) کو جو بھی ہدایات دیں وہ امت کی خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

انسان جب اپنے ذمّے خوامخواہ اپنی ذمہ داری سے بڑھ کر ذمہ داری لے لیتا ہے تو اُس کے جو مُضر اور منفی اثرات مرتّب ہوتے ہیں، اس کے لئے میں موجودہ دَور سے ایک مثال پیش کر رہا ہوں۔ آج پوری دنیا میں مختلف جماعتوں اور تحریکوں کے ذریعے اسلامی انقلاب اور اقامتِ دین کے لئے ایک جدّوجہد اور سعی و کوشش ہو رہی ہے۔ ایسی تحریکوں کے فکر میں بعض اوقات ایک بنیادی غلطی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کر دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے اپنی بھرپور کوشش اور امکان بھر سعی و جہد کریں اور اس راستے میں اپنے تمام وسائل و ذرائع اور صلاحیتیں اور استعدادات کو صَرف کر دیں۔ لیکن اگر ہم یہ سمجھ لیں گے کہ ہمیں یہ کام بہرطور کر کے رہنا ہے تو اس سے ہمارے طرزِ عمل میں یہ بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر صحیح راستے سے کام نہیں ہو پا رہا تو ہم کسی غلط راستے کو اختیار کر لیں۔ چنانچہ ذمہ داری کا یہ غلط تصوّر بہت سی تحریکوں کے غلط رُخ پر پڑ جانے کا سبب بن گیا ہے۔ لہٰذا جہاں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں اور ہمیں کوشش کرنی ہے کہ اُن میں سے کوئی ذمہ داری ہمارے علم اور تصوّر

سے خارج نہ رہ جائے، وہیں ہماری یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ ہم خوامخواہ ایسی ذمہ داریاں مول نہ لے لیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد نہ کی ہوں۔

"مسلمان خواتین کے دینی فرائض" سے متعلق مجھ سے بارہا سوالات کئے گئے ہیں۔ حال ہی میں چند ایسے خطوط بھی موصول ہوئے ہیں جن میں اس موضوع سے متعلق بڑے تفصیلی سوالات کئے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سوالات کے اس قدر شدومد سے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایک مخصوص دینی جماعت کے حلقۂ خواتین کی سرگرمیاں لوگوں کے سامنے ہیں اور بہت سی خواتین یہ جاننا چاہتی ہیں کہ یہ سرگرمیاں کس حد تک دین کے مطابق اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ اور ان میں کہیں دین کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں سے تجاوز تو نہیں ہو رہا؟ میں کوشش کروں گا کہ آج کی گفتگو میں ان تمام سوالات کے جوابات بھی آ جائیں۔ اس گفتگو میں میں اس موضوع سے متعلق اپنے غور و فکر کا حاصل پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو بھی صحیح، معتدل، متوازن اور کتاب و سنت سے موافق ترین اور قریب ترین راستہ ہو، وہ اس کی جانب میری رہنمائی فرمائے اور مجھے اُسے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے!!

اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے ضمن میں ایک مسلمان کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ اُصول رہنا چاہئے کہ اللہ نے اس پر کون کون سی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ جب انسان اپنی اصل ذمہ داری سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری اپنے سر لے لے تو ایک خطرہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس انجام سے دوچار نہ ہو جائے جس کا ذکر سورۃ النساء میں "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی" کے الفاظ میں آیا ہے۔ یعنی اُس نے جو راستہ خود ہی اختیار کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ اُسے اُسی کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور پھر اللہ کی تائید اور نُصرت شاملِ حال نہیں رہتی۔ چنانچہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہم پر کیا فرائض اور ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ حقوق اللہ کے ضمن میں کن کن حقوق کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے، اور ہمارے نفس کے وہ حقوق کون سے ہیں جو اللہ نے معیّن کر دیئے ہیں اور وہ ہمیں ادا کرنا ہیں۔ اللہ نے اُس کے لئے جو چیزیں حلال فرمائی ہیں، انہی پر ہمیں اکتفا کرنا ہے۔ اگر ہم اپنے طبعی یا جبلی تقاضوں کی پیروی کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ ہم حلال سے آگے بڑھ کر

حرام میں منہ ماریں۔ اسی طرح انسانوں میں سے بھی جس کا جو حق اللہ نے معیّن کر دیا ہے' وہ ہمیں ادا کرنا ہے۔ اگر یہ اُصول پیشِ نظر رہے تو راستہ سیدھا' صاف اور محفوظ رہے گا' لیکن اگر ہم نے اس میں اپنی پسند' ذوق' جذبے' خیالات اور تصوّرات کو اپنا امام بنا لیا تو پھر ہم خدانخواستہ "نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی" کا مصداق بن سکتے ہیں اور پھر اس میں شدید اندیشہ ہے کہ آیت کے اگلے الفاظ "وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا" جیسے ہولناک انجام سے دوچار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے!

دینی فرائض کی تین سطحیں۔ سہ منزلہ عمارت کی تشبیہہ

فرائضِ دینی کے جامع تصوّر کی وضاحت کے لئے میں ایک سہ منزلہ عمارت کی تشبیہہ دیا کرتا ہوں' جس سے واقعتہً اس جامع تصوّر کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس تشبیہہ کی مدد سے میں فرائضِ دینی کا جامع تصوّر پہلے عمومی الفاظ میں مردوں کے اعتبار سے بیان کروں گا۔ پھر مجھے اُس کے ایک ایک جزو کے حوالے سے بات کرنی ہے کہ کہاں کہاں وہ فرائض مردوں کی مانند خواتین پر بھی جوں کے توں عائد ہوتے ہیں اور کہاں کہاں اُن میں فرق و تفاوت ہے۔ اب آپ ایک ایسی سہ منزلہ عمارت کا نقشہ ذہن میں لائیں جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ اس کی پہلی منزل (Ground Floor) پر صرف یہی چار ستون نظر آتے ہیں اور کوئی دیواریں وغیرہ نہیں ہیں ۔۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان ستونوں کے نیچے ایک بنیاد (Foundation) ہے جس کے اوپر یہ چاروں ستون کھڑے ہیں۔ ایک مناسب بلندی پر اس عمارت کی پہلی چھت موجود ہے' جس سے پہلی منزل مکمل ہوتی ہے۔ اس کے اوپر دوسری منزل ہے' جہاں پر عمارت تو ان چاروں ستونوں پر ہی قائم ہے مگر دیواریں تعمیر ہو جانے کی وجہ سے ستون نظر نہیں آتے' بلکہ دیواروں کے اوپر دوسری چھت نظر آ رہی ہے۔ اسی طرح اس کے اوپر تیسری منزل ہے' جس کی دیواروں پر تیسری چھت نظر آ رہی ہے۔ اس عمارت کے نقشے میں ایک ترتیب اور نسبت و تناسب بھی ذہن میں قائم کر لیں کہ بلندی کے اعتبار سے ہم اوپر سے نیچے کی طرف آئیں گے۔ یعنی تیسری منزل سب سے بلند ہے' دوسری منزل اُس سے کم بلند ہے اور پہلی اُس سے بھی کم۔ لیکن اہمیت کے اعتبار سے پہلی منزل سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے' کیونکہ جب

تک پہلی منزل ہی قائم نہ ہو' دوسری منزل تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دوسری منزل کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد ہی تیسری منزل بن سکتی ہے۔ اس عمارت میں اہم ترین شے اس کی بنیاد (Foundation) ہے' جس پر ساری عمارت کی مضبوطی کا دارومدار ہے۔ بنیاد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کے حامل وہ چار ستون ہیں جو اس ساری عمارت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ ستون مضبوط ہوں گے تو اوپر کی پوری عمارت بھی مضبوط ہوگی اور اگر یہ کمزور ہوں گے تو اوپر کی ساری عمارت بھی کمزور رہ جائے گی۔

یہ سہ منزلہ عمارت ہمارے دینی فرائض کے جامع تصوّر کی نقشہ کشی کر رہی ہے۔ اس عمارت کی بنیاد ایمان و یقین ہے' جس کی پختگی پر عمارت کی مضبوطی کا دارومدار ہے۔ یہ بنیاد جتنی مضبوط اور گہری ہوگی' اوپر کی عمارت اسی قدر مضبوط ہوگی۔ اور اگر یہ بنیاد ہی کمزور اور بودی ہے تو اوپر کی عمارت کے لئے اگرچہ آپ نے بہت اچھا میٹریل استعمال کیا ہو اور اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر بھی بہت توجہ دی ہو' یہ پوری عمارت کمزور رہے گی ـــــ اس بنیاد پر جو چار ستون قائم ہیں وہ چار اہم عبادات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو عطا فرمائیں۔ یعنی (i) نماز' (ii) روزہ' (iii) زکوٰۃ اور (iv) حج ـــــ قرآن مجید میں نماز کے بعد ہمیشہ زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے: **"وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ"**۔ لیکن یہاں میں نے ان کی ترتیب اس اعتبار سے ذرا بدل دی ہے کہ ان میں سے پہلی دو عبادات یعنی نماز اور روزہ تو ہر مسلمان پر فرض ہیں' جبکہ دوسری دو عبادات یعنی زکوٰۃ اور حج صاحبِ استطاعت لوگوں پر فرض ہیں ـــــ بہرحال یہ چاروں عبادات اُن چار ستونوں کی مانند ہیں جن پر اس عمارت کی چھتیں کھڑی ہیں۔ پہلی چھت کو آپ اسلام' اطاعت' تقویٰ یا عبادتِ ربّ کا نام دے سکتے ہیں۔ یعنی اس سطح پر انسان اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے' صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** "میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں"۔ یہ اطاعت' تقویٰ اور عبادت اپنی بلندی کو پہنچ جائیں تو یہ درجۂ احسان ہے۔ یعنی یقین کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ جیسے بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ تو یہ ہے اس عمارت کی پہلی چھت۔

اس کے بعد دوسری منزل یہ ہے کہ انسان اب اسی چیز کی دوسروں کو دعوت دے، اللہ کے پیغام کو عام کرے، اللہ کے کلام کو لوگوں تک پہنچانے کی سعی و جہد کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے، فریضۂ "شہادت علی النّاس" کی ادائیگی پر کمربستہ ہو، یعنی لوگوں پر حجت قائم کردی جائے کہ لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ پروردگار ہم تک تو تیرا حکم پہنچا ہی نہیں، تیری ہدایت ہم تک کسی نے پہنچائی ہی نہیں۔ یہ دوسری منزل ہے۔

اس عمارت کی تیسری منزل جو بلند ترین ہے، وہ "اقامتِ دین" کی منزل ہے۔ اسی کے لئے "اسلامی انقلاب" اور "تکبیرِ رب" کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ یعنی اللہ کے دین کو ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے قائم اور رائج کر دیا جائے اور اللہ کی کبریائی کا نظام بالفعل قائم ہو جائے، جسے حدیث میں فرمایا گیا: لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا "تاکہ اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند ہو جائے"۔ تمام جھنڈے نیچے اور اللہ کا جھنڈا سب سے اونچا ہو جائے، تمام باتیں نیچی اور اللہ کی بات سب سے اونچی ہو جائے۔ اللہ کا حکم ہر سطح پر جاری و ساری ہو جائے۔ پارلیمنٹ میں بھی اُسی کا حکم چل رہا ہو اور سپریم کورٹ میں بھی اُسی کے قانون کے مطابق فیصلے ہو رہے ہوں۔ غرضیکہ پورا نظام اس کے تابع ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے محنت، کوشش، جدوجہد، ایثار، مال خرچ کرنا، جان کھپانا، اور اس راہ میں جہاد و قتال کے مراحل طے کرنا، یہاں تک کہ اپنی جان کی بازی لگا دینا تیسری اور بلند ترین منزل ہے۔

مرد و عورت کے دینی فرائض میں فرق و تفاوت

(۱) پہلی منزل : قریباً یکساں ذمہ داریاں

کوئی بھی مرد یا عورت جو کسی اسلامی تحریک سے وابستہ ہے، اسے ان باتوں سے کماحقہٗ واقف ہونا چاہئے۔ البتہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے مرد اور عورت میں جو فرق و تفاوت ہے وہ میں بیان کئے دیتا ہوں۔ دینی فرائض کے جامع تصوّر کی جو عمارت ہمارے پیشِ نظر ہے اس کی پہلی منزل بنیاد کے علاوہ چار ستونوں اور پہلی چھت پر مشتمل ہے۔

بنیاد اگرچہ عمارت شمار نہیں ہوتی، لیکن اہمیت کے اعتبار سے وہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اس پہلی منزل کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سطح پر عورتوں اور مردوں کے فرائض یکساں ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ بہت ہی معمولی ہے۔ ایمان ہر مرد و عورت کی نجات کے لئے لازم ہے۔ سورۃ العصر اور سورۃ التین میں "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ عمومی نوعیت کے ہیں اور ان میں مرد و عورت کی کوئی تفریق نہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۲۴ میں صراحت کے ساتھ فرما دیا گیا کہ ،و کوئی بھی عملِ صالح کی روش اختیار کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہو، تو ایسے ہی لوگ جنّت میں داخل ہوں گے! گویا ایمان ہر مسلمان مرد و عورت کا فرضِ اولین ہے۔ اس کے بعد نماز ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی جس طرح صاحبِ نصاب مردوں پر فرض ہے اسی طرح صاحبِ نصاب عورتوں پر فرض ہے۔ حج کے لئے زادِراہ میسّر ہو تو یہ بھی مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، البتہ اس کے لئے عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ اللہ کے تمام احکامات اور اس کی طرف سے عائد کردہ حلال و حرام کی پابندیاں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہیں۔ الغرض اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور بنیادی فرائض کی ادائیگی دونوں کے ذمہ ہے۔ یہ تمام چیزیں دونوں میں مشترک ہیں۔

اس ضمن میں مرد و عورت کے فرائض میں جو معمولی سا فرق ہے، اس کے لئے میں آپ کے سامنے نماز کی مثال رکھ رہا ہوں۔ مردوں کے لئے حکم ہے کہ وہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں، اِلّا یہ کہ کوئی عذر ہو، جبکہ خواتین کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کے لئے فرمایا گیا ہے کہ عورت کی نماز مسجد کے مقابلے میں اپنے گھر میں افضل ہے۔ گھر میں بھی صحن کے مقابلے میں دالان میں، اور دالان کے مقابلے میں کسی کمرے کے اندر افضل ہے۔اور کمرے کے اندر بھی اگر کوئی کوٹھڑی ہے (جیسا کہ پہلے زمانے میں بنائی جاتی تھیں) تو اس میں نماز ادا کرنا افضل ترین ہے۔ البتہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں استثناء رہا ہے۔ اس لئے کہ اُس زمانے میں تعلیم و تلقین کے اور ذرائع نہیں تھے۔ نہ کتابیں اور رسالے تھے، نہ کیسٹس تھیں۔ لہٰذا عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے ساتھ جو خطبہ ہے وہی تعلیم کا واحد ذریعہ تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے خواتین کو ان خطبات میں شرکت

کی ترغیب دی کہ وہ ضرور شرکت کریں' تاکہ وہ تعلیم و تلقین سے محروم نہ رہ جائیں۔ دورِ نبویؐ میں خواتین کو نماز کے لئے اگرچہ مسجد میں آنے کی بھی اجازت تھی' تاہم انہیں ترغیب یہی دی گئی کہ اپنے گھروں میں نماز کی ادائیگی ان کے لئے افضل ہے اور گھر کے مخفی ترین حصہ میں نماز کا اجر و ثواب مزید بڑھ جائے گا۔

بہرحال اس پہلی منزل تک مسلمان مرد و عورت کے فرائض میں کوئی بڑا فرق قطعاً نہیں ہے اور ان ذمہ داریوں میں مسلمان مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔ اس ضمن میں سورۃ الاحزاب کی تین آیات ملاحظہ ہوں۔ ان آیات میں ازواج مطہراتؓ سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت کا تعلق ایمان کی تحصیل سے ہے' جو مرد و عورت دونوں کا اوّلین فرض ہے۔ حقیقی یا شعوری ایمان کا منبع و سرچشمہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ اس کے پڑھنے پڑھانے' سیکھنے سکھانے' اس پر غور و تدبّر' اور اس کی تلاوت سے انسان کے اندر ایمان پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلی آیت میں فرمایا گیا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ○

"اور ذکر کرتی رہا کرو ان چیزوں کا جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت میں سے تلاوت کی جا رہی ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت ہی باریک بین اور باخبر ہے"۔

یہ آنحضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ سے خطاب ہے' جن کے گھروں میں وحی نازل ہوتی تھی اور حضورؐ وہاں قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ حکمت کا سب سے بڑا خزانہ بھی خود قرآن حکیم ہے۔ مزید برآں آپؐ احادیث کی صورت میں قرآن حکیم کی وضاحت فرماتے تھے۔ تو احادیثِ نبویہؐ بھی دراصل حکمت کے عظیم موتی ہیں۔ گویا ان آیات میں سب سے پہلا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ قرآن و حدیث کا تذکرہ' مذاکرہ' ان کی درس و تدریس' ان کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا ہے۔ اس لئے کہ ایمان کا دارومدار اسی پر ہے۔ اسی سے یقین کی دولت ملے گی۔ اسی سے ہمارے ایمان میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوگی اور اسی سے ایمان میں استحکام اور پختگی پیدا ہوگی۔ لٰہذا یہ پہلا کام ہے جو ہر عورت کو کرنا ہے اور آپ میں سے ہر ایک کو اسے اپنی اوّلین ذمہ داری

سمجھنا چاہئے۔ ہم اگر اس کی فکر نہیں کریں گے اور دعوت و تبلیغ میں لگ جائیں گے تو یہ بھی درحقیقت ترتیب کے اعتبار سے بات غلط ہو جائے گی۔ ترتیب کے اعتبار سے ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنا پہلا فرض یہ سمجھنا چاہئے کہ اسے اپنے ایمان کو مستحکم کرنا ہے' اس میں زیادہ سے زیادہ گہرائی پیدا کرنی ہے اور زیادہ سے زیادہ شعور کا عنصر شامل کرنا ہے۔ مرد یا عورت ہونے کے اعتبار سے اس میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔

اب اگلی آیت کی طرف آیئے۔ وہ صفات جو اسلام مسلمان مرد و عورت سے طلب کرتا ہے انہیں قرآن مجید میں عام طور پر مذکر کے صیغوں میں بیان کر دیا جاتا ہے' اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ برسبیلِ تغلیب ایک بات جب مردوں کے بارے میں بیان کر دی جائے تو عورتوں کے بارے میں وہ ازخود بیان ہو جاتی ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک ایک لفظ کو خاص طور پر دہرا دہرا کر مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ لایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ ان اوصاف اور خصوصیات کے اعتبار سے مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۝

"یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' مومن مرد اور مومن عورتیں' فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں' راست باز و راست گو مرد اور راست باز و راست گو عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں' روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہوں (اور عفت و عصمت) کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں' اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں' بیشک اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے"۔

اس آیۂ مبارکہ میں دس صفات مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ دہرا کر بیان کی گئی ہیں۔

(۱) اَلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ: "مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں"۔ یعنی اللہ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کردینے والے مرد اور عورتیں۔

(۲) اَلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ: "اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں"۔ یعنی اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی نازل کردہ کتابوں، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور آخرت پر ایمان رکھنے والے مرد اور عورتیں۔

(۳) القٰنِتِیْنَ والقٰنِتٰتِ: "فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں"۔ جب کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے دست بستہ جھک کر کھڑا ہوتا تھا کہ جیسے ہی کوئی حکم ملے اسے بجا لائے تو اس کی یہ حالت "قنوت" کہلاتی تھی۔ نماز میں دعائے قنوت وہ دعا ہے جو کھڑے ہو کر مانگی جاتی ہے، ورنہ عام طور پر دعائیں قعدہ میں تشہّد اور درود شریف کے بعد بیٹھ کر ہی مانگی جاتی ہیں۔

(۴) الصّٰدِقِیْنَ والصّٰدِقٰتِ: "راست باز و راست گو مرد اور راست باز و راست گو عورتیں"۔ جو بات کے بھی سچے ہوں اور عمل کے لحاظ سے بھی سچے ہوں۔

(۵) اَلصّٰبِرِیْنَ والصّٰبِرٰتِ: "صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں"۔ صبر کا مفہوم بہت جامع ہے۔ صبر معصیت پر بھی ہے کہ گناہ سے خود کو روکا جائے۔ صبر اطاعت پر بھی ہے کہ جو حکم بھی ملے اسے بجا لایا جائے۔ مثلاً چاہے شدید سردی ہے اور گرم پانی میسّر نہیں ہے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی جائے۔ اس لئے کہ نماز فرض ہے اور اس کے لئے وضو شرط ہے۔ پھر یہ کہ اسلام پر چلنے میں جو تکالیف اور مشکلات پیش آئیں انہیں برداشت کرنا بھی صبر ہے۔

(۶) اَلْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ: "عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں"۔ یعنی اللہ کے سامنے عجز کا اظہار کرنے والے اور اس کے آگے جھک جانے والے مرد اور عورتیں۔ "خشوع" جھکاؤ یا فرمانبرداری کی کیفیت کو کہتے ہیں۔

(۷) اَلْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ: "صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور
صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں"۔ یعنی جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے اپنا پیٹ کاٹ کر
دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔ صدقہ و خیرات میں زکوٰۃ بھی شامل ہے جو ہر صاحبِ نصاب
پر فرض ہے، اور دیگر نفلی صدقات بھی!

(۸) اَلصَّائِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ: "روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی
عورتیں"۔ نوٹ کیجئے کہ ان صفات میں ایمان کے علاوہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے ارکانِ
اسلام بھی آ گئے ہیں۔

(۹) اَلْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ: "اپنی شرمگاہوں (اور عصمت و
عفّت) کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں"۔ عفّت و عصمت کی
حفاظت مرد اور عورت دونوں کے لئے ضروری ہے اور اس ضمن میں اسلام دونوں پر
یکساں پابندیاں عائد کرتا ہے۔

(۱۰) اَلذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ: "اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے
والے مرد اور (اللہ کا کثرت سے) ذکر کرنے والی عورتیں"۔

اگلی آیت میں آخری بات دو ٹوک انداز میں بیان فرما دی گئی جو اس پہلی منزل کا
خلاصہ اور لب لباب ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ
يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

"اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جب
اللہ اور اس کے رسولؐ (ان کے بارے میں) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر
بھی اُن کے پاس اس بات میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جس نے اللہ اور
اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"۔

یعنی مسلمان اور مومن مردوں اور عورتوں کا طرزِ عمل تو یہ ہوتا ہے کہ جب کسی معاملے
میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم یا فیصلہ آ گیا تو اب ان کے اپنے انتخاب یا اختیار کی

کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور اگر کوئی اس کے برعکس رویہ اختیار کرتا ہے تو یہی معصیت اور نافرمانی ہے اور حقیقت کے اعتبار سے کفر ہے اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی روش اختیار کریں گے' خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں' تو وہ پھر بڑی صریح گمراہی کے اندر مبتلا ہوگئے۔ یہ گویا کہ اسلام' اطاعت اور عبادت کا لبِّ لباب ہے۔ اسلام کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینا! اطاعت کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری! عبادت کیا ہے؟ ہمہ تن اور ہمہ وقت اللہ ہی کا بندہ بن جانا!! ان تمام چیزوں میں کانٹے کی بات یہ ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم آگیا وہاں ہمارا اختیار ختم! ہاں اگر کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا واضح حکم موجود نہیں تو گویا کہ اللہ نے ہمیں یہ اختیار دے دیا ہے کہ یہاں ہم اپنی مرضی' فہم' ذوق اور مزاج کے مطابق معاملہ طے کرلیں۔ لیکن جہاں دو ٹوک حکم آچکا ہو (اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا) پھر بھی انسان یہ سمجھے کہ میرے پاس کوئی اختیار یا option ہے تو یہ گویا کہ اسلام اور ایمان کے منافی بات ہوگی۔

یہ پہلی منزل ہے' جہاں پر دینی ذمہ داریوں کے اعتبار سے مرد و عورت میں بہت معمولی فرق ہے۔ لیکن جیسے جیسے ہم اوپر چلتے جائیں گے' یہ فرق بڑھتا چلا جائے گا۔ پہلی منزل پر یہ فرق بہت تھوڑا ہے' دوسری منزل پر بہت نمایاں ہے' جبکہ تیسری منزل پر جا کر یہ زمین و آسمان کا فرق یا بُعد المشرقَین والا معاملہ ہو جائے گا۔ ہمیں اس فرق کی اساس کو سمجھ لینا چاہئے۔ اسلام شرم و حیا اور عصمت و عفت کی انتہائی اہمیت بیان کرتا ہے۔ سلام چاہتا ہے کہ معاشرے میں ان چیزوں کی خوب حفاظت ہو۔ یہی وہ اصول اور مقصد ہے جس کے تحت ستر و حجاب اور لباس کے احکام دیئے گئے اور اس معاملے میں مرد و ورت کے مابین فرق رکھا گیا۔ حجاب اور پردے کے احکامات خالص عورتوں کے لئے ہیں ر ان میں بھی محرم اور نامحرم کا فرق روا رکھا گیا ہے۔ سورۂ نُور میں اس ضمن میں ایک یل آیت وارد ہوئی ہے۔ بہرحال یہ ایک مکمل مضمون ہے جس پر میری ایک کتاب سلام میں عورت کا مقام" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر انا مودودی مرحوم کی کتاب "پردہ" بڑی معرکتہ الاراء کتاب ہے۔ اسی طرح مولانا ن احسن اصلاحی کی کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" بھی ایک عمدہ کتاب ہے۔

ال اس وقت ستر و حجاب کی بنیاد پر اس فرق و تفاوت کو واضح کرنا مقصود ہے کہ دینی
مں کی اوپر کی جو دو منزلیں ہیں، ان میں مرد و عورت کے مابین جو فرق و تفاوت ہے وہ
ا اسی بنیاد پر ہے کہ معاشرے میں شرم و حیا کا ماحول برقرار رہے، اور عصمت و عفّت
پاک دامنی کی پوری پوری حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔

پہلی منزل پر بھی جو فرق ہے وہ اسی بنیاد پر ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مردوں اور
رتوں کے مابین بلا ضرورت کوئی اختلاط یا آپس میں ملنا جلنا ہو۔ چنانچہ اسلام دونوں
، علیحدہ علیحدہ دائرہ کار قائم کرتا ہے اور دونوں کی ذمہ داریاں اور فرائض کا علیحدہ علیحدہ
ن کرتا ہے۔ نماز کے ضمن میں آخر یہ فرق کیوں کیا گیا کہ مردوں کی نماز گھر کی نسبت
بد میں افضل ہے، جبکہ عورت کی نماز گھر کے اندر اور گھر کی بھی اندرونی کوٹھڑی میں
وہ افضل ہے اور مسجد میں اُن کی آمد پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اس
ں اختلاط کا ایک امکان پیدا ہوتا ہے۔ راستہ چلتے، مسجد کو آتے جاتے مردوں سے مڈبھیڑ
سکتی ہے۔ پھر مسجد کے اندر بھی خواہ کتنا ہی اہتمام کر لیا جائے مگر اس کا اندیشہ رہتا ہے
، کہیں کوئی بے حجابی کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے یا کسی نامحرم کی نظر نہ پڑ جائے۔ انہی
حالات کی وجہ سے پہلی منزل پر بھی باریک سا فرق واقع ہو گیا، جو میں بیان کر چکا ہوں۔

ا) دوسری منزل: دعوت و تبلیغ کے تین دائرے

یہ فرق جب آگے بڑھے گا تو بہت زیادہ نمایاں ہو جائے گا۔ مثلاً دوسری منزل پر
عوت و تبلیغ کی ذمّہ داری ہے --- اس کے ضمن میں ہمارے دین نے جو عام ترتیب
سکھائی ہے وہ یہ ہے کہ "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کے اصول پر اصلاح کا کام پہلے اپنے آپ
سے شروع کیا جائے، پھر گھر والوں کی اصلاح کی فکر کی جائے اور اس کے بعد دوسرے
وگوں پر دعوت و تبلیغ کا کام کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص سات سمندر پار جا کر تبلیغ کر
رہا ہو جبکہ اس کے اپنے گھر میں دین کا معاملہ تسلی بخش نہ ہو تو یہ درحقیقت غلط ترتیب
ہے، جس کی وجہ سے وہ برکات ظاہر نہیں ہوتیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغ سے ظاہر ہوئیں۔

اب اس ترتیب کو سامنے رکھیں تو ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواتین کے لئے دعوت،

تبلیغ، نصیحت اور اصلاح کا اوّلین دائرہ اُن کا اپنا گھر ہے۔ ان کے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کلیۃً ان کی ذمّہ داری ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر خواتین کا حلقہ اور اس سے مزید آگے محرم مردوں کا حلقہ آئے گا۔ بس ان تین حلقوں میں خواتین کو دعوت و تبلیغ کے فرائض سرانجام دینے ہیں۔ سب سے پہلے حلقے کے بارے میں سورۃ التحریم میں "قُوا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ! اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

"تم میں سے ہر شخص گلہ بان ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے گلے کے بارے میں جوابدہ ہے"۔

یعنی جس طرح ہر چرواہے کی ذمہ داری میں کچھ بھیڑ بکریوں پر مشتمل ایک گلہ ہوتا ہے اور وہ چرواہا گھر سے اس گلے کو لے جانے اور بحفاظت واپس لانے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اسی طرح ہر شخص کی حیثیت ایک گلے بان کی سی ہے اور جو کچھ اس کے چارج میں ہے، وہ اس کے بارے میں مسئول اور ذمہ دار ہے۔ چنانچہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا:

وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي اَهْلِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

"اور آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے، اور وہ اپنی اس رعیّت کے بارے میں جوابدہ ہے"۔

اس سے اللہ کے ہاں یہ پوچھا جائے گا کہ اس پر اس کے گھر والوں کی اصلاح و تربیت اور دوسرے حقوق کی ادائیگی کی جو ذمّہ داری ڈالی گئی تھی وہ اس نے کس حد تک ادا کی۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا:

وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا

"اور عورت اپنے شوہر کے گھر پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے متعلق پوچھا جائے گا"۔

اور ظاہر بات ہے کہ اس کی رعیت میں اس کی اولاد اس کا مصداقِ اوّل ہے۔ اور ایک

روایت میں تو الفاظ ہی یہ آئے ہیں:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ

"اور عورت اپنے شوہر کے اہلِ خانہ اور اس کی اولاد پر نگران ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے"۔

یعنی اس کے دیگر افراد خانہ اور باندیاں اور غلام وغیرہ بھی اس کی نگرانی اور ذمہ داری میں ہوں گے، مگر اصل ذمہ داری اولاد کی ہے۔ (یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے اور ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ اسے مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔)

یہ معاملہ واقعتًہ نہایت اہم ہے، کیونکہ اگر ہم غور کریں تو کسی بھی قوم کا مستقبل اس کی آئندہ نسل سے وابستہ ہے اور آئندہ نسل کا سارا بوجھ اللہ تعالیٰ نے عورت پر ڈالا ہے۔ اس کی پیدائش کے علاوہ اس کی پرورش کا بھی اصل بوجھ عورت ہی پر ہے۔ وہی تو ہے کہ جو بچوں کی پرورش کی خاطر سب سے بڑھ کر اپنی نیندیں حرام کرتی ہے اور اپنے آرام کی قربانی دیتی ہے۔ پھر ان کی تعلیم کی اوّلین ذمّہ داری بھی اُسی پر عائد ہوتی ہے۔ بچّے کی سب سے پہلی تعلیم گاہ درحقیقت ماں کی گود ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال مسلمان ماں کے بارے میں کہتے ہیں۔

ع آسیا گرداں و لب قرآں سرا

اور یہ نقشہ ہم نے بچپن میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ خواتین بچے کو دودھ پلاتے ہوئے قرآن بھی پڑھ رہی ہیں اور ساتھ ہی چکّی بھی چلا رہی ہیں۔ اور بچے کو گود میں لے کر ماں جب قرآن پڑھتی ہے تو بچّہ اُسے سنتا ہے۔ یہ چیزیں غیر محسوس طریقے سے منتقل ہوتی ہیں۔ آخرہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بچّہ جب پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی اثر تو لازماً ہوتا ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمیں کوئی حکم دیا گیا ہو اور اس کی کوئی افادیت یا علّت نہ ہو۔ بچّہ بے شعور سہی، مگر آپ کو معلوم ہے کہ ٹیپ ریکارڈر میں چلنے والی کیسٹ بھی بے شعور ہوتی ہے۔ لیکن جو کچھ ہم بولتے ہیں اس کے اثرات اس پر ثبت ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ نظر نہیں آتے۔ اور جب آپ ٹیپ چلاتے ہیں تو وہ آواز برآمد ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بچے کے تحت الشعور کے اندر بھی کوئی ٹیپ ہو، جس پر اذان اور اقامت کی آواز

اپنے اثرات مرتب کرتی ہو۔ اسی طرح اگر ایک ماں اپنے بچے کو گود میں لئے بیٹھی اس کے ہاتھ چکی چلا رہے ہوں اور ہونٹ قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں تو ممکن نہیں اس قرآن کے اثرات بچے کی شخصیت پر نہ پڑیں۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے

؎ کہ در آغوش شبیرے بگیری!

کہ ایسی ہی خواتین کی گود کے اندر حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ جیسے پھول کھلیں گے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ: **اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ** "علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر تک"۔ 'مہد' ماں کی گود کو کہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ بچے کی تعلیم کا نقطۂ آغاز یہی ہے۔

تو خواتین کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنی اولاد کی تربیت ہے۔ اور ان کی سب سے کڑی مسئولیت اولاد ہی کے بارے میں ہوگی۔ لہٰذا اس کی COST پر' یعنی اس کو نظرانداز کرتے ہوئے یا اس میں کوتاہی کرتے ہوئے کوئی اور کام کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے کہ اولاد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد بھی وقت بچ رہا ہو تو پھر انہیں مزید محنت کرنا چاہئے۔ خاص طور پر جوان خواتین' جن کے بچے ابھی چھوٹے ہوں اور اولاد کی پیدائش کا سلسلہ ابھی جاری ہو' آج کے دور میں ان کی ذمہ داریاں اتنی کٹھن ہیں کہ انہیں پورا کرنے کے بعد بہت کم وقت بچتا ہے۔ لیکن جو بھی وقت بچے وہ اسے صَرف کریں' اپنے آرام کی قربانی دیں اور دوسرے قریبی حلقوں میں دعوت کا کام کریں' جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ لیکن اس کی خاطر اولاد کو نظرانداز کرنا قطعاً جائز نہیں۔

ہمارے ہاں جو یہ ہو رہا ہے کہ سات سمندر پار تبلیغ ہو رہی ہے اور اپنے گھر والوں کو نظرانداز کیا جا رہا ہے تو یہ اس قسم کا طرز عمل ہے جس کے بارے میں سورۃ البقرہ کے پانچویں رکوع میں آیا ہے: **اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ** "کیا تم لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟"۔ اپنی اولاد کی طرف سے عدم توجہی اور لاپرواہی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی تربیت صحیح طور پر نہیں ہو پاتی اور لامحالہ ماحول کے اثرات ان پر مرتب ہو کر رہتے ہیں اور ان کی ذہنیت' خیالات معاشرے کے رنگ سے لازماً متاثر ہوتے ہیں۔ اور آج کا بچہ تو الحاد' کفر' بے حیائی اور عریانی' ان

عفریتوں کی زد میں ہے۔ ٹی وی اس کے سامنے ہے' اخبارات اس کے اردگرد ہیں
ہ ان کی یلغار کی زد میں ہے۔ جس طرح امریکہ نے عراق پر وحشیانہ انداز میں بمباری
ہے' اسی طرح ہمارے بچے الحاد اور بے حیائی کی بمباری کی زد میں ہیں۔ اب اگر ان
ذمہ داریوں سے اعراض کیا جائے اور گھروں سے باہر نکل کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ
نجام دیا جا رہا ہو' تو میرے نزدیک یہ ترتیب کو الٹا کر دینے والی بات ہے۔

جہاں تک دوسرے دائرے یعنی گھر سے باہر نکل کر دوسری خواتین میں دعوت و تبلیغ
درس و تدریس کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اس کے لئے منظم کوشش وقت کی
اہم ضرورت ہے۔ البتہ اس کے لئے ایسی خواتین کو زیادہ فعال ہونا چاہئے جو ادھیڑ
کی ہیں اور ان کے لئے حجاب کے احکامات میں بھی وہ شدت نہیں ہے۔ بڑی عمر کی
تین کے لئے سورۃ النور میں فرمایا گیا: لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ
ابَهُنَّ۔ کہ ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ اپنی چادریں اتار کر رکھ بھی دیا کریں! یعنی ستر کی
رت تو برقرار رہے گی مگر پردے اور حجاب کے ضمن میں ان پر اب وہ شدید پابندیاں
بں ہیں جو ایک نوجوان عورت پر ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں عملاً جو صورتِ حال
ہے' وہ ایک برعکس نقطۂ نظر کی غمازی کرتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جو خواتین شروع ہی سے
ھر میں رہنے کی عادی ہوتی ہیں اور وہ حکمِ قرآنی "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" (اپنے گھروں
ں قرار پکڑو!) پر عامل ہوتی ہیں' اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بجا طور پر پردے کی بھی خوگر
وتی ہیں تو ایسی خواتین خواہ بڑھاپے کی سرحد پر پہنچ چکی ہوں' ان کی ایک طبیعتِ ثانیہ
ن جاتی ہے کہ پھر ان کی طبیعت کہیں بھی نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتی، چاہے شریعت کی
طرف سے اب پابندیاں ہلکی ہو رہی ہیں۔ یہ اس تصویر کا بالکل دوسرا رُخ ہے۔ میرے
نزدیک اس معاملے میں حساسیت کو کم کر دینا چاہئے۔ اور ایسی خواتین کے پاس اگر وقت
فارغ ہو تو انہیں دین کے کاموں میں زیادہ ہچکچانا نہیں چاہئے۔ طویل سفر کے لئے تو ظاہر
ہے کہ محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے' مگر شہروں کے اندر اگر خواتین کے اپنے حلقوں میں
درس و تدریس کے لئے نقل و حرکت ہو رہی ہو' تو انہیں اپنی تمام احتیاطات کے ساتھ
ان دینی اُمور میں ضرور حصّہ لینا چاہئے۔ جہاں تک جوان لڑکیوں کا تعلق ہے' ان کے لئے
اس میں بھی بڑے خطرات ہیں۔ میرے نزدیک اس معاشرے میں ان کا اکیلے باہر نکلنا

سرے سے جائز ہی نہیں۔ وہ جوان لڑکیاں جن پر اولاد وغیرہ کی ذمہ داریاں نہ ہوں' یا اگر ضمن میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد بھی ان کے پاس وقت فارغ ہو تو وہ ستر اور حجاب کی پوری پابندی کرتے ہوئے ان سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہیں' بشرطیکہ جب باہر نکلیں تو محرم ساتھ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہم جس معاشرتی طوفان سے دوچار ہیں' اس میں جب تک کوئی منظم کوشش نہیں ہوگی' اثرات کا نکلنا اور ظاہر ہونا بعید از قیاس ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ خواتین اگر اپنا حلقہ منظم کریں' ان کے اپنے اجتماعات اور کلاسز کا نظام قائم ہو' جن میں تعلیم و تعلّمِ قرآن اور عربی زبان کی درس و تدریس کے علاوہ دعوت و تبلیغ اور تذکیر و تلقین کا اہتمام ہو تو یہ یقیناً مطلوب ہے۔

خواتین کی تعلیمی و تربیتی اور دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا تیسرا حلقہ ان کے محرم مردوں پر مشتمل ہے۔ یعنی ان کے بھائی' والد' چچا' ماموں اور بھتیجے' بھانجے وغیرہ۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ شوہر کے بھتیجے' بھانجے محرم نہیں' نامحرم ہیں۔ عورت کا محرم وہ ہے جس سے اس کی شادی کبھی بھی نہ ہو سکتی ہو۔ اور شوہر کی وفات کے بعد شوہر کے بھتیجے یا بھانجے سے نکاح ہو سکتا ہے' لہٰذا وہ نامحرم ہیں۔ تو محرم مردوں میں دعوت و اصلاح کا کام بھی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ایسا اکثر دیکھنے میں آ رہا ہے کہ ہماری جو پچھلی نسل ہے' اس پر مغرب کے اثرات زیادہ ہیں۔ اب جبکہ دینی جماعتوں اور تحریکوں کے ذریعے دین کا چرچا متوسط طبقے میں بڑھ گیا ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ نوجوان لڑکوں کے چہروں پر تو داڑھیاں ہیں' لیکن ان کے والد اور دادا کلین شیو نظر آتے ہیں۔ یہ الٹی گنگا اس لئے بہہ رہی ہے کہ اس نوجوان نسل پر تبلیغی جماعت' جماعتِ اسلامی اور دیگر دینی تحریکوں کے اثرات پڑے ہیں' جبکہ پچھلی نسل ان اثرات سے عاری ہے۔ اسی طرح اب نوجوان نسل کے اندر ایسی لڑکیوں کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے جو ستر و حجاب کی پابندی کرنا چاہتی ہیں' لیکن ان کے والدین کے ہاں یہ تصوّر نہیں ہے۔ تو ان کے لئے اپنے والد' بھائیوں اور دیگر محرموں کو تبلیغ کرنا اور ان کو صحیح راستے کی طرف بلانا مقدم ہے۔ عورتوں کے لئے یہ دعوت و تبلیغ کا تیسرا میدان ہے۔

بعض دینی حلقوں کے زیرِ اثر خواتین الیکشن کے دنوں میں کنویسنگ کے لئے گھر گھر جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پیشِ نظر یہ ہو کہ اسلام الیکشن کے ذریعے سے غالب

ز اسے اس کے لئے وسیع پیانے پر رابطہ کرنے کے لئے گھر گھر جانا ہوگا۔ چنانچہ
ں لڑکیاں اور خواتین گھر گھر جا کر ووٹوں کے لئے رابطہ کرتی ہیں۔ اگرچہ وہ یہ کام
کے ساتھ کرتی ہیں' جو اپنی جگہ قابلِ تعریف بات ہے' لیکن نوجوان بچیوں کا اس
اجنبی گھروں میں جانا بڑی نامناسب بات ہے' کیونکہ ہمارا دین خواتین کو اجنبی
ں کے ساتھ میل جول سے بھی منع کرتا ہے۔ مسلمان خواتین کے لئے اجنبی
ں بھی محرم نہیں ہیں۔ کیونکہ سورۃ النور میں محرموں کی جو فہرست آئی ہے اس میں
ساٰئِھِنَّ" بھی فرمایا گیا ہے۔ یعنی اپنی عورتیں' جانی پہچانی عورتیں' معروف عورتیں'
کے کردار کے بارے میں معلوم ہے کہ شریف خواتین ہیں' ورنہ ہو سکتا ہے کہ کوئی
عورت جو گھر میں چلی آ رہی ہو کسی بری نیت سے چلی آ رہی ہو۔ تو اسلام کی رُو
جنبی عورتوں کو اپنے گھروں میں بھی اس طرح بے محابا داخل ہونے کی اجازت نہیں
ا سکتی' کجا یہ کہ مسلمان نوجوان لڑکیاں ہر طرح کے گھروں میں جائیں۔ اس میں یقیناً
سے فتنے اور خطرات موجود ہیں۔ بہرحال اس حلقے کے پیش نظر چونکہ انتخابی طریقِ
ی ہے تو شاید انہوں نے اس کے لئے اس طرح سے گھر گھر رابطہ ناگزیر سمجھ لیا ہو'
ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی اس معاشرے کے اندر بہت بڑی ذہنی' فکری اور اخلاقی
ں کی ضرورت ہے۔ ایک "حزب اللہ" کو وجود میں لانے کے لئے ابھی بڑی محنت کی
رت ہے۔ اور اس کے لئے میں نے مسلمان خواتین کے تین دائرہ ہائے کار بتا دیئے
۔ اگر کبھی ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں تو ان میں یقیناً احکام کچھ مختلف ہو سکتے ہیں' اور
ابھی اس کے بارے میں بھی عرض کروں گا' لیکن اس وقت کے جو حالات ہیں ان میں
ت و تبلیغ کے ضمن میں ایک مسلمان خاتون کے لئے یہی تین دائرے ہیں۔

ا) تیسری منزل: اقامتِ دین کی جدوجہد اور خواتین

اب آیئے تیسری منزل کی طرف۔ یہ اقامتِ دین' اسلامی انقلاب یا تکبیرِ ربّ کی
ں ہے۔ اس سطح پر ایک ایسی منظم جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے جس کی حیثیت ایک
نِ مرصوص کی ہو اور جو باطل نظام کی تبدیلی کے لئے نہ صرف یہ کہ ایک عوامی تحریک
کر سکے' بلکہ جہاد و قتال کے مراحل سے گزرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہو۔ یہ وہ ذمہ

داری ہے جو انتہائی ناگزیر حالات اور ہنگامی صورتِ حال کے سوا، خواتین کے دائرہ کار سے بالکل خارج از بحث ہے۔ اللہ نے انہیں اس ذمہ داری سے بَری کیا ہے۔ اس ضمن میں بعض خواتین و حضرات کو شاید مغالطہ ہو جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خواتین نے بھی ہجرت کی ہے، اور اس راہ میں خواتین کی گردنیں بھی کٹی ہیں۔ مثلاً حضرت سُمیہؓ نے اپنے شوہر حضرت یاسرؓ کے ساتھ جان قربان کی ہے اور حضرت رقیہؓ نے اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ تو چونکہ جان کا نذرانہ دینا اور ہجرت کرنا صحابیاتؓ سے ثابت ہے، لہٰذا خواتین کو بھی اللہ کی راہ میں سربکف نکلنا چاہئے۔ اس استدلال میں جو مغالطہ ہے اسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اصل میں ان خواتین صحابیات رضی اللہ عنہن کی ہجرت اور شہادت کی نوعیت پہلی منزل ہی کے تقاضے کی تھی۔ کیونکہ اگر ایمان پر گردن کٹتی ہو، جو اسلام کی پوری عمارت کی جڑ اور بنیاد ہے تو مسلمان خاتون بھی مسلمان مرد کی طرح اپنی گردن کٹوائے گی اور یہاں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ حضرت سمیہؓ نے توحید کی بنیاد پر جان دی ہے۔ ابوجہل دباؤ ڈال رہا تھا کہ توحید سے برگشتہ ہو جاؤ اور شرک کی روش اختیار کرو، میرے معبود کی بھی کچھ نہ کچھ الوہیت تسلیم کرو۔ حضرت سُمیہ اور ان کے شوہر حضرت یاسر (رضی اللہ عنہما) نے اس سے انکار کیا اور دونوں شہید کر دیئے گئے۔ لیکن یہ بجائے خود "قتال فی سبیل اللہ" اور میدان میں آ کر باطل سے پنجہ آزمائی کا مرحلہ نہیں ہے، بلکہ انہوں نے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے ہر جبر و تشدّد کو برداشت کیا، حتیٰ کہ اپنی جان قربان کر دی۔ اور آج بھی اگر کسی مومنہ مسلمہ خاتون کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ اسے کُفر اختیار کرنے یا جان کا نذرانہ دینے میں سے ایک بات کا انتخاب کرنا پڑے تو اس کے لئے عزیمت کی راہ یہی ہے کہ وہ کفر اختیار کرنے کی بجائے اپنی جان قربان کر دے، اگرچہ اسلام نے رخصت کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت بھی دی ہے کہ اگر دل میں کفر کا شائبہ پیدا نہ ہو تو کلمۂ کفر کہہ کر جان بچائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسرؓ کے صاحبزادے عمارؓ نے یہی کیا تھا کہ وقتی طور پر کلمۂ کفر کہہ کر جان بچالی۔ اور یہ واقعتہً بڑی عجیب بات ہے کہ بوڑھے والدین نے عزیمت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جان دے دی اور کلمۂ کفر ادا نہیں کیا اور یہ عزیمت بالکل مختلف چیز ہے۔ یہ جہاد و قتال میں گردن کٹوانا نہیں ہے، بلکہ

ایمان پر قائم رہنے کے لئے جان کی بازی لگا دینا ہے۔ اسی طرح ہجرت کا معاملہ ہے کہ جہاں دین پر قائم رہنا ممکن نہ رہے وہاں سے ہجرت کر جانا مسلمان مرد و عورت دونوں کے لئے لازم ہے۔ چنانچہ حضرت رقیہؓ، حضرت اُمِّ حبیبہؓ اور دیگر خواتین نے اپنے محرموں کے ساتھ ہجرت کی، کیونکہ مکّہ میں رہتے ہوئے ان کے لئے توحید پر قائم رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ وہ باتیں ہیں جو مسلمان مرد و عورت دونوں کے لئے ضروری ہیں اور اس سلسلے میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی بات ہے جو سورۂ آلِ عمران کے آخر میں آئی ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ، بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ، فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

ان تمام افعال میں مرد و خواتین برابر کی شریک ہیں۔ مردوں کی طرح خواتین کو بھی اللہ کے راستے میں ایذائیں پہنچائی گئیں، انہیں ظلم و تشدّد کا نشانہ بنایا گیا اور انہیں ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے ہجرت بھی کی اور توحید پر قائم رہنے کے لئے اپنی گردنیں بھی کٹوائیں —— لیکن دوسری طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرب میں جو انقلابی تحریک برپا کی اور جس طرح جہاد و قتال کے مراحل طے کئے اس میں خواتین کہیں شریک نظر نہیں آتیں۔ اس ضمن میں میں نے جو چند باتیں نوٹ کی ہیں، وہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

حضورؐ نے ہجرت کے فوراً بعد جو آٹھ مہمیں بھیجی ہیں، ان میں کسی خاتون کا کوئی تذکرہ تک موجود نہیں۔ اللہ کی راہ میں سب سے پہلی باقاعدہ جنگ غزوۂ بدر ہے، جسے قرآن "یوم الفرقان" سے تعبیر کرتا ہے، اور اس کی تمام تفاصیل کتبِ حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔ اس میں کسی خاتون کی شرکت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اب ہمیں یہیں سے تو سمجھنا ہے کہ دین کا مزاج کیا ہے اور دین کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریاں کیا ہیں؟ دین کا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ جہاد و قتال کے ضمن میں خواتین کی کچھ ایسی ذمہ داریاں ہوتیں جو حضورؐ ہمیں نہ بتاتے؟ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ! آپؐ اگر ایسا کرتے

تو اللہ کے ہاں آپؐ کی بہت سخت مسئولیت ہو جاتی۔ تو ہمیں یہ معروضی طور پر (Objectively) سمجھنا ہے کہ خواتین کی ذمہ داریاں کیا ہیں' نہ کہ خود اپنی طرف سے کچھ اضافی ذمہ داریاں عائد کرنا ہیں۔ صرف غزوۂ اُحد میں خواتین کی میدانِ جنگ میں موجودگی کا ذکر ملتا ہے' جبکہ انتہائی ایمرجنسی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ مدینہ منورہ میں ستر صحابہ کرامؓ کی شہادت کی اطلاع پہنچی تھی اور اس کے ساتھ یہ خبر بھی اُڑ گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اس پر پورے مدینے کے اندر ایک کہرام مچ گیا تھا۔ یہ معرکہ مدینے سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ خواتین والہانہ انداز میں دامنِ اُحد کی طرف دوڑیں اور انہوں نے زخمیوں کو پانی بھی پلایا اور ان کی مرہم پٹی وغیرہ بھی کی۔ یہ ایک بالکل ہنگامی صورتِ حال اور استثنائی کیفیت تھی۔ اس طرح کی استثنائی ہنگامی صورتِ حال اب بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ فرض کیجئے کہ لاہور پر حملہ ہو جائے اور یہاں پر گھر گھر مورچے لگا کر جنگ کرنی پڑے تو ظاہر بات ہے کہ خواتین بھی شریک ہو جائیں گی اور وہ اس ملک کے تحفظ اور دفاع کے لئے اپنے مردوں کا ساتھ دیں گی۔ تو غزوۂ احد کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ وہاں ایک انتہائی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی جس میں خواتین کو اس میں شریک ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ ایک ضروری بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ غزوۂ اُحد تک ابھی حجاب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد غزوہ احزاب میں' جو شدید ترین آزمائش کا مرحلہ تھا اور جس کے بارے میں قرآن مجید میں "وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا" ("اور بڑی شدت سے ہلا ڈالے گئے!") کے الفاظ وارد ہوئے ہیں' کوئی خاتون محاذِ جنگ پر نہیں آئیں۔ بلکہ وہاں خواتین کو ایک بڑی حویلی کے اندر جمع کر دیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک یہودی مشتبہ حالت میں ادھر آ رہا تھا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمے کی چوب نکال کر اسے ضرب لگا کر مار دیا۔ یاد رہے کہ حجاب کا حکم اوّلاً سورۃ الاحزاب میں آیا ہے جو غزوۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی ہے' جبکہ سورۃ النور مزید ایک سال بعد ۶ھ میں نازل ہوئی۔

۷ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اس غزوہ سے متعلق یہ واقعہ کتبِ حدیث میں موجود ہے' جس سے غزوۂ خیبر میں خواتین کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ اس واقعے کو امام احمدؒ نے اپنی مسند اور امام ابو داؤدؒ نے اپنی سُنن میں روایت کیا ہے۔

"حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچ دیگر خواتین کے ہمراہ باہر نکلیں، جن میں چھٹی وہ خود تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہمیں بلوایا۔ جب ہم حاضر ہوئیں تو آپؐ کو غضبناک پایا۔ آپؐ نے پوچھا: تم کس کے ساتھ نکلی ہو اور کس کی اجازت سے نکلی ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہم اُون کاتیں گی اور کچھ اللہ کی راہ میں کام کریں گی۔ ہمارے پاس کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے۔ ہم (مجاہدین کو) تیر پکڑا دیں گی، (انہیں) ستو گھول کر پلا دیں گی۔ آپؐ نے فرمایا: اٹھو، واپس چلی جاؤ! پھر جب اللہ نے خیبر فتح کرا دیا تو حضور اکرمؐ نے (مالِ غنیمت میں سے) ہمارے لئے بھی مردوں کی طرح حصّہ نکالا۔ حشرج کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: دادی جان! (مالِ غنیمت میں سے) کیا چیز ملی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: کچھ کھجوریں!"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان خواتین سے یہ استفسار کہ تم کس کے ساتھ نکلی ہو اور کس کی اجازت سے نکلی ہو بہت اہم ہے۔ اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کوئی خاتون اگر کہیں باہر نکلتی ہے تو سب سے پہلے اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ اس کے ساتھ محرم ہے یا نہیں؟ سیرت کا یہ اہم واقعہ ہماری خواتین کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔

مزید برآں "الاستیعاب" میں منقول حضرت اسماء بنت یزید (رضی اللہ عنہا) کا واقعہ بھی اس ضمن میں بہت اہم ہے۔ ہمارے ہاں بہت سی خواتین میں جب دینی جذبہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہیں۔ اور یہ خواتین خود دین کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کی رعایت نہ رکھتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتے ہوئے، اور بچوں کی پرورش کے فریضے کو پامال کرتے ہوئے دین کا کام کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی خواتین کے لئے سیرت کا یہ واقعہ نہایت فیصلہ کن اور سبق آموز ہے۔ حضرت اسماءؓ بنت یزید ایک انصاریہ خاتون ہیں اور یہ مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن ہیں، جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا: "اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ

—— ان کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں
اور عرض کیا کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ وہ سب
سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرتی ہوں اور سب وہی رائے رکھتی ہیں جو میں آپؐ کے
سامنے پیش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں
کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپؐ کی پیروی
کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والیاں اور گھروں کے
اندر بیٹھنے والیاں ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش پوری کرلیں اور ہم ان
کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت، جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے
سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد پر جاتے ہیں تو ہم ان کے گھربار کی حفاظت کرتی ہیں او
ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں۔ تو کیا اجر میں بھی ہم کو ان کے ساتھ حصّہ ملے گا؟
آنحضورؐ نے ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ک
آپ لوگوں نے اس سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے، جس نے اپنے دین
بابت سوال کیا ہو؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہؐ! اس کے
بعد آنحضرتؐ حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اسماء! میری مدد کرو او
جن عورتوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان تک میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہا
اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خُوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کر
مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں۔ حضرت اسماء رسو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس لو
گئیں اور انہوں نے اس پر کسی انقباض کا اظہار نہیں کیا۔

اس واقعے میں ہماری خواتین کے لئے یہ سبق ہے کہ ہماری محنت و کوشش کا اصل
مقصد تو یہ ہے کہ ہم اللہ کے ہاں اپنی ذمّہ داریوں سے بَری الذمّہ ہو جائیں۔ اللہ تعا
نے اگر ایک ذمّہ داری ڈالی ہی نہیں تو خواہ مخواہ اپنے اوپر اس ذمّہ داری کا بوجھ لاد لی
اپنی جان پر ظلم کے مترادف ہے اور یہ ایسا طرزِ عمل ہے جس کے جواب میں اللہ ک
طرف سے "نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی" والا معاملہ پیش آ سکتا ہے۔ یعنی کوئی شخص اگر کسی ای
ذمّہ داری کو اختیار کرلے جو اس پر عائد نہیں کی گئی تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے اس ذ

داری کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر اس میں اللہ کی مدد' نصرت اور تائید شاملِ حال نہیں ہوتی۔ اور آدمی اگر حد سے تجاوز کر جائے تو اندیشہ ہے کہ "وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" کے الفاظ کے مطابق جنت کی طرف جانے کے بجائے جہنم کی طرف پیش قدمی ہو جائے۔ تو اس طرزِ عمل سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فریضۂ اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد مردوں پر فرض کی ہے اور عورتوں پر یہ ذمّہ داری براہِ راست عائد نہیں کی۔ البتہ خواتین سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اس جدوجہد میں اپنے مردوں کی معین و مددگار ہوں۔ بچّوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو اپنی ذمّہ داری سمجھیں اور مردوں پر اس کا زیادہ بوجھ نہ پڑنے دیں۔ وہ مردوں کے لئے اس راہ میں زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کرنا ممکن بنائیں۔ ان پر اپنی فرمائشوں کا بوجھ اس طرح نہ لاد دیں کہ وہ انہی مسائل میں الجھ کر رہ جائیں اور دین کی سربلندی کے لئے جد و کوشش نہ کر سکیں۔ خواتین اگر ان اُمور کو مدنظر رکھتے ہوئے شوہروں سے تعاون کریں تو یہ ان کی طرف سے اقامتِ دین کی جدوجہد میں شرکت کا بدل بن جائے گا اور ان کے لئے اجرِ کثیر اور ثوابِ عظیم کا باعث ہوگا۔ اور خواتین کے لئے اس سے بڑھ کر خوش آئند بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں گھر بیٹھے بٹھائے مردوں کے برابر اجر و ثواب مل جائے!!

مردوں اور خواتین کی بیعت کا فرق

مردوں اور عورتوں کے دینی فرائض کے ضمن میں ایک اہم فرق بیعت کا ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ آنحضور ؐ نے اقامتِ دین کے لئے' ہجرت سے متصلاً قبل سمع و طاعت کی جو بیعت لی وہ صرف مردوں سے لی' جو بہت سخت بیعت ہے۔ یہ "بیعتِ عقبۂ ثانیہ" کہلاتی ہے جس میں ہر حال میں امیر کے حکم کی پابندی کا عہد ہے' جسے فِی الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ" کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی خواہ تنگی ہو' خواہ آسانی' اور خواہ طبیعت اس کے لئے آمادہ ہو' خواہ طبیعت پر جبر کرنا پڑے۔ پھر اس میں درجہ بدرجہ تمام امراء کے حکم کی پابندی کرنا بھی شامل ہے۔ یہ چیزیں واقعتہً بہت سخت اور نفس پر بڑی شاق گزرنے والی ہیں' لیکن وہ منظم جماعت جسے اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد کرنا ہو اور جہاد و قتال کے مراحل سے گزرنا ہو' وہ ان کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔

لیکن حضورؐ نے یہ بیعت خواتین سے نہیں لی۔ اس موقع پر آپؐ نے خواتین سے جو بیعت لی وہ بعینہٖ وہ بیعت تھی جو آپؐ اس سے کچھ عرصہ قبل مردوں سے بھی لے چکے تھے اور اسے "بیعتِ عقبۂ اولیٰ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل نیکی کی بیعت تھی، جس میں کفرو شرک، برائیوں، حرام کاموں، جھوٹ، چوری اور زنا وغیرہ سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا عہد تھا۔ خواتین سے آپؐ بعد میں بھی، مستقل طور پر، یہی بیعت لیتے رہے ہیں۔ سورۃ الممتحنہ میں، جو صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے، خواتین کی بیعت کے لئے یہی "بیعتِ عقبۂ اولیٰ" والے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ مردوں اور عورتوں کی بیعت کے الفاظ میں جو یہ عظیم الشان فرق ہے، اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں کے دینی فرائض یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان میں فرق ہے۔ ہمارے ہاں صوفیاء کے حلقے میں یہی خواتین والی بیعت رائج ہے اور یہ "بیعت النسوۃ" یا "بیعت النساء" کہلاتی ہے۔

جماعتی زندگی۔ دونوں کے لیے ضروری!

اس سب کے باوجود جہاں تک ایک جماعتی زندگی کا تعلق ہے، اس کے بارے میں میرا احساس یہ ہے کہ یہ جس طرح مردوں کے لئے ضروری ہے، اسی طرح خواتین کے لئے بھی ضروری ہے، اس لئے کہ جماعتی زندگی میں ایک برکت ہے۔ اس سے نیکی و بھلائی کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور دوسرے ساتھیوں کو اچھے کاموں اور نیکیوں میں آگے بڑھتے دیکھ کر اپنا حوصلہ بھی بڑھتا ہے۔ جب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے کسی ساتھی یا ساتھیہ نے اپنے گھر میں ہونے والے کسی غلط کام کو ترک کردیا ہے یا ترک کروا دیا ہے تو آپ میں بھی ایسا کرنے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جماعتی زندگی کی برکتوں اور فوائد سے عورتوں کو بھی محروم نہیں رکھا گیا۔ اس کے لئے سورۃ التوبہ کی آیت ۷۱ کا مطالعہ کیجئے۔ فرمایا گیا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

"مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے"۔

اور یہ جماعتی ماحول کی برکات ہی کا مظہر ہے کہ حضورؐ نے خواتین سے بھی بیعت لی۔ البتہ ذمہ داریوں میں فرق و تفاوت کے اعتبار سے دونوں کی بیعت مختلف ہے۔ لیکن بیعت بہرحال دونوں سے لی گئی۔ نتیجۃً خواتین میں بھی یہ احساس پیدا ہوگیا کہ ہم ایک اجتماعیت میں شریک ہیں، ہمارا کسی کے ساتھ کوئی ربط و تعلق ہے، ہمیں ان کے احکامات سن کر ان پر عمل کرنا ہے، نیکی کے کام بجالانے ہیں، کیونکہ ہم نے قول و قرار کیا ہے۔ اس سے خود احتسابی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اب اگر ہم یہ کام نہیں کر رہے تو گویا اپنے عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

چنانچہ ہم نے بھی تنظیمِ اسلامی میں خواتین کا ایک حلقہ رکھا ہے اور ہمارے ہاں ان کی بیعت کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ ہماری تمام تر خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ہم تمام معاملات میں کتاب و سنّت سے اور اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی مثالوں سے حتی الامکان قریب ترین رہنے کی کوشش کریں۔ جس طرح حضورؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا: "میرے قریب آ جاؤ" پھر فرمایا: "میرے اور قریب آ جاؤ!" تو اسی طرح ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ حضورؐ کا جو طریقہ و اُسوہ تھا اس سے قریب سے قریب تر رہنے کی امکانی کوشش جاری رکھیں۔ لہٰذا ہم نے اقامتِ دین اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لئے جو تنظیمِ اسلامی قائم کی ہے اس میں مردوں کے لئے تو "بیعتِ جہاد" رکھی ہے، جبکہ عورتوں کے لئے ہمارے ہاں وہی "بیعت النساء" ہے، جس کے الفاظ سورۃ الممتحنہ میں وارد ہوئے ہیں۔ خواتین کی تنظیم میں شمولیت اور بیعت سے ان میں ایک تنظیم اور اجتماعیت کا شعور اور مسئولیت و ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، مگر جیسا کہ میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں، اقامتِ دین کی جدوجہد میں ان کی ذمہ داریاں مردوں کی ذمہ داریوں سے بہت مختلف ہیں۔ فرائضِ دینی کی اس تیسری اور بلند ترین منزل پر ان کی براہ راست کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں اور اس میں اللہ نے انہیں

(بقیہ صفحہ ۸۰ پر)

کتابیات

انسان کی انفرادی زندگی پر گناہوں کے اثرات

زیرِ طبع کتاب "کبائر" کے باب اول کی فصل رابع (۱)

مؤلف : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو بسایا، اس میں رنگا رنگ نعمتیں رکھیں اور بارشوں، دریاؤں، سورج
لی شعاعوں اور ٹھنڈی ہواؤں کے ذریعے اسے سرسبز و شاداب بنایا۔ اب اس کے اندر جو بھی
لی، کوتاہی، خرابی اور فساد ہو گا اس کا فی الواقع سبب انسان کے غلط کرتوت اور برے اعمال ہیں۔
لٰلہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ[۱]

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ (اللہ) مزا چکھائے
اُن کو اُن کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آجائیں۔"

اس حقیقت کا بار بار ادراک کر لینے کے باوجود انسان ہے کہ فساد فی الارض سے باز ہی نہیں
تا، اور کوتاہی چلا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ قیامت تک کے لیے زمین اپنی خصوصیات
میت اپنا وجود برقرار رکھے گی۔ لہٰذا انسان کو توجہ دلانے اور اسے گناہوں سے باز رکھنے کے لیے
لٰلہ تعالیٰ نے کچھ تنبیہات کا انتظام کر رکھا ہے اور یہ ہیں کسی معاشرے کو گناہوں کی پاداش میں

---

[۱] سورت الروم، آیت ۴۱۔

اجتماعی شکل میں ملنے والی سزائیں۔ لیکن یہ صرف اہلِ دل اور صاحب بصیرت حضرات کو ہی نظر آتی ہیں، مثلاً سیلاب، قحط، زلزلے، وبائی بیماریاں، باہمی دنگا فساد، خانہ جنگی وغیرہ۔ باقی رہے وہ لوگ جو ایمان سے خالی اور کور چشم ہیں تو ایسے حضرات اس قسم کی سزاؤں کی صرف عقلی تعبیریں ہی کرتے ہیں۔

انفرادی جرائم کی قانونی سزا اللہ تعالیٰ نے حدود، تعزیرات اور کفّارات کی شکل میں مقرر کی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

ا: گناہوں کی دنیوی سزا ـــــ قانونی شکل میں

شریعت نے مندرجہ ذیل جرائم کی حسبِ ذیل حدود مقرر فرمائی ہیں:

۱۔ قتلِ عمد کی سزا۔ قتل

۲۔ شادی شدہ زانی کی سزا۔ قتل (بذریعہ سنگساری)

۳۔ مرتد کی سزا۔ قتل

۴۔ جادو کی سزا۔ قتل

۵۔ بغاوت کی سزا۔ قتل (اسی میں ڈاکہ، فساد فی الارض بھی شامل ہے)

۶۔ غیر شادی شدہ زانی کی سزا۔ سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی۔

۷۔ نشہ آور اشیاء کے استعمال کی سزا۔ اسّی کوڑے۔

۸۔ زنا کی تہمت لگانے کی سزا۔ اسّی کوڑے۔ اور آئندہ گواہی کے لیے ناقابلِ اعتماد و نااہل قرار دیا جانا۔

۹۔ چوری کی سزا۔ ہاتھ کاٹ دینا۔

دیگر مختلف جرائم کی اس طرح دو ٹوک سزا تو مقرر نہیں فرمائی، البتہ قاضی کو سزا تجویز کرنے کا اختیار دیا ہے جسے تعزیرات کہتے ہیں۔ اس کا اصول یہ ہے کہ کسی نے کسی کی جان، مال، عزّت اور نسب پر اس انداز کی زیادتی کی ہو کہ وہ مذکورہ بالا جرائم کی فہرست میں تو نہ آتی ہو لیکن متعلقہ فرد کا

حق تلف ہوتا ہو یا اسے تکلیف پہنچتی ہو۔

۲ علاوہ ازیں کچھ قصور ایسے بھی ہیں جن کی پاداش میں کفّارے (شرعی جرمانے) مقرر فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ **قسم توڑنا:** اس کا کفارہ ہے غلام آزاد کرنا، یا دس مسکینوں کو لباس مہیّا کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کفّارے کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔

۲۔ **حدودِ حرم میں شکار کرنا:** اس کا کفارہ یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا ہے اسی جیسا جانور قربان کرے۔ اس کا فیصلہ دو متقی پرہیزگار افراد پر مشتمل پنچایت کرے گی۔

۳۔ **رمضان کا روزہ جماع کر کے توڑنا:** اس کا کفّارہ ہے غلام آزاد کرنا۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ روزے رکھنا۔ اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

۴۔ **ظِہار کرنا** یعنی اپنی بیوی کو جان بوجھ کر حرمت کی نیت سے ماں، بہن، بیٹی کے برابر قرار دینا۔ اس کا کفّارہ ہے غلام آزاد کرنا۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ روزے رکھنا۔ اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

ب: مصیبتیں اور پریشانیاں

غلطی، کوتاہی، لغزش اور خطا تو ہر انسان سے سرزد ہوتی رہتی ہے۔ البتہ جس انسان کو اللہ تعالیٰ اصلاح اور سنبھل جانے کی مہلت دینا چاہتا ہو اسے کسی نہ کسی آزمائش اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، تاکہ شاید وہ اسی طرح چونک جائے اور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ [1] ○

---

[1] سورت السجدۃ، آیت ۲۱۔

"اُس بڑے عذاب سے پہلے ہم اسی دنیا میں (کسی نہ کسی چھوٹے) عذاب کا مزا انہیں چکھاتے رہیں گے شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روش سے) باز آجائیں"۔

اس حکمتِ الٰہی کے علاوہ کچھ گناہ ایسے ہیں جن کی سزا کو اللہ تعالیٰ مؤخر نہیں کرنا چاہتا، تاکہ مجرم کو اس دنیا میں سزا بھی ملے اور وہ دوسروں کے لیے سامانِ عبرت بھی بنے۔ باقی رہا آخرت کا معاملہ تو وہاں تو اسے اپنے کرتوتوں کا مزا چکھنا ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِى الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْىِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ۔[1]

"سرکشی اور نسبی قرابت کو کاٹنے سے بڑھ کر کوئی گناہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کے مرتکب کی اُخروی سزا برقرار رکھتے ہوتے دنیا میں اس کی سزا کے لیے اللہ تعالیٰ جلدی کرے"۔

یعنی سرکشی کرنا اور نسبی قرابت کاٹنا دو ایسے سنگین جُرم ہیں، جس کے مرتکب کو دنیا میں بھی نقد سزا ضرور ملتی ہے اور وہ آخرت میں بھی اپنے انجام کو ضرور بھگتے گا۔

گناہوں میں مبتلا ہونے کا ایک سبب مال کی محبت ہے، حالانکہ مقررہ رزق انسان کو ہر شکل میں ملنا ہی ملنا ہے۔ انسان جب اپنی آخرت کو بھول کر صرف دنیا پرست اور مال و دولت کا غلام بن جاتا ہے تو دنیا تو اسے نصیب ہی کی ملتی ہے البتہ زندگی ضرور اجیرن ہو جاتی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

---

[1] مسند احمد، ج ۵، ص ۳۶-۳۸۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب النہی عن البغی۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب رقم ۵۸۔ امام ترمذی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، باب اجمع آیۃ فی القرآن للخیر والشر ۳۵۶/۲۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے المستدرک میں اور محدث العصر الشیخ الالبانی نے صحیح الجامع الصغیر حدیث ۵۷۰۴ میں مذکورہ بالا حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللهُ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ۔[1]

"جس انسان کا مقصدِ زندگی صرف دنیا ہی ہو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو بکھیر دیتے ہیں، اور اس کی فقر و تنگدستی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور اسے دنیا بھی بس اتنی ہی ملتی ہے، جتنی اس کے نصیب میں لکھی جا چکی ہے۔"

اس پریشان حال زندگی کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے:

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى[2]

"جو میرے درسِ نصیحت سے منہ موڑے گا، اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی، اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔"

اِن سب مفصّل دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی صرف دنیا پر ریجھ کر اپنی آخرت خراب کر رہا ہو تو اس کے حق میں صرف دُعا ہی کی جا سکتی ہے۔

ج: نیک اعمال پر گناہوں کے اثرات

گناہوں میں ملوّث آدمی بس اسی حد تک ہی بدنصیب نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے، بلکہ

---

1. سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الھمّ بالدنیا حدیث ۴۱۰۵ مشہور محقق و محدث محمد فواد عبدالباقی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیز شیخ الالبانی نے بھی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو سلسلة الاحادیث الصحیحہ حدیث ۹۴۹، ۹۵۰۔ اس سے ملتی جلتی روایت امام ترمذی نے بھی اپنی سنن میں بیان کی ہے، ملاحظہ ہو کتاب صفة القیامة باب ۳۱۔

2. سورت طٰہٰ، آیت ۱۲۴۔

آئندہ کے لیے بھی وہ توفیقِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور شیاطین اس پر مسلّط ہو جاتے ہیں پھر وہ انہی کی فریب کاریوں کا شکار رہتا ہے۔ بالآخر موت سے واسطہ پیش آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○[1]

"جو شخص رحمٰن کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں۔ اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔ یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں"

بعض گناہ تو اتنے خطرناک اور انجام کے اعتبار سے اتنے نقصان دہ ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے سابقہ کیے کرائے سارے نیک کام تباہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً شرک کرنا۔ جو آدمی ساری زندگی نیک کام کرتا رہا اور کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوا، اگر وہ بھی شرک کرے تو اس کے سارے سابقہ نیک اعمال بالکل ملیامیٹ ہو جائیں گے، خواہ وہ انسان کتنے ہی عظیم درجے اور مرتبے پر فائز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ جلیل القدر و عظیم المرتبت پیغمبروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○[2]

"لیکن اگر کہیں (بفرضِ محال)، ان پیغمبروں نے بھی شرک کیا ہوتا تو ان کا کیا کرایا سب غارت ہو جاتا۔"

جس طرح شرک بہت بڑا جرم ہے اسی طرح نیک کام میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی خوشنودی

---

[1] سورت الزخرف، آیت ۳۶-۳۷

[2] سورت الانعام، آیت ۸۸-

یا رضا جوئی بھی بہت بڑا جرم ہے، جسے شرکِ اصغر یا ریاکاری کہا جاتا ہے۔ ریاکاری بڑے سے نیک کام کے اجر و ثواب کو نہ صرف ضائع کر دیتی ہے بلکہ اُلٹا ریاکار کو روزِ قیامت مجرموں کی میں کھڑا کر دے گی جس کی تفصیل باب دوم (شرکِ اصغر کے بیان) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس عقیدے کی خرابی کے علاوہ بعض گناہ بہت دُور رس نتائج کا سبب بنتے ہیں مثلاً حرام خوری کرنا۔ حرام خور کی کوئی عبادت حتیٰ کہ دعا بھی قبول نہیں ہوتی، خواہ حرام خور میدان عرفات میں نو ذی الحجہ کی مبارک تاریخ کو رو رو کر، اور آہ و زاری کر کے دعا کرے۔ حدیث میں ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے انسان کا تذکرہ فرمایا جو لمبا سفر کر کے آتا ہے، (سفر کی وجہ سے) اس کا حال پراگندہ ہو چکا ہوتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہوئے کہتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے رب!!" (میری فلاں فلاں دعا قبول کر لے) ——————
جبکہ اس کا کھانا حرام کا ہوتا ہے، پینا حرام کا، لباس حرام کا، اور اس کی ساری غذا کا دار و مدار حرام پر ہی ہوتا ہے۔ پھر آخر ایسے آدمی کی دعا کیونکر قبول ہو؟"[1]

ایسے ہی مہلک اور انتہائی نقصان دہ گناہوں میں سے نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَيْنَ الرَّجُلِ وَ بَيْنَ الشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔[2]

"آدمی اور شرک کے درمیان صرف نماز چھوڑ دینا حائل ہے۔"

اور بالخصوص نمازِ عصر چھوڑ دینا تو مسلمان کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔[3]

---

[1] صحیح مسلم۔ حدیث کے مکمل الفاظ مع تخریج باب دوم (سُود کے بیان) میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علیٰ من ترک الصلاۃ [3] صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من ترک صلاۃ العصر، سنن النسائی، کتاب الصلاۃ، باب من ترک صلاۃ العصر۔

"جس آدمی نے نمازِ عصر چھوڑ دی، اس کا عمل ضائع ہو گیا!"

د: گناہوں کی وجہ سے رزق کی برکت ختم ہو جاتی ہے

رزقِ حلال کمانا نہ صرف فرض ہے بلکہ بہت بڑی نیکی اور مقام و مرتبے کی بات ہے' اور بالخصوص تجارت تو سراپا برکت ہے۔ دنیوی برکت کا بہت بڑا حصہ تجارت میں پنہاں ہے اور اُخروی اجر و ثواب کے اعتبار سے بھی نیک تاجر نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔ لیکن جھوٹ' خیانت اور فریب کاری کا فوری اور نقد انجام رزق کی برکت سے ہاتھ دھونا ہے۔ اِس وقت موجودہ تجارتی منڈیوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو ممالک ایمانداری اور صحیح معاملے کا ثبوت نہیں دیتے اُن کا مال نہ دکاندار رکھتا ہے اور نہ ہی گاہک اطمینان سے لیتا ہے' خواہ بنانے والا ملک مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو ممالک ایمانداری اور سچائی کی شہرت رکھتے ہیں اُن کا مال دھڑا دھڑ بکتا ہے' خواہ کافر، مشرک اور بے دین ممالک ہی وہ مال بنا کر سپلائی کر رہے ہوں۔ اس حقیقت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔[1]

"خرید و فروخت کرنے والے دونوں با اختیار ہیں، جب تک کہ وہ جُدا نہ ہو جائیں۔ اگر دونوں نے سچ سچ کہا اور بات واضح واضح کی تو اُن کی خرید و فروخت میں برکت دی جائے گی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولے اور عیب کو چھپایا تو اُن کی تجارت کی برکت ختم ہو جائے گی۔"

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا بَیَّنَ البَیِّعَانِ۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب خیار المجلس للمتبایعین۔

حلقۂ خواتین تنظیمِ اسلامی لاہور کے
اجتماعِ عام
(منعقدہ ۲ر جون ۱۹۹۱ء)
کی رُوداد اور شرکاءِ اجتماع کے تأثرات

مرتبہ: امت المحیی

تنظیمِ اسلامی حلقہ خواتین کا قیام آج سے تقریباً آٹھ سال قبل عمل میں آیا تھا۔ ا
وقت سے اس کے زیرِ اہتمام ماہانہ اور ہفتہ وار اجتماعات کے انعقاد کے علاوہ ترجمۂ قرآ
اور عربی کی کلاسوں کا مستقل اہتمام ہو رہا ہے۔ معمول کے اجتماعات کے علاوہ اس عر
اگرچہ دو سالانہ اجتماع بھی منعقد ہوئے' لیکن ان کی حیثیت بھی کسی بڑے اجتماع کی نہ
چنانچہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ایک بڑا اجتماع منعقد کیا جائے جس میں پورے
سے تنظیمی بہنوں کو اکٹھا کیا جائے۔ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی پیشِ نظر تھی کہ
اجتماع کے لئے خواتین کو دوسرے شہروں سے بلانا اور انہیں طویل سفر کی زحمت دینا نہ
ہمارے دینی مزاج کے خلاف ہے' بلکہ اس سے ان کی گھریلو ذمہ داریاں بھی متأثر ہوتی
چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ صرف لاہور کی سطح پر خواتین کا ایک بھرپور اجتماعِ عام منعقد کیا جائے

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے اتوار ۲ر جون کو قرآن اکیڈمی میں خواتین کے اجتماعِ
اہتمام کیا گیا۔ اس کے لئے لاہور اور آس پاس کی خواتین کو دعوت نامے بھیجے گئے کہ نہ
وہ خود تشریف لائیں بلکہ اپنے ساتھ اپنی ماؤں' بیٹیوں' بہنوں اور میل جول کی خواتین
لائیں۔ تنظیمی رفقاء کو تاکید کی گئی کہ جن کے بچّے چھوٹے ہیں وہ اس روز دفتر سے چھٹی
بچوں کو سنبھالیں۔ اس اجتماع کی تیاریاں مقررہ تاریخ سے چند روز قبل شروع کر دی گئیں
۲ر جون کی صبح تک اس سلسلے کے تمام انتظامات کو حتمی شکل دے دی گئی۔ مسجد کے
استقبالیہ لگایا گیا' جس میں ہماری ایک تنظیمی بہن آنے والی مہمان خواتین کے نام اور پتے
کرتی رہیں۔ استقبالیہ میں ہی ایک طرف امیرِ محترم کی کتابوں اور کیسٹوں کا سٹال بھی لگایا گیا

پروگرام کے مطابق ٹھیک ۹ بجے سٹیج سیکرٹری صاحبہ نے پروگرام کے آغاز کا اعلان کیا۔
ع کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہی خواتین ہال پوری طرح بھر چکا تھا اور مزید آنے
خواتین کے بیٹھنے کے لئے ہال سے ملحق کلینک بھی کھول دیا گیا تھا۔ اجتماع کا آغاز تلاوتِ
نِ حکیم اور اس کے ترجمہ و تشریح سے ہوا۔ اس کے بعد محترمہ ناظمہ صاحبہ نے مختصراً
حی خطاب کیا۔

اب محترمہ ناظمہ صاحبہ

محترمہ ناظمہ صاحبہ نے سب سے پہلے ان خواتین کا شکریہ ادا کیا جو اس گرمی کے موسم
صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر تشریف لائی ہیں اور صرف خدا اور اس کے رسولؐ
باتیں سننے آئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی کا حلقۂ خواتین صرف اسی لئے قائم ہوا
کہ ہم بندگیٔ رب اور شہادت علی الناس کے ضمن میں اپنے فرائض ادا کر سکیں۔ الفاظِ
نی: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" کی روشنی میں جنّ و انس کی تخلیق
مقصد ہی بندگیٔ رب ہے۔ انہوں نے آیۂ مبارکہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا الخ سے
شہاد کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں بہترین اور معتدل امّت بنایا ہے تو وہ اس
، نہیں بنایا کہ ہم خدا کے ناشکرے بن جائیں اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیں، بلکہ اس
، بنایا ہے کہ ہم اسی کی بندگی اور اطاعت کریں اور اس کے دین کی تبلیغ و اشاعت کریں۔
ا حال یہ ہے کہ ہم نے اپنی ظاہری آنکھیں تو کھول رکھی ہیں مگر دل کی آنکھیں بند کر رکھی
۔ دل کی آنکھیں کھولنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمیں خدا کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے
ا ہے جس کا حکم "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ اللہ کی یہ
، قرآنِ حکیم ہے۔ یہی راہِ ہدایت ہے، یہی ایمان و یقین کا منبع اور سرچشمہ ہے اور یہی
ی دعوت کی بنیاد ہے۔ ہمیں اس کو پڑھنا ہے، سمجھنا ہے، اس پر عمل کرنا اور اپنے بچوں کی
بت اسی کے سائے میں کرنی ہے۔

آج کل ماحول پر بے سکونی اور بے اطمینانی کے جو سائے لہرا رہے ہیں وہ اسی لئے ہیں کہ
نے قرآن کو غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ ہم اس کو پڑھیں گے اور سمجھیں گے تو تب
ہمیں معلوم ہوگا کہ اسلام میں کس چیز کی کتنی اہمیّت ہے۔ کس چیز سے ہمیں رُکنا ہے اور
، پر عمل کرنا ہے۔ ایک عورت کے حقوق کیا ہیں، فرائض کیا ہیں اور اس کا دائرۂ عمل کتنا
۔ ہمیں اپنے اس دائرۂ عمل میں رہتے ہوئے اپنے فرائض بجا لانے ہیں۔ اپنے خطاب کے

اختتام پر محترمہ ناظمہ صاحبہ نے خواتین سے درخواست کی کہ وہ خاموشی اور سکون کے ساتھ باقی پروگرام سنیں۔

محترمہ ناظمہ صاحبہ کے مختصر خطاب کے فوراً بعد امیرِ محترم کا خطاب شروع ہوگیا۔ امیرِ محترم کے خطاب کا موضوع "خواتین کی دینی ذمّہ داریاں" تھا۔ انہوں نے بہت ہی احسن طریقے سے سمجھایا کہ مسلمان ہونے کے ناطے خواتین پر کیا کیا ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ (یہ مکمل تقریر ترتیب و تسوید کے بعد اسی شمارے میں شائع کی جا رہی ہے)۔ خواتین نے امیرِ محترم کے اس خطاب کو بہت ہی توجّہ اور انہماک سے سنا اور اس سے ان کے ذہنوں میں اس موضوع سے متعلق جو اشکالات تھے وہ بہت حد تک دور ہوگئے۔

بہنوں کا اظہارِ خیال اور تأثرات

گیارہ بجے امیرِ محترم کی تقریر ختم ہوگئی اور خواتین کا اپنا پروگرام حمدِ باری تعالیٰ سے دوبارہ شروع ہوا۔ میری تنظیمی بہنوں نے مختلف موضوعات پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مثلاً تنظیمِ اسلامی کی دعوت، اسلام اور عورت، اسلام میں پردے کی اہمیّت، حقوق الزّوجین، وغیرہ اس کے علاوہ درمیان میں دلچسپی کے لئے حمد اور نعتیں وغیرہ بھی پیش کی جاتی رہیں۔ لیکن جو موضوع خواتین میں سب سے زیادہ دلچسپی اور توجّہ کا باعث بنا وہ میری چند تنظیمی بہنوں کا تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے بارے میں اظہارِ خیال تھا۔ انہوں نے بتایا کہ تنظیمِ اسلامی میں کیا چیز اُن کو متأثر کر گئی جو وہ اس راہ میں ہماری ساتھی بنیں ------ اس راہ میں انہیں کیا کیا مشکلات پیش آئیں ------ اور تنظیم میں شامل ہونے کے بعد انہوں نے امیرِ محترم، ان کے اہلِ خانہ اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا!

قارئین کی دلچسپی کے لئے میں ان کے خیالات مختصراً آپ تک پہنچاتی ہوں۔

☆ ... اس کے لئے سب سے پہلے دعوت دی گئی محترمہ مسز عبدالغفور صاحبہ کو، جو طویل عرصہ کینیڈا میں گزار کر تشریف لائی ہیں۔ انہوں نے بتایا:

"۱۹۷۰ء میں جب ڈاکٹر صاحب کینیڈا تشریف لائے تو میں نے پہلی دفعہ ان کی تقریر سنی۔ تقریر کے دوران مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ تھیں، لیکن چائے کے لئے سب اکٹھے ہوگئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ اکٹھے کیوں ہوگئے ہیں؟ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی کہ آج کل تو کوئی بھی منکرات کے خلاف اتنی جرأت

سے نہیں بولتا کوئی بھی حقیقت بیان نہیں کرتا۔ اس کے بعد سے میں نے ڈاکٹر صاحب کی کتابیں پڑھنی شروع کیں اور کیسٹس سنیں تو محسوس کیا کہ اس شخص کا قرآن پاک سمجھانے کا طریقہ بالکل ہی منفرد ہے۔ یہ جو کہتا ہے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ سارا دن کام کے دوران کیسٹس سنتی رہتی، یہاں تک کہ منتخب نصاب کے کیسٹس مجھے حفظ ہو گئے۔ ۱۹۸۲ء میں میں نے بیعت کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد مجھے امیرِ محترم کا گھرانہ دیکھنے کا تجسس اور اشتیاق تھا، کیونکہ کینیڈا میں بہت سے لوگ امیرِ محترم کے مخالف تھے اور ان کے اور ان کے گھر والوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ میں صرف ان کا گھرانہ دیکھنے پاکستان آئی تھی۔ جب میں ان کی اہلیہ اور بیٹیوں سے ملی اور ان کا گھربار دیکھا جو کہ نہایت ہی سادہ تھا تو میں بہت زیادہ متأثر ہوئی اور تنظیمِ اسلامی کے ساتھ میری دلی وابستگی مزید پختہ ہو گئی۔ واپس کینیڈا جا کر میں نے تبلیغی کام شروع کیا۔ امیرِ محترم کی کیسٹس سے دُروس تیار کرتی اور خواتین کو اکٹھا کر کے درس دیتی۔ ہزاروں کی تعداد میں کیسٹس میں نے خود تیار کر کے لوگوں کو دیئے ہیں۔"

☆ ... محترمہ مسز عبدالغفور کے بعد دعوت دی گئی محترمہ زریں عبدہٗ صاحبہ کو کہ وہ بتائیں کہ وہ کس طرح تنظیم میں شامل ہوئیں۔ انہوں نے کہا:

"میرا تعلق ایک بہت ہی ماڈرن اور ٹھاٹھ باٹھ والے خاندان سے ہے۔ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ میں نے قرآن شریف بھی ترجمہ سے پڑھا۔ قانون کی تعلیم حاصل کی، تاکہ دیکھوں کہ آیا ہمارا قانون قرآن کے مطابق ہے؟ لیکن میں نے قانون کو قرآن کے مطابق نہ پایا۔ تاریخ میں ایم اے کیا۔ فقہ وغیرہ جیسے علوم بھی پڑھے، لیکن سب کچھ پڑھ کر بھی ایک کمی کا احساس تھا، کیونکہ جو کچھ بھی پڑھا اس پر عمل نہ کیا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کے سورۃ الرحمٰن کے درس کی وڈیو کیسٹ میرے ہاتھ لگی۔ وہ میں نے دیکھی، بار بار دیکھی اور پھر میری طلب بڑھتی گئی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی ہر آڈیو، وڈیو کیسٹ حاصل کی۔ اس معاملے میں اکیڈمی والوں نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا اور مجھے بیس پچیس سال پرانی کیسٹس کے ماسٹر پرنٹس سے پرنٹ بنا کر دیئے۔ اور یوں قرآن میری سمجھ میں آتا گیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک کہ کسی عالمِ باعمل سے نہ سنا جائے۔ اور پھر ڈاکٹر صاحب کا اندازِ بیان بھی اتنا خوبصورت ہے کہ اُس نے مجھے قرآن کی طرف راغب کر دیا۔ پھر بھی میں محسوس کرتی تھی کہ اس وقت تک یہ چیزیں عمل سے باہر رہیں گی جب تک کہ میں خود ان کا

اور ان کے اہلِ خانہ کا طرزِ عمل نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے اور ان کے گھر والوں سے ملاقات کی اور مجھے یقین ہوگیا کہ ان کے قول اور فعل میں تضاد نہیں ہے۔ ان کے ہاں اسی طرح کا شرعی پردہ رائج ہے جو یہ قرآن و سنّت سے بیان کرتے ہیں۔ اور ہمارے لئے بھی یہ چیزیں اتنی ہی ضروری ہیں جتنی کہ اُن کے لئے ہیں۔ چنانچہ میں نے احکامِ خداوندی کے مطابق زندگی گزارنے کا ارادہ کر لیا اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کی دعوت دینے لگی۔ میں خدا کے حضور رو رو کر دُعا کرتی تھی کہ اے اللہ راہِ ہدایت ہمارے لئے واضح کر دے۔ میرے والد صاحب نے، جو کہ بہت ہی ماڈرن ہیں، ایک دفعہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی تو ڈاکٹر صاحب کی شخصیت نے انہیں بہت زیادہ متاثر کیا۔ اور پھر واقعی میرے سب گھر والے اس طرف آ گئے۔ میری چھوٹی بہن کراچی میں ہیں اور تنظیم کے لئے بہت کام کر رہی ہیں۔ مجھے خود تنظیم میں آئے ابھی چند روز ہوئے ہیں۔ ایک اور چیز جو تنظیم میں میری شمولیت کا محرّک بنی وہ یہ تھی کہ میرا دائرہ کار میرا گھر ہو گا۔ مجھے ہمیشہ سے ہی یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی تھی کہ خواتین مردوں کی طرح گھر گھر جا کر دستک دیں اور تبلیغ کریں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ عورت کو اولین توجہ اپنی اولاد اور گھر پر دینی چاہئے۔ اس کے بعد اگر وقت ہو تو خواتین میں درس و تدریس اور تبلیغ و دعوت کا کام کیا جائے۔"

☆ ... خواتین کے اجتماع کے دوسرے حصّے میں (یعنی نماز اور کھانے کے بعد) مزید تین بہنوں نے اظہارِ خیال کیا۔ اس کے لئے سب سے پہلے محترمہ مسز ڈاکٹر نجیب صاحب کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے بتایا:

"میرے شوہر زمانہ طالب علمی سے ہی امیر محترم کے ساتھ تھے۔ اور اُس وقت سے ان کے دروس وغیرہ سن رہے ہیں۔ جب امیر محترم نے کلینک کے ساتھ ساتھ دُروس قرآن کا وسیع سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ شادی کے کچھ عرصے بعد جب میرے خاوند نے اپنی ذات پر احکامِ خداوندی نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی اسی چیز کا مطالبہ کیا اور خاص طور پر شرعی پردہ کرنے کا حکم دیا تو یہ چیز مجھے بہت ہی مشکل لگی۔ اور یہ معاملہ اس حد تک سنگین ہوگیا کہ مجھے ڈاکٹر اسرار سے نفرت سی ہوگئی، کیونکہ اس وقت تک میں نے ان باتوں کو خود سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ پھر میں نے دین کو سمجھنے کے لئے تقریباً ایک سال تک دوسری جماعتوں کے دُروس وغیرہ سنے اور ان کا لٹریچر پڑھا۔ میں اپنے رب سے دُعا کرتی رہتی کہ اے اللہ مجھ پر حقیقت واضح کر دے۔ پھر میں نے تنظیمِ اسلامی کو پرکھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر صاحب کو بہت نزدیک سے دیکھا اور سنا۔ ان کے اہلِ خانہ سے ملاقات کی اور مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہی وہ

ضیت ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ ڈاکٹر صاحب ایسی بارعب اور پروقار شخصیت کے مالک ں جن کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ میں نے یہ بات شدّت سے محسوس کی کہ یہ وہ باپ ہے جو پنے بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتا ہے اور انہیں دوزخ اور جنّت پر اس طرح یقین ہے ہ گویا وہ خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ میں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اب شخص جس سے مجھے نفرت تھی مجھے دنیا کی ہر ہستی سے زیادہ عزیز ہے کہ اس کے ذریعے میں نے راہِ ہدایت پائی ہے اور اب میں دل و جان سے اپنا سب کچھ اس راہ میں قربان کرنے کو تیار ں۔ جو بہنیں تنظیم میں شامل نہیں ہیں ان کو میں دعوت دیتی ہوں کہ وہ آئیں اور دیکھیں کہ نظیم کی دعوت کیا ہے؟ تنظیم کی دعوت کی بنیاد قرآن حکیم ہے اور یہی ہماری سرگرمیوں کا مرکز محور ہے۔ اسی کا سیکھنا سکھانا اور اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنا ہمارا مقصد ہے۔"

☆ ... اس کے بعد محترمہ بیگم فیاض حکیم صاحبہ کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے تجربات کی روشنی یں اظہارِ خیال کریں۔ ان کا کہنا ہے:

"میں اور میرے شوہر ڈاکٹر صاحب سے ٹی وی پروگرام "الھدیٰ" کے ذریعے سے متعارف وئے۔ اس کے بعد میرے شوہر نے ڈاکٹر صاحب کے خطاباتِ جمعہ میں باقاعدگی سے شرکت شروع کر دی اور ان میں تبدیلی آنی شروع ہو گئی۔ ۱۹۸۶ء میں میرے شوہر نے ڈاکٹر صاحب کے اتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کی۔ اب مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد کی طرح یہ بھی گھربار سے لاتعلق ہو جائیں لیکن الحمدللہ ایسا نہ ہوا۔ دین بھی آ گیا اور مناسب حد تک دنیا بھی رہی۔ ان چیزوں سے متأثر ہو کر میں نے بھی بیعت کر لی اور اب دینِ اسلام کو اپنے اور اپنے بچوں پر نافذ کرنے کی کوشش میں ہوں۔ ایک چیز جس میں مجھے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا وہ شرعی پردے کا اعلان تھا۔ اس معاملے میں ہمارا ساتھ صرف ہم دونوں کے والدین نے دیا اور باقی خاندان کے لئے اب ہم اجنبی بن کر رہ گئے۔ لیکن مجھے سکون ہے کہ ہمارا خدا راضی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اب میرے گھر میں ماہانہ اجتماع ہوتا ہے اور میں اپنی رشتہ دار خواتین کو بھی دعوت دیتی ہوں کہ وہ تشریف لائیں اور محسوس کریں کہ ہمارے دین کے ہم سے کیا تقاضے ہیں؟"

☆ ... اس کے بعد دعوت دی گئی محترمہ مسز شاہد عبداللہ صاحبہ کو کہ وہ اس راہ میں پیش آنے والی اپنی مشکلات اور مسائل بیان کریں۔ انہوں نے کہا:

"میرا اور میرے شوہر کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جو محض نام کے مسلمان کہلائے جاتے

ہیں۔ ہمیں نہ کسی نے دین سکھایا تھا' نہ ہم نے خود سیکھا۔ شادی کے بعد ہم ایران چلے گئے' جہاں شاہ کی حکومت تھی اور ایرانی خواتین اپنے لباس کے معاملے میں یورپی خواتین سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ شوہر کی طرف سے مجھ پر قطعاً کوئی روک ٹوک نہ تھی' لہٰذا میں نے بھی اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔ پھر ہم سعودی عرب چلے گئے جہاں قانوناً چادر لازمی تھی' اس لئے باہر نکلتے ہوئے مجھے بھی چادر اوڑھنی پڑتی جو مجھے بہت ناگوار گزرتی۔ ۱۹۸۱ء میں پاکستان آنے کے بعد میرے شوہر اپنے ایک دوست کی وجہ سے اسلام کی طرف راغب ہونا شروع ہوگئے۔ ۱۹۸۲ء میں مرکزی انجمن خدّام القرآن کے رُکن بنے' لیکن مجھ سے یہ بات چھپائے رکھی۔ ۱۹۸۵ء میں بیعت کرنے کے بعد جب انہوں نے مجھ پر روک ٹوک شروع کی تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تنظیم میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں۔ نماز روزے کی حد تک تو میں نے اپنے شوہر کی بات مان لی' لیکن جب انہوں نے پردہ کرنے کا حکم دیا ------- اور وہ بھی شرعی پردہ' تو پھر میں نے اپنے سسرال والوں کے ساتھ مل کر اُن کی بہت مخالفت کی۔ چند ماہ تک ہمارے گھر کے حالات بہت کشیدہ رہے' آخر تنگ آ کر میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ مجھے کسی ایسے گھر میں لے کر تو جائیں جہاں شرعی پردہ نافذ ہو' کیونکہ میرے خیال میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس پر وہ مجھے ڈاکٹر صاحب اور تنظیم کے کچھ رفقاء کے گھر لے گئے تو مجھ پر ایک طرف تو یہ انکشاف ہوا کہ فی زمانہ بھی ایسا پردہ ممکن ہے' اور دوسری طرف حوصلہ بڑھا اور میں نے ڈاکٹر صاحب کی کتابیں اور کیسٹس سننی شروع کر دیں۔ الحمدللہ میں آہستہ آہستہ خود ہی اس طرف راغب ہوتی چلی گئی اور میں نے صرف رضائے الٰہی کے لئے دین پر عمل کرنا اور اس کو اپنے گھر میں نافذ کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار میں تنظیم کی رکن بن گئی اور اب میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں سب کی مخالفت مول لے سکتی ہوں۔ جب میں نے پردہ کیا تو سب سُسرال والوں نے میری بہت مخالفت کی اور میں نے اسے بڑے حوصلے سے برداشت کیا۔ میں نے اپنی بیٹیوں کو بھی بہت کم عُمری میں ہی پردہ کرنے پر رضامند کر لیا ہے۔ میری بچیاں برقعہ اوڑھ کر سکول جاتی ہیں تو ہم جماعت لڑکیاں بہت مذاق اڑاتی ہیں کہ تمہاری ماں نے تم پر ظلم کیا ہے۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ تمہاری ماں نے تم پر ظلم نہیں کیا' بلکہ اُن کی مائیں اُن پر ظلم کر رہی ہیں جو وہ ان کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔ میں اپنے بچوں کی ہر وہ بات مانتی ہوں جو دین کے مطابق ہو۔ دین کے منافی کوئی بھی بات میں نہیں مانتی۔ میں اپنے گھر میں رہ کر جہاد کر رہی ہوں' کیونکہ عورت کو مرد کی طرح باہر نکل کر جہاد کرنے کا حکم نہیں ہے۔ گو مجھے دینی ماحول نہیں ملا' لیکن مجھے فخر ہے کہ میں اپنے بچوں کو دینی

ول دے رہی ہوں۔

بے پردگی کے بعد دوسری بڑی لعنت آج کے معاشرے کی بے جا رسمیں ہیں' جن سے
را دین ہمیں روکتا ہے۔ تنظیم میں شمولیت کے بعد الحمدللہ کہ میں ان رسموں کو بھی چھوڑ چکی
ں۔ شادی بیاہ کی رسمیں' مہندی' منگنی' سالگرہ' قُل' چالیسواں وغیرہ جیسی پاؤں کی بیڑیاں ہم
، کاٹ کر پھینک دی ہیں"۔

... مسز شاہد عبداللہ کے بعد دعوت دی گئی مسز میاں نعیم صاحبہ کو کہ وہ آکر اپنے خیالات
ئیں۔ انہوں نے بتایا:

"قرآن اکیڈمی آنے سے پہلے ہم کوئٹہ رہتے تھے۔ اسلام سے تعلق نماز روزے کی حد تک
۔ میرے میاں نے تنظیم اسلامی میں شامل ہونے کے بعد کہا کہ اب ہم اللہ کے احکام کی
ری پابندی کریں گے اور صحیح طور پر مسلمان بنیں گے۔ انہوں نے خاص طور پر جب مجھ سے
ہ کرنے کا کہا اور وہ بھی شرعی قسم کا تو آپ یقین کریں کہ میں بہت پریشان ہوئی کہ نہ جانے
لون سا اسلام ہے جس پر اب ہمیں چلنا ہوگا اور پردہ کر کے تو میں اپنے خاندان سے بالکل ہی
ٹ جاؤں گی۔ ابھی میں گومگو کی حالت میں ہی تھی کہ میرے میاں نے مجھے بتایا کہ ہم لمبے
صے کے لئے قرآن اکیڈمی جائیں گے' وہیں رہیں گے اور دین کی خدمت کریں گے۔ بہرحال
میرے میاں کا فیصلہ تھا' لہٰذا ہم یہاں آگئے۔ یہاں آکر میں ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ' ان کی
بوں' بہوؤں اور قرآن اکیڈمی کی خواتین سے ملی۔ ان سب نے مجھے بہت پیار دیا۔ یہاں
تے ہوئے سب کے ساتھ مل کر میرے لئے دین کے راستے پر چلنا آسان ہوگیا اور مجھے
ساس ہوا کہ اصل رشتے یہی ہیں' ہم سب ایک ہی راہ کے مسافر ہیں' اور ایک مضبوط تعلق
ں بندھے ہوئے ہیں۔ پچھلا وقت یاد آتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ وہ پریشانیاں سب وقتی
یں۔ اصل چیز اللہ کی رضا ہے' جو ہمیں حاصل ہونی چاہئے۔ میرے دو بیٹے ماشاء اللہ اب
نظِ قرآن ہیں۔ اور اب شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اتنا ہی مشکل نظر آتا ہے جتنا
ہ پہلے شریعت پر چلنا مشکل لگتا تھا۔ میں نے تمام رسم و رواج چھوڑ دیئے ہیں۔ میرے بھائی
ولیمہ ہوا تو میں اس میں سارا وقت برقعہ اوڑھ کر بیٹھی رہی' کیونکہ میں اپنے خدا کو ناراض
رنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی"۔

... مسز رفعت جو لندن سے تشریف لائی ہوئی ہیں' ان کا اظہارِ خیال اگرچہ پروگرام میں
امل نہ تھا لیکن دوسری بہنوں کے خیالات سن کر بے اختیار وہ بھی سٹیج پر تشریف لائیں اور
ہوں نے اپنے بارے میں بتایا:

یں ابھی لندن سے آئی ہوں اور اصل میں میں اپنا بیٹا' جو کہ ابھی تیرہ سال کا ہے' امیرِ
کے حوالے کرنے آئی تھی کہ یہ پہلے قرآن حفظ کرے اور پھر قرآن کالج میں ہی رہے تاکہ
علمِ دین حاصل کرے۔ میرے ساتھ میری ایک دینی بہن طاہرہ بھی لندن سے اپنے بیٹے کو
اخل کرانے آئی ہیں۔ لندن میں بھی تنظیم کا بہت کام ہو رہا ہے اور ہم مستقل طور پر
صاحب کے کیسٹس وغیرہ (آڈیو' وڈیو) سنتے ہیں۔ یہاں میں صرف یہ دیکھنے آئی تھی کہ
، آیا ڈاکٹر صاحب جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ تو میں ان کے گھر والوں سے مل
ان کا گھربار دیکھ کر بہت متأثر ہوئی ہوں کہ واقعی انہوں نے جو کہا وہ کر دکھایا۔"

مسز حسن جو لندن سے تشریف لائی ہیں اور وہاں تنظیم کا بہت کام کر رہی ہیں' انہوں نے
یالات قلبند کر کے دیئے ہیں:

"ہم لندن میں تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہمارا تعارف
س کے ذریعے ہوا اور ہمیں دین کے صحیح تصوّر کا پتہ چلا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے دین
ے طریقے سے سمجھنے کی توفیق دی اور اس کے لئے ڈاکٹر صاحب کو وسیلہ بنایا۔ میں چاہتی
ہ میں اب دل و جان سے اپنا سب کچھ تنظیم پر نچھاور کر دوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی
ے۔ (آمین)"

اس اجتماع اور تنظیم کے بارے میں مسز اقتدار احمد (مدیر 'ندا') کے خیالات وقت کی کمی
سے اجتماع کا حصہ نہ بن سکے۔ چنانچہ ان سے میں نے اجتماع کے بعد درخواست کی کہ جو
نے فرمانا تھا وہ مختصراً مجھے لکھ دیں' تاکہ میں آپ کے خیالات بھی اپنی رپورٹ میں شامل
ں' اس لئے کہ یہ بھی سلسلۂ اظہارِ خیال ہی کی ایک کڑی ہے۔ انہوں نے اپنے تأثرات
اظ میں تحریر کئے ہیں:

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تنظیمِ اسلامی کے حلقۂ خواتین کا اپنی نوعیت کا پہلا سالانہ
بڑی خوبی سے منعقد ہوا۔ ہمارے پیشِ نظر کامیابی تو آخرت کی ہونی چاہئے' لیکن اگر دنیا
ں اپنے کام کے نتائج حوصلہ افزا نظر آنے لگیں تو یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔ اس
ی رونق اور بھرپور حاضری سے میری ان بیٹیوں اور بہنوں کا خون سیروں بڑھا ہو گا جنہوں
ں کے لئے دن رات محنت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مشقت کو شرفِ قبولیت بخشے اور اس
ں برکت ڈال دے جس کا بیڑا ہم نے اٹھایا ہے۔ اس اجتماع میں میری بیٹیوں اور بہنوں
ت ہی اچھے عزائم اور خیالات کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت ہم پابند بھی اپنے ارادوں میں
مت کے ہیں اور اس کے لئے بھی توفیقِ الٰہی کے محتاج ہیں' کیونکہ ارادوں کی تکمیل تو

بہرصورت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازے محترمہ نا ئمہ صاحبہ کو اور اُن کی مشیر و معاون کو، جو ان کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ ان کی انتھک کوششوں سے حلقۂ خواتینِ تنظیمِ اسلامی اس مقام کو پہنچا ہے۔ ان کی پوری زندگی ہم تنظیمی بہنوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور تندرستی عطا کرے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔

میرا تعلق شادی سے پہلے ہی تحریکِ جماعتِ اسلامی سے تھا۔ گویا اسلام کا تحریکی تصوّر میری گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خاندان سے باہر شادی کا سبب بھی جماعتِ اسلامی سے تعلق ہی تھا کہ اُس وقت برادرِ محترم ڈاکٹر اِسرار احمد بھی میرے والد کی طرح جماعتِ اسلامی کے رُکن تھے۔ ڈاکٹر اِسرار احمد مجھے بہو کی طرح بیاہ کر لائے اور یوں وہ میرے جیٹھ نہیں، بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر بزرگ ہیں۔ بعد میں بھی انہوں نے میرے ساتھ بہنوں والا سلوک رکھا اور ہر معاملے میں میری رہنمائی فرمائی۔ بیعت تو بہت بعد کی بات ہے، ان کے کام سے میرا ذہنی اور قلبی لگاؤ اتنا ہی پرانا ہے جتنی کہ ان کی تنظیم۔

اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے حالات اور خیالات سُن کر مجھے بہت رشک آیا کہ وہ بہت آزمائشوں سے گزر کر اس راہ میں ہماری ساتھی بنی ہیں۔ جس نے اس راہ میں جتنی محنت کی ہوگی اس کو اس کے مطابق اجر ملے گا۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ سب کچھ پکا پکایا ملا۔ دینی ماحول میں پلی بڑھی، شادی کے بعد اس سے بڑھ کر دینی ماحول میسّر آگیا، البتّہ شرعی پردے کے اعتبار سے کچھ کمی تھی، جو تنظیم کی طرف سے حکم ملنے کے بعد پوری کر دی گئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس میں کچھ بڑی مشکل پیش نہ آئی۔ خاندان والوں کی طرف سے کچھ مخالفت کا سامنا تو ہوا، لیکن یہ مخالفت اس راہ میں قطعًا حائل نہ ہوئی۔ البتہ کچھ عجیب سا ضرور محسوس ہوا کہ اپنے شوہر کے جن بھانجوں اور بھتیجوں کو اپنی گود میں کھلایا تھا، ان سے اپنے آپ کو چھپانا لازم ہوا، اور دیور جیٹھ جن کے ساتھ ایک ہی گھر میں بہن کی طرح رہی، ان سے بھی پردہ کیا۔ کچھ وقتی سا احساس تھا کہ یہ کام مشکل ہو جائے گا، لیکن بحمداللہ یہ کام مشکل ثابت نہیں ہوا۔ نیت راست ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ کا صد شکر ہے کہ اس کی توفیق سے نہ صرف میں، بلکہ میرے شوہر اور بچے سب دل و جان سے اس کام کے ساتھ ہیں۔ جہاں اور جس وقت ضرورت پڑے گی، ان شاء اللہ ہم اپنا تن من دھن قربان کر دیں گے۔ میرے گھر میں الحمدللہ تنظیمِ اسلامی کے اجتماعات باقاعدگی سے ہوتے ہیں، مردوں کے بھی اور خواتین کے بھی۔ اس پر بھی میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے اپنے خصوصی فضل سے مجھے توفیق دی کہ میں ان لوگوں کی خدمت کرتی ہوں جو اس کے

دین کی خدمت کرتے ہیں۔ میرا گھربار ہر وقت اس کام کے لئے حاضر ہے اور میں اپنے خدا سے دعاگو ہوں کہ وہ مجھے مزید توفیق دے کہ میں اپنے دائرۂ عمل میں رہتے ہوئے دین کی جتنی خدمت کر سکوں ضرور کروں!!"

☆ ☆ ☆

اظہارِ خیال کے علاوہ میری بہنوں نے بہت سے دیگر موضوعات پر بھی تقریریں کیں، لیکن رپورٹ کی طوالت کے ڈر سے میں مزید کچھ نہیں لکھ رہی۔ ہمارا اجتماع پانچ بجے ختم ہونا تھا، لیکن چونکہ ابھی بہت سی بہنوں نے اپنے مضامین پڑھ کر سنانے تھے، لہٰذا سامعات کے بھرپور اِصرار پر اجتماع ایک گھنٹہ مزید جاری رہا۔ اس کے باوجود میری بعض بہنیں اپنے مضامین نہ پڑھ سکیں۔ پورے چھ بجے سٹیج سیکرٹری صاحبہ نے اجتماع کے اختتام کا اعلان کیا اور اس کے بعد اجتماعی دُعا مانگی گئی۔ اس طرح ہمارا اجتماع بحُسن و خوبی اپنے اختتام کو پہنچا۔

الحمدللہ کہ ہمارا یہ اجتماع بہت کامیاب رہا۔ حاضری ہماری توقع سے بڑھ کر تھی۔ میں اپنی ان تمام کارکن بہنوں کا، جنہوں نے اس اجتماع کے لئے محنت کی، محترمہ ناظمہ صاحبہ کی طرف سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی محنت و کوشش کو قبول فرمائے اور انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ میری بہنوں نے بھرپور کوشش کی کہ مہمان خواتین شدید گرمی میں اس اجتماع میں تشریف لائی ہیں، کسی مشکل سے دوچار نہ ہوں اور اجتماع گاہ میں ان کی نشست اور خورد و نوش کے انتظام کے علاوہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچّے سنبھالنے کا بھی مناسب بندوبست ہو ـــــ اور الحمدللہ یہ تمام انتظامات مکمل تھے۔

میری اس رپورٹ میں کمی رہے گی اگر میں اپنے ان تنظیمی بھائیوں کا ذکر نہیں کروں گی جن کا بھرپور تعاون اس سلسلے میں ہمارے ساتھ رہا۔ تنظیمی بھائیوں نے دفتروں سے چھٹی لے کر بچّوں کو گھروں میں سنبھالا اور اپنی خواتین کو اجتماع میں شرکت کے لئے قرآن اکیڈمی بھیجا، بلکہ اکثر حضرات خواتین کو خود چھوڑنے اور پھر واپس لینے آئے۔ اس کے علاوہ انتظامات کے معاملے میں اکیڈمی کے مردوں نے اور خاص طور پر سراج الحق سیّد صاحب نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا اور ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ میں محترمہ ناظمہ صاحبہ کی طرف سے ان سب حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

میں سمجھتی ہوں کہ اس دنیا میں ہم جس چیز کے لئے محنت کرتے ہیں اس چیز کی کامیابی ہمارے لئے نقد انعامِ خداوندی ہے۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ڈھیر سارے اجر و ثواب سے نوازے۔ (آمین)

○○

سالانہ رپورٹ
تنظیمِ اسلامی کراچی
برائے سال ۱۹۹۰ء

(جو تنظیمِ اسلامی پاکستان کے سولہویں سالانہ اجتماع میں پیش کی گئی)

ہم سب پر اللہ رب العزّت کی حمد و ثنا اور اس کا شکر واجب ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل و کرم سے ہمیں مسلمانوں میں پیدا فرمایا' پھر ہمیں دین کے حقیقی مطالبات اور فرائض کا شعور عطا کیا اور پھر اقامتِ دین کی جدّوجہد کے لئے ایک ایسی جماعت میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائی جو خالصتہً اسلامی اصولِ بیعت کے طریقہ پر قائم ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا صدہا صد شکر ہے کہ اس کی توفیق سے ہم آج اس تنظیم کے سولہویں سالانہ اجتماع میں شرکت کر رہے ہیں۔

عزیز رفقاء گرامی! میری آپ حضرات کے سامنے حاضری کی غرض یہ ہے کہ مجھے کراچی تنظیم کی ایک ایسی رپورٹ پیش کرنے کے لئے کہا گیا ہے جس میں سالِ گزشتہ کی کارکردگی کے ساتھ اس کی سرگرمیاں' اس کی تاسیس سے شامل ہوں۔ میری انتہائی کوشش کے باوجود رپورٹ کچھ طویل ہوگئی ہے جس کے لئے میں آپ حضرات سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

رفقاء گرامی! آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ تنظیم اسلامی کراچی حقیقی معنوں میں لاہور میں قائم ہوئی۔ یہ تاریخ تھی ۲۸ مارچ ۷۵ء۔ یہ وہی تاریخ ہے جب لاہور میں ۶۲ افراد نے تنظیمِ اسلامی پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ کراچی کی خوش قسمتی ہے کہ ان ۶۲ افراد میں سے ۹ کا تعلّق کراچی سے تھا۔ اس کے علاوہ مزید ۶ افراد نے داعیٔ عمومی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کراچی کے پہلے دورہ پر شمولیت اختیار کی۔ اس طرح کراچی میں ۱۵ افراد کا ایک قافلہ تیار ہوا جس کے ناظم محترم شیخ جمیل الرحمٰن مقرّر کئے گئے۔ تقریباً ڈھائی سال تک تنظیم اسی ڈگر پر چلتی رہی' یہاں تک کہ ستمبر ۷۷ء میں جمہوری اور دستوری طریقۂ کار کو چھوڑ کر سنّت نبوی ؐ کے عین مطابق بیعت کے اصول پر نظام تشکیل دینے کا تاریخ ساز فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ عبوری دور کے تمام رفقاء کی رکنیت معطّل کر دی گئی اور صرف وہ لوگ اس تنظیم میں شامل

ہوئے جنہوں نے نئے نظام العمل کے مطابق امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ' کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کی کل تعداد ۱۳ تھی۔

امیرِ محترم کراچی کی تنظیم کی حیثیت کو مقامی حالات کی روشنی میں وقتاً فوقتاً رفقاء کے مشورہ سے تبدیل کرتے رہے۔ کبھی اس کو وحدانی حیثیت دی اور کبھی اس کو تین یا چار حصّوں میں تقسیم کر کے ہر حصّہ کا الگ الگ امیر مقرر کیا۔ کراچی تنظیم کے امیر کی حیثیت سے مختلف ادوار میں محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب' جناب قاضی عبدالقادر صاحب' جناب عبدالرزّاق صاحب' جناب مختار حسین فاروقی صاحب' جناب ڈاکٹر تقی الدّین صاحب اور جناب سراج الحق سیّد صاحب نے فرائض انجام دیئے۔

امیرِ محترم نے اپریل ۸۶ء میں تنظیم کی رفاقت کے لئے نیا بیعت فارم متعارف کرایا اور سالانہ اجتماع میں اعلان فرما دیا کہ آئندہ سے وہی افراد تنظیمِ اسلامی کے رفقاء قرار دیئے جائیں گے جو اس نئے فارم کو پُر کریں گے۔ ۱۲۵ میں سے ۸۹ رفقاء نے نیا بیعت فارم پُر کر کے تنظیم کی رفاقت جاری رکھی۔

۲۹ر اکتوبر ۸۴ء کراچی کی تنظیم کے لئے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ تاریخ تھی جس سے کراچی میں "شامِ الہدیٰ" کا آغاز تاج محل ہوٹل کے موتی محل آڈیٹوریم سے ہوا۔ اس میں امیرِ محترم نے سورۃ الحجرات کا درس دیا۔ پیشِ نظر یہ بات تھی کہ پاکستان ٹیلی وژن کا مشہور دینی پروگرام "الہدیٰ" جہاں سے ختم ہوا تھا وہیں سے دروس کا آغاز کیا جائے' تاکہ منتخب نصاب مکمل ہو سکے۔ یہ پروگرام اگرچہ انجمن خدّام القرآن کے تحت ہو رہے تھے' لیکن ان کے ذریعے رفقاء کو تنظیمِ اسلامی کو متعارف کروانے کا کچھ نہ کچھ موقع مل رہا تھا۔ بعد میں چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر یہ پروگرام بند کر دیا گیا۔

۸۶ء کے ماہِ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے کراچی کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ نمازِ تراویح کے ساتھ امیرِ محترم کا دورۂ ترجمۂ قرآن کا روح پرور پروگرام جامع مسجد ناظم آباد نمبر ۵ کے بالائی ہال میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام کو ٹیلی فون ریلے سسٹم کے ذریعہ مزید ۳۵ مقامات پر سنا گیا۔ یہ پروگرام نتائج کے لحاظ سے بہت دور رس ثابت ہوا۔ دورۂ ترجمۂ قرآن کے اختتام پر امیرِ محترم نے شرکاء کو تنظیمِ اسلامی کے کام سے متعارف کروایا' جس کے نتیجے میں تقریباً ۵۰ افراد نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

دسمبر ۸۸ء میں کراچی میں پہلی مرتبہ محاضراتِ قرآنی کا انعقاد ہوا۔ ناساعد حالات اور وسائل کی کمی کے باوجود رفقاء نے اللہ کی تائید اور اپنی محنت و لگن سے اس پروگرام کو جس

قدر کامیاب بنایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مئی ۹۰ء میں جب امیرِ محترم نے کراچی تنظیم میں نئی تبدیلی کی اس وقت کراچی تنظیم تین حصوں ـــــــ جنوبی، شمالی اور مشرقی میں منقسم تھی۔ جنوبی تنظیم کی امارت جناب عبدالواحد عاصم صاحب کے پاس، شمالی تنظیم کی جناب شعیب الرحیم صاحب کے پاس اور مشرقی تنظیم کی جناب طارق سعید صاحب کے پاس تھی۔ جبکہ محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب امیر حلقہ تھے۔ ۷ر مئی ۹۰ء کو امیرِ محترم کے مشورہ سے کراچی کی تینوں تنظیموں کو ضم کر کے ایک تنظیم بنا دی گئی اور امیرِ محترم نے رفقاء کے مشورہ سے اس کی امارت کی ذمہ داری مجھ ناتواں کے کاندھوں پر ڈالی۔ آپ کو علم ہوگا کہ کراچی کی تنظیم سے قبل میرا تعلق ابوظہبی (امارات) کی تنظیم سے تھا اور میں تقریباً ۲۱ سال بعد مستقل طور پر کراچی منتقل ہوا تھا، اس لئے میرے لئے یہ ایک انتہائی مشکل اور کٹھن امر تھا۔ لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم جس نظم سے منسلک ہیں اس میں اپنی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ امیر کے حکم کے سامنے ہمیں ہر حال میں سر جھکانا ہے۔ اس لئے خواہش نہ ہونے کے باوجود بھی مجھے امارت قبول کرنا پڑی۔ میری معاونت کے لئے محترم عبدالواحد عاصم صاحب کو ناظم، محترم واحد علی رضوی صاحب کو معتمد اور محترم شاہد علی صاحب کو ناظم بیت المال مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کو امیرِ تنظیم اسلامی کراچی کا معاون خصوصی بنایا گیا۔

اپنے موجودہ خاص حالات کی بناء پر میرا تقریباً کل وقت تنظیم کے کاموں پر صرف ہوتا ہے۔ ہمارے سارے کام عام طور پر مشاورت کے ذریعہ طے پاتے ہیں۔ مجلسِ مشاورت میں ناظم، معتمد اور ناظم بیت المال کے علاوہ منتخب نمائندے اور نقبائے اعلیٰ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خصوصی معاملات کے لئے مختلف اوقات میں مختلف رفقاء کو بھی مجلسِ مشاورت میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ مشاورت کا اجلاس ہر ماہ کے آخری بدھ کو منعقد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت طلب کیا جاتا ہے۔

تنظیمی ضروریات اور کراچی کے خصوصی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۱۷ر مئی ۹۰ء کو تنظیمِ اسلامی کراچی کو آٹھ زونز (Zones) میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر زون کے ذمہ دار نقیبِ اعلیٰ کہلاتے ہیں۔ زون نمبر۱ میں جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ، زون نمبر۲ میں جناب محمد سمیع، زون نمبر۳ میں جناب شعیب الرحیم، زون نمبر۴ میں جناب عبدالغفار میمن، زون نمبر۵ میں جناب علی رضا، زون نمبر۶ میں جناب طارق سعید، زون نمبر۷ میں جناب واحد علی رضوی اور زون نمبر۸ میں جناب عبداللطیف کھوکھر نقیبِ اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ زون نمبر۳ میں چھ،

زون نمبر ۵' ۶ اور ۸ میں دو دو اور زون نمبرا' ۲' ۴ اور ۷ میں صرف ایک ایک اُسرہ ہیں۔

زون نمبر ۴ کے علاقہ میں تنظیمِ اسلامی کراچی کا مرکزی دفتر اا۔ داؤد منزل' شاہراہ لیاقت' آرام باغ میں واقع ہے' جو روزانہ' سوائے تعطیلات کے' صبح ۱۰ بجے سے اذانِ عشاء تک کھلتا ہے۔ زون نمبر ۳ اور ۶ میں پہلے سے دفتر موجود تھے۔ اب ایک نیا دفتر زون نمبر ۸ یعنی لانڈھی کورنگی میں بھی کھول دیا گیا ہے۔ یہ تینوں دفاتر بعد نماز عصر تا اذانِ عشاء پابندی سے کھلتے ہیں۔ مرکزی دفتر اور ان تینوں زونل دفاتر میں امیرِ محترم کے دروس و خطابات کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس اور کُتب برائے فروخت موجود ہیں۔ اس کے علاوہ لائبریری کا نظم بھی قائم ہے' جس سے احباب اور رفقاء کی اچھی خاصی تعداد استفادہ کرتی ہے۔

ملتزم رفقاء کی رہائش گاہوں پر "تنظیمِ اسلامی" کے بورڈ آویزاں کئے گئے ہیں۔ ان جگہوں پر رفقاء نے ذاتی طور پر لائبریریاں بھی قائم کی ہوئی ہیں' جہاں سے مقامی حضرات نہ صرف کُتب و کیسٹس سے استفادہ کرتے ہیں' بلکہ تنظیم کے متعلق معلومات بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اب تک کراچی کے مختلف علاقوں میں تنظیمِ اسلامی کے ۲۹ منی بورڈ لگ چکے ہیں۔ تنظیم اسلامی کی دعوت اور امیرِ محترم کے دروس و خطابات کو عوام تک پہنچانے کے لئے متحرک (Mobile) مکتبہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ فی الحال کراچی کی چھ مختلف مساجد میں بعد نماز جمعہ یہ مکتبہ لگایا جاتا ہے۔ ہر دو جمعہ کے بعد یہ مکتبہ دوسری مساجد میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ہمارا ہدف ہر جمعہ کو کراچی کی ۲۴ مساجد میں یہ مکتبہ لگانے کا ہے۔

ہم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ حالاتِ حاضرہ پر امیرِ محترم کے خطابات جمعہ کو رفقاء اور احباب میں جلد از جلد پھیلایا جائے۔ تنظیم اسلامی کراچی کے ناظم محترم عبدالواحد عاصم صاحب نے اس کا خصوصی انتظام کیا ہے کہ یہ کیسٹس اتوار تک مل جائیں اور پیر تک اس کی کاپیاں کراچی میں پھیلا دی جائیں۔

۹۰ء کے اوائل تک کراچی میں امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدّ ظلّہ' کے عوامی پروگرام انجمن خدّام القرآن سندھ کے تحت ہوا کرتے تھے' جس کی بناء پر تنظیم اسلامی اور اس کی دعوت کا پروجیکشن صحیح طور پر نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ سے جہاں تک ممکن ہو امیرِ محترم کے پروگرام تنظیمِ اسلامی کے تحت ہوا کریں گے۔ اس فیصلہ کے بعد کراچی میں کئی بھرپور عوامی پروگرام مختلف مقامات پر ہوئے۔ لیکن یہ کراچی کی بدقسمتی رہی کہ ہم اپنی انتہائی کوشش کے باوجود' یہاں کے غیر یقینی حالات کی بناء پر' اب تک بھرپور طریقے سے جلسۂ عام کرنے میں

ناکام رہے ہیں۔ اب ہم ۱۵ مارچ کو جلسۂ عام کے لئے ایک اور کوشش کر رہے ہیں[ا]۔ اللہ پا
سے دعا فرمائیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری ان کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔
ہمارا کل کراچی بنیادوں پر ماہانہ دعوتی اجتماع ہر ماہ کے پہلے جمعہ کو شرمین ہال میں منع
ہوتا ہے۔ اس اجتماع میں رفقاء کے علاوہ احباب بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہاں خواتین کے
خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔ ان دنوں تقریباً ۳۵ خواتین شریک ہوتی ہیں۔ اس اجتماع میں
قرآن کریم' احادیثِ مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کے واقعات کے ذریعے حاضرین کو یہ ذ
نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ پاک کو کن خصوصیات کا حامل انسان مطلوب ہے
اس موقع پر تنظیم کا تعارف اور امیرِ محترم کے سابقہ خطابات کے حصے بھی پڑھ کر سنائے جا
ہیں۔ ہمارے ان ماہانہ اجتماعات میں کبھی کبھی امیرِ محترم کی شرکت بھی ہو جاتی ہے جس سے ا
کی افادیت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اس ماہانہ اجتماع پر بھرپور مکتبہ بھی لگایا جاتا ہے۔

کراچی کی تین مساجد ایسی ہیں جن میں ہمارے رفقاء اجتماعِ جمعہ سے خطاب کرتے ہیں
(i) جناب نوید احمد صاحب' جامع مسجد کورنگی' (ii) جناب اسد الرحمٰن صاحب' ایک مینارہ م
عزیز آباد اور (iii) جناب عبدالمقتدر صاحب' مسجد نارتھ کراچی۔ ان خطابات کو شرکاء کافی پ
کرتے ہیں۔ آپ حضرات کے لئے یہ بات یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی کہ محترم نوید احمد صاح
نے گزشتہ رمضان المبارک میں کورنگی کی جامع مسجد میں امیرِ محترم کی طرز پر نمازِ تراویح
ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کیا تھا۔ یہ پروگرام وہاں کے لوگوں نے کافی پسند کیا اور اس سال بھی ا
نے اس پروگرام کے اعادہ کی فرمائش کی گئی ہے۔

ہر جمعہ کو چار جگہوں پر زونل تربیتی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ پہلا اجتماع برائے زون
۳ اور ۵ جامع مسجد الصّفا میں ہوتا ہے' جس کے ناظم محترم شعیب الرحیم صاحب ہیں۔ دو
اجتماع برائے زون ۱' ۴ اور ۷ جامع مسجد الخضرء میں ہوتا ہے۔ اس اجتماع کے ناظم جناب وا
علی رضوی ہیں۔ تیسرا اجتماع کینٹ بازار ڈرگ روڈ میں زون نمبر ۶ کے لئے ہوتا ہے' جس
ناظم جناب طارق سعید صاحب ہیں۔ چوتھا تربیتی اجتماع زون نمبر ۸ کے لئے عبداللطیف کھوکھ
صاحب کی نظامت میں زونل آفس میں منعقد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر اُسرہ اپنے طور پر کم
کم ایک مرتبہ اپنے علاقہ میں اجتماع منعقد کرتا ہے۔ آج کل مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ کار
میٹنگ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

[ا] ۱۵ مارچ ۹۱ء کو یہ جلسہ عام بحمداللہ کامیابی سے منعقد ہوا۔ اس کی رپورٹ اپریل ۹۱ء
میثاق میں شائع ہو چکی ہے۔ (ادارہ)

ایک پروگرام جو دو ماہ قبل شروع کیا گیا ہے وہ ہے تربیتی/ تبلیغی کیمپ! اس پروگرام کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے جہاں خوب آمد و رفت ہو اور رہائشی علاقہ بھی قریب ہو۔ صبح ۹ بجے وہاں شامیانہ لگا دیا جاتا ہے۔ شامیانہ کے اندر اور باہر تنظیم کے دعوتی اور قرآنی آیات کے بینرز آویزاں کیے جاتے ہیں۔ بھرپور مکتبہ لگایا جاتا ہے۔ پبلک ایڈریس سسٹم کا بھی انتظام ہوتا ہے' جس کے ذریعے تنظیمِ اسلامی کا تعارف اور دین کی دعوت وقفے وقفے سے پیش کی جاتی ہے۔ درمیان میں امیرِ محترم کے خطابات بھی نشر کئے جاتے ہیں۔ رفقاء چھوٹے چھوٹے گروپس میں ترتیب کے ساتھ رہائشی علاقہ میں پھیل جاتے ہیں۔ گھر گھر جا کر دستک دیتے ہیں' لوگوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں' تنظیم کا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں' کیمپ میں آنے کی درخواست کرتے ہیں اور خاص لوگوں کے پتے نوٹ کرتے ہیں تاکہ بعد میں تفصیلی ملاقات کا اہتمام کیا جا سکے۔ اگر جمعہ کا دن ہے تو محلہ کی تقریباً تمام مساجد میں موبائل مکتبہ لگاتے ہیں۔ اس پروگرام سے کئی فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ رفقاء کی جھجک دُور ہو رہی ہے' دعوت پیش کرنے کا سلیقہ آ رہا ہے' نظم کے خُوگر بننے' مشقت جھیلنے اور دوسروں سے کڑوی کسیلی باتیں سننے اور برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری خاص بات جو میں نے نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ عوام عام طور پر ڈاکٹر اِسرار احمد کے نام سے تو واقف ہیں لیکن ایک داعی اور تنظیمِ اسلامی کے امیر کی حیثیت سے ان کی واقفیت قریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ تبلیغی کیمپ کا فائدہ یہ بھی ہے کہ عوام سے ذاتی رابطہ قائم ہو رہا ہے اور وہ ڈاکٹر اِسرار احمد کے ساتھ ساتھ اب اُن کے مشن اور تنظیمِ اسلامی کے کام سے بھی واقف ہو رہے ہیں۔

سالانہ اجتماع میں آنے سے قبل ہم نے تجرباتی طور پر جمعہ بازار میں سٹال لگانے کا ایک پروگرام کیا ہے' جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کافی کامیاب رہا۔ اگرچہ یہ انتہائی کٹھن کام ہے' لیکن رفقاء نے اسے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ رات کو مناسب جگہ پر قبضہ کرنا' پھر اس پر شامیانہ لگانا اور سب سے بڑی بات یہ کہ صبح تک اس پر قبضہ برقرار رکھنا واقعۃً بڑی ہمت کا کام ہے۔ اس اسٹال سے کتابوں کی کوئی خاص فروخت نہیں ہوئی' لیکن ہمارے بینرز اور پمفلٹس کے ذریعہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ تنظیمِ اسلامی کے نام اور اس کے کام سے واقف ہوئے۔

ان پروگراموں کے ساتھ ساتھ ہم چھٹی کے دنوں میں مختلف خصوصی پروگراموں کا اہتمام بھی کر لیتے ہیں۔ مثلاً پکنک اور قیام اللیل وغیرہ۔ مرکز سے دی گئی ہدایات پر ہم نے احتجاجی مظاہرہ وغیرہ کا بھی اہتمام کیا ہے

یہ تو تھا ایک مختصر خاکہ کراچی تنظیم کے موجودہ پروگراموں کے سلسلہ میں۔ اب میں آپ کے سامنے رفقاء کی تعداد کا ایک خاکہ پیش کرتا ہوں، جس سے آپ کو تنظیمِ اسلامی کراچی کی تعداد کے اعتبار سے پیش رفت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

○ ۸۰ء میں رفقاء کی تعداد --- ۲۲

○ مئی ۸۳ء میں رفقاء کی تعداد --- ۶۳

○ ۸۴ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر رفقاء کی تعداد --- ۹۵۔ لیکن ۱۲ رفقاء غیر فعّال ہو چکے تھے۔

○ ۸۶ء میں رفقاء کی تعداد ۱۳۵ تھی۔ لیکن ان میں سے صرف ۷۰ فعّال تھے۔ اسی سال نیا بیعت فارم متعارف کروایا گیا جس کے بعد رفقاء کی تعداد ۸۹ رہ گئی۔

○ ۸۷ء کے سالانہ اجتماع پر رفقاء کی تعداد ۱۵۳ تھی۔ یہ ایک انتہائی واضح اضافہ تھا۔ اس کی وجہ امیرِ محترم کا ماہ رمضان میں دورۂ ترجمۂ قرآن تھا۔

○ ۱۰ر مئی ۸۸ء کو رفقاء کی تعداد ۱۳۹ ہوگئی، جن میں ۵۹ رفقاء فعّال تھے۔

○ فی الحال رفقاء کی تعداد ۱۹۳ ہے، جن میں سے ۵ معتذر، ۵۳ ملتزم اور ۱۳۵ مبتدی ہیں۔ مبتدی اور ملتزم رفقاء میں سے تقریباً ۴۷ فعّال، ۳۰ نیم فعّال اور بقیہ تقریباً لاتعلق ہیں۔

○ خواتین کا علیحدہ سے نظم قائم کرنے میں ہم اب تک ناکام رہے ہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں کوششیں جاری ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے پہلا قدم یہ اٹھایا ہے کہ خواتین کو تنظیمِ اسلامی کے ماہانہ دعوتی اجتماع کے موقع پر شرمین ہال میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس اجتماع میں خواتین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آج کل تقریباً ۳۵ خواتین شرکت کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ہفتہ میں ایک مرتبہ رفیق محترم اختر ندیم صاحب کے دولت خانہ پر جمع ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد اوسطاً ۱۲ ہوتی ہے۔

ماہنامہ "میثاق"، "حکمتِ قرآن" اور پندرہ روزہ "ندا" کی اشاعت میں توسیع کے لئے تنظیمِ اسلامی کراچی کے رفقاء خصوصی توجّہ دیتے ہیں۔ فی الحال ہمارے یہاں ماہنامہ "میثاق" کی کھپت تقریباً ۵۲۵، ماہنامہ "حکمتِ قرآن" کی تقریباً ۱۸۰ اور "ندا" کی تقریباً ۴۲۵ ہے۔

آج کل ہم نے اپنی توجہ خاص طور سے دو کاموں پر مرکوز کر رکھی ہے۔ ایک تو "رابطۂ عوام مہم" ہے اور دوسری لاتعلق رفقاء کو فعّال کرنا۔ "رابطۂ عوام" کے سلسلہ میں اپنی کوششیں آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ تنظیمِ اسلامی کراچی کی امارت جس وقت مجھے سونپی گئی تھی اس وقت مجھے اس کا احساس تھا کہ ان دونوں کاموں پر مجھے خاص طور پر محنت کرنی

پڑے گی۔ جہاں تک رابطۂ عوام اور رفقاء کو متحرک کرنے کا سوال ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس طرف ہماری پیش قدمی ہوئی ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے کام (غیر متعلّق رفقاء کو فعّال کرنے) کا تعلق ہے تو میں اسے اپنی ناکامیوں کی فہرست میں داخل کرتا ہوں۔ میں ان سے گفتگو کرکے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے امیرِ محترم کے کسی خطاب یا تقریر سے متأثر ہو کر فوری جوش و جذبہ کے تحت بیعت کرلی، لیکن جب یہ جذبہ ماند پڑ گیا تو ساتھ میں بیعت کی اہمیت بھی ختم ہوگئی لیکن مجھے تعجّب ہوتا ہے ان رفقاء پر جو "ملتزم" ہونے کے بعد غیر فعّال ہوگئے ہیں۔ ان سے ملاقاتیں کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ موجودہ دور مادہ پرستی کا ہے، آج کا نظام اسی کے گرد گھومتا ہے۔ اس نظام نے ان کو معاشی تگ و دو میں اتنا مشغول کر دیا ہے کہ ان کے پاس اس سے آگے سوچنے کا کوئی وقت نہیں ہے۔ ان کے سامنے فرائضِ دینی کا صحیح تصوّر ہی موجود نہیں ہے۔ ان کو اس کا بھی احساس نہیں کہ وہ اس عہد کو جو امیرِ محترم کے ساتھ کیا ہے، پورا نہ کرکے عہد شکنی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مجھے اس کا بھی احساس ہے کہ امیرِ محترم جب کراچی تشریف لاتے ہیں اور ان کے ساتھ خصوصی ملاقات کا اہتمام کیا جاتا ہے تو اس میں بھی رفقاء کی تعداد صرف ۶۰ سے ۷۰ تک ہوتی ہے، جو یقیناً ہمارے لئے باعثِ شرم ہے۔ میں انتہائی افسوس کے ساتھ یہ بیان کرنے پر بھی مجبور ہوں کہ ہم میں سے بیشتر رفقاء مالی اعانت کے سلسلہ میں بھی کوتاہی کر رہے ہیں۔ اور اعانت ادا کرنے والے رفقاء کی اکثریت بھی صحیح تناسب سے ادا نہیں کر رہی۔ لیکن ان میں چند رفقاء ایسے بھی ہیں جن میں حصولِ مقصد کی تڑپ، لگن اور ان کا طرزِ عمل دیکھنے کے لائق ہے۔ والے، درہمے، سخنے وہ دین کے کام کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔

ہم آج جس اجتماع میں شریک ہیں آپ کو اس کا علم ہوگا کہ اس کے میزبان ہم تھے۔ کراچی میں اس کا انعقاد بے سروسامانی کے باعث انتہائی مشکل تھا، لیکن میں نے یہ چیلنج قبول کیا تھا۔ اللہ رب العزّت کی نصرت کے بعد اپنے ان ہی رفقاء کے بھروسہ پر۔ مجھے اپنے ان رفقاء پر ناز ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ایسے ساتھی عطا فرمائے جن کی رفاقت سے ان شاء اللہ ہم اپنی منزلِ مقصود سے دن بدن قریب سے قریب تر ہوتے جائیں گے۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے رفقاء کی "لاتعلّقی" کا ذکر کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نصف سے زائد تعداد لاتعلّق ہوگئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس میں صرف رفقاء کی غلطی ہے؟ ...

رُوداد

ہفت روزہ تربیت گاہ برائے ملتزم رفقاء

منعقدہ ۷؍جون تا ۱۳؍جون ۱۹۹۱ء

ملتزم رفقاء کی اس ہفت روزہ تربیت گاہ کی ابتداء مورخہ ۷؍جون بروز جمعتہ المبارک کو بعد نماز عصر ہوئی۔ افتتاحی خطاب جناب رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم مرکزی بیت المال و ناظمِ تربیت گاہ نے سورۃ التغابن کی آیت نمبر ۱۷ کی روشنی میں کیا' جس میں انہوں نے تقویٰ کے علاوہ سمع و طاعت اور انفاق کے ضمن میں شرکاء کو یاددہانی کرائی۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان نے شرکاءِ تربیت کو پروگرام کی ترتیب اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور ذمہ داریوں میں آسانی کے پیشِ نظر شرکاء تربیت گاہ کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا۔ گروپ اے کے گروپ لیڈر محمد اشرف صاحب نائب ناظمِ حلقہ شرقی پنجاب مقرر ہوئے جو ڈسکہ سے تشریف لائے تھے۔ گروپ اے کے باقی شرکاء کی تفصیل اس طرح ہے۔ (۲) محمد حسین رضا۔ فیصل آباد (۳) سعید احمد۔ فیصل آباد (۴) حامد صابر۔ فیصل آباد (۵) عقیل احمد۔ فیصل آباد (۶) غازی محمد وقاص۔ ناظمِ تنظیم لاہور (۷) عبدالشکور۔ فیصل آباد (۸) شمس الحق صاحب۔ نائب ناظمِ حلقہ شمالی پنجاب۔ اسی طرح گروپ بی کے گروپ لیڈر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب امیرِ تنظیم فیصل آباد و ناظمِ اعلیٰ انجمن خدام القرآن فیصل آباد مقرر ہوئے' جبکہ باقی شرکاء گروپ بی کے نام اس طرح ہیں (۲) محمد ظریف۔ جہلم (۳) فرخ محمود۔ جہلم (۴) محمد ناصر بھٹی۔ ساہیوال (۵) سرفراز احمد۔ راولپنڈی (۶) عبدالرزاق صاحب۔ ناظم تنظیم اسلامی پنجاب (۷) محمد اسلم شاہد۔ لاہور

اس کے بعد شرکاءِ محفل کا تعارف ہوا' جس کے بعد نماز مغرب تک شرکاء آپس میں باہمی تعارف کراتے رہے۔ بعد نماز مغرب امیر محترم کے دورۂ ترجمۂ قرآن سے سورۃ الحدید کا ترجمہ بذریعہ ویڈیو کیسٹ دیکھا اور سنا گیا۔ رات کے کھانے اور نماز عشاء کے بعد تمام ساتھیوں نے آرام کیا۔

☆ دوسرے روز بروز ہفتہ نماز فجر سے پہلے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے مختصر درسِ حدیث دیا۔ اس موقع کے لئے انہوں نے حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" کا انتخاب کیا تھا، جسے امام بخاری اور امام مسلم اپنی صحیحین میں پہلے نمبر پر لائے ہیں۔ نماز کے بعد قاری مقبول احمد صاحب نے تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اہمیت بتائی اور اس ضمن میں تلاوتِ قرآن مجید میں ہونے والی ممکنہ غلطیوں کی نشان دہی کی۔ بعد ازاں ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے روزمرّہ کے مسائل کے بارے میں گفتگو کی اور ادعیۂ ماثورہ کی اہمیت کا احساس دلایا۔ اس دوران ادعیہ ماثورہ یاد بھی کی گئیں۔ اور پھر ساتھیوں کو ۲۰ منٹ کا وقت انفرادی تلاوت کے لئے دیا گیا۔ اس طرح یہ نشست ۲۰-۵ پر اختتام کو پہنچی۔

یاد رہے کہ تربیت گاہ کے روزمرّہ کے پروگراموں کو تین نشستوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جس میں پہلی نشست یہی صبح ۲۰-۳ تا ۲۰-۵ تھی۔ اس نشست میں تقریباً پورا ہفتہ یہی معمولات رہے اور ان سب موضوعات پر بات ہوتی رہی' البتہ گفتگو کرنے والے حضرات بدلتے رہے۔ دوسری نشست ۳۰-۸ تا اذانِ ظہر رہی' جس میں دس دس منٹ کے وقفوں کے علاوہ آدھ گھنٹہ کا چائے کا وقفہ بھی تھا۔ اور تیسری نشست بعد نماز عصر تا نماز عشاء رہی۔

ہفتہ کے روز دوسری نشست کا ابتدائی پیریڈ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے لیا' جنہوں نے فرائضِ دینی کے جامع تصوّر کے موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ دوسرا پیریڈ ۱۵-۱۰ پر چوہدری غلام محمد صاحب معتمدِ عمومی تنظیمِ اسلامی پاکستان نے لیا' جس میں انہوں نے التزامِ جماعت' ہیئتِ جماعت اور نظمِ جماعت کے موضوع پر وضاحت کے ساتھ گفتگو کی۔ تیسرا پیریڈ جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے لینا تھا' مگر وہ حج کے پروگراموں کی وجہ سے دیر سے تشریف لائے' اور ان کی جگہ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے عقائد اور فکرِ آخرت کے موضوع پر ساتھیوں سے خطاب کیا' جو نمازِ ظہر تک جاری رہا۔ آج اس سیشن میں چند شرکاء کو تجرباتی طور پر تقاریر کے لئے موضوع دیئے گئے کہ وہ تیاری کر سکیں۔

تیسرے سیشن میں تمام ساتھی بعد نماز عصر قرآن اکیڈمی روانہ ہوئے' جہاں انہوں نے قرآن کالج ہاسٹل اور قرآن اکیڈمی کے مختلف شعبے دیکھے اور مختلف حضرات سے ملاقات کی۔ بعد نماز مغرب امیرِ محترم کے سلسلہ وار درسِ قرآن میں شرکت کی اور سورۃ العلق کا درس سنا۔ بعد نماز عشاء امیرِ محترم سے ملاقات رہی' جس میں تعارف کے علاوہ ہلکے پھلکے تبصرے ہوتے رہے۔ اس طرح رات ۳۰-۱۰ بجے ساتھی واپس مرکز پہنچے۔

☆ تیسرے روز بروز اتوار پہلی نشست حسبِ معمول رہی۔ دوسری نشست میں رحمت للہ بٹر صاحب نے پہلا پیریڈ پڑھایا۔ ان کا موضوع ایمان بالآخرت تھا۔ اس کے بعد گزشتہ روز ساتھیوں کے ذمّہ لگائے گئے موضوعات پر تجرباتی تقاریر ہوئیں جس سے کافی حوصلہ افزا صورت حال سامنے آئی اور معلوم ہوا کہ اگر ساتھی تھوڑی سی مشق کریں تو اچھی تقریر کر سکتے ہیں۔ ٹھیک ۱۱ بجے میاں محمد نعیم صاحب امیرِ تنظیم لاہور شرقی کا پیریڈ تھا۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں "داعیٔ انقلابی جماعت" کے موضوع پر خطاب کیا' جس کے بعد پھر تجرباتی تقاریر کا سلسلہ نماز ظہر تک جاری رہا۔

نماز عصر کے بعد تیسری نشست میں ساتھیوں کے مفصّل تنظیمی تعارف کا سلسلہ شروع رہا۔ پونے سات بجے تمام ساتھی امیرِ محترم کا درس قرآن سننے کے لئے قرآن اکیڈمی روانہ ہوئے' جہاں بعد نماز مغرب سورۃ العلق کی بقیہ آیات کا درس تھا۔ اس طرح رات گیارہ بجے واپسی ہوئی۔

☆ ۱۴ر جون بروز سوموار کو پہلی نشست حسبِ معمول رہی۔ دوسری نشست میں ۳۰-۸ عبدالرزاق صاحب نے "پاکستان میں اسلامی انقلاب ... کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" کے موضوع ساتھیوں سے مفصّل خطاب کیا۔ دوسرا پیریڈ میاں محمد نعیم صاحب کا تھا' جس میں انہوں نے بہت ہی مؤثر خطاب "انقلابی مسلمان کی پہچان" کے موضوع پر کیا' جس کا اثر سب ساتھیوں نے محسوس کیا۔ تیسرے پیریڈ میں ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے انجمن خدّام القرآن اور تنظیم اسلامی کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے درمیان ربط کو واضح کیا۔ آج دونوں گروپ لیڈروں نے نماز ظہر کے بعد اپنے ساتھیوں سے علیحدہ علیحدہ مشورے کئے اور پروگراموں کے بارے میں شرکاء کے خیالات معلوم کئے' جو الحمدللہ اطمینان بخش تھے۔ تیسری نشست میں ساتھیوں کا مفصّل تنظیمی تعارف شروع ہوا جو مغرب تک جاری رہا۔ بعد نماز مغرب ساتھیوں نے امیر محترم کا خطاب بعنوان "توحیدِ عملی" آڈیو کیسٹ سے سنا' جس کے ساتھ یہ نشست اختتام کو پہنچی۔

☆ ۱۵ر جون کو پہلی نشست حسبِ معمول ہوئی۔ دوسرے سیشن میں ۳۰-۸ بجے بقیہ ساتھیوں کے ذمے لگائی گئی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۰ بجے شمس الحق اعوان صاحب نے "تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر" کے عنوان سے روشنی ڈالی' جس کے بعد گیارہ بجے تمام ساتھی حلقہ لاہور کے تنظیمی دفتر ۱۳ر اے مزنگ روڈ روانہ ہوئے' جہاں شام کے وقت ایک

کارنر میٹنگ کا پروگرام تھا۔ ناظمِ لاہور غازی محمد وقاص صاحب نے بہت ہی عمدہ اور منظم طریقے سے پورے علاقہ کا دو مرتبہ گشت کرایا۔ ایک بار نمازِ ظہر سے پہلے ہینڈ بلوں کے ساتھ انفرادی رابطہ کیا گیا اور دوسری دفعہ اجتماعی طور پر ٹی بورڈوں اور ہینڈ بلوں کے ساتھ گشت کیا گیا۔ بہت سی جگہوں پر تائیدی کلمات سننے میں آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ اسے ٹھیک تو سمجھتے ہیں مگر کم ہمتی کی وجہ سے ساتھ دینے سے معذور ہیں۔ بعد نماز مغرب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے دفترِ تنظیم کے باہر مزنگ روڈ پر "پاکستان میں اسلام اور شریعت بل" کے موضوع پر عمدہ خطاب کیا' جس میں شرکاء کی تعداد ۷۰ کے قریب تھی' سامعین میں چند وکلاء حضرات بھی دکھائی دیئے۔ تقریب کے اختتام پر ۱۰ بجے ساتھی واپس پہنچے۔

☆ ۱۱ جون کو صبح کے پروگرام معمول کے مطابق ہوئے۔ ۸-۳۰ بجے کا پہلا پیریڈ جناب سراج الحق سید' ناظمِ اعلیٰ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور نے لیا' جس میں انہوں نے "آرگنائزیشن" کے اجمالی جائزہ کے موضوع پر ساتھیوں کے سامنے روشنی ڈالی۔ سوال و جواب نے پیریڈ کی دلچسپی میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد ناظمِ لاہور نے دوبارہ آج کی کارنر میٹنگ کی تیاری اور انفرادی گشت کے سلسلہ میں ہدایات دیں جس کے مطابق تمام ساتھی ہینڈ بل لے کر گڑھی شاہو میں مرکزی دفتر کے اطراف میں پھیل گئے۔ نماز عصر کے بعد اجتماعی گشت کا پروگرام تھا جو بہت مفید رہا۔ ٹی بورڈوں نے لوگوں کو بہت متوجہ کیا اور انہوں نے رفقاء کی باتیں بڑے غور سے سنیں' جن میں اور نہیں تو تنظیم اسلامی کا تعارف اور ملکی حالات کے مطابق کام کا اشارہ تو لوگوں کے سامنے ضرور آ گیا۔ لوگوں کو کارنر میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ رات بعد نماز مغرب میٹنگ کے انتظامات کو آخری شکل دی گئی۔ بعد نماز عشاء جونہی کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے شروع ہوا' قانون نافذ کرانے والے ذمہ دار حضرات تشریف لائے اور ہمیں لاؤڈ سپیکر کے استعمال اور جلسہ سے منع کیا اور بتایا کہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ بادلِ نخواستہ تمام شرکاء کو دعوت دی گئی کہ دفتر کے صحن میں تشریف لائیں' جہاں جناب شمس الحق اعوان صاحب نے لاؤڈ سپیکر کے بغیر لوگوں سے خطاب کیا۔ انتظامات سمیٹتے سمیٹتے رات ۱۱ بج گئے۔

☆ ۱۲ جون کی صبح کو پھر معمول کے مطابق پہلا سیشن ہوا' لیکن اس کے بعد وقفہ نہیں کیا گیا اور پروگرام مسلسل جاری رہے' کیونکہ کچھ لوگوں نے دُور جانا تھا اور ان کی سہولت کے خیال سے پروگرام کو جلدی ختم کرنا پیشِ نظر تھا۔ اگلا پیریڈ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے لیا

جس میں انہوں نے نظام العمل کا مطالعہ وضاحت کے ساتھ کرایا۔ ناشتے کے وقفے کے بعد جناب سراج الحق سیّد صاحب نے آرگنائزیشن کے چینل کے موضوع پر شرکاء سے وضاحتی گفتگو کی۔ جناب سراج سیّد صاحب کا انداز دونوں دن منفرد رہا۔ اگلا پیریڈ جناب عبدالرزاق صاحب نے لیا' جس میں انہوں نے شرکاء کو دعوت اور اس کے طریقہ کار کے بارے میں سمجھایا۔ آخر میں نائب امیر تنظیم اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب نے بڑے حکیمانہ انداز میں شرکاء کو نصیحت کی اور ایک نہایت ہی جامع دعا کے ساتھ یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

تربیت گاہ کے دوران ایک پروگرام ہر نماز کے بعد مختصر مطالعۂ حدیث کا رہا' جس میں بڑی ہی قابلِ عمل اور روزمرّہ کے معمولات کے اذکار پر مشتمل احادیث سامنے آتی رہیں۔ رپورٹ کے آخر میں اگر ناظمِ تربیت گاہ جناب عبدالخالق صاحب کے شفیقانہ اور مدبّرانہ رویّہ اور طعام و قیام کے حُسنِ انتظام کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ بڑی کوتاہی کی بات ہوگی۔ وما توفیقی اِلاّ باللہ۔

مرتب : محمد اسلم شاہد

بقیہ : سالانہ رپورٹ تنظیمِ اسلامی کراچی

ہوں کہ ان کو لاتعلق کرنے میں ہماری اپنی کوتاہیوں کا بھی دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان لغزشوں کو معاف کرے۔

رفقاء گرامی! مجھے امید ہے کہ میری رپورٹ سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ "تنظیم اسلامی ۹۱ء میں" کہاں کھڑی ہے۔ اب میں کراچی تنظیم کی رپورٹ اس گزارش کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آپ حضرات ہمارے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اقامتِ دین کی جدّوجہد میں ہمارا حامی و ناصر ہو اور اس راستے میں ہماری ٹوٹی پھوٹی جو بھی کوششیں ہیں' ان کو ہم سب کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین! ثم آمین!

(مرتب: سیّد محمد نسیم الدین امیر تنظیمِ اسلامی۔ کراچی)

تحریک دعوت رجوع الی القرآن

اور متحدہ عرب امارات

مرکز خدام القرآن الجوازات ابو ظبی کی افتتاحی تقریب کی رپورٹ

ابو ظبی و دیگر امارات میں دعوت رجوع الی القرآن کا کام قارئینِ "میثاق" و "ندا"
علم میں گاہے بگاہے آتا ہی رہتا ہے۔ پچھلے دنوں مدیرِ ندا بھی امارات میں گزارے ہوئے ا
چند ایام کا مشاہدہ نہایت مبسوط انداز میں "ندا" کے اوراق کی نذر کر چکے ہیں۔ اس طرح یہ
کی مجموعی صورتحال کا نقشہ تو رفقاء و احباب کے ذہنوں میں کسی حد تک ہے ہی' چنانچہ اس
قطعِ نظر زیرِ نظر رپورٹ میں خالص دعوتی کام کی نوعیت و وسعت کا ایک خاکہ پیش کیا جا
ہے۔

یہ دَور جسے معاشی دور کہا جاتا ہے' اس میں انسان پر مجموعی طور پر مادیت اس طرح حا
ہو چکی ہے کہ کوئی انسان اس کے شکنجے سے آزاد نہیں ہے' البتہ اس شکنجے کے انداز مختلف ہ
کہیں یہ پسماندہ ممالک میں انسان کو مجبور کر کے اس کی ساری صلاحیتیں بنیادی ضروریا
زندگی پر صَرف کروا رہا ہے اور کہیں ترقی یافتہ و معدنی دولت سے مالا مال ممالک میں آرائش
زیبائش کے وسیع جال پھیلا کر انسانوں کی ساری کوششوں کو اس جانب لگا رہا ہے۔ لیکن زما
کبھی بھی ایسے رجالِ باہمت سے خالی نہیں رہا' جو نہ تو مصائب سے مجبور ہو کر اور نہ
زیبائش سے مسحور ہو کر اپنے اصل مقصد سے ہٹے ہوں' بلکہ وہ ہر حالت میں اپنی منزل کا شعو
بھی رکھتے ہیں اور اس کی جانب پیش قدمی کا جذبہ بھی۔ کچھ ایسے باہمت حضرات نے ا
آسائشوں میں ملفوف زندگی میں یہ دعوت سنی اور پھر ان پردوں سے نکل کر اس دعوت کو آ
بڑھانے کا عزم لے کر چلے' جس کے ثمرات الحمدللہ اب کافی وسعت اختیار کر رہے ہیں۔

ابو ظبی میں اس کام کی بناء تو امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دسمبر ۱۹۸۵ء
پروگرام سے پڑی' مگر اس کی منظم ابتداء اوائل ۱۹۸۶ء میں ایک مسجد سے ملحق چھپر سے ہوا
جو الحمدللہ اب ضروری سامان سے مزیّن بہترین فلیٹ میں منتقل ہو چکا ہے۔ رجوع الی القرآن

یہ دعوت اب ابو ظبی ہی نہیں دیگر امارات میں بھی بحسن و خوبی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ ابو ظبی میں ابتدائی مرکز کے شہر سے کچھ فاصلے پر منتقل ہونے کے بعد سے ہی یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ شہر کے وسط میں کوئی ایسا مقام ہو جہاں عوام الناس کے قریب رہ کر یہ کام مزید زور شور سے کیا جا سکے' اگرچہ موجودہ مرکز بھی ایسی آبادی میں واقع ہے جسے اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی اکثریت کی بناء پر خاصی اہمیت حاصل ہے۔

اس ضرورت کو عملی شکل دینے کی حتمی کوشش اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئی اور حال ہی میں اسی شارع پر' جہاں کبھی پہلا باقاعدہ مرکز قائم ہوا تھا' مرکزِ ثانی کے لئے جگہ حاصل کر لی گئی۔ دو جگہوں کی مناسبت سے یہ رائے بھی سامنے آئی کہ ابو ظبی شہر کی حد تک کام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لہٰذا دو حلقے بنام ابوبکر صدیقؓ و عمرِ فاروقؓ قائم ہوئے' جن کے ناظمین علی الترتیب خلیل الرحمٰن کیانی صاحب اور محمد سرفراز چیمہ صاحب کو بنایا گیا۔ پہلے حلقے کا دائرۂ عمل خدّام القرآن المرور اور دوسرے کا خدّام القرآن الجوازات کو قرار دیا گیا۔

۱۹ر جون ۱۹۹۱ء کو خدّام القرآن الجوازات کی افتتاحی تقریب تھی' جس کے لئے لوگوں کو پہلے سے مطلع کر دیا گیا تھا' تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ شرکت کر سکیں۔ پروگرام کا آغاز جناب شاہد اسلم صاحب نے سورۃ یونس کی بعض آیات کی تلاوت سے کیا' جن میں قرآن کو ایسی نعمتِ عظمیٰ قرار دیا گیا جس کے حصول پر لوگوں کو خوشیاں منانی چاہئیں۔ اس کے بعد محترم سیّد قمر حسن صاحب نے تقریب کے حوالے سے اظہارِ تشکر کیا اور سامعین کو مختصراً آگاہ کیا کہ ہم نے یہ سفر کہاں سے شروع کیا تھا اور ربّ العزت کے فضل سے پیش قدمی کہاں تک ہوئی ہے۔ بعد ازاں انہوں نے ناظمِ اعلیٰ خدّام القرآن محمد خالد صاحب کو دعوت دی کہ وہ اس کام کا پس منظر اور پیش منظر بیان کریں' چنانچہ انہوں نے امّتِ مسلمہ میں تجدیدی و احیائی مساعی کا مختصر تعارف کروایا اور امتِ مسلمہ کے مختلف ادوار میں پیش آمدہ مسائل پر اسی اعتبار سے کام کرنے والے اشخاص اور تحریکوں کا ذکر کیا۔ اور بالخصوص موجودہ صدی میں ہونے والے کام پر روشنی ڈالتے ہوئے اس دَور میں کام کے تقاضوں کا خاکہ سامعین کے سامنے رکھا اور کہا کہ اس دَور میں کام کرنے کے دو تقاضے ہیں' جو بظاہر مختلف' لیکن فی الحقیقت ایک ہی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو مروّجہ علوم کی وجہ سے پیدا شدہ مسائل کا مدلّل حل فراہم کرنے کی علمی کوششیں کی جائیں اور دوسری جانب ایک ایسی منظم قوت وجود میں آئے جو اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لئے اپنا تن من دھن نچھاور کرنے کو اپنے لئے سعادت و فلاحِ اُخروی کا ذریعہ سمجھے۔ یہ خطاب تقریباً پچاس منٹ کا تھا' جس سے سامعین کو ہمارے کام کو سمجھنے میں خاصی مدد ملی۔

اس کا اختتام انہوں نے اقبال کے اس شعر پر کیا ۔

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!

حاضرین کی تعداد کے اعتبار سے مرکز کا ہال تنگ محسوس ہو رہا تھا' چنانچہ رفقاء کی زیادہ تعداد کو دیگر کمروں میں بیٹھ کر خطاب سننا پڑا۔ اپنے خطاب میں ناظمِ اعلیٰ صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ ہم وہ اہلیت نہیں رکھتے جو اس ذمّہ داری کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے' مگر چونکہ اس ذمّہ داری کو ادا کرنا ہمارا فرض ہے لہٰذا اس سلسلے میں ہم اپنی سی محنت و کوشش کئے چلے جا رہے ہیں۔ ہم یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ شاید ہماری اس دعوت کے نتیجے میں ایسے حضرات کے دلوں میں دین کے لئے انقلابی جدوجہد کرنے کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھے جو اس کام کے لئے ہم سے زیادہ صلاحیت و استعداد رکھتے ہوں' اور یہ چنگاری شعلۂ جوالہ بن کر باطل کو خاکستر کرنے کی جدوجہد میں کام آ جائے۔

آخر میں جناب سیّد قمر حسن صاحب نے قرآن کے حوالے سے ہماری محدود سعی و جہد کی اہمیت بیان کی اور واضح کیا کہ جب تک ہم قرآن سے وابستہ تھے ہم باعزت اور بااقتدار تھے' دنیا ہماری عظمت کی قائل تھی۔ اور جب ہم نے اسے چھوڑا ہر سطح پر ذلیل و خوار ہوتے چلے گئے' لہٰذا ضرورت داعی ہے کہ ہم پھر سے قرآن کے دامن سے وابستہ ہوں اور پھر سے عزم مصمم کریں کہ ہمیں اسی کے ساتھ مرنا اور جینا ہے۔ لہٰذا ہمارے پیشِ نظر پہلے کی طرح اس مرکز میں بھی قرآن حکیم اور عربی زبان کی تدریس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقاصد کے حصول میں زیادہ سے زیادہ کوشاں رہنے کی توفیق دے (آمین)

اختتام پر حاضرین کے لئے کھانے کا انتظام تھا۔ سب شرکاء نے کھانے سے فراغت کے بعد قریبی مسجد میں باجماعت نماز ادا کی اور یوں یہ پُر رونق تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

(مرتب : محمد منیر احمد۔ معتمدِ عمومی تنظیم اسلامی' ابو ظبی)

رجوع اِلی القرآن کی تحریک

کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کیجئے!

مرکزی انجمن خدام القرآن اور اس کی سرگرمیوں کا اجمالی تعارف اور

دعوتِ شمولیت

از قلم: سراج الحق سیّد (ناظم اعلیٰ)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، خدمتِ قرآ
کا ایک ادارہ ہے تاہم اسے عام معنوں میں محض ایک ادارہ سمجھنا درست نہ ہوگا بلکہ
درحقیقت یہ ایک تحریک ہے۔ رجوع الی القرآن کی تحریک۔ لوگوں کو قرآن حکیم اور ا
کی تعلیمات کی جانب متوجہ کرنے کی تحریک!۔

مرکزی انجمن کا قیام آج سے قریباً ۱۹ برس قبل ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا۔ الحمدللہ ا
وقت سے انجمن اپنے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروسِ قرآن او
خطابات و تقاریر کے ذریعے لوگوں کو اور بالخصوص پڑھے لکھے نوجوانوں کو قرآن حکیم
تعلیمات اور اس کے حِکَم و معارف کی جانب متوجہ کر رہی ہے۔ اس حوالے سے انجم
نہ صرف انہیں ان کی دینی ذمہ داریاں یاد دلا رہی ہے بلکہ انہیں دینی ذمہ داریوں
ادائیگی پر آمادۂ عمل کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔

اپنے اس مشن کو پورا کرنے کے لئے مرکزی انجمن کے مختلف شعبہ جات او
پراجیکٹس، مکتبہ، اکیڈمک ونگ، ناظرہ و حفظِ قرآن، قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم سرگر
عمل ہیں۔ ان کے دائرہ کار مختلف ہیں مگر اپنی اپنی نہج پر یہ سب دعوت رجوع الی القرآ
کے مشن کی تکمیل کے لئے ہی کوشاں ہیں۔ ان میں سے قرآن کالج اور قرآن آڈیٹور
خصوصیت سے آپ کی توجہ چاہتے ہیں۔

۱۔ قرآن کالج

اس اہم تعلیمی منصوبے کا آغاز ۱۹۸۷ء سے کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۸۵ء میں قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر نیو گارڈن ٹاؤن کے اتاترک بلاک میں ساڑھے پانچ کنال کا ایک پلاٹ حاصل کر لیا گیا تھا۔ کالج کی تعمیر کے بعد پہلے جو تعلیمی و تدریسی کام اکیڈمی کے ذمہ تھا اب قرآن کالج کو منتقل ہو چکا ہے۔ ابتداء میں صرف B.A. کی کلاسیں شروع کی گئی تھیں جس کے لئے دو سال کی جگہ تین سال کا عرصہ متعین کیا گیا ہے۔ اس اضافی سال میں عربی اور ایک جامع دینی نصاب پڑھایا جاتا ہے اور بقیہ دو سال میں B.A. کے مضامین۔ ۱۹۸۹ء سے F.A. کی کلاسیں بھی شروع کر دی گئیں۔ F.A. میں داخلہ لینے والوں کے لئے B.A. تک کا کورس جس میں دینی نصاب بھی شامل ہے' پانچ سال میں مکمل کروا دیا جاتا ہے۔

بہرحال انجمن کا زور (thrust) اس ایک سالہ دینی تعلیم پر مشتمل تدریسی کورس پر ہے جس کا اجراء ۱۹۸۸ء میں کیا گیا تھا۔ یہ کورس بنیادی طور پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ افراد کے لئے تشکیل دیا گیا ہے۔ ایک سال کے عرصے میں ان طلبہ کو عربی گرامر کی ٹھوس تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کے کم و بیش تین پاروں کا ترجمہ مع مختصر تشریح' قرآن، حکیم کی فکری و عملی رہنمائی پر مشتمل مقاماتِ قرآنِ حکیم کا ایک منتخب نصاب' احادیث نبوی کا ایک مختصر انتخاب اور تجوید کے بنیادی قواعد پڑھائے جاتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کورس کے فارغ التحصیل طلبہ میں سے ہی ایسے نوجوان نکلیں گے جو اپنی آئندہ زندگی میں قرآن حکیم کی حکمت کو عام کرنے کے لئے اپنا وقت نکالیں گے اور اپنی توانائیاں صرف کریں گے۔ ہم خصوصیت سے یہ امید کرتے ہیں کہ دین و دنیا کی تعلیم کے اس امتزاج کے ساتھ یہ لوگ قرآن مجید کی حکمت کو موجودہ زمانہ کی اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں گے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر امتِ مسلمہ کو معاشرتی' معاشی اور دیگر میدانوں میں آج کل جو مسائل درپیش ہیں' ان کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کر سکیں گے۔

دینی تعلیم کے اس ایک سالہ کورس کی جانب احباب و رفقاء کا رجوع بہت اطمینان بخش ہے۔ پہلے سال ۲۲ طلبہ نے اس کورس سے استفادہ کیا جن میں بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ

افراد بھی شامل تھے۔ دوسرے سال اس سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ۲۰ تھی۔ تیسرے سال کورس کے شرکاء کی تعداد ۱۴ تھی اور سالِ رواں کے دوران ۲۲ طلبہ اس کورس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

خط و کتابت کورس: ۱۹۸۷ء کے اواخر میں قرآن حکیم کی فکری اور عملی رہنمائی کے زیرِ عنوان ایک خط و کتابت کورس کا آغاز کیا گیا تھا۔ الحمدللہ یہ کورس نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ ۱۹۹۰ء کے دوران تقریباً ۵۰۰ طلبہ نے یہ کورس شروع کیا۔ اس کورس کے لئے کتب اور کیسٹس کی قیمت =/۱۰۰۰ روپے فی طالب علم آتی ہے مگر ہر طالب علم سے صرف ۴۰۰ روپے لئے جاتے ہیں، ۶۰۰ روپے انجمن خود برداشت کرتی ہے۔ ۱۹۹۰ء کے آخر میں "عربی گرامر" خط و کتابت کورس بھی شروع کیا گیا اور اس میں مئی ۹۱ء تک ۱۵۰ طلبہ داخلہ لے چکے ہیں۔

۲۔ قرآن آڈیٹوریم

ارکان انجمن بخوبی جانتے ہیں کہ انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کی بیشتر توانائیاں برسہا برس سے قرآن حکیم کے درس و تدریس میں صرف ہو رہی ہیں۔ اپنے انتہائی دل نشیں انداز اور منفرد اسلوب میں وہ لاکھوں لوگوں کو قرآن حکیم کے عملی پیغام کی طرف متوجہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے مخصوص انداز میں از اول تا آخر تسلسل کے ساتھ پورے قرآن حکیم کا درس آڈیو اور وڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کروا دیں، اور یہ ریکارڈنگ اعلیٰ ترین فنی سطح پر کی جائے۔ ہمیں اندازہ تھا کہ اس کے لئے نہ صرف عمدہ Technical Equipment درکار ہوگا بلکہ یہ ریکارڈنگ بھی کسی بند اسٹوڈیو کی بجائے ایک معیاری آڈیٹوریم میں ہونی چاہئے جہاں حاضرین کی موجودگی میں یہ درس قرآن ہر ہفتہ دو یا تین بار باقاعدگی سے منعقد کیا جائے۔ بفضلہ تعالیٰ آڈیٹوریم کی عمارت اور اس کی Finishing اور Furnishing کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ ایئر کنڈیشننگ کا کام ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی مکمل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی تو ہمارا ارادہ ہے کہ ۱۹۹۱ء کے وسط تک مجوزہ درس قرآن کا آغاز کر دیا جائے۔

ہم اس پر پورے طور پر مطمئن ہیں کہ مرکزی انجمن کی دعوت رجوع الی القرآن موجودہ زمانہ میں امت مسلمہ کی اہم ترین ضرورت ہے اور ہم اپنی بساط کے مطابق اس جدوجہد میں مشغول ہیں۔ آیئے آپ بھی آگے بڑھیئے اور اس اعلیٰ مشن کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ مرکزی انجمن کے مشن کی اعانت کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ انجمن کے رکن بن جائیں۔ انجمن کی رکنیت تین نوع کی ہے اور مندرجہ ذیل یکمشت اور ماہانہ اعانتوں پر مبنی ہے۔

محسنین	یکمشت دس ہزار روپے	دو سو روپے ماہانہ
مستقل ارکان	یکمشت پانچ ہزار روپے	سو روپے ماہانہ
عام ارکان	- - - - - - - - - -	پچاس روپے ماہانہ

رکنیت اختیار کرنے پر آپ انجمن کی کارکردگی سے ان شاء اللہ باقاعدگی سے باخبر رہیں گے۔ ہمارے اجتماعات میں شریک ہوں گے' ہمیں اپنے مشوروں سے نوازیں گے اور انجمن کو جو وسائل درکار ہیں' انہیں مہیا کرنے میں دامے درمے سخنے ہمارے مددگار ہوں گے۔ جزاک اللہ۔

رکنیت کا فارم ہم اس شمارے میں شائع کر رہے ہیں' اسے پُر فرما کر ارسال فرما دیں۔

بقیہ : خطاب امیر تنظیم

بَریُّ الذِمّہ رکھا ہے۔ اس ضمن میں ان پر جو ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں' وہ بالواسطہ ہیں' جن کا ابھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ اگر اس سطح کی جدوجہد میں اپنے آپ پر خواہ مخواہ ایسی ذمہ داریاں عائد کر لیتی ہیں جن کا اللہ نے انہیں مکلف نہیں ٹھہرایا تو اس سے اندیشہ ہے کہ بجائے خیر کے کوئی شر پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرزِ عمل سے محفوظ رکھے اور ان ذمہ داریوں کو کماحقہٗ ادا کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے جو اس نے ہم پر عائد کی ہیں!

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین و المسلمات

درخواست رکنیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم اراکین مجلس منتظمہ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

میں مسمّی / مسماۃ (مکمل نام مع ولدیت)..

(پتہ)...

فون نمبر..

اپنے آپ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے حلقۂ محسنین / مستقل ارکان / عام ارکان کے لیے پیش کرتا ہوں / کرتی ہوں۔

یکمشت زر تعاون ______ روپے بشکل نقد / چیک / ڈرافٹ نمبر ______

بنام ______ بنک لمیٹڈ ______ پیش خدمت ہے۔

مجھے انجمن کی قرار داد تاسیس و اغراض و مقاصد سے مکمل اتفاق ہے اور میں نے ضوابط کا بھی مطالعہ کر لیا ہے۔

چنانچہ میں مبلغ ★ ______ روپے ماہانہ زر تعاون ادا کرتا رہوں گا / رہوں گی۔ مزید برآں انجمن کے اغراض و مقاصد کے لیے حتی المقدور عملی تعاون بھی پیش کرتا رہوں گا / رہوں گی۔ اللہ تعالیٰ میرے اس انفاق کو قبول فرمائے اور مجھے اپنے دینِ متین کی بالعموم اور بالخصوص خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) والسلام

تاریخ ______ دستخط ______

★ مؤسسین و محسنینِ انجمن کے لیے کم از کم ماہانہ زر تعاون دو سو روپے ماہوار، مستقل ارکان کے لیے ایک سو روپے ماہوار اور عام ارکان کے لیے پچاس روپے ماہوار ہے لیکن حسب

...خدام القرآن لاہور کے قواعد و ضوابط کے چند اہم...

...کے مقاصد میں بنیادی مقصد لوگوں کو قرآن حکیم کی جانب متوجہ کرنا ہے۔ اسی سبب سے
...کو دعوت رجوع الیٰ القرآن کا نام دیا گیا ہے۔

...انجمن کے تین حلقے ہیں۔ (i) حلقۂ محسنین۔ یعنی وہ لوگ جو رکنیت اختیار کرتے
...پانچ ہزار روپے ادا کرتے ہیں اور جن کا ماہانہ زرِتعاون کم از کم ایک سو روپے ہوتا
...حلقۂ مستقل ارکان۔ یعنی وہ لوگ جو رکنیت اختیار کرتے وقت یکمشت دو ہزار روپے
...ہیں اور جن کا ماہانہ زرِتعاون کم از کم پچاس روپے ہوتا ہے۔ (iii) حلقۂ عام ارکان۔
...جو یکمشت کچھ ادا نہیں کرتے اور جن کا کم از کم ماہانہ زرِتعاون پچیس روپے ہوتا

...ن کی مجلسِ منتظمہ چودہ ارکان پر مشتمل ہوتی ہے جس میں سے بارہ منتخب ہوتے ہیں
...

...منتظمہ کے منتخب ارکان میں سے چھ کو حلقۂ محسنین، دو کو حلقۂ مستقل ارکان اور
...ارکان منتخب کرتے ہیں۔

...منتظمہ کے انتخاب کے لئے صرف ایسے وابستگانِ انجمن کے نام تجویز کئے جاسکتے
...چالیس سال سے کم عمر کے نہ ہوں۔ (ii) انجمن سے وابستگی کا تین سال کا عرصہ مکمل
...(iii) نہ تو انجمن کے زیرِ کفالت ہوں اور نہ ہی انجمن میں کسی منفعت بخش عہدے

...میں رہائش پذیر صرف وہ مرد وابستگانِ انجمن اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکتے
...اجلاسِ عام میں موجود ہوں۔
...میں رہائش پذیر خواتین اور بیرونِ لاہور رہائش پذیر خواتین و حضرات بذریعہ ڈاک
...دہی استعمال کر سکتے ہیں۔
...میں صرف وہ وابستگانِ انجمن حق رائے دہی استعمال کر سکیں گے جن کی انجمن
...ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۰
شمارہ: ۸
محرم الحرام/صفر ۱۴۱۱ھ
اگست ۱۹۹۱ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرِتعاون -/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرِتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ امریکی ڈالر

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ - لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷ اے - علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان - طابع: رشید احمد چودھری - مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

ہر باشعور پاکستانی کا یہ احساس ہے کہ پاکستان کے اندرونی حالات میں بہتری کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے، سندھ کے حالات تو بتدریج خراب سے خراب تر ہو ہی رہے ہیں، پنجاب میں بھی امن و امان کا مسئلہ تشویشناک حد تک سنگین ہو چکا ہے۔ اس مہیب اندرونی خلفشار پر مستزاد سرحدوں کی صورت حال ہے۔ ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ پاک بھارت افق پر ایک تباہ کُن جنگ کے بادل گھرے ہو رہے ہیں۔ وطن کے محافظ اور سرحدوں کے پاسبان پکار پکار کر آنے والے وقت سے خبردار کر رہے ہیں لیکن ہم مسلمانانِ پاکستان شاید احساس و ادراک کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے مشاغل اور اپنے اپنے دھندوں میں گُم ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا خواص بھی حالات سے سبق سیکھنے اور آنے والے وقت کے لئے پیش بندی کرنے کے لئے آمادہ نظر نہیں آتے۔ علماء اپنی تنگ نظری کے خول سے باہر آنے کو کسی صورت تیار نہیں، اِلّا ماشاء اللہ۔ اسی طرح سیاست دانوں کو اوّل تو کشمکشِ اقتدار اور چھینا جھپٹی سے فرصت نہیں اور اگر کسی کو حالات کی نزاکت کا احساس ہے بھی تو مختلف النوع "سیاسی مصلحتیں" اسے حق بات کہنے سے روک دیتی ہیں۔ پوری قوم گو اس تقدیرِ مبرم پر شاکر و قانع نظر آتی ہے جسے ٹالنا کم از کم کسی انسان کے بس میں نہیں۔ ہاں ایک مردِ درویش آنے والے وقت سے خبردار کرنے کے لئے اپنی سی کوشش میں مصروف ہے ——— پاکستان اور بھارت کے مابین موجودہ کشیدگی اور تناؤ کی فضا کو رفع کرنے کے لئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ۲۶ر جولائی کے خطابِ جمعہ میں صورتِ حال کا بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے اصلاحِ احوال کے لئے عملی تجاویز بھی قوم کے سامنے رکھی ہیں اور جس بات کو حق سمجھا بلا خوفِ لومۃ لائم اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کیا ہے۔ اس جرأت اور جسارت پر بہت سے حلقوں کی جانب سے حیرت و استعجاب کا اظہار بھی سامنے آیا ہے ا

ں نے امیرِ تنظیم کے خیالات سے کُلی اتفاق کرتے ہوئے اس پر ہدیۂ تبریک بھی پیش کیا ہے
۔۔۔ ۲۶ ر جولائی کا یہ اہم خطاب جمعہ "ندا" کی حالیہ اشاعت میں، جس پر ۱۵ر اگست کی
ئ درج ہے، مکمل صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اس خطاب کا جامع خلاصہ پریس ریلیز کی
میں "میثاق" کے زیرِ نظر شمارے میں بھی شامل ہے۔ مزید برآں ۲ر اگست کے خطاب
کا پریس ریلیز بھی شاملِ اشاعت ہے۔ اس خطاب کا موضوع تھا "بھارتی مسلمانوں کے
ائحہ عمل"۔

زیرِ نظر شمارے میں "جمہوریت نہیں، خلافت" کے عنوان سے امیر تنظیم اسلامی کا ایک
خطاب شامل ہے۔ یہ خطاب اگرچہ عجلت میں مرتب کر کے کسی قدر اختصار کے ساتھ
" کی گزشتہ اشاعت میں شامل کیا گیا تھا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے باہتمام
ب کر کے شمارہ ہذا میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس خطاب کی مکرر اشاعت کی ضرورت اس
بھی محسوس کی گئی کہ "میثاق" کا حلقۂ اشاعت "ندا" کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔
ہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ "ندا" میں شائع شدہ مذکورہ بالا خطاب "میثاق" کے
سے قارئین کی نگاہ سے نہ گزرا ہو۔

☆ ☆ ☆

قرآن اکیڈمی کے زیرِ انتظام شروع ہونے والے دینی تعلیم کے ایک سالہ کورس کی
ت اور اس میں داخلے سے متعلق تفصیلی معلومات پر مشتمل دو مختصر مضامین اس شمارے
قارئین کے مطالعے میں آئیں گے۔ ان میں سے ایک مضمون، جس میں اس کورس کی
ت پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اردو زبان میں ہے جبکہ دوسرا مضمون جس
کورس کے مقاصد، اس میں داخلے کی شرائط اور کورس سے متعلق دیگر تفصیلات کا
حت سے بیان ہے، انگریزی زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر مضمون اصلاً مغربی
ک میں مقیم ہمارے بعض رفقاء و احباب کی فرمائش پر تحریر کیا گیا ہے جو اپنی اولاد کو دینی
م کے حصول کے لئے قرآن کالج میں داخلہ دلانے کے خواہاں ہیں اور اس ضمن میں
س کی نوعیت اور دیگر تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہیں۔ OO

ضروری وضاحت

ماہنامہ "درسِ عمل" لاہور کے محرم الحرام ۱۴۱۲ھ کے شمارے میں، جس کی حیثیت ایک خصوصی نمبر کی تھی، صفحہ ۱۹ پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا "پیغام" شائع ہوا ہے، جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ ہر جگہ "علیہ السلام" لکھا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امیر محترم نے مذکورہ ماہنامہ کو اس کے ایڈیٹر کی فرمائش پر جو پیغام دیا تھا اس میں حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ ہر جگہ "رضی اللہ عنہ" مرقوم تھا۔

اہلِ سنت کے نقطۂ نظر کے مطابق "علیہ السلام" کا کلمہ صرف انبیائے کرامؑ ہی کے لئے مخصوص ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ کے اسماء کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ ہی لکھے اور بولے جانے چاہئیں۔ ایک مخصوص طبقۂ فکر کی طرف سے بعض صحابہ کے ناموں اور غیر صحابہ میں سے بھی بعض محترم شخصیات کے ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" کے جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، وہ دراصل "امامتِ معصومہ" کے تصور کا شاخسانہ ہے۔ یہ تصور چونکہ اہلِ سنت کے عقیدے سے متصادم ہے، لہٰذا ہم اس سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔

ایک اہم تصحیح

ماہ جولائی ۹۱ء کے "میثاق" کے آخری صفحات (۷۶۔۸۰) میں "رجوع الی القرآن کی تحریک کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کیجئے" کے عنوان سے جناب سراج الحق سید کی تحریر کے ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا رکنیت فارم شائع ہوا ہے۔ اس رکنیت فارم کی پشت پر انجمن کے قواعد و ضوابط کے جو چند اہم نکات شائع ہوئے ہیں، ان میں دوسرے نمبر پر اراکینِ انجمن کے تین حلقوں --- حلقۂ محسنین، حلقۂ مستقل ارکان اور حلقۂ عام ارکان --- کی یکمشت اور ماہانہ اعانتوں کی شرح بھی شائع ہوئی ہے۔ احباب نوٹ فرمالیں کہ یہاں سہواً سابقہ شرح درج ہو گئی ہے۔ اعانتوں کی موجودہ شرح وہی ہے جو شمارہ مذکورہ کے صفحہ ۸۰ پر دی گئی ہے۔ یعنی

(i) محسنین : یکمشت دس ہزار روپے دو سو روپے ماہانہ

(ii) مستقل ارکان : یکمشت پانچ ہزار روپے سو روپے ماہانہ

(iii) عام ارکان : ---------- پچاس روپے ماہانہ

ادارہ میثاق اس سہو پر اپنے قارئین اور احباب سے معذرت خواہ ہے!

ـو تبصرہ

پاک بھارت تعلقات'

جودہ تناؤ کی فضا کو ختم کرنے کے لئے بعض عملی تجاویز اور

بھارتی مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

امیر تنظیم اسلامی کے دو اہم خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

ولائی کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور: ۲۶ر جولائی۔ حالات و واقعات کے تیور دیکھتے ہوئے صاف نظر آ رہا ہے کہ برِصغیر
ـ کے بادل منڈلا رہے ہیں اور پاکستان و بھارت عنقریب جنگ کی بھٹی میں جھونک دیئے
گے۔ اندیشہ یہ ہے کہ دونوں ممالک کے مابین ہونے والی یہ جنگ سابقہ جنگوں کے
ں دو حکومتوں کی بجائے دو قوموں کے درمیان ہوگی' جس میں روایتی اسلحہ کے ساتھ ایٹمی
کے استعمال کا شدید خطرہ موجود ہے' جس سے یہ پورا علاقہ بدترین تباہی و بربادی سے
ہوگا۔ یہ انتباہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد جامع القرآن' ماڈل ٹاؤن میں نمازِ
ے قبل اپنے خطاب میں کیا۔

انہوں نے یاد دلایا کہ خلیج کی جنگ کے دوران بھی جنرل مرزا اسلم بیگ نے خبردار کیا تھا
عراق کو تباہ کرنے والی طاقتوں کا اگلا ہدف پاکستان ہوگا" اور اب پھر انہوں نے دو ٹوک
میں کہا ہے کہ "خلیج کی جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی اور یہ اپنے اصل مقاصد کے حصول تک
رہے گی"۔ مزید یہ کہ "جنگ کے سائے صاف نظر آ رہے ہیں اور اس جنگ میں بھارت
نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ وہ طاقتیں بھی ہوں گی جو پاکستان کو نقصان پہنچانے کے درپے

ڈاکٹر اسرار احمد نے جنرل اسلم بیگ کے تجزیے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ خلیج کی جنگ
ی نیو ورلڈ آرڈر کی محض تمہید تھی' جبکہ اس ڈرامے کا دوسرا ایکٹ پاکستان پر دہرایا جائے
عراق کی تباہی کے بعد مسلمہ طور پر ایٹمی صلاحیت کا حامل دنیا کا واحد مسلمان ملک ہے۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کے عوام کو آگے بڑھ کر جنگ کی موجودہ فضا کو ختم کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا' ورنہ تیسری دنیا کے یہ دونوں ممالک جو آج کل بدترین اقتصادی بحران سے گزر رہے ہیں' سامراجی سازش کا شکار ہو کر تباہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کے مابین چوالیس سالہ کشاکش کا اصل ذمہ دار برطانوی سامراج ہے' جس کے پسِ پردہ دراصل عالمی صیہونی سازش اور یہودی ذہن کارفرما ہے' جس نے تقسیم کے وقت دونوں ممالک کے درمیان کشمیر کا خنجر گھونپ دیا تھا' جس سے دونوں قوموں میں موجود باہمی منافرت کو بھڑکانے کا سامان فراہم ہوا اور برطانوی سامراج کی پالیسی "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کامیابی سے جاری رہی۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں ممالک عالمی برادری میں کوئی کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ آسکے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندو مسلم جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ہی دو علیحدہ اور آزاد ممالک کے قیام کا فیصلہ ہوا تھا کہ برصغیر کے بیشتر مسلم لیڈروں بلکہ بعض ہندو لیڈروں کے نزدیک بھی اس مسئلے کا واحد اور مستقل حل یہی تھا۔ چنانچہ تقسیم ہند کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کے نام سے دو ممالک کا قیام عمل میں آگیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مصورو مفکرِ پاکستان کے حوالے سے کہا کہ ان کے ۱۹۳۰ء کے تاریخی خطبۂ الٰہ آباد میں اس جانب واضح اشارہ موجود تھا کہ دونوں آزاد ممالک کے قیام سے دونوں ممالک کے مابین صحت مندانہ بنیادوں پر مسابقت اور مقابلہ کی فضا جنم لے گی اور اس طرح دونوں ممالک آزادانہ ماحول میں اپنے اپنے نظام کو اپنے نظریات کے مطابق استوار کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ امیر تنظیم اسلامی نے مزید انکشاف کیا کہ علامہ اقبالؒ نے تو اسی خطبۂ الٰہ آباد میں یہاں تک کہا تھا کہ: "برصغیر کے شمال مغرب میں مسلمانوں کی آزاد ریاست (یعنی پاکستان) درحقیقت ہندوستان کے دفاع کے لئے ایک مضبوط دفاعی حصار کا کام دے گی" مگر افسوس کہ دونوں ممالک کی حکومتیں سامراجی اور صیہونی سازش کا شکار ہو کر مذکورہ مقاصد حاصل کرنے میں یکسر ناکام رہیں' جس کی وجہ سے باہمی منافرت کی فضا کم ہونے کی بجائے شدت اختیار کرتی چلی گئی اور تمام قومی و ملکی وسائل اپنے اپنے ملک کی تعمیر کی بجائے حریف کی قوت کو کچلنے کے لئے عسکری قوت اور آلاتِ حرب کی فراہمی پر صرف ہونے لگے' جس کے لئے دونوں ممالک مغربی اقوام کے محتاج اور زیردست بننے پر مجبور ہیں اور آج دونوں ممالک کی فضا پر جنگ کے تاریک اور دبیز بادل مسلط نظر آ رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسی برطانوی سامراج نے عالم عرب کے سینے میں اسرائیل کا خنجر پیوست کیا تھا' جس کی بدولت آج پورا عالم

عرب سامراجی اور صیہونی قوتوں کی گرفت میں جکڑا جا چکا ہے۔ آج یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ کشمیر میں اسرائیلی یہودی دو طرفہ سازشی کردار ادا کر رہے ہیں۔ ایک جانب وہ پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے کے لئے سازشیں ترتیب دے رہے ہیں اور دوسری طرف کشمیر کی تحریکِ حریت میں نقب لگا کر ایسی فضا ہموار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق بھارت مجبور ہو کر پاکستان پر حملہ آور ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ اس وقت کا سامراج برطانیہ تھا جبکہ آج کا سامراج امریکہ ہے' جسے اب واحد سپریم پاور کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ انہوں نے لفظ سامراج کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ماضی میں سامراج کا مفہوم خواہ کچھ بھی سمجھا جاتا ہو' اب "سامراج" کا مطلب ہے "انکل سام کا راج" جس کے نیو ورلڈ آرڈر نے پہلے عراق کے بہانے پورے عالم عرب کو اپنی گرفت میں لیا اور جس کا اگلا ہدف اب پاکستان ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان کے بعد جاپان اور چین بھی عالمی صیہونی عزائم کا شکار بننے والے ہیں' جس کے بعد بالآخر عالمی صیہونیت امریکہ کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہے گی' تاکہ روئے ارضی پر ایسی کوئی طاقت نہ رہے جو کسی بھی وقت اسے آنکھیں دکھانے کی پوزیشن میں آسکے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب کے آخر میں درج ذیل پانچ نکات کے حوالے سے موجودہ گمبھیر صورت حال کا حل تجویز کیا۔ اولاً وزیر اعظم نواز شریف کو پیش قدمی کر کے ایسا بھرپور قدم اٹھانا چاہیے جو پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ کے خطرات کو روک سکے۔ مزید یہ کہ پاکستان کی حکومت اور اس کے خفیہ اداروں کو کوئی ایسا قدم اٹھانے سے گریز کرنا ہو گا جو پاکستان اور بھارت میں جنگ کا سبب بن جائے۔ ثانیاً دونوں ممالک میں عوامی سطح پر یہ شعور اجاگر کیا جائے کہ بھارت اور پاکستان دونوں کا اصل اور مشترکہ دشمن یہودی سامراج ہے' جس کی سازشوں سے بچنا دونوں ممالک کے لئے ضروری ہے۔ ثالثاً پاکستان اور بھارت کی حکومتیں فوری طور پر دانشوروں' صحافیوں اور علماء کے وفود کا باہمی تبادلہ کریں تاکہ دونوں ممالک کے مابین موجود جنگی فضا کو دُور کیا جائے اور اس ضمن میں پاکستان کو پیش قدمی کرنی چاہیے۔ رابعاً چین اور جاپان سمیت جنوب اور مشرقی ایشیا کے تمام ممالک کے مابین یورپی ممالک کی طرح باہمی اقتصادی تعاون کی شکل پیدا کرنے کے لئے مل جل کر کوشش کی جائے۔ خامساً مسلمانوں کو از سرِنو ایک زندہ قوت بنانے کی غرض سے پورے عالم اسلام میں احیائے خلافت کی تحریک برپا کرنے کے لئے پاکستان اپنا کردار ادا کرے اور اس کا آغاز پاکستان کو مکمل اور حقیقی اسلامی ریاست بنانے سے ہی ہو سکتا ہے۔

۱۳؍ اگست کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور : ۱۳؍ اگست - دو قومی نظریے سے انحراف کے باعث مسلمانانِ پاکستان مصائب و مشکلات سے دوچار اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں ہیں اور اسی جرم کی پاداش میں ہندوستان کا مسلمان بھی مصائب و آلام کی لپیٹ میں ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے باغِ جناح مسجد دارالسلام میں نمازِ جمعہ سے قبل اپنے خطاب میں کیا۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ درحقیقت دو قومی نظریہ ہی اس تقسیم کا اصل سبب بنا۔ متحدہ ہندوستان میں انڈین نیشنل کانگریس متحدہ وطنی قومیت کے فلسفے کی داعی تھی' جبکہ مسلم لیگ مسلمانوں کے علیحدہ اور جداگانہ تشخص کے حوالے سے انہیں ہندوؤں سے الگ قوم قرار دیتی رہی۔ دو قومی نظریے کے اسی تصور کے نتیجے میں پاکستان کا قیام ممکن ہو سکا تھا' مگر آج اسی دو قومی نظریے سے انحراف و گریز اور سیکولرازم اور مغرب کے تصورِ نیشنلزم سے عملی وابستگی ہی کی وجہ سے مسلمانانِ پاکستان کے ساتھ ساتھ بھارت کا مسلمان بھی طرح طرح کی مشکلات اور مصائب میں گرفتار ہے۔ اس لئے کہ تقسیم ہند کے بعد بھارت کے مسلمانوں نے اپنے لئے جو لائحہ عمل متعین کیا وہ دو قومی نظریے کے یکسر خلاف تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے برِصغیر میں دو قومی نظریے کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے واضح کیا کہ مغلیہ عہدِ حکومت میں اکبرِ اعظم علیہ ماعلیہ نے ابوالفضل اور فیضی جیسے علماء کے تعاون سے وحدتِ ادیان اور دینِ الٰہی کا فلسفہ ایجاد کیا۔ اس تصور کی بدولت ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کے یکسر خاتمے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا' مگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

اسی طرح رواں صدی کے آغاز میں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جب علماءِ ہند نے بالعموم اور علماءِ دیوبند نے بالخصوص یہ موقف اختیار کیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو اشتراک و اتحاد کے عمل سے جہادِ حریت میں حصہ لینا چاہئے تو گاندھی نے اس تصور کی آڑ میں وحدتِ ادیان اور متحدہ وطنی قومیت کا راگ پھر الاپنا شروع کر دیا' جس کی ہمنوائی میں بدقسمتی سے مولانا ابوالکلام آزاد بھی شریک ہو گئے۔ مگر علامہ اقبالؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو اجاگر کر کے وطنی قومیت کے اس بت کو پاش پاش کر دیا اور گاندھی کے پھیلائے ہوئے متحدہ قومیت کے سحر کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ علامہ اقبالؒ خوب جانتے تھے کہ وطنی قومیت (نیشنلزم) اور لادینیت (سیکولرازم) کے تصورات فرنگی چال بازی کے دو ایسے بنیادی ستون ہیں جو اسلام کے بنیادی تصورات کی جڑ کاٹ دینے والے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا علامہ اقبالؒ دانشِ فرنگ کی اصلیت سے پوری طرح باخبر تھے مگر
، علماء کرام کی اکثریت اپنے تمام تر خلوص و اخلاص کے باوجود تحریکِ پاکستان کے دوران اس
انش کے مکر و فریب کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبالؒ کو حضرت مجدد
ثانیؒ کے ساتھ یہ باطنی نسبت بھی حاصل ہے کہ دونوں شخصیات نے وحدتِ ادیان اور وطنی
، کے تصور کو پاش پاش کر کے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو اجاگر کیا کہ مسلمان ہر لحاظ سے
لیحدہ اور جداگانہ قوم ہیں۔ یہی دو قومی نظریہ ہے جس کی بنیاد پر برِصغیر کے مسلمانوں نے ایک
سلم ریاست کے قیام کی جدوجہد کی اور جس کی سزا آج تک بھارت کا مسلمان ہندو فرقہ
ں کے ہاتھوں بھگت رہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ چوالیس سال کی طویل مدت میں بھی ہم اپنے اسلامی نظریے کو عملی
نہ پہنا سکے۔ اگرچہ بہت عرصہ پہلے ہم نے قراردادِ مقاصد بھی منظور کر لی تھی اور حال ہی میں
او شریعت ایکٹ بھی پاس کر دیا ہے مگر درحقیقت عملی طور پر پاکستان آج بھی ایک سیکولر ملک
ہے۔ انہوں نے کہا موجودہ شریعت ایکٹ درحقیقت ہماری تاریخ کا گھناؤنا فراڈ ہے جس میں
ت کے نام پر شریعت کا راستہ روک دیا گیا ہے۔

مقاصدِ پاکستان اور دو قومی نظریے سے مسلسل رُوگردانی ہی کی وجہ سے پاکستان میں مختلف
ز‌ں نے سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ پہلے بنگلہ قومیت کے نام سے ملک دولخت ہو چکا ہے جبکہ اب
ی قومیت، بلوچی قومیت اور مہاجر قومیت جیسے نعرے ملک کے طول و عرض میں گونج رہے ہیں
مد یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے سندھو دیش کے حامی جی ایم سیّد تک کو تمام الزامات سے بری
یا ہے، جو برملا یہ کہتا ہے کہ پاکستان کو توڑنا ہمارا اوّلین ہدف ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے عالمی تناظر میں ملک کو درپیش خطرات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ اور
ں کے گٹھ جوڑ سے پاکستان کی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں اور اب امریکہ عراق کو
رنے کے بعد پاکستان کے ایٹمی دانتوں (ایٹمی صلاحیت) کو توڑنے کے درپے ہے۔ انہی خطرات
جنرل اسلم بیگ قوم کو واشگاف الفاظ میں خبردار کر چکے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ بھارت
پاکستان کے مابین جنگ کا شدید خطرہ موجود ہے جس سے بچنا دونوں ممالک کے مفاد میں ہے،
۔ دونوں ممالک کے مالی اور عسکری وسائل تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بھارت میں سیکولرازم اور رام راج کی کشمکش اور اس پس منظر میں بھارتی
مانوں کے لئے ممکنہ لائحہ عمل کے بارے میں اپنے خطاب میں علامہ اقبالؒ کے ۱۹۳۰ء کے خطبۂ
آباد کا خاص طور پر حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ سیکولرازم اور نیشنلزم کے تصورات کو اختیار کرنا

ہندوؤں کی تو مجبوری تھی کہ وہ خود کبھی بھی ایک قوم نہیں رہے، مگر بھارتی مسلمانوں کو دو
نظریے پر کاربند رہتے ہوئے ان تصورات کی مکمل نفی کرنی چاہئے تھی اور بحیثیت مسلمان ا
جداگانہ تشخص کو اجاگر کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے کہا بھارت کے مسلمانوں کو بطورِ اقلیت
بھارت کے مخلوط انتخابات میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہوئے حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہ
انہیں ہندوستان میں وہ تمام حقوق دیئے جائیں جو بین الاقوامی سطح پر اقلیتوں کو گارنٹی کئے جاتے
اور یہ کہ ان کے لئے جداگانہ انتخابات کا بندوبست کیا جائے۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف یہ کہ دو
نظریے سے پورے طور پر ہم آہنگ ہے بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے عافیت کا راستہ بھی
ہے۔ ہندوستانی سیاست کے قومی دھارے میں مسلمانوں کی شرکت کبھی بھی ان کے لئے مفید ن
نہیں ہوئی۔

امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ مسلمانوں کے ووٹوں سے خوف محسوس کرتے ہوئے ردِ
کے طور پر اندرا گاندھی نے ہندو دیوی کا روپ اختیار کیا اور اسی بنیاد پر ہندو ووٹ کو مجتمع کیا،
کے نتیجے میں آج بھارت میں ہندو فرقہ پرستی اور رام راج کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ انہوں
کہا کہ جہاں پاکستان میں ووٹوں کی سیاست کی دلدل میں پھنس کر آج تمام مذہبی جماعتیں قطعی
اثر ہو چکی ہیں وہاں بھارت کے مسلمانوں پر سیکولرازم اور اس پر مبنی طرزِ سیاست کے نہایت
اور مضر اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یو پی جیسے صوبے میں جہاں بہت سے علا
میں مسلمانوں کے ووٹوں کی تعداد فیصلہ کن تھی ہندو فرقہ پرست جماعت بی جے پی کی حکومت
ہو چکی ہے۔ اس کا فوری سبب یہ بنا کہ اس صوبے میں مسلمانوں کے ووٹ مختلف سیکولر جماع
میں تقسیم ہو گئے جس کا فائدہ بی جے پی کو پہنچ گیا۔ گویا مسلمان ووٹ خود مسلمانوں کی جڑوں میں
گیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اس صورت حال سے بچنے کے لئے بھارتی مسلمانوں کو مشورہ د
انہیں اپنے آپ کو ایک اقلیت کے طور پر منظم کرنا چاہئے تاکہ ان کے حقوق بین الا
اصولوں کی روشنی میں پوری طرح محفوظ ہو جائیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے اپنے خطاب کے
میں کہا کہ بھارتی مسلمان سیکولرازم اور نیشنلزم کے تصورات کی کامل نفی کر کے اپنی جد
حیثیت کو منوائیں، جبکہ انہوں نے پاکستانی مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ احیائے خلافت
قومی نصب العین بناتے ہوئے جدوجہد کا آغاز کریں۔ شاید اس طرح اللہ تعالیٰ ہماری کوتا
سے درگزر کر کے ہماری توبہ قبول فرما لے اور اپنا وہ عذاب ہم سے ٹال دے جس کے
نمایاں ہو چکے ہیں۔ ○○

...مہوریت نہیں خلافت!

...یرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ جمعہ

(۵ رجولائی ۱۹۹۱ء)

حضرات! آج مجھے ایک خالص ملی موضوع پر گفتگو کرنی ہے' جس کے بارے میں کچھ ... عرصہ قبل میں نے ایک رائے قائم کی ہے اور جس کا اظہار میں نے سفرِ حج پر روانہ ... نے سے قبل کراچی میں ۱۶ر جون کے خطابِ جمعہ میں کیا تھا۔ یعنی اب ہمیں اپنے سیاسی ... ام کے ضمن میں جمہوریت کی اصطلاح ترک کر کے خلافت کی اصطلاح استعمال کرنی ... ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ میں نے اپنے گزشتہ جمعہ کے خطاب میں بھی گفتگو کی تھی' ... راس کے تشنہ رہ جانے کی وجہ سے کچھ چہ میگوئیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ناقدین کے لئے ... اس پر تنقید کا موقع پیدا ہوا اور ہمارے اپنے ساتھیوں میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی ... ایک طویل عرصہ تک جمہوریت کی حمایت کرنے کے بعد اب ہم جو یہ اصطلاح اختیار ... ر رہے ہیں' اس سے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں خلجان پیدا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ... ہے کہ میں آج کی پوری گفتگو کو اسی کے لئے خالص کر رہا ہوں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست اور اسلام کے سیاسی نظام کی بحث ... ے سلسلے میں ایک بہت پیچیدہ سوال جو پیدا ہوتا ہے' وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور ... مہوریت' جس کا اصل الاصول عوام کی حاکمیت ہے' کے مابین پیوند کاری کس طرح سے ... ' ان دونوں متضاد تصورات کو کیسے جمع کیا جائے؟ ایک طرف اسلام کا اصل الاصول ... ہے' جس میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے' یعنی یہ کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ بقول ... لامہ اقبال ۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

انسانی حاکمیت کا تصوّر کفر اور شرک ہے اور یہ تصور اسلام کے ساتھ قطعاً کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ دوسری طرف زمانے کا ایک تقاضا ہے جس کو علامہ اقبالؒ نے اپنی مشہور نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں بیان کیا ہے۔ اس نظم میں ملّتِ اسلامیہ کے نام علّامہ اقبال کا پیغام جامع ترین صورت میں اس طرح سامنے آتا ہے کہ ابلیس کو یہ اندیشہ ہے کہ ۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

گویا ابلیس نے اپنی مجلسِ شوریٰ میں یہ تشویش ظاہر کی کہ عصرِ حاضر کے جو تقاضے ہیں' ان کی بناء پر اندیشہ ہے کہ شرعِ پیغمبر یعنی اسلامی نظام کے بہت سے تقاضے' جو چند اسباب کی بناء پر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے' کہیں دوبارہ ظاہر نہ ہو جائیں۔ اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ علّامہ کے نزدیک عصرِ حاضر کے تقاضے غلط نہیں' بلکہ درست ہیں اور ان میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ اب عوام میں اپنے حقوق کا شعور بیدار ہوگیا ہے۔ اسی عوامی شعور سے دنیا میں جمہوریت کی بنیاد پڑی' اسی کی بناء پر فرانس کا انقلاب آیا اور جمہوریت کے دور کا آغاز ہوا۔ تو اب گویا دو متضاد چیزیں ہمارے سامنے ہیں۔ ایک طرف اسلام کا اصل الاصول یعنی اللہ کی حاکمیت کا تصوّر ہے اور دوسری طرف حاکمیتِ جمہور کا تصوّر ہے جو عصرِ حاضر کے تقاضے کے طور پر اُجاگر ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ کی حاکمیت کی بات بڑے دو ٹوک انداز میں کی گئی ہے۔ سورۂ یوسف میں فرمایا گیا: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کہ حکم دینے کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو حاصل نہیں ہے اور سورۂ کہف میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا: "وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖۤ اَحَدًا" یعنی وہ اپنی حاکمیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ جیسا کہ بارہا عرض کیا گیا ہے' عظیم حقیقتیں قرآن حکیم میں بار بار آتی ہیں' صرف اسلوب اور ترتیب بدل جاتی ہے۔ چنانچہ یہی بات سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ"۔ اور یہ بات عقیدۂ توحید کے ان اہم ترین نتائج میں سے ہے جن کا تعلق عمرانیاتِ انسانی سے ہے۔ بلکہ یہ

نا شاید غلط نہ ہو کہ اجتماعی نظام کے ضمن میں سماجی، سیاسی اور معاشی سطح پر عقیدۂ توحید
ا تین نہایت اہم فروعات (Corollaries) میں سے اہم ترین یہی ہے۔ یعنی حاکمیت
اقتیار اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ دوسری طرف عصرِ حاضر کے اپنے تقاضے
ں۔ عوام میں اپنے حقوق کا جو شعور پیدا ہوا ہے اس نے جمہوریت کے تصور کو جنم دیا
ہ۔ علامہ اقبالؒ نے اس کی بھی تعبیر کی ہے کہ ؎

نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
ب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!

بلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ہی ابلیس کا ایک مشیر کہتا ہے کہ جمہوریت سے تو ہمیں
نے کی ضرورت نہیں، جب سے آدم میں خود شناسی پیدا ہوئی ہے اور اسے اپنے حقوق
شعور ہوا ہے، ایک کسان اور ایک مزدور بھی اب یہ مطالبہ کرنے لگا ہے کہ میرے بھی
ہ حقوق ہیں، صرف کارخانہ دار اور زمیندار ہی انسان نہیں، ہم بھی انسان ہیں، تو اس
، تقاضے کے طور پر ہم نے ملوک و سلاطین کی حاکمیت کے بجائے حاکمیتِ عوام
(Popular Sovereignt کا نظریہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

ل حل طلب مسئلہ

اب ہمارے لئے اصل حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کی حاکمیت اور عوامی حاکمیت
، ان دونوں تصورات کو جوڑیں تو کیسے؟ ——— اپنی اپنی جگہ پر یہ دونوں تصورات
ل واضح اور صاف ہیں، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین پیوند کاری کس طرح
، ہو؟ حاکمیتِ عوام کے مسئلہ کو لیجئے، اس کا تصور بالکل سادہ اور واضح ہے۔ صرف یہ
ے طے کرنے کی ہے کہ وہ حاکمیت کیسے بروئے کار آئے۔ ایک ملک کے اندر اگر بالفرض
ں کروڑ انسان بس رہے ہیں اور حاکمیت ان سب کا حق ہے تو گاڑی کیسے چلے گی۔ ہندی
وت ہے کہ "تو بھی رانی میں بھی رانی، کون بھرے گا پانی؟" اگر سب ہی حاکم ہو جائیں
ظام کیسے چلے گا۔ لہٰذا اس کی عملی شکل یہ دریافت کی گئی کہ لوگ اپنی رائے کے اظہار
، ذریعے، جس کا نام ووٹ ہے، اپنا حقِ حاکمیت اپنے میں سے بعض افراد کو تفویض
یں۔ اور اس تفویض کرنے کی دنیا میں دو شکلیں رائج ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ دس

کروڑ عوام اپنے ووٹ کے ذریعے تین چار سو نمائندوں کو حقِ حاکمیت تفویض کرتے ہیں اور یہ نمائندے اپنے میں سے ایک سربراہ چُن لیتے ہیں، جس کا نام وزیر اعظم ہوتا ہے۔ اس طرح سے ان منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک پارلیمنٹ وجود میں آ جاتی ہے۔ وزیر اعظم کو جب تک پارلیمنٹ کی اکثریت کی حمایت حاصل رہتی ہے، وہ وزیر اعظم رہتا ہے اور جیسے ہی وہ اکثریت کا اعتماد برقرار نہیں رکھ سکتا، اس کی وزارتِ عظمیٰ ختم ہو جاتی ہے۔ یہ پارلیمانی نظام ہے، جو ہمارے ملک میں جیسے تیسے چل رہا ہے۔ (اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام یہاں صحیح معنوں میں چلنے ہی نہیں دیا گیا اور اس کے چلنے کی کوئی صورت بالفعل پیدا ہی نہیں ہوئی۔ بہرحال اُصولی طور پر ہم اسی پارلیمانی نظام سے واقف ہیں)۔

حاکمیت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دس کروڑ عوام میں سے جتنے بھی ووٹ کا حق رکھتے ہوں، وہ براہِ راست اپنے ووٹوں سے اپنے لئے ایک حاکم چُن لیں، یعنی اپنی حاکمیت کو کسی ایک فرد کی ذات میں مرکوز کر دیں۔ گویا عوام نے اپنے حقِ رائے دہی کو استعمال کر کے اپنا حقِ حاکمیت ایک شخص کو تفویض کر دیا کہ وہ پانچ سال تک اس حق کو نیابتاً استعمال کرے۔ یہ صدارتی نظام ہے۔ اس نظام میں بھی قانون سازی کے لئے ایک ادارہ تشکیل دیا جاتا ہے، جسے پارلیمنٹ یا کانگرس کہا جاتا ہے۔ صدر کو چونکہ عوام نے براہِ راست منتخب کیا ہوتا ہے، لہٰذا اسے براہِ راست کانگرس کی اکثریت کی حمایت درکار نہیں ہوتی۔ اگر کانگرس میں اس کے حامی اقلیت میں رہ جائیں تو بھی وہ اپنے عہدے کی وہ میعاد پوری کرتا ہے، جس کے لئے عوام نے اسے اپنا حقِ حاکمیت تفویض کیا ہوتا ہے۔

ان دونوں نظاموں میں جو بھی کانگرس یا پارلیمنٹ بنتی ہے، اس کے حقِ قانون سازی پر کوئی قدغن نہیں ہوتی۔ کانگرس یا پارلیمنٹ کے ارکان اکثریتِ رائے سے جیسا قانون چاہیں بنا لیں۔ وہ زنا کو جائز قرار دینا چاہیں تو وہ جائز ہو جائے گا۔ وہ عملِ قومِ لوطؑ کو قانوناً جائز قرار دے دیں، تو اسے قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ شراب کو جائز قرار دینا چاہیں یا حرام، سارا اختیار ان کے پاس ہے۔ دو مردوں کی شادی کو دستوری اور قانونی قرار دینا چاہیں تو کوئی ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ کوئی اور بالاتر اختیار و اقتدار نہیں ہے جس کے تابع ہو کر انہیں قانون سازی کرنی پڑے۔ پارلیمنٹ یا کانگرس کی قانون سازی مطلق ہے۔ اس لئے کہ عوام کے پاس مطلق حاکمیت کا جو اختیار تھا، وہ

نہوں نے پورے طور پر پارلیمنٹ یا کانگرس کو تفویض کر دیا۔ یہ نظام اپنی جگہ خواہ کتنا ہی غلط اور گمراہ کن ہو لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بالفعل دنیا میں قائم ہے اور اس میں کوئی عملی پیچیدگی نہیں ہے۔

حقیقت میں تو کائناتِ ارضی و سماوی کا بادشاہ ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ حقیقت جس کا آج ہمیں اِدراک و شعور حاصل نہیں' قیامت کے دن پوری طرح منکشف ہو جائے گی' جب کہا جائے گا: "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"۔ "آج کس کی بادشاہت ہے؟ صرف اللہ ہی کی' جو واحد اور قہار ہے!" لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں کچھ آزمائشی اور امتحانی طور پر آزادی دے رکھی ہے' اگرچہ اس آزادی کی حیثیت ایسی ہی ہے کہ کسی کو ہلدی کی ایک گانٹھ مل جائے تو وہ پنساری بن کر بیٹھ جائے۔ اللہ نے انسان کو جو تھوڑا سا اختیار اور مہلت دے رکھی ہے' وہ اس کے امتحان کی غرض سے ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

"موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھا کام کرتا ہے"۔

انسان اگر اس اختیار و آزادی کی بناء پر دنیا میں اپنی حاکمیت کا ڈنکا بجا لے یا بالفاظِ دیگر اپنی پنساری کی دکان چلا لے تو اس کی اجازت ہے۔ اس کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہ آخرت میں نکلے گا۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں اس وقت یہ نظام چل رہا ہے۔

دنیا میں اللہ کی حاکمیت کے قیام کی ممکنہ صورتیں

(ا) بواسطۂ نبوت

حاکمیتِ عوام کے بالکل برعکس اللہ کی حاکمیت کا تصور ہے۔ آیئے ہم جائزہ لیں کہ دنیا میں اللہ کی حاکمیت کے قیام اور اس کی بالفعل اور واقعۃً تنفیذ کی کتنی صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں۔ اس کی نہایت سادہ اور واضح ترین صورت "نبوت" تھی' جس کا اب وجود نہیں۔ وہ صورت اسی وقت تک تھی جب تک دنیا میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا۔ نبی چونکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا تھا' لہٰذا اختیارِ مطلق نبی کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرح نبی کی

حاکمیت عملاً اللہ ہی کی حاکمیت تھی۔ محض اعتبار سے نبی کی حیثیت "خلیفۃ اللہ" کی تھ
اور قانون سازی کا اختیار بھی عملاً نبی کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعا
نے قرآن حکیم کے ذریعے حلال و حرام کا جو بھی حکم دیا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم ۔
اسے نافذ فرمایا۔ پھر آپ ؐ نے اللہ کے احکام کی توضیح و تشریح بھی فرمائی اور ان میر
اضافے بھی فرمائے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی شخص د
حقیقی بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اسلام میں اگرچہ چار شادیوں ک
اجازت ہے' لیکن اس سلسلے میں جو قدغنیں عائد کی گئی ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس قرآنی حکم کی توسیع فرمائی اور واضح فرما دیا کہ
اس حکم کا اطلاق پھوپھی اور بھتیجی پر بھی ہوگا اور خالہ اور بھانجی پر بھی۔ یعنی حقیقی بہنوں
کی طرح نہ تو پھوپھی اور بھتیجی کسی ایک شخص کے نکاح میں بیک وقت آ سکتی ہیں اور نہ
ہی خالہ اور بھانجی۔ نبی ؐ کا یہ تشریعی اختیار اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ تھا اور اس سلسلے میں
انہیں وحی کے ذریعے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات موصول ہوتی تھیں۔
جیسا کہ سورۃ النجم میں فرمایا گیا: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ
یُّوحٰی۔ کہ آپ ؐ کے دہنِ مبارک سے ایک حرف بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہشِ نفس پر
مبنی ہو' بلکہ آپ ؐ دین کے باب میں جو کچھ فرماتے ہیں' وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس
کے حکم کے مطابق ہوتا ہے! گویا ع "گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود"۔ تو جب تک نبوت کا
سلسلہ جاری تھا' اللہ کی حاکمیت کی واضح ترین اور سادہ ترین صورت موجود تھی۔ جس نے
نبی کی نبوت کا اقرار کر لیا' اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا۔ مَنْ يُّطِعِ
الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت
کی"۔ اور وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ "ہم نے نہیں بھیجا
کسی رسول کو مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے"۔ تو اللہ کی
حاکمیت کی سادہ ترین صورت جو ہمارے سامنے بتمام و کمال آتی ہے' وہ نبوت ہے۔ دو
نبوی ؐ کا اپنا ایک سیاسی نظام تھا' ایک حکومت تھی جو پہلے اس وقت ایک سیاسی ریاست کی
شکل میں قائم ہوئی جب آپ ؐ مدینہ منورہ میں بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے داخل
ہوئے۔ پھر آپ ؐ کی زندگی ہی میں اس نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں حکومت کی شکل

اختیار کر لی۔ بہرحال وہاں کا نظام بالکل واضح تھا۔ یعنی آخری اختیار محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کے خاتمے کے ساتھ ہی اللہ کی حاکمیت کی یہ صورت ختم ہو چکی ہے۔

(۲) بواسطۂ امامتِ معصومہ

نبوت کے بعد دوسرے درجے پر اللہ کی حاکمیت کے قیام کی جو سادہ ترین صورت ہے، وہ اگرچہ اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم اس پر تفصیل سے غور کریں، لیکن میں اسے یہاں اس لئے بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ علمی اور نظری اعتبار سے آپ کی سمجھ میں پورا خاکہ آ جائے کہ نبوت کے خاتمے کے بعد بھی دنیا میں کم سے کم نظری طور پر ایک صورت ایسی رہی ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہم اس صورت کے قطعاً قائل نہیں ہیں اور اس کا تصور ہمارے عقائد سے کلیتہً متصادم ہے۔ اللہ کی حاکمیت کو دنیا میں قائم کرنے کی یہ صورت امامتِ معصومہ کے تصور میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں یہ تصور "امامیہ" کا ہے، جن کے اس وقت دنیا میں تین گروہ ہیں۔ (i) اثنا عشری، جنہیں ہم اہلِ تشیّع کہتے ہیں۔ (ii) اسماعیلی، جنہیں عرفِ عام میں آغا خانی کہا جاتا ہے۔ اور (iii) بوہری فرقہ جن کا تصور ذرا مختلف ہے۔ ان تینوں گروہوں کو مجموعی طور پر "امامیہ" کہا جاتا ہے۔ ان کے تصورِ امامت کے چار لازمی جزو ہیں۔ (۱) امام معصوم ہیں، ان سے خطا ہو ہی نہیں سکتی۔ نبوت کے خاتمے کے بعد نبوت کا ایک جزو یعنی معصومیت اب امامتِ معصومہ کا خاصہ ہے۔ (۲) جیسے نبی یا رسول اللہ کی طرف سے مامور (Appointed) ہوتے تھے، ایسے ہی امام بھی مامور من اللہ ہیں۔ (۳) جیسے نبی اور رسول مفترض الطاعۃ ہوتے تھے اور شخصی حیثیت میں ان کی اطاعت لازم ہوتی تھی، اسی طرح امام بھی مفترض الطاعۃ ہیں اور وہ اپنی شخصی اور ذاتی (individual) حیثیت میں مطاع ہیں۔ (۴) دنیا میں اگرچہ اللہ کی کتاب موجود ہو، جیسے کہ قرآن ہے، لیکن اس کے حقیقی معانی صرف امام سمجھ سکتا ہے۔ کتاب اللہ کی ہر آیت کا ایک ظاہری اور ایک باطنی مفہوم ہے۔ ظاہرِ الفاظ اور صرف و نحو کی مدد سے اس کے صرف ظاہری مفہوم کو سمجھا جا سکتا ہے، لیکن ہر آیت کے باطنی مفاہیم، اس کے باطنی مقاصد اور باطنی حقائق سے صرف امام ہی واقف ہوتا ہے۔ پھر

اس کائنات کے اصل حقائق بھی صرف امام کے علم میں ہیں۔ لہٰذا اگرچہ دنیا میں "قرآن" کے نام سے اللہ کی کتاب موجود ہے' لیکن یہ اپنی ظاہری صورت میں واجب العمل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا اصل مفہوم تو صرف امام معصوم ہی بتا سکتا ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ جس شخص میں یہ چار چیزیں جمع ہو جائیں تو وہ تو نبی کے ہم پلہ ہو گیا' چاہے اس کے لئے نبی کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ درحقیقت اس تصور میں امام کو صرف وحی کے نزول سے فارغ رکھا گیا ہے' ورنہ نبوّت کی دوسری تمام خصوصیات امام میں تسلیم کی گئی ہیں۔ بہرحال ان حضرات کے نزدیک امام چونکہ نبوّت کی بہت سی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے لہٰذا وہ نبی ہی کی طرح زمین پر اللہ کا نمائندہ اور خلیفہ ہے۔ اس کا حکم گویا کہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ جو فیصلہ کر دے' وہ گویا کہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ چنانچہ زمین پر اللہ کی حاکمیت کے قیام کی ایک سادہ اور آسان صورت یہ بھی ہو سکتی تھی ـــــــ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس امامیہ نظریہ کے حامل لوگوں کی اکثریت کے نزدیک فی الحال امام معصوم غائب ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق بارہویں امام کہیں چھپے ہوئے ہیں اور ان کو چھپے ہوئے بھی بارہ سو برس ہو چکے ہیں۔ اب نہ معلوم کب ان کا ظہور ہوگا۔ اور جب وہ ظاہر ہوں گے تبھی یہ مسئلہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ امام معصوم کی غیبوبتِ کبریٰ کا یہ جو زمانہ ہے اس میں تو گویا وہ وہیں کھڑے ہیں جہاں ہم کھڑے ہیں۔

امام معصوم کی غیبوبت کے بارے میں امامیہ کے تینوں فرقوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ پہلے چھ امام تو تینوں کے مشترک ہیں۔ یعنی (i) حضرت علیؓ (ii) حضرت حسنؓ (iii) حضرت حسینؓ (iv) علی بن حسینؒ زین العابدین (v) محمد باقرؒ اور (vi) محمد جعفر صادقؒ ـــــــ ان میں مقدم الذکر تین تو صحابہؓ ہیں اور مؤخر الذکر تین جلیل القدر غیر صحابہ شخصیات ہیں۔ ان کے بعد جعفر صادقؒ کے بڑے بیٹے اسماعیلؒ کے پیرو اسماعیلی کہلاتے ہیں اور چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظمؒ کو ماننے والے اہلِ تشیع ہیں جو موسوی یا موسوی کاظمی کہلاتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق ان کے بارہویں امام غائب ہیں' جو عباسی خلفاء کے خوف سے کہیں چھپ گئے تھے اور ابھی تک چھپے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر اسماعیلیوں میں سے ایک شاخ الگ ہوئی' جنہیں "بوہری" کہا جاتا ہے۔ ان کے غالباً اٹھائیسویں امام غائب ہو گئے۔ البتہ اسماعیلیوں میں "امام حاضر" کا تصور ہے' اور آ

کہیں بالفرض اسماعیلی حکومت قائم ہو جائے' جیسا کہ ایک عالمی سازش بھی ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقے' چترال' گلگت اور ہنزہ وغیرہ کو ملا کر ایک اسماعیلی ریاست قائم کر دی جائے' تو ایسی ریاست کا حاکم مطلق ان کا امام معصوم ہوگا' جو اس وقت غالباً پرنس کریم آغا خان ہے۔

(۳) بواسطۂ اسلامی جمہوریت

جہاں تک ہمارا معاملہ ہے' عقیدۂ ختمِ نبوّت ہمارے ایمان کا جزوِ لازم ہے' چنانچہ ہم امامتِ معصومہ کے کسی بھی درجے میں قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا غور طلب بات یہ ہے کہ اب حاکمیتِ خداوندی کا نظام کیسے قائم ہو۔ یہ ہے اصل پیچیدہ مسئلہ جس کو سمجھانے کے لئے ہم مختلف اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ دورِ حاضر میں اس کے لئے لفظ "جمہوریت" کے ساتھ لفظ "اسلامی" استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کو تسلیم کرتے ہوئے' اُن امور میں کثرت رائے سے فیصلے کرنا جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے واضح احکام موجود نہیں ہیں' یعنی حاکمیتِ مطلقہ تو صرف اللہ کی ہے اور اس کا مظہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے جو صریح احکام ہیں وہ تو ہر حالت میں واجب التنفیذ ہیں۔ البتہ جہاں حاکمیتِ حقیقی و مطلقہ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے کوئی واضح حکم نہیں ہے' گویا کہ حاکمیتِ عوام کا دائرہ ہے' جہاں لوگ اپنے نمائندوں کے ذریعے سے باہم مشورے اور کثرتِ رائے سے فیصلہ کر لیں۔ تو گویا کہ حاکمیتِ خداوندی اور حاکمیتِ عوام کے اپنے اپنے دائرے معیّن کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت کو میں نے بارہا ایک حدیثِ نبوی ؐ کے حوالے سے واضح کیا ہے' جس کے الفاظ ہیں: "مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي آخِيَتِهِ" کہ مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو۔ اب اس مثال کو ذرا پھیلایئے۔ فرض کیجئے آپ کے پاس ایک کھلا میدان ہے' جس میں آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا گھوڑا ذرا بھاگے دوڑے اور اپنے ہاتھ پاؤں کھولے۔ لیکن آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ بھاگ نہ جائے' لہٰذا اسے باندھ کر بھی رکھنا ہے۔ یہ دو متضاد تقاضے پورے کرنے کے لئے آپ ایک سو گز لمبی رسی لے کر ا

کھونٹے سے باندھ دیتے ہیں۔ اب سو گز نصف قطر (Radius) کا ایک دائرہ وجود میں آ جائے گا، جس میں یہ گھوڑا آزاد ہے کہ خواہ مشرق میں جائے یا مغرب میں، خواہ پچاس گز پر بیٹھ جائے یا کھونٹے سے لگ جائے، اسے یہ اختیار حاصل ہے۔ اس سو گز نصف قطر کے دائرے میں گھوڑا آزاد ہے یعنی اپنی مرضی کا مالک یا حاکم ہے، لیکن چاروں سمتوں میں اسے ایک سو ایک واں گز نہیں آئے گا۔ یہ پابندی اور آزادی کا امتزاج ہے۔ بالکل اسی طرح سمجھئے کہ اسلامی ریاست میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے واضح احکام کی روشنی میں جو ایک معیّن دائرہ وجود میں آ جاتا ہے، آپ اس دائرے سے باہر نہیں جا سکتے۔ آپ کی پارلیمنٹ کی ۵۱ فیصد تو کیا، صد فی صد اکثریت بھی اس دائرے سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ سورۃ الحجرات کے آغاز میں یہ اصولی بات ارشاد فرما دی گئی ہے کہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ --- "اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے مت بڑھو!" اور اگر ایسا ہوا تو آپ "اسلامی" نہیں رہے، اگرچہ آپ اپنے طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی ملک کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں۔ سورۃ الطلاق میں دو ٹوک الفاظ میں فرمایا گیا ہے: مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ کہ جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے تو پھر اپنے نفس پر ظلم کیا، یعنی وہ کفر و شرک میں چلا گیا اور سورۃ المائدہ میں یہ مضمون بار بار آیا ہے کہ: وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے اتارے ہوئے احکام اور شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وہی تو کافر ہیں ...... وہی تو ظالم اور مشرک ہیں ...... وہی تو فاسق اور بدکردار ہیں، تو اگر آپ نے حدود اللہ سے تجاوز کیا تو آپ پر اس قرآنی فتوے کا اطلاق ہو جائے گا۔ البتہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے واضح احکام کے اندر اندر جو دائرہ وجود میں آتا ہے اس میں آپ آزاد ہیں۔ یہ "اَمْرُهُمْ" کا دائرہ ہے، جس میں اللہ نے خود اپنی حکمت سے لوگوں کو اختیار دیا ہے کہ ان معاملات میں لوگ باہمی مشورے سے اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے سے فیصلے کریں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ کے اندر یہ ایک محدود اختیار ہے جو اللہ نے لوگوں کو دیا ہے۔

جمہوریت اور حاکمیتِ عوام کا تصوّر : "اسلامی جمہوریت" کا یہ تصوّر ہم

ایک عرصے سے بیان کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بھی درحقیقت ہمارے اس اصل الاصول کے مطابق ہے جسے میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اصلاً تو ہمیں قرآن و سنّت ہی کی اصطلاحات استعمال کرنی چاہئیں' اس لئے کہ ہر جدید اصطلاح کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے تصوّرات وابستہ ہوتے ہیں جو اس کا جزوِ لاینفک ہوتے ہیں اور جن کو ذہنوں سے نکال دینا ممکن نہیں ہوتا' لہٰذا نئی اصطلاحات کے استعمال میں یہ خطرات اور اندیشے ہوتے ہیں کہ کہیں اصل تصوّرات مسخ نہ ہو جائیں۔ لیکن دوسری طرف اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے کہ ہر زمانے میں جو اصطلاحات عام ہو چکی ہوتی ہیں' عوام الناس انہی کے حوالے سے بات آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا ابلاغِ عامہ یعنی عام لوگوں کے ذہنوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جدید اصطلاحات کا سہارا لینا ایک ضرورت ہے۔ البتہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ابتدائی طور پر لوگوں کو کسی نئے تصوّر کے سمجھانے میں جدید اصطلاحات کا سہارا لے لیا جائے' لیکن پھر اس کے بعد قرآن و سنّت کی اصل اصطلاحات کی طرف رجوع کیا جائے اور انہی کو اختیار کیا جائے۔ درحقیقت اسی اصول کے تحت ہم اب یہ عرض کر رہے ہیں کہ یہ جو تصوّرِ جمہوریت ہے' حاکمیتِ عوام کا تصوّر اس کا جزوِ لاینفک ہے۔ ہمارے ہاں کچھ عرصے سے پارلیمنٹ کی حاکمیت (Sovereignty) پر بڑی بحثیں چل رہی ہیں۔ ہمارے جدید دانشور تو بہت ہی کُھلّم کُھلّا کہہ رہے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی عدالت کو یہ طے کرنے کا اختیار دے دیا جائے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے' اصل حاکمیت پارلیمنٹ کی ہے اور اسے دستور سازی کا مطلق اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ علامہ اقبال جیسی محترم شخصیت کے فرزند جاوید اقبال صاحب بھی اس وقت اس ملک میں پارلیمنٹ کی حاکمیت کے بہت بڑے پرچارک بن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ حالانکہ انہی کے والد محترم کا دیا ہوا تصوّر یہ ہے کہ ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

یعنی حاکمیتِ مطلقہ اللہ کی ہے' نہ کہ کسی پارلیمنٹ کی۔ انسانی حاکمیت کا تصوّر تو کُفر اور شرک ہے اور درحقیقت توحید کی نفی ہے' جو اسلام کا اصل الاصول ہے۔ توحید کا تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا ہر کسی کی حاکمیت کی نفی کی جائے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" اور "وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ اَحَدًا"۔ اس اعتبار
یہ جو بحث چھڑ گئی ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ اب لوگوں سے یہ کہا جائے کہ اب جمہور
کی اصطلاح ہی کو تج دو' اسے ترک کر دو کہ یہ اصطلاح قرآن و حدیث کی اصطلاح نہ
ہے۔

(۴) بواسطۂ خلافت

ایک عام فہم اصطلاح ہونے کے اعتبار سے ہم اب تک تھیاکریسی' ملوکیت ا
آمریت کے مقابلے میں اسلامی جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرتے رہے ہیں۔ اس وا
دنیا میں یہ تینوں نظام معروف ہیں اور ہدفِ تنقید بنتے ہیں۔ ایک تھیاکریسی یعنی طبقہ
کی حکومت' دوسری ملوکیت یعنی خاندانی بادشاہت' اور تیسری آمریت' یعنی کوئی آ
شخص آمرِ مطلق بن کر بیٹھ جائے۔ مارشل لاء یعنی فوج کی حکومت بھی اسی آمریت
ایک صورت ہے۔ ان سب کے مقابلے میں ہم اسلام کے مطلوبہ نظام کے لئے اسا
جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرتے رہے ہیں۔ خاص طور پر اس ملک کے حالات
اعتبار سے ہمارا یہ نقطہ نظر رہا ہے کہ مارشل لاء کے مقابلے میں جمہوریت کی تائید لاز
جانی چاہئے اور یہ ہم نے مسلسل کی ہے۔ کم سے کم ۱۹۸۰ء سے لے کر آج تک تو یہ
ریکارڈ پر ہے کہ میں نے مارشل لاء کی مخالفت اور جمہوریت کی تائید کی ہے۔ لیکن مار
لاء کے مقابلے میں جمہوریت کی تائید کی حیثیت اور ہے' جبکہ اسلامی ریاست کے
نظام کے لئے مطلقاً اس اصطلاح کو اختیار کر لینا بالکل دوسری بات ہے۔ چنانچہ الحمد
ذہن منتقل ہوا کہ ہمیں اسلامی ریاست اور اسلام کے سیاسی نظام کے لئے قرآن و سنت
اصل اصطلاح یعنی "خلافت" استعمال کرنی چاہئے' اس لئے کہ اس سے حاکمیت کی
نفی ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی یہ لفظ خلافتِ راشدہ کے سنہری دور کا عنوان رہا ہے اور ہ
تاریخ میں تسلسل کے ساتھ موجود رہا ہے' جیسے خلافتِ بنواُمیہ' خلافتِ بنوعباس
خلافتِ عثمانیہ ـــــ البتہ ۱۹۲۴ء میں جب خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا' جس پر علامہ ا
نے کہا تھا ؎ "چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا!" تب یہ لفظ ہمارے ذ
سے اوجھل ہونا شروع ہوا۔ خلافتِ عثمانیہ اگرچہ محض نام کی خلافت تھی' لیکن بہر

اس اعتبار سے غنیمت تھی کہ یہ مسلمانوں کی ملی اجتماعیت کا مرکز و محور سمجھی جاتی تھی' اس کے خاتمے سے وہ مرکز ختم ہوگیا۔ بہرحال اب ہمیں اس لفظ خلافت کو اپنانا چاہئے اور اسے استعمال کرنا چاہئے جو ہماری تاریخ میں اور ہمارے اسلاف میں موجود رہا ہے۔

امریکہ اور انگلستان میں چند سالوں سے میری ملاقات عالمِ عرب کے نوجوانوں کی ایک تحریک "حزب التحریر" کے رہنماؤں سے ہوتی رہی ہے۔ اس تحریک نے بھی اسی لفظ خلافت کو اپنایا ہے اور انہوں نے اپنی جدوجہد کا منتہائے مقصود دنیا میں احیائے خلافت کو قرار دیا ہے۔ پچھلے دنوں کچھ اور حضرات سے ملاقات ہوئی تو ان سے گفتگو کے بعد یہ انشراحِ صدر ہوا کہ اب ہمیں جمہوریت کی اصطلاح ترک کر کے اصل قرآنی اور دینی اصطلاح خلافت ہی اختیار کرنی چاہئے۔

قرآن حکیم میں "خلافت" کا ذکر

(ا) اب ہم قرآن حکیم کے ان مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں جہاں خلافت کی یہ اصطلاح بیان ہوئی ہے۔ سورۃ البقرہ کے رکوع چہارم کا آغاز حضرت آدمؑ کو خلافتِ ارضی عطا کئے جانے کے ذکر سے ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ کا یہ بہت ہی اہم مقام ہے' جس میں حکمتِ قرآنی کا بہت اہم مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ مکی سورتوں میں جو بحثیں بڑی تفاصیل سے آئی ہیں' انہیں یہاں اختصار مگر کمال جامعیت کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ انہی میں سے سب سے پہلا تصور یہ ہے کہ:

وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً

"یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

یعنی آدم کی تخلیق کے بعد انہیں اللہ نے جو اصل مقام و مرتبہ (Status) عطا فرمایا وہ خلافت کا ہے۔ خلافت کے معنی کیا ہیں؟ خلیفہ بذات خود حاکم نہیں' بلکہ کسی کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے پاس اپنا ذاتی اختیار نہیں ہوتا بلکہ کسی کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ ہندوستان کی آزادی سے قبل یہاں انگریز نے اپنا جو نظام حکومت قائم کر رکھا تھا اس سے آپ حضرات بخوبی واقف ہوں گے۔ ہندوستان پر اصل میں تاج و تختِ برطانیہ کی حکومت تھی

ہم اس کے زیر نگیں تھے۔ لیکن برطانیہ کے بادشاہ یا ملکہ کی طرف سے ہندوستان کا
وائسرائے مقرر کیا جاتا تھا' جو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے آنے والے احکام کی بلا
چرا تعمیل اور تنفیذ کرتا ——— لیکن جن معاملات میں حکومتِ برطانیہ کی طرف
کوئی حکم نہ آتا' ان میں اسے اختیار حاصل ہوتا۔ چنانچہ مقامی معاملات میں وہ اپنی
بوجھ اور صوابدید سے فیصلے کرتا۔ یہ تصور خلافت (Vicegerency) کا تصور
۔ اس طرح خلافت' جمہوریت کے برعکس' حاکم مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ن پر انسان کا مقام و مرتبہ (Status) معین کرتی ہے۔

حضرت آدمؑ کی خلافتِ ارضی کا ذکر سن کر فرشتوں نے ایک شبہے کا اظہار کیا تھا۔
ں نے کہا کہ اے پروردگار! کیا تو زمین میں ایک ایسی مخلوق یا ہستی کو اختیار دے دے
د اس میں فساد مچائے گی اور خون ریزی کرے گی' جبکہ ہم تیری تسبیح و تحمید اور تقدیس
لگے ہوئے ہیں' تیرے احکام کو بجا لاتے ہیں۔ تو ہم سمجھنا چاہتے ہیں کہ اس میں کیا
ت ہے! فرشتوں کو یہ اشتباہ اس لئے لاحق ہوا کہ لفظِ خلافت میں اختیار کا تصور از خود
ود ہے' چاہے وہ محدود ہو۔ یہ اختیار فرشتوں کو حاصل نہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ
مَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" ——— کہ وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔
ۂ مریم میں فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیلؑ کا یہ قول نقل ہوا ہے: "**وَمَا نَتَنَزَّلُ
بِاَمْرِ رَبِّكَ**" ——— کہ اے نبیؐ ہم نازل نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپؐ کے رب کا
نہ ہو! "**لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ**" ——— جو کچھ
ے سامنے ہے اس کا بھی اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اس کا بھی اختیار اللہ ہی کو
ل ہے۔ اور اس کے مابین جو کچھ ہے (یعنی خود ہمارا وجود) اس کا اختیار بھی اللہ ہی کو
ل ہے۔ لہٰذا فرشتوں کو یہ بات کھٹکی کہ آدم کو جو یہ اختیار دیا جا رہا ہے وہ کہیں اس کا
استعمال نہ کرے۔ اس طرح سے تو زمین میں خونریزی اور فساد برپا ہو جائے گا۔ اس کا
ولیکن مسکت جواب دیا گیا وہ تو یہ ہے کہ:

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○

"یقیناً میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے!"

ں اپنی حکمت اور مشیت ہے جس کے تحت میں فیصلہ کر رہا ہوں۔ لیکن پھر ان کی کچھ

کے لئے ان کے سامنے یہ بات لائی گئی کہ آدم کو جہاں اختیار دیا جا رہا ہے' وہاں
علم بھی دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ آدم کو اللہ نے تمام نام سکھا دیئے۔ پھر ان اشیاء کو
ں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو! مگر
ں نے کہا:

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○

"پروردگار تو پاک ہے' ہمیں تو علم حاصل ہی نہیں' سوائے اس کے جو تو نے
ہمیں عطا فرمایا۔ یقیناً تو سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے!"

ر اللہ نے آدم سے کہا کہ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دو! پھر جب آدم نے انہیں
شیاء کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا
ں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے
ر جو کچھ تم چھپاتے تھے۔ یہ دراصل ان کے اعتراض کا جواب نہیں تھا۔ فرشتوں کی
بال کہ اللہ کے سامنے اعتراض اٹھائیں۔ لیکن ان کو یہ بتانا مقصود تھا کہ آدم کو
ت کی صورت میں ایک محدود اختیار دیا جا رہا ہے۔ وہ اس دائرہ اختیار میں آزادی
و چاہے فیصلہ کرے۔ اور میں آدم کو اگر اختیار دے رہا ہوں تو ساتھ ہی علم بھی
رہا ہوں۔

پھر اس کے بعد اس خلافتِ ارضی کے ظہور کے طور پر فرشتوں کو آدم کے سامنے
روا دیا۔ گویا کہ فرشتوں کو مطیع کر دیا گیا کہ یہ آدم اگر چوری کرنے کے لئے بھی جانا
تو تم نہیں روکو گے۔ حالانکہ فرشتے' جو اللہ کی غیر مرئی فوجیں ہیں' پوری کائنات
چپے چپے پر موجود ہیں اور اس کائنات کی تکوینی حکومت فرشتوں ہی کے ذریعے چل
ہے' لیکن انہیں بتا دیا گیا کہ آدم کو ہم نے اختیار دے دیا ہے۔ یہ نماز کے لئے مسجد
ہتا ہے تو جانے دو' چوری کرنے کے لئے جانا چاہتا ہے تو جانے دو' کہ دونوں
ں میں یہ ہماری طرف سے با اختیار ہے --- دونوں طرح کے اعمال کا نتیجہ یہ
، میں بھگت لے گا' لیکن اس وقت تمہیں اس کے لئے مطیع کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس
ت کے طور پر تم اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں
رشتے آدم کے آگے سجدہ میں گر گئے' لیکن ابلیس جو اگرچہ جنات میں سے تھا' مگر

اپنی عبادت گزاری، زہد اور علم کی وجہ سے فرشتوں میں شامل تھا، اس نے استکبار
گھمنڈ کیا اور سجدے سے انکار کر دیا۔ تو اصل میں یہ وہ تصور ہے جو بنیادی طور پر ا
نے دیا ہے کہ آدم اور آدمی کا مقام اس دنیا میں حاکم کا نہیں، بلکہ خلیفہ کا ہے۔

(۲) سورۃ الحدید میں خلافت کا ذکر بایں طور ہوا ہے:

اٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ــــــــ اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) ان سب چیزوں میں سے جن میں اس نے تمہیں خلافت عطا فرمائی"۔

یعنی دنیا میں تمہیں جو بھی مال و اسباب عطا کیا گیا ہے اور تمہارے اندر جو بھی تو تیر
صلاحیتیں رکھی گئی ہیں، تم ان سب کے مالک نہیں بنائے گئے ہو، بلکہ خلافت اور ا
کے طور پر تم ان کے ذمہ دار ہو، اور خلیفہ کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اصل حاکم کی ،
کے مطابق اپنے اختیارات کو استعمال کرے۔

(۳) سورۃ الحدید کی یہ آیت خلافت کے ضمن میں انفرادی طرزِ عمل کے لئے،
تعبیر ہے کہ افراد کا جو طرزِ عمل اللہ اور دین اسلام کو مطلوب ہے وہ یہ ہے۔
معاشرت، معیشت، سیاست اور قانون و انصاف کے تقاضوں پر محیط ایک اجتماعی نظا
تشکیل کے لئے تو ایک اجتماعیت وجود میں آنی چاہئے۔ چنانچہ سورۂ فاطر میں جمع کے
میں بات کی جا رہی ہے:

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ

"وہی ہے (اللہ) جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے"۔

یہاں "خلیفہ" کی بجائے "خلائف" کا لفظ استعمال کیا گیا، یعنی تم میں سے کوئی ایک
خلیفہ نہیں ہے، بلکہ تم سب کے سب خلیفہ ہو، پوری نوع انسانی بحیثیت مجموعی ا
خلیفہ ہے۔

فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ

"تو جو کوئی اب کفر کرے گا، تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا"۔

اور کفر سے مراد وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احٓ
خلاف کوئی فیصلہ کرنا کفر ہے۔

وَلَا یَزِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ کُفْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ اِلَّا مَقْتًا

"اور جان لیں کافر کہ ان کا کفران کے ربّ کے نزدیک سوائے ناراضگی کے کسی اور چیز کا ذریعہ نہیں بنے گا"۔

وَلَا یَزِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ کُفْرُھُمْ اِلَّا خَسَارًا

"اور ان کافروں کا کفران کے لئے صرف خسارے ہی میں اضافہ کرے گا"۔

اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اگر دنیا میں انسان خلیفہ کے بجائے حاکم بن کر جائے تو یہ کفر آخرت میں اس کے لئے خسارے کا موجب ہوگا اور دنیا میں بھی اللہ ناراضگی کا ذریعہ اور سبب بنے گا۔ اور دنیا میں اللہ کی ناراضگی اس کے عذاب کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی تو تھی کہ جس کے تحت قومِ ہود، قومِ لوط، قومِ شعیبؑ اور قومِ نوحؑ جیسی قومیں ہلاک اور برباد کر دی گئیں۔

(۴) سورۂ صٓ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا گیا:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

"اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ پس تم لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرو، اور اپنی خواہشِ نفس کی پیروی مت کرنا، کیونکہ یہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی!"

اس مقام پر خلیفہ کا لفظ ایک فرد کے لئے آیا ہے، یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے جو اللہ کے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔

(۵) سورۃ النور میں پھر خلافت کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں اہل ایمان سے جو عملِ صالح کی روش بھی اختیار کریں گے زمین میں خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ

"وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے کہ وہ انہیں لازماً زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، جیسا کہ خلافت

عطا کی تھی ان کو جو ان سے پہلے تھے"۔

یہاں "الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو حقیقی مومن ہوں، جن کا ا "اقرار" باللسان" تک محدود نہ ہو بلکہ "تصدیق" بالقلب" کی شان کا حامل ہو اور ایمان قلب کی گہرائیوں میں اتر جائے تو کیسے ممکن ہے کہ عمل درست نہ ہو۔ چنانچ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ یہ دو شرائط یعنی ایمانِ حقیقی اور عملِ صالح پوری کر دیں انہیں لازماً خلافت عطا فرما دے گا۔ یہاں اجتماعی خلافت کی بات ہو رہی ہے کہ جیسے کو زمین میں غلبہ و اقتدار اور حکومت و خلافت عطا کی گئی، ویسے ہی ان سب کو بھی جائے گی۔

دعائے ماثور میں "خلیفہ" کا مفہوم

لفظِ خلافت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ادعیۂ ماثورہ میں سے ایک دعا کے ا غور کیجئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانگی کے وقت مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَفِیْقِیْ فِیْ سَفَرِیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْ اَھْلِیْ وَمَالِیْ

"اے اللہ! میرے اس سفر میں تو میرا رفیق ہوگا اور میرے اہل و عیال اور ما و اسباب میں میرے بعد تو میرا خلیفہ ہوگا!"

یعنی میرے گھربار اور اہل و عیال کی نگہداشت، حفاظت اور ربوبیت کا اہتمام تیری ہی طرف سے تھا، مگر جب تک میں ان کے درمیان موجود تھا تو ان ذمہ د بوجھ کسی درجے میں میرے ذمے تھا ـــــ لیکن اب جبکہ میں خود موجود نہیں ا اب میرے اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت و نگہداشت کلیتہً تیرے ذمہ دعا اس اعتبار سے بڑی پیاری ہے کہ اس میں خلافت کا لفظ جس سیاق و سباق می اس سے اللہ اور بندے کے مابین دو طرفہ تعلقات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

انسانی تمدن کا ارتقاء اور خلافت کی مختلف صورتیں

قرآن حکیم کے محکمات سے یہ بات واضح ہونے کے بعد کہ انسان کے لئے

حاکمیت نہیں بلکہ خلافت ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسانی تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ خلافت کی عملاً کیا کیا صورتیں اب تک رائج رہی ہیں، اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اب اس کی عملی صورت کیا ہوگی۔

(۱) انسانی تمدن کی ابتدائی شکل قبائلی نظام کی تھی، جس میں ہر قبیلے کا ایک شیخ یا سردار ہوتا تھا اور سب اس کا حکم مانتے تھے۔ اب اگر شیخِ قبیلہ خود اللہ کے حکم کا پابند ہو اور اللہ ہی کا حکم نافذ کر رہا ہو تو وہ گویا کہ ذاتی حیثیت میں خلیفہ ہوگیا۔ اس کے بعد ذرا آگے بڑھ کر قبائل نے مل جل کر حکومتیں قائم کیں اور دنیا میں بادشاہت کا نظام قائم ہوگیا۔ اس دور کے اعتبار سے خلافت کا نظام یہی ممکن ہو سکتا تھا کہ اگر بادشاہ خود اللہ کے احکام کا پابند ہے اور انہیں اپنے زیرِ حکومت علاقے میں نافذ بھی کر رہا ہے تو وہ دنیوی فکر کے اعتبار سے اگرچہ بادشاہ ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے خلیفہ ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کی نوعیت یہی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب انسان کا عمرانی شعور یا اجتماعی شعور اس درجے کو نہیں پہنچا تھا کہ ہر انسان کے اندر اپنے حقوق کا احساس اور شعور پیدا ہو جاتا۔

(۲) اس کے بعد انسانی تمدن نے مزید ارتقائی مراحل طے کئے، اور جب انسان کا اجتماعی شعور اپنی پختگی اور بلوغ کو پہنچا تو انسانی خلافت نے جو صورت اختیار کی، وہ ہمیں دورِ خلافتِ راشدہ میں اپنے نقطہ کمال پر نظر آتی ہے۔ خلافتِ راشدہ کا دور دورِ نبویؐ کے متصلاً بعد کا دور ہے۔ اس دور میں ہمیں ایک چیز جو عوامی نوعیت کی ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ خلافت کا انعقاد لوگوں کی رائے اور مشورے کے بعد ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خود اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت عمرؓ کے لئے استصواب کر لیا اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر لیا اور اس کے نتیجے میں حضرت عمرؓ کی خلافت منعقد ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے عشرہ مبشرہ میں سے جتنے اصحاب باقی رہ گئے تھے، ان کی ایک کمیٹی بنا دی کہ یہ آپس میں طے کر لیں اور اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں۔ اس طرح یہاں کسی بھی خلیفۂ راشد کے معاملے میں نہ کوئی جبر ہوا، نہ خاندان کی بنیاد پر کوئی معاملہ ہوا، اور نہ ہی کوئی موروثی خلافت قائم ہوئی۔ خلافت کا یہ تصور جدید تصورات کے عین مطابق ہے۔

"خلافتِ راشدہ" کی امتیازی حیثیت

البتہ خلافتِ راشدہ کا درجہ بعد میں قائم ہونے والی خلافتوں سے، یا اس خلافت جو اب قائم ہو سکتی ہے، اپنی نوعیت و حیثیت کے اعتبار سے بنیادی طور پر مختلف اور ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ خلافتِ راشدہ دراصل خلافت المسلمین نہیں خلافت الرسولؐ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ سے کہا گیا "یا خلیفۃَ المسل تو آپؓ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ "انا خلیفۃُ رَسولِ اللہ" کہ میں تو اللہ کے رسولؐ کا ہوں۔ اسی لئے جب حج کے موقع پر آنحضورؐ کے روضہ پر جاتے ہیں تو آج بھی کہتے السلام علیک یا رسول اللہ! پھر السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ! اور پھر السلام عا خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ! کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ اللہ کے رسولؐ کے خلیا خلیفہ ہیں۔ اسی کو ہم کہتے ہیں "خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ" یعنی نبوّت کے را خلافت۔ یوں سمجھئے کہ جو مشن "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ ا لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ" کے الفاظ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا تھا اس کا پہلا مرحلہ تو آپؐ کے دستِ مبارک سے خود آپؐ کی زندگی میں گیا۔ یعنی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کی حاکمیت بتمام و کمال قائم ہو گئی۔ لیکر دوسرا مرحلہ یعنی پورے کرۂ ارضی پر اللہ کی حاکمیت کا قیام ابھی باقی تھا۔ اور یہ گویا کہ اس مشن کی تکمیل کے لئے وجود میں آئی تھی، جس کے چلانے والے وہ ا جو آنحضورؐ کے سب سے زیادہ قریبی، سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور سب ۔ معتمد علیہ تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت فرمانے کے بعد اللہ ثقیفہ بنی سعدہ میں جمع ہو گئے، جہاں خلافت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس کی اطلا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں وہاں پہنچے۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ نے ایک حا کی جو فیصلہ کن حیثیت اختیار کر گئی۔ آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "الائمۃ من قریش" یعنی امامت قریش کے لئے فرمانِ نبویؐ کو سن کر انصار خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ یہ محمد رسول اللہ صلا

وسلم کی تعلیم و تربیت کا بہت بڑا اعجاز ہے کہ خلافت و حکومت جیسے حساس مسئلے پر' جسے انصار اپنا حق سمجھتے تھے کہ اسلام کو ہماری مدد اور نصرت سے غلبہ حاصل ہوا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول پیش کئے جانے کے بعد کسی کو لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سے کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ واقعی حضورؐ نے یوں فرمایا ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت کو ہر قسم کے شک و شبہ سے مبرّا سمجھ کر اس قولِ فیصل کو بطیبِ خاطر قبول کر لیا گیا۔ اب اگلا مرحلہ خلیفہ کے انتخاب کا تھا۔ اس کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام یہ کہہ کر تجویز کر دیا کہ یہ عمر ہمارے درمیان موجود ہیں' حضورؐ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ ان سے راضی تھے' لہٰذا سب ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں! حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے حق میں جو استدلال کیا اس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ حضورؐ ان سے راضی تھے۔ وہاں یہ دلیل نہیں تھی کہ کس کو زیادہ ووٹ مل رہے ہیں۔ وہاں سارے عالمِ اسلام میں سے ووٹ نہیں مانگے گئے۔ بس حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام اس دلیل کے ساتھ تجویز کیا کہ حضورؐ ان سے راضی تھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے انتہائی حاضر دماغی اور معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ کھینچ کر کہا کہ میں آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا اور اس کے بعد لوگ آپؓ کی بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے کیونکہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں پہلے ہی سے حضرت ابوبکرؓ کے مقام کے بارے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا۔

بہرحال میں اس وقت جو بات بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کو بعد کی خلافتوں پر قیاس نہ کیجئے۔ یہ اپنی جگہ پر ایک مخصوص نوعیت کی خلافت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کا دین میں نہایت اہم مقام ہے اور یہ حجت ہے۔ اہلِ سنّت کے نزدیک خلافتِ راشدہ کے فیصلے واجب الاطاعت (Binding) ہیں۔ اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ"

کہ مسلمانو! تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت کا اتباع کرو اور اس کو تم اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو! یہ حکمِ رسول ؐ صرف خلافتِ راشدہ کے لئے ہے' بعد کی کسی بھی حکومت کے لئے ایسا نہیں ہے۔ بعد کے معاملات کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نظائر (Precedents) ہیں' لیکن حجت کی حیثیت صرف خلافتِ راشدہ کو حاصل ہے۔ اس کا مقام و مرتبہ خصوصی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ان لوگوں کی خلافت ہے جو آپ ؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ اس کے بعد جو خلافتیں بھی آئیں' چاہے وہ بنوامیہ اور بنوعباس کی خلافتیں تھیں' چاہے عثمانی ترکوں کی' یہ خلافتیں دراصل شخصی خلافتیں تھیں۔ کہلانے کو تو اگرچہ یہ سب امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین تھے' لیکن درحقیقت یہ سب خلافتیں قبائلی بنیادوں پر قائم تھیں۔ بنوامیہ ایک قبیلے کی بناء پر حکمران تھے۔ وہ اس معنی میں خلیفہ ضرور تھے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر خود بھی اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کے پابند تھے اور ان احکام کا نفاذ بھی کرتے تھے' لیکن نہ تو وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور نہ ہی خلافت المسلمین بایں معنی کہ مسلمانوں نے اپنی رائے سے اس کا انتخاب کیا ہو۔ یہی صورت خلافتِ بنوعباس اور خلافتِ عثمانیہ کی تھی۔

صالح حکمرانوں کی حضرت داؤدؑ کے ساتھ مشابہت

خلافت کی یہ شکل اگر کچھ مشابہ ہو سکتی ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ اگرچہ ان کے مابین یہ بنیادی فرق موجود ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نبی تھے اور یہ سب غیرنبی تھے' لیکن بہرحال مشابہت کا یہ پہلو موجود ہے کہ جیسے وہ خود اللہ کے احکام کے پابند رہ کر ان کی تنفیذ کر رہے تھے' اسی طرح یہ بھی اللہ کے حکم کے پابند تھے اور اس کے احکام کی تنفیذ بھی کرتے تھے۔ ان میں بھی بہت نیک اور اچھے اچھے لوگ تھے۔ ہمارے ہاں ایک خاص طرزِ فکر کے ایک خاص انداز کے پروپیگنڈے کے زیرِ اثر بنوامیہ کا نام گالی بن گیا ہے' حالانکہ ان میں سے ایسے ایسے لوگ بھی خلافت پر فائز تھے کہ جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ سیاسی طور پر حکمران نہ ہوتے تو ان کا نام اونچے درجے کے محدثین میں شامل ہوتا۔ اس پورے دور میں بہترین شخصیت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تھی' جن کے دور کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی حضرت داؤدؑ کی طرح شخصی خلافت تھی مگر انہوں نے پیشرو خلیفہ کی وصیت کے بموجب اختیار اور حکومت اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا' بلکہ اسے مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا کہ اگر تمہاری رائے بھی میرے حق میں ہو تو میں خلیفہ بننا قبول کروں گا' ورنہ نہیں۔ گویا اس میں بھی خلافتِ راشدہ کا ایک عنصر شامل ہو گیا کہ یہ موروثی بادشاہت نہیں تھی' بلکہ آپؒ مسلمانوں کے مشورے سے خلیفہ بنے تھے۔ یا جیسے صلاح الدین ایوبی کہنے کو تو سلطان تھے' لیکن ان کا کردار انبیاء کرام اور صحابہ کرامؓ کے کردار سے مشابہ تھا۔ ہمارے ہندوستان میں بھی ناصر الدین محمود اور اورنگزیب عالمگیر جیسے بادشاہ گزرے ہیں' جو کہلاتے تو بادشاہ تھے' لیکن اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر یا قرآن کی کتابت کے ذریعے اپنا ذاتی خرچ چلاتے تھے۔ بہرحال اس طرح کی شخصیات کی مشابہت ان انبیاء سے ہے جو بادشاہ بھی تھے اور جن میں نمایاں ترین حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ یہ تمام حضرات اپنی ذاتی حیثیت میں تو خلیفہ کہلائیں گے لیکن ان کی خلافت کو مسلمانوں کی خلافت نہیں کہا جا سکتا۔

دورِ جدید کی اسلامی حکومت

اب دنیا میں جہاں کہیں اور جب کبھی کوئی اسلامی حکومت قائم ہوگی' جس میں عہد جدید کے تقاضوں کو بھی سمویا جائے گا تو اسے "خلافت المسلمین" یا "خلافۃ عامۃ المسلمین" کہا جائے گا' اس لئے کہ مسلمان سب کے سب خلیفہ ہیں۔ جس طرح جمہوریت کے نقطہ نظر سے سارے عوام حاکم ہیں' لیکن وہ اپنے ووٹ کے ذریعے اپنی حاکمیت کسی ایک شخص یا پارلیمنٹ کو تفویض کرتے ہیں' اسی طرح کسی ایک اسلامی ملک کے تمام مسلمان اللہ کی جانب سے خلافت کے حامل ہیں اور وہ اپنی رائے' ووٹ یا مشورے سے اپنی خلافت کا حق کسی ایک شخص یا ادارے کو تفویض کریں گے۔ انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہیں تو پارلیمانی نظام کا انتخاب کرلیں اور چاہیں تو صدارتی نظام کا۔ مقدم الذکر صورت میں وہ ایک مجلس ملی یا مجلس شوریٰ کو منتخب کر کے اپنی خلافت کا حق اسے تفویض کر دیں گے۔ اب اس مجلس کے ارکان قانون سازی کریں گے' لیکن

حاکم کی حیثیت سے نہیں' بلکہ خلیفہ کی حیثیت سے۔ اور اس حیثیت میں وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے خلافت کے اختیار کو صرف وہیں استعمال کر سکیں گے جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کا کوئی واضح حکم نہیں۔ تو یہ پارلیمانی طرز کی خلافت ہوگی۔ مؤخر الذکر صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ملک کے تمام مسلمان اپنی رائے سے براہِ راست کسی ایک فرد کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اور صرف اس کی مدد یا قانون سازی کے لئے مجلس شوریٰ یا مجلس ملی کا انتخاب بھی کیا جائے۔ دونوں صورتوں میں منتخب خلیفہ "خلیفۃ المسلمین" ہوگا۔ پاکستان میں نظام خلافت قائم ہونے کے بعد ایسے شخص کو جسے اب صدر پاکستان یا وزیر اعظم پاکستان کہا جاتا ہے **"خلیفۃ مُسلِمِی پاکستان"** یا "خلیفۂ مسلمانانِ پاکستان" کہا جائے گا۔ صدارتی طرز کے نظام خلافت کی صورت میں خلیفہ کے لئے لازم نہیں ہوگا کہ اسے ہر وقت مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی کے ارکان کی اکثریت حاصل رہے۔ اسے چونکہ یہاں کے مسلمانوں نے براہِ راست منتخب کیا ہے لہٰذا وہ اپنی مقررہ مدّتِ خلافت پوری کرے گا۔ یہ ہوگی خلافتُ عامۃِ المسلمین۔ یہ حاکمیتِ عوام (Popular Sovereignty) کے بجائے خلافتِ عامہ Popular Viceg-erency) کا تصوّر ہے اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ ہم نے سوچا کہ ہم کیوں نہ وہ لفظ ہی ترک کر دیں جس کے ساتھ غیر اللہ کی حاکمیت کا تصوّر وابستہ ہے' جو اپنا زہر گھول دیتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کی بحث شروع ہو جاتی ہے کہ ایک طرف اللہ کی حاکمیت (Divine Sovereignty) اور دوسری طرف عوام کی حاکمیت (Popular Sovereignty) ہے۔ ان دونوں کو کیسے Adjust کیا جائے' ان میں پیوند کاری اور میل ہو تو کیسے ہو؟ ہمیں اس پوری بحث کو لفظ "خلافت" استعمال کر کے ختم کر دینا چاہئے۔ لہٰذا پاکستان میں اب ہمیں احیائے خلافت کے لئے جدوجہد کرنی ہوگی۔ لیکن خلافت سے ہماری مراد نہ وہ خلافتِ عثمانیہ ہے کہ جس کو ۱۹۲۴ء میں مصطفےٰ کمال پاشا نے منسوخ کیا تھا' نہ خلافتِ بنی عباس اور نہ ہی خلافتِ بنی اُمیہ ہے۔ بلکہ میں واضح کر دوں کہ اس سے ہمارا مقصود خلافتِ راشدہ بھی نہیں ہے' کیونکہ خلافتِ راشدہ تو نبوت کا تتمہ تھی' جو اب وجود میں نہیں آ سکتی۔ خلفائے راشدین تو وہ تھے جن کی تربیت خود حضورؐ نے فرمائی تھی۔ اس خلافت کو دین میں حجت کی حیثیت حاصل ہے' اور وہ حیثیت

اب دنیا میں کسی خلافت کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ موجودہ حالات میں ہم صرف "خلافۃُ المسلمین" قائم کر سکتے ہیں۔

صدارتی یا پارلیمانی طرزِ خلافت؟

ہمارے سامنے سیاسی نظام کے حوالے سے دو طریقے موجود ہیں' ایک پارلیمانی اور دوسرا صدارتی۔ دنیا میں یہ دونوں طریقے رائج ہیں' لیکن اس وقت ہمارا موجودہ نظام نہ صدارتی ہے نہ پارلیمانی۔ اخبار میں خبر آئی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی ترمیم آ رہی ہے' میرے نزدیک یہ بہت درست ہوگا اگر اس کے ذریعے وہ دستوری ترمیم ختم کر دی جائے' جس نے ملک کے نظام کا حلیہ بگاڑ کر نہ اسے پارلیمانی رہنے دیا اور نہ ہی صدارتی۔ ایک شخص صدر بن کر بیٹھا ہوا ہے' اختیارِ مطلق اس کے ہاتھ میں ہے' وہ جب چاہے حکومت کو برخواست کر دے' اسمبلیاں توڑ کر ممبران کو وزیرِ اعظم سمیت گھروں کو بھجوا دے' لیکن اس کی اپنی ذمہ داری کوئی نہیں ہے! سارا انتظام و انصرام اور مسائل و مشکلات کا حل تو وزیرِ اعظم کرے' جبکہ کامل اختیار کا مالک صدر ہو۔ یہ بڑی بے تکی سی بات لگتی ہے۔ یہ ایک خاص دور کی مصلحتیں تھیں جو اب ختم ہو جانی چاہئیں۔ اور ہمیں دونوں میں سے کوئی ایک نظام اختیار کرنا چاہئے۔ انہیں نظامِ خلافت سے ہم آہنگ کر کے پارلیمانی طرزِ خلافت یا صدارتی طرزِ خلافت کا نام دیا جائے گا۔ ہمارے لئے یہ دونوں راستے کھلے ہیں۔ میں پورے انشراحِ صدر اور اعتماد کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ اسلام کی رُو سے نہ پارلیمانی خلافت لازمی ہے' نہ صدارتی خلافت لازمی ہے اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی طرزِ خلافت ممنوع ہے' بلکہ یہ دونوں مباح کے درجے میں ہیں۔ البتہ بطور واقعہ یہ ماننا پڑے گا کہ خلافتِ راشدہ کے نظام کی تعبیر جب ہم آج کل کے تصورات کی روشنی میں کریں گے تو وہ پارلیمانی نہیں بلکہ صدارتی نظام سے قریب تر' اور وفاقی نہیں بلکہ وحدانی طرزِ حکومت کا حامل تھا۔ بہرحال اس میں سے کوئی چیز ہم پر نہ تو فرض کے درجے میں ہے اور نہ ہی ممنوع ہے۔ البتہ ہمارے ملک میں اصولِ موضوعہ کے طور پر جو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہاں تو صرف وفاقی اور پارلیمانی نظام ہی چل سکتا ہے' میرا خیال ہے کہ اس پر غور و فکر ہونا چاہئے۔ پہلے قدم کے طور پر اس ترمیم کو' جس نے

ہمارے ملک کے نظام کو نہ صدارتی رہنے دیا ہے اور نہ پارلیمانی، ختم کرنا چاہئے تاکہ کوئی ایک نظام تو چل سکے اور اس میں کچھ نہ کچھ بہتری پیدا ہو جائے۔ جس شخص پر ذمہ داری کا بوجھ ہے اس کے پاس کچھ اختیار بھی ہو، اسے یہ احساس بھی ہو اور اعتماد بھی کہ میرے پاس کچھ اختیار ہے، میں کچھ کر سکتا ہوں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار کو دیکھتا رہے کہ کوئی شخص جب چاہے گا مجھے برطرف کر دے گا۔ اور پھر اس پر بھی گفتگو ہونی چاہئے کہ دونوں میں سے کون سا نظام ہم سے قریب تر اور ہمارے ملکی حالات کے اعتبار سے مناسب تر ہے۔ اس پر ہمارے ہاں کبھی کوئی بحث نہیں ہوئی، اس لئے کہ انگریز ہمیں ایک نظام دے گیا تھا، اور ہم چونکہ اس کے غلام رہے تھے، اس لئے وہ نظام ہمارے لئے قابل تقلید ٹھہرا۔ جیسے انگریز بہادر ہمارے ملک کے صوبے بنا گیا تو انہیں اس درجہ تقدس حاصل ہوگیا کہ صوبوں کی حدود کو چھیڑنا گویا کتاب اللہ میں تحریف کے مترادف ہے۔ یہ ساری باتیں ہمارے ہاں اس وجہ سے برقرار ہیں کہ یہ انگریز کی وراثت ہیں۔ اب ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے قمری حساب سے ۴۵ برس مکمل کر چکے ہیں۔ اب تو ہمیں اپنی اس ذہنیت کو بدل لینا چاہئے اور اس طرح کے معاملات پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ میں مروجہ نظامِ اراضی کے بارے میں بھی کہا کرتا ہوں کہ جاگیرداری و زمینداری کا جو نظام انگریز چھوڑ گیا، ہم نے اسے مقدس سمجھ کر سینے سے لگا رکھا ہے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے ملک کی بہبود، عوام کی مصلحتیں اور پھر اسلام کے احکام کیا ہیں؟ اسلام نے زمینوں کی کونسی اقسام معین کی ہیں؟ عُشری زمین کیا ہے؟ خراجی زمین کیا ہے؟ پھر ہماری زمینیں خراجی ہیں یا عُشری؟ اور یہ کہ مزارعت حرام ہے یا حلال؟ ہماری ساری گفتگو اس حوالے سے ہونی چاہئے۔ اسی طریقے سے پارلیمانی اور صدارتی خلافت کے مابین بھی ہمیں گفتگو کرنی چاہئے کہ اس ملک کے حالات عوام کی بہبود اور مصالح اور ہمارے دین کے تقاضوں کے اعتبار سے کون سا نظام بہتر ہے! اب ہمیں انگریز کی اس وراثت سے دستبردار ہو جانا چاہئے۔

خلاصۂ کلام

آخر میں میں پھر یہ بات نہایت پرزور انداز میں کہہ رہا ہوں کہ اب ہمیں اپنے سیاسی

نظام کے لئے جمہوریت کی بجائے خلافت کی اصطلاح کو استعمال کرنا چاہئے، اپنے تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر اسے عام کرنا چاہئے، پھیلانا چاہئے اور اس کا پرچار کرنا چاہئے۔ اور یہ اسی اصول کے عین مطابق ہے کہ چاہے ابتداءً ابلاغ عامہ کے لئے جدید اصطلاحات استعمال کر لی جائیں، لیکن بالآخر ہمیں اپنی اصل اصطلاحات کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ جمہوریت کا لفظ نہ قرآن و حدیث میں ہے، نہ اس کا ہماری تاریخ کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ خلافت کا لفظ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آیا ہے، جن کا میں نے حوالہ بھی دیا ہے۔ یہ لفظ احادیث میں بھی کثرت سے وارد ہوا ہے۔ خلافتِ راشدہ جو ہماری تاریخ کا عہدِ زریں ہے، اسی لفظِ خلافت سے معنون ہے۔ بعد میں ہماری تاریخ میں اگرچہ خلافت کا تصور بدل گیا مگر یہ اصطلاح قائم رہی۔ آج نہ تو خلافتِ راشدہ کا دوبارہ قیام ممکن ہے کہ وہ دورِ عہدِ نبوت سے متصل دور تھا، اور نہ ہی ہمیں اب اموی، عباسی یا عثمانی دور کی خلافت درکار ہے، جو شخصی اور خاندانی خلافتیں تھیں۔ آج ہمیں جمہوریت، جس کے اندر حاکمیتِ عامہ کا تصور ہے، کے مقابلے میں "خلافتِ عامہ" کا تصور عام کرنا چاہئے، یعنی پاکستان کے مسلمان خلافت کے اہل ہیں، وہ اپنے حقِ رائے دہی کو استعمال کرتے ہوئے اپنا حقِ خلافت چاہے کسی پارلیمنٹ کو تفویض کر دیں اور چاہے کسی صدر کو --- یہ اختیار ان کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہرحال ہمیں جمہوریت کی اصطلاح کو ترک کر کے قرآن و حدیث سے منقول اور اسلامی تاریخ سے مطابقت رکھنے والی اصطلاحِ خلافت استعمال کرنی چاہئے، تاکہ جمہوریت میں حاکمیتِ عوام کا جو تصور ہے، اس کا خاتمہ ہو سکے اور اللہ کی حاکمیت کا تصور قلوب و اذہان میں جگہ پکڑ سکے۔ ○○

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

کتابیات

انسان کی انفرادی زندگی پر گناہوں کے اثرات

زیر طبع کتاب کبائر کے باب اول کی فصل رابع (۲)

مؤلف: ابو عبدالرحمن شبیر بن نور

ز: معاشرے پر گناہوں کے اثرات

تاریخ انسانیت پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ تمام اُمم سابقہ کی تباہی و بربادی کفر و شرک کے علاوہ مختلف گناہ اور جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ ان قوموں کے مفصل تذکرے، اُن کی مجرمانہ زندگی اور ان کے انجام پر مشتمل ہے۔ قوم نوح غرق ہوئی[۱] قوم عاد شدید طوفانی آندھی سے ہلاک ہوئی[۲] قوم ثمود شدید کڑک کے ذریعے ہلاک ہوئی[۳] حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستی کو اٹھا کر اُلٹ دیا گیا[۴] فرعون اور قوم فرعون کو غرق کر دیا گیا۔[۵] اس کے علاوہ سورت العنکبوت، آیات ۱۴ تا ۴۰ میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی قوموں کا تفصیلی تذکرہ اور اُن کے جرائم کی فہرست ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا

---

۱ سورت نوح، آیت ۲۶-۲۷۔
۲ سورت الحاقہ، آیت ۶-۷۔
۳ سورت القمر، آیت ۳۱۔
۴ سورت ہود، آیت ۸۲۔
۵ سورت القصص، آیت ۴۰۔

بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝[۱]

"آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ میں پکڑا۔ پھر ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا۔ اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اُوپر ظلم کر رہے تھے۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون صرف دورِ ماضی کی قوموں کے لیے ہی نہ تھا، بلکہ اس کی سُنّت اور طریقہ یہ جو قوم صالح عنصر سے یکدم فارغ ہو جائے اور اس کے اکثر لوگ غلط کاریوں میں ملوّث ہو جائیں تو اللہ ایسی ناقص اور غلیظ قوم کو دھر پکڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝[۲]

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔ اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔"

مذکورہ بالا مکمل اور خوفناک تباہی سے پہلے متعدد شکلوں میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ظہور ہوتا ہے معاشرے کا ذہین طبقہ ان اشاراتِ خداوندی کو سمجھ کر اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی طرف مائل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ظہور بالعموم مندرجہ ذیل شکلوں میں ہوتا ہے:

نعمتِ ایمان سے محرومی: گناہوں کے دل پر اثرات کے ضمن میں یہ بحث پوری تفصیل اور سے گزر چکی ہے۔

مال اور رزق سے محرومی: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متعدد اور قسم ہا قسم کی نعمتوں سے فیضیاب تا ہے۔ لیکن جب بندے بالکل ہی ناشکری پر اُتر آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان نعمتوں سے محروم ا ہے۔ مسلمان معاشروں میں یہ کیفیت روزِ روشن کی طرح دیکھی جا سکتی ہے، بشرطیکہ آنکھوں

---

[۱] سورت العنکبوت، آیت ۴۰۔ [۲] سورت الرعد، آیت ۱۱۔

میں دیکھنے کی صلاحیت ہو اور دل بالکل سیاہ ہو کر مرنہ چکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنّت کا ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے:

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ[۱] ○

"اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی، اور ہر طرف سے بفراغت رزق پہنچ رہا تھا۔ کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی تب اللہ نے اس کے باشندوں کو اُن کے کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں اُن پر چھا گئیں۔"

اِن نعمتوں سے محرومی کی ایک شکل تو وہ ہے جو مذکورہ بالا آیت میں بیان ہوئی ہے۔ ایک دوسری شکل یہ بھی ہے کہ نعمتوں کو ختم کرنے کی بجائے انسانوں کو ہی اُٹھا لیا جائے اور نعمتیں اپنے حال پر برقرار رہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کے ساتھ کیا، اور اُن کے حسرت ناک انجام کا نقشہ ان الفاظ میں بیان فرمایا:

کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ○ وَّنَعْمَۃٍ کَانُوْا فِیْھَا فٰکِھِیْنَ ○ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰھَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ[۲] ○

"کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے، جو وہ چھوڑ گئے۔ کتنے ہی عیش کے سر و سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے اُن کے پیچھے دھرے رہ گئے۔ یہ ہوا اُن کا انجام، اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔"

۱؎ سورۃ النحل، آیت ۱۱۲

۲؎ سورۃ الدخان، آیت ۲۵-۲۸

۳۔ امن وسکون سے محرومی: کسی بھی معاشرے میں سب سے بڑی نعمت امن وسکون ہے۔ اگر ہر فرد جان، مال، عزت اور دین کے معاملے میں محفوظ ومامون ہو تو اس سے زیادہ خوش بخت و خوش نصیب اور کوئی معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ مقام ایمان پر استقامت اور برائیوں سے بچے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ؁ۧ[۱]

"جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، درحقیقت امن انہی کے لیے ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں۔"

البتہ گناہوں اور جرائم کی وجہ سے یہ امن وسکون نہ صرف برباد ہو جائے گا بلکہ ہر وقت خوف، پریشانی اور مشکلات کے بادل اس علاقے پر چھاتے رہیں گے۔ اور ہر فرد کا دل اندر سے ڈرا ڈرا اور سہما سہما سا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کا انجام ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم کہتا ہے:

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ؁[۲]

"تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔"

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد احادیث میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے:

یَامَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ خِصَالٌ خَمْسٌ اِذَا ابْتُلِیْتُمْ بِهِنَّ، وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ. لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِیْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰی یُعْلِنُوْا بِهَا، اِلَّا فَشَا فِیْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ

۱۔ سورت الانعام، آیت ۸۲

۲۔ سورت النحل، آیت ۱۱۲

الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَؤُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذَ بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ، إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ[1]

"اے جماعتِ مہاجرین! پانچ عادتیں ایسی ہیں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ایسی عادتوں کا شکار ہو جاؤ (لیکن جب یہ عادتیں ظاہر ہوں گی تو ان کے نتائج بھی ساتھ ساتھ چلے آئیں گے۔)

۱۔ جب کسی قوم میں زناکاری عام اور علی الاعلان ہو جاتے تو اس قوم میں طاعون اور ایسی ایسی تکلیفوں والی بیماری پھیل جائے گی، جو زمانہ سابقہ کے لوگوں میں نہ ہوگی۔

۲۔ جس قوم نے ناپ تول میں کمی کی، اسے قحط سالی، مشکل زندگی اور حکام کے ظلم سے واسطہ پڑے گا۔

۳۔ جس قوم نے اپنے مال کی زکوٰۃ روک لی، آسمان سے ان کے لیے بارش کا سلسلہ روک لیا جائے گا۔ اگر جانور نہ ہوں تو قطعاً بارش نہ ہو۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، حدیث ۴۰۱۹۔ المستدرک للحاکم، کتاب الفتن والملاحم باب ذکر خمس بلایا۔ اعاذ النبی منها المسلمین۔ ۴/۵۴۰۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ محدث العصر فضیلۃ الشیخ الالبانی نے اس حکم کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر حدیث ۷۹۷۸

۴۔ اور جن لوگوں نے اللہ اور رسول سے کیے ہوتے وعدے کو توڑ دیا اللہ اُن پر بیگانے دشمن مسلط کر دے گا، اور اِن دشمنوں کے ہاتھ جو لگا وہ لے اُڑیں گے۔

۵۔ جس قوم کے لیڈر کتاب اللہ کو نافذ نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کردہ احکام پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان باہم خانہ جنگی پیدا کر دے گا۔"

۴۔ صحت و عافیت سے محرومی: صحت کتنی بڑی نعمت ہے یہ کسی بیمار سے پوچھیں۔ یا جب انسان خود بیمار ہو جاتا ہے تو صحت کی صحیح قدر معلوم ہوتی ہے۔ گناہوں میں ملوث معاشرے مستقل بیماریوں، وبائی امراض اور طبّی مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ طاعون، سرطان، ایڈز، ٹی بی، کینسر اور ایسی ہی متعدد مہلک بیماریاں اللہ کے عذاب ہی کی شکلیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اِنَّ هٰذَا الْوَجَعَ اَوِالسَّقَمَ رِجْزٌ عَذَّبَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ وَقَدْ بَقِيَ بَعْدُ بِالْاَرْضِ فَيَذْهَبُ الْمَرَّةَ وَيَأْتِي الْاُخْرٰى[1]

"یہ تکلیفیں اور بیماریاں درحقیقت عذاب ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں کو عذاب دیا تھا۔ (عذابِ الٰہی کی یہ شکل) اب بھی زمین پر باقی ہے، کبھی چلی جاتی ہے اور کبھی واپس آجاتی ہے۔"

گناہوں اور غلط کرتوتوں کی وجہ سے مہلک بیماریاں مسلط ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ 'امن' کے بیان میں طویل حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ کسی معاشرے کی اجتماعی موت بھی ان گناہوں ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ قَطُّ اِلَّا كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ وَمَا ظَهَرَتْ فَاحِشَةٌ فِي قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ وَمَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ اِلَّا حَبَسَ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدثنا ابو الیمان۔
صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ۔

اللّٰہُ عَنْہُمُ الْقَطْرَ[1]

"جب بھی کسی قوم نے عہد شکنی کی تو قتل و غارت اُن کے ہاں عام ہو گیا۔ اور جب کسی قوم میں زناکاری پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت کو مسلط کر دیا۔ اور جب کسی قوم نے زکوٰۃ کو روک لیا اللہ تعالیٰ نے اُن سے بارش کو روک لیا"۔

تو ثابت ہوا کہ جس قوم کو جسم و جان کی امان و حفاظت درکار ہو وہ گناہوں اور برائیوں سے دُور رہے اور بالخصوص زناکاری اور بے حیائی کے تو نزدیک بھی نہ پھٹکے۔ زمانہ حال کی مہذب ترین اور تعلیم یافتہ قوموں میں بھی یہ واقعات دیکھے جا سکتے ہیں کہ جب کوئی قوم یا خطۂ زمین گناہوں کی آماجگاہ بن گئی تو اللہ تعالیٰ نے سیلاب، زلزلے، قحط یا باہمی خانہ جنگی کے ذریعے اسے جزوی تباہی سے دوچار کر دیا یا مکمل طور پر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۵۔ زمینی آفات: بسا اوقات گناہوں کی پاداش میں بڑی بڑی زمینی آفات آجاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فِی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَتٰی ذٰلِکَ؟ قَالَ: اِذَا ظَھَرَتِ الْقِیَانُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ۔[2]

---

[1] المستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، باب ما نقض قوم ... ۱۲۶/۲۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ السنن الکبریٰ للبیہقی۔ کتاب صلاۃ الاستسقا باب الخروج من المظالم ۳۴۶/۳۔ الشیخ الالبانی نے حدیث کو کثرتِ طرق کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۱، ص ۱۶۹، حدیث ۱۰۷۔

[2] سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۱۶۳۔ الشیخ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر ۳/۲۷۳۔

"اس امت میں عذاب کی مختلف شکلیں ہوں گی۔ کبھی لوگ زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے، کہیں شکلیں بگڑ جائیں گی، اور کہیں پتھروں کی بارش ہو گی۔ ایک صحابی نے پوچھا: یا رسول اللہ یہ کب ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب گانا اور آلاتِ موسیقی عام ہو جائیں گے اور شراب پی جانے لگے گی۔"

گناہ کی یہ شکلیں ایک وبا کی شکل میں جوں جوں عام ہو رہی ہیں، دنیا میں امن، سکون اور چین اسی حساب سے رخصت ہو رہا ہے۔ جدید اسلحہ کی ترقی اور بالخصوص جوہری اسلحے نے زمین کی تباہی، شکلوں کے مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کی ظاہری شکلیں بھی پیدا کر دی ہیں۔

یَالَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ!

س: عام مخلوقِ خدا پر گناہوں کے اثرات

انسان کی بداعمالیوں کا انجام بدصرف انسان ہی نہیں بھگتتا بلکہ اس کے اردگرد ہر چیز اس کے کرتوتوں کے نتائج سے متاثر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّۃٍ[1]

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا۔"

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلۡمِهِمۡ مَّا تَرَکَ عَلَیۡهَا مِنۡ دَآبَّۃٍ[2]

"اور اگر کہیں اللہ لوگوں کو اُن کی زیادتی پر فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا۔"

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] سورت فاطر، آیت ۴۵۔

[2] سورت النحل، آیت ۶۱۔

"کتنے ہی پرندے اپنے گھونسلوں میں ظالموں کے ظلم کے سبب بھوک پیاس سے مر جاتے ہیں[1]۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مُسْتَرِيحٌ أَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ" قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ: مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ ـــ قال: الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ[2]۔

"یہ جنازہ یا تو خود راحت یافتہ ہے یا اس سے راحت پائی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ مستریح (راحت یافتہ) یا مستراح منہ (اس سے راحت پائی گئی) سے آپ کی کیا مراد ہے؟

آپؐ نے فرمایا: "بندۂ مومن اللہ کی رحمت میں پہنچ کر دنیا کی پریشانیوں اور تکلیفوں سے آرام پا جاتا ہے۔ (گویا بندۂ مومن مستریح ہے) اور فاسق و فاجر انسان کے شر سے بندے، علاقے، درخت اور جانور سب آرام پا جاتے ہیں۔ (گویا فاسق و فاجر انسان مستراح منہ ہے)"

جاندار تو جاندار، جمادات اور بے جان چیزیں بھی گناہوں کی نحوست سے محفوظ نہیں رہ سکتیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَإِنَّمَا سَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ[3]

"حجر اسود جب جنت سے اترا تھا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا۔ اولادِ آدم کے گناہوں نے اسے کالا کر دیا ہے۔"

---

[1] جامع الاحکام للقرطبی، ج ۷، ص ۳۶۱

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی مستریح و مستراح۔ امام احمد، ج ۵، ص ۲۹۶، ۳۰۲، ۳۰۴

[3] سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الاسود والرکن۔ امام ترمذی نے حدیث کو صحیح قرار دیا۔

”مسلمان خواتین کی دینی ذمّہ داریاں“

جہلم سے محترم منصور احمد کا مراسلہ

محترمی و مکرمی ڈاکٹر صاحب!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ ”میثاق“ جولائی کے شمارہ میں دو باتوں پر بے ساختہ آپ کو مبارک باد دینے کو جی چاہا:

۱۔ اسلامی جمہوریت کی بجائے خلافت کی اصطلاح۔

۲۔ اجتماعی اور تحریکی زندگی میں عورت کا مقام۔

خصوصًا موجودہ زمانے میں جبکہ اسلامی تحریکیں بھی اپنے کام کی وسعت کے لئے عورتوں کو میدان میں لاتی ہیں اور عذرِ گناہ کے طور پر عورتوں کا غزوۂ اُحد میں شریک ہونا اور حضرت عائشہ کا دمِ عثمان کے لئے نکلنا پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے صحیح دینی پس منظر میں پردہ کے مفہوم کو صرف واضح ہی نہیں کیا' بلکہ اپنے پورے گھرانے کے ذریعے عملی نمونہ پیش کر دیا۔ ”میثاق“ میں جن بہنوں کے تأثرات چھپے ہیں' انہوں نے صرف آپ کا وعظ سن کر پردہ شروع نہیں کیا' بلکہ آپ کے گھر کو دیکھ کر کیا ہے۔

مجھے خود اس معاملہ میں ابتداءً بڑی دقت پیش آئی اور میں اپنی اہلیہ کو ذہنًا قائل نہ کر سکا۔ انہی دنوں آپ کی بیٹی (اہلیہ ڈاکٹر عبدالخالق) شادباغ میں مقیم تھیں۔ میں بھی وہیں مسجد میں خطیب تھا۔ اہلیہ کا ان سے چند دفعہ ملنا ہوا تو وہ دل سے اس کو مان گئیں کہ رشتہ دار نامحرموں سے پردہ ممکن ہے۔ اس طرح بحمد اللہ اپنے بھائیوں میں مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میرے گھر میں شرعی پردہ ہو گیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے ایک اہم مٹے ہوئے حکم کو آپ نے جس طرح زندہ کیا ہے یہ آپ کی نجات کے لئے کافی ہے۔ یہ میری محدود سوچ کی رائے ہے' ورنہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کے باقی کام بے نتیجہ ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ...

نیکیوں کو قبول اور خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین۔ اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دین پر استقامت اور خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ والسلام

احقر منصور احمد۔ جہلم

مدیر جامعہ عبداللہ بن مسعود

راولپنڈی سے محترم فیض احمد کا مراسلہ

مکرمی و محترمی، السلام علیکم

"میثاق" ماہ جولائی ۹۱ء کا پرچہ موصول ہوا۔ اس دفعہ ڈاکٹر صاحب نے مسلمان خواتین کی دینی ذمہ داریوں کے بارے میں جو تقریر کی تھی، وہ پڑھی۔ میرے خیال میں یہ بالکل متوازن تقریر تھی۔ میں خود تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کی خواتین کا کام دیکھ رہا تھا، لیکن دونوں کا طریقہ کار دل کو نہیں بھا رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے خواتین کے لئے بالکل صحیح راستہ، جو قرآن و سنت کے مطابق ہے، تجویز کیا ہے۔

میرا آپ کو مشورہ یہ ہے کہ اس مضمون کو کتابچہ کی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ وسیع حلقے میں یہ سوچ فروغ پا سکے اور دینی ذہن کی خواتین مطمئن ہو سکیں۔ اس وقت وہ عجیب حالت میں ہیں، یقیناً اس کتابچہ سے وہ بہت استفادہ کریں گی۔

فیض احمد۔ راولپنڈی

"تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار"

دربند (مانسہرہ) سے ایک خط

محترم جناب سردار اعوان صاحب (مینیجر میثاق لاہور)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا مکتوب اور رسالہ میثاق دونوں موصول ہوئے۔

عثمانی ترکوں کی خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد ایک جائز حکمران منتخب کرنا دنیا کے سب مسلمانوں پر فرض مذہبی ہے۔ وہ مسلمان جو بغیر امام زندگی گزارتا ہے، اس کی

موت جہالت کی موت ہے۔ اس مضمون کی حدیث مبارک جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی کتاب میں بحوالہ مسلم شریف موجود ہے۔ عثمانی ترکوں کا حکمران دنیا کے سب مسلمانوں کا جائز حکمران ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ مردِ بیمار تک چلا آیا تھا۔ عیسائی حکمرانوں نے ترکی قوم کو سمجھایا کہ تمہارا حکمران بیمار ہے۔ مذہبی پابندی ایک جنونی قسم کی بیماری ہے۔ جس ملک کے حکمران کو یہ بیماری لگ جاتی ہے وہ ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ مردِ بیمار نے مذہبی پابندی چھوڑ دینے سے انکار کیا۔ ترکی قوم مردِ بیمار کو معزول کر کے ایک ایسا حکمران منتخب کرنے لگی جو مذہبی پابندی سے آزاد ہوتا تھا۔ جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء میں اتحادی جیت گئے اور مصطفیٰ کمال (مرحوم) نے اتحادیوں کو خوش کرنے کی غرض سے خلافت ختم کر کے مغربی جمہوری طرز کی حکومت بنا دی۔

سیاسی اعتبار سے منظم جماعت کے ساتھ دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کی کوشش کرنے والی جماعت تنظیمِ اسلامی ہے۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ جماعت ہٰذہ الیکشن میں حصہ نہیں لیتی، لہٰذا جماعت ہٰذہ کی حمایت دنیا کے سب مسلمانوں پر فرضِ مذہبی ہے۔

والسلام

عبدالرحیم عرف پائیدار

بقیہ : دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

اجازت حاصل کر لی گئی تھی۔ اس کی بھرپور تشہیر بھی کی گئی۔ چنانچہ جامع مسجد صدیقیہ میں غازی محمد وقاص صاحب، جامع مسجد مدنی میں جناب طارق جاوید صاحب، اور بلال مسجد میں راقم نے "پاکستان کے موجودہ مسائل کا واحد حل: اسلامی انقلاب" کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ سوال و جواب کی نشستوں میں بھی احباب نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

فیصل آباد کے ساتھیوں نے بھی ان دو ماہ کے دوران ملک احسان الٰہی صاحب کی قیادت میں ٹوبہ ٹیک سنگھ، سرگودھا، جھنگ اور قریب کے دیگر قصبات میں متعدد دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام کئے، جن میں پروفیسر خان محمد صاحب، ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور احسان الٰہی ملک صاحب نے مساجد میں مفصل تقاریر کیں اور خطباتِ جمعہ میں تنظیم اسلامی کی دعوت کو متعارف کروایا۔ ملتان، وہاڑی، بورے والا اور شجاع آباد کے رفقاء نے بھی اپنے اردگرد کے قصبات میں ایسے متعدد پروگرام منعقد کئے۔ راولپنڈی اور گجرات کی تنظیموں کے ساتھیوں نے

دینی تعلیم کا ایک سالہ کورس :
ایک نعمتِ غیر مترقبہ

رفقاء واحباب کے نام ناظم قرآن کالج کا ایک کھلا خط

محترم رفقائے تنظیم و اراکین انجمن
السلام علیکم و رحمتہ اللہ

یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ قرآن کالج میں طلبہ کو ایف اے اور بی اے کے امتحانات کے لئے اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ کالج کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہیں دینی تعلیم کے ایک معین نصاب سے بھی گزار دیا جائے۔ یہ کام اپنی جگہ یقیناً نہایت مفید بھی ہے اور اہمیت کا حامل بھی' لیکن ہماری نظر میں ابتدائی دینی تعلیم کے اس ایک سالہ نصاب کی اہمیت دوچند ہے جس کا آغاز قرآن اکیڈمی کے تحت ہوا تھا اور جو قرآن کالج کی تعمیر کے بعد اب کالج ہی کے زیر انصرام ہے۔

ہمارے بہت سے رفقاء و احباب وہ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے زبان و بیان کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ رجوع الی القرآن کی دعوت کو آگے بڑھانے کے لئے بحمد اللہ کوشاں اور سرگرم عمل ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دینی تعلیم کا یہ ایک سالہ نصاب ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ ایسے احباب اگر ایک بار ہمت کر کے اپنا ایک سال فارغ کر لیں اور پوری توجہ اور محنت سے اس نصاب کی تکمیل کر لیں تو یقیناً انہیں دینی تعلیم کی ایک ایسی بنیاد حاصل ہو جائے گی جس سے وہ اپنی صلاحیتوں کو بہتر طور پر بروئے کار لا سکیں گے۔ اس کورس میں سے گزرنے کے نتیجے میں انہیں عربی زبان کے قواعد سے اس درجے آگاہی حاصل ہو جائے گی کہ پھر وہ تھوڑی سی مزید توجہ اور محنت سے عربی زبان کی اتنی استعداد حاصل کر سکیں گے کہ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کو براہ راست بغیر کسی ترجمے کی مدد کے' سمجھنے کے قابل ہو سکیں اور انہیں اعتماد کے ساتھ بیان کر سکیں۔

مزید برآں تجوید کے قواعد سیکھ کر وہ قرآن حکیم کی تلاوت بھی بہتر اور درست طور پر کرنے کے قابل ہو سکیں گے اور یہ سب چیزیں دعوت و تبلیغ دین کے کام میں ان کی ممد و معاون ہوں گی۔

شرکاء کی سہولت کے لئے ہم نے اس کورس کو دو سمسٹرز میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ جن طلبہ کے لئے ممکن ہو' وہ مسلسل ایک سال لگا کر پورا کورس مکمل کر لیں اور جن کے لئے بیک وقت ایک سال کی چھٹی لینا یا کاروبار سے غیر حاضر ہونا ممکن نہ ہو' وہ ابتداء چھ ماہ نکال کر پہلا سمسٹر ضرور مکمل کر لیں جس کا مرکزی مضمون عربی گرامر ہے۔ ایسے احباب کو کچھ وقفے کے بعد جب فرصت میسر ہو' دوبارہ چھ ماہ لگا کر دوسرا سمسٹر مکمل کر سکیں گے۔ پہلا سمسٹر بالعموم ۸ر شوال سے ۱۵ر ربیع الاول تک کے عرصے پر مشتمل ہو گا اور دوسرا سمسٹر ۲۲ر ربیع الاول تک ۲۲ر شعبان تک۔

یہ بات بھی آپ کے علم میں ہے کہ قرآن کالج کے قیام اور خصوصاً ایک سالہ کورس کے اجراء کا بنیادی مقصد ایسے افراد کی فراہمی اور تیاری ہے جو دنیوی علوم پر دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے حصول کے خواہش مند ہوں اور علمی سطح پر اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کام کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ اس مقصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے حلقے میں قرآن کالج اور بالخصوص ایک سالہ کورس میں داخلے کے لئے مناسب اور موزوں افراد کو ذہناً اور عملاً تیار کرتا ہے۔

اس خیال سے کہ آپ کو مذکورہ بالا کام کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے' ہم آپ کو پیشگی اطلاع دے رہے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے ایک سالہ کورس کے لئے داخلے ستمبر ۱۹۹۱ء کے آخری ہفتے میں ہوں گے اور یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء سے پڑھائی کا آغاز ہو جائے گا۔

دو سمسٹرز میں مضامین کی تقسیم کچھ یوں ہو گی:

پہلا سمسٹر

۱۔ تجوید (قواعد' مخارج اور تیسویں پارے کے ناظرہ کی مشق کے ساتھ چھوٹی سورتوں کا حفظ)

۲۔ عربی گرامر (عربی کا معلم کے چاروں حصے)

۳۔ عربک ریڈر (طریقہ جدیدہ حصہ اول و دوم)
۴۔ منتخب نصاب (مکمل ۴۴ کیسٹ کی سماعت)
۵۔ مطالعۂ لٹریچر (محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی بعض تالیفات کا اجتماعی مطالعہ)

دسرا سمسٹر

۱۔ تجوید و حفظ (تجوید کی مشق کے ساتھ منتخب نصاب کا حفظ)
۲۔ حدیث (مصطلحات حدیث اور انتخاب احادیث از امام نوویؒ)
۳۔ ترجمۂ قرآن (سورۃ البقرہ کے ابتدائی پانچ رکوع اور منتخب نصاب میں شامل سورتیں اور آیات)
۴۔ منتخب نصاب (اعادہ و مشق)
۵۔ مطالعہ لٹریچر رفقہ

جن طلبہ نے ایف ایس سی / ایف اے / آئی کام وغیرہ کا امتحان پاس کر لیا ہے اور ب وہ قرآن کالج میں بی اے سال اضافی میں داخلے کے خواہش مند ہیں' ان کے لئے خلوں اور تعلیم کے آغاز کا شیڈول بھی وہی ہو گا جو ایک سالہ کورس کا ہے۔

قرآن کالج میں بی اے کلاس میں داخلے کے خواہش مند طلبہ مزید تفصیلات جاننے ے لئے دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر کالج پراسپکٹس طلب کریں جس میں داخلہ فارم ی شامل ہے۔ ضرورت پڑنے پر داخلہ فارم کی فوٹو کاپی بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

تمام رفقاء اور احباب سے گزارش ہے کہ اپنے اپنے حلقے میں سے ان کورسز میں خلے کے لئے طلبہ کو تیار کریں اور جو طالب علم قرآن کالج میں داخلے کا ارادہ ظاہر کرے اس کا داخلہ فارم کالج میں بلا تاخیر جمع کروا دیں اور آخری تاریخوں کا انتظار نہ کریں۔

والسلام
لطف الرحمٰن خان
(ناظم قرآن کالج)

ایک مستحسن فیصلہ

آزاد کشمیر میں منعقد ہونے والے حالیہ انتخابات میں جماعت اسلامی آزاد کشمیر نے حصہ نہ لے کر ایک مستحسن فیصلہ کیا ہے۔ اس ضمن میں جماعتِ اسلامی آزاد کشمیر کے سیکرٹری جنرل جناب محمود احمد نے ہفت روزہ "تکبیر" کراچی (بابت ۴ جولائی ۱۹۹۱ء) کو انٹرویو دیتے ہوئے بجا طور پر فرمایا کہ "ہماری اولین ترجیح جہاد ہوگی اور تمام وسائل بھی جہاد پر ہی خرچ کریں گے"۔ فی الواقعہ یہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے موقف کی صدفی صد ترجمانی ہے۔ سیّد صاحب مرحوم و مغفور نے جب ۱۹۴۱ء میں جماعت قائم کی تھی تو اس وقت پیشِ نظر یہی تھا کہ خالص نبویؐ طریقِ کار کو اپناتے ہوئے دعوت و تبلیغ، تربیت اور مراحلِ تنظیم طے کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی شاہراہِ عام سے ہوتے ہوئے، اسلامی انقلاب برپا کیا جائے گا اور جس کے نتیجے میں "حکومتِ الٰہیہ کا قیام" عمل میں آئے گا۔ لیکن وا حسرتا کہ تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان معرضِ وجود میں آگیا تو جماعت اور اس کی قیادت نے یہ سمجھ لیا کہ نبویؐ طریقِ انقلاب کی بجائے جدید جمہوری طریقے سے انقلاب لانا آسان ہے۔ اور یہ کہ اب بس حکومت کرنے والے ہاتھ بدلنے کی ضرورت ہے اور یوں ہم اپنی منزل تک آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ موقف کی اس تبدیلی نے جماعت کو بہت نقصان پہنچایا اور مخلصین کی ایک اچھی خاصی تعداد جماعت کے اس موقف سے بددل ہو کر علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اصولی اسلامی انقلابی جماعت کی بجائے اب جماعت ایک "نیم مذہبی" اور "نیم سیاسی" قسم کی جماعت بن کر رہ گئی ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ پاکستان کی دستوری جدوجہد میں جماعت کا بڑا اہم کردار رہا ہے، لیکن یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ وہ مقصد جس کے تحت جماعت کا قیام عمل میں آیا تھا، یعنی اقامتِ دین، غلبۂ دین یا قیامِ نظامِ اسلامی، وہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے اور جب تک جماعت قبل از تقسیم والے موقف کی طرف مراجعت نہیں کرتی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

ہماری گزارش ہے کہ جماعتِ اسلامی آزاد کشمیر اپنے آپ کو انتخابی جھمیلوں سے علیحدہ رکھے اور خالص نبویؐ طریقِ کار کی پیروی کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ، تربیت و تنظیم اور ہجرت و

جہاد کے ذریعے انقلابی جماعت بننے کی جدوجہد کرے اور جب معاشرے میں معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی تیار ہو جائے جن کی زندگی کا مقصد ۔ "مری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی۔ میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی" کے مصداق اللہ کے دین کی سربلندی قرار پائے تو "وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" پر عمل کرتے ہوئے صالح اسلامی معاشرہ کے قیام کی کوشش بار آور ہوگی۔ اگر جماعتِ اسلامی آزاد کشمیر یہ جرأت مندانہ قدم اٹھائے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی پاکستان کے اربابِ حل و عقد کو بھی توفیق دے دے کہ وہ بھی اسی نہج پر کام کرنا شروع کر دیں اور یوں قیام نظامِ اسلامی کی منزل جو ہم سے دور ہوتی جا رہی ہے شاید کہ اس تک پہنچنا ممکن ہو سکے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ ○○

عبداللہ (صوبہ سرحد)

اسلام اور مغربی جمہوریت

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم۔ جولائی کا "میثاق" نظر سے گزرا۔ جمہوریت کے بارے میں آپ نے جو ایک نیا نقطہ نظر پیش فرمایا ہے' وہ بڑا بروقت اور بڑا جرأت مندانہ ہے۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیے۔

لفظ جمہوریت کی آڑ میں لوگ اپنی من مانی کارروائیاں کرنا چاہتے ہیں۔ اور تحریکِ اسلامی کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ حاکمیت کا حق صرف اللہ کا ہے۔ یہ حق خدا سے چھین کر بندوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ وہ پوری کائنات کا حاکم اور مالک ہے' اس لئے قانون سازی کا حق بھی اسی کا ہے۔ اللہ کے ایک واضح قانون کی موجودگی میں کسی انسان کو نیا قانون بنانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کسی بات کو صحیح یا غلط قرار دینے کی کسوٹی ہمیشہ محض اکثریت کو نہیں بنایا جا سکتا۔

جمہوریت کے بارے میں آپ نے جو نیا نقطۂ نظر پیش کیا ہے' اسے ایک مہم کی صورت میں آگے بڑھایا جانا چاہئے۔ اس موضوع کو سیمینار کا موضوع بھی بننا چاہئے۔ مجھے آپ کی صلاحیتوں پر پورا پورا اعتماد ہے۔ امید ہے آپ ان تقاضوں کی طرف پوری پوری توجہ دیں گے۔

ایک عدد مضمون بعنوان "اسلام اور مغربی جمہوریت" ارسالِ خدمت ہے۔ اسے "میثاق" کے اگلے شمارے میں شائع کر کے ممنون فرمائیں' تاکہ مغربی جمہوریت کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر زیادہ سے زیادہ قارئین تک پہنچ سکے۔ اگر مناسب سمجھیں تو

اس خط کے مندرجات کو بھی "میثاق" کے ذریعے ہمارے قارئین تک پہنچا کر مجھے شکریہ کا موقع بہم فرمائیں!

والسلام
مخلص
غلام فرید - بہاولپور

اسلام اور مغربی جمہوریت

آج کل کم و بیش تمام سیاست دان، علمائے کرام، دانشور اور عوام دن رات جمہوریت کا نام لیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ پاکستان جمہوری طریقے سے قائم ہوا تھا اور جمہوریت سے ہی زندہ رہ سکتا ہے۔ حکومت کہتی ہے کہ ہم جمہوریت کو کامیاب کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ عوام کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دیں گے۔ ہمارے دوست ممالک کہتے ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت کو پروان چڑھانے کے لئے ہم ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہیں۔ دانشور کہتے ہیں کہ جمہوریت کے بغیر ترقی ناممکن ہے۔ ہمارے بعض اہل قلم بھائیوں نے جمہوریت پسند مصنفین کی ایک انجمن بھی بنالی ہے۔

آخر یہ جمہوریت ہے کیا چیز؟

مجھے اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ میں نے ملک کے انتہائی نازک اور ایک حساس مسئلے کو چھیڑا ہے۔ میرے بہت سے بزرگ اور دوست ایسے بھی ہوں گے جن کو مجھ سے سخت اختلاف ہوگا۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ مغربی جمہوریت کی مخالفت سے ہم کسی ایک شخص کی مطلق العنان حکومت یا مارشل لاء کے حق میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ بھائی ایسے بھی ہوں گے جو کہیں گے کہ ہم نے خواہ مخواہ ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو ہماری بات کو حق سمجھنے کے باوجود اس لئے اسے حق تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ ہماری بات کو تسلیم کرنا ان کے وقار اور انانیت کے منافی ہوگا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں، لیکن جب تک ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ہمارے لئے حق وہی ہے جو قرآن اور حدیث کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ اگر کوئی بات اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتی تو وہ جاہلیت کا حصہ ہے۔

آیئے اب ہم لفظ جمہوریت پر غور کریں۔ مغربی جمہوریت ایک نظامِ زندگی ہے۔ اس نظریہ کی رو سے کسی چیز کو صحیح یا غلط قرار دینے کی کسوٹی اکثریت کی رائے ہے۔ جمہوریت ایک

مغربی نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جمہوریت ایک ایسا طرزِ زندگی ہے جس میں عوام کی حکومت' عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور عوام ہی سرچشمۂ قوت ہوتے ہیں اور عوام ہی کو ہر قسم کا قانون بنانے کا حق پہنچتا ہے۔

مغربی نظریۂ جمہوریت عیسائیوں' یہودیوں' دہریوں اور کافروں کے لئے ایک حتمی اور مفید نظریہ ہے' کیونکہ نظامِ زندگی کے بارے میں اس نظریہ کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی نظریۂ زندگی نہیں ہے۔ لیکن کیا مغربی نظریۂ جمہوریت مسلمانوں کے لئے بھی اتنا ہی مفید ہے جتنا غیر مسلموں کے لئے؟ مسلمانوں کا نظامِ زندگی جس نظریہ کے تحت چلتا ہے اسے اسلام کہتے ہیں۔ اسلام کی رُو سے کسی چیز کو صحیح یا غلط قرار دینے کا معیار عوام کی اکثریت کی رائے نہیں' بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی ہے۔ اگر کوئی چیز اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق ہے تو وہ صحیح ہے۔ چاہے ساری دنیا کے انسان مل کر اسے غلط کہتے رہیں لیکن وہ صحیح ہی رہے گی۔ اگر کوئی چیز اللہ اور اس کے رسولؐ نے غلط قرار دے دی ہے تو وہ غلط ہی رہے گی' چاہے ساری دنیا کے انسانوں کی اکثریت اسے صحیح قرار دینے کی کوشش کرتی رہے۔ اسلام کے مطابق قانون بنانے کا اختیار عوام کو نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

جب خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپؐ ایک انسان کی بات صحیح تھی اور سارے عرب کے انسانوں کی اکثریت کی رائے غلط تھی' کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے وضع کردہ معیار کے مطابق نہیں تھی۔ اگر جمہوریت ہی صحیح نظریۂ زندگی ہوتا تو پھر رسولؐ کو اپنی ایک فرد کی رائے کو چھوڑ کر پورے عرب کی اکثریتی رائے کو اپنا لینا چاہئے تھا۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ آخری دم تک صرف خدا کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی کو بسر کرنے کا اعلان فرماتے رہے۔

اسی طرح تشکیلِ پاکستان کے وقت جمہوری اصولوں کے مطابق ہندوستان کے باشندوں کی اکثریت پاکستان کا قیام نہیں چاہتی تھی۔ اگر تشکیلِ پاکستان کے وقت مغربی نظریۂ جمہوریت کے مطابق کوشش کی جاتی تو مسلمانوں کو کبھی بھی پاکستان نہ ملتا' کیونکہ ان کی رائے ہندوستانی باشندوں میں ایک اقلیتی گروپ کی رائے تھی۔ اصل میں تحریکِ پاکستان جمہوری نہیں بلکہ ایک نظریاتی اور اصولی جنگ تھی۔

اسی طرح اگر مغربی نظریۂ جمہوریت کو تسلیم کر لیا جائے تو اب ہندوستان کے مسلم

باشندوں کو اسلام پر چلنے اور ہندوستانی معاشرے میں اسلام کی تبلیغ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہ بات ہندوستانی باشندوں کی اکثریت کی خواہش کے خلاف ہے۔ لیکن اس بات کو تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ مسلمان ہروقت اپنے نظریات پر عمل کرنے اور ان نظریات کو دوسروں تک پھیلانے کا پابند ہے اور یہ بات اس کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام اور مغربی نظریۂ جمہوریت ایک ہی چیز ہیں۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ جمہوریت اسلام کے منافی نہیں ہے۔ یا یہ کہ جمہوریت عین اسلام ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جمہوریت اور اسلام ایک ہی چیز ہے تو پھر یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہم پاکستان میں اسلام لائیں گے یا یہ کہ ہم اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی دیں گے' یا یہ کہ ہم اسلام کو کامیاب کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے' یا یہ کہ ہم اسلام لانے والے مصنفین کی انجمن میں شامل ہیں؟ اگر ایسا نہیں کہا جاتا' یعنی جمہوریت کی جگہ اسلام کا نام لینے سے گریز کیا جاتا ہے تو آپ سمجھ لیں کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ جمہوریت کے نام پر جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے یا وہ اسلام نہیں ہے اور یا اسلام مغربی نظریۂ جمہوریت نہیں ہے ـــــــ اور حقیقت میں ہے بھی ایسا ہی! مغربی نظریۂ جمہوریت میں مرضی انسان کی چلتی ہے اور اسلام میں مرضی خدا کی چلتی ہے۔ چونکہ لوگ خدا کی مرضی نہیں بلکہ اپنی مرضی چلانا چاہتے ہیں اس لئے وہ اسلام کا نام نہیں لیتے بلکہ دن رات جمہوریت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اگر ہم استحکامِ پاکستان چاہتے ہیں یا پاکستان میں خدائی نظام چاہتے ہیں تو پھر ہمیں مغربی نظریہ جمہوریت نہیں بلکہ اسلام کا مطالبہ اور صرف اسلام کے لئے اپنا تن من اور دھن قربان کر دینا چاہئے۔ یہی تقاضائے فطرت ہے۔ یہی پاکستان کے استحکام کی ضمانت ہے۔ اگر ہم مسلمان کہلاتے ہیں تو پھر یہی بات مسلم کے شایانِ شان ہے۔ ○○

پاک بھارت تعلقات

اور اصلاح احوال کے ضمن میں عملی تجاویز

پر مشتمل امیر تنظیم اسلامی کا نہایت اہم خطاب جمعہ

"ندا" کے تازہ شمارے میں' جس پر ۱۵ر اگست ۹۱ء کی تاریخ درج ہے' ملاحظہ فرمایئے

رفتارِ کار

تنظیمِ اسلامی حلقہ پنجاب کے تحت دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگراموں کا انعقاد

ایک اجمالی جائزہ

تنظیمِ اسلامی حلقہ پنجاب کو انتظامی سہولت کے پیشِ نظر چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے
ر چار ساتھی نائب ناظمین کی حیثیت سے چاروں حصّوں میں دعوتی سرگرمیوں کے ذمّہ دار
ں۔ حلقہ شمالی پنجاب' جو دریائے چناب سے اٹک تک پھیلا ہوا ہے' کے ذمّہ دار جناب شمس
ق اعوان صاحب ہیں' جنہوں نے محکمہ ریلوے سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ حاصل کر کے ہمہ
تی طور پر اپنی خدمات تنظیمِ اسلامی کو پیش کی ہیں۔

حلقہ شرقی پنجاب تین اضلاع سیالکوٹ' گوجرانوالہ اور شیخوپورہ کے علاقوں پر مشتمل ہے۔
ں کے نائب ناظم جناب محمد اشرف صاحب ہیں' جن کا تعلق ڈسکہ کے ایک قریبی گاؤں سے
ہے۔ ہائی سکول ٹیچر ہونے کے باعث اپنا بیشتر وقت تنظیمی کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

لاہور کی دونوں تنظیمیں (لاہور شہر اور لاہور شرقی) براہ راست ناظمِ پنجاب (راقم) ہی کی
ر نگرانی کام کرتی ہیں' جبکہ حلقہ غربی پنجاب جو سرگودھا ڈویژن پر مشتمل ہے' کے نائب ناظم
اب احسان الٰہی ملک صاحب ہیں جو فیصل آباد میں مقیم ہیں اور ایک پرنٹنگ پریس چلا رہے
ں۔ انہوں نے بھی اپنا کافی وقت تنظیمی کاموں کے لئے فارغ کر رکھا ہے۔

حلقہ جنوبی پنجاب میں بہاولپور ڈویژن اور ملتان ڈویژن کا علاقہ شامل ہے۔ اس کے نائب
ظم جناب محمد اشرف وصی صاحب ہیں' جو لاہور میں تنظیمِ اسلامی حلقہ پنجاب کے دفتر میں
تے ہوئے اپنے حلقے کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ موصوف ریاض (سعودی عرب) سے
ے کی ملازمت ترک کر کے ہمہ وقت تنظیم سے وابستہ ہوئے ہیں۔

ماہ مئی سے پنجاب کی سطح پر تنظیمِ اسلامی کو متعارف کروانے اور پاکستان میں اسلامی
لاب کے طریقہ کار کی وضاحت کے ضمن میں دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگراموں کا آغاز کیا

گیا۔ یہ پروگرام الحمدللہ کامیابی سے چل رہے ہیں۔ یہ پروگرام عموماً جمعرات اور جمعہ ۔
منعقد ہوتے ہیں۔ رفقاء بدھ کی شام کو مقامی مرکز میں جمع ہوتے ہیں۔ مغرب تا عشاء مقر
امیرِ جماعت اپنے رفقاء کے مشورے سے پروگرام کی تفصیلات طے کرتے ہیں' ذمہ دار
تعین کیا جاتا ہے اور پروگرام کے دوران اسلامی ماحول برقرار رکھنے کے لئے دیگر ہدایات
جاتی ہیں۔ جمعرات کو صبح نمازِ فجر کے فوراً بعد ناشتے سے فارغ ہو کر یہ جماعت مقامِ مقر
طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ عموماً جماعت پچاس کلومیٹر کے دائرے ہی میں کسی قصبے کی ط
بھجوائی جاتی ہے۔ جماعت کا قیام عموماً مسجد میں ہوتا ہے' جس کا پہلے سے تعین کر کے انتا
سے اجازت حاصل کر لی جاتی ہے۔

جماعت نمازِ فجر کے بعد سفر کر کے عموماً آٹھ بجے تک مقامِ مقررہ پر پہنچ جاتی ہے۔ ر
دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہیں اور تربیتی پروگرام کا آغاز ہو جاتا ہے' جس میں تنظیم اس
کے بارے میں ضروری معلومات پر مبنی ایک سوالنامے کے ذریعے رفقاء کو تنظیمِ اسلامی کے
منظر' اس کے موقف' اس کی نمایاں خصوصیات' ہمعصر تنظیموں سے تقابل' منہجِ انقلابِ نبو
اور نظم کی اہمیت وغیرہ کے بارے میں تفصیلاً معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ مزید برآں نظام ال
کے اہم حصوں کے مطالعے کے علاوہ تحریکی اور تنظیمی موضوعات پر رفقاء کی مختصر تقاریر
پروگرام ہوتے ہیں۔ یہ پروگرام دوپہر ایک بجے تک جاری رہتے ہیں۔ اس کے بعد نماز ظ
کھانا اور آرام کے لئے وقفہ ہوتا ہے۔

بعد نمازِ عصر رابطۂ عمومی کا پروگرام ہوتا ہے' جس میں عموماً ٹی بورڈز بھی استعمال ۔
جاتے ہیں اور اہم شخصیات سے خصوصی رابطہ بھی کیا جاتا ہے اور انہیں بعد نماز مغرب ہو۔
والی کارنر میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ کارنر میٹنگ کی اطلاع کے لئے تمام مم
ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں۔ کارنر میٹنگ کے علاوہ بعض مقامات پر ایک ہی وقت میں مختلف
رفقاء مختلف مساجد میں تفصیلی خطبات کے ذریعے پاکستان میں نفاذِ اسلام کے عملی طریقہ کار ۔
وضاحت کرتے ہیں۔ جن مساجد میں ایسے پروگرام رکھے جاتے ہیں' ان کی انتظامیہ سے پہ
سے اجازت حاصل کر لی جاتی ہے۔ گفتگو یا خطاب کے بعد عموماً سوال و جواب کی نشست بھ
منعقد ہوتی ہے۔ یہ پروگرام بعد نماز مغرب تا اذانِ عشاء جاری رہتے ہیں۔

اگلے روز صبح نماز فجر کے بعد مختلف مساجد میں درسِ قرآن کے پروگرام رکھے جاتے ہیں
اور لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ

آئے ہوئے ہیں۔ وہ فلاں وقت تک وہاں موجود رہیں گے۔ آپ کو ملاقات کی دعوت دی جاتی ہے۔

جمعہ کی صبح تربیتی پروگرام میں عموماً رفقاء کا باہمی تعارف اس حوالہ سے کرایا جاتا ہے کہ انہیں تنظیم اسلامی میں شامل ہونے پر کس بات نے آمادہ کیا اور شمولیت کے بعد ان کی زندگی میں کن کن پہلوؤں سے تبدیلی آئی' انہیں کیا مشکلات پیش آئیں اور انہوں نے ان پر کیسے قابو پایا' وغیرہ۔ اس کے علاوہ تصحیح تلاوت' ادعیۂ ماثورہ کا یاد کرانا اور معمولات کو سنت سے قریب تر کرنے کے لئے ترغیب و تشویق پر مبنی پروگرام ہوتے ہیں۔ مزید برآں مختلف مساجد میں خطابِ جمعہ کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے پہلے سے مقامی ساتھیوں کے تعاون سے جامع مساجد کی انتظامیہ سے اجازت حاصل کرلی جاتی ہے۔

خطباتِ جمعہ میں فرائضِ دینی کا جامع تصور' انقلابِ نبویؐ کا طریقہ کار اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کے انقلابی طریقہ کار پر تقاریر کی جاتی ہیں۔ مساجد کے باہر مکتبہ لگایا جاتا ہے اور نماز کے بعد نمازیوں میں تعارفی لٹریچر تقسیم کیا جاتا ہے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے رفقاء ٹی بورڈز لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں مصروف بازاروں میں بھی مکتبہ اور تعارفی اسٹال لگائے جاتے ہیں' جہاں کتب' کیسٹس اور تنظیم کا تعارفی لٹریچر رکھا جاتا ہے۔ عموماً لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ وقفہ وقفہ سے تعارفی اعلانات ہوتے رہتے ہیں اور باقی وقت میں امیر محترم کا خطاب بذریعہ کیسٹ سنایا جاتا ہے۔

گزشتہ دو ماہ (مئی و جون) کے دوران پنجاب کے مختلف مقامات کی جانب دو روزہ جماعتیں روانہ کی گئیں۔ اختصار کے پیشِ نظر ان میں سے بعض جماعتوں کے دعوتی پروگراموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

☆ قصور (۱۶' ۱۷ مئی)

مقامی ساتھی شان الٰہی صاحب کی دعوت پر دو روزہ پروگرام ہوا۔ معمول کے مطابق تربیتی پروگراموں کے علاوہ وہاں ایک مسجد میں محمد اشرف وصی صاحب نے خطاب کیا' جبکہ شان الٰہی صاحب کے مکان پر حافظ عاطف وحید صاحب نے "اسلام اور موجودہ دَور کے مسائل کا حل" کے موضوع پر خطاب کیا' جسے بہت پسند کیا گیا۔ سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔

☆ گوجرانوالہ (۲۳' ۲۴ مئی)

گوجرانوالہ کے ساتھیوں کے تعاون سے دو روزہ پروگرام ترتیب دیا گیا۔ تربیتی پروگراموں

کے علاوہ تین مساجد ـــ مسجد اشرف المساجد میں راقم نے "اتحاد بین المسلمین میں حافظ م ابراہیم صاحب نے" اور کھوکھرپورہ کی جامع مسجد میں محمد اشرف ڈھلو صاحب نے "پاکستان میں اسلامی انقلاب" کے موضوع پر تفصیلی خطابات کئے۔ اور آخر میں سوال و جواب کی نشستیں بھی ہوئیں۔

سٹلائٹ ٹاؤن کی مین مارکیٹ اور مین جی ٹی روڈ پر جی ٹی ایس بس سٹینڈ کے قریب تعارفی سٹالز لگائے گئے۔ نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد شیرانوالہ باغ کے باہر بھی سٹال لگایا گیا۔ رتہ رو سٹلائٹ ٹاؤن کی جامع مسجد میں راقم نے نماز جمعہ سے قبل "فرائضِ دینی کا جامع تصور" کے موضوع پر خطاب کیا۔ جمعہ کی صبح علاقے کی بیشتر بڑی مساجد میں تنظیم کے تعارفی پوسٹرز، پمفلٹ اور سٹکرز بھی چسپاں کئے گئے۔ جامع مسجد شیرانوالہ باغ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد رفقاء ڈ بورڈز اٹھا کر اپنے سٹال پر آئے جو مین جی ٹی روڈ پر جی ٹی ایس کے اڈہ کے قریب لگایا گیا تھا۔

☆ سیالکوٹ (۳۰، ۳۱ مئی)

سیالکوٹ میں جماعت کا قیام جامع مسجد لدھر کشمیری محلہ میں تھا۔ تنظیمی و تربیتی پروگراموں کے علاوہ مسجد لدھر سے متصل چوک کشمیری محلہ میں کارنر میٹنگ ہوئی، جس میں جناب شمس الحق صاحب نے "اسلامی انقلاب ـ موجودہ مسائل کا حل" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اگلے روز تین جامع مساجد، جامع مسجد ملا کمال، جامع مسجد کشمیری محلہ اور جامع مسجد اہلحدیث میں علی الترتیب جناب شمس الحق صاحب، جناب محمد اشرف ڈھلو صاحب اور حافظ خالد محمود صاحب نے خطبۂ جمعہ میں "پاکستان میں نفاذِ اسلام کا نبوی طریق کار" کے موضوع پر مفصل تقاریر کیں۔ مزید برآں مساجد کے باہر تعارفی لٹریچر تقسیم کیا گیا اور مساجد میں پوسٹرز، پمفلٹ اور سٹکرز بھی چسپاں کئے گئے۔

☆ ننکانہ صاحب (۱۴، ۱۵ جون)

پندرہ رفقاء کی جماعت ۱۴ جون کو صبح ۸ بجے ننکانہ صاحب کی غلہ منڈی کی اونچی مسجد میں پہنچی۔ ننکانہ صاحب کی پانچ جامع مساجد میں رفقاء نے خطبۂ جمعہ کے فرائض انجام دیئے۔ جناب محمد اشرف وصی صاحب نے جامع مسجد اڈہ تالاب والی میں، جناب محمد اشرف بیگ صاحب نے اونچی مسجد غلہ منڈی میں، جناب عبدالرؤف صاحب نے جامع مسجد مبارک (اہلحدیث) میں، جناب حافظ خالد محمود خضر صاحب نے جامع مسجد قاسمیہ میں، اور جناب احمد حسن صاحب نے جامع مسجد رحمانیہ میں "موجودہ مسائل کا واحد حل: اسلامی انقلاب" کے

موضوع پر مفصل خطابات کیے۔

شام کو بعد نماز مغرب اونچی مسجد غلہ منڈی میں محمد اشرف وصی صاحب نے "منہج انقلابِ نبوی" اور نظامِ بیعت" کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ اگلے روز نماز فجر کے بعد دو مقامی مساجد میں حافظ خالد محمود خضر صاحب اور جناب احمد حسن صاحب نے درسِ قرآن دیا۔

ننکانہ صاحب میں دو مقامی ساتھیوں محترم عبدالحمید رحمانی صاحب، صدر انجمن تحفظِ ختمِ نبوت ننکانہ صاحب اور معروف وکیل، صحافی اور سابق ایم پی اے محترم برکت علی غیور صاحب نے ہر اعتبار سے بھرپور تعاون فرمایا، جس کے لئے ہم ان کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس تعاون علی البر پر بہترین جزا سے نوازے۔ آمین!

☆ اوکاڑہ (۲۰، ۲۱ر جون)

لاہور سے نو رفقاء کی جماعت جناب محمد اشرف وصی صاحب کی زیرِ قیادت ۲۰ر جون کو علی الصبح جامع مسجد مبارک لالہ زار کالونی اوکاڑہ پہنچی۔ معمول کے تربیتی پروگراموں کے علاوہ رابطۂ عوام مہم میں پمفلٹ، پوسٹرز اور سٹکرز تقسیم کئے گئے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے عمومی خطاب میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ نماز مغرب کے بعد حافظ شیخ محمد ابراہیم صاحب نے جامع مسجد مبارک میں "اسلامی انقلاب کی ضرورت اور طریقہ کار" کے موضوع پر خطاب کیا اور حاضرین کے سوالات کے جواب دیئے۔

اگلے روز تین مساجد میں خطبۂ جمعہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ خطبۂ جمعہ کے لئے ایک ساتھی کو لاہور سے پہنچنا تھا لیکن وہ شدید عذر کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ اس لئے صرف دو مساجد میں جناب محمد اشرف وصی صاحب اور شیخ حافظ محمد ابراہیم صاحب نے خطاب کیا۔ ایک مسجد کے باہر مکتبہ بھی لگایا گیا۔

☆ نوشہرہ ورکاں (۲۸، ۲۹ر جون)

۲۸ر جون کی صبح لاہور سے ۲۱ رفقاء کی جماعت نوشہرہ ورکاں پہنچی، جہاں مقامی ساتھیوں محمد اشرف صاحب اور سراج الحق صاحب نے جامع مسجد بلال میں جماعت کے قیام کا انتظام کر رکھا تھا۔ تربیتی پروگراموں کے علاوہ راقم نے بلال مسجد میں خطبۂ جمعہ میں فرائضِ دینی کے جامع تصور پر مفصل گفتگو کی۔ علاقے کی تمام دس مساجد میں تعارفی پوسٹرز، پٹیاں اور اسٹکرز رفقاء کی ایک خصوصی ٹیم کے ذریعے نمازِ جمعہ سے قبل ہی چسپاں کروا دیئے گئے تھے۔

شام کو تین مساجد جامع مسجد میں مفصل گفتگو کے لئے پہلے سے مساجد کی انتظامیہ سے

(باقی صفحہ ... پر)

پشاور میں امیر تنظیم اسلامی کا ورود

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دو روزہ انتہائی بھرپور اور مصروف دورے کی روداد

پاکستان اکیڈمی فار رورل ڈویلپمنٹ پشاور — (Pakistan Academy for Rural Development) نے وسط جون میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خطاب کے لئے مدعو کیا تھا، مگر امیر محترم کے سفر حج کے باعث یہ پروگرام طے نہ پا سکا۔ امیر محترم نے حج سے واپسی پر جولائی کے آخری عشرے میں دو روز کے لئے پشاور آنے کی آمادگی ظاہر کی۔ مذکورہ اکیڈمی کو اس کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے لئے ۲۸ر جولائی کی تاریخ طے کر دی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساتھ ہی رفقاء پشاور نے ۲۹ر جولائی کو امیر تنظیم کے خطاب عام کا پروگرام ترتیب دے دیا۔ اس اثناء میں بعض دیگر احباب اور اداروں سے بھی رابطہ کیا گیا، تاکہ امیر محترم کی پشاور آمد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اس طرح الحمدللہ ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ر جولائی کے لئے بھرپور پروگرام طے پا گئے۔

حسب پروگرام ۲۸ر جولائی کو امیر محترم صبح ۳۰-۸ بجے پشاور تشریف لے آئے۔ پشاور ایئرپورٹ پر اکیڈمی سٹاف نے انہیں خوش آمدید کہا۔ امیر محترم یہاں سے سٹاف کے ہمراہ رورل اکیڈمی تشریف لے گئے، جہاں انہیں اکیڈمی کے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا۔ اسی روز صبح تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب بھی پشاور تشریف لے آئے۔ راقم کے گھر پر ناشتے وغیرہ سے فراغت کے بعد محترم ناظم اعلیٰ اشفاق احمد میر صاحب اور راقم امیر محترم کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور ان سے اس سہ روزہ دورۂ پشاور کے پروگراموں کی تفصیل پر تبادلۂ خیال کیا۔ ۲۸ر جولائی کے لئے کوئی مزید پروگرام طے نہیں کیا گیا۔

بعد نماز عصر راقم اور محترم ناظم اعلیٰ نے اشفاق احمد میر صاحب کے مکان پر رفقائے تنظیم سے ملاقات کی۔ بعد نماز مغرب بنوں سے دو احباب کی آمد کی اطلاع پر ہم ان سے ملاقات کے لئے دفتر تنظیم اسلامی واقع خیبر بازار آ گئے اور ان سے ملاقات کی۔ اس طرح ہم رورل اکیڈمی میں امیر محترم کے خطاب میں شریک نہ ہو سکے۔

رورل اکیڈمی میں امیر محترم کا خطاب بعد نماز مغرب تھا' جہاں انہوں نے "شریعت بل"
یر حاصل گفتگو فرمائی اور اس سلسلے میں اپنا موقف وضاحت سے پیش کیا۔ امیر محترم نے نفاذِ
یعت کے معاملے میں حکومت' خاص طور سے وزیر اعظم نواز شریف کی دوغلی پالیسی پر کھل کر
ید کی اور موجودہ نام نہاد شریعت بل کو ملک کی دستوری تاریخ کا ایک بہت بڑا فراڈ قرار دیا۔
رل اکیڈمی کے زیر اہتمام اس پروگرام میں چند دیگر احباب نے بھی خطاب کیا جو کوہاٹ سے
یف لائے تھے۔ خطابات کے بعد مہمانوں کے لئے ضیافت کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔

امیر محترم کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تو راقم اور ڈاکٹر عبدالخالق صاحب بنوں سے آنے
لے دونوں احباب کے ہمراہ ملاقات کے لئے رورل اکیڈمی پہنچ گئے۔ ان احباب کی امیر محترم
، ملاقات اگرچہ مختصر لیکن بہت مفید رہی۔

۲۹ر جولائی کو طے شدہ پروگرام کے مطابق امیر محترم نے سب سے پہلے رفقاء تنظیم سے
قات کی۔ یہ ملاقات صبح ٦ بجے اشفاق احمد میر صاحب کے مکان پر ہوئی جو ۳۰۔۷ تک جاری
ی۔ اس ملاقات میں ۳۰ کے قریب رفقاء نے شرکت کی اور اس میں نئے نظام العمل اور اس
مشکلات پر گفتگو ہوئی۔

رفقاء سے ملاقات اور ناشتے کے بعد امیر محترم اپنی رہائش گاہ پر پہنچے تو وہاں چند احباب کو
قات کے لئے منتظر پایا۔ ان میں کوہاٹ سے میجر (ریٹائرڈ) خالد سعید اور میجر (ریٹائرڈ) جامی
ش اور بنوں سے سعید حمید الدین صاحب شامل تھے۔ ان احباب سے ملاقات بھی کافی سودمند
ہی۔

پشاور پریس کلب میں "فیس دی پریس" (Face the Press) پروگرام کے لئے
گیارہ بجے کا وقت طے تھا۔ لہٰذا امیر محترم ٹھیک گیارہ بجے پشاور پریس کلب پہنچ گئے' جہاں پر
حافی حضرات ایک ایک کر کے تشریف لا رہے تھے۔ چنانچہ پروگرام بمشکل سوا گیارہ بجے شروع
ہو سکا۔ امیر محترم نے پریس کلب میں ملک کی موجودہ صورت حال پر اظہار خیال کرتے ہوئے
کہا کہ امریکہ اور صیہونی لابی کی سازشوں کے نتیجے میں پاک بھارت جنگ کے بادل منڈلا رہے
ہیں۔ اس متوقع خطرے کو روکنے کے لئے دونوں ممالک کی قیادت کو مذاکرات کے ذریعے اپنے
مسائل کا حل نکالنا چاہئے' کیونکہ جنگ کی صورت میں دونوں ممالک تباہ ہوں گے اور امریکی نیو
ورلڈ آرڈر اور صیہونی عزائم کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ پاک
فوج کے سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ خلیج کی جنگ کے دوران یہ کہہ چکے ہیں کہ عراق کے بعد
اگلا ہدف پاکستان ہوگا اور ایسے بیانات ایران اور ترکی کی مسلح افواج کے سربراہان بھی دے چکے

ہیں۔ حال ہی میں جنرل اسلم بیگ نے ایک بار پھر یہی بات کہی ہے، جبکہ ہمارے فارن آفس ۔ ان کے بیانات کی تردید کی ہے، جس سے اچھا تاثر پیدا نہیں ہوا۔ امیر محترم نے کہا کہ اس وقت پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ کے حقیقی خطرات موجود ہیں اور اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خلیج کی جنگ کے بعد اب کوئی بھی عرب ملک اسرائیل کو چیلنج نہیں کر سکتا اور یہودی اب پوری دنیا پر اپنا تسلط جمانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اپنے خطاب کے آخر میں امیر محترم نے پانچ نکات کے حوالے سے موجودہ صورت حال کا حل تجویز کیا۔ ملک میں نفاذ شریعت کے سلسلے میں موجودہ حکومت کے اقدامات پر امیر محترم نے عدم اطمینان کا اظہار کیا اور نام نہاد شریعت بل کو ضیاء الحق مرحوم کے ریفرنڈم کی طرح موجودہ صدی کا سب سے بڑا دھوکہ قرار دیا۔

پریس کلب کا پروگرام ختم ہونے کے بعد امیر محترم نے مردان کے مولانا قاضی حسین احمد صاحب مہتمم تقویۃ الایمان سے ملاقات کی۔ بعد ازاں انہوں نے اشفاق احمد میر صاحب کے گھر پر رفقاء کے ساتھ اجتماعی کھانے کے پروگرام میں شرکت کی۔

اسی روز بعد نماز عصر پرل کانٹی نینٹل میں وکلاء نے خطاب کا پروگرام طے تھا۔ یہ پروگرام محترم وارث خان صاحب ایڈووکیٹ نے ترتیب دیا تھا۔ امیر محترم ۶ بجے پرل کانٹی نینٹل پہنچے تو وہاں اگرچہ سینئر وکلاء پہلے سے موجود تھے، لیکن اکثر وکلاء ایک ایک دو دو کر کے آتے رہے۔ یہاں امیر محترم نے "جدید اسلامی ریاست کے دستور" کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ امیر محترم کا یہ خطاب نماز مغرب سے دس منٹ قبل ختم ہوا، جس کے بعد امیر محترم نے حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ سوال و جواب کا سلسلہ نماز مغرب کے بعد بھی جاری رہا۔

۲۹ر جولائی ہی کو بعد نماز عشاء مسجد کرم شاہ میں امیر محترم کا خطاب عام طے کیا گیا تھا، جس کے لئے شہر میں مناسب تشہیر بھی کی گئی تھی۔ وقت مقررہ سے قبل تنظیم کے ذمہ دار حضرات خطاب عام سے متعلق جملہ انتظامات میں مصروف رہے، لیکن نماز عشاء سے قبل ہی سوا آٹھ بجے بجلی چلی گئی، جس سے خاصی بدمزگی پیدا ہوئی۔ ۲۸ اور ۲۹ر جولائی کو ویسے ہی پشاور میں شدید گرمی تھی اور اس عالم میں لوگوں کا جمع ہو کر بجلی کے بغیر بیٹھے رہنا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ مسجد میں جو لوگ امیر محترم کا خطاب عام سننے کے لئے جمع تھے، ان میں سے اکثر و بیشتر اٹھ کر چلے گئے۔ البتہ بعض حضرات اس شدید گرمی میں بھی انتظار میں بیٹھے رہے۔ بجلی کی بندش سوا نو بجے تک رہی۔ ساڑھے نو بجے کے قریب امیر محترم نے "امت مسلمہ کا مستقبل" کے

ان سے خطاب کا آغاز فرمایا جو گیارہ بجے تک جاری رہا۔ سامعین نے امیر محترم کے اس فکر
یز خطاب کو بڑی توجہ سے سنا۔

۳۰ر جولائی کو صبح ساڑھے آٹھ بجے امیر محترم نے روزنامہ "فرنٹیر پوسٹ" پشاور کو ایک
یلی انٹرویو دیا۔ پشاور میں امیر تنظیم اسلامی کی یہ آخری مصروفیت تھی۔

رپورٹ کے آخر میں ان رفقاء و احباب کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے امیر محترم
ے اس سہ روزہ دورے کے پروگراموں کو ترتیب دینے اور انہیں ہر طرح سے کامیاب بنانے
ے لئے بھرپور کوشش کی۔ کوہاٹ کے سجاد حیدر صاحب اپنی گاڑی کے ساتھ امیر محترم کے
راہ رہے اور تمام پروگراموں میں انہیں بروقت لانے اور لے جانے کی ذمہ داری بڑے احسن
ریقے سے انجام دیتے رہے۔ وارث خان صاحب ایڈووکیٹ نے وکلاء کی ایک اچھی خاصی
راد کے ساتھ امیر محترم کی نشست اور گفتگو کا اہتمام کیا۔ بھائی ارشاد اللہ صاحب نے پشاور
ے مشہور چپلی کباب سے تمام رفقاء کی تواضع کی۔ ان تمام حضرات کی مذکورہ خدمات پر ہم ان
ے تہ دل سے ممنون ہیں۔ ۲۸ اور ۲۹ر جولائی کے مختلف پروگراموں میں پشاور کے رفقاء و
باب کے علاوہ کوہاٹ، بنوں، نوشہرہ اور رسالپور سے بھی رفقاء و احباب تشریف لائے اور
وگراموں مین شرکت کی۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور اس کے لطف و احسان سے
ام طے شدہ پروگرام بحسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے راستے
ں ہماری اس جدوجہد اور محنت و کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

(مرتب : میجر (ریٹائرڈ) فتح محمد)

متحدہ عرب امارات میں دعوت رجوع الی القرآن کے ایک نئے مرکز کا قیام

دوبئ متحدہ عرب امارات میں دوسری بڑی ریاست ہے جو بعض اعتبارات سے دارالخلافہ ابو ظبی سے منفرد بھی ہے اور معروف بھی۔ جدید طرز اور نہایت بلند عمارات پر مبنی یہ خوبصورت شہر اصل میں یورپ اور کئی دیگر عرب شہروں کی طرح دو حصّوں میں منقسم ہے اور دونوں حصّوں کے درمیان ایک چھوٹی سی خلیج حائل ہے' جس پر پلوں' زیرِ سمندر راستوں اور لانچوں کے ذریعے آمد و رفت ہوتی ہے۔ بر دوبئ اور دیرہ دوبئ' جسے برصغیر کے لوگ ڈیرہ دوبئ کہتے ہیں' دوبئ ہی کے دو حصّے ہیں۔ ڈیرہ دوبئ' بالخصوص اس کی شارع کورنیش' نہایت بلند عمارتوں سے بھری پڑی ہے' جن میں اکثر و بیشتر بنکوں کے مرکزی دفاتر ہیں۔ اس شارع کو دیکھ کر اقبالؔ کا وہ شعریاد آ جاتا ہے جو انہوں نے تو یورپ کے حوالے سے کہا تھا' مگر اب یہ صورتِ حال یہاں بھی صادق آگئی ہے۔ ؎

رعنائیٔ تعمیر میں' رونق میں' صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

یہاں پر برِصغیر سے متعلق لوگوں کی اکثریت ہونے کی وجہ سے اکثر برِصغیر کے کسی شہر کے ماحول کا ہی گمان ہوتا ہے اور اس کے بازار اسی طرح کی گہما گہمی اور تنگی کا منظر پیش کرتے ہیں۔ بازاروں میں چھوٹے چھوٹے ٹھیلوں پر سامان بیچنے والوں کی چیخ و پکار اپنے ہی کسی شہر کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔

دوبئ تجارتی اعتبار سے بہت آگے ہے' بالخصوص ٹیکس فری زون قرار دیئے جانے کی وجہ سے صنعت کے اعتبار سے ابھرتے ہوئے مشرقی ممالک سے خاصے لوگ یہاں آ کر کاروبار جما رہے ہیں۔ ویسے تجارت پر زیادہ تر قبضہ ہندوؤں کا ہے اور محسوس یوں ہوتا ہے کہ اس شعبے پر انہوں نے اپنی گرفت خاصی مضبوط کر لی ہے۔ دوبئ کی بندرگاہ بہت وسیع ہے اور اس کی صورت آج کل وہی ہے جو زمانۂ قدیم میں عدن کی بندرگاہ کی تھی کہ جہاں سے مشرق کی طرف

سے آنے والے سامان کو قافلوں کے ذریعے مغرب کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ اب اسی طرح دوبئی کی بندرگاہ پر مال آنے کے بعد اسے دیوہیکل ٹرالروں کے ذریعے دیگر ممالک مثلاً سعودی عرب' شام' اردن اور عراق وغیرہ لے جایا جاتا ہے اور امارات کی ان ممالک کی طرف جانے والی سڑک "رِحۡلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيۡفِ" کا منظر پیش کرتی ہے۔

۱۹۸۵ء میں جب امیر محترم امارات آئے تو ایک نشست دوبئی کی ایک آبادی "الکرامۃ" میں رکھی گئی تھی جو برِصغیر پاک و ہند کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ نشست ہر اعتبار سے نہایت کامیاب رہی۔ اس کے بعد ۱۹۸۷ء میں ان کی آمد پر بھی یہاں کچھ نشستوں کا اہتمام ہوا تھا' مگر ان کے اثرات کو مجتمع نہ کیا جا سکا' بلکہ یہاں سے جو دعوت شارجہ کے مقیموں تک پہنچی تو اس نے وہاں جڑ پکڑ کر برگ و بار لانا شروع کیا اور بحمد اللہ وہاں نہایت منظم انداز میں کام کا آغاز ہوگیا' جو اب بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ویسے تو دوبئی اور شارجہ کو جڑواں شہر — (Twin cities) کہا جا سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارجہ مرکز کے قیام سے یہاں کے لوگ بھی استفادہ کرتے رہے ہیں مگر اب ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی آبادی کے اس شہر میں بھی ہمارا کوئی پلیٹ فارم ہو تاکہ ہم جم کر کام کر سکیں۔ اللہ نے ہمارے ایک بزرگ ساتھی محترم ناصر الدین صاحب کو' جو کہ نہایت نحیف الجثہ ہیں مگر کام کرنے میں نوجوانوں کو مات دے گئے ہیں' توفیق بخشی کہ وہ اس نظم سے منسلک ہوئے اور ان کی لگن و محنت سے یہاں مناسب جگہ میسر آگئی۔ اسی دوران ہمارے ابو ظبی کے ساتھی محترم سیّد حامد صاحب بھی دوبئی منتقل ہو گئے جس سے یہ حوصلہ اور مضبوط ہوا کہ اب ان کی اعلیٰ استعداد اس کام کو مزید آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔ چنانچہ انجمن خدّام القرآن دوبئی کی ذمہ داری انہی کے کاندھوں پر ڈال دی گئی جس کو انہوں نے پورے شعوری احساس کے ساتھ نبھانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ ان حضرات کی محنت و کوشش سے بالآخر دوبئی میں دعوت رجوع الی القرآن کے مرکز کا قیام عمل میں آگیا۔

یہ مرکز بر دوبئی میں معروف "سناء بلڈنگ" میں واقع ہے۔ کچھ عرصہ اس کی مطلوبہ آرائش میں صرف ہوا اور ابو ظبی میں دوسرے مرکز کے باقاعدہ آغاز کے ٹھیک دو ہفتے بعد یہاں جمعۃ المبارک ۵ جولائی کو افتتاحی تقریب کا فیصلہ ہوگیا۔ انتظار کی یہ گھڑیاں اس وقت ختم ہوئیں جب ابو ظبی سے ہم چار ساتھی اس تقریب میں شرکت کے لئے عازم دوبئی ہوئے۔ محمد عمران بٹ صاحب' منظور الحق صاحب اور راقم سیّد قمر حسن صاحب کی گاڑی میں مختلف

موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے مغرب سے کچھ قبل دوبئی پہنچے۔ کافی ساتھی پہلے سے ہی وہاں منتظر تھے، جن میں ہمارے نہایت فعّال رفیق شاہد اسلم صاحب بھی تھے جو اہلِ دوبئی کی معاونت کی غرض سے ایک روز قبل ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ دیگر امارات سے بھی رفقاء تشریف لائے تھے اور شارجہ کے رفقاء تو خود کو میزبانوں کی فہرست میں سمجھ کر خوب مستعدی سے انتظامات میں مگن تھے۔

مغرب کے بعد ٹھیک ۷-۵۰ پر سیّد حامد صاحب نے مائیک سنبھالا اور ربِّ ذوالجلال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سامعین کو مژدہ سنایا کہ آج ہم جس تقریب کے لئے جمع ہوئے ہیں، اس کا مقصد عظیم امتِ مسلمہ میں پھر سے اپنی عظمت و سطوت کی طرف لوٹنے کا شعور بیدار کرنا ہے۔ انہوں نے حاضرین کے لئے بھی شکریے کے الفاظ کہے اور بقیہ کارروائی کے لئے محترم سیّد قمر حسن صاحب کو دعوت دی۔

سیّد قمر حسن صاحب نے انجمن خدّام القرآن کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس کام کا آغاز ہم نے نہایت خستہ حالی میں کیا تھا، بحمداللہ وہ اب نہایت اعلیٰ انداز سے آگے بڑھ رہا ہے۔ گو رفتار تیز نہیں مگر تواتر اور ثبات کو ضرور اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ خواہ ایک ہی قدم بڑھائیں مگر پہلا قدم خوب جم جانے کے بعد، تاکہ لڑکھڑا کر اوندھے منہ نہ گریں۔ بعد ازاں انہوں نے راقم کو تحریک رجوع الی القرآن کا پسِ منظر اور پیشِ نظر مقاصد بیان کرنے کو کہا۔

میں نے سامعین کے سامنے اپنے اسلاف کے حوالے سے امّتِ مسلمہ میں ہونے والے احیائی کام کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہر دَور میں اس نوع کا کام کرنے والوں نے اس وقت کے پیش آمدہ مسائل سے جی نہیں چرایا اور ان سے پہلو تہی نہیں برتی۔ آج اس دَور کا بھی یہ تقاضا ہے کہ امّت کے اندر ایک معتد بہ تعداد ان لوگوں کی ہو جو عہدِ حاضر کے باطل نظریات کا مدلّل ابطال کر سکیں اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی منظّم قوت بھی فراہم کر سکیں کہ جو قرآن حکیم کے دیئے گئے اصولوں پر ایک صحیح اصولی اسلامی انقلاب کی جدوجہد کرے، کیونکہ ہمیں انبیاء کرامؑ کی سیرت سے بھی یہی سبق حاصل ہوتا ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کو کماحقہٗ سرانجام دیا۔ اس ضمن میں نبی آخر الزمان محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ تو پوری تاریخ انبیاء میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم شخصیت کے کام میں بھی یہ نقشہ ملتا ہے

کہ جہاں انہوں نے اس دور کے باطل نظریات اور مشرکانہ اوہام کا مدلّل اور دندان شکن جواب دیا' وہاں اپنے زورِ بازو کو بھی بتوں کی سرکوبی کے لئے استعمال کیا اور یہ نمونہ چھوڑا کہ اس کام کا صحیح نہج یہی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی انجمن خدام القرآن قائم کر کے صرف علمی و فکری کام کرنے پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ تنظیم اسلامی کے قیام سے اس مقصد کو پورا کرنے کی بالفعل کوشش کا آغاز کیا ہے' جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں انہیں نتائج سے قطعِ نظر صحیح نہج پر کوشش کرتے رہنا ہوگی تاوقتیکہ وہ منزل آ جائے' یا پھر یہ جان اسی راہ میں کھپ جائے اور اس جان کا لگ جانا ہی اصل مطلوب ہے کیونکہ بقول علامہ اقبالؒ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

آخر میں سیّد قمر حسن صاحب نے اختتامی کلمات میں یہ کہا کہ اس امت کو زوال سے نکالنے کا ایک ہی راستہ اللہ کے رسولؐ نے بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کو اپنا امام بنایا جائے اور اس سے ہمارا تعلّق صرف عقیدے کی حد تک نہ ہو بلکہ حقیقی و شعوری ہو۔ انہوں نے سامعین سے بھی یہ گزارش کی کہ وہ ان چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں تمام معاون لٹریچر اس مرکز میں موجود ہے' جس سے استفادہ یقیناً آپ کو اس وقت کے حالات میں کام کرنے کی صحیح رہنمائی فراہم کرے گا۔

اذان کا وقت نہایت قریب تھا' لہٰذا اس اعلان کے ساتھ کہ میزبانوں کی طرف سے طعام کا اہتمام بھی ہے' چنانچہ نماز سے فراغت کے بعد ہم پھر جمع ہوں گے' یہ مجلس ختم ہوئی۔ مرکز کا ہال مناسب وسعت کے باوجود بھی تمام حاضرین کو سمو نہ سکا' لہٰذا ملحقہ کمروں کو بھی' جن میں آواز کا انتظام تھا' استعمال میں لایا گیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد ہم نے اپنے میزبانوں سے اجازت چاہی' جنہوں نے نہایت تپاک سے ہمیں رخصت کیا۔ محترم عمران بٹ صاحب اور سیّد قمر حسن صاحب کی مشترکہ ڈرائیونگ کا لطف اٹھاتے ہوئے ہم رات ایک بجے واپس ابو ظبی پہنچے۔ اللہ ربّ العزت اس کام میں مزید برکت دے اور ہمیں خالص اپنی رضا کے لئے کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ ○○

(مرتّب : محمد خالد ابو ظبی)

(ii) Bi-seaters Rs. 200/-
per month per student
(iii) Cubicles Rs. 250/- er month
(iv) Mess Rs. 400/- per month

0. HOLIDAYS & VACATIONS:

riday is the weekly holiday and the month of tamadan is a closed month for students. Besides hese, Eidul Fitr, Eidul Adha and some other holidays otalling ten days in a year are allowed.

Hostel accomodation is meant for students from outside Lahore. Bi-seaters are primarily for the one-year and B.A. students and the cubicles only for one-year senior (in age) students. Mess facilities, covering breakfast, lunch and dinner, are available for a charge.

8. "TARBIATI NIZAM": (ISLAMIC CHARACTER - BUILDING)

For boarders, it is compulsory to offer five daily prayers in the adjascent mosque. After "Fajr" (early morning) prayers "Tilawat-e-Quran-e-Majid" is compulsory. Persuation and inducement is used for Tahajjud (the midnight prayer) and 3 day fasting on "Ayyam-e-Beedh" (ایّامِ بیض) i.e. 13th, 14th and 15th of every Lunar month. Attention is drawn towards Ittiba-e-Sunnat (to follow the traditions of Nabi-e-Akram, S.A.W.S.) in day-to-day activities such as retiring at night, waking-up in the morning, taking meal's, going and coming out of the toilet etc. A limited range of indoor and outdoor games is provided between "Asr" (afternoon) and "Maghrib" (sunset) prayers.

Occasionally video shows on science or general knowledge subjects are arranged. A day's outing may be arranges once in a quarter.

9. COLLEGE FEES & HOSTEL CHARGES:*

a) COLLEGE FEES
   (i) Admission Fee Rs. 100/-
   (one-time payment at admission time)
   (ii) Security Deposit Rs. 100/-
   (at admission time, Refundable)
   (iii) Tuition Fee Rs. 250/-
   per month

b) HOSTEL EXPENSES:
   (i) Dormitories Rs. 100/-
   per month per student

* subject to change without notice.

lectures on the subjects covered in the "Muntakhab Nisab".

5) IL-02: Islamic "Tahreeki" Literature: Continuation of IL-01 from the 1st Semester.

4. MEDIUM OF INSTRUCTION:

The medium of instruction is Urdu, though teachers help the students weak in Urdu by explaining important terminology in relatively simple Urdu and/or English. It is, however, expected that students do understand vocal Urdu and are able to read the language.

5. ADMISSION REQUIREMENTS:

For one-year course, minimum acceptable educational level is F.A./ Intermediate or its equivalent and an interview by Nazim-e-College, Nazim-e-A'la and Sadr-e-Moassis of Markazi Anjuman. In the interview we try to determine the individual's commitment to Islam and to assess his passion and zeal to seek knowledge about Islam.

6. CLASS TIMINGS:

WINTER 8.00 a.m. to 1.00 p.m.
SUMMER 7.30 a.m. to 12.30 p.m.

7. HOSTEL ACCOMODATION:

Consists of furnished:
(i) Dormitories, accomodating upto six students per room
(ii) Bi-seaters, for two students per room
(iii) Cubicles, each for a single student.

While dormitories and bi-seaters are part of the hostel building adjascent to the College, cubicles are located at the Quran Academy a KM away from the College

established. Moreover, attention must be drawn to the fact that while renaissance of Islam needs educational work, a revolutionary struggle is also necessary for Deen's dominance.

5) TAJ-O1: Tajweed. To teach the rules to recite the Quran correctly. For people who already have this knowledge, it works as a refresher course.

b) <u>2ND SEMESTER:</u>

1) IH-01: Introduction to the field of "Hadith" as follows:-
   i) The need and importance of Hadith as one source of Islamic jurisprudence (Shariah).
   ii) The principles for collection of Ahadith and its catagories.
   iii) Study of collection of Ahadith by Imam Navavi.
2) TQ-01: Translation of the Quran: Students translate five "Rukus" of "Surah Baqarah" and the complete "Muntakhab Nisab" by applying the rules of grammer they learnt in AR-01 in the 1st Semester.
3) TAJ-02: Tajweed: Practice the principles of Tajweed learnt in the 1st Semester and in the process memorize "Muntakhab Nisab" as well.
4) MS-02: Presentation by Students: Techniques of delivering lectures on Quran (Dars-e-Quran).

3. COURSE DESCRIPTION - By Semester

a) 1ST SEMESTER:

1) AR-01: Arabic Grammer, elementary and intermediate levels. Provides the foundation to become skilled in following Quran and Ahadith without the help of any translation.

2) AR-02: Arabic Reader. To help increase the vocabulary. Also and aid in understanding the grammer rules that the students have learnt in course AR-01.

3) MN-01: "Muntakhab Nisab". These are lectures of Dr. Israr Ahmed recorded on 44 audio cassettes of 60 minutes each, commonly known as "Al-Huda" series. As mentioned earlier, the lectures based on a selection of different "Ayaat and Surahs" from Quran, highlight the comprehensive concept of "Deen" and spell-out in clear terms the collective responsibilities of a muslim.

4) IL-01: Islamic "Tahreeki" Literature. Consists of several books/booklets by Dr. Israr Ahmed. The selection is to focus on the philosophical background of "D'awat-e-Rujoo' Ilal Quran", envisaged by Doctor Israr and for which Markazi Anjuman Khuddam-ul-Quran, the Quran Academy and the Quran College were

forward to receive in our College, especially for on year course are the Secondary School graduates fro North America or for that matter from Europe. W consider this age group is old enough to know i mind and at the same time flexible enough to b shaped into a desired mould. It will not be out of plac to mention here the practice of the Mormo community in the United States. In that communit every Secondary School graduate must devote on year for their religious training and another for fiel work before he joins a college for higher studies. W believe it would be extremely beneficial if ou Secondary School graduates devote one year to basi "Deeni" (religious) education before starting on highe studies.

2. COURSE DURATION & COMMENCEMENT OF SEMESTERS

Since the beginning of this year, the course is divide into two semesters of approximately 6 months eac The semesters commence according to the luna calendar as follows:

1ST SEMESTER:

Around 8tn of Shawwal (in 1991 it was 24th April)

2ND SEMESTER.

Around 15th of Rabiul Awwal (in 1991 it will b October 1st)
It may, however, be noted that each "Shawwal" an "Rabiul Awwal" both 1st and 2nd semesters sta simultaneously. For example, on October 1, 1991, n only the 2nd semester of the current course (starte April 24th, 91) would commence but 1st semester o the next one-year (1991/92) course would also begin. Thus a fresh one-year course commences every si months.

1. OBJECTIVES:

"Al Hamdu Lillah", Quran College is preparing students from F.A. First year to B.A. Final. However our College's focal point is one-year "Deeni" (Religious) Course. There are two major elements of the course. One of them is Arabic. Arabic grammer and Arabic language. The knowledge acquired in one-year Course provides a good foundation in Arabic. A student by taking further pains and by applying himself should be able to understand "Quran-e-Hakim" and "Ahadith-e-Mubaraka" without the help of any translation. And that really is an achievement. The student feels as if the veil that screened the meaning of Quran-e-Majeed and Ahadith-e-Mubaraka so far is suddenly removed. The second element is a selection of "Surahs" and "Ayaat" (Chapters & Verses) of the Quran, highlighting the collective responsibilities of a muslim. This selection clearly defines the obligations of a muslim - every muslim - towards establishing Islam's Order of Social Justice, first in the country where he is settled and ultimately throughout the world. Details of the subjects that are part of this course are outlined under "Course Description".

We take one extra year of the students whether admitted in the F.A. or B.A. to teach them this course. However, the kind of students that we want to attract to this course are the professionals, like Doctors, Engineers, Economists etc. We believe, some of these students, if not all, will "In Sha Allah" decide to dedicate their lives to the cause of Islam. With the nice blend of Western and religious education, they will be able to take-up research work and find practical solution to the problems muslims are facing in various fields of their lives in the present age. Other scholars of the one-year course who may not rise to such a level of service to Islam, we hope, would practice Islam themselves and thus influence the people they come in contact with in a positive and meaningful way.

Another group of students that we are keenly looking

ONE-YEAR "DEENI" COURSE AT THE QURAN COLLEGE, LAHORE

INDEX

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد : ۴۰

شمارہ : ۹

ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ

ستمبر ۱۹۹۱ء

فی شمارہ -/۵

سالانہ زرتعاون -/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات — ۲۵ سعودی ریال

ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا — ۶ امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ — ۹ امریکی ڈالر

شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ — ۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

زیرِ نظر شمارے کی اشاعت میں معمول سے قدرے تاخیر ہوئی ہے جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ تاہم اس شر میں سے ایک خیر یہ برآمد ہوا ہے کہ اس تاخیر کے باعث ہمارے لئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ۶ر ستمبر کے خطابِ جمعہ کا خاصا مفصّل پریس ریلیز پرچے میں شامل کرنا ممکن ہو سکا ہے۔ یہ خطاب دو اعتبارات سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ ایک یہ کہ اس میں ۶ر ستمبر کی مناسبت سے دفاعِ پاکستان کے حقیقی تقاضوں پر کھل کر گفتگو ہوئی اور اس موقع پر امیر تنظیم اسلامی نے ملک و ملت کو درپیش موجود الوقت سنگین صورت حال کے پیش نظر بلا تاخیر چین کے ساتھ دفاعی تعاون کا معاہدہ کرنے کی تجویز پیش کی جسے نہ صرف یہ کہ ملکی اخبارات نے خصوصی اہمیت کے ساتھ نمایاں انداز میں شائع کیا بلکہ ہماری اطلاعات کی حد تک ملک کے تمام سنجیدہ اور باشعور طبقات کی جانب سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا گیا اور اسے ایک بروقت اور صائب تجویز قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس خطاب میں امیر تنظیم اسلامی نے پہلی بار نظامِ خلافت کے مقتضیات، مضمرات اور ثمرات کو دو ٹوک انداز میں چند معیّن تجاویز کی صورت میں سامنے رکھا اور واضح کیا کہ نظامِ خلافت سے ہماری مراد کیا ہے اور یہ کہ قیامِ خلافت کے نتیجے میں ملک کے نظام اور دستور میں وہ کون کون سی نمایاں تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ جن کی عدم موجودگی میں ملک کے نظام کو نظامِ خلافت قرار دینا غلط ہوگا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ خطاب 'ندا' کی آئندہ اشاعت میں مکمل صورت میں شائع کر دیا جائے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

☆　☆　☆

ماہ اگست کے اواخر میں امیر تنظیم اسلامی نے ملائشیا اور سنگاپور کا دعوتی دورہ کیا اس سفر میں جو ایک ہفتے پر محیط تھا تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبد الخالق امیر تنظیم کے ہمرکاب تھے۔ دورے کا پروگرام رفیق تنظیم اسلامی جناب نعیم غفور شیخ صاحب نے ترتیب دیا تھا جو کچھ عرصے سے ملائشیا میں مقیم تھے اور اب پاکستان مراجعت کے لئے پا بہ رکاب تھے۔ محترم ڈاکٹر عبد الخالق صاحب کی تحریر کردہ اس دورے کی ایک مفصل

رپورٹ شاملِ اشاعت ہے ـــــــــ اسی طرح ۱۴ تا ۱۶ اگست کوئٹہ میں منعقد ہونے والے سہ روزہ علاقائی اجتماع کی ایک جامع رپورٹ بھی زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے۔

☆　☆　☆

ایک وضاحت

مئی کے میثاق میں "ترے قرآن کو سینوں میں بسایا ہم نے" کے زیرِ عنوان محترم رحیم کاشفی کی مرتب کردہ دورۂ ترجمۂ قرآن، کراچی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ میں ایک واقعاتی غلطی ایسی رہ گئی تھی جس کی وضاحت ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔ دورانِ ماہ رمضان امیر محترم کی رہائش کا بندوبست کراچی کے ڈیفنس ایریا میں واقع قرآن اکیڈمی سے قریب ایک فلیٹ نما مکان میں کیا گیا تھا، جہاں وہ اپنی اہلیہ محترمہ کے علاوہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی سمیت مقیم رہے۔ اس مکان کے بارے میں مذکورہ رپورٹ میں سہواً یہ بات درج تھی کہ یہ کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔ جبکہ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ یہ پُر آسائش مکان کرائے پر دستیاب نہیں ہوا تھا بلکہ صاحبِ مکان مسٹر اے جے خان نے، جو پی آئی سے منسلک ہیں، کمال محبت سے پورے دورہ ترجمہ قرآن کے دوران یہ مکان امیر تنظیم اسلامی اور ان کے اہل خانہ کے لئے وقف کئے رکھا۔ دورۂ ترجمہ قرآن کے ان شرکاء کے لئے جو قرآن اکیڈمی ہی میں مقیم تھے، کھانا بھی اسی مکان کے کچن میں تیار کیا جاتا تھا۔ اس حد درجہ تعاون پر مسٹر اے جے خان تمام رفقاء تنظیم کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ○○

تذکرہ و تبصرہ

دفاعِ پاکستان کے حقیقی تقاضے

اور نظامِ خلافت کے مقتضیات و مضمرات

امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۶ ستمبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور : ۶ ستمبر ۱۹۹۱ء - مسجد دارالسلام، باغ جناح میں نماز جمعہ سے قبل "دفاع وطن کے حقیقی تقاضوں" کے ضمن میں خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان کی سرزمین ہمارے لئے مسجد کی طرح مقدس و محترم ہے اور اس کی حفاظت اور دفاع کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا ہمارے ذمے ہے۔ تاہم اس ضمن میں یہ بات اصولی طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے ایمان کی رُو سے اصل دفاع کرنے والی طاقت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اگر اللہ کی نصرت و حمایت ہماری پشت پر ہوگی تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی اللہ سے بغاوت اور سرکشی پر مبنی اپنے موجودہ رویّے کو ترک کریں اور اولین قدم کے طور پر سودی نظام معیشت کی صورت میں جاری اللہ اور اس کے رسول ؐ کے خلاف جنگ کو بند کرنے کا اعلان کریں جس کو بدقسمتی سے اب نام نہاد شریعت ایکٹ کے ذریعے برقرار رکھنے کا سرکاری سطح پر فیصلہ ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے زور دے کر کہا کہ نصرتِ خداوندی کے حصول کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ اپنے معاملے کو درست کریں اور اس کے دین کے سچے خادم بن جائیں، دفاعِ وطن کی حقیقی ضمانت اسی میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں تدبیری نوعیت کے کچھ قدم بھی اٹھانے ہوں گے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمیں بلا تاخیر اپنے ہمسائے اور دوست ملک چین کے ساتھ دفاعی تعاون کا معاہدہ کرنا چاہئے، جس کے ساتھ ہمارا زمینی رابطہ شاہراہ ریشم کی صورت میں ہمارے لئے خدائی عطیے سے کم نہیں۔

انہوں نے کہا کہ اگرچہ اس وقت مغربی دنیا اور امریکہ عالمی صیہونیت کے شکنجے میں آچکے ہیں مگر خوش قسمتی سے چین ابھی تک یہود کی دسترس سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چین اب تک امریکی دباؤ کے آگے ڈٹا ہوا ہے۔ اس صورت حال کو غنیمت جانتے ہوئے ہمیں چین سے

دفاعی تعاون کا معاہدہ کرنے میں ہرگز تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

امیر تنظیم اسلامی نے اپنی اس رائے کو ایک بار پھر زور دے کر بیان کیا جس کا ذکر وہ اپنے سابقہ خطابات میں بھی متعدد بار کر چکے ہیں کہ پاک بھارت ممکنہ جنگ کو ٹالنے کی جس کے بادل برصغیر کی فضا پر منڈلا رہے ہیں' ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ جنگ کی صورت میں پاکستان اور بھارت دونوں کی تباہی ہوگی اور اس سے فائدہ امریکہ کے "نیو ورلڈ آرڈر" کو پہنچے گا جو درحقیقت صیہونیت کا آلہ کار ہے۔ جنگی فضا کے تناؤ کو کم کرنے کے لئے دونوں ممالک کی سطح پر اہل علم اور دانشوروں کے وفود کا تبادلہ ہونا چاہئے اور اس معاملے میں پاکستان کو پہل کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ اگر جنگ ہم پر مسلط کر دی گئی تو پھر ہمیں کسی صورت پیچھے نہیں ہٹنا۔ ہمیں ہر قیمت پر اپنے ملک کا دفاع کرنا ہے لہٰذا ہمیں اپنی جنگی تیاریاں بھرپور طریقے سے جاری رکھنی چاہئیں اور اپنے دفاعی منصوبوں کو مکمل رازداری کے ساتھ برابر ترقی دیتے رہنا چاہئے۔ تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ جنگی اسلحہ تیار کرنے کے قابل ہو سکیں۔ آج کی کارگر حربی قوت ایٹمی اسلحہ ہے جو دشمن کے ناپاک عزائم کے آگے بند باندھ سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے کی طرح اب بھی ہمیں مکمل اخفاء کے ساتھ اپنی ایٹمی صلاحیت کو مزید ترقی دے کر ایسے مقام پر لانا ہوگا کہ ہمارا دشمن حملہ کرنے سے پہلے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا بے نظیر بھٹو نے ایک اخباری بیان میں پاکستان کی جوہری صلاحیت کے متعلق حال ہی میں جو انتہائی غیرذمہ دارانہ بیان دیا ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محترمہ کے اوسان خطا ہو چکے ہیں اور انہوں نے امریکہ کے ہاتھ میں پاکستان کے خلاف ایٹمی استعداد کے حوالے سے نہایت مضبوط دلیل تھما دی ہے۔ انہوں نے کہا بے نظیر بھٹو کا یہ "انکشافی بیان" درحقیقت ملک و قوم سے غداری کے مترادف ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر نے پاکستان کے ایٹمی راز اگل کر اپنی سیاسی زندگی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے' تاہم اس معاملے میں محض بے نظیر ہی قصور وار نہیں ہے بلکہ ہماری موجودہ حکومت اور بالخصوص سندھ کے وزیر اعلیٰ جام صادق کا پیپلز پارٹی کے ساتھ انتہائی مخاصمانہ رویہ بے نظیر کو حواس باختہ کرنے کا باعث بنا ہے' بہرکیف قومی اعتبار سے بے نظیر کا جرم ناقابل معافی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مزید کہا کہ تنظیم اسلامی کی جدوجہد کا ہدف نظام خلافت کا قیام ہے جو موجودہ گلے سڑے نظام میں محض جزوی طور پر بعض تبدیلیاں کر دینے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ جمہوریت کے بارے میں ان کی ایک سابقہ تقریر سے غلط طور پر

سمجھ لیا گیا ہے کہ موجودہ نظام پر جمہوریت کی بجائے خلافت کا لیبل چسپاں کر دینے سے قوم مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اگر میری تقریر سے یہ بات سمجھی گئی ہے تو میں اس سے اعلان برا کرتا ہوں۔ خلافت کا نظام درحقیقت اسلامی انقلاب کے بعد ہی قائم ہو گا۔ خلافت کا لاز مفہوم ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی بلا استثناء حکمرانی اور بالادستی۔ اسلامی ریاست میں قرآن سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی اور کوئی فرد یا ادارہ اللہ اور اس کے رسولؐ حکمرانی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے واضح کیا کہ نظام خلافت کے قیام کے بعد اسلا ریاست کے جملہ معاملات منتخب افراد اور سیاسی اداروں ہی کے ذریعے چلائے جائیں گے۔

امیر تنظیم اسلامی نے واضح کیا کہ اگرچہ پارلیمانی اور صدارتی دونوں طرز ہائے حکومت اسلام میں گنجائش موجود ہے تاہم صدارتی نظام خلافت راشدہ کے نظام سے قریب تر ہے ڈاکٹر صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ پاکستان کے مخصوص حالات میں بھی پارلیمانی کی بجا۔ صدارتی نظام زیادہ مفید اور موثر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریز کی دی ہوئی ہر چیز کو نے مقدس گائے سمجھ لیا ہے اور اس میں کسی ترمیم یا تبدیلی کے لئے سوچنے پر بھی آمادہ نہ ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمانی طرز حکومت میں صدر اور وزیر اعظم کے درمیان طاقت توازن ایک عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے۔ پارلیمانی نظام میں کبھی تو صدر کو اس درجے بے اختیار بنا جاتا ہے کہ وہ "چوہدری فضل الٰہی" بن کر رہ جاتا ہے اور لوگ مطالبہ کرتے ہیں کہ "صدر رہا کرو" اور کبھی وہ غلام اسحٰق خان کی طرح طاقتور اور مقتدر بن جاتا ہے کہ جب چاہے و اعظم کی گردن مروڑ دے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے ملک کے مخصوص حالات کو سا رکھ کر غیر جانبدارانہ انداز میں سنجیدگی سے غور کریں کہ ہمیں پارلیمانی سیاست کے گند نجات حاصل کر کے صدارتی طرز کو اپنانا چاہئے کہ نظام خلافت سے بھی یہی زیادہ ہم آہنگ

صوبوں کی موجودہ تقسیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ ا بھی بلاوجہ مقدس گائے کا درجہ دے دیا گیا ہے جس کے باعث بے شمار پیچیدگیاں جنم لے ہیں۔ ہمیں اپنی انتظامی ضرورتوں اور قومی مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے صوبوں کی از تعین کرنی چاہئے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اوسطاً ایک کروڑ افراد پر مشتمل ایک ہ تشکیل دیں اور صوبوں کی تعداد میں اضافے کو اپنے لئے ہوا نہ بنائیں۔

نظام خلافت کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ خلافت مسلمانوں کی ہوتی غیر مسلموں کی نہیں' لہٰذا اسلامی ریاست میں غیر مسلم قانون سازی میں شریک نہیں ہو تاہم غیر مسلم اقلیتوں کی مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کی عزت و آبرو اور جان و ما

تحفظ اور ان کی کفالت کا اہتمام کرنا اسلامی ریاست کے ذمے ہوگا۔ نظام خلافت کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہر شہری کی بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور اس کا جامع عنوان ہے "کفالت عامہ" جو زکوٰۃ کے نظام کو صحیح شکل میں نافذ کرکے بہ احسن وجوہ پوری کی جاسکتی ہے۔ زکوٰۃ کا نفاذ بینک ڈیپازٹ کی بجائے کل اموال تجارت پر ہوگا جو معاشی برکات کا پیش خیمہ ہوگا۔ اسلامی ریاست میں سود کی ہر صورت ناقابل قبول ہوگی۔ کاروبار کی وہ صورتیں بھی جن میں سود کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے، ناجائز قرار پائیں گی۔

امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان کی زمینوں کے بارے میں دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ یہ اراضی کسی جاگیردار، زمیندار اور وڈیرے کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں بلکہ فقہ حنفی کی رو سے قریباً تمام اراضی خراجی ہیں اور اس اعتبار سے پوری قوم کی ملکیت ہیں، جن سے خراج کی صورت میں کثیر آمدنی حاصل ہوگی، جس سے دفاعی اور انتظامی اخراجات بہ احسن وجوہ پورے ہو سکیں گے اور یہی وہ راستہ ہے جس سے ٹیکسوں کے موجودہ غیر متوازن اور ظالمانہ نظام سے گلوخلاصی حاصل کی جاسکے گی۔

بقیہ : رودادِ سفر

سے روانگی ساڑھے بارہ بجے تھی۔ ساڑھے دس بجے کے قریب جناب صفدر صاحب اور محمود صاحب امیرِ محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ کچھ وقت تیاری میں گزرا اور پروگرام کے مطابق ساڑھے بارہ بجے ہم گھر سے روانہ ہوگئے۔ ۳ بجے کے قریب ہم سنگاپور کے ہوائی اڈے پر تھے۔ اے۔ جے خان صاحب حسبِ پروگرام ہماری رہنمائی کے لئے موجود تھے۔ دوپہر ہم ان کی میزبانی سے لطف اندوز ہوئے۔ سنگاپور ایئرپورٹ پر صرف دو ہی ریسٹورنٹ ایسے تھے جہاں "حلال" کھانا میسر تھا، جسے اے۔ جے خان صاحب بھی جانتے تھے۔ اسی اثناء میں جناب اسلم علوی صاحب اور جناب شاہین نیازی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ جہاز کی روانگی چھ بجے تھی۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود جناب اے جے خان صاحب نے اکثر وقت ہمارے ساتھ گزارا اور حتی الوسع ہماری مدد کی اور آرام کا خیال رکھا۔ جہاز پورے وقت پر روانہ ہوگیا۔ بنکاک میں رکتے ہوئے (جہاں اس بار ہمیں لاؤنج میں جانے کی اجازت مل گئی اور وہاں ہم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کیں) پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے ہمارا جہاز لاہور ایئرپورٹ پر اتر چکا تھا۔ پاکستان میں پھر وہی شب و روز اور پھر ویسی ہی مصروفیات ہماری منتظر تھیں۔ ○○

نجات کی راہ

سورۃ العصر کی روشنی میں

○

امیر تنظیمِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ۲۵ برس پرانی ایک فکر انگیز تحریر

جو

اولاً نومبر ۶۶ء کے 'میثاق' میں 'تذکرہ و تبصرہ' کے زیرِ عنوان طبع ہوئی تھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

سُورۃُ العصر قرآن حکیم کی مختصر ترین سورتوں میں سے ہے اور خوش قسمتی سے اس میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سب کے سب اُردو میں عام طور پر مستعمل ہیں اور ایک عام اُردو دان بھی ان سے بہت حد تک مانوس ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سُورۃ کا سرسری مفہوم تقریباً ہر شخص فوراً جان لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی دِقّت محسوس نہیں کرتا۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے اور اس کے مضامین کی گہرائیوں کا بدقّتِ نظر مشاہدہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سُورۃ "سہل ممتنع" کی کیسی عظیم الشّان مثال ہے اور اس کی ظاہری سادگی اور سلاست کے پردوں میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی خزانے پوشیدہ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ عقائد و ایمانیات کے بیان میں اختصار کی انتہا کے باوصف مفہوم کی وسعت اور معانی کے عمق کے اعتبار سے جو مقام سورۃ الاخلاص کا ہے، وہی مقام نجات اور فوز و فلاح کے عملی نہج اور طریقِ کار کے بیان میں اس سُورۃ کو حاصل ہے۔

اسی بنا پر مولانا حمید الدّین فراہیؒ نے اس کو "جوامع الکلم" میں شمار کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ "اگر لوگ تنہا اسی ایک سُورۃ پر غور کریں تو یہ ان کے لیے

کافی ہو جائے!!

یہ سورۃ کل تین آیات پر مشتمل ہے اور اس کی دوسری آیت عددی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ مفہوم کے لحاظ سے بھی مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں یہ دردناک حقیقت بطورِ کلیہ بیان ہوئی ہے کہ "انسان بالعموم اور بحیثیتِ مجموعی خسارے میں ہے"۔ پہلی آیت میں اس حقیقتِ کبریٰ کے دلائل و شواہد کو صرف ایک قسم میں سمو کر پیش کر دیا گیا ہے۔ — جبکہ تیسری آیت اس کلیے سے ایک استثناء کو بیان کر رہی ہے۔ اس طرح یہ سورۃ واضح طور پر دو حصّوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ اس کا پہلا جزو یعنی " وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝" ایک دعویٰ اور اس کی دلیل پر مشتمل ہونے کی بنا پر انتہائی گہری علمی اہمیت کا حامل ہے۔ جبکہ دوسرا جزو یعنی " اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝" عملی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔

اس حصّے میں ضمنی طور پر ایک کامیاب زندگی کے ناگزیر عملی لوازم کی تشریح ہو گئی ہے۔ اور اس طرح یہ حصّہ "صراطِ مستقیم" اور "سواء السّبیل" کی مختصر ترین لیکن جامع و مانع تفسیر بن گیا ہے۔

سطورِ ذیل میں اس سورۃ کی تفسیر لکھنا مقصود نہیں ہے' اس لیے بھی کہ راقم الحروف کا مقام یہ نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے نزدیک اس سورۃ کی تفسیر کا حق مولانا حمید الدّین فراہیؒ نے ادا کر دیا ہے۔

پیشِ نظر تحریر سے مقصود صرف یہ ہے کہ سورۃ کے بعض مجموعی تاثرات اور خاص طور پر اس کے جزوِ ثانی کے بعض مضمرات کو واضح کیا جائے تاکہ دین کے تقاضوں کا ایک مجمل مگر جامع تصور سامنے آ جائے۔

(۲)

بحیثیتِ مجموعی اس سورۃ پر انذار کا رنگ غالب ہے۔ تبشیر کا پہلو بھی اگرچہ موجود ہے لیکن خفی اور ضمنی طور پر۔

اوّلاً اس کی ابتداء انتہائی چونکا دینے والی ہے۔ "وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝" کے الفاظ صرف اپنے مفہوم کے اعتبار ہی سے خوابِ غفلت سے بیدار کر دینے والے نہیں ہیں بلکہ ان کے انداز اور اسلوب حتّٰی کہ ان کے صوتی اثرات تک میں جھنجھوڑنے اور چونکانے کی صلاحیت موجود ہے۔

ثانیاً یہاں "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝" بطور ایک قاعدہ کلیہ کے بیان ہوا ہے اور اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... الآیہ میں ایک استثناء پیش کیا گیا ہے۔

گویا انسان کا خُسران ایک عالمگیر حقیقت ہے اور فلاح و کامیابی محض ایک استثنائی صورت!

اگرچہ بعینہٖ یہی صورتِ حال سورۃ التّین میں بھی پیش فرمائی گئی کہ "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" میں نوعِ انسانی کی مجموعی اور عمومی حالت بیان کی گئی اور "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" میں مستثنیٰ افراد کا تذکرہ کیا گیا۔ لیکن وہاں دو چیزوں نے انذار پر تبشیر اور بیم پر رجاء کے پہلو کو غالب کر دیا ہے۔ ایک "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" سے متصلاً قبل "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کی یقین دہانی میں پوشیدہ تسلّی اور تشفی نے۔ اور دوسرے "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے فوراً بعد "فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ" کی نویدِ جانفزا نے جو فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی مثبت ضمانت ہے۔ سورۃ العصر میں نہ صرف یہ کہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کی قسم کی کوئی تسلّی و تشفی (RE-ASSURANCE)

موجود نہیں ہے بلکہ "اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ" کے مثبت وعدے کی بجائے بات صرف خسران سے نجات کے تذکرے پر ختم ہو گئی ہے۔

سورۃ التین کے مقابلے میں سورۃ العصر پر انذار کے رنگ کے غلبے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب کہ سورۃ التین میں گراوٹ سے استثنائ کے تذکرے میں ایمان کے ساتھ اس کے لوازم میں سے صرف عمل صالح کے ذکر پر اکتفا فرمایا گیا ہے، وہاں سورۃ العصر میں خسران سے بچاؤ کو عمل صالح کے ساتھ ساتھ ایمان کے زیادہ کٹھن اور ثقیل لوازم یعنی تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سے بھی مشروط کر دیا گیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السّلام کا ایک قول سورۃ التین اور سورۃ العصر کے مضامین کے مابین ایک لطیف فرق کو واضح کرنے میں بہت ممد ہے۔ پہاڑی کے وعظ میں آنجناب ارشاد فرماتے ہیں۔

> "تنگ دروازے سے داخل ہو کیونکہ وہ دروازہ چوڑا ہے اور وہ راستہ کشادہ ہے جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ کیوں کہ وہ دروازہ تنگ ہے اور راستہ سکڑا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے اور اس کے پانے والے تھوڑے ہیں" (۷: ۱۳، ۱۴)

اگرچہ سورۃ التین اور سورۃ العصر دونوں میں حضرت مسیحؑ کے بیان کردہ دونوں راستوں کا تذکرہ موجود ہے لیکن سورۃ العصر کی روشنی کا اصل ارتکاز اس چوڑی اور کشادہ شاہراہ پر ہے جس پر انسانوں کا ایک عظیم ہجوم، غول در غول، صرف بطن اور فرج کی پوجا کرتے ہوئے اور محض جبلی خواہشات کی بندگی کرتے ہوئے کچھ فرسودہ روایات کے سہارے اور زیادہ تر بھیڑ چال کے انداز میں رواں دواں ہے اور لحظہ بہ لحظہ ابدی خسران کے دردناک انجام سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس سورۃ التین کا نور بنیادی طور پر اس

دوسری راہ پر منتج ہے جو اگرچہ تنگ ہے اور اس پر چلنے والے بہت کم ہیں لیکن بالآخر وہ فراخی اور ابدی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

ایک حسّاس اور باشعور انسان جس کے اندر کا نورِ بیدار ہو چکا ہو، جب سورۃ العصر کی روشنی میں نوعِ انسانی کی عظیم اکثریت کی مایوس کن حالت اور ان کے انجام کی تلخی کا مشاہدہ کرے گا تو لازماً اس پر مایوسی اور ناامیدی طاری ہوگی اور عین ممکن ہے کہ وہ انسان کی فطرت اور سرشت ہی سے بدگمان ہو جائے۔ اس ذہنی و نفسیاتی تاریکی کے عالم میں سورۃ التین امید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوتی ہے۔ اس کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر گامزن چند نفوسِ قدسیہ کی ایک جھلک اور انسانی فطرت و سرشت کی شرافت و کرامت کی شہادت سے یاس کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور انسان اپنے مستقبل کے بارے میں امید اور خود اپنے آپ پر ایک گونہ اعتماد محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہاں ایک اور دلچسپ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" کی عالمگیر حقیقت پر "وَالْعَصْرِ" کے ذریعے شہادت بھی آفاق گیر پیش فرمائی گئی اس لیے کہ جتنی جلی وہ حقیقت ہے اسی قدر روشن اس کی دلیل ہے۔ لیکن "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" کی خفی حقیقت پر شہادت میں بھی زیادہ سے زیادہ اُن چند

نفوسِ قدسیہ کو پیش کیا جا سکا جو کبھی "تین وزیتون" کے جھنڈوں تلے چلتے پھرتے دیکھے گئے یا "طورِ سینین" کی بلندیوں پر ربّ الارباب سے ہم کلام پائے گئے یا "البلد الامین" میں انسانی عظمت کی شہادت دیتے ہوئے نظر آئے۔ علیھم الصّلوٰۃ والسّلام۔

(۳)

"وَالْعَصْرِ" کی چونکا دینے والی صدا ایک حسّاس اور باشعور انسان کے ذہن کو فوری طور پر اپنے قریبی ماحول میں گشدگی اور ذاتی مسائل و معاملات میں سرگردانی کی حالت سے نکال کر زمان و مکان کی وسعتوں کی جانب متوجہ کر دیتی ہے۔ گویا "وَالْعَصْرِ" کا اوّلین مفاد یہ ہے کہ انسان "آفاق میں گم[۱]" ہونے کی حالت سے نکل کر آفاق اور اس کی وسعتوں کا شعوری (SUBJECTIVE) مشاہدہ کرے ع

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی ذہنی پستی کا سب سے بڑا مظہر یہی ہے کہ وہ اپنے قریب ترین ماحول اور ذاتی حالات و واقعات میں اُلجھ کر رہ جائے۔ اس حال میں انسان کی کل کائنات بس ان ہی دو چیزوں تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

نہ وہ خود اپنی ہستی کی اندرونی و باطنی شہادتوں کی جانب
متوجّہ ہوتا ہے اور نہ خارج کی وسیع تر آفاقی آیات کی طرف
التفات کرتا ہے۔

اور رفتہ رفتہ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل اُسے پہاڑ معلوم ہونے لگتے ہیں اور حقیر سی خواہشوں اور تمنّاؤں کے پیچھے وہ اپنے آپ کو ہلکان کر لیتا ہے۔

---

[۱] کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (اقبالؔ)

اِس ذہنی و نفسیاتی حبس سے نکلنے کی دو راہیں قرآن حکیم
نے بیان فرمائی ہیں: ایک "خود" اپنے من میں ڈوب کر حقیقتِ
الحقائق تک رسائی کی راہ، اور دوسرے آیاتِ آفاقی پر
غور و فکر اور دھر و عصر کی اظہر من الشمس شہادتوں پر
تدبّر و تفکّر کا راستہ۔

سورۃ العصر اسی مؤخر الذکر راستے کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

عصر کی جانب ادنیٰ تأمّل و التفات سے فوری طور پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ زمانہ جو انسان کو اپنی غفلت میں ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے حقیقتہً بڑی تیزی اور انتہائی سُرعت سے گزرا چلا جا رہا ہے۔ اس کی ایک دو کروٹوں ہی کی دیر ہے کہ جو کچھ آج موجود ہے وہ معدوم ہو جائے گا[1] اور وقت کی بساط پر نئے کھلاڑی کھیل رچائیں گے۔ اس کی تیز روی اور برق رفتاری ببانگِ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اے غافل انسانو! تم، تمہارے مسائل اور تمہارے معاملات سب چشم زدن میں ختم ہو جانے والے ہیں۔ عمر کی مہلت تیزی سے ختم ہو رہی ہے اور متاعِ عزیز بڑی سرعت سے برف کی مانند پگھلی جا رہی ہے اور کوئی دیر کی بات ہے کہ تم قصۂ ماضی بن جاؤ گے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی!
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی!

پھر یہی زمانہ، جسے فلکِ پیر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، انسان کا سب سے بڑا واعظ و ناصح بھی ہے۔ اس کی گردشوں میں قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں کی شکل

---

[1] ع "جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ" (اقبال)

میں عبرت اور نصیحت و موعظت کے ضخیم دفاتر محفوظ ہیں۔ اس نے سینکڑوں قوموں کو ابھرتے ... قوّت پکڑتے اور پھر قعرِ مذلّت میں گرتے دیکھا۔ ہزاروں حکومتیں اس کے سامنے بنیں اور بگڑیں۔ بیسیوں تہذیبیں وجود میں آئیں، عروج کو پہنچیں اور پھر گل سڑ کر متعفّن غلاظت کا ڈھیر بن گئیں۔ ارب ہا ارب انسان پیدا ہوتے، پلے بڑھے اور مٹی میں مل گئے۔ کتنوں نے فتح و ظفر مندی کے کھیل کھیلے اور کتنوں نے سروری اور ظلّ الٰہی کے سوانگ رچاتے لیکن بالآخر سب زمانے کی وسعتوں میں گم ہو گئے اور قس بن ساعدہ جیسے لوگ بھی یہ کہتے رہ گئے کہ۔

این الآباء والاجداد واین المریض والعواد واین الفراعنة والشدّاد واین من بنیٰ وشَیَّدَ وزخرف ونجّد وغرّہُ المال والولد واین من بغیٰ وطغیٰ وجَمَعَ فاوعیٰ وقال انا ربکم الاعلیٰ[1]۔

قرآن حکیم نے یہاں صرف "والعصر" کے ایک لفظ میں جن تاریخی حقائق کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ جب تفصیل سے بیان ہوئے تو علوم قرآنی کی ایک مستقل صنف بن گئے، جسے شاہ ولی اللہؒ نے "تذکیر بایّام اللہ" کا نام دیا۔

(۴)

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" ایک ایسی دردناک مگر ناقابلِ انکار حقیقت کا بیان ہے جس کے ادنیٰ مظاہر اسی دنیا میں چاروں طرف پھیلے نظر آتے ہیں لیکن جس

---

[1] ترجمہ: کہاں ہیں آباؤ اجداد! کہاں ہیں مریض اور ان کے عیادت کرنے والے؟ کہاں ہیں فراعنہ اور شدّاد اور وہ لوگ جنہوں نے مضبوط عمارتیں بنوائیں، جنہوں نے آراستہ کیا اور سنوارا اور مال و اولاد کی محبّت نے ان کو دھوکے میں رکھا۔ کہاں ہیں وہ جنہوں نے سرکشی کی اور اکڑے اور سمیٹا اور کہا: انا ربکم الاعلیٰ!

کی اصل تلخی موت کے بعد ظاہر ہونے والی ہے۔

غنیمت ہے کہ یہاں دلِ دردمند اور قلبِ حسّاس
شاذ ہی کسی کو عطا ہوا، ورنہ ایک نہیں لاکھوں گوتم بُدھ
ان شدائد و مصائب کا مشاہدہ کر کے جن سے ابنائے
نوع ہر آن دوچار ہیں اپنے آرام و آسائش کو تج کر جنگل
میں جادھونی رماتے۔

ذرا آنکھیں کھول کر گرد و پیش کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ کرۂ ارض پر کروڑہا انسانوں کو دن بھر کی کمر توڑ دینے والی محنت و مشقت کے باوجود پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا، کتنے ہی ہیں جن کے سامنے ان کے عزیز و اقارب اور محبوب و محبّ دوا کے ایک گھونٹ کو ترستے دم توڑ دیتے ہیں۔ کتنوں کو تن ڈھانکنا نصیب نہیں ہوتا اور کتنوں کے پاس سَر چھپانے کو جگہ موجود نہیں! کیسے کیسے صدمے یہ انسان برداشت کرتا ہے اور کیسے دکھ اس کی جان کے لاگو بنتے ہیں، کبھی اولاد کی محبّت اسے رُلاتی ہے تو کبھی مال کی تمنّا اسے تڑپاتی ہے۔ کبھی ناکام آرزوئیں اس کے گلے کا ہار ہو جاتی ہیں تو کبھی پامال شدہ جذبات اس کے لیے سوہانِ رُوح بن جاتے ہیں۔ اربابِ نعمت کی بظاہر چمکیلی اور بھڑکدار زندگی پر نہ جانا چاہیے۔ ان بے چاروں کے اپنے دُکھ ہیں۔ عوام کے دکھوں سے کہیں زیادہ اذیّت ناک اور تکلیف دہ! خوب سے خوب تر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر کی تلاش میں یہ دن رات مارے مارے پھرتے ہیں، اور اس دَوڑ دھوپ میں جن مایوسیوں (FRUSTRATIONS) کا سامنا انہیں ہوتا ہے اور متضاد خواہشات کی رسّہ کشی سے جو اُلجھنیں (CONFLICTS) انہیں درپیش ہوتی ہیں، وہی جانتے ہیں کہ ان کی بدولت کیسے کیسے الاؤ ان کے سینوں میں گرم ہوتے ہیں اور کیسے دہکتے ہوتے انگارے ان

کے دل و جگر کو کباب کرتے ہیں، آرام و آسائش کے سارے سامان رکھتے ہوئے انہیں نہ دن کا چین نصیب ہوتا ہے نہ رات کی نیند۔ یہ سب کیا ہے" لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ[1]" کی عملی تفسیر۔ خسرانِ انسانی کی ابتدائی منزل!! ۔اور انسانی المیے کا صرف پہلا مرحلہ

اس مرحلے میں انسان کی حالت اکثر و بیشتر صرف اتنی ہی قابلِ رحم ہے جتنی کولہو کے کسی بیل یا بار برداری کے کسی جانور کی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ بزعمِ خویش حیوانوں کے مقابلے میں انسان جسمانی تکلیف سے بڑھ کر نفسیاتی کرب اور روحانی اذیت کو بھی محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس کی ٹریجڈی کا اصل نقطۂ عروج (CLIMAX) وہ ہوگا جب یہ مشقتیں اٹھاتا مصیبتیں جھیلتا تکلیفیں برداشت کرتا اور صدمے سہتا اچانک اپنے پروردگار کے حضور میں محاسبے اور سوال و جواب کے لیے پیش کر دیا جائے گا: "یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ[2]" تب انسان پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔! اس مرحلے کے تصوّر ہی سے نسلِ انسانی کے گُل سر سبد کانپ کانپ جاتے ہیں اور حسرت سے پکار اٹھتے ہیں: کاش میں درختوں پر چہچہاتی چڑیا ہوتا یا سوکھی گھاس کا ایک تنکا!

اُس وقت اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ کی اصل حقیقت منکشف ہوگی اور انسانوں کی عظیم اکثریت تأسف و حسرت کے ساتھ زبانِ حال سے پکارے گی کہ ؏

مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

(۵)

"اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا

---

[1] ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو محنت اور مشقت میں پیدا کیا ہے۔" (سورۃ البلد: ۴)

[2] ترجمہ: "اے انسان! تو تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتا بالآخر اپنے رب سے جا ملے گا۔" (سورۃ الانشقاق: ۶)

بِالصَّبْرِ ۝ انسان کی کامیابی اور خسرانِ مبین سے نجات کی واحد راہ کا بیان ہے، لہٰذا ناگزیر ہے کہ اس آیۂ کریمہ پر مقدور بھر غور و فکر کیا جائے اور اس کے مضمرات اور مقدرات کو حتی الامکان پوری طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝" سے ناقابلِ انقطاع تعلق کی بنا پر اس آیت پر اوّلین تدبر آیۂ ماسبق کے پس منظر ہی میں کیا جانا چاہیے۔ یہ دونوں آیتیں فوری طور پر جس حقیقت کو واضح کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ زندگی کی ہر وہ نہج جو ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سے خالی ہو خالص زیاں کاری ہے، چاہے بظاہر دنیا کے مروجہ معیارات کے اعتبار سے کتنی ہی شاندار کامیابیوں کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہو۔ یہ آیات انسان کی کامیابی و ناکامی اور نفع و نقصان کا ایک بالکل نیا معیار پیش کرتی ہیں اور ان کے انسانی ذہن و شعور میں مرتسم ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ زندگی کی تمام اقدار بدل جائیں اور زندگی کی دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کے ماحصل کے بارے میں انسان کا نقطۂ نظر کاملۃً تبدیل ہو جائے۔

حتیٰ کہ سیاسی قوت ہو یا معاشرتی حیثیت، مال و دولت کی فراوانی ہو یا وسائل و اسباب کی ارزانی، اُونچی اُونچی ملازمتیں ہوں یا مستحکم کاروبار، لمبی اور چمکیلی کاریں ہوں یا وسیع و خوشنما محلات۔ یہ سب اگر ان چار چیزوں کے بغیر ہوں تو نہ صرف یہ کہ محض سراب نظر آئیں بلکہ عذاب کے مقدمات معلوم ہوں!!

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی کامیابی اور ابدی خسران سے نجات کے لیے سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ اس کے نقطۂ نظر میں یہ انقلاب بالفعل واقع ہو جائے اور یہ حقیقت دل و

دماغ میں اس طرح پیوست ہوجاتے کہ ہر چیز کی ماہیت واقعۃً بدلی ہوئی نظر آتے۔ ع

دیدن دگر آموز، شنیدن دگر آموز!!

دوسری انتہائی اہم حقیقت جو ان دونوں آیات کے باہمی ربط و تعلق سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ یہ چار چیزیں نجات کے ناگزیر لوازم اور فلاحِ انسانی کی کم از کم شرائط ہیں۔ اس لیے بھی کہ یہاں مقاماتِ بلند کا تذکرہ نہیں بلکہ خسارے اور نقصان سے نجات کی بات ہو رہی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں جس میں بہت کچھ کبھی محض "زیبِ داستاں کے لیے" اور کبھی صرف قافیے اور ردیف کی ضرورتوں کے تحت بڑھا لیا جاتا ہے، بلکہ کلامِ الٰہی ہے جس کا ایک ایک حرف اپنی جگہ علم و حکمت کا سرچشمہ اور حقائق و معارف کا گنجینہ ہے۔ یہاں جو کچھ ہے 'حق ہے' اور اس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ بیشی کا امکان! کامیابی کی ان چار لازمی شرائط میں سے کسی ایک کو بھی ساقط کر دیا جائے تو قرآن حکیم کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اپنے آپ کو کلامِ الٰہی کی بشارتوں کا مستحق سمجھنا خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔!

بدقسمتی سے ہمارے دورِ انحطاط میں یہ حقیقت نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوگئی ہے۔ ہماری ایک عظیم اکثریت محض ایمان —— اور اس کے بھی صرف قانونی پہلو پر —— نجات کی صد فی صد امیدوار بنی بیٹھی ہے۔ جن کو ذرا زیادہ فہم و شعور عطا ہوا ہے وہ عملِ صالح کی قید لگا لیتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم کی بھی ایک بڑی تعداد تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو اعلیٰ درجات اور بلند مرتبے کی چیزیں سمجھ کر اضافی نیکیاں شمار کر بیٹھی ہے!!

کاش کہ لوگ سورۃ العصر پر تدبر کریں۔ اور اس حقیقت کو جان لیں کہ قرآن حکیم انسانی نجات کو ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر چاروں سے مشروط قرار دے رہا ہے!!!

(۶)

ایک قدم آگے بڑھایئے اور توجہ کو ان چاروں الفاظ پر مرکوز کر کے ان کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ چار مختلف چیزیں یا کسی ایک نسخے کے چار علیحدہ علیحدہ اجزا نہیں، بلکہ نجات کی راہ کے چار نشانات اور ایک ہی "صراطِ مستقیم" کے چار سنگہائے میل ہیں۔ یہ چاروں ایک جانب نجات کے لوازم ہیں اور دوسری جانب باہم دگر لازم و ملزوم!

ایمان، عملِ صالح کا پیش خیمہ ہے۔ عملِ صالح، تواصی بالحق کا مقدمہ اور تواصی بالحق، تواصی بالصبر کا پیش رَو!
ایمان صحیح ہوگا تو عملِ صالح لازماً پیدا ہوگا۔ عملِ صالح لازماً تواصی بالحق کو جنم دے گا اور ـــــ تواصی بالحق لازماً تواصی بالصبر پر منتج ہوگا۔!!

ایمان کے سیاسی اور عمرانی پہلوؤں اور اس مسئلے سے متعلق فقہی و کلامی بحثوں سے قطع نظر ایمان کی اصل حقیقت اور ماہیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان نفسِ انسانی کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے جو کائنات کے بنیادی حقائق، یعنی توحید، معاد اور رسالت کے علم سے پیدا ہوتی ہے اور قلبِ انسانی پر اس طور سے مستولی ہو جاتی ہے کہ انسان کے جذبات، خواہشات اور ارادے باہم توافق اور ہم آہنگی کے ساتھ اس علم کے تابع ہو جاتے ہیں! اور فی الجملہ علم اور ارادے کے مابین دوئی ختم ہو کر یگانگت پیدا ہو جاتی ہے!

علمِ حقیقی کے ساتھ انسانی ارادے کی مکمل یگانگت اور ہم آہنگی

ہی ایمان کی اصل ہے۔ اور اس سے پیدا شدہ سکون
اور اطمینان ایمان کا اصل حاصل!!

رہی علم کی وہ حالت کہ ؎
جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

تو جب تک یہ کیفیت برقرار رہے اور نفسِ انسانی تضادات (CONFLICTS) کی آماجگاہ بنا رہے، اس وقت تک ایمانِ حقیقی سے انسان محروم رہتا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے الفاظ میں :

"خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ایمان ایک نفسانی و روحانی حالت کا نام ہے جو انسان کے تمام عقائد و اعمال پر حاوی ہے ... اس کے دو رکن ہیں ایک علم اور دوسرا عمل، ان میں سے ایک کو بھی ڈھا دو گے اس کی پوری عمارت ڈھے جائے گی ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور دین کے تمام اصول و فروع سے خوب واقف ہے لیکن نافرمانی اور گناہ پر برابر مصر ہے تو اس کے لیے اس ایمان میں سے کوئی حصہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے۔"

ظاہر ہے کہ جب ایمان کی حقیقت یہ ہے تو عملِ صالح تو خود اس کی ایک فرع ہے اور اس کا ایک لازمی نتیجہ! یہاں تک کہ عملِ صالح کے فقدان اور ایمان کے عملی نتائج کے عدمِ ظہور سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان ہی میں خامی ہے اور صورتِ حال وہ ہے کہ "وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ"[۱] ورنہ ایمان و عملِ صالح کا تو الیا

---

[۱] ترجمہ: "یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے (اے نبی!) کہدو تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں، رہا ایمان تو وہ تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔" (سورۃ الحجرات: ۱۴)

چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ان کا ایک دوسرے کے بغیر تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان دونوں کو ایک شمار کرنا خلافِ واقعہ نہیں ہے!

"عمل صالح" کی قرآنی اصطلاح بھی بہت غور و فکر کی مستحق ہے، ایک طرف تو قرآنِ حکیم اس وسیع اصطلاح میں اپنی ساری قانونی و اخلاقی تعلیمات اور پوری شریعت کو سمیٹ لیتا ہے اور دوسری طرف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسی میں انسان کی حقیقی نشو و نما اور ترقّی کا راز مضمر ہے اور اسی کے ذریعے انسان کی تمام فطری صلاحیتوں اور قوتوں (POTENTIALITIES) کا صحیح رُخ پر ارتقا ممکن ہے، مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں:

"اللہ تعالیٰ نے اعمالِ حسنہ کو "صٰلحٰت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اس لفظ کے استعمال سے اس عظیم حکمت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ درحقیقت انسان کی تمام ظاہری و باطنی، دینی و دنیاوی، شخصی و اجتماعی، جسمانی و عقلی صلاح و ترقی کا ذریعہ اعمالِ حسنہ ہی ہیں یعنی عمل صالح وہ عمل ہوا جو انسان کے لیے زندگی اور نشو و نما کا سبب بن سکے اور جس کے ذریعہ سے انسان ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکے جو اس کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں . . . اس نکتے کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کائنات کی اس مجموعی مشین کا ایک پُرزہ ہے۔ اس وجہ سے اس کے اعمال میں سے صالح اعمال صرف وہی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی اس حکمتِ تدبیر کے موافق ہوں جو اس نے اس کلی نظام کے لیے پسند فرمائی ہے!"

گویا ایمان نام ہے انسان کے خیالات و تصوّرات اور خواہشات و جذبات کے علمِ حقیقی کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کا اور عمل صالح نام ہے اعمالِ انسانی کی اس مشیّتِ کُلّی کے ساتھ موافقت کا جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے اور یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید

ہمیشہ ایمان اور عملِ صالح کا تذکرہ ایک ساتھ کرتا ہے اور ایسے مقامات اوّل تو ہیں ہی بہت کم جہاں صرف ایمان کا ذکر کیا گیا ہو اور جہاں ایسا ہوا ہے وہاں بھی اکثر و بیشتر کوئی قرینہ ایسا ضرور موجود ہوتا ہے جس سے ایمان کے عملی تقاضوں کی جانب از خود اشارہ ہو جاتا ہے۔

مزید غور فرمایئے کہ انسان ایک متمدّن حیوان ہے اور کوئی چاہے یا نہ چاہے اپنے اردگرد کے ماحول سے اس کا فعل و انفعال اور تاثیر و تأثر کا تعلّق بالفعل موجود ہے۔ اوّلاً خود اس کے اعمال اگر واقعی صالح ہوں تو ان کے صالح اثرات اس کے خارج پر لازماً مترتّب ہوں گے اور بالکل اس طرح جس طرح ایک دہکتے ہوئے انگارے سے گرمی خارج ہوتی ہے اور اپنے ماحول کو گرما دیتی ہے اور برف کی خنکی اپنے ماحول میں نفوذ کرتی ہے، انسانی اعمال کا صلاح و فساد ماحول کو متأثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ثانیاً ماحول میں اگر فساد موجود ہو تو لازماً ایک صالح انسان کو اس کے مفسد اثرات سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے مدافعت کرنی ہوگی۔۔۔ ان ہی دو چیزوں کی بنیاد پر ایمان اور عملِ صالح سے لازماً تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر پیدا ہوتے ہیں اور بالکل جیسے ایمان اور عملِ صالح کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسی طرح تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر بھی باہم دگر لازم و ملزوم ہیں۔

مولانا فراہیؒ عملِ صالح سے تواصی کے تعلّق کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

> "اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ایمان سے عملِ صالح پیدا ہوا اسی طرح عملِ صالح سے تواصی وجود میں آیا کیونکہ جس شخص کی نگاہوں میں حق محبوب ہو جائے گا اور وہ اس کے لیے صبر و استقامت کی تمام کڑیاں بھی سہنے پر آمادہ ہوگا، اس کے بارہ میں لازماً اس کا علم، اس کی محبت اور اس کی غیرت ہر چیز بڑھ جائے گی اور اب صرف اسی قدر نہیں چاہے گا کہ خود ہی اس سے محبت کرے بلکہ یہ بھی چاہے گا کہ تمام دنیا اس سے عشق کرے اور جہاں کہیں بھی حق کو مظلوم و مقہور اور باطل کو غالب و فتح مند دیکھے گا

تڑپ اُٹھے گا اور ایک غیور اور شریف انسان کی طرح دوسروں کو بھی ابھارے گا کہ حق کی حمایت کے لیے آمادہ ہوں اور اس کا یہ دوسروں کو ابھارنا بھی درحقیقت خود اس کے اپنے ہی جذبۂ حمایتِ حق کا ایک قدرتی نتیجہ ہے اور اس کا ایک حصّہ ہے۔ پس یہاں تواصی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے عملِ صالح کے ایک جزو اور اس کی توضیح کی حیثیت سے فرمایا ہے۔"

حق کے لغوی مفہوم کی وضاحت مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

"حق اصل میں تو موجود اور قائم کو کہتے ہیں لیکن استعمال کے لحاظ سے اس کے معانی مختلف ہو گئے ہیں، کم از کم تین معنوں میں اس کا استعمال عام ہے:

(۱) وہ بات جس کا واقع ہونا قطعی ہو۔

(۲) وہ بات جو عقل کے نزدیک مسلّم ہو۔

(۳) وہ بات جو اخلاقاً فرض ہو۔"

گویا تواصی بالحق چھوٹے چھوٹے اخلاقی فرائض کی ادائیگی کی تلقین سے لے کر عقل کے جملہ مسلّمات اور کائنات کے جملہ حقائق کی تبلیغ واشاعت، حتیٰ کہ اس "دین الحق" کی شہادت اور اقامت تک پر حاوی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں:

"اس سے معاملے کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و سیاست کے ناممکن ہے اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں۔"

اب صرف ایک مرحلہ اور باقی ہے یعنی یہ کہ تواصی بالحق لازماً تواصی بالصبر کو مستلزم ہے۔ صبر اوّل تو خود حق پر قائم رہنے کے لیے لازمی ہے اس لیے کہ حق پر خود

م رہنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ طرح طرح کے لالچ (TEMPTATIONS) اور
ں کے مرغوبات کی کشش کے مقابلے میں انسان اپنے آپ کو تھام کر رکھے اور قسم ہا قسم
ے نقصانات اور موانع و مشکلات کے مقابلے کے لیے تیار رہے۔ لیکن تواصی بالحق کے
ام پر آنے کے بعد تو صبر و ضبط اور ثبات و استقامت کے عظیم امتحانات سے گزرنا
زیر ہو جاتا ہے۔

عام مشاہدے کی بات ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا اقرار و
اعلان بھی بسا اوقات صبر و ضبط کے عظیم امتحان کی
صورت اختیار کر لیتا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ حقیقت پر
استقامت بسا اوقات ہاتھ میں دہکتے ہوئے انگارے
پکڑنے کے مترادف ہو جاتی ہے تو خود ہی تصور کیجیے کہ عقل
کے جملہ مسلمات اور کائنات کے عظیم حقائق کی تبلیغ و اشاعت
کیسے کچھ صبر و استقامت کی متقاضی ہو گی!

س پر مستزاد یہ کہ ادائے حقوق کا مطالبہ کیا جائے! اور عدل و انصاف کے قیام کی دعوت
ی جائے!! آپ کسی کو کسی چھوٹے سے چھوٹے اخلاقی فرض کی ادائیگی کی تلقین کر کے
یکھیے کہ کیسے چہروں کے رنگ متغیّر ہوتے ہیں اور تیوریاں بل کھا جاتی ہیں۔ کسی کو کسی کا
غصب شدہ حق واپس کرنے کو کہہ کر دیکھیے کہ کیسی ناگواری (RESENTMENT) کا
سامنا آپ کو کرنا پڑتا ہے۔ کسی مظلوم کی حمایت میں ایک جملہ منہ سے نکال کر دیکھیے کہ
کیسے آپ خود بخود ظالم کے حریف اور مدِ مقابل بن جاتے ہیں! تو خود ہی غور فرمائیے کہ
تمام اخلاقی فرائض کی ادائیگی کی تلقین، نظامِ عدل و قسط کے قیام کی دعوت

اور پورے "دینِ حق" کی اقامت کا مطالبہ ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے !!

یہ بات کہ حق کی دعوت دی جائے اور باطل اس کے مزاحم نہ ہو، میزانِ عدل و قسط کو قائم کرنے کا مطالبہ ہو لیکن ظالم اور غاصب خاموش رہیں، صرف ایک صورت ہی میں ممکن ہے اور وہ یہ کہ داعیانِ حق در پردہ باطل کے ساتھ مفاہمت و مصالحت (COMPROMISE) کیے ہوئے ہوں اور پورے حق کے بجائے اس کے صرف ان اجزاء کی "تبلیغ" میں مصروف ہوں جو وقت کے جباروں اور قہاروں کو بے ضرر معلوم ہو۔ ورنہ تو داعی بالحق کے تو ہر مرحلے میں ابتلا ناگزیر ہے اور اس کوچے میں ہر قدم ایک نئی آزمائش اور ہر لحظہ ایک نیا امتحان لے کر آتا ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا !

اس مرحلے پر اہلِ حق کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ اپنے اپنے حوصلوں اور قوتوں کا تمام اثاثہ، اور صلاحیتوں اور توانائیوں کی تمام پونجی ایک جگہ مجتمع کر دیں اور ایک دوسرے کے دست و بازو بن کر، خود صبر کرتے اور دوسروں کو صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے یعنی یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا[1] کی مجسّم تفسیر بن کر بنیانِ مرصوص کی شکل اختیار کر لیں۔ اس منزل پر افراد کے قدم جمنے محال ہیں اور اجتماعیت ایک ناگزیر ضرورت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق اور صبر کی وصیت کو یہاں تفاعل کے صیغے میں بیان کیا گیا، اور "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" میں ایک جماعتی زندگی کی اہمیت کی جانب لطیف اشارہ فرما دیا گیا۔ !! مولانا فراہی

---

[1] ترجمہ: "اے ایمان والو صبر کرو، مقابلے میں ثابت قدم رہو اور چوکس و کمر بستہ رہو۔" (آل عمران : ۲۰۰)

کی تفسیر سورۃ العصر سے جو اقتباس اُوپر درج کیا گیا، اس میں آپ آگے فرماتے ہیں:

"..... اور خلافت کا قیام چونکہ اطاعتِ امیر پر منحصر ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اطاعت بھی موجود ہو"

(۷)

اُوپر کی تشریحات سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر چار مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ اور ایک سیدھی شاہراہ کی چار منزلیں ہیں۔ ان کے آپس کے ربط و تعلق کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایمان دراصل ایک بیج کے مانند ہے، جس سے عملِ صالح کا پودا پھوٹتا ہے اور جب یہ پودا اپنی پختگی کو پہنچتا ہے تو تواصی کے برگ و بار لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید اکثر و بیشتر ایمان کے ساتھ اس کے اوّلین نتیجے یعنی عملِ صالح کا تذکرہ لازماً کرتا ہے، لیکن کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف ایمان کے تذکرے سے ان چاروں کو مراد لے لیا گیا ہے جیسے اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا[1] .... الآیۃ میں جہاں ایمان کے بھی صرف اصل الاصول یعنی ربوبیتِ خداوندی کے اقرار کا تذکرہ فرمایا گیا اور ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا میں عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سب کو سمیٹ لیا گیا اور کہیں ایمان کے بعد عملِ صالح کے ذکر کے بغیر تواصی کا تذکرہ فرما دیا گیا جیسے سورۃ البلد میں ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے فوراً بعد فرمایا گیا کہ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ۝

واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم صلاح و فلاح کے جس راستے کی جانب رہنمائی کرتا ہے یہ چار چیزیں اس کے لیے بمنزلہ اساس کے ہیں اور ان ہی کی تشریح اور ان کے مدارج و مراتب کی تفصیل قرآن کے صفحات میں جا بجا پھیلی ہوتی ہے۔

---

[1] ترجمہ: "جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اس پر جم گئے... الخ (حٰم السجدۃ: ۳۰)

پھر جس طرح ایمان کے ابتدائی مراحل سے لے کر صدّیقیت کے مقام تک بےشمار مدارج ہیں اور عملِ صالح موٹے موٹے اعمال سے شروع ہو کر ایک گھنے اور بار دار درخت کی طرح انسانی زندگی کے جملہ اطراف حتیٰ کہ اس کے بعید ترین گوشوں (REMOTE CORNERS) تک پر محیط ہو جاتا ہے، اسی طرح تواصی بالحق کے بھی مختلف مدارج اور مراتب ہیں۔ اس کی ابتدائی اور اوّلین صورت 'تواصی بالمرحمۃ' کی ہے جس کے مواقع ہر انسان کو ہر وقت ملتے ہیں اور جس کی صلاحیت سے بھی شاذ ہی کوئی انسان محروم رکھا گیا ہے[1]۔ اس سے بلند تر مرتبے میں تواصی بالحق، دعوت الی اللہ، اور 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' کی صورت اختیار کرتا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہی تواصی بالحق کا شجرۂ طیبہ شہادتِ حق، اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کی سعی و جہد کے برگ و بار لاتا ہے جن کا "ذروۂ سنام" جہاد فی سبیل اللہ ہے! صبر ان تمام مراحل میں انسان کا سب سے بڑا سہارا ہے اور تواصی بالحق کے اعلیٰ مدارج میں تو اس کو ایک اجتماعیت میں سمو کر تواصی بالصّبر کی شکل دینے کے سوا کوئی چارۂ کار رہتا ہی نہیں!

ایمان عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر کے ان تمام مدارج تک ہر انسان کا پہنچنا یقیناً محال ہے۔

لیکن اگر کسی انسان کی شخصیت کو کوئی اخلاقی یا روحانی بیماری
گھن کی طرح کھا نہ چکی ہو تو لازم ہے کہ ایمان کا تخم
جب اس کی کشتِ قلب میں جم کر پھوٹے تو اس سے

---

[1] یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ کا ذکر ہمیشہ انسان کی اخلاقی پستی کی انتہائی علامت (SYMBOL) کے طور پر کرتا ہے۔

عملِ صالح اور تواصی بالحق کی متناسب اور متوازن شافیں نمودار ہوں۔

ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی جو ایمانیات کے بھی مبادی تک ہی رسائی رکھتا ہو اور شریعت کے موٹے موٹے احکام پر عمل پیرا ہو، اگر صرف تواصی بالمرحمۃ ہی تک پہنچ پائے تو یقیناً کوئی غلط بات نہیں، لیکن اگر صورت یہ ہو جائے کہ ایمان بالغیب کو ایمانِ شہودی بنانے کے لیے تو ریاضتوں اور مجاہدوں پر ایڑی چوٹی کا زور صرف ہو رہا ہو، اور عبادات میں نوافل کی کثرت کے ساتھ مستحبات تک کا اہتمام باریک بینی اور چھان پھٹک کے ساتھ ہو رہا ہو لیکن تواصی بالحق تو سرے سے ہی نہ ہو، یا ہو بھی تو محض وعظ و نصیحت کی حد تک، تو یہ یقیناً ایک غلط صورتِ حال ہے۔ اور مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کی خبر دے کر جس کی طاعت و عبادت کا یہ حال تھا کہ فرشتوں نے خدا کے حضور اس کے بارے میں گواہی دی کہ اِنَّہٗ لَمْ یَعْصِكَ طَرْفَةَ عَیْنٍ (اس نے تو پلک جھپکنے جتنا وقت بھی کبھی تیری نافرمانی اور معصیت میں بسر نہیں کیا) لیکن جس کے اس جرمِ عظیم نے کہ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ[1] (یعنی اللہ کے معاملے میں اس کی بے غیرتی اور بے حمیتی کا یہ عالم رہا کہ اس کے حدود کو پامال ہوتے دیکھ کر کبھی اس کے چہرے کا رنگ شدّتِ غیرت سے متغیّر نہ ہوا) اس کو عذابِ الٰہی کا اوّلین مستحق بنا دیا۔ اس معاملے کی ایک انتہائی (EXTREME) صورت ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔

پھر اسی طرح یہ صورتِ حال بھی یقیناً غلط ہی نہیں انتہائی مہلک ہے کہ تواصی بالحق کے تو بلند ترین درجات پر فائز ہونے کی سعی کی جائے اور بزعمِ خویش اعلائے کلمۃ اللہ، اقامتِ

---

[1] رواہ البیہقی

دینِ الٰہی اور قیامِ نظامِ اسلامی کی جدوجہد کی جائے لیکن عبادات میں محض فرائض کی ادائیگی ہو اور وہ بھی مارے باندھے سے! اور ایمان کے باب میں صرف چند کلامی نظریات پر اکتفا کر لی جائے!

اِن دو انتہائی صورتوں (EXTREMES) کے درمیان اور بھی جتنی غیر متوازن صورتیں پائی جائیں سب کی سب غلط اور مہلک امراض کی علامات!

> سورۃ العصر انسان کیلئے نجات کی جس واحد راہ کی نشاندہی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنی اپنی صلاحیت اور وسعت و ہمت کے مطابق ایمان کی گہرائیوں تک رسائی کی کوشش کرے اور جتنا جتنا اُس کی حلاوت اور چاشنی سے حصّہ حاصل کرتا جائے، اُسی قدر عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر عمل پیرا ہوتا چلا جائے۔

رہا یہ مسئلہ کہ مختلف انسانوں کی صلاحیّت اور وسعت کا تعین کس طرح ہو تو اگرچہ اکثر لوگوں کو شیطان نے دین میں ان کی بے عملی کے لیے یہی عذر سجھا رکھا ہے کہ ہمارے اندر صلاحیت اور قابلیّت موجود نہیں، لیکن اس کا سیدھا سا پیمانہ جو ہر شخص کے ساتھ ہر دم موجود ہے، یہ ہے کہ دنیا میں اس کی صلاحیّت اور قابلیّت کا ظہور کس درجے میں ہو رہا ہے۔ ایک ایسا بائس و مسکین شخص جس کی ہمّت دنیا کی دوڑ میں بھی جواب دے چکی ہو اگر دین میں عذر پیش کرے تو یقیناً اس کا عذر قابلِ قبول ہے لیکن ایسے لوگ جو دنیا کے سارے کاروبار میں دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہوں، اگر دین کے معاملے میں عدمِ صلاحیت اور فقدانِ قابلیت کے عذر پیش کریں تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ عذر کسی درجے میں بھی لائقِ اعتنا نہیں ۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝

الہدیٰ قسط: ۷۵

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۷۴

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار یا انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۲)

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ!

بدقسمتی سے تزکیۂ نفس کے ضمن میں ہمارے صوفیاء نے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں' وہ طریقِ نبویؐ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ہماری ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی رہی کہ دورِ صحابہؓ کے بعد ہمارے ہاں اس وحدتِ فکر و عمل میں بتدریج زوال آتا چلا گیا جو دورِ خلافتِ راشدہ کا طرۂ امتیاز تھی۔ کچھ لوگ قانون اور فقہ کے ماہر بن گئے اور کچھ نے تزکیۂ نفس کے میدان کو اختیار کر لیا۔ اس طریقے سے مختلف گوشوں میں یہ تمام امور بڑھتے چلے گئے اور ہر گوشہ اپنے ہی انداز میں ترقی کرتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس طرح وہ وحدتِ فکر و عمل جو قرآن مجید نے عطا کی تھی' مجروح ہوئی۔ چنانچہ تزکیۂ نفس کے معاملے میں نہ معلوم کہاں سے یہ نظریات لئے گئے اور کہاں سے یہ نفسیاتی ریاضتیں اور مشقتیں اخذ کی گئیں کہ جن کے ذریعے سے تصفیۂ باطن' تزکیۂ نفس اور تربیتِ روحانی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ میں گہرے احساس کے ساتھ اور علیٰ وجہ البصیرت یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس میدان میں طریقِ نبویؐ سے کچھ زیادہ ہی دوری ہوتی چلی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تربیت اور اسلوبِ تزکیہ اس سے بہت مختلف تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تزکیۂ نفس کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا، وہ یہی تھا کہ پہلے اس قرآن کے ذریعے سے فکر کی تطہیر کی جائے، نقطۂ نظر اور سوچ کی اصلاح کی جائے، نتیجۃً غلط اعمال پت جھڑ کے پتوں کی طرح ازخود جھڑ جائیں گے۔ یا جیسے اس درخت کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو۔ یہ ہے تزکیے کا عمل اور جان لیجئے کہ قرآن مجید ہی درحقیقت اس عملِ تزکیہ کا بھی محور ہے۔ "تلاوتِ آیات" کی طرح تزکیے کی اساس اور بنیاد بھی یہی قرآن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس معاملے میں جو طریقے اختیار کئے گئے ان میں بالعموم قرآن حکیم کو نظرانداز کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تلخ حقیقت کی جانب اپنے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے: ؎

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دِلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

کہ اس عملِ تزکیہ کا سارا تعلق قرآن حکیم سے تو کٹتا چلا گیا اور صوفیوں کا حال بالعموم یہ ہو گیا کہ عراقی یا اس قبیل کے دیگر شعراء کے اشعار سے تو ان کے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن کو سن کر ان کی آنکھیں پُرنم نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعے سے اندرونی کثافتوں اور کدورتوں کی صفائی کرنے کا جو طریقہ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، وہ متروک ہوتا چلا گیا اور تزکیے کا عمل جو درحقیقت براہِ راست نتیجہ تھا "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" کا، اسے اس کی اصل سے کاٹ دیا گیا۔ علامہ اقبال نے بعض حقائق کی تعبیر بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور اس اعتبار سے میری گفتگو میں ان کا بار بار حوالہ آ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زاں کہ اُوگم اندر اعماقِ دل است

ابلیس کو قتل کر دینا اور اس کو بالکل ختم کر دینا بڑا مشکل کام ہے، اس لئے کہ وہ تو لوگوں کے وجود کے اندر سرایت کر جاتا ہے، دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اس

حدیثِ نبویؐ کا ترجمہ یا ترجمانی ہے کہ جس میں حضورؐ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ

"بے شک شیطان تو انسان کے وجود کے اندر اس طرح جاری و ساری ہو جاتا ہے، جیسے (اس کی رگوں میں) خون دوڑتا ہے"۔

اس کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں بھی درحقیقت ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اس پر صحابہؓ میں سے واقعتہً کسی نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا کہ حضورؐ کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہے، لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ

ع خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی

یعنی بہتر یہ ہے کہ تم اس شیطان کو مسلمان کر لو! لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ:

ع کشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی !

اسے قرآن کی شمشیر سے قتل کرو۔ تمہارے اندر اگر غلط خیالات، غلط رجحانات، غلط جذبات اور غلط شہوات پیدا ہو رہی ہیں تو یہ درحقیقت تمہاری غلط سوچ و فکر اور تمہارے نقطۂ نظر کے کج ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ قرآن ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہاری سوچ کو صحیح کرے گا، تمہارے نقطۂ نظر کو درست کرے گا، اور تمہارے نظامِ اقدار (VALUE SYSTEM) کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ کہ جس سے تمہاری شخصیت میں انقلاب آئے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط عادات اور غلط افکار کے دھبّے تمہاری شخصیت سے خود بخود دور ہوتے چلے جائیں گے۔ اور باطن کے اس انقلاب کے بعد ہی تم اس قابل ہو سکو گے کہ خارج میں بھی انقلاب برپا کر سکو!

میں یہاں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انقلابی عمل میں قرآن حکیم کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس کو بڑے ہی اجمال کے ساتھ مولانا

حالی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے کماحقہٗ سمجھا ہے اور اس کا ادراک کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان جس طرح ہمیں ان کے ہاں ملتا ہے' وہ اس دَور کے کسی اور شخص کے ہاں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُولا یزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ دردل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو
زندہ و پائندہ و گویاست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود

ان اشعار میں سے آخری شعر میں علامہ اقبال نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے' اس کے اندر ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے' اس کی سوچ' اس کا فکر' اور اس کے نظریات بدل جاتے ہیں' اس کی اقدار' اس کا نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب گویا کہ وہ مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان ہے۔ اور اس کے اندر سے جو یہ تبدیلی ابھری ہے' یہی درحقیقت صحیح طور پر خارج میں ایک تبدیلی برپا کرے گی۔ اور اس طرح تمام غلط رویے اور تمام غلط اعمال خود بخود ختم ہوتے چلے جائیں گے' کیونکہ اندر سے ان کو غذا دینے والی جڑیں جو ہیں وہ اب کاٹی جا چکی ہیں۔

تعلیمِ کتاب

تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد تیسرا مرحلہ "تعلیمِ کتاب" کا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

"وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب کی"۔

یہاں ایک بات نوٹ کر لینی چاہئے کہ جیسا کہ آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے "تلاوتِ آیات" میں بھی پیشِ نظر قرآن ہے۔ لیکن یہاں پھر جو کتاب کا لفظ آیا ہے تو اس میں یقیناً قرآن مجید کا کوئی دوسرا پہلو پیشِ نظر ہے۔ اس طرح مختلف الفاظ سے قرآن مجید ہی کے مختلف گوشوں یا مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "کتاب" بالعموم قانون کے لئے آتا ہے مثلاً کسی چیز کے وجوب اور فرضیت کا بیان "کُتِبَ" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا: **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ** --- "تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا"۔ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ** --- "تم پر قتال فرض کر دیا گیا"۔ ایسے ہی وصیت کے وجوب کے بارے میں جو ابتدائی حکم تھا اس کے الفاظ ہیں: **كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ** --- "تم پر واجب کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ کر جا رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لئے وصیت کر جائے!" کہیں آتا ہے: **حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ** --- "یہاں تک کہ قانون اپنی اصل مدت کو پہنچ جائے"۔ تو لفظ "کتاب" کا اطلاق اس کی پوری ہمہ گیریت کے ساتھ پورے قرآن مجید پر بھی ہوگا۔ لیکن جب قرآن کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جا رہے ہوں تو "کتاب" سے مراد قوانین اور احکام ہوں گے۔ چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ میں انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لئے مختلف الفاظ آ رہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا: "**يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ**" اور یہاں "تلاوتِ آیات" سے مراد لازمی طور پر قرآن حکیم ہی کی آیات کی تلاوت ہے۔ اس کے بعد "**يُزَكِّيْهِمْ**" کے الفاظ میں تزکیۂ نفوس کا ذکر کیا گیا جو اسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ پھر "**يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ**" میں جو لفظ "کتاب" دوبارہ آیا ہے تو واقعہ

یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد احکامِ شریعت (DOs AND DON'Ts) ہیں۔ یعنی یہ کرو اور یہ نہ کرو! یہ حلال ہے اور یہ حرام!

احکامِ شریعت میں حکمتِ تدریج

حلال و حرام کے احکام دینے میں یہ تدریج اور ترتیب برقرار رکھی گئی ہے کہ انہیں قلوب و اذہان کو بدلے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ جب ذہن و فکر کی تبدیلی عمل میں آ چکی' دلوں کی دنیا میں ایمان جاگزیں اور راسخ ہو چکا اور بنیادی طور پر بُرے کردار اور بُرے اخلاق سے انسان کا دامن صاف ہو چکا تو اب یوں سمجھئے کہ گویا زمین میں ہل چل چکا ہے اور وہ بیج ڈالے جانے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اب بیج ڈالیں گے تو وہ بیج بار آور ہو گا' نتیجہ خیز ہو گا۔ زمین کو تیار کئے بغیر بیج ڈال دیا جائے تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ جب "يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" کا عمل کیا جا چکا اور تزکیے کے بنیادی تقاضے پورے ہو چکے تب کہا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! اور اس وقت ہر حکم کو پوری خوش دلی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ غور کیجئے کہ قرآن میں پہلے ہی حلال اور حرام کے احکام کیوں نہیں آ گئے اور ان کا نزول اتنی دیر کے بعد کیوں ہوا؟ یا پورا قرآن یک دم کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ اس کی وجہ یہی حکمتِ تدریج ہے۔ پہلے وہ آیات اور سورتیں اتریں جنہوں نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ہل چلایا اور اس میں سے کثافتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا' ایمان کی بنیادوں کو استوار کیا' نتیجۃً بنیادی انسانی اخلاق پروان چڑھے اور گندگیوں سے سیرتیں پاک ہو گئیں۔ اس طرح جب یہ زمین پوری طرح تیار ہو گئی تو اس میں بیج ڈالا گیا۔ اور یہ بیج خوب بار آور ہوا۔ یہ ہے وہ حکمت اور تدریج کہ جو قرآن مجید نے اپنے نزول میں ملحوظ رکھی' یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے نازل کرنے والے نے اس کے نازل کرنے میں پیشِ نظر رکھی۔ اور اسی حکمت اور اسی تدریج کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب برپا کیا۔

یہ اسی کا مظہر ہے کہ ذہنی و قلبی تربیت کے بعد صحابہ کرامؓ کو جو بھی حکم دیا گیا وہ انہوں نے بلا تامل قبول کیا۔ انہیں جس چیز کے چھوڑنے کا کہا گیا وہ انہوں نے فوراً ترک کر دی۔ غور کیجئے کہ شراب جیسی چیز جسے طبی دنیا میں بھی "HABIT MAKING" مانا جاتا ہے اور جو انسان کے پورے جسمانی نظام کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتی ہے کہ

پھر اس کا دفعتاً چھوڑ دینا نقصان دہ ہو سکتا ہے' جب اس کی حرمت کا حکم آتا ہے تو قرآن مجید اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز دیکھئے کہ شراب کا جام اگر کسی کے ہونٹوں تک بھی پہنچا ہوا تھا تو اس کا ایک گھونٹ اس کے اندر نہیں گیا۔ شراب کی حرمت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کے تمام برتن توڑ دیے گئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ نکلیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کہ گھٹی میں شراب تھی' جن کے ہاں شراب کا بالکل وہی تصور تھا جو آج آپ کو مغربی تہذیب میں نظر آتا ہے کہ پانی تو پانی ہے' لیکن پینے کی اصل شے شراب ہے۔ شراب ان کی تمدنی زندگی کا جزوِ لاینفک تھی' شراب پیتے ہوئے ان کی ساری ساری عمریں بیت گئی تھیں' شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی' لیکن جب شراب کی حرمت کا حکم آگیا تو انہوں نے اس کو کسی توقف کے بغیر چھوڑ دیا' اور اس شان کے ساتھ چھوڑا کہ پھر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ درحقیقت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔اور اس معجزے کی بنیاد یہی تدریج اور حکمت ہے۔ احکام کی تنفیذ سے پہلے ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ (**وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ○**) انہیں اللہ کی ذات اور آخرت پر یہ پختہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جہاں تمام اعمال کی جوابدہی ہوگی اور یہ کہ اصل زندگی آخرت کی ابدی زندگی ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو چکا تو اب کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب سُود کی حرمت کا حکم آیا تو اس کے لئے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارت کے ساتھ اس کی ظاہری مشابہت کی بناپر اگر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ "**اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا**" تو جواب صرف یہ دیا گیا: "**اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**" کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربٰو کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کو مانتا ہو اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں' تو اب اس کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برعکس امریکہ میں بڑے ٹھوس اعداد و شمار کی بنیاد پر شراب پر پابندی عائد

کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ شراب نوشی کے نقصانات گنوائے گئے۔ بتایا گیا کہ ٹریفک کے حادثات اکثر و بیشتر اسی شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ کسی ذمہ دار افسر کو شراب کے نشے میں مست کر کے جاسوس حسینائیں اس سے قومی اہمیت کے بڑے بڑے راز اگلوا کر لے گئیں۔ لیکن اس طرح کے متعدد حقائق بیان کرنے اور پورے اعداد و شمار مہیا کرنے کے بعد بھی جب اس پر پابندی عائد کی گئی تو یہ سارے اعداد و شمار، یہ سارا فلسفہ اور سارے طبی اور سائنسی حقائق دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور ع "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے مصداق پابندی کا یہ حکم قبول نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حکم واپس لینا پڑا اور شراب کی حلت کو پھر سے تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا اس کے PROCESS میں ہمیں ایک تدریج نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلے کتابِ الٰہی کی تلاوتِ آیات اور پھر اسی کے ذریعے سے تزکیۂ نفوس کے بعد تعلیمِ کتاب یعنی احکامِ شریعت کی تعلیم اور تنفیذ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر اب اوامر و نواہی، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پوری فہرست دے دی گئی اور اس کی تنفیذ بھی ہو گئی۔

تعلیمِ حکمت

انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کا آخری مرحلہ "تعلیمِ حکمت" کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"۔ "حکمت" کا لفظ اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے ضمن میں آیا تھا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ"۔ اس مقام پر لفظ "حکمت" پر گفتگو کی گئی تھی اور عرض کیا گیا تھا کہ عربی میں "ح ک م" کا مادہ بنیادی طور پر کسی شے کی پختگی اور استحکام کے لئے آتا ہے۔ حکمت انسانی عقل اور شعور کی پختگی ہے۔ انسان کے اندر غور و فکر کی جو استعداد ہے اس کا پختہ (MATURE) ہو جانا اور اس میں اصابتِ رائے کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا حکمت ہے۔ اور یہ انسان کی صلاحیتوں میں بلند ترین چیز ہے۔ عام تعلیمی نظام میں بھی تربیتِ انسانی کے نقطۂ نظر سے یہ تدریج ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ کسی بچے کو آپ پہلے تاریخ کے واقعات کا مطالعہ کروائیں گے اور اس کو یاد کروائیں گے کہ فلاں فلاں واقعات کب اور کیسے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرحلہ "فلسفۂ تاریخ" کا آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فلاں قوم کو شکست کیوں ہوئی، فلاں

تہذیب کو عروج کیوں حاصل ہوا اور فلاں تمدن زوال پذیر کیوں ہوا؟ وغیرہ۔ اسی طرح آپ جغرافیہ میں پہلے یہ پڑھائیں گے کہ فلاں ملک کی آب و ہوا کیا ہے' وہاں کی زرعی پیداوار کیا ہے اور وہاں کون کون سے معدنی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طبیعی جغرافیہ (PHYSICAL GEOGRAPHY) میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ یہ تغیرو تبدّل کیوں ہے؟ یہ موسم اس طرح کیوں بدلتے ہیں؟ فلاں جگہ یہ چیز کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اور فلاں خطے میں یہ معدنیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو درحقیقت یہ "کیوں اور کیسے؟" ہر گوشۂ علم میں چوٹی کی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دین کا معاملہ ہے۔ انسانی ذہن اور شعور تربیت پا کر وہ پختگی حاصل کر لیں کہ انسان دین کے "کیوں اور کیسے" کو سمجھ سکے تو یہ "حکمت" ہے۔ فاتح دورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃُ اللّٰہِ البالغۃ" کا موضوع یہی حکمتِ دین ہے کہ احکامِ شریعت میں کیا حکمتیں ہیں' ان کے کیا مقاصد ہیں۔

دین پر عمل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی ہے۔ "سمع و طاعت" اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

Theirs not to reason why?

Theirs but to do die!

لیکن اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ بصیرتِ باطنی اور "Enlightment" پیدا ہو جائے کہ جس سے نظر آنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے' اس کی حکمتیں کیا ہیں' اس کی غرض کیا ہے' اس کی علت کیا ہے' اس کی مصلحتیں کیا ہیں! انسان کے اپنے مفاد میں اور نظامِ اجتماعی کے اپنے مصالح کے اعتبار سے دین کے ان احکام کی کیا اہمیت اور کیا مقام و مرتبہ ہے!! اس مرحلے پر پہنچ کر حکم بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک نعمت معلوم ہونے لگتا ہے۔ تب شریعت کے اوامر و نواہی طبیعت کے لئے کسی ناگوار کیفیت کے حامل نہیں رہ جاتے' بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہونے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں شریعت کو نعمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے: **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ**"۔ یعنی یہ اللہ کا انعام ہے کہ اس نے تمہیں تمام پیچیدہ اور پر پیچ راہوں میں ایک درمیانی راہ "صراطِ مستقیم" عطا فرما دی اور ایک متوازن

اور معتدل نظام تمہیں عطا فرمایا۔ یہ سراسر انعامِ خداوندی ہے۔ اور اس نعمت کا اتمام ہوا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ سورۃ البقرہ میں اس "حکمت" کے بارے میں فرمایا گیا: "وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" کہ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیرِ کثیر سے نواز دیا گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے۔ اور اللہ کا اس شخص پر بہت ہی بڑا احسان ہے جسے اس نے حکمت سے نوازا ہو۔ علامہ اقبال نے اسے "اسرارِ دین" سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن

تو حکمتِ دین کی تعلیم اور اس کا عام کیا جانا انقلابِ نبوی کے اساسی منہاج میں چوٹی کا معاملہ ہے۔ گویا یہ اس کا مرتبۂ کمال اور نقطۂ عروج ہے۔

فرد اور معاشرے میں انقلاب کا لائحہ عمل

اب آپ ان چاروں اصطلاحات کو ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کے سامنے لائیے: (۱) يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (۲) وَيُزَكِّيهِمْ (۳) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (۴) وَالْحِكْمَةَ --- اور دیکھئے کہ انقلاب کے عمل میں ان کو بتدریج کیسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کا کوئی عزیز، کوئی نوجوان جو آپ کو محبوب ہے اور آپ پورے خلوص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ دین کی طرف آئے، یا یوں تعبیر کیجئے کہ اس میں دینی انقلاب برپا ہو جائے۔ اس کی کچھ عادات اور دلچسپیاں ایسی ہیں کہ جو آپ کی نظر میں کھٹکتی ہیں۔ اس کے صبح و شام کا رنگ کچھ بدل گیا ہے۔ آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے فکر اور اس کے ذہن کا جائزہ لیجئے کہ کہیں اس کے ذہن میں کوئی "برٹرینڈ رسل" تو نہیں ہے، وہاں کوئی "سارتر" اور اس کا فلسفۂ وجودیت تو مسلط نہیں ہے، کہیں کسی "فرائڈ" کے نظریات نے تو اس پر تسلط حاصل نہیں کر لیا، کہیں کسی اور کا نظریہ تو نہیں ہے کہ جو اس کے ذہن اور اس کے دل پر مستولی ہو گیا ہو۔ اگر آپ یہ تجزیہ نہیں کر سکتے اور اس کا مداوا نہیں کر سکتے، آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے اس کے دل میں نورِ ایمان، اللہ کا

یقین، آخرت کا یقین، جنت و دوزخ کا یقین اور وحی و رسالت کا یقین پیدا نہیں کر سکتے، تو جان لیجئے کہ آپ کی وہ ساری خواہش دھری رہ جائے گی اور اس کے اندر کوئی تبدیلی برپا نہ ہو سکے گی۔ وہ اگر سعادت مند ہے تو آپ کے سامنے چپ ہو جائے گا، گردن جھکا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے دباؤ کے تحت، جہاں آپ کے سامنے ہو، نماز بھی پڑھ لے لیکن اس کی فکر کچھ اور ہے، اس کی سوچ کچھ اور ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ!

اس کی فکر اور اس کی سوچ پر تو کچھ اور چیزوں کا تسلط ہو چکا ہے، جن میں کہیں نماز یا روزے کی گنجائش ہی نہیں۔ اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحبِ ایمان ہو، وہ وحی و رسالت اور کتاب کو مانتا ہو، اگر وہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو کیا حلال اور کیا حرام؟ اس کے ذہن میں کس چیز کے بارے میں فرض کا تصور قائم ہو گا اور کس چیز کو وہ ممنوع اور حرام سمجھے گا؟ یہ ساری چیزیں اس وقت تک بے بنیاد ہیں جب تک کہ ایمان دل کے اندر پیدا نہ کیا جائے۔ یہی ایک واحد راہِ عمل ہے کسی شخص کو بدلنے کی۔ اور یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس سارے عمل کا مرکز و محور قرآن حکیم ہے۔ اگر "تلاوتِ آیات" کے ذریعے سے اس میں ذہن و فکر کی تبدیلی آتی ہے تو اس کی بری عادتیں خود بخود بدل جائیں گی اور سب بری لتوں سے وہ خود بخود آزاد ہوتا چلا جائے گا۔ اور اب آپ کو ایک ایک چیز کے لئے علیحدہ علیحدہ دردِ سری مول لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وہ جڑیں کٹ جائیں گی جن سے ان عاداتِ فاسدہ کے پتوں کو فاسد غذا بہم پہنچ رہی تھی تو وہ خود بخود خشک ہو کر گر پڑیں گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ آپ اسے بتائیں کہ یہ ہے دین کا حکم، اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ اور یہ عمل مصنوعی نہیں ہو گا، بلکہ فطری ہو گا۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہے تو اسے مرتبۂ حکمت تک پہنچایئے۔ یہاں پہنچ کر اس کی شخصیت کو دین کے بارے میں جو ٹھہراؤ، تمکّن اور دوام حاصل ہو گا اس کے کیا ہی کہنے ہیں! ظاہر بات ہے کہ حکمت کا یہ مقام کچھ نرالا ہی مقام ہے۔ یہاں انسان گویا کہ اپنی بصیرتِ باطنی سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حق یہی ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دین میں کیا مقدم ہے، کیا مؤخر ہے۔ کس چیز کی حیثیت جڑ کی ہے اور کس کی فرع کی ہے۔ اب وہ اندھے کی طرح ٹامک ٹوئیے نہیں مار رہا ہوتا،

بلکہ وہ دین کی تمام اقدار کو ان کے صحیح مقام پر صحیح توازن و اعتدال کے ساتھ برقرار رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبۂ حکمت کہ جس کو عطا ہو گیا اسے خیرِ کثیر عطا ہو گئی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے تو یہ مضمون مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح کا معاملہ ایک فردِ نوعِ بشر کا ہے' بالکل اسی طرح ایک قوم یا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنے والے ایک مجموعۂ افراد کا ہے۔ ایک ہیئتِ اجتماعیہ سے منسلک ہونے والے افراد بھی مجموعی طور پر ایک فرد (Individual) ہی کی طرح کا رویّہ رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ایک فرد کے وجود میں دماغ قوتِ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے اور پورے وجود پر اثرانداز ہوتا ہے اسی طرح ایک ہیئتِ اجتماعیہ میں ایک "ذہین اقلیت" اس پورے مجموعۂ افراد پر اثرانداز ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دماغ میں پکڑنے کی طاقت نہیں ہے یہ طاقت ہاتھ میں ہے۔ لیکن پکڑنے کا حکم اسے دماغ سے ملتا ہے۔ ہاتھ کیا پکڑے اور کیا نہ پکڑے' اس کا فیصلہ بھی دماغ کرتا ہے۔ اسی طرح پاؤں چل سکتے ہیں' لیکن چلیں یا نہ چلیں' اور اگر چلیں تو کدھر جائیں کدھر نہ جائیں' اس کا فیصلہ دماغ کرے گا۔ نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد میں ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء و جوارح ہیں' لیکن ان سب کو دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ انسان کے دو ڈھائی من کے وجود میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے دماغ کو ایک حکمران کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جان لیجئے کہ کسی قوم' کسی معاشرے' کسی سوسائٹی' کسی کمیونٹی' یا کسی ہیئتِ اجتماعیہ میں جو ایک ذہین اقلیت (INTELLECTUAL MINORITY) یا "INTELLIGENTSIA" ہوتی ہے' جسے آپ "BRAIN TRUST" سے تعبیر کر سکتے ہیں اس پوری ہیئتِ اجتماعیہ کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں' لیکن یہ لوگ اپنے معاشرے' اپنی قوم اور اپنے ملک میں بالکل اسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ جو اہمیت ایک فردِ بشر میں اس کے اپنے دماغ کو حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہیں اور معاشرے کے رُخ کا تعین کرتے ہیں۔ باقی عوام الناس جو ہیں وہ اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ جدھر یہ رُخ کر لیں گے پورا معاشرہ ادھر رُخ کر لے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے دماغ کے فیصلے کے تحت پاؤں چلتے ہیں اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔

آپ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنا چاہتے ہیں' کسی قوم یا ہیئتِ اجتماعیہ کو

اسلام کے حق میں بدلنا چاہتے ہیں یا یوں کہئے کہ کسی جگہ بھی آپ اسلامی انقلاب برپا کر
چاہتے ہیں تو اس کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ انقلاب پر اساسی منہاج
یہی ہوگا کہ پہلے اس ذہین اقلیت کو تبدیل کیجئے۔ اگر اس کو آپ اسلام کے حق میں
CONVERT کرلیں اور اس میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے تو اس طرح اس
حلقے اور طبقے میں ایک ایسا مضبوط نیو کلیئس پیدا ہو جائے گا جس نے دین کی بنیادی اقدا
کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کیا ہوگا' نہ کہ محض اعتقادی طور پر صرف ایک "DOGMA
کی حیثیت سے۔ چنانچہ اس ذہین اقلیت اور "Brain Trust" کے تبدیلی قبول کرنے
سے مجموعی طور پر پورا معاشرہ تبدیلی قبول کر لے گا۔ ورنہ آپ عوام میں وعظ و نصیحت
کرتے رہیے تو اگرچہ اس سے عوام الناس کے اندر ایک رجوعِ عام بھی ہو جائے' تبدیلی
برپا نہیں ہوگی۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس چھوٹی سی مثال پر غور کر لیجئے کہ ہمارے ہاں کسی
زمانے میں ترقی پسند ادیبوں نے بعض اصطلاحات کا استعمال شروع کیا اور آج وہ
اصطلاحات ہمارے معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچ گئی ہیں۔ "استحصال" جیسا بھاری
بھرکم لفظ آج کسی تانگے بان اور کسی ریڑھی چلانے والے کی زبان پر آپ کے سننے میں
آئے گا' اس لئے کہ یہ عمل ان لوگوں سے چلا تھا جو اس ملک کے اندر غور و فکر کرنے
والے اور سوچ و بچار کرنے والے لوگ تھے۔ اس "ذہین اقلیت" نے ایک فلسفے کو قبول
کیا تھا اور پھر وہ فلسفہ اس معاشرے کے اندر سرایت کرتا چلا گیا۔ آپ کسی پارٹی کو تو
BAN کر سکتے ہیں' لیکن فکر پر کوئی قدغنیں عائد نہیں کی جا سکتیں' فکر کے لئے کسی
پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود پھیلتا ہے اور کسی ملک یا کسی
معاشرے میں اس کو قید و بند میں ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت کی دنیا میں جبکہ فاصلے
معدوم ہوگئے آپ کسی ملک یا خطۂ زمین کو محفوظ خطہ بنا کر نہیں رکھ سکتے کہ یہ فکر وہاں نہ
آنے پائے۔ اصل معاملہ فکر ہی کا ہے۔ اگر فکر بدلے گا' سوچ بدلے گی' تو انسان بدلے
گا۔ انسان کی انفرادی تبدیلی کے لئے بھی فکر کی تبدیلی لازمی ہے اور کسی معاشرے میں
انقلاب برپا کرنے کے لئے بھی فکر کی تبدیلی ناگزیر ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے فکری
بنیاد بھی قرآن حکیم سے مہیا ہوتی ہے اور اس کا پورا اساسی منہاج بھی قرآن حکیم ہی پر

بنی ہے۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود

جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اس ضمن میں بعض لوگوں کو یہ مغالطہ اور اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کیا اتنا عظیم انقلاب اور اتنی بڑی تبدیلی صرف ایک کتاب کے بل پر پیدا ہو جائے گی؟ میں انہیں دعوت دوں گا کہ ذرا نگاہ دوڑائیے' اس وقت اشتراکی نظام روئے ارضی کے کتنے بڑے حصے پر قائم ہے۔ پورے مشرقی یورپ' پورے شمالی ایشیا' بلکہ چین سمیت ایشیا کے اکثر و بیشتر حصے کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز ممالک میں یہ جو نظام قائم ہے اس کا سراغ لگائیے کہ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ یہ سب کارل مارکس کی کتاب داس کیپیٹل (Das Capital) اور اس کے فلسفے کا اثر ہے کہ ذہنوں نے جس کو قبول کیا اور ان پر اس کی چھاپ قائم ہوئی۔ اور یہ انقلابات درحقیقت اسی کی بنیاد پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے مارکس کے بارے میں کہا تھا ؏

"نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب"

اس کی بغل میں "کتاب" تھی' اور یہ بات کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو' کوئی اسے غلط سمجھے یا صحیح' لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سارے انقلابات درحقیقت اسی کتاب کا ایک ظہور اور اسی کتاب کا ایک بروز ہیں۔ تو ذرا سوچئے کہ ایک انسان کی ایک کاوش' اس کی تصنیف کردہ ایک کتاب اگر دنیا میں اتنے وسیع و عریض پیمانے پر اتنے وسیع و عریض خطے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے تو کیا کتاب اللہ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی؟ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کتاب کی طرف APPROACH درست ہو' اس کتاب کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہو' اس کتاب سے واقعۃً وہ کام لیا جائے کہ جس کے لئے وہ نازل کی گئی ہے' جس کے لئے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ' جس کے ذریعے سے افراد بدلے' ان کے اندر انقلاب آیا اور پھر انہوں نے ساری انقلابی جدوجہد سے گزر کر انقلاب محمدیؐ کی عملی تکمیل فرما دی۔ فصلّی اللہ علیہ وسلّم و رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

رُودادِ سفر

مشرقِ بعید میں سات دِن

امیرِ تنظیم اسلامی کے دَورۂ سنگاپور اور ملائشیا کی رپورٹ

مرتب: ڈاکٹر عبدالخالق، ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

امیر تنظیم اسلامی پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جنوب مشرقی ایشیا کے قلب میں واقع ملک ملائشیا کا یہ دوسرا دورہ تھا۔ گزشتہ سال کے اواخر میں امریکہ سے واپسی پر انہوں نے پہلی مرتبہ ملائشیا کا دورہ کیا۔ گزشتہ سال اور اس مرتبہ بھی اس دورہ کے اصل محرک اور میزبان ہمارے رفیقِ تنظیم جناب نعیم غفور شیخ صاحب تھے' اگرچہ چند دوسرے احباب نے بھی ان مواقع پر ان سے بھرپور تعاون کیا جس کا تذکرہ ان شاء اللہ رپورٹ کے دوران آ جائے گا۔ راقم الحروف کا تو بیرون پاکستان کا یہ پہلا سفر تھا۔

سنگاپور اور ملائشیا کے دورے کا مقصد

کسی بھی اسلامی انقلابی تحریک میں شامل یوں تو ہر فرد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ بین الاقوامی حالات سے کماحقہٗ آگاہی رکھتا ہو، خصوصاً مسلمان ممالک کے حالات اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کی سوچ و فکر' رہن سہن' طرزِ معاشرت اور سب سے بڑھ کر وہاں پر دین کے لئے کام کرنے والی جماعتوں اور تحریکوں سے واقفیت رکھنا اس کے مشن میں ممدّو معاون ہوتا ہے' لیکن ایسی کسی تحریک کے داعی کے لئے یہ امر تو گویا لابدّ منہ ہے۔ اور حالات سے آگاہی کے لئے یہ مقولہ کس قدر صحیح ہے کہ "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ!" اور دوسرے یہ کہ امیرِ محترم نے اپنی زندگی جس مقصد کے لئے وقف کر رکھی ہے' گویا ؏ میرا پیغام "قرآنی" ہے جہاں تک پہنچے، اس کا تجربہ بھی راقم کو اس سفر کے دوران خوب ہوا۔

☆ ☆ ☆

ملائشیا ـــــ تاریخی اور جغرافیائی حالات

ملائشیا کی آبادی قریباً پونے دو کروڑ ہے۔ آبادی کا تناسب کچھ یوں ہے کہ ۵۵ فیصد کے قریب ملایا کے قدیم باشندے ہیں جن کی اکثریت مسلمان ہے۔ باقی کے ۴۵ فیصد میں اکثریت

چینیوں کی ہے اور قریباً ۱۰ فیصد ہندوستانی ہیں۔ چینیوں کی اکثریت بڑے شہروں میں آباد ہے اور کاروبار پر پوری طرح چھائی ہوئی ہے۔ سرکاری محکموں میں ملائی لوگوں کو فوقیت حاصل ہے۔ چھوٹے شہروں اور دیہات میں چینی افراد کا تناسب ۱۰ تا ۲۰ فیصد ہے۔

یہ ملک خطِ استواء سے ذرا سا شمال میں واقع ہے لہٰذا یہاں کا موسم سال بھر ایک جیسا رہتا ہے' یعنی گرم مرطوب۔ درجہ حرارت ۲۱c اور ۳۱c کے درمیان رہتا ہے۔ سال بھر میں چار موسموں کا یہاں کوئی تصور موجود نہیں۔ بارشیں خوب برستی ہیں۔ نتیجۃً پورا علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ کئی علاقے تو گھنے جنگلوں پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر یہاں کے لوگوں نے یوں ادا کیا ہے کہ اس سرسبز اور شاداب علاقے کو ایک نظم میں پرو کر مزید جاذبِ نظر بنا دیا ہے۔

ملائشیا اپنی پوزیشن کے اعتبار سے ایک عرصہ تک مشرق و مغرب کی جانب سے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال رہا ہے۔ اس خطّہ میں اسلام کی آمد سے قبل ہندو اور بدھ مذاہب کا عمل دخل تھا۔ ۱۸۱۹ء میں یہ خطہ انگریزوں کے زیر اثر آگیا۔ تاہم دوسری جنگِ عظیم کے بعد جہاں انگریز کو برِّعظیم پاک و ہند کو آزادی دینا پڑی' وہیں ۱۹۵۷ء میں یہ خطہ بھی آزاد ہوگیا۔ ۳۱ر اگست ان کا یومِ آزادی ہے۔

قدیم زمانے سے یہ علاقہ ربڑ کی پیداوار کے لئے مشہور رہا ہے۔ تاہم اب مصنوعی ربڑ آ جانے کے بعد قدرتی ربڑ کی کھپت کم ہوگئی ہے' چنانچہ اب ربڑ کے درختوں کی جگہ پام کے درخت لے رہے ہیں' جن کے جنگل کے جنگل اگائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ لکڑی اور کاغذ کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ نباتات میں سے ٹن کی پیداوار بھی قابل ذکر ہے اور اب تو یہاں تیل بھی نکل آیا ہے۔

نظامِ حکومت پارلیمانی ہے۔ ریاست کا سربراہ سلطان ہوتا ہے' جو پانچ سال کے لئے ۱۳ میں سے ۹ ریاستوں میں سے باری باری مقرر ہوتا ہے۔ تعلیم عام ہے' ذریعۂ تعلیم ملائی زبان ہے' اگرچہ انگریزی زبان دوسرے لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ سرکاری مذہب اسلام ہے' اگرچہ دوسرے مذاہب پر عمل درآمد کی بھی مکمل ضمانت دی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

۲۴ر اگست کو علی الصبح چار افراد کا قافلہ' جو جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' جناب اسلم علوی صاحب (تنظیم اسلامی کے رفیق جن کا تعلق کراچی سے ہے)' شاہین نیازی صاحب (کراچی) اور راقم الحروف پر مشتمل تھا' پی آئی اے کی پرواز کے ذریعے لاہور سے سنگاپور کے

لئے روانہ ہوا۔ روانگی کا وقت چار بجے تھا۔ نماز فجر ہم نے جہاز کی سیڑھیوں کے پلیٹ فارم پر باجماعت ادا کی۔ جہاز کی روانگی میں کسی فنی خرابی کے باعث قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر ہوگئی۔ لاہور سے پرواز کے بعد ہندوستان اور برما کے اوپر سے گزرتے ہوئے ہم تقریباً ۱۰ بجے بنکاک کے ہوائی اڈے پر اترے، اگرچہ مقامی وقت کے مطابق ۱۲ بج چکے تھے۔ ایئرپورٹ انتظامیہ کی طرف سے لاؤنج میں جانے کی اجازت نہ ملی، لہٰذا جہاز کے اندر ہی قید رہے۔ دوبارہ پرواز کے بعد مقامی وقت کے مطابق قریباً ۵ بجے ہم سنگاپور کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر اتر گئے۔ اس ہوائی اڈے کی وسعت اور خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاز سے اترتے ہی جناب اے جے خان صاحب نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ موصوف اس ہوائی اڈے کی انتظامیہ کے چیئرمین ہیں۔ اپنی اصول پسندی اور محنت کی بنا پر دیارِ غیر میں پاکستان کا نام روشن کئے ہوئے ہیں۔ جناب نعیم غفور صاحب اور جناب کامران مسعود صاحب ہوائی اڈے کے باہر موجود تھے۔ امیگریشن کے ضوابط سے فارغ ہونے اور آدھ گھنٹہ کی ڈرائیو کے بعد ہم قریباً ۶ بجے کامران صاحب کے اپارٹمنٹ میں پہنچے۔ ویسے تو پورا سنگاپور ہی اپنی صفائی اور نفاست کے اعتبار سے مثالی ہے، تاہم کامران صاحب کا اپارٹمنٹ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ۱۸ ویں منزل پر واقع اس اپارٹمنٹ سے شہر کا نظارہ بھی خوب تھا۔ نماز مغرب کے بعد کچھ وقت کے لئے شہر کی سیر کی اور بعد ازاں نماز عشاء مسجد میں ادا کرنے کے بعد گھر کو روانگی ہوئی۔ صبح لاہور سے روانگی سے قبل رات بھر نیند نہ لے سکنے اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث مقامی وقت کے مطابق ۱۱ر بجے بستروں میں چلے گئے، اگرچہ پاکستانی وقت کے حساب سے ابھی ۸ر ہی بجے تھے۔

۲۵ر اگست صبح دس بجے الجمعیتہ الاسلامیہ سنگاپور کے ہال میں امیرِ محترم کا لیکچر تھا۔ اس ادارے کے پیشِ نظر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ چھٹی کا دن ہونے کے باعث امید تھی کہ بڑی تعداد میں لوگ اس لیکچر میں شریک ہوں گے، لیکن شرکاء کی تعداد ۷۵ سے زیادہ نہ ہو سکی، جس میں ۱۵ تا ۲۰ کے قریب خواتین بھی شامل تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کا خطاب انگریزی زبان میں تھا۔ موصوف نے ایمانِ قانونی اور ایمانِ حقیقی کا فرق اور ایمانِ حقیقی کے تقاضوں کو واضح انداز میں بیان فرمایا۔ خطاب کا دورانیہ ایک گھنٹہ تھا۔ بعد ازاں قریباً آدھ گھنٹہ سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ پروگرام کے اختتام پر مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس کے دوران بھی احباب سے گفتگو اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ جمعیۃ کے ناظم جناب ابوبکر صاحب خود بھی غالباً کسی مصلحت کے تحت تاخیر سے، اس گفتگو کے دوران ہی پہنچے۔ اس پروگرام کے انعقاد میں جناب کامران مسعود کی مساعی کو دخل حاصل رہا۔ یہاں سے

فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب تو جناب مسعود کامران صاحب کے اپارٹمنٹ تشریف لے گئے اور ہم تین حضرات نعیم غفور صاحب کے ہمراہ شہر کی سیر کو نکل گئے۔

نمازِ عصر کے فوراً بعد جناب مسعود کامران صاحب کے ہاں پاکستانی حضرات کا ایک اجتماع تھا۔ ۲۰ تا ۲۵ حضرات کے علاوہ ۵ تا ۷ خواتین بھی اس پروگرام میں شریک ہوئیں۔ ابتداءً باہمی تعارف سے آغاز ہوا۔ بعد ازاں سوال و جواب کی نشست منعقد ہوئی' جس کے دوران ایک سوال کے جواب میں' جو کہ علی اشرف کی طرف سے ہوا' امیرِ محترم نے "امتِ مسلمہ کا مستقبل" کے حوالے سے مفصّل گفتگو کی۔ اس کے علاوہ عطاء اللہ خان صاحب کی طرف سے بھی مفید سوالات آئے' جن کے جوابات سے حاضرین کو خاصی معلومات حاصل ہوئیں۔

نماز مغرب سے قبل مہمانوں کی پر تکلّف چائے سے تواضع کی گئی۔ یہ سارا انتظام جناب کامران مسعود صاحب نے کیا۔ کامران مسعود صاحب کا تعلق کراچی سے ہے۔ موصوف آج کل سنگاپور ایئرلائنز میں فلائٹ انجینئر ہیں۔ Contract Basis پر جناب کامران مسعود صاحب اور ان کے گھر والوں نے جس انداز سے ہماری خاطرمدارات کی وہ قابلِ ستائش ہے۔ انہوں نے ہمارے آرام کو اپنے گھر والوں کے آرام پر ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے اس ایثار کو ان کے اور ان کے گھر والوں کے لئے اجر کا باعث بنا دے۔ آمین!

اگلے روز یعنی ۲۶/ اگست بروز سوموار ۱۱ بجے ہم سب جناب نعیم غفور صاحب کے ہمراہ بذریعہ کار کوالالمپور کے لئے روانہ ہوئے۔ جس جگہ سے سنگاپور جوہربارو (ملائشیا کا ساحلی شہر) سے ملا ہوا ہے' وہاں سمندر کی چوڑائی ایک کلومیٹر سے بھی کم ہے۔ امیگریشن کے ضوابط سے فارغ ہونے میں ہمیں قدرے زیادہ وقت لگا۔ وجہ یہ تھی کہ جناب اسلم علوی صاحب کے پاسپورٹ کے ختم ہونے کی میعاد چھ ماہ سے کم رہ گئی تھی اور ملائشیا کے امیگریشن کے قانون کے مطابق یہ مدت کم از کم چھ ماہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ ڈیوٹی پر موجود سٹاف نے افسرِ بالا سے رجوع کرنے کا کہا۔ بہرحال اجازت ملنے میں زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

جوہربارو میں داخل ہوتے ہی ایک تبدیلی کا احساس ہوا کہ تمام بورڈ ملائی زبان میں تحریر تھے' جس سے ہم میں سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ جوہربارو شہر کے نام کے بارے میں بھی بعد میں معلوم ہوا کہ ملائشیا میں ساحلی شہروں کے ساتھ "بارو" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ بندرگاہ کی تبدیل شدہ شکل ہے۔ ایسا ہی ایک شہر کوٹہ بارو بھی ہے۔ یہاں سے ہم مختلف چھوٹے بڑے شہروں سے گزرتے ہوئے کوالالمپور کی طرف رواں دواں تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف میں زمین کا کوئی بھی ٹکڑا سبزے سے خالی نہ تھا۔ کہیں گھاس کے وسیع و عریض قطعے'

کہیں دور تک پھیلے ہوئے ربڑ اور پام کے درختوں پر مشتمل جنگلات، اور کہیں چاولوں کے سرسبز و شاداب کھیت۔ قدرتی مناظر سے بھرپور یہ سفر تقریباً چھ گھنٹے تک جاری رہا۔ راستے میں کھانے اور نماز کا وقت نکال لیا جائے تو گویا ۵ گھنٹے ہم نے کار ہی میں گزارے۔ ہائی وے بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ دو رویہ وسیع و عریض ہائی وے جدید تقاضوں کے مطابق تعمیر کی گئی ہے۔ ۷ بجے کے قریب ہم کوالالمپور میں جناب نعیم غفور صاحب کے گھر پہنچ چکے تھے۔

نعیم غفور صاحب کا گھر ایک اعتبار سے خالی تھا۔ ابھی دو روز پہلے ہی ان کی فیملی پاکستان منتقل ہو گئی تھی، بلکہ جس جہاز سے ہم سنگاپور پہنچے اسی جہاز سے ان کی فیملی پاکستان روانہ ہوئی۔ نعیم غفور صاحب ملائشیا ایئرلائنز میں فلائٹ انجینئر کے طور پر ملازم ہیں۔ تین سال پہلے Contract Basis پر ملائشیا ایئرلائنز سے وابستہ ہوئے، اسی دوران ہی ان کا تعارف تنظیم اسلامی سے ہوا۔ ان تین سالوں کے دوران ان کا مرکزی دفتر تنظیم اسلامی سے بھرپور رابطہ رہا اور مبتدی و ملتزم کورس انہوں نے اپنی اولین فرصت میں پورا کیا۔ اب تین سال مکمل ہو جانے کے بعد اگرچہ اس بات کا پورا امکان تھا کہ ان کے Contract میں توسیع ہو جاتی، لیکن نعیم غفور صاحب کے پیشِ نظر دین کے حوالے سے ایک اہم تر کام تھا، یعنی دینی تعلیم کا حصول۔ اس غرض سے انہوں نے فیصلہ کیا کہ Contract ختم ہونے کے بعد وہ پی آئی اے سے ایک سال کی چھٹی لے کر قرآن کالج لاہور سے ایک سالہ کورس کی تکمیل کریں گے۔ چنانچہ اب وہ ستمبر کے اوائل میں پاکستان منتقل ہو رہے ہیں اور یکم اکتوبر سے شروع ہونے والے کورس میں شریک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی و ایثار کو قبول فرمائے اور ان کے لئے حالات سازگار بنائے کہ وہ اس کورس کی تکمیل بحسن و خوبی کر سکیں۔

نعیم غفور صاحب کی اہلیہ ہمارے لئے پہلے ہی سے مختلف کھانے پکا کر فریز کر گئی تھیں۔ ہم نے آپس میں ڈیوٹیاں بانٹ لیں۔ چنانچہ کسی کی کھانا گرم کرنے کی ڈیوٹی لگی تو کسی کی ناشتہ بنانے کی۔ کبھی کسی کی چائے بنانے کی ڈیوٹی ہوتی، تو کسی کی برتن دھونے کی۔ تاہم اسلم علوی صاحب اور شاہین نیازی صاحب کو اس بات کا Credit جاتا ہے کہ باورچی خانے کے حوالے سے زیادہ تر ڈیوٹی ان دو حضرات نے ہی ادا کی۔ نعیم غفور صاحب والا کرایہ کا گھر اب ریاض رفیع صاحب نے لے لیا ہے اور ان کی فیملی کو دو ستمبر تک پاکستان سے وہاں پہنچ جانا تھا۔ چنانچہ اس دوران ریاض رفیع صاحب کی معیت بھی حاصل رہی، اگرچہ وہ اپنی ڈیوٹی کے حوالے سے زیادہ مصروف رہے اور پروگراموں میں بھی ان کی شرکت نہ ہو سکی۔

نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد کھانے کے انتظامات میں لگ گئے۔ تھکے ہوئے تو

تھے ہی، نماز عشاء سے فارغ ہو کر رات کا کھانا کھانے کے بعد فوراً آرام کے لئے لیٹ گئے۔

گزشتہ سال امیر محترم کے دورہ ملائشیا کے دوران مقامی ٹیلی وژن نے ان کے پندرہ پندرہ منٹ کے چھ لیکچر ریکارڈ کئے تھے، جو بعد ازاں ٹیلی وژن پر "Pedoman" پروگرام کے تحت دکھائے جاتے رہے۔ یہ لیکچر انگریزی زبان میں تھے۔ "Pedoman" ملائی زبان کا لفظ ہے، جس کا انگریزی مفہوم "Guidance" یعنی "رہنمائی" ہے۔ (واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دروس پر مشتمل پاکستان ٹی وی کا پروگرام "الہدیٰ" کا عنوان بھی قریباً اسی مفہوم کا حامل تھا۔) یہ پروگرام ہفتہ کے روز سوا پانچ بجے دکھایا جاتا ہے۔ یہاں پر ڈاکٹر صاحب کے اس پروگرام کو کافی پسند کیا گیا۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی پہلے سے ریکارڈنگ کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ اس پروگرام کی ریکارڈنگ ۲۷ر اگست کو صبح ۱۱ بجے طے تھی۔ اس مرتبہ پندرہ پندرہ منٹ کی چار تقریریں ریکارڈ کی گئیں (موضوعات تھے: راہِ نجات۔سورۃ العصر کی روشنی میں، حقیقی نیکی، سورۃ الفاتحہ اور مسئلہ تقدیر) نماز ظہر کے بعد اسی پروگرام کے تحت دو مختصر انٹرویو بھی ریکارڈ کئے گئے۔ انٹرویو لینے والے تھے جناب ڈاکٹر محمد عارف، جو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں اکنامکس کے شعبے میں ڈپٹی ڈین کے عہدہ پر فائز ہیں۔

بعد نماز عصر کچھ پاکستانی حضرات ملاقات کے لئے تشریف لے آئے، جن میں مبارک صاحب، اقبال صاحب اور معصوم صاحب شامل تھے۔ محمود صاحب بھی ان دنوں ملائشیا میں تھے۔ یہ ہمارے کراچی کے رفیقِ تنظیم ہیں اور کاروبار کے سلسلے میں اکثر ملائشیا اور سنگاپور کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ بعد ازاں انہوں نے نہ صرف پروگراموں میں بھرپور شرکت کی، بلکہ باورچی خانے میں بھی ہمارا خوب ہاتھ بٹایا۔ ان کا تعلق سری نگر (مقبوضہ کشمیر) سے ہے۔ آج کے ملاقاتیوں میں جناب ڈاکٹر یحییٰ علوی بھی شامل تھے۔ موصوف پیشہ کے اعتبار سے فزیشن ہیں۔ زیادہ عرصہ امریکہ اور برطانیہ میں گزار چکے ہیں۔ گزشتہ کچھ عرصہ انہوں نے کشمیر میں بھی گزارا، جس کا مقصد اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کرنا تھا۔ انہوں نے وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بں اسلام کی ترویج کے لئے کافی محنت کی، لیکن ناسازگار حالات (جن کا تذکرہ اس رپورٹ میں لرنا ممکن نہیں) کے پیشِ نظر اب مستقل طور پر ملائشیا منتقل ہو چکے ہیں۔ اسلامک یونیورسٹی ں میڈیکل کے شعبہ کے قیام سے متعلق ابتدائی منصوبہ بندی پر کام کر رہے ہیں۔

۲۸ر اگست علی الصبح کوٹہ بارو روانگی کا پروگرام تھا۔ یہ ملائشیا کے شمال مشرق میں واقع KALANTAN STATE کا صدر مقام ہے۔ گزشتہ انتخابات میں یہاں دینی ذہن رکھنے والی رٹی کو انتخابات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ جناب نعیم غفور صاحب نے جناب محمد صفدر صاحب

ی وساطت سے وزیر اعلیٰ نِک عبدالعزیز صاحب سے ملاقات کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ جناب صفدر صاحب کے والد صاحب کا تعلق پاکستان کے ضلع سیالکوٹ سے تھا، لیکن خود صفدر صاحب کی پیدائش ملائشیا ہی کی ہے۔ موصوف ملائی زبان روانی سے بولتے ہیں۔ ان کی جان پہچان کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ چنانچہ ان کے تعلقات اور زبان سے شناسائی کے حوالے سے وزیر اعلیٰ صاحب سے ملاقات میں آسانی پیدا ہوئی۔ لیکن پروگرام کی صحیح منصوبہ بندی نہ ہو سکی تھی، چنانچہ نِک عبدالعزیز صاحب سے ملاقات کا وقت بھی پہلے سے طے نہ ہونے کے سبب کافی انتظار کرنا پڑا۔ تاہم اس دوران ہم نے اس چھوٹے سے شہر کا ایک دورہ مکمل کر لیا۔ وزیر اعلیٰ صاحب سرکاری رہائش گاہ کی بجائے اپنی ذاتی رہائش گاہ میں ہی مقیم ہیں۔ ان کی رہائش گاہ بھی دیکھی اور اس سے متصل وہ سکول بھی جس میں وہ تدریس کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے ہیں۔ صبح سے ظہر تک وہ ایک میٹنگ میں شریک تھے اور یہ میٹنگ اس کے بعد بھی جاری رہنا تھی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے پر ان سے ملاقات ہوئی۔ جناب نِک عبدالعزیز صاحب کی عمر ۷۰ سال کے قریب ہے۔ موصوف نے دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ لاہور میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاں بھی گزارا۔ انگریزی کی نسبت اردو میں زیادہ روانی سے بات کر لیتے ہیں۔ بہت ہی سادہ طبیعت کے آدمی ہیں۔ کھانے کے بعد ظہر کی نماز ہم نے ان کی امامت میں ادا کی۔

نک عبدالعزیز صاحب کو حکومت کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ابھی صرف ۸ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ وفاقی آئین مکمل شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ ہے۔ اور وفاقی حکومت پر اس ضمن میں پہلے ہی سے غیر مسلم آبادی کی طرف سے کافی دباؤ ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تسلیم کیا کہ وفاقی حکومت کی جانب سے فنڈز کی کمی کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ تاہم انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ تمام تر مشکلات کے باوجود اپنی حد تک وہ اسلام کی ترویج کی کوشش جاری رکھیں گے۔ حکومت کے زیر اہتمام تبلیغ کا ایک شعبہ حلقات الدعوۃ قائم کر دیا گیا ہے، جس کے ذمے قرآن کی ناظرہ اور حفظ کی تعلیم ہے۔ دوپہر کے کھانے پر مختصر سی ملاقات میں بہت سی معلومات حاصل ہو گئیں۔ ہماری واپسی کی فلائٹ ۷-۲۰ پر تھی، چنانچہ درمیان کا عرصہ ہم نے وزیر اعلیٰ صاحب کی سرکاری رہائش گاہ پر گزارا۔ وہیں پر اسمبلی کے سپیکر جناب محمد عمر صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ سرکاری رہائش گاہ سے ایئرپورٹ تک ہم نے ان کی معیت اور ان کی گاڑی میں سفر کیا۔ موصوف بھی نہایت سادہ طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ایک سال بعد اگر آپ کا یہاں کا دورہ ہوا تو آپ یہاں پر بہت تبدیلی محسوس کریں گے۔ رات

تقریباً ۱۰ بجے تک ہم گھر (کوالالمپور) واپس پہنچ گئے۔

اگلا روز اس اعتبار سے بالکل فارغ تھا کہ امیر محترم کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ انہوں نے تو گھر پر ہی آرام کیا اور شاہین نیازی صاحب اور میں، نعیم غضنفر صاحب کے ہمراہ شہر کی سیر کو روانہ ہوگئے۔ ۳۱ اگست کو یہاں یوم آزادی منایا جا رہا تھا، لہٰذا بڑی بڑی عمارتوں کو خوب سجایا گیا تھا اور مزید تیاریاں بھی جاری تھیں۔

۳۰ اگست جمعہ کے روز دو پروگرام تھے۔ ایک پاکستانی مسجد میں خطابِ جمعہ اور دوسرا بعد نماز مغرب اقبال حمید صاحب کے ہاں پاکستان سے تعلق رکھنے والے حضرات و خواتین کا اجتماع۔ جمعہ کا خطاب اگرچہ اردو زبان میں تھا، لیکن درمیان میں ملائی زبان میں اس کا ترجمہ بھی بیان کیا جاتا رہا، کیونکہ نمازیوں کی اکثریت ملائی لوگوں پر مشتمل تھی۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے تقریباً ۲۵ منٹ میں "امتِ مسلمہ کا مستقبل" کے موضوع کے حوالے سے گفتگو کو مکمل کیا۔ ملائی زبان میں ترجمہ جناب بلال صاحب نے کیا۔ ہمیں تو ملائی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر کیسے معلوم ہوتا کہ ترجمہ کیسا ہو رہا ہے، لیکن خود مترجم کا جوش و خروش اور سامعین کی توجہ اور محویت سے اندازہ لگایا کہ صحیح بات پہنچ رہی ہے۔ مسجد کے باہر جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی کتب اور کیسٹس کا سٹال بھی لگایا گیا تھا، جہاں سے اردو کی نسبت انگریزی کتب کے سیٹ زیادہ تعداد میں فروخت ہوئے۔

رات نماز مغرب کے بعد جناب اقبال حمید صاحب کے ہاں پروگرام میں امیرِ محترم نے اپنے خطابِ جمعہ کے موضوع کو نسبتاً تفصیل کے ساتھ سامعین کے سامنے رکھا اور انہیں اس بات کی ترغیب دلائی کہ وہ اپنے ملک میں آکر دین کا کام کریں کہ ان کی اصل ذمہ داری اپنے ملک میں دین کے عملاً نفاذ کی جدوجہد ہے۔ ایک گھنٹے کے خطاب، جس میں تقریباً ۴۰ حضرات اور ۱۵ خواتین نے شرکت کی، کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ اس کے بعد کھانے کا انتظام جناب مشتاق صاحب کی طرف سے تھا جنہوں نے امیرِ محترم کے گزشتہ دورہ ملائیشیا کے دوران بھی کافی سرگرمی سے پروگراموں میں حصہ لیا تھا۔ اس موقع پر بھی کتب و کیسٹس کا سٹال لگایا گیا تھا۔

جناب اسلم علوی صاحب اور جناب شاہین نیازی صاحب تو رات ہی بس کے ذریعے سنگاپور روانہ ہوگئے، انہیں اگلے روز ہمارے ساتھ ہی پاکستان واپس جانا تھا، جبکہ جناب ڈاکٹر صاحب اور راقم الحروف کی سنگاپور کے لئے روانگی اگلے روز By Air تھی۔

۳۱ اگست کوالالمپور میں ہمارا آخری دن تھا۔ فلائٹ کا وقت تو اگرچہ ۲ بجے کا تھا، لیکن گھر

باقی صفحہ ۸۰ پر

مدیرِ نوائے وقت کے نام
ادارتی نوٹ کے جواب میں چند گزارشات

از: عبدالرحمٰن - سیالکوٹ کینٹ

مکرم و محترم جناب مجید نظامی صاحب' السلام علیکم!

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ آپ کا موقر روزنامہ میدانِ صحافت میں مصلحت کی فوجوں کے خلاف جس طرح سے حق کا علم ہاتھ میں لئے برسرِپیکار ہے اس پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں آپ کی توجہ ۲۱ر اگست کے ایک ادارتی نوٹ بعنوان "خلافت ----- ڈاکٹر اسرار احمد کی نئی اپج" کی طرف مبذول کراتے ہوئے مندرجہ ذیل گزارشات کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ ادارتی نوٹ کے عنوان' دوسرے کالم کے آخری فقرے ("ان حالات میں ڈاکٹر صاحب محض نئی بات کہنے کے شوق میں جمہوریت سے لوگوں کو بدظن کرنے کا شغل ترک کر دیں") اور ادارتی نوٹ کے آخری فقرے ("اس کے باوجود اگر ڈاکٹر صاحب خلافت کے طلبگار ہیں تو پھر انہیں بسم اللہ کرنی چاہئے۔ خلیفہ تو موجود ہے' اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کا نظام بھی قائم کر دینا چاہئے") میں استہزاء کا پہلو نمایاں ہے' جو اوّلاً تو "نوائے وقت" جیسے سنجیدہ روزنامے کو زیب نہیں دیتا اور دوسرے ڈاکٹر صاحب جیسے عظیم سکالر کی رائے کو ردّ کرنے کے لئے اس طرح کی زبان استعمال کرنا بڑا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں چند معروضات آپ کے گوش گزار کرنا چاہوں گا۔

ڈاکٹر صاحب کے قارئین اور سامعین جانتے ہیں کہ انہیں نئی باتیں کہنے کا شوق نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ڈاکٹری جیسے بار آور پیشے کو چھوڑ کر کسی شغل میں مصروف ہیں۔ اگر وہ نئی باتیں کہہ کر لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے شوقین ہوتے تو مجلسِ شوریٰ سے مستعفی نہ ہوتے کہ جو "نئی باتیں" کہنے کا بہترین فورم تھا' یا پھر مختلف ادوار میں ان کو حکومتی مناصب کی جو پیشکش ہوتی رہی ہے اسے قبول کر لیتے۔ لہٰذا آپ کو تو بہتر معلوم ہونا چاہئے کہ ان جیسا مذہبی سکالر

کی مناسبت سے اپنی مخلصانہ رائے کا اظہار کرتا ہے، جو بہرصورت فکری جمود کے شکار معاشرے میں نئی بات ہی لگتی ہے، کیونکہ بقول علامہ اقبال ؎

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

۲۔ آپ کی یہ رائے کہ اخلاقی انحطاط اور معاشرتی انتشار کے اس دَور میں جمہوریت یا کسی نظام کو خلافت کا نام دینا خلافتِ راشدہ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ اپنے پس منظر میں گو کہ ادب کا ایک پہلو لئے ہوئے ہے، لیکن آئندہ نظامِ خلافت کو رائج نہ کرنے کے حق میں یہ کوئی وزنی استدلال نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ آپ نظامِ خلافت رائج کرتے ہوئے موجودہ سیاسی نظام کے چہرے سے جمہوریت کا لیبل ہٹا کر اس پر خلافت کا سٹکر چسپاں نہیں کر دیں گے، بلکہ سیاسی ڈھانچے میں کئی ایک بنیادی تبدیلیاں کرنا ہوں گی اور ووٹرز کو خلافت کی اہمیت اور ووٹ کی امانت سے روشناس کرانا ہوگا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ خلافت "خلافتِ راشدہ" کا ہم پلہ ہونے کی دعویدار تو نہیں ہوگی بلکہ خلافتِ مسلمین کی ایک شکل ہوگی۔ خلافت کے موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے اگر آپ "خلیفۃ اللہ"، "خلیفۃ الرسول" اور "خلیفۃ المسلمین" کی اصطلاحات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیں تو یہ عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

رہی یہ بات کہ موجودہ دَور میں خلافت کا نظام رائج کرنے سے اس آئیڈیل نظامِ خلافت کا چہرہ دھندلا جائے گا تو محترم، اس میں اصل چیز تو خلوصِ نیت ہے۔ اگر ہم خلوص سے اس طرف بڑھیں تو ہو سکتا ہے کہ ہجومِ ناخلف سے ہمیں بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ عمر بن عبدالعزیزؒ اور اورنگزیب عالمگیرؒ کی طرح کے کسی شخص سے نواز دے۔ کیا جس وقت یہ دو حضرات آئے اس وقت کے دیگر خلیفے اور بادشاہ ملّت کے لئے کسی نیک نامی کا باعث تھے؟ صرف اصطلاح کے تقدّس کو قائم رکھنے کے لئے ایک جائز قدم اٹھانے سے باز رہنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس انداز میں سوچیں تو پھر تو ہمیں جمہوریت کا نام بھی نہیں لینا چاہئے، کیونکہ جس طرح آج ہمارے ملک میں جمہوریت کی مٹی پلید ہو رہی ہے، اس سے تو بیچارے کراموِیل جیسے جمہوریت کے معماروں کی روحیں تڑپ رہی ہوں گی۔ اور اگر یوں صرف نام کا تقدّس قائم رکھنے کے لئے ہی کسی چیز کو چھوڑنا ہے تو آئیے اپنے نام بھی تبدیل کریں، کیونکہ آج کے عمر فاروق، عثمانؓ اور محمدؐ علی وغیرہ نام رکھنے والے تو پھر ان اکابرین کی توہین کر رہے ہیں۔ اور پھر کیا ہم خود کو مسلمان کہلوا کر اس دَور کے مسلمان کے تشخّص کو دھندلا نہیں کر رہے؟ تو آئیے ازراہِ

اوپ خود کو مسلمان کہلوانا چھوڑ دیں!

۳۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ خلافت مسلمانوں کی اصطلاح ہے، جبکہ جمہوریت مغرب کی۔ ہمیں خود انحصاری کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اپنی اصطلاحات استعمال کرنی چاہئیں اور نہ صرف اغیار کے مال کی گدائی ترک کرنی چاہئے، بلکہ ان کے افکار و تخیل کی بھی۔ ے

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

۴۔ آپ نے بجا فرمایا کہ آپ مغرب کی مادر پدر آزاد جمہوریت کو کسی اسلامی ملک کے لئے موزوں نہیں سمجھتے اور اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے جمہوریت کو اپنانے کو آپ درست سمجھتے ہیں۔ میں آپ سے بصد احترام صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ آئی جے آئی کی پارلیمانی پارٹی میں "شریعت بل" پر بحث کے دوران اے این پی کی اس ترمیم کو کہ "شریعت بل ملک کے موجودہ سیاسی نظام پر اثرانداز نہ ہو" تسلیم کر لینا اور یوں اسلامی نظام کے تیسرے حصے، یعنی سماجی، معاشی اور سیاسی پہلو میں سے سیاسی پہلو، کو کاٹ کر علیحدہ پھینک دینا، جبکہ علامہ کی روح پکار پکار کر کہہ رہی ہو کہ ؏ "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" کس زمرے میں آئے گا؟ کیا اس جمہوریت کو آپ اسلامی حدود و قیود کی پابند جمہوریت کہیں گے یا حاکمیتِ جمہور کی ترجمان؟؟

آخر میں آپ سے بصد احترام گزارش کروں گا کہ آپ جیسے ممتاز صحافی کے موقّر اخبار کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ عصرِ حاضر کے قحط الرجال میں کسی صائب الرائے مذہبی مفکّر کی فکر اور سوچ کو یوں بیک جنبشِ قلم ردّ کر دے۔ بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس رائے کو فکری حبس کے اس لمحے میں ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا گردانتے ہوئے، اس کا خیر مقدم کرتے اور اس پر اپنے فورم میں "مذاکرے" کراتے، تاکہ اس رائے کے تمام پہلو کھل کر سامنے آتے اور رائے عامہ کا پتہ چلتا۔ اس پر اظہارِ رائے کے لئے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے لوگوں کو مدعو کیا جاتا اور اس کے بعد اگر آپ واقعی اس نتیجے پر پہنچتے کہ فی الوقت خلافت کا نظام ہمارے لئے موزوں نہیں ہے تو بلاشبہ اس سے اختلاف کرتے۔ لیکن اس طرح سے ایک رائے کو صرف ذاتی اختلافِ رائے کی وجہ سے ردّ کر دینا آپ جیسے لوگوں کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ میرے نزدیک یہ "صحافتی ڈکٹیٹر شپ" ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان گزارشات پر کھلے دل سے غور کریں گے۔ اگر آپ ان سطور کو "ایڈیٹر کی ڈاک" میں "مدیر نوائے وقت کی خدمت میں بصد احترام" کے عنوان سے جگہ دیں تو بندہ ممنون ہوگا۔

"جنابِ ڈاکٹر اسرار احمد کے سیاسی نظریات: ایک خوش آئند تبدیلی"

ہفت روزہ 'فروغ' حیدر آباد کا ادارتی نوٹ

ذیل کا مضمون جو در حقیقت ایک ادارتی نوٹ کی حیثیت رکھتا ہے 'مولانا وصی مظہر ندوی کے زیرِ ادارت حیدر آباد سے شائع ہونے والے ہفت روزہ 'فروغ' کی ۲۰ر اگست ۹۱ء کی اشاعت سے ماخوذ ہے۔ 'فروغ' کے محترم مدیر نے اپنے رسالے میں "جمہوریت نہیں خلافت" کے زیرِ عنوان 'میثاق' میں شائع شدہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابِ جمعہ سے بعض اقتباسات ایک مفصل ادارتی نوٹ کے اضافے کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ اس ادارتی نوٹ میں' جو بحیثیت مجموعی امیر تنظیم اسلامی کے فکر کی تائید و توثیق پر مشتمل ہے' صاحبِ تحریر نے اس نکتے کو نمایاں انداز میں بیان کیا ہے کہ جن خیالات کا اظہار آج محترم ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں' مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنے مشہور خطبے "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں ان حقائق کا اعلان بہت پہلے کر چکے تھے۔ ہم ریکارڈ کو درست رکھنے کی خاطر محترم مدیر کی خدمت میں بصد احترام یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کبھی اس حقیقت کے اعتراف میں باک محسوس نہیں کیا' بلکہ ماضی میں محترم ڈاکٹر صاحب نے تحریراً یا تقریراً "اسلام کے سیاسی نظام" کو جب بھی کبھی موضوعِ کلام بنایا نہ صرف یہ کہ ہمیشہ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کا حوالہ دیا' بلکہ مولانا مرحوم کی وضع کردہ اصطلاح "Popular Vicegerency" کو اسلام کے سیاسی نظام کی درست ترین تعبیر قرار دیتے ہوئے اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں مولانا کے علوِ فکر کا ہمیشہ اعتراف و اعلان کیا۔ اس امر کا اعلان ان کی جانب سے اس تواتر کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ اب "خلافت" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس کا اعادہ ضروری خیال نہیں کیا گیا۔ (ادارہ)

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایک طرف مکمل انقلابِ اسلامی برپا کرنے کے لئے "تنظیم اسلامی" کے امیر کی حیثیت سے سرگرمِ عمل ہیں اور اس حیثیت میں وہ موجود الوقت حالات کو فوری طور پر بدلنے کی کسی عملی جدوجہد میں حصہ لینے کو کارِ عبث تصور کرتے ہوئے اپنی دعوت اور دعوت کو مان لینے والوں کی تنظیم و تربیت میں مصروف ہیں۔ دوسری طرف وہ ملک کے حالات سے یکسر لاتعلق بھی نہیں رہتے' چنانچہ وہ سیاسی حالات کی ہر کروٹ کا جائزہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر کی روشنی میں لیتے رہتے ہیں اور ہفتہ وار خطبۂ جمعہ یا دیگر اجتماعات کے ذریعہ اپنے بصیرت افروز تبصروں اور مشوروں سے ملک و قوم کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ اب تک وہ بہت شدومد کے ساتھ مکمل اسلامی انقلاب آنے تک ملک کے اندر پارلیمانی جمہوریت کے قیام و استحکام کی ضرورت پر زور دیتے چلے آئے ہیں اور اس جمہوریت کو نقصان پہنچانے والے ہر

عمل کی وہ سخت مذمت کرتے رہے ہیں۔ لیکن اب الحمدللہ ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہے کہ جمہوریت چونکہ عوام کے حقِ حکمرانی پر قائم ہے، اس لئے وہ تو کفر و شرک ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تازہ خطباتِ جمعہ میں جمہوریت پر شدید تنقید کرتے ہوئے واضح طور پر کہا ہے کہ وہ اب "خلافت" کے اسلامی ادارے کو قائم کرنے کی بات کریں گے، جمہوریت کی نہیں۔

ہم ان کے اس فیصلے کا خیرمقدم کرتے ہیں اور اسلامی خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد میں تعاون کا اعلان کرتے ہیں۔ تاہم ذیل میں ہم نے ان کے خطباتِ جمعہ کے جو اقتباسات نقل کئے ہیں، ان سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ خیالات میں ابھی تک مکمل یکسوئی نہیں ہے۔ کبھی وہ پارلیمانی اور صدارتی دونوں طرح کے جمہوری نظام کو ازقبیلِ مباحات قرار دیتے ہیں اور کبھی وہ صدارتی نظام کو "خلافت" کے قریب تر تسلیم کرنے کے باجود موجودہ دستور کو خالص پارلیمانی بنانے پر زور دیتے ہیں۔ پھر آج جس حقیقت کا ادراک و اعتراف جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حق پسندی کے جذبہ کے ساتھ کیا ہے ہم اس کی قدروقیمت کو کسی طرح کم نہیں کرنا چاہتے ہیں، لیکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی" اکتوبر ۳۹ء میں اسی شہر لاہور کے اندر اپنے مشہور خطبہ "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں ان تمام حقائق کا پہلے ہی اعلان کر چکے تھے، بلکہ ڈاکٹر صاحب نے آج جن انگریزی اصطلاحات کو اپنے خطبۂ جمعہ میں استعمال کیا ہے وہ سب کی سب وہی ہیں جن کو مولانا مودودی" نے ان حقائق کے اظہار کے لئے اختیار کیا تھا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں:

> "جمہوریت تو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے نام ہی اس طرزِ حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیتِ اعلیٰ حاصل ہو۔ انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور انہی کی رائے سے قوانین میں تغیّر و تبدّل ہو۔ جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جس کو وہ نہ چاہیں وہ کتابِ آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے۔ یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے ذریعہ دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے، لہٰذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا"۔
>
> (اسلام کا نظریۂ سیاسی ص ۲۳ پندرھواں ایڈیشن)

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:

> "کیونکہ اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ (Paramountcy) کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود حاکمیت (Limited Popular Sovereignty) عطا کی گئی ہے ......" (صفحہ ۲۴ حوالہ مذکور)

پھر وہ اسلامی نظریۂ خلافت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام حاکمیت کے جائے خلافت (Vicegerency) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے' کیونکہ اس کے نظریہ کے مطابق حاکمیت خدا کی ہے"۔

"دوسری کانٹے کی بات اس آئین میں یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مؤمنوں سے کیا گیا ہے' یہ نہیں کہا گیا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سب مؤمن خلافت کے حامل ہیں۔ خدا کی طرف سے جو خلافت مؤمنوں کو عطا ہوتی ہے وہ عمومی خلافت (Popular Vicegerency) ہے"۔ (ص ۳۶۔۳۷ حوالہ مذکور)

اب پچاس سال سے زائد کا عرصہ گزارنے کے بعد جب ڈاکٹر صاحب نے ان حقائق کو تسلیم کر ہی لیا ہے تو وہ یکسوئی کے ساتھ ان پر قائم ہو جائیں۔ پارلیمانی اور صدارتی جمہوریت کے جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اسلامی خلافت کی تحریک لے کر اٹھیں اوز اس کے تمام تقاضے پورے کرنے پر آمادہ ہوں تو شہید ضیاء الحق نے اس کام کے لئے اس حد تک فضا ہموار کر دی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اعوان و انصار کی کمی کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔

"امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا نعرۂ قلندری"

ماہنامہ "امارتِ شرعیہ" کا اداریہ

(خورشید احمد گنگوہی)

وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جو دنیا میں کسی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے محبت کرتے ہیں۔ غرض اور لوث کی آلودگی سے اپنے قلب و دماغ کو پاک صاف رکھتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو تنظیم اسلامی کے امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے اسی قسم کی عقیدت رکھتے ہیں' عقیدت کی تحریک پیدا کرتے ہیں اور بہت سے امور میں ان کے دفاع کا حق ادا کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو محترم ڈاکٹر صاحب کے افکار و اعمال اور سیرت و مساعی میں حق کی جھلک دیکھتے ہیں' جس نے ان کے دلوں کی تمام عقیدتوں اور ان کی جبینوں کی ایک ایک نیازمندی کو

ڈاکٹر صاحب سے عشق کے لئے چُن لیا ہے اور انہوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر "انقلابِ اسلامی" برپا کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر "بیعتِ انقلاب" کی سعادت تو میسّر نہیں آئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم آپ کے حلقہ میں شامل ہر مخلص و صادق کی طرح موصوف سے محبت کرتے اور عقیدت رکھتے ہیں۔

ہم نے محترم ڈاکٹر صاحب سے اپنی محبت وعقیدت کا جو چمن آراستہ کر رکھا ہے، جسے آج تک کسی موسم کی کوئی ہوا متاثر نہ کر سکی، جس کی بہار کے لئے ابھی تک کوئی خزاں پیدا نہ ہو سکی، اس کا سبب محض اور محض یہ ہے کہ آپ کے نزدیک مسلمانوں کے جملہ امراض کی "اصلی علت" اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے کلامِ الٰہی کے "العروۃ الوثقیٰ" کو چھوڑ رکھا ہے۔ جب تک مسلمانانِ عالم اپنے اعمالِ زندگی کو "سلطانِ قرآن" کے تابع نہیں کریں گے، انہیں اپنے مسائلِ حیات کی گتھی سلجھانے کا سرا نہیں ملے گا۔ اس امت کو پہلے دن کی طرح اپنے زوال سے نکلنے کے لئے آج بھی کسی منطقی، فلسفی، کتبی، زاہد، خمول اور معلّمِ قال اقول کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے داعئ قرآن کی ضرورت ہے جو اسے نظری سے نجات دلا کر عملی روشوں سے آگاہ کر دے۔

اس روز ہماری محبت عشق میں بدل گئی جس دن ہم نے ڈاکٹر صاحب کے ۲۸ر جون کے خطابِ جمعہ کے اقتباسات وطنِ عزیز کے روزناموں اور پندرہ روزہ "ندا" لاہور میں پڑھے۔ یہ اقتباسات جمہوریت کی نفی اور خلافت کے اِثبات واحیاء سے متعلق ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں ہر اصطلاح ایک مستقل فکر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔اور المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اصطلاحات کے ذریعے اغواءکیا جاتا ہے۔ پہلے قومیں قوموں کو غلام بنایا کرتی تھیں، اب افکار قوموں کو فتح کرتے ہیں۔ اس کے لئے براہِ راست فکر پیش نہیں کی جاتی بلکہ ایسی اصطلاح اس فکر کے غلبہ کے لئے وضع کی جاتی ہے جس سے کسی قوم کو فکری حوالے سے اغواء کر لیا جائے۔ لہٰذا ہمیں ہر صورت میں اصطلاحات کے استعمال میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ہم تنظیمِ اسلامی کے امیر محترم ڈاکٹر اسرار صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے "خلافت" کی اصطلاح کو استعمال کرنے کا عزم فرمایا ہے۔ ہم دوسری مذہبی تحریکوں کے قائدین سے بھی امید کریں گے کہ وہ غلبۂ دینِ حق کے لئے کوئی اصطلاح ایجاد کرنے کی بجائے "خلافت" ہی کا نام لیں گے۔

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دفتار کار

امیر تنظیم اسلامی کا چار روزہ دورۂ کوئٹہ اور صوبہ بلوچستان کا علاقائی اجتماع

مرتب : سید برہان علی

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ سالِ رواں میں مختلف حلقوں میں علاقائی اجتماعات منعقد کئے جائیں گے۔ چنانچہ صوبہ بلوچستان کے علاقائی اجتماع کے لئے گزشتہ مشاورت میں ماہِ اگست کا انتخاب کیا گیا۔ بعد ازاں اگرچہ امیرِ محترم کے سفرِ حج اور دیگر مجوزہ غیر ملکی دورے کے پیشِ نظر یہ اجتماع ماہِ ستمبر میں منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا' لیکن امیرِ محترم کے پروگرام میں تبدیلی اور حج کی ادائیگی کے بعد غیر ملکی دورے پر روانگی کے بجائے لاہور واپس پہنچ جانے پر مرکز سے ناظمِ اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے تنظیم اسلامی کوئٹہ کے امیر جناب محمد راشد گنگوہی سے رابطہ کر کے دریافت فرمایا کہ چونکہ اگست کا مہینہ خالی ہے لہٰذا کیوں نہ اسی ماہ میں کوئٹہ کا جلسۂ عام اور علاقائی اجتماع منعقد کر لیا جائے۔ کوئٹہ کے امیرِ تنظیم نے اپنے رفقاء سے مشورہ کے بعد مرکز کو آمادگی سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ طے پایا کہ ۱۳؍ اگست کو انجمن خدام القرآن بلوچستان کا سالانہ اجلاس ہوگا' جس کے بعد سوال و جواب کی خصوصی نشست بھی ہوگی' ۱۴؍ اگست کو صبح دس بجے جلسۂ عام کا انعقاد طے کیا گیا اور اس کے اختتام سے ۱۶؍ اگست کی دوپہر تک علاقائی اجتماع کا پروگرام طے کیا گیا۔

گزشتہ سال کوئٹہ میں جلسۂ عام الیکشن کی ہنگامہ خیزیوں کے دوران منعقد ہوا تھا اور اس مرتبہ بھی جلسہ کے لئے ۱۴؍ اگست کی تاریخ رفقاء کے لئے باعثِ تشویش تھی' کیونکہ اس روز یومِ آزادی کے حوالے سے تقریبات اور جلسوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ لیکن رفقاء نے اللہ ربّ العزت پر توکل کرتے ہوئے گزشتہ سال کی طرح اس چیلنج کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ مذکورہ بالا امور چونکہ ماہِ جولائی کے آخر میں طے پائے تھے' اس لئے کام کرنے کے لئے وقت بہت کم تھا اور افرادی قوت کی بھی کمی تھی۔ بہرحال فوری طور پر کام کا آغاز کر دیا گیا۔ سب سے پہلے کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر سے مجوزہ تاریخ کو صادق شہید پارک میں جلسۂ عام منعقد کرنے اور اس سے قبل

دو روز کے لئے جلسۂ عام کی تشہیر کی غرض سے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت حاصل کی گئی۔

مقامی امیر نے پہلے ہی سے مختلف کام معین کر کے رفقاء کو ڈیوٹیاں تفویض کر دی تھیں۔ سب سے بڑا اور اہم کام جلسۂ عام کی تیاریوں کے ضمن میں تھا' اس کے لئے محمد رفیق صاحب کو ناظم مقرر کر دیا گیا۔ مکتبہ کی ذمہ داری راقم الحروف کے سپرد کی گئی۔ امیرِ محترم کو ایئرپورٹ سے لانے اور مختلف مقامات پر لے جانے کی ذمہ داری ڈاکٹر محمد امین صاحب کو تفویض کی گئی۔ بعد میں اکرام الحق صاحب کی کوئٹہ واپسی پر یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دی گئی۔ جلسۂ عام کی تشہیر کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کرنے کا کام محمد انور قریشی صاحب کے سپرد کیا گیا' جس کے لئے ۱۲ اور ۱۳ر اگست کی تاریخیں مقرر کی گئی تھیں۔ دوسرا اہم کام علاقائی اجتماع کے لئے مناسب جگہ کا حصول تھا' جس کا کوئی مناسب بندوبست نہ ہو پا رہا تھا۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد ایک مقامی مسجد میں اس کی اجازت حاصل کی گئی۔ رفیقِ محترم اکرام الحق صاحب نے کوئٹہ واپسی پر پیشکش کی کہ یہ اجتماع ان کے گھر پر رکھا جائے۔ چنانچہ ناظمِ اعلیٰ اور امیرِ محترم کی اجازت سے علاقائی اجتماع کی جگہ تبدیل کر دی گئی اور اکرام الحق صاحب کی پیشکش قبول کرتے ہوئے اسے ان کے گھر پر رکھا گیا۔

جلسہ عام کے پروگرام کی تشہیر کے لئے بینرز تیار کرائے گئے۔ ہینڈ بلز اور پوسٹرز مرکز سے چھپ کر آ گئے۔ چنانچہ جمعہ ۹ر اگست سے منظم طور پر تشہیری مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ سب سے پہلے جمعہ کی نماز میں شہر کی مختلف مساجد میں رفقاء نے پانچ ہزار ہینڈ بلز تقسیم کئے۔ دو روز تک (جمعہ و ہفتہ) بعد نمازِ عشاء شہر کے مختلف حصّوں میں پوسٹرز چسپاں کئے گئے اور اتوار کو نماز عشاء کے بعد بینرز لگانے کا کام کیا گیا۔ یہ تمام کام رفقاء کی مختصر سی جمعیت نے انتہائی لگن اور جانفشانی سے سرانجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے اس جذبے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ان کی محنت اور جدوجہد کو قبول فرما کر ان کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ آمین۔

پروگرام کے مطابق ۱۲ر اگست بروز پیر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ناظمِ اعلیٰ بذریعہ کوئٹہ ایکسپریس ڈھائی بجے کوئٹہ پہنچے۔ ان کے استقبال کے لئے راقم الحروف کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ تقریباً پونے چار بجے امیرِ محترم کا جہاز کوئٹہ ایئرپورٹ پر اترا۔ کوئٹہ تنظیم کے امیر جناب محمد راشد گنگوہی صاحب اور رفیقِ محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کی معیت میں امیرِ محترم شیٹ ہوٹل تشریف لائے جہاں ان کے اور ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ دونوں حضرات نے کچھ دیر آرام فرمایا اور بعد نمازِ عصر گنگوہی صاحب اور امین صاحب کے ہمراہ کوئٹہ

لی تفریح گاہ ہنّہ جھیل کی سیر کو تشریف لے گئے۔ بعد نمازِ مغرب ہوٹل واپسی ہوئی، جہاں کچھ رفقاء نے امیر محترم سے ملاقات کی۔ بعد ازاں امیرِ محترم نے کچھ رفقاء کے ہمراہ گنگوہی صاحب کے دولت خانے پر ماحضر تناول فرمایا۔

اگلے روز یعنی ۲۴ اگست کو پریس کلب کوئٹہ میں پروگرام "حال احوال" میں کوئٹہ کے صحافیوں کی جانب سے امیرِ محترم کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کا وقت ساڑھے گیارہ بجے مقرر تھا۔ امیرِ محترم نے صحافیوں سے نہایت مفصل اور جامع خطاب فرمایا اور ان کے سوالات کے سیر حاصل جوابات عنایت فرمائے۔ پروگرام کی تفصیل کوئٹہ کے تمام اخبارات نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کی۔

اسی روز شام چھ بجے شیٹ ہوٹل میں انجمن خدام القرآن بلوچستان کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ راقم الحروف نے سالِ گزشتہ کی کارکردگی اور جائزہ رپورٹ پیش کی اور اس راہ میں حائل دشواریوں کا ذکر کیا۔ امیر محترم نے کارکردگی پر عدمِ اطمینان کا اظہار فرمایا اور یہ طے کیا کہ چونکہ گزشتہ سالانہ اجلاس کو ابھی ایک سال نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس سالانہ اجلاس کو ماہ نومبر تک مؤخر کر دیا جائے اور اس دوران کوئٹہ میں ایک 'قرآن کانفرنس' کے انعقاد کی تیاری کی جائے، جس میں کوئٹہ اور بیرونِ شہر سے ممتاز علماء و دانشور حضرات کو مدعو کیا جائے۔ انجمن کا اجلاس شرکاء کی چائے کے ساتھ تواضع پر اختتام پذیر ہوا۔ بعد نمازِ مغرب سوال و جواب کی خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں کافی لوگوں نے ذوق و شوق کے ساتھ شرکت فرمائی اور مختلف سوالات لکھ کر پیش کئے۔ امیر محترم نے ان سوالات کے مدلل جوابات دیئے۔ نمازِ عشاء پر یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ رات کا کھانا محمد امین صاحب کی جانب سے ان کی رہائش گاہ پر طے تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر امیرِ محترم ہوٹل واپس تشریف لائے۔

جلسۂ عام کا وقت ۲۵ اگست کی صبح ۱۰ بجے طے کیا گیا تھا، لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ جلسہ گاہ میں شامیانے، قناتیں، کرسیاں اور دیگر لوازمات رات ہی کو لگا دیئے جائیں تاکہ جلسہ صبح اپنے مقررہ وقت پر بلا تاخیر شروع کیا جا سکے۔ چنانچہ رات ہی کو یہ تمام کام کر لیا گیا اور دو رفقاء حاجی محمد رفیق صاحب اور جاوید انور صاحب نے پوری رات جلسہ گاہ میں سامان کی چوکیداری کرتے گزاری۔ جلسہ اپنے وقتِ معیّن پر شروع ہوا۔ قاری شاہد اسلام بٹ صاحب نے اپنی پر سحر آواز میں سورۃ الصّف کی تلاوت فرمائی۔ کوئٹہ تنظیم کے امیر نے جو کہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی ادا کر رہے تھے، حاضرینِ جلسہ کے سامنے تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف پیش کیا۔ بعد ازاں ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے جلسۂ عام سے مختصر خطاب فرمایا۔ تقریباً ۱۰ بج

کر ۵۰ منٹ پر امیرِ محترم کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ امیرِ محترم نے "امتِ مسلمہ کا مستقبل" کے موضوع پر ۲ گھنٹے کی تقریر فرمائی۔ آپ نے قرآنی آیات و احادیثِ مبارکہ کے حوالہ سے بنی اسرائیل اور امتِ مسلمہ کی تاریخ کا تقابل پیش کیا۔ بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے چار ادوار کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے موجودہ امتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے حوالے سے اس امت کے "امیین" اور "آخرین" کے عروج و زوال کی داستان تفصیل سے بیان فرمائی۔ آپ نے احادیث کے حوالے سے خبردار کیا کہ اس امت کا مستقبلِ بعید (جو کہ اب زیادہ بعید نہیں) جس قدر شاندار اور تابناک ہے، مستقبل قریب اسی قدر تاریک اور بھیانک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امت کے ایک حصّے پر، جو "امیین" پر مشتمل ہے، اللہ کا آخری اور مستقل عذاب وارد ہو چکا ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ، جو "آخرین" پر مشتمل ہے اور جس میں اہلِ پاکستان بھی شامل ہیں، عذابِ الٰہی کی زد میں ہے۔ آپ نے مزید وضاحت فرمائی کہ عربوں کے بعد دوسری سب سے بڑی مجرم قوم پاکستانی قوم ہے، جس نے اللہ سے یہ وعدہ کر کے خطۂ عظیم پاکستان حاصل کیا تھا کہ وہ اس مملکتِ خداداد میں اپنی زندگیاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے تحت بسر کرے گی، لیکن یہ قوم ۴۵ سال گزر جانے کے باوجود مسلسل وعدہ خلافی کی مرتکب چلی آ رہی ہے۔ اور اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کے تائب ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس ضمن میں آپ نے ملک میں موجود دینی جماعتوں کے کردار کا بھی ذکر فرمایا اور خصوصاً جماعتِ اسلامی اور جمعیت علماء اسلام سے پرزور اپیل کی کہ وہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے، جو موجودہ ذلت و رسوائی اور اللہ کے عذاب کے دائرے سے نکلنے کی واحد صورت ہے، انتخابی راستوں کو خیرباد کہہ کر ایک امیر کی زیرِ قیادت انقلابی راستہ اختیار کریں۔ اسی طرح آپ نے تبلیغی جماعت سے بھی خصوصی اپیل کی کہ وہ بھی فضائل کے کام سے آگے بڑھ کر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ آخر میں امیرِ محترم نے اپنی جماعت تنظیم اسلامی کے بارے میں شرکاء جلسہ کو بتایا کہ اس جماعت کا قیام ٹھیٹھ اسلامی طریقہ یعنی بیعت کی بنیاد پر عمل میں آیا ہے جو خالصۃً نبوی طریق ہے اور یہ جماعت اس ملک میں اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے منہجِ انقلابِ نبویؐ کی طرز پر جدوجہد کر رہی ہے۔ جلسہ تقریباً پونے ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔ جلسہ میں قریباً چار سو افراد کی حاضری تھی، جو اگرچہ کوئی مثالی حاضری نہیں ہے، تاہم اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ یومِ آزادی کے موقع پر قوم کا بیشتر حصہ ٹی وی کے آگے بیٹھا جشنِ آزادی منا رہا تھا، دوسرے اس روز جلسوں اور دیگر تقریبات کی بھرمار تھی، اور پھر اسی وقت ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر معروف مقام میزان چوک پر مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا،

ن سے وزیرِ اعلیٰ بلوچستان خطاب فرما رہے تھے تو یہ حاضری بہرحال غنیمت نظر آتی ہے۔

جلسہ عام میں کوئٹہ کے ایک معروف عالم، جامع مسجد ہدیٰ کے خطیب محترم مولانا رحمت اللہ صاحب نے بھی اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ شرکت فرمائی۔ مولانا 'میثاق' اور 'ندا' کے باقاعدہ اور مستقل قاری ہیں، امیرِ محترم کی ذات سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ جلسہ کے اختتام پر امیرِ محترم کے ساتھ ہی ہوٹل تشریف لائے اور ماحضر تناول فرمایا۔ نیز امیرِ محترم کے ساتھ گفتگو فرمائی اور آپ کو کوئٹہ کے ایک اور معروف عالم جناب سیّد عبدالستار شاہ صاحب سے ملاقات کی دعوت دی۔

۱۴ر اگست کی شام ہی کو بعد نماز مغرب جامع مسجد طوبیٰ میں محترم قاری سیّد افتخار احمد صاحب کی اجازت اور عنایت سے سوال و جواب کی ایک اور نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ امیرِ محترم نے حاضرین کے سوالات کے جوابات تفصیل سے دیئے۔ اس پروگرام کے بعد ہوٹل میں کوئٹہ کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب مولانا انوار الحق حقانی صاحب اور مولانا دُرّانی صاحب نے امیرِ محترم سے ملاقات کی۔ مولانا حقانی صاحب نے کچھ اُمور پر امیرِ محترم کے موقف کی وضاحت چاہی، جن میں ایک سوال مولانا مودودی مرحوم کی کتاب 'خلافت و ملوکیت' کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تھا۔ امیرِ محترم نے اس ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کے موقف سے اعلانِ براءت فرمایا۔ طویل گفتگو میں امیرِ محترم نے نہ صرف دونوں علماء حضرات کے سوالات کے جوابات دیئے بلکہ اپنے موقف اور دعوت کو وضاحت کے ساتھ بھرپور انداز میں ان کے سامنے پیش کیا، جس سے ان کی کچھ غلط فہمیاں رفع ہوئیں اور اندازہ ہوا کہ وہ اس گفتگو سے مطمئن ہو کر تشریف لے جا رہے ہیں۔

۱۵ر اگست کو بعد نماز فجر جامع مسجد چمن پھاٹک میں درسِ قرآن کا پروگرام طے تھا۔ امیرِ محترم نے تقریباً ایک گھنٹہ سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کا درس دیا اور ان کی روشنی میں اقامتِ دین کی فرضیت کو واضح طور پر بیان فرمایا اور اسلامی تحریک کے کارکنوں کے چند اوصاف کی وضاحت فرمائی۔

ناشتہ سے فراغت کے بعد تقریباً پونے آٹھ بجے امیرِ محترم جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب، محمد راشد گنگوہی صاحب اور اکرام الحق صاحب کی معیت میں طے شدہ پروگرام کے تحت مولانا سیّد عبدالستار شاہ صاحب سے ملاقات کی غرض سے جامعہ رحیمیہ تشریف لے گئے، جہاں مولانا رحمت اللہ صاحب بھی موجود تھے۔ بعد ازاں جماعتِ اسلامی بلوچستان کے امیر سابق ایم این اے جناب مولانا عبدالحق صاحب، جماعتِ اسلامی کوئٹہ کے امیر مولانا عبدالغفور بلوچ صاحب

اور تربت سے مولانا عبدالغفار سلفی صاحب بھی حسنِ اتفاق سے وہاں تشریف لے آئے۔ یوں یہ نشست مزید اہمیت اختیار کر گئی۔ دیگر امور کے علاوہ خصوصاً مروّجہ سیاست پر کھل کر گفتگو ہوئی اور امیرِ محترم نے اپنے موقف کا بھرپور اظہار فرمایا۔

تنظیم اسلامی کے علاقائی اجتماع کا آغاز ۱۵ر اگست کو نماز فجر سے ہی ہو گیا تھا۔ امیرِ محترم کو بھی اس میں نماز ظہر تک شرکت کرنا تھی، لیکن مسلسل پروگراموں، خصوصاً گزشتہ رات گئے تک علماء کے گروپ سے گفتگو، صبح بعد نماز فجر درسِ قرآن اور جامعہ رحیمیہ میں علماء کرام سے گفتگو کی وجہ سے آپ کی طبیعت کچھ مضمحل ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے کچھ دیر ہوٹل میں آرام فرمایا اور تقریباً ساڑھے بارہ بجے اجتماع میں تشریف لائے، جہاں آپ نے رفقاء سے گفتگو فرمائی اور کوئٹہ تنظیم کی کارکردگی اور رفتارِ کار کا جائزہ لیا۔ آپ نے مقامی تنظیم کی کارکردگی پر اظہارِ اطمینان فرمایا، جبکہ اس حوالے سے عدمِ اطمینان کا اظہار کیا کہ کوئٹہ کی تنظیم میں وسعت نہیں ہو رہی ہے۔ آپ نے اس ضمن میں توجہ دینے کی ضرورت کا احساس دلایا اور توسیعِ دعوت کا کام آگے بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا۔ دوپہر کا کھانا آپ نے رفقاء کے ساتھ کھایا۔ بعد ازاں آپ کراچی روانہ ہونے کے لئے بغرض تیاری ہوٹل تشریف لے گئے، جہاں سے پونے چار بجے ایئرپورٹ روانہ ہوئے۔ راقم الحروف اور رفیقِ محترم اکرام الحق صاحب نے ایئرپورٹ پر آپ کو رخصت کیا۔

علاقائی اجتماع ۱۶ر اگست کو دوپہر بارہ بجے تک جاری رہا، جس میں محترم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے منتخب نصاب نمبر ۲ کے مختلف اسباق کے درس دیئے، نظام العمل کا مطالعہ کرایا اور اس کے مختلف نکات کی وضاحت کی۔ نظام العمل کے ضمن میں آپ نے اس بات پر زور دیا کہ اس کی دفعات تمام رفقاء کو زبانی یاد ہونی چاہئیں۔ رفقاء نے اپنا تفصیلی تعارف کرایا، جس میں ہر رفیق نے اپنی موجودہ دینی کیفیت، گھر کے اندر اصلاحی عمل کی کیفیت اور تنظیم میں شمولیت کے بعد خود اپنے اندر جو انقلاب آیا اس سے بھی دوسرے رفقاء کو آگاہ کیا۔ علاوہ ازیں ہمارے مہمان رفیق جناب محمد سلطان صاحب نے ۱۶ر اگست کو بعد نماز فجر ایک گھنٹے کا درس اپنے مخصوص انداز میں دیا۔ یوں یہ اجتماع اپنے مقررہ وقت پر اختتام پذیر ہوا۔

علاقائی اجتماع میں کوئٹہ کے ۱۳ رفقاء نے ہمہ وقتی اور ایک رفیق نے جز وقتی شرکت کی۔ علاوہ ازیں لاہور سے جناب مختار احمد خان، بنوں عاقل (سکھر) سے جناب محمد سلطان صاحب اور بستی سے جناب غلام نبی قریشی صاحب نے مہمان رفقاء کی حیثیت سے اجتماع میں ہمہ وقتی شرکت فرمائی۔ محترم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی طبیعت ۱۵ر اگست رات کو کافی ناساز ہو گئی تھی،

ن اس کے باوجود انہوں نے انتہائی ہمت اور استقامت سے اجتماع کے پروگراموں کو آگے
ھایا۔ اللہ تعالٰی ان کی اس ہمت اور کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اس کا بہترین اجر
ں کے لئے محفوظ فرمائے۔

ماہ جولائی کے دوران

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب کی دعوتی سرگرمیاں

ایک اجمالی جائزہ

ماہِ جولائی کے دوران حلقہ پنجاب کی سطح پر ہونے والی دعوتی سرگرمیوں کا اجمالی جائزہ
سبِ ذیل ہے۔

لقہ شمالی پنجاب

۱۔ ۱۷ - ۱۸ر جولائی کو مظفر آباد میں دو روزہ دعوتی پروگرام ہوا، جس کے نتیجے میں وہاں
رہ قائم ہوگیا۔ ملتزم رفیق جناب بشیر عبداللہ صاحب کو نقیب مقرر کیا گیا۔

۱۔ ۲۰ - ۲۱ر جولائی کو جاتلاں، میرپور میں دعوتی پروگرام ہوا اور وہاں کے رفقاء کو منظم
ر کے اسرہ کی صورت دی گئی۔ ملتزم رفیق جناب سید محمد آزاد صاحب کو نقیب مقرر کیا گیا۔

۱۔ ۲۴ - ۲۵ر جولائی کو جلالپور جٹاں، ضلع گجرات میں دو روزہ پروگرام ہوا۔ رفقاء کی
ظیم نو کی گئی اور ملتزم رفیق خالد سعید صاحب کو نقیب مقرر کر کے اسرہ تشکیل دے دیا گیا۔
الپور کی تین جامع مساجد میں راقم سمیت تین رفقاءِ تنظیم نے اجتماعاتِ جمعہ سے خطاب کیا۔
ب کارنر میٹنگ کا اہتمام بھی کیا گیا جس کے اعلان کے لئے تانگے پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر پورے
ر میں گشت کیا گیا۔ کارنر میٹنگ مین بازار میں رکھی گئی، جس سے راقم نے خطاب کیا۔

لقہ شرقی پنجاب

۲۔ سیالکوٹ میں معمول کی تنظیمی سرگرمیوں کے علاوہ تنظیم کے ایک رفیق نے کینٹ
کے علاقے میں ہفتہ وار درسِ قرآن کا آغاز کیا ہے، جس میں شرکاء کی تعداد ۸۰ سے ۱۰۰ تک
رتی ہے۔

☆ - سیالکوٹ میں آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور کتب پر مشتمل ایک لائبریری کا آغاز کیا گیا ہے۔

☆ - سیالکوٹ کی جامع مسجد مصطفےٰ میں رفیقِ تنظیم محمد اشرف صاحب نے مسلسل خطبۂ جمعہ کا آغاز کیا ہے۔

☆ - سیالکوٹ کے ساتھیوں نے تنظیم کے تعارف کے ضمن میں بڑے بڑے بورڈ (Hoardings) تیار کروا کر نمایاں جگہوں پر لگائے ہیں۔

☆ - ڈسکہ کلاں میں ایک مزید درسِ قرآن ایک رفیقِ تنظیم کے گھر پر شروع کیا گیا ہے۔

☆ - ڈسکہ میں جامع مسجد عثمانیہ میں رفیقِ تنظیم مرزا ندیم بیگ نے دو جمعوں کے خطاب میں تنظیم کی دعوت پیش کی۔

☆ - گوجرانوالہ میں پندرہ روزہ درسِ قرآن کا باقاعدہ آغاز ہو گیا ہے۔ درسِ قرآن رفیقِ محترم جناب محمد امین صاحب کے مکان پر ہوتا ہے۔

حلقہ غربی پنجاب

☆ - نائب ناظم حلقہ غربی پنجاب جناب احسان الٰہی ملک صاحب کی معیت میں ساتھیوں کے ایک گروپ نے ۱۴ر جولائی کو کمالیہ کا دورہ کیا۔ رفقاء و احباب سے ملاقاتوں کے علاوہ قاری زاہد صاحب کی مسجد اہلحدیث میں بعد نماز ظہر خطاب ہوا اور لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

☆ - سرگودھا میں تبلیغی جماعت کے اجتماع کے موقع پر رفقاء کے ایک گروپ نے ۲۵ر جولائی کو کیمپ لگایا۔ مکتبہ بھی لگایا گیا جہاں سے کافی مقدار میں کتب فروخت ہوئیں۔ تبلیغی جماعت کے کچھ ذمہ دار حضرات سے مفصل تبادلۂ خیال بھی ہوا۔

☆ - تنظیم اسلامی فیصل آباد کی امارت کی ذمہ داری ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب سے پروفیسر خان محمد صاحب کو منتقل کر دی گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب فیصل آباد میں انجمنِ خدام القرآن فیصل آباد کو منظم کر رہے ہیں اور انہیں اس انجمن کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔

حلقہ جنوبی پنجاب

☆ - ۱۸-۱۹ر جولائی کو شجاع آباد میں دو روزہ دعوتی پروگرام ہوا۔ ایک مقامی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ ہوا اور ایک گھر پر خصوصی نشست میں دعوتی تقریر کی گئی۔

☆ - ۲۹ تا ۳۱ر جولائی نائب ناظم حلقہ جنوبی پنجاب جناب محمد اشرف وصی صاحب نے

ے والا، وہاڑی، ملتان، شجاع آباد اور بہاولپور کا دورہ کیا، جس کے دوران رفقاء سے ملاقاتیں توسیع دعوت کے ضمن میں مختلف تجاویز پر تبادلۂ خیال ہوا۔

ظیم اسلامی لاہور شہر

معمول کے دعوتی و تنظیمی اجتماعات کے علاوہ:

- ۱۰ر جولائی کو مزنگ اڈہ لاہور، جہاں تنظیم کا مقامی دفتر بھی ہے، سے متصل مین روڈ یک جلسۂ عام منعقد کیا گیا، جس میں امیرِ محترم نے ملکی و ملی مسائل اور قومی و عالمی حالات ، پس منظر میں تنظیم اسلامی کی دعوت اور طریقِ کار کی وضاحت کی۔ جلسے کا انتظام بہت عمدہ ۔ حاضری کے اعتبار سے بھی یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ مقامی تنظیم کے رفقاء نے جلسے کی یر کے لئے جلسے سے قبل دو روز تک ٹی بورڈ مہم چلائی۔ گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے انات کئے گئے اور آس پاس کے علاقوں میں پوسٹر چسپاں کئے گئے۔
- مقامی تنظیم کے دفتر ۴۔ اے مزنگ روڈ پر ہفتہ وار درسِ قرآن کے آغاز کا اعلان ا گیا۔
- 'ندا' کی اشاعت میں اضافے کے لئے خصوصی مہم چلائی گئی۔ چنانچہ اب لاہور شہر ، ندا کی کھپت ۳۰۰ سے بڑھ کر ۴۰۰ ہو گئی ہے۔

ظیم اسلامی لاہور شرقی

معمول کے دعوتی و تنظیمی اجتماعات کے علاوہ:

- ۵-۶ر جولائی کو والٹن میں دو روزہ دعوتی پروگرام منعقد ہوا۔ ٹی بورڈز کے ذریعے لوں پر گشت کیا گیا اور اسی دوران مختلف مقامات پر متعدد رفقاء نے خطاب کیا۔
- تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے امیر میاں محمد نعیم صاحب نے دو مقامات پر ہفتہ وار سِ قرآن مجید کا آغاز کیا ہے ——— (۱) گرین ٹاؤن میں ڈاکٹر محمد یونس طور صاحب کی ئش گاہ پر۔ اور (۲) مدینہ کالونی والٹن میں رفیقِ تنظیم رفیق رضوان صاحب کے مکان پر۔

نجاب کی سطح پر دو روزہ مشاورتی تربیت گاہ

۹-۱۰ر محرم الحرام (۲۳، ۲۴ر جولائی) کو قرآن اکیڈمی لاہور میں پنجاب کے ملتزم رفقاء کی

دو روزہ مشاورتی تربیت گاہ منعقد ہوئی، جس میں اہم معاملات پر رفقاء کو اظہارِ خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔ امیرِ محترم نے مشورے کی اہمیت سے متعلق سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کا درس دیا۔ راقم نے نظام العمل کی ان دفعات کا مطالعہ کروایا جو مشورے اور تنقید کے آداب وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے انجمن اور تنظیم کے باہمی تعلق پر مفصل روشنی ڈالی۔ چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے تربیت و تزکیہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور آخر میں امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے رفقاء کے اظہارِ خیال کے حوالے سے مفصل خطاب کیا۔ یہ پروگرام نتیجے کے اعتبار سے الحمدللہ بہت کامیاب رہا۔

(مرتب : عبدالرزاق، ناظمِ حلقہ پنجاب)

مرکز تنظیم اسلامی میں منعقدہ

سات روزہ ملتزم تربیت گاہ

قارئینِ میثاق کے سامنے تنظیم اسلامی پاکستان کا مشن اور اس کا طریقِ کار بالکل واضح ہے۔ جب سے تنظیم اسلامی نے اپنا نظام العمل مرتب کیا ہے اس وقت سے الحمدللہ اس پر عملدرآمد کی بھرپور کوشش ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہر ماہ مرکزی دفتر تنظیم واقع گڑھی شاہو لاہور میں ہفت روزہ تربیت گاہیں منعقد ہو رہی ہیں۔ ایک ماہ مبتدی تربیت گاہ اور دوسرے ماہ ملتزم تربیت گاہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس مرتبہ ماہ اگست کی ۹ر تاریخ سے تیسری ملتزم تربیت گاہ کا آغاز ہوا، جو ۱۵ر اگست کی ظہر تک جاری رہی۔ ۹ر اگست کو بعد از نماز عصر چوہدری غلام محمد صاحب (معتمد تنظیم اسلامی پاکستان) نے رفقاء کو خوش آمدید کہا اور رفقاء کا مختصر تعارف حاصل کیا۔ جو رفقاء اس تربیت گاہ میں شامل رہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حاجی محمد صادق راٹھور (جلال پور جٹاں)، محمد سلیم (ابو ظہبی، العین)، ڈاکٹر منظور حسین (ملتان)، محمد نواز (وہاڑی)، محمد یعقوب عمر (لاہور)، عبدالحق (وہاڑی)، رضا جلیل (لاہور)، جاوید رفیق (اسلام آباد)، افتخار احمد (فیروز والا)، مختار احمد (فیصل آباد)، عابد اکرام اللہ (راولپنڈی)، انوار الحق (راولپنڈی)، رؤف اکبر (راولپنڈی)، عبدالرزاق (ملتان)، محمد شفیع (ملتان)، محمد عارف حسین (اسلام آباد)، فیاض حکیم (لاہور)،

آفتاب عالم (لاہور)، سردار اعوان (لاہور)، شبیر احمد (آزاد کشمیر)، طارق جاوید (لاہور)، عظمت ممتاز ثاقب (اسلام آباد)، محمد موسیٰ جار اللہ (ملتان)، محمد سلیمان (ڈسکہ)، مرزا ندیم بیگ (ڈسکہ)، احمد نواز (کراچی)، منظور احمد (قرآن کالج لاہور)، محمد عمران (کراچی)، سید یونس واجد (قرآن کالج لاہور)۔ اس کے علاوہ نوید احمد (لاہور) اور احمد حسین (لاہور) نے جزوی شرکت کی۔

تعارفی پروگرام نماز مغرب تک جاری رہا۔ نماز مغرب کے بعد ویڈیو پر امیر محترم کا سورۃ العصر کا درس دکھایا گیا۔ نماز عشاء اور رات کے کھانے کے بعد رفقاء نے آرام کیا۔

تربیت گاہ کے پروگرام کو روزانہ تین نشستوں میں تقسیم کیا گیا تھا --- پہلی نشست صبح تین بجے سے چھ بجے تک، دوسری نشست صبح ساڑھے آٹھ بجے سے اذانِ ظہر تک اور تیسری نشست نماز عصر سے عشاء تک۔ روزانہ کا معمول قریباً یہی رہا۔

☆ ۱۰ اگست بروز ہفتہ

صبح ۳ بجے رفقاء کو بیدار کیا گیا۔ تہجد وغیرہ کی ادائیگی کے بعد اذانِ فجر ہوئی۔ فجر کی سنتوں کے بعد رفقاء نے جماعتِ فجر تک قرآن مجید کی تلاوت کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب (ناظمِ تربیت) نے نمازوں کے فرائض، سنتِ مؤکدہ و غیر مؤکدہ اور نوافل وغیرہ کی تقسیم کے بارے میں تفصیل سے وضاحت فرمائی۔ آٹھ بجے ناشتے کا انتظام تھا۔ دوسری نشست میں پہلے رحمت اللہ بٹر صاحب نے فرائضِ دینی کے جامع تصور پر جامع انداز میں اظہارِ خیال فرمایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالخالق صاحب (ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان) نے "عالمی غلبۂ اسلام اور خطۂ پاک و ہند" پر تفصیلی لیکچر دیا۔ اس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد چوہدری غلام محمد صاحب نے التزامِ جماعت اور نظمِ جماعت کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ ان خطابات کے دوران رفقاء کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ان کے نوٹس (Notes) لیں تاکہ دوسرے دن رفقاء ان موضوعات پر تجرباتی تقاریر کر سکیں۔ اذانِ ظہر کے ساتھ ہی یہ نشست ختم ہوئی۔

کھانے کے بعد عصر تک آرام کا وقفہ تھا۔ عصر کے بعد تفصیلی تعارف کا پروگرام شروع ہوا۔ اس نشست میں رفقاء کو اپنے حالاتِ زندگی اور تنظیم میں شمولیت کی وجوہات بیان کرنا تھیں۔ یہ پروگرام صرف سوا چھ بجے تک ہو سکا کیونکہ آج قرآن اکیڈمی میں امیرِ محترم کا ہفتہ وار درسِ قرآن تھا، جس میں شرکت کے لئے رفقاء سوا چھ بجے اکیڈمی روانہ ہوئے۔ آج امیرِ

محترم نے سورۃ العصر کے مباحث پر اختتامی گفتگو کی اور سورۃ الھمزہ پر جامع اور تفصیلی درس دیا۔ واپسی تقریباً رات دس بجے ہوئی۔

☆ ۱۱ر اگست بروز اتوار

پہلی نشست معمول کے مطابق ہوئی۔ دوسری نشست میں آج کے لئے رفقاء کے ذمّے لگائی گئی تجرباتی تقاریر کروائی گئیں۔ یہ پروگرام ایک بجے تک جاری رہا۔ نمازِ عصر میں آج امیرِ محترم بنفسِ نفیس مرکزی دفتر تشریف لائے۔ امیرِ محترم نے پہلے ان رفقاء سے تعارف حاصل کیا جن سے وہ متعارف نہ تھے۔ اس کے بعد رفقاء نے امیرِ محترم سے مختلف سوالات کئے۔ یہ نشست مغرب تک جاری رہی۔ اس کے بعد امیرِ محترم اکیڈمی روانہ ہوگئے اور رفقاء نے بذریعہ ویڈیو امیرِ محترم کے دورۂ ترجمۂ قرآن سے سورۃ الحدید کا مطالعہ کیا۔ نمازِ عشاء کے ساتھ ہی یہ نشست اختتام کو پہنچی۔

☆ ۱۲ر اگست بروز پیر

آج بھی پہلی نشست حسبِ معمول رہی۔ نمازِ فجر کے بعد جناب ڈاکٹر منظور حسین صاحب نے درسِ قرآن دیا۔ دوسری نشست میں جناب عبدالرزاق صاحب (ناظم پنجاب) نے "پاکستان میں اسلامی انقلاب ـــ کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کے بعد میاں محمد نعیم صاحب (امیرِ تنظیم لاہور شرقی) نے "انقلابی مسلمان کی پہچان" کے عنوان پر مؤثر خطاب کیا۔

نمازِ عصر کے بعد سے نمازِ عشاء تک رفقاء کا تفصیلی تعارف حاصل کیا گیا، جس میں ہمت اور عزیمت کے واقعات سامنے آئے۔

☆ ۱۳ر اگست بروز منگل

پہلی نشست حسبِ معمول ہی رہی۔ دوسری نشست میں تجرباتی تقاریر کا بقیہ حصہ مکمل کیا گیا۔ اس تجربہ سے رفقاء کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا کہ اگر تھوڑی سی تربیت اور مواقع ملیں تو ان میں سے کئی ایک اچھے مدرّس و مقرر بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد میاں محمد نعیم صاحب نے پچھلے موضوع کو مکمل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد رفقاء دعوتی پروگرام اور نی بورڈ مہم کے لئے علامہ اقبال ٹاؤن روانہ ہوئے۔ اس مہم کے امیر جناب فیاض حکیم صاحب تھے۔ مقامی طور پر جناب

شاہد احمد عبداللہ صاحب نے رہنمائی فرمائی۔ رفقاء ٹی بورڈ ہاتھوں میں لے کر ایک لائن میں چلتے رہے۔ ٹی بورڈز پر درج عبارتوں میں لوگوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت دی گئی تھی۔ ساتھ ہی گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تنظیم کی دعوت اور پروگراموں سے متعلق اعلانات کئے گئے اور توبہ اور تجدیدِ عہد کی منادی کی گئی۔ لوگوں میں تنظیم کا منشور بھی تقسیم کیا گیا۔ اس دوران پانچ مقامات پر کارنر میٹنگ منعقد کی گئی۔ مقررین نے لوگوں کو "جشنِ آزادی" کے حوالے سے توجہ دلائی کہ آیا ہم جشنِ آزادی منانے کے مستحق ہیں یا ندامت کے آنسو بہانے کے؟ کیا ہم نے اللہ سے وعدہ وفا کیا ہے یا وعدہ خلافی؟ دو مقامات پر طارق جاوید صاحب نے اور باقی مقامات پر فیاض حکیم صاحب' مرزا ندیم بیگ اور مختار احمد صاحب نے خطاب کیا۔ رات قریباً ساڑھے نو بجے واپسی ہوئی اور نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔

☆ ۱۴ر اگست بروز بدھ

پہلی نشست نماز فجر کے بعد ختم ہوگئی' تاکہ رفقاء گزشتہ روز کی تھکن اتار سکیں۔ دوسری نشست میں پہلے "آرگنائزیشن کے چینلز" کے موضوع پر سراج الحق سید صاحب (ناظم مرکزی انجمن) کے لیکچر کا ویڈیو کیسٹ دکھایا گیا۔ اس کے بعد سراج الحق سید صاحب نے بذات خود اپنے منفرد اور دلچسپ انداز میں اس لیکچر پر مشق کروائی اور سوالات کا جواب دیا۔

آج شہر لاہور میں حکومت اور اپوزیشن دونوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے جلسوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ حکومت نے والٹن میں "بابِ پاکستان" کے سنگِ بنیاد کی تقریب کے نام پر پورے ملک سے لوگوں کو کھینچ کر لانے کی کوشش کی اور اپوزیشن نے باغِ بیرون موچی دروازہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ شہریوں اور بیرونِ لاہور سے آنے والے لوگوں کے جلوس ہر دو اطراف میں رواں دواں تھے۔ آج بھی ٹی بورڈ مہم کا پروگرام طے تھا۔ شہر میں ہونے والے ان جلسے جلوسوں کی وجہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ ٹی بورڈ مہم صرف ریلوے اسٹیشن تک محدود رکھی جائے اور یہیں لوگوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت دی جائے۔ الحمدللہ یہ مہم انتہائی کامیاب رہی۔ لوگوں نے بھرپور توجہ سے ان دیوانوں کی بات سنی کہ جو ؎ "اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!" کے مصداق سلطانیٔ جمہور کے اس زمانے میں عوامی حاکمیت کی جگہ حاکمیتِ ربّ کے قیام اور جمہوریت کے بجائے خلافت کے احیاء کی بات کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر دو مقامات پر خطابات ہوئے اور اسٹیشن کے سامنے والی پارک کے اطراف میں ٹی بورڈز کے

ساتھ دو مرتبہ چکر لگائے۔ نمازِ مغرب واپس دفتر میں آ کر ادا کی گئی۔ اس کے بعد نمازِ عشاء تک باقی رفقاء کا تفصیلی تعارف حاصل کیا گیا۔

☆ ۱۵ر اگست بروز جمعرات

آج تربیت گاہ کا آخری دن تھا، جس میں صرف دو نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست معمول کے مطابق تھی۔ دوسری نشست خلافِ معمول سوا آٹھ بجے شروع ہوئی جس میں جناب قمر سعید قریشی صاحب (نائب امیرِ تنظیم) نے تعلق باللہ سے متعلق رفقاء کی عملی رہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد رفقاء کو اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ ۱۲ر رفقاء نے اظہارِ خیال میں حصہ لیا اور تربیت گاہ سے متعلق خوبیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد جناب عبدالرزاق صاحب نے دعوت الی اللہ، اس کے آداب اور طریقے کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ چائے کے وقفے کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے یقینِ آخرت پر مدلل خطاب فرمایا، جس سے حاضرین کے قلوب خوفِ آخرت سے معمور ہوگئے۔ پھر ڈاکٹر منظور حسین صاحب نے رفقاء کو نصیحت فرمائی کہ اس ہفتے میں ہم نے جو اپنی بیٹری چارج کی ہے، اس بیٹری سے ہمیں معاشرے میں دین کی روشنی پھیلانی ہے اور کفر و جہالت کے اندھیروں کو دور کرنا ہے ؎

بجا، بجا کہ اندھیرا ہے شاہراہوں میں
چراغِ فکر جہاں تک جلے، جلائے چلو!

اسی آخری نصیحت کے ساتھ یہ تربیت گاہ اختتام کو پہنچی اور رفقاء نے اس جذبے کے ساتھ رختِ سفر باندھا کہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

دورانِ تربیت گاہ ہر نماز کے بعد احادیث کا مختصر مطالعہ معمول میں رہا۔ اس دوران بڑی ہی قابلِ عمل اور دلوں کو جلا بخشنے والی احادیث سامنے آتی رہیں۔ رپورٹ کے آخر میں اگر ناظمِ تربیت گاہ جناب رحمت اللہ بٹر کے شفیقانہ اور مدبرانہ رویے اور قیام و طعام کے حسنِ انتظام کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ بڑی ناشکری ہوگی۔

وما توفیقنا اِلا باللّٰہ العلی العظیم

مرتب : سیّد یونس واجد

"گمشدہ" نہیں "فراموش کردہ" کڑی!

مستری محمد صدیق صاحب کے بارے میں ایک خط

محترم جناب ناظم صاحب! سلام علیک

ماہنامہ میثاق ماہ اگست ۹۱ء کے شمارہ میں مستری محمد صدیق علیہ الرحمۃ کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے کہ وہ انتہائی مخلص، فعال اور تحریکی مزاج کی حامل منفرد شخصیت تھے۔ ان کو "گمشدہ کڑی" نہیں بلکہ "فراموش کردہ کڑی" کہنا چاہیے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مبارک پارک پونچھ روڈ لاہور میں جماعتِ اسلامی کی تاسیس ہوئی تو راقم ہی کپور تھلہ سے سیّد محمد جعفر شاہ پھلواروی" سید محمد حسن شاہ مرحوم اور عظمت علی شاہ مرحوم کے ساتھ اس پہلے اجتماع میں شریک ہوا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ جماعتِ اسلامی کی تاسیس کے محرکِ اول مستری صاحب مرحوم تھے۔ اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں جودھ پور بلڈنگ کراچی میں تھا۔ ان دنوں حاجی محمد احمد ٹلہ مرحوم کے پاس لارنس روڈ کراچی میں مستری صاحب رہتے تھے اور گاہے بجودھ پور بلڈنگ میں تشریف لاتے۔ سادہ لباس ہوتا اور درویش سیرت تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ خوشاب سے آگے سون سکیسر پہاڑی علاقہ ہے، وہاں پر ایک نئی دنیا بسانی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کئی اللہ کے بندوں نے یہ کوشش کی، لیکن وہ نئی دنیا نہ بسا سکے۔ اس پر فرمایا کہ نئی دنیا بسانے کی کوشش ہی نئی دنیا بسانا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جماعتِ اسلامی میں اس انتہائی مخلص شخصیت کو اہمیت نہ دی گئی۔ کسی بھی کتاب یا پمفلٹ میں مرحوم کا ذکرِ خیر نہیں ہوا۔ اس کمی کو محترم رحمٰن صدیقی صاحب نے پورا کر دیا ہے۔ اللہ کریم ان کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

والسلام

غلام کبریا خان ترکانی، عرائض نویس

ڈسٹرکٹ کورٹ۔ کوئٹہ

'سود کی حرمت'

ریاض (سعودی عرب) سے ایک خاتون کا عبرت آموز خط

محترم ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم!

امید ہے آپ معہ اہلِ خانہ و رفقاء بخیریت ہوں گے۔ کافی دنوں سے آپ کے دروس کے کیسٹس میں سُود سے متعلق احادیث سن کر ڈپریشن کا شکار ہو جایا کرتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا کرتی تھی کہ "تو رازق ہے، تو حلال رزق دے، جس کا مجھے یقین ہے۔ میں بہت مجبور ہوں، تو یقیناً مجبور نہیں ہے، کوئی راستہ نکال سکتا ہے۔ تیری حرام کی ہوئی چیزوں سے مجھے قطعی دلچسپی نہیں ہے، دنیا کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ میرا معیار صرف تیری ذات ہے۔ تیرا خوف اور تیری محبت مجھے حرام چیزوں سے نفرت سکھاتی ہے، وغیرہ وغیرہ......"۔

میری دعائیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول کیں کہ گزشتہ ہفتہ فاروقی (میرے شوہر) کے ایم ڈی نے بلا کر کہا کہ وہ بنک میں ایک غیر سودی ڈیپارٹمنٹ کھولنا چاہتا ہے، قطعی اسلامی اور شریعت کے مطابق "Interest free banking department" بنانا چاہتا ہے، جس کا head فاروقی کو بنایا جائے تو انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ اہم بات یہ کہ ایسی اسکیم تیار کی جائے کہ Interest قطعی شامل نہ ہو اور قطعی اسلامی طریقہ ہو۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ سے اس شعبہ میں فاروقی کا باقاعدہ ٹرانسفر ہو جائے گا اور کام شروع کریں گے۔ سوڈان، پاکستان، مصر اور مختلف ممالک (سے ماہرین) بھی جائیں گے تاکہ Interest free banking کی کوئی بہترین اسکیم بنائی جائے۔

آپ کے درس سن سن کر میں اللہ سے دعا کرتی تھی اور پاکستان کے لئے بھی کہ کوئی ایسا راستہ نکال دے کہ تمام مسلمانوں کو سُود کی لعنت سے نجات مل جائے۔ آپ اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا بہترین راستہ نکال دے کہ نہ صرف پورا بنک بدل جائے بلکہ ایک مثال بن جائے پاکستان کے لئے اور مسلمان ممالک کے لئے۔ آپ نے درس میں ذکر کیا ہے کہ دوسرے تیسرے ہفتہ آپ سُود کی حدیث سناتے ہیں اور ایک صاحب نے نماز میں آنا بند کر دیا۔ اب اس حدیث کے ساتھ میرا قصہ میرے نام کے بغیر ضرور سنایا کریں کہ صرف انسان نیت ہی ٹھیک کر لے تو اللہ کیسی مدد کرتا ہے۔ میں نے سُود سے صرف اللہ کے لئے شدید نفرت

لی اور اللہ نے مجھے پاکیزہ راستے کی خوشخبری دی۔ حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرمندگی ہے کہ میرے اعمال ۳۳ فیصد بھی درست نہیں ہو سکے۔

فاروقی آپ کو بہت سلام کہہ رہے ہیں اور آپ سے اور سب رفقاء سے دعا کے لئے درخواست کر رہے ہیں کہ اس کام کی کامیابی کے لئے انہیں دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آپ کا وقت یقیناً قیمتی ہے، مگر آپ کے دروس نے ہی میرے شعور میں مسلمان امت اور دین کی بے حرمتی کے احساس کو بہت جگا دیا ہے۔ گزشتہ دنوں میں نے ایم کیو ایم کے الطاف حسین کو ایک تبلیغی خط لکھا تھا، جواب میں انہوں نے یقین دلایا تھا کہ دین کے لئے کچھ کریں گے۔ آج کل جماعتِ اسلامی اور ایم کیو ایم میں شدید جنگ اور انتقامی کارروائیاں جاری ہیں۔ ایم کیو ایم والے غنڈہ گردی میں مصروف ہیں، حالانکہ دونوں تنظیموں میں بہترین پڑھے لکھے لوگ ہیں، یا شاید سب سے زیادہ پڑھے لکھے نوجوان اور اچھے ذہن ہیں، مگر غلط راستے پر۔ جماعت اسلامی میں تو بہت دیندار اور بزرگ ہیں، کیا وہ مخالفت چھوڑ کر دین کی خاطر، ملک کی خاطر ایم کیو ایم کے لوگوں سے بات چیت نہیں کر سکتے؟ انہیں دین کی طرف بھی بلا سکتے ہیں بجائے اس کے کہ پی پی کے غنڈوں کے ساتھ مل کر مزید حالات خراب کئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ آپ خود درس میں بتاتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو صلح کرانی چاہئے۔ آپ کی تنظیم کے لوگ یہ کیوں نہیں کرتے؟ جماعتِ اسلامی میں بھی بہت بڑی تعداد مہاجرین کی ہے، میرے اپنے خاندان کے تمام ووٹ جماعت اسلامی کو جاتے تھے، پھر پی پی کے ساتھ جماعتِ اسلامی کی محبت سمجھ میں نہیں آتی۔

پرسوں میں ایک ڈنر پر گئی ہوئی تھی، جہاں قابل ڈاکٹروں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیگمات قرآن و سنت کا بری طرح مذاق اڑا رہی تھیں۔ امریکہ کی حمایت اور پاکستان کو شدید بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ خاص طور پر وہ خود فرما رہی تھیں کہ وہ جدّی پشتی پاکستانی ہیں، میری طرح مہاجر نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چلتے وقت جب انہوں نے ہاتھ ملایا تو بتایا کہ زیادہ ان میں پی پی سے تعلق رکھتی تھیں۔ میں تنہا Urdu speaking تھی اور میں نے انہیں بتایا کہ مہاجر ہونے کی سزا میں میں نے، فاروقی نے، اور میرے بھائیوں نے بہت Suffer کیا، نقصان اٹھایا، ذہنی اذیت برداشت کی، مگر پھر بھی پاکستان سے ہمیں بہت محبت ہے۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء تک شدید ذہنی دباؤ اور پریشان کن حالات کے بعد پاکستان میں فاروقی کا پورا کیریر ختم کر دیا گیا تھا، جبکہ وہ Vice President and Zonal Chief تھے۔ ایک بھائی کو کئی سال تک ملازمت اس لئے نہیں دی جاتی تھی کہ وہ نئے سندھی ہیں۔ یہ کہہ کر جواب دے دیا جاتا تھا، جبکہ اعلیٰ ڈگری اور قابلیت موجود تھی۔ پھر وہ امریکہ چلے گئے تھے۔ ایک بھائی ابھی تک پریشانی میں ہیں۔

پنجاب میں انہیں ٹرانسفر کیا جاتا ہے تو واپس سندھ بھیج دیئے جاتے ہیں' سندھ میں نہیں رہنے دیتے تو بلوچستان میں غلیظ جگہ پر پوسٹنگ ہوتی ہے۔ یہاں بیوی بچے تک نہیں رہ سکتے اور جب وہ کبھی چھٹیوں میں گھر آ کر ملازمت کی باتیں بتاتے ہیں تو ہم لوگ انہیں جھوٹی تسلی بھی نہیں دے سکتے۔

یہی باتیں میں نے الطاف حسین کو لکھی تھیں کہ یہ سب غلاظت' خرابی اور کڑواہٹ پاکستانی ماحول میں دین سے دوری کی وجہ سے ہے' تم اس نفرت کو بڑھا رہے ہو۔ اگر اس خلیج کو ختم کرنا چاہتے ہو تو دین کے لئے کام کرو' تاکہ نفرت کی بنیاد ختم ہو جائے۔ جماعتِ اسلامی ایک پرانی اور دیندار جماعت ہے اور بہت سمجھدار لوگ ہیں' کیا وہ ان لوگوں کو سمجھا نہیں سکتے؟ اگر بڑے لوگ مل کر meetings میں آپس میں بات کر کے اختلافات ختم کر لیں تو کیا یہ دین اور ملک کے لئے اچھا نہیں ہو گا؟ اگر وہ دونوں ضد میں ہیں تو تیسرے لوگ ہی ان میں صلح کروا سکتے ہیں۔ آپ بہترین درس دیتے ہیں' مگر جب تک یہ درس مطلوبہ لوگ سنیں گے نہیں' ان سے فائدہ کس طرح حاصل ہو گا؟ بار بار میرے ذہن میں کیڑا کلبلاتا ہے کہ کراچی میں جو نوجوان آپس کی انتقامی کارروائیوں میں مرتے ہیں' کاش یہ اسلامی انقلاب کے لئے ہی شہید ہوتے۔ کم از کم ان کا خون دین و دنیا کے کام تو آتا۔ جہاں تک ایم کیو ایم کا تعلق ہے' دین سے بہت دور ہے' بے دین جماعت ہے۔ اور دینی جماعت' جماعت اسلامی سے لوگ بے زار ہو رہے ہیں' کم از کم میرے خاندان والے جو انہیں سو فیصد ووٹ دیا کرتے تھے' اب رشتہ تک نہیں دیتے۔ دو عدد ڈاکٹرز کے رشتے خاندان والوں نے مسترد کر دیئے کہ یہ "جماعتیہ" ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کے درس کے کیسٹ گھر گھر پہنچ جائیں کہ شاید لوگ کچھ سدھر جائیں۔

طویل خط کے لئے معذرت خواہ ہوں' دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ بھابی کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ فاروقی آپ سب کو سلام کہہ رہے ہیں۔

بیگم انوار فاروقی
الریاض۔ سعودیہ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۰
شمارہ: ۱۰
ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
اکتوبر ۱۹۹۱ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرتعاون -/۵۰

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

تحریک خلافت پاکستان کے آغاز کا باضابطہ اعلان وسط ستمبر میں ہوا تھا، اور اب ۳؍ اکتوبر کے جلسہ عام سے جو تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام باغ بیرونی موچی دروازہ منعقد ہو گا، ان شاء اللہ العزیز تحریک خلافت کے ضمن میں رابطہ عوام کا باقاعدہ آغاز ہو جائے گا۔ تحریک خلافت سے ہماری کیا مراد ہے، اس ضمن میں ۲۰؍ ستمبر کے "ندا" میں بسم اللہ مجریھا و مرسھا کے زیر عنوان شائع شدہ درج ذیل سطور میں واضح اشارہ موجود ہے:

> " امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۵؍ ستمبر ۹۱ء کو کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے "تحریک خلافت" کے آغاز کا اعلان کر دیا ہے۔ گویا انہوں نے اللہ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر تحریک خلافت کی کشتی دریا میں اتار دی ہے۔ ۔
>
> دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفان موج افزا
> دل اگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسھا
>
> محترم ڈاکٹر صاحب اس سے قبل یہ واضح فرما چکے ہیں کہ قیام خلافت سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ موجودہ جمہوری نظام پر جو ہر اعتبار سے زوال و اضمحلال کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے، جمہوریت کی بجائے خلافت کا لیبل چسپاں کر دیا جائے یا موجود الوقت صدر یا وزیراعظم کو "امیر المومنین" کا لقب عطا کر دیا جائے۔ خلافت کا قیام درحقیقت اسلامی انقلاب کے بعد ہی ممکن ہو گا۔ اور اس کے لئے بھی اسی نوع کی انقلابی جدوجہد درکار ہو گی جو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے لازمی خیال کی جاتی ہے۔ گویا تنظیم اسلامی کی دعوت کو بڑے پیمانے پر عوام میں متعارف کرانے اور تنظیم کے قافلے کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے تحریک خلافت کا عنوان اختیار کیا گیا ہے، جو ہر اعتبار سے نہایت موزوں بھی ہے اور مناسب حال بھی۔"

اس سے قبل ۸؍ ستمبر ۹۱ء کو فیصل آباد میں منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے جلسہ

عام میں امیر تنظیم نظام خلافت کے خدوخال پر وضاحت سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس جلسے کی رپورٹ زیر نظر شمارے میں شامل ہے۔

☆ ☆ ☆

"پاکستان میں نظام خلافت 'کیا' کیوں اور کیسے؟" کے عنوان سے امیر تنظیم اسلامی کا تحریر کردہ ایک جامع بیان جو انہوں نے پریس کلب کراچی میں صحافیوں کو پیش کیا تھا' "ندا" کے پچھلے شمارے میں شائع کر دیا گیا تھا۔ اس بیان کو جس میں امیر تنظیم نے نظام خلافت کے منشور کو دس نکات کی شکل میں معین انداز میں پیش کیا ہے' اب ایک چار ورقہ پمفلٹ کی شکل میں بڑی تعداد میں طبع کرایا گیا ہے تاکہ نظام خلافت کے صحیح تصور کو عام کرنے اور اس کے حوالے سے اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا شعور لوگوں میں اجاگر کرنے کے لئے اسے وسیع پیمانے پر پھیلایا جا سکے۔ اور اسے تنظیم اسلامی کی رابطہ عوام مہم کا ایک موثر ذریعہ بنایا جا سکے۔ قارئین میثاق میں سے جن حضرات نے ابھی تک امیر تنظیم اسلامی کے مذکورہ بیان کا مطالعہ نہ کیا ہو وہ مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' ۶۷۔ اے' علامہ اقبال روڈ سے اس کی ایک کاپی مفت طلب کر سکتے ہیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے مہم کی شکل میں عام کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر خواہش مند حضرات کے لئے اسے لاگت سے بھی کم قیمت پر مہیا کیا گیا ہے۔ ۱۰۰ پمفلٹوں پر مشتمل بنڈل کی قیمت صرف ر۲۰ روپے رکھی گئی ہے جو لاگت سے یقیناً بہت کم ہے۔ یہ بنڈل پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں قائم تنظیم اسلامی کے دفاتر سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی سفر بھارت سے مراجعت ۲۸ر ستمبر کو ہو گئی تھی ـــــ امیر تنظیم مجلس اتحاد ملت حیدر آباد دکن کی دعوت پر انڈیا تشریف لے گئے تھے جہاں انہیں "یوم رحمتہ للعالمین" پر سیرت کانفرنس سے خطاب کرنا تھا۔ انہیں بحیثیت مہمان خصوصی مدعو کیا گیا تھا۔ بروقت ویزا نہ ملنے کے باعث امیر تنظیم کو خاصی دقت کا سامنا رہا۔ انہیں ۱۹ر کو دہلی کے لئے روانہ ہونا تھا لیکن پھر بدقت تمام ۲۰ر ستمبر کو بعد نماز جمعہ روانگی ممکن ہوئی۔ اس دورے کی ایک مختصر رپورٹ "ندا" کے تازہ شمارہ میں جس پر ۱۵ر اکتوبر کی تاریخ درج ہے' شائع کی جا چکی ہے۔

☆ ☆ ☆

"دعوت بندگی رب" کے عنوان سے امیر تنظیم اسلامی کا ایک خطاب اس شمارے میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ یہ خطاب جسے آج سے کم و بیش چودہ سال قبل محترم جمیل الرحمٰن صاحب نے ذاتی دلچسپی اور محنت سے تیار کرکے کراچی سے شائع کیا تھا۔ اور پھر ایک عرصے تک یہ امیر تنظیم اسلامی کے بنیادی دعوتی لٹریچر کا جز رہا اور "مطالبات دین" نامی کتابچے میں شامل کیا گیا' اب قریباً چھ سات سال سے مذکورہ کتابچے کی اشاعت متروک ہونے کے باعث مکتبے میں دستیاب نہیں تھا۔ تاہم اس کی افادیت کی پیش نظر مختلف حلقوں سے اس کی ضرورت کا احساس شدت کے ساتھ سامنے آ رہا تھا۔ زیر نظر شمارے میں اسے شامل کرنے سے قبل اس پر مکرر محنت کرکے اس کی نوک پلک مزید سنواری گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ پہلے سے بہتر شکل میں یہ قارئین کے سامنے آسکے۔ **السعی منا والاتمام من اللہ**

○ ○ ○

احباب نوٹ فرمالیں

ملتان میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام

جلسہ عام

ہفتہ ۱۹ر اکتوبر کو بعد نماز عشاء سپورٹس گراؤنڈ

میں منعقد ہو گا ـــــ (ان شاء اللہ) ـــــ جس میں

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

"پاکستان میں نظام خلافت کا قیام"

کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے

تذکرہ وتبصرہ

"بھارت اور پاکستان کے مسلمانوں کی مشترکہ غلطی"

امیر تنظیم اسلامی کا سفر بھارت کے تاثرات پر مبنی خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور : ۴ر اکتوبر - بھارت میں اگرچہ علیحدگی پسند تحریکیں زور و شور سے سر اٹھا رہی ہیں، کشمیر اور آسام کے مسلمان اور تامل ناڈ اور پنجاب کے باشندے آزادی کے لئے سرگرم عمل ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اعتبار سے تشویشناک بات یہ ہے کہ پچھلے ایک عشرے کے دوران ہندومت کا احیاء بھی بڑی شدت و قوت سے ہوا ہے، جس کا سب سے بڑا مظہر ہندومت کی علمبردار بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی ابھرتی ہوئی قوت ہے، جو اس وقت ہندوستان میں کانگرس کے بعد دوسری بڑی سیاسی قوت بن چکی ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ وہ ہندوستان کے سفر سے واپسی کے بعد اپنے دورے کے تاثرات بیان کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۸۰ء میں جب میں تقسیم ہند کے بعد پہلی بار ہندوستان گیا تھا تو اس وقت میرے تاثرات یہ تھے اور مجھے یہ بات بڑی اطمینان بخش محسوس ہوئی تھی کہ بھارت میں ہندومت کا احیاء نہیں ہوا۔ لیکن اس کے بعد حالات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آئی ہے اور اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ۸۰ء کی دہائی میں جب ایک بار تمام مسلمان ووٹ اندرا گاندھی کے خلاف استعمال ہوا اور اس کے باعث اندرا کو الیکشن میں شکست ہوئی تو اس نے سیکولر مزاج کی حامل ہونے کے باوجود ہندو ووٹ کو اپنے حق میں متحد کرنے کے لئے ہندو دیوی کا روپ دھارا اور اس طرح ہندومت کے احیاء کی راہ ہموار ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہندومت کی تقویت کا ایک اہم سبب ہم مسلمانانِ پاکستان بھی ہیں۔ ہم نے پاکستان میں اسلام کا نعرہ اس زور و شور سے لگایا اور بالخصوص پچھلے گیارہ سالہ مارشل لاء کے دوران میں اسلام کا نام حکومتی سطح پر بھی اس بڑے پیمانے پر لیا گیا کہ ہندوؤں کے بھی کان کھڑے ہوئے اور ردِعمل کے طور پر نہ صرف یہ کہ انتہا پسند ہندو فرقہ پرستوں کی صفوں میں اتحاد پیدا ہوا بلکہ ان کی عددی اور عسکری قوت میں بے پناہ اضافہ بھی ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان میں اسلام کو محض اپنے سیاسی و حکومتی مقاصد کے لئے نعرہ کے طور پر

استعمال کیا جاتا رہا ہے' تنفیذِ شریعت اور قیامِ نظامِ اسلام کی جانب کوئی حقیقی پیش رفت آج تک نہیں ہوئی۔ لیکن ہمارے طرزِ عمل کے منفی ردِ عمل کے طور پر ہندو میں بیداری کی لہر پیدا ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد انہوں نے دو قومی نظریے سے انحراف کرتے ہوئے سیکولر ازم کو بطور ایک نظریۂ حیات کے اختیار کر لیا۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد پاکستان میں بھی جو حکومتی ڈھانچہ وجود میں آیا وہ سیکولر ازم کے اصول پر تھا۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی سیکولر ازم کو اپنے لئے ایک ڈھال سمجھتے ہوئے ایک مصلحت کے طور پر اسے ذہنی طور پر قبول کر لیا' حالانکہ دو قومی نظریے کی بنیاد پر قیامِ پاکستان کی تحریک چلانے میں ان کا بھی اتنا ہی حصہ تھا جتنا کہ مسلمانانِ پاکستان کا۔ بلکہ بھارت کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے قیامِ پاکستان کے لئے زیادہ قربانیاں دی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دو قومی نظریے کو صحیح اور مبنی بر حقیقت قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہر باشعور مسلمان یہ جانتا ہے کہ سیکولر ازم دراصل دین کی ضد ہے۔ سیکولر ازم کا مطلب ہے لادینیت۔ یہ خود اپنی جگہ ایک دین یعنی ایک مکمل نظام ہے۔ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اسی طرح سیکولر ازم اپنے ساتھ کسی اور "دین" کو گوارا نہیں کرتا۔ جبکہ اسلام ایک دین ہے' بلکہ قرآن حکیم کی رو سے دین تو اللہ کے نزدیک صرف "اسلام" ہے۔ مسلمانانِ پاکستان نے اسلام کے نام پر پاکستان کی صورت میں ایک آزاد ملک حاصل کیا' لیکن آج نصف صدی ہونے کو آئی ہے کہ ہم سیکولر ازم کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں اور دینِ اسلام کو یہاں قائم و نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے نفاذِ شریعت ایکٹ بھی منظور کیا تو یہ شرط لگا دی کہ ہم شریعت کو سپریم قانون تسلیم کریں گے' بشرطیکہ ہمارے موجودہ نظام پر جو سیکولر ازم پر مبنی ہے' کوئی آنچ نہ آئے۔ یہ بات دین کے ساتھ کھلی بغاوت سے کم نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ دینِ اسلام کو غیر مشروط طور پر نافذ و قائم کئے بغیر اور نظامِ خلافت کو قائم کئے بغیر' جس کی جھلک خلافتِ راشدہ کی صورت میں نوعِ انسانی نے دیکھی تھی' پاکستان کی کشتی بحرانوں کے بھنور سے نہیں نکل سکتی۔

مسلمانانِ بھارت کی دگرگوں حالت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ان کے موجودہ روز افزوں مسائل کا اصل سبب بھی دو قومی نظریے سے انحراف ہے۔ انہوں نے ابتداً میں سیکولر ازم کو اپنے لئے ڈھال سمجھتے ہوئے ذہناً" تسلیم کر لیا تھا' حالانکہ دو قومی نظریے کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ وہ ہندوستان میں اپنے علیحدہ تشخص پر اصرار کرتے اور وطنی قومیت کے

اصول پر مبنی سیکولرازم کو مسترد کر کے ایک مسلم اقلیت کے طور پر اپنے لئے اقلیتی حقوق کا مطالبہ کرتے اور اپنے قومی تشخص کے دفاع کے لئے بنیانِ مرصوص بن جاتے۔ ہندو قوم کے ساتھ بھارت میں برابر کے شہری ہونے کے ناطے ان کے لئے قومی سیاست میں عمل دخل کا موقع اگرچہ انہیں حاصل ہے، لیکن تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قومی انتخابی سیاست میں شریک ہو کر آج تک انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، بلکہ انہیں اس کی بدولت مسلسل نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا قومی تشخص آج بھارت میں شدید خطرات سے دوچار ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک کے مسلمانوں کے مسائل کا اصل حل اس میں ہے کہ وہ اسلام کو "دین" تصور کرتے ہوئے اپنا طرزِ عمل اس کے مطابق استوار کریں۔ بالخصوص پاکستان کے مسلمان کے لئے تو اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ اجتماعی توبہ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ملکی قانون اور موجودہ نظام پر دین کی غیر مشروط بالادستی کو قائم و نافذ کریں۔ ویسے بھی باقی تمام نظاموں کا تجربہ ہم اپنے ملک میں کر چکے ہیں اور یہ بات ہر اعتبار سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہمارے دکھوں کا مداوا سوائے اسلام کے کسی دوسرے نظام میں نہیں! ○○

خطاب جمعہ کی اخباری رپورٹنگ کی وضاحت

لاہور : ۵ر اکتوبر۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۴ر اکتوبر کے خطاب جمعہ کی رپورٹنگ اکثر اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن ایک انگریزی اخبار (The Nation) میں یہ بات غلط طور پر ڈاکٹر صاحب سے منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے تحریکِ خلافت کے نام سے کوئی "سیاسی جماعت" بنانے کا اعلان کیا ہے۔ یہ بات قطعاً خلافِ واقعہ ہے۔ اسی طرح ایک اردو اخبار (نوائے وقت) نے یہ تاثر دیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے "تحریکِ خلافت" کے عنوان سے کوئی نئی جماعت تشکیل دی ہے۔ جبکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں کسی نئی جماعت کے بنانے کا اعلان نہیں کیا، بلکہ پہلے سے موجود جماعت یعنی تنظیم اسلامی ہی کے تحت خلافت کی تحریک اٹھانے کا اعلان کیا ہے اور عوام کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات وضاحت سے کہی ہے کہ پاکستان میں نظامِ خلافت کا قیام صرف انقلابی جدوجہد کے نتیجے ہی میں ممکن ہے، انتخابی سیاست کی راہ سے یہ منزل ہرگز سر نہیں کی جا سکتی! ○○

احیائے خلافت کے لیے عوامی انقلابی تحریک کی ضرورت

امیر تنظیمِ اسلامی کے ۲۰ ستمبر کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور : ۲۰ ستمبر ۱۹۹۱ء۔ موجودہ متزلزل اور بیمار جمہوری نظام کا عنوان تبدیل کرنے اور اس پر جمہوریت کی بجائے خلافت کا لیبل لگانے سے نظام خلافت قائم نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے لئے ہمیں رائج الوقت نظام کو مکمل طور پر بدلنا ہو گا اور یہ تبدیلی ہمہ گیر انقلابی جدوجہد ہی کے ذریعے لائی جا سکتی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ بات باغِ جناح، مسجد دارالسلام میں نمازِ جمعہ سے قبل اپنے خطاب میں کہی۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی ابھی تک پاکستان میں انگریز کی وراثت رائج الوقت نظام کی صورت میں جوں کی توں برقرار ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کوئی ایسی قیادت ابھر کر سامنے نہیں آ سکی جسے بھرپور عوامی حمایت بھی حاصل ہو اور وہ موجود الوقت نظام کو تبدیل کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہو۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں ہر آنے والی حکومت کو اپنے اقتدار کے تحفظ کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ سربراہِ حکومت کی ساری توجہ اپنی بھیڑیں سنبھالنے اور اپنی کرسی کی حفاظت کرنے پر صَرف ہو جاتی ہے اور ملک و ملّت کی تعمیر کے لئے ٹھوس اور ٹھوس قدم اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا یہی سبب ہے کہ ہم ابھی تک قومی امنگوں کے مطابق اپنا سیاسی و سماجی اور معاشی ڈھانچہ تعمیر نہیں کر سکے اور انگریز کے دیئے ہوئے نظام ہی کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، جو ملک کو درپیش مسائل کا اصل سبب اور موجودہ ظلم و استحصال اور لوٹ کھسوٹ کی اصل بنیاد ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے انگریز کی وراثت کے اہم خدوخال بیان کرتے ہوئے کہا کہ وطنی قومیت کا تصور جو سیکولر ازم کی کوکھ سے جنم لیتا ہے درحقیقت انگریز کی وراثت ہے جسے ہم نے اختیار کر رکھا ہے، حالانکہ پاکستان کے قیام کی تحریک اسی وطنی قومیت کے تصور کی نفی اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر چلائی گئی تھی۔ اسی طرح پارلیمانی جمہوری نظام حکومت اور صوبوں کی موجودہ تقسیم دونوں انگریز کے عطا کردہ ہیں جو اس نے اپنی مصلحت اور سہولت کے لئے وضع کئے تھے، مگر ہم نے انہیں مستقل اور دائمی ہی نہیں انتہائی مقدس سمجھ رکھا ہے، جس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کے بارے میں سوچنا بھی ہم شاید جرم عظیم سے کم نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ان کی وجہ سے جو پیچیدگیاں اور خرابیاں جنم لے رہی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بینکاری کا موجودہ نظام بھی جو سُود پر مبنی ہے اور جس کی نجاست ہمارے پورے نظام کی جڑوں میں سرایت کر چکی ہے درحقیقت انگریز کی وراثت ہے۔ پوری قوم اپنے طرزِ عمل سے گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ برسرِ جنگ ہے اور جوئے، لاٹری اور سٹے کی شکل میں بہت سی لعنتیں مختلف خوشنما عنوانوں سے روز افزوں ترقی پذیر ہیں۔

موجودہ جاگیرداری اور زمینداری نظام کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ہمارا موجودہ زرعی نظام دراصل ظلم و استحصال کی مکروہ ترین شکل ہے، جسے درحقیقت انگریز ہی نے وضع کیا تھا۔ اسی طرح عورتوں اور مردوں کی مخلوط معاشرت اور بے پردگی جو اب بے حیائی اور عریانی کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، انگریزی تہذیب ہی کی نشانیاں ہیں جو ہماری معاشرتی اور تہذیبی اقدار کو تباہ و برباد کر رہی ہیں اور اس میدان میں ہم روز بروز دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

ملک کو درپیش حالات و واقعات کے اس تناظر میں امیر تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے زور دے کر کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ملک و ملّت اور دین و مذہب سے دلچسپی رکھنے والے لوگ اس حقیقی اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لئے، جس کے لئے دینی اصطلاح "خلافت" کی ہے، ایک زبردست عوامی تحریک انقلابی خطوط پر منظم کریں، تاکہ خلافت کا وہ نظام پھر سے قائم ہو جس کی جھلک دنیا نے خلافتِ راشدہ کی شکل میں دیکھی تھی۔ یہی خلافت کا نظام ہمارے تمام تر مسائل کا واحد حل ہے۔

داعیٔ تحریکِ خلافت نے اس موقع پر نظامِ خلافت کے نمایاں خدوخال "نظامِ خلافت کے دس نکاتی منشور" کی صورت میں پیش کئے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ کا جو اقرار "قراردادِ مقاصد" میں موجود ہے، اس کے عملی نفاذ کے لئے قرآن و سنّت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی، جو نظام اور قانون دونوں پر حاوی ہو، نظامِ خلافت کا اصل الاصول ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا اسے براہِ راست ووٹ کے ذریعے پورے ملک کے مسلمان منتخب کریں گے اور وہ پارلیمنٹ، مجلسِ ملّی، یا مجلس شوریٰ کی اکثریت کا محتاج نہیں ہوگا، بلکہ دنیا میں رائج معروف صدارتی نظام کے مانند ایک متعین مدت کے لئے اسے وسیع انتظامی اختیارات حاصل ہوں گے۔ نئے بندوبستِ اراضی کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو علاقے مسلمانوں نے کسی بھی وقت بزورِ شمشیر فتح کئے ہوں ان کی اراضی "عُشری" یعنی انفرادی ملکیت نہیں ہوتیں، بلکہ "خراجی" یعنی اجتماعی ملکیت بن جاتی ہیں، جن سے اسلامی حکومت کو براہِ راست خراج ملے گا اور جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا

ل خاتمہ ہو جائے گا' اور خراج کی شکل میں اس قدر آمدنی ہوگی کہ بہت سے ٹیکسوں سے
ت حاصل ہو جائے گی۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ صوبے چھوٹے چھوٹے بنائے جائیں اور
یں زیادہ سے زیادہ انتظامی حقوق و اختیارات دیئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے موجودہ
نزیوں کو بھی صوبوں کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے جغرافیائی' لسانی
ثقافتی عوامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صوبے اس طرح تشکیل دیئے جائیں کہ کسی بھی صوبے
آبادی ایک کروڑ سے زائد نہ ہو۔ ○○

لیڈی ڈیانا کا والہانہ استقبال ۔۔ غلامانہ ذہنیت کا مظہر

دفتر تنظیم اسلامی کی جانب سے اخبارات کو جاری کردہ بیان

لاہور : ۲۶ر ستمبر۹۱ء ۔ تنظیم اسلامی پاکستان کے قائم مقام امیر جناب قمر سعید
یشی نے لیڈی ڈیانا کے دورہ پاکستان کے موقع پر حکومتی رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تاجِ
طانیہ کے وارث شاہی خاندان کی رکن لیڈی ڈیانا کا ایک مہمان کی حیثیت سے احترام کرنا
ینا ہمارا اخلاقی فریضہ ہے' لیکن قومی بلکہ حکومتی سطح پر جس والہانہ انداز سے مہمان خاتون کی
یرائی کی گئی ہے' وہ باعثِ حیرت ہی نہیں افسوسناک بھی ہے۔ لیڈی ڈیانا کی اسلام آباد اور
ہور آمد کے موقع پر جس "شان" سے ان کا استقبال ہوا اور ان کے اعزاز میں جو رنگا رنگ
ریب منعقد کی گئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکمران طبقہ نے جس غیر معمولی انداز میں
صوفہ کے لئے اپنے دیدہ و دل فرش راہ کئے رکھے' یہ سب باتیں ہماری غلامانہ ذہنیت کی بھرپور
کاسی کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا ستم ظریفی یہ ہے کہ صدرِ مملکت ہوں یا وزیر اعظم' پنجاب کے
زیر اعلیٰ ہوں یا گورنر' شاہی مسجد کے شاہی امام ہوں یا پریس کے مالکان اور صحافی' اس معاملے
ں سب کے سب محمود و ایاز کی طرح ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ امیر تنظیم
سلامی نے کہا یوں محسوس ہوتا ہے کہ خاص منصوبہ بندی کے ساتھ پورے ملک میں لیڈی ڈیانا
ی آمد پر ایک ہیجانی فضا تیار کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے اور اس طرح اپنی غلامانہ ذہنیت
ا بھونڈا اظہار کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لاہور کے ایک روزنامے نے تو یہ سرخی جمانا بھی
پنا فرض سمجھا کہ "جنت کی حوریں بھی تجھ پہ فدا"۔ استغفراللہ! ایسا طرزِ فکر و عمل کسی زندہ
ور آزاد قوم کو' جو مسلمان ہونے کی دعویدار بھی ہو' کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ لیڈی ڈیانا کا
ستقبال اور مہمان داری دونوں قومی روایات کے منافی طرزِ عمل پر مبنی تھے۔ چنانچہ تنظیم اسلامی
پاکستان حکمرانوں' بیوروکریسی اور ذرائع ابلاغ کے سربرآوردہ افراد کے رویے کی پرزور مذمت
کرتی ہے اور اس رویے کو مسلمانانِ پاکستان کی ذلت اور توہین کے مترادف سمجھتی ہے۔ ○

دعوتِ بندگیٔ ربّ

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

○

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم ○ امّا بعد فاعوذ باللّٰہ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجیم ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ○

(البقرہ : ۲۱)

آیت کا محل و مقام

اس آیۂ مبارکہ پر غور و تدبّر سے پہلے ضروری ہے کہ اس مقام کو سمجھ لیا جائے جس میں یہ وارد ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلی سورت، سورۃ الفاتحہ ہے اور اس کا مقام بلاشبہ تقریباً وہی ہے جو کسی کتاب میں دیباچے یا مقدمے کا ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا تلقین فرمائی ہے کہ:

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ○

"پروردگار! ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔"

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ○

"اپنے ان بندوں کی راہ پر جن پر تیرا انعام ہوا۔ جن پر نہ تو تیرا غضب نازل ہوا، اور نہ ہی وہ گمراہ ہوئے!"

اس دعا پر سورۃ الفاتحہ کا اختتام ہوتا ہے اور اس کے بعد پورا قرآن مجید گویا کہ اس دعا کا جواب ہے کہ یہ قرآن مجید ہی دراصل وہ صراطِ مستقیم اور سواءُ السّبیل ہے جس کی ایک بندۂ مومن کو احتیاج ہے۔ یہی ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ کا انعام و اکرام ہوا۔ جو نہ گمراہ ہوئے اور نہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دعا کا مفصل جواب پورے قرآن حکیم میں بالعموم اور پہلی چار طویل مدنی سورتوں (البقرہ، آلِ عمران، النساء، المائدہ) میں بالخصوص پھیلا ہوا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ شروع ہوتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک وہ جو قرآن مجید سے ہدایت حاصل کریں گے۔ ان کے ذکر میں وہ شرائط بیان کردی گئی ہیں جو قرآن مجید سے صحیح استفادے کے لئے ضروری اور لازمی ہیں۔ دوسرے وہ جو کفر پر ضد کے ساتھ اڑ چکے ہیں اور ان کے لئے قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اب ان میں طلبِ ہدایت ہی سرے سے باقی نہیں رہی ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا: "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ"۔ کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی قوتِ سماعت پر مہر کردی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پھر دوسرے رکوع میں انسانوں کی تیسری قسم کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، جو ان پہلی دو قسموں کے بین بین ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے، جبکہ فی الواقع وہ مومن نہیں ہیں۔ دوسرا رکوع پورے کا پورا انہی لوگوں سے متعلق تفصیلات، ان کی کیفیات اور ان کے اوصاف پر مشتمل ہے۔

قرآن کی اصل دعوت

اس کے بعد تیسرے رکوع میں قرآن مجید بنی نوعِ انسان کے سامنے اپنی اصل دعوت پیش کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان کو جو تم سے پہلے تھے' تاکہ تم بچ سکو"۔

یہ گویا کہ قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ ہے جو اس ایک آیت میں ایک جملے کی صورت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا اگر یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ قرآن مجید کی اصل دعوت کیا ہے' اس کا پیغام کیا ہے' اور وہ انسانوں کو کس بات کی طرف بلاتا ہے تو اس کے لئے یہ ایک جملہ ہی کفایت کرے گا' بشرطیکہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس آیت مبارکہ کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کو وضاحت سے بیان کیا جائے۔

اس آیت مبارکہ کا آغاز "یٰاَیُّھَا النَّاسُ" کے الفاظ سے ہوتا ہے اور "یٰاَیُّھَا" کلمہ ندا ہے' جو پکارنے کے لئے اور دعوت دینے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یعنی اے لوگو! اے بنی نوع انسان! اس اندازِ دعوت و تخاطب سے ایک بات تو یہ واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید ایک دعوت کا حامل ہے' اس کے پاس ایک پیغام ہے' یہ ایک پکار کا امین ہے۔ یہ مجرد "Dogma" اور محض بے بنیاد اور بے دلیل عقائد پر مشتمل کوئی کتاب نہیں ہے کہ اس کی طرف لوگوں کو بلایا نہ جائے اور انہیں دعوتِ عمل نہ دی جائے۔ دوسرے یہ کہ یہ کسی ایک قوم' طبقے' نسل' قبیلے یا رنگ کے انسانوں یا کسی ایک ملک کے رہنے والوں کو نہیں پکارتا بلکہ رنگ و نسل اور قوم و وطن کے امتیاز کے بغیر پوری نوعِ انسانی کو پکارتا ہے۔ اس کی دعوت زمان و مکان سے بالکل آزاد ہے اور تاقیامِ قیامت پورا عالمِ انسان اس کا مخاطب ہے۔

دعوت میں آفاقیت

یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں ان کی دعوت پورے عالمِ انسانی کے لئے نہیں تھی' بلکہ اپنی اپنی قوم کے لئے تھی۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قوم کو خطاب کر کے پکارا اور اسے دعوت پیش کی۔ قرآن مجید میں حضرت نوحؑ' حضرت ہودؑ' حضرت صالحؑ اور دوسرے انبیاء و رسل (علیہم السلام) کا نام بنام ذکر کر کے ان کی دعوت کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں' جن میں کلمہ خطاب "یٰقَوْمِ" ہے' یعنی "اے میری قوم کے لوگو!" حتیٰ کہ حضرت

مسیح علیہ السلام نے بھی، جن کی نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصلاً قبل تھی، اپنی دعوت صرف بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی۔ اس بات کی شہادت محرف شدہ اناجیل میں بھی مذکور ہے اور قرآن حکیم میں بھی آپؑ کے بارے میں "وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" کے صریح الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ انجیل میں آپؑ کے یہ الفاظ ملتے ہیں: "میں اسرائیل کے گھرانے کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں"۔ گویا آپؑ کی دعوت کے اصل مخاطب بنی اسرائیل تھے، پوری نوعِ انسانی نہیں تھی۔ بعد میں قلبِ ماہیت ہوئی اور عیسائیت نے ایک تبلیغی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی، ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت اصلاً صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے تھی۔ لیکن نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے لئے یہاں "یٰقَوْمِ" کے بجائے "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی اے لوگو! اے بنی نوع انسان!! یہ دعوت علی الاطلاق پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔

مذاہب کی دنیا سے علیحدہ ہٹ کر بھی سوچا جائے تو اس وقت دنیا میں مختلف نظریات کی حامل بے شمار دعوتیں موجود ہیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک دعوت بھی ایسی نہیں ہے جس میں پوری نوعِ انسانی کو علی الاطلاق اور بحیثیت ایک اکائی بلایا اور پکارا جاتا ہو۔ موجودہ صدی میں زیادہ سے زیادہ بڑی دعوت جو قومی و جغرافیائی سطح سے کچھ بلند ہوئی، وہ اشتراکیت کی دعوت ہے، لیکن اس میں بھی پکار یہ ہے کہ "دنیا بھر کے مزدورو اور کسانو، متحد ہو جاؤ!" یعنی یہ دعوت دنیا بھر کے انسانوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ صرف کسانوں اور محنت کشوں پر مشتمل ایک مخصوص طبقے کے لئے ہے۔ اور اس طرح سوسائٹی کو طبقات میں تقسیم کر کے ایک خاص طبقہ کی حمایت کا اعلان کیا جاتا ہے اور دوسرے طبقوں کو نہ صرف ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے، بلکہ قابلِ نفرت گردانا جاتا ہے۔ دنیا میں وہ واحد دعوت جو پوری نوعِ انسانی کو بغیر کسی طبقاتی فرق و تفاوت کے مخاطب کرتی ہے اسلام اور قرآن کی دعوت ہے۔ یہی ایک ایسی دعوت ہے جس کا خطاب ہر انسان سے ہے۔ امیر اور غریب یکساں طور پر اس کے مخاطب ہیں۔ وہ خواہ کسی ملک کے رہنے والے ہوں، کوئی سی زبان بولتے ہوں، کسی بھی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے حامل ہوں اور کسی دور سے بھی تعلق رکھتے ہوں، ان سب کے لئے قرآن مجید میں پیغام ہے: "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ!" یعنی

اس کا مخاطب کوئی خاص طبقہ ' گروہ ' قوم یا نسل نہیں ہے ' بلکہ پوری انسانی برادری اس کی مخاطب ہے۔ لہٰذا صرف قرآن مجید کی دعوت ہی عالمگیر اور آفاقی حیثیت کی حامل دعوت ہے!

قرآن کی اصل دعوت ... "عبادتِ ربّ"

اب اگلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ یہ دعوت اصل میں ہے کیا؟ قرآن مجید کا پیغام کیا ہے اور یہ کس طرف پکارتا اور کس کام کے لئے بلاتا ہے۔ اس بات کو یہاں ایک لفظ "اُعۡبُدُوۡا" میں بیان فرما دیا گیا۔ یعنی عبادت کرو! بندگی اختیار کرو! غلامی اور اطاعت اختیار کرو!

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس ربّ کی جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے ۔۔۔ تاکہ تم بچ سکو!"

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی دعوت کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے "عبادتِ ربّ" یا "بندگیٔ ربّ"۔ گویا قرآن مجید کی پوری دعوت کا خلاصہ یہی ہے کہ: "اللہ کی بندگی اختیار کرو!" سورۂ ہود کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۝ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ۝

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں (خوب جانچ لی گئی ہیں) پھر ان ہی کی تفصیل و شرح کی گئی ہے ایک حکمت والی اور خبردار ہستی کی طرف سے۔ (یہ کتاب جو پیغام لے کر آئی ہے وہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یقیناً میں تمہارے لئے اس ہستی کی طرف سے نذیر اور بشیر بن کر آیا ہوں"۔

یعنی اگر اس دعوت سے اعراض کرو گے ' اس کی خلاف ورزی کرو گے ' اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت اور بندگی اختیار کرو گے اور عبادت اور بندگی میں اس کے ساتھ کسی اور کو

شریک کرلو گے تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کرنے آیا ہوں' اس کی پکڑ سے اور اس کے جزا و سزا کے نظام سے ڈرانے آیا ہوں۔ اور اگر اسی کی عبادت کو اختیار کرو گے' اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم کرلو گے اور اس کی غلامی کو اپنا شعار و وطیرہ بنا لو گے تو میں تم کو خوش خبری سنانے آیا ہوں کہ تم اس کے انعام و اکرام سے سرفراز ہوگے اور جنت تمہارا ہمیشہ کے لئے مستقر بن جائے گی۔

تمام انبیاءؑ و رسلؑ کی مشترک دعوت

اس مقام پر اصولی بات یہ سمجھ لینے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء و رسل (علیہم الصلوۃ والسلام) مبعوث فرمائے وہ یہی "عبادتِ ربّ" کی دعوت لے کر آئے تھے۔ یہ بات دو اور دو چار کی طرح بالکل بدیہی ہے کہ تمام انبیاءؑ و رسلؑ اسی دعوتِ بندگیٔ ربّ کے داعی تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق کی غرض و غایت ہی اپنی بندگی اور عبادت مقرر فرمائی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا کہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ ("میں نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق ہی اس لئے کی ہے کہ وہ میری عبادت کریں")۔ لہٰذا یہ لازم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ' اس کے پیغامبر' اس کے نمائندے' اس کے نبی اور رسول' نوعِ انسانی کو اپنی تخلیق کی غرض و غایت کو پورا کرنے کی دعوت دیں۔ انہیں بتائیں کہ اگر انہوں نے اپنی تخلیق کا مقصد پورا نہ کیا' اس کا حق ادا نہ کیا' اپنے خالق اور ربّ کی بندگی اختیار نہ کی' اور اس کو مُطاعِ مطلق تسلیم کرکے اپنی پوری زندگی اس کی اطاعت میں نہ دے دی تو وہ دنیا میں بھی خائب و خاسر اور ناکام رہیں گے' اس کے غضب کے مستوجب قرار پائیں گے اور آخرت میں بھی ان کے حصے میں خسران و نامرادی کے سوا کچھ نہ آئے گا اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے آگ کے عذاب کے حوالے کردیئے جائیں گے۔

سورۃ الاعراف' سورۂ ہود' سورۂ یونس' سورۃ الانبیاء' سورۃ الشعراء اور متعدد مکّی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاءؑ و رسلؑ کا نام بنام ذکر فرمایا ہے اور صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ وہ "عبادتِ ربّ" کی دعوت لے کر اپنی اپنی قوموں کی طرف

مبعوث کئے گئے تھے۔ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں تو ہر رسول کی دعوت کی ابتداء کے لئے یہی کلمات نقل کئے گئے ہیں: "یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ" کہ اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو' کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی اِلٰہ اور کوئی معبود نہیں ہے! دیگر مقامات پر انبیاءؑ و رسلؑ کی دعوت کے جو بنیادی نکات بیان ہوئے ہیں وہ یہ ہیں: اُعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ (العنکبوت) "اللہ کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو!"--- اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ وَاَطِیۡعُوۡنِ○ (نوح) "کہ اللہ کی بندگی کرو' اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!" چنانچہ اللہ کی بندگی اختیار کرنے اور نبی کی اطاعت کا قلادہ گردن میں ڈالنے کی دعوت ہی ہر نبی کی مرکزی دعوت رہی ہے۔

"عبادت"۔ قرآن حکیم کی ایک بنیادی اصطلاح

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ "عبادتِ ربّ" قرآن مجید کی بڑی ہی بنیادی اور مرکزی اصطلاح ہے اور پورے قرآن حکیم کی دعوت کا خلاصہ اسی ایک لفظ "عبادت" میں پنہاں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی دعوت کا فہم اسی لفظ "عبادت" کے صحیح فہم پر منحصر ہے اور اسی سے تمام انبیاءؑ و رسلؑ کی اس متفقہ دعوت کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے جس کی طرف وہ اپنے اپنے ادوار میں اپنی قوموں کو بلاتے رہے اور جسے پورے عالمِ انسانی کے لئے خاتم النبیین والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے۔ عبادتِ ربّ کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کے مفہوم کی وضاحت کے لئے قرآن حکیم کے متعدد مقامات سے مدد لی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البینہ کی آیت ۵ کا مطالعہ فرمائیے:

وَمَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ○

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنی اطاعت کو صرف اس کے لئے خالص کر کے' بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور یہی (طرزِ عمل) نہایت صحیح و درست دین (نظامِ زندگی) ہے"۔

اس آیۂ مبارکہ کے مطالب و مفاہیم کے ضمن میں میں چاہتا ہوں کہ آپ دو باتیں نوٹ فرمالیں۔ پہلی بات تو اس سورۂ مبارکہ کا نام ہے جس میں یہ آیت وارد ہوئی۔ اور دوسری بات وہ سلسلہ کلام ہے، جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سورۂ مبارکہ کا نام "البینۃ" ہے، جس کے معنی ہیں "روشن اور واضح دلیل"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین روزِ روشن کی طرح عیاں اور سورج کی طرح تابناک ہیں۔ جس طرح "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کے مصداق سورج کے وجود کے لئے کسی خارجی دلیل کی حاجت نہیں، اسی طرح اس سورۃ کے مضامین خود اپنے مطالب و مفاہیم ادا کرنے کے لئے کافی و شافی ہیں۔ پچھلی آیات سے اس آیۂ مبارکہ کا ربط و تعلق یہ ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین اپنے کفرو ضلالت میں اتنے آگے نکل گئے تھے کہ اب ان کا خود اپنے محرف صحیفوں سے اور خود اپنی عقل سے راہِ ہدایت پا لینا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسولؐ ان کے پاس دلیلِ روشن اور پاکیزہ صحیفے کے ساتھ بھیجا جائے، جو ان کے سامنے پچھلی تمام کُتبِ صادقہ کی اصل دعوت کو از سرِنو پیش کرے، انہیں آیاتِ الٰہی کی تلاوت کر کے سنائے اور کفرو شرک کی ہر صورت کو غلط اور خلافِ حق ہونا ان کو سمجھائے۔ سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات میں اس اسلوب بیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غایت بیان فرمائی گئی۔ پھر اس بات کو کھولا گیا کہ ان اہلِ کتاب کی تفرقہ بازی اس لئے نہیں تھی کہ ان تک صحیح علم نہیں پہنچا تھا، بلکہ دلیلِ روشن آ جانے کے بعد ان کا یہ تفرقہ، ان کا حق سے اعراض اور ان کی بداعمالیاں محض ہوائے نفس کی پیروی کا نتیجہ ہیں۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کا ہر نبی اور رسول عبادتِ ربّ کی دعوت لے کر آیا تھا اور آیا کرتا ہے۔ اور انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، یکسو ہو کر اپنی اطاعت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور یہی دراصل دینِ قیّم ہے!

غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا علیحدہ حکم ہے اور اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا علیحدہ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان فرض عبادات سے علیحدہ ایک "عبادت" انسان سے مطلوب ہے۔ اس عبادت کو "لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ" کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ عبادت اس

رویّہ اور طرزِ عمل کا نام ہے کہ انسان یکسو ہو کر اپنی پوری زندگی کو مخلصانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دے دے۔ اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ اور ہر زاویہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع ہو۔ نظامِ اخلاق' نظامِ معیشت' نظامِ معاشرت' نظامِ سیاست' نظامِ عدل' نظامِ صلح و جنگ اور نظامِ حکومت' غرضیکہ پورا نظامِ زندگی اس ضابطہ اور اس ہدایت کے تحت استوار ہو جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے توسّط سے بنی نوعِ انسان کی فلاحِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کے لئے عطا فرماتا ہے۔ البتہ جہاں تک اقامتِ صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ اور دوسری فرض عبادات کا اس عبادتِ ربّ سے تعلّق کا معاملہ ہے وہ ان شاء اللہ میں بعد میں بیان کروں گا۔

"عبادت" کا لغوی مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ "عبادت" کسی کے سامنے مطیع و منقاد ہو جانے کے لئے آتا ہے۔ اس کا مفہوم کسی کے سامنے جھک جانا' پست ہو جانا اور بالکل بچھ جانا ہے۔ اسی لئے عربی میں "اَلطَّرِیْقُ الْمُعَبَّدُ" اس راستے کو کہتے ہیں جو مسلسل چلتے رہنے کی وجہ سے خوب پامال ہو کر بالکل ہموار ہوگیا ہو اور اس میں کوئی اونچائی نیچائی نہ رہی ہو۔ اسی طرح اگر کسی جانور کو خوب سدھا لیا جائے اور اس کی تربیت اس طور سے ہو جائے کہ وہ اپنے مالک کا ہر حکم ماننے لگے' محض اشارے یا لگام کی ذرا سی حرکت سے وہ سمجھ لے کہ میرا مالک کیا چاہتا ہے' مجھے کدھر مڑنا چاہئے' مجھے اپنی رفتار تیز کرنی چاہئے یا ہلکی رکھنی چاہئے تو اس کے لئے بھی عربی میں یہی لفظ "مُعَبَّد" مستعمل ہے۔ چنانچہ "اَلْبَعِیْرُ الْمُعَبَّدُ" اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے خوب سدھا لیا گیا ہو اور جو پورے طور پر اپنے مالک کا مطیع ہو کر اس کے اشاروں پر حرکت کرنے لگا ہو۔ ابو حیان اندلسی نے "عبادت" کے ان تمام مفاہیم کا استقصاء کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "اَلْعِبَادَۃُ اَلتَّذَلُّلُ۔ قَالَہُ الْجَمْھُوْرُ"۔ یعنی اس پر تقریباً اجماع ہے کہ عبادت کا اصل مفہوم "تذلّل" یعنی کسی کے سامنے پست ہو جانا' کسی کے سامنے جھک جانا' یا کسی کے سامنے بچھ جانا ہے۔ ہماری اردو زبان کے لحاظ سے "بچھ جانا" اصل مفہوم سے قریب ترین ہوگا۔ چنانچہ کسی کا مطیع فرمان ہو جانا اور خود کو اس کے سامنے بچھا دینا اصل میں عبادت ہے۔

بعض اوقات کسی کی اطاعت مجبوری کے تحت اور اپنی مرضی کے خلاف بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی اطاعت پر بھی اس لفظ عبادت کا اطلاق ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید نے مصر میں بنی اسرائیل کی محکومی اور اطاعت کی جو کیفیت بیان کی ہے کہ فرعون اور قبطیوں نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا تھا' وہ ان پر حکمران ہوگئے تھے اور ان کو اپنا مملوک سمجھنے لگے تھے' اس مفہوم کی تعبیر کے لئے یہی لفظ "عبادت" استعمال کیا ہے۔ سورۃ الشعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل ہوا ہے جو انہوں نے فرعون سے مخاطب ہو کر کہا تھا: "اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ" کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام اور محکوم بنا لیا ہے' اپنا مطیع کر لیا ہے' تو خود کو ان کا مالک سمجھ بیٹھا ہے! اور پھر یہی لفظ ایک موقع پر خود فرعون نے بھی استعمال کیا۔ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر اس کو بندگیٔ رب کی دعوت دی تو اس نے بڑے طنز اور استحقار کے انداز میں کہا تھا کہ یہ لوگ ہمیں دعوت دینے' تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے چلے آئے ہیں' درآنحالیکہ: "وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ" اور یہ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو ہماری محکوم قوم ہے' جو ہماری مطیع اور غلام ہے' جس پر ہمیں کُلّی اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا لغوی اعتبار سے عبادت کا لفظ مجرّد اطاعت کے لئے بھی آتا ہے' چاہے اس میں اطاعت کرنے والے کی اپنی مرضی اور خواہش کا دخل نہ ہو۔

"عبادت" کا اصطلاحی مفہوم

یہی لفظ "عبادت" جب اپنی لغوی اصل سے اٹھ کر ہمارے دین کی ایک اصطلاح بنتا ہے تو "اطاعت" کے ساتھ ساتھ اس میں ایک دوسرا جزو لازماً شامل ہو جاتا ہے اور وہ ہے "محبت اور شوق کا جذبہ"۔ لہٰذا عبادت کا حقیقی مفہوم یہ ہوگا کہ شوق اور محبت کے جذبے کے ساتھ کسی کے سامنے اپنے آپ کو بچھا دینا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس لفظ کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

"لَفظُ العبُودِيَّةِ يَتَضَمَّنُ كَمَالَ الذُّلِّ وَكَمَالَ الحُبِّ"

یعنی اس لفظ عبودیت میں دو چیزیں لازمی طور پر شامل ہیں۔ ایک طرف تو "کمالِ ذُل" ہو ــــ انسان نے اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ کے سامنے بچھا دیا ہو' گرا دیا ہو' پست

کر دیا ہو' اور وہ خود اپنی مرضی سے اللہ کی مرضی کے حق میں دست بردار ہو گیا ہو ——— اور دوسری طرف اس کا جزوِ لازم "کمالِ حُبّ" ہے' کہ اللہ کے سامنے یہ جھکنا اور یہ اطاعت و تسلیم کمالِ محبت و شوق اور دل کی پوری آمادگی اور رغبت کے ساتھ ہو۔ اگر کوئی مجبور ہو کر اطاعت کر رہا ہو تو یہ اصل میں روحِ عبادت سے خالی ہوگی۔ امام ابن قیمؒ نے اسے ان الفاظ میں مزید واضح کیا ہے:

"اَلعِبَادَۃُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ: غَایَۃُ الْحُبِّ مَعَ غَایَۃِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ"

یعنی عبادت میں دو چیزیں لازماً شامل ہوں گی' اور وہ یہ کہ ایک طرف انتہائی درجے کی محبت' شوق' رغبت اور دل کی آمادگی ہو' اور دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ غایت درجے کا تذلّل اور خضوع بھی موجود ہو۔ چنانچہ ان کے نزدیک کمالِ محبت و شوق اور رغبت کے ساتھ اللہ کے آگے خود کو بچھا دینا اور پست کر دینا ہی اصل روحِ عبادت ہے۔

عبادت کا یہ اصطلاحی مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب قرآن مجید کی دعوتِ عبادت پر دوبارہ توجہ مرتکز کیجئے۔ "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ" کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے انسانو' اے بنی نوعِ آدم! جھک جاؤ' پست ہو جاؤ' اپنے آپ کو بچھا دو ——— کمالِ محبت اور کمالِ شوق و رغبت کے ساتھ ——— اس ہستی کے سامنے جو تمہارا ربّ ہے۔ اور وہی تمہارا خالق اور پیدا کرنے والا بھی ہے۔ یعنی تمہارا پالنے والا وہی ہے جو تمہارا موجد ہے۔ جس نے تم کو وجود بخشا ہے' وہی اس وجود کی تمام ضروریات فراہم کرنے والا اور اس کی کفالت کرنے والا ہے۔

"عبادت" کا محدود تصوّر

عبادت کے اس حقیقی مفہوم کو ذہن میں رکھ کر سوچئے کہ ہمارے ہاں اس لفظِ عبادت کا حلیہ کس طرح بگڑا ہے۔ ہمارے ہاں دینی تصورات جس طرح محدود اور بعض حلقوں میں جس قدر مسخ ہوئے ہیں' اس کا سب سے زیادہ نمایاں مظہر یہ ہے کہ ہم نے "عبادت" کو صرف چند اعمال اور مراسم عبودیت کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اور بس ان ہی کی ادائیگی پر عبادت کو منحصر سمجھ لیا ہے' جبکہ بقیہ زندگی اس سے بالکل خالی ہے۔ ہمارے عوام الناس کے ذہنوں میں عبادت کا یہ تصور صدیوں کے انحطاط کے بعد راسخ

ہو گیا ہے کہ بس نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ ہی عبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب عبادات ہیں' لیکن جب عبادت کو انہی میں منحصر کر لیا جائے گا اور یہ سمجھ لیا جائے گا کہ بس ان کو ادا کرنے سے عبادت کا حق ادا ہو گیا تو تصور دین محدود (Limited) ہی نہیں' مسخ (Perverted) ہو جائے گا۔ اور یہ تصور اس وقت تک صحیح اور درست نہیں ہو گا جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ عبادت پوری زندگی میں خدا کے سامنے بچھ جانے کا نام ہے۔ عبادت اس طرزِ عمل کا نام ہے کہ کمالِ محبت و شوق اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے کو اللہ کے حکم کا مطیع بنا دینا اور اپنی آزادی' اپنی خود مختاری' اپنی مرضی' اپنی چاہت' اور اپنی پسند اور ناپسند کو اللہ کی مرضی اور رضا کا تابع بنا دینا' زندگی کے تمام افعال و اعمال میں "سرِ تسلیم خم ہے......" کا رویّہ اختیار کرنا اور پوری زندگی کا اس رُخ پر ڈھل جانا ہی عبادت ہے۔ عبادت نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ میں محدود و منحصر نہیں ہے' بلکہ جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا' یہ وہ اعمال ہیں جو پوری زندگی کو خدا کی بندگی اور غلامی میں دینے کے لئے انسان کو تیار کرتے ہیں اور حقیقی عبادت کی ادائیگی میں اس کے ممد و معاون بنتے ہیں۔ ان کے ذریعے انسان میں وہ قوتیں اور صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی میں اس روش کو اختیار کر سکے جس کا نام "عبادت" ہے۔

ایک وسیع تر لیکن ناقص تصوّرِ عبادت

خوش قسمتی سے اس دور میں عبادت کا ایک وسیع تر تصور پیدا ہوا ہے اور بہت سے اہلِ قلم حضرات کی کاوشوں اور کوششوں کے نتیجے میں اب یہ بات پڑھے لکھے طبقے کی اچھی خاصی تعداد کے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ عبادت پوری زندگی میں کامل اطاعت کا نام ہے' اور پوری زندگی میں خدا کے حکم کو ماننا اور زندگی کے تمام گوشوں میں قانونِ خداوندی کی اطاعت کرنا عبادت کا تقاضا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس طبقہ کے تصوّرِ عبادت کے اندر بھی ایک محدودیت موجود ہے اور وہ یہ کہ ان کے ہاں عبادت کے ایک جزو یعنی کامل اطاعت پر تو پورا زور (Emphasis) موجود ہے' لیکن اس کی روحِ حقیقی یعنی کمالِ شوق' اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاتی محبت کا تعلق' کمالِ رغبت اور دل کی پوری

آمادگی جیسی ارفع و اعلیٰ منازل نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت کی اس روحِ حقیقی کے بغیر محض اطاعت کو اگر پوری زندگی پر بھی پھیلا دیا گیا ہو تو بھی عبادت کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اس کے لئے کامل اطاعت کے ساتھ ساتھ اللہ کے ساتھ انس' دلی لگاؤ اور شوق و رغبت بھی لازمی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب[ك]!

عبادت کی روحِ حقیقی : محبتِ الٰہی

عبادت کی روحِ حقیقی محبتِ خداوندی کو قرآن حکیم میں بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اسے ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

"اور جو لوگ ایمان لائے' وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں"

اس آیت کے پہلے حصے میں فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

"اور لوگوں میں بہت سے تو ایسے ہیں جنھوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اس کا مدِّمقابل بنا لیا ہے۔ اور وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہئے"۔

"يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ" میں کاف (ک) حرف تشبیہ ہے۔ اسے ذہن میں رکھ کر اگر ہم اپنی اصل کیفیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ تو اس سے بھی بدتر ہے' کیونکہ ہم نے خدا کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں اور نظریات و خیالات کو خدا جیسا ہی نہیں بلکہ خدا سے بھی زیادہ محبوب بنا لیا ہے' ہم نے خدا کی محبت کو مؤخر کر دیا ہے اور دنیا کی محبت عملی

ك عبادت کے اس مفہوم کو ماہر القادری مرحوم نے ان الفاظ میں شعر کا جامہ پہنایا ہے ؎

جو سجدے میں دل بھی جھکے گا نہ ماہر
وہ کچھ اور شے ہے' عبادت نہ ہوگی!

(مرتب)

طور پر ہمارے لئے مقدم ہو گئی ہے۔ ہم نے علائقِ دنیوی کی محبت کو اللہ کی محبت پر غالب کر دیا ہے۔ ہماری کیفیت تو وہ ہے جو سورۃ التوبہ کی ایک آیت ۲۴ میں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ سنا دینے کی وعید سنائی ہے۔ آیہ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٬ِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

"(اے نبیؐ! ان سے صاف صاف) کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے ماں باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنے رشتہ دار، اپنے وہ مال جو تم نے (بڑی محنتوں سے) جمع کئے ہیں، اپنے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خدشہ ہے، اور اپنے وہ مکان جو تمہیں بہت پسند ہیں، اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

(اس آیۂ مبارکہ میں فی الواقع ہمارا نقشہ اور ہماری تصویر موجود ہے۔ سورۃ الانبیاء میں (قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا گیا: "فِيْهِ ذِكْرُكُمْ" کہ اس قرآن میں تمہارا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ ہر شخص قرآن کے اس ابدی و دائمی آئینہ میں اپنی سیرت کے خدوخال کو (نمایاں طور پر دیکھ سکتا ہے۔ "فِيْهِ ذِكْرُكُمْ" کے الفاظ میں یہ حقیقت مضمر ہے کہ ہماری (تمام صلاحیتوں اور ہماری ساری دوڑ دھوپ کی نقشہ کشی اس کتابِ مبین میں کر دی گئی ہے۔ تو اصلاً ہمارا حال یہ ہے جو اس آیۂ مبارکہ میں بیان کیا گیا۔ حالانکہ اہلِ ایمان کا (حال تو وہ ہونا چاہئے جو سورۃ البقرہ کی اس آیت میں بیان ہوا جس کا حوالہ میں نے ابھی دیا ہے کہ: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" یعنی جو لوگ واقعتہً ایمان سے بہرہ ور (ہیں، جنہیں ایمان سے حصہ مل گیا ہے، جنہیں ایمان کی حلاوت حاصل ہو گئی ہے، ان کا (حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں انتہائی شدید اور سخت ہیں۔ ان کی زندگی میں اللہ کی (محبت ہر چیز کی محبت پر غالب آ گئی ہے۔ تمام علائقِ دنیوی کی محبت نیچے ہے اور اللہ کی

محبت اس پر غالب ہے۔ تو اللہ کی محبت ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ بلکہ صرف اللہ ہی کی نہیں' اللہ کے رسولؐ کی محبت بھی جب تک تمام علائقِ دنیوی پر غالب نہ ہو جائے تب تک ایمان صحیح نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین سے' اپنی اولاد سے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں"۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں محبتِ خداوندی اور محبتِ رسولؐ کا مقام و مرتبہ اور "عبادتِ ربّ" کا حقیقی مفہوم آپ پر اچھی طرح واضح ہو گیا ہو گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ "عبادتِ ربّ" کے حقیقی تصوّر کو عام کیا جائے۔ جن حضرات کے ذہنوں میں یہ تصوّر واضح ہو جائے وہ اسے مزید آگے پھیلائیں اور عوام الناس کو آگاہ کریں کہ عبادت سے محض نماز' روزہ' حج اور زکوۃ مراد لے لینا اور باقی زندگی کو اس سے خارج سمجھنا عبادت کا بڑا ہی غلط تصوّر ہے۔ عبادت تو اصلاً یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر پوری زندگی اللہ کی اطاعت میں بسر ہو اور زندگی کا کوئی گوشہ اس سے آزاد نہ رہے۔ نہ صرف یہ کہ ہماری گھر کی زندگی اور بازار کی زندگی اللہ کی کامل اطاعت کا نمونہ نظر آئے' بلکہ قومی اور ریاستی سطح کے تمام ادارے اور حکومت کے تمام شعبے جب تک قانونِ خداوندی کے پابند نہ ہو جائیں' اس وقت تک عبادت کا حقیقی تقاضا ادا نہیں ہوتا اور "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" ("اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ") کے قرآنی حکم کی تعمیل نہیں ہوتی ـــــ اس کے بعد اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے کہ مجرد اطاعت نہیں' بلکہ وہ اطاعت مطلوب ہے جو اپنے ساتھ محبت کی چاشنی لئے ہوئے ہو' جس کے اندر دل کی گھلاوٹ شامل ہو' جس میں خدا کے ساتھ ایک ذاتی تعلق اور ذاتی محبت کا رشتہ موجود ہو۔ انسان اگر مجبور ہو کر کسی کا مطیع ہو جائے یا اضطراری طور پر کسی کی محکومی قبول کر لے تو یہ صورت اطاعت تو کہلائے گی لیکن عبادت نہیں کہلائے گی۔ عبادت کا تقاضا اسی وقت پورا ہو گا جب

اطاعت کے ساتھ انتہائی محبت' انتہائی شوق' انتہائی رغبت اور دل کی پوری آمادگی شامل ہوگی۔ اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہی اصل روحِ دین ہے' اور بدقسمتی سے اسی کی کمی ہے ان مساعی اور کوششوں میں جو ہمارے ملک میں یا چند دوسرے اسلامی ممالک میں دینِ اسلام کے احیاء اور اس کی نشأۃِ ثانیہ (RENAISSANCE) کے لئے ہو رہی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عصرِ حاضر میں ہمارے ہاں افکار و نظریات کی ایک تعمیرِ نو ہو رہی ہے' اور دینی تصورات کسی حد تک دوبارہ اپنی اصل حقیقت کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ ہم جب زوال پذیر ہوئے تو پستی کی انتہا کو پہنچے' یہاں تک کہ ہمارے دینی تصورات بھی مسخ ہوئے ـــــ لیکن رفتہ رفتہ تعمیرِ نو ہو رہی ہے اور بہرحال یہ بات انتہائی قابلِ تعریف اور قابلِ قدر ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بہت بڑی تعداد پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عبادت کا اصل مفہوم پوری زندگی میں خدا کی اطاعت کا نام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اصل کام یعنی روحِ دین کی تجدید اور اس کا احیاء ابھی باقی ہے۔ روحِ دین اصل میں نام ہے اللہ کے ساتھ ایک ذاتی تعلق' ذاتی محبت اور ذاتی انس کا۔ جب تک دل میں اللہ کی ذات کا کامل یقین اور اس کے ساتھ قلبی محبت کا تعلق نہیں ہوتا' اور اس یقین اور محبت کے نتیجے میں اللہ کی ذات محبوب ترین نہیں ہو جاتی' اس وقت تک گویا اصل روحِ دین موجود نہیں ہے۔ گویا بس ایک ڈھانچہ ہے جو کھڑا ہو گیا ہے' جس کے اندر ابھی روح نہیں پھونکی گئی۔ اور اطاعت کُلی اسی وقت عبادت قرار پائے گی' جب اس کے اندر ذاتی محبت کا عنصر شامل ہوگا۔

محدود تصورِ عبادت کا افسوسناک نتیجہ

عبادت کا تصور محدود ہونے ہی کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ روحِ دین نگاہوں سے اوجھل ہوگئی' نتیجۃً" ساری توجہ ڈھانچے ہی پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ اور اب اس ڈھانچے کی اہمیت اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ ذرا ذرا سے فرق سے مستقل گروہ بندیاں ہوگئیں' مختلف مسلک بن گئے اور مستقل طور پر طے ہوگیا کہ یہ مسجد فلاں مسلک والوں کی ہے اور وہ فلاں مسلک والوں کی ہے۔ اور اختلاف یا فرق کیا ہے؟ مجرد یہ کہ کسی نے ہاتھ سینے پر باندھ

لئے اور کسی نے ذرا نیچے' کسی نے آمین زور سے کہی اور کسی نے آہستہ' کسی نے رفع یدین کیا اور کسی نے نہیں کیا۔ حالانکہ دین میں ان سب کی اجازت موجود ہے' لیکن ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ ان چیزوں کی بنیاد پر "من دیگرم تو دیگری" کی نوبت آجاتی ہے۔ دین میں جن چیزوں کی حیثیت فروعی اور ثانوی' بلکہ اس سے بھی کمتر ہے' ان کو مقدم ترین سمجھ لیا گیا ہے۔ وجہ کیا ہے؟ یہی کہ اصل روح دین سامنے نہیں ہے۔ یہ تو یاد ہی نہیں کہ نماز کی اصل روح "اِستِحضَارُ اللّٰہِ فِی القَلبِ" یعنی دل میں اللہ کی یاد ہے' اس کی اصل جان خشوع اور خضوع یعنی اجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے جھک جانا ہے۔ جیسا کہ سورۃ المومنون کے آغاز میں فرمایا گیا:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ○

"بلاشبہ فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں"۔

تو جب تک یہ خشوع موجود نہ ہو اس وقت تک نماز کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ع "عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات" کے مصداق اگر خدا کی محبتِ ذاتی قلب میں موجود نہ ہو تو سارے قوانین اور ضابطے محض ایک بے روح ڈھانچے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

عبادت کی ضد : استکبار

اب تک کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ عبادت اصل میں اللہ کے حضور تذلل' عاجزی' جھک جانے' پست ہو جانے اور بچھ جانے کا نام ہے۔ اور اس کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ یہ زندگی کے کسی ایک گوشے میں محدود نہ ہو' بلکہ پوری زندگی پر محیط ہو۔ اس بات کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لئے سورۃ المومن کی اس آیتِ مبارکہ پر توجہ فرمایئے' جس میں "عبادت" کے متضاد کے طور پر لفظ "استکبار" وارد ہوا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ‌ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِىۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ ○

"اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو' میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی اور سرکشی کرتے ہیں' وہ

عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"۔

معلوم ہوا کہ عبادت کا تقابل اور اس کی ضد (Antonym) استکبار، گھمنڈ، سرتابی، سرکشی، خود رائی اور اپنی مرضی پر چلنا ہے۔ اور عربی مقولہ "تُعرَفُ الاشیاءُ باضدادھا" کے مصداق عبادت کی حقیقت ان الفاظ کے ذریعے سمجھی جا سکتی ہے جو اس کی ضد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی عبادت کی ضد یہ طرزِ عمل ہے کہ خدا کی مرضی کے مقابلے میں اپنی مرضی اور خدا کے حکم کے مقابلے میں اپنے نفس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ اس طرزِ عمل کو قرآن حکیم میں اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ الفرقان میں الفاظ وارد ہوئے ہیں:

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟"

ایسا شخص گویا خدا کے بجائے اپنے نفس کی عبادت کر رہا ہے۔ خدا کے حکم کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی یا زمانے کے چلن اور معاشرے کے رسم و رواج کی تقلید کرنا درحقیقت عبادت کی ضد ہے۔

عبادت کی شرطِ لازم : اخلاص

عبادت کے ضمن میں قرآن حکیم میں یہ مضمون بھی صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ عبادت خالصۃً اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ چنانچہ سورۃ الزمر میں فرمایا:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ
اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ

"(اے نبیؐ!) ہم نے حق کے ساتھ اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ پس آپ اللہ کی بندگی کیجئے، پوری اطاعت اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے! یاد رکھو کہ خالص اطاعت بس اللہ ہی کے لئے ہے"۔

پھر اسی سورہ میں آگے چل کر فرمایا:

قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ۙ

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ ساری اطاعت صرف اسی کے لئے خالص ہو جائے"۔

اور جیسا کہ میں پوری تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ دین کی رو سے اس اطاعت و فرمانبرداری میں شوق و محبت' جی کی رغبت اور دل کی پوری آمادگی شرطِ لازم ہے۔ تذلل اور محبت دونوں مل کر عبادت کا تقاضا پورا کرتی ہیں۔ خدا کی اطاعت اس طرز کی اطاعت نہیں ہے کہ جیسے کسی جابر اور قاہر کی اطاعت طوعاً" و کرہاً" کی جاتی ہے' بلکہ یہ اطاعت انتہائی مشفق اور ودود ہستی کی اطاعت ہے۔ یہ الرحمٰن اور الرحیم کی اطاعت ہے' الرؤف اور الکریم کی اطاعت ہے' جو ہم سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ ہے۔ ہم اپنے آپ سے وہ محبت نہیں کر سکتے جو محبت وہ ہم سے کرتا ہے۔ ہم اپنے خیر اور شر کو نہیں جانتے اور اس میں تمیز نہیں کر سکتے' لیکن وہ اسے خوب جانتا اور پہچانتا ہے۔ ہم اپنی مصلحتوں سے آگاہ نہیں' لیکن وہ جانتا ہے کہ کس چیز اور کس کام میں ہماری مصلحت ہے۔ اس تصور اور شعور کے ساتھ خدا کے سامنے بچھ جانا اور اپنی پوری زندگی کو بطیبِ خاطر اس کے قانون کی پابندی اور اطاعت میں دے دینا ــــ یہ ہوگی وہ اطاعت جسے قرآن حکیم "عبادت" سے تعبیر کرتا ہے اور بنی نوع انسان کو جس کی دعوت دیتا ہے۔ اور جو انسان کی تخلیق کی غرض و غایت ہے۔ ○○

(جاری ہے)

اُخروی زندگی پر گناہوں کے اثرات

زیرِ طبع کتاب 'کبائر' کے باب اوّل کی فصل خامس (۱)

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

دنیا کی بے ثبات اور عارضی زندگی کی طرح اگر گناہوں کے اثرات بھی عارضی اور وقتی ہوتے تو معاملہ ت آسان تھا، لیکن اصل مشکل یہ ہے کہ گناہوں کے اثرات اور نتائج اُخروی زندگی میں قدم بہ قدم انسان کے تھ ہوں گے۔ اور ایک ایک مرحلے پر اُن کے خوفناک نتائج سے واسطہ پیش آئے گا۔ خواہ قبر کا مرحلہ ہو یا ر کا، میزان پر حاضری ہو یا پُل صراط سے گزرنا، ہر موقع پر گناہوں کا بوجھ انسان کے لیے وبالِ جان بن رہا گا۔ بلکہ ایسا بھی ہوگا کہ جن گناہوں کے اثرات دنیوی زندگی میں کسی شکل میں ظاہر نہ ہوتے تھے وہ بھی یکایک پنے خوفناک انجام اور بھیانک نتائج کے ساتھ سامنے آکھڑے ہوں گے کیونکہ اُس دن قیامت اور حشر سارا ہنگامہ تو بپا ہی ہوگا لوگوں کے نامۂ اعمال کی پڑتال کی خاطر ——— چنانچہ اس دن تو ایک ایک عمل ہ نیک ہو یا بد اللہ تعالےٰ کی نصب کردہ میزانِ عدل میں تُل کر رہے گا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝[5]

"پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا"

آئیے ذرا تفصیل سے دیکھیں کہ اُخروی زندگی کی پانچوں منزلوں قبر[1]، حشر[2]، میزان[3]، پُل صراط[4] اور دوزخ[5] جنّت کا منظر کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ میں کس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور ان مقامات پر گناہوں کا بالخصوص

---

۵ سورۃ الزلزال، آیت ۷-۸

بڑے گناہوں کا اثر کس کس شکل میں ظاہر ہوگا۔

قبر:

اس فانی دنیا سے کوچ کرنے کے بعد انسان کی پہلی منزل قبر ہے۔ قبر بذاتِ خود جنّت کا باغیچہ یا جہنم کی کھائی ہے۔ جو یہاں پہنچ گیا اس کی دنیا کی طرف واپسی ممکن نہیں، اور اس کے ساتھ ہی اس کی مہلتِ عمل ختم۔ اب اسی قبر میں ہر انسان کو اپنے اعمال نامے کی پہلی پڑتال سے گزرنا ہے۔ ابتدائی تفتیش کے فوراً بعد نیک کار حضرات کو "شاہی مہمان" کے اعزاز کے ساتھ ہر نعمت سے نوازا جائے گا جس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

فَيُنَادِي مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَاَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ، قَالَ: فَيَاْتِيهِ مِنْ رَوحِهَا وطِيبِهَا وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ [1]

(قبر میں نیک آدمی کا حساب کتاب چیک کرنے کے بعد) ایک منادی کرنے والا آسمان میں اعلان کرتا ہے: "میرے بندے نے سچ کہا، پس اسے جنّت سے بستر لا کر بچھا دو، اسے جنّت کا لباس پہنا دو، اور اس کے لیے جنّت کی طرف ایک دروازہ کھول دو" (جنّت میں ملنے والا ٹھکانہ اسے دکھا دو)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چنانچہ جنّت کی خوشبو اور مہک اس کے پاس آنے لگتی ہے اور اس کی قبر کو حدِ نگاہ تک کشادہ کر دیا جاتا ہے۔"

البتہ جن لوگوں نے زندگی بھر کفر کیا یا ایمان کے دعوے دار ہونے کے باوجود بے شمار گناہوں کا بوجھ لیے قبر میں پہنچے ـــــ اُن کے ساتھ شاہی مہمان کی بجائے سرکاری قیدی اور مجرم کا سا معاملہ ہوگا۔ جس کی

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۱ ص ۳۸۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۴ ص ۲۹۵۔ سند صحیح ہے۔ المستدرک للحاکم میں "وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ" کی بجائے "فَلْيَرَوه مَنْزِلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ" کے الفاظ ہیں۔

فصیلات قرآن کریم اور ذخیرۂ حدیث میں جابجا مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ صرف چند ایک آیات اور
احادیث مبارکہ ملاحظہ کرلیں۔ کافر، بے دین اور بدکردار لوگ موت کے فوراً بعد بلکہ دورانِ موت جو تمنا کریں گے
اللہ تعالیٰ نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ
صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ
اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝[1]

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کرے گا: "اے میرے رب مجھے
اسی دنیا میں واپس بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔" ہرگز
نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے۔ اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ
حائل ہے، دوسری بار اٹھائے جانے کے دن تک۔"

لوگ کسی جذبۂ نیکی سے مغلوب ہو کر یہ دعا نہیں کریں گے بلکہ اس دعا کی اصل وجہ موت کے وقت کا خوفناک
منظر اور قبر میں شدید عذاب سے سابقہ اور اندوہناک صورتِ حال سے واسطہ ہوگا، جس کی تفصیل حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے معلوم ہوتی ہے جو محولہ بالا آیتِ کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں آپؓ سے منقول
ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں:

"قبر میں پہنچنے والے بدکردار افراد کے لیے عذاب ہی عذاب ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ ان کی قبروں ۲
میں کالے سیاہ رنگ کے دو سانپ آجاتے ہیں۔ ایک سانپ اس کے سر کے پاس آ بیٹھتا
ہے اور دوسرا اس کی ٹانگوں کے پاس۔ وہ دونوں اسے کاٹتے کاٹتے درمیان میں آکر مل
جاتے ہیں۔ عذابِ برزخ کی اسی شکل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمِنْ
وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ (ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی

---

[1] سورت المومنون، آیت ۹۹ - ۱۰۰

کے دن تک [1]

عذابِ برزخ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آلِ فرعون کے سلسلے میں اِن الفاظ میں بیان فرمایا:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ [2]

"اور فرعون کے ساتھی بدترین عذاب کے پھیر میں آ گئے۔ دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جب قیامت کی گھڑی آ جائے گی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کر دو۔"

قبر میں پیش آنے والے ناقابلِ تصور حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْلَآ اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ یُّسْمِعَكُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ [3]

"اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن ہی نہیں کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذابِ قبر سُنوا دے۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر آیت ۹۹ - ۱۰۰ سورت المومنون - ج ۲ ص ۵۷۵، باختصار محمد علی الصابونی۔

نوٹ: مذکورہ بالا قول بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ ایسی غیبی خبر کوئی صحابی اپنی ذاتی معلومات یا اجتہاد کی بنا پر نہیں دے سکتا، جب تک کہ اُس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سُنا ہو۔ اور بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تو سارا ہی علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کردہ ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سُنی ہوگی جسے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کے بغیر بیان کر دیا ہے۔

[2] سورت غافر / المؤمن آیت ۴۶۔

[3] صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار۔

سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے اور خصوصاً ہر نماز کے موقع پر مانگتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں :

فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ، قَالَتْ، فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بَعْدُ صَلّٰی صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ [1]

"چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں عذاب قبر برحق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہو اور عذاب قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔"

رامر واقعہ یہ ہے کہ عذاب قبر حقیقتاً بہت ہی خوفناک چیز ہے، کیونکہ ہر مجرم کو مسلسل اور انتہائی تکلیف دہ راب کے علاوہ صبح وشام اس کے جہنمی ٹھکانے کا بھی دیدار کروایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے راب اور تکلیف میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ۔ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ [2]

"جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح وشام اس کا ٹھکانا اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہو تو جنت والا ٹھکانا اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ والا ٹھکانا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب روزِ قیامت

---

1. صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر۔
صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر۔

2. صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی۔
صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ۔

اللہ تعالیٰ تم کو اُٹھائے گا تو تمہیں یہی ٹھکانا ملے گا۔

جب ایک مجرم قبر میں اپنے ابتدائی حساب کتاب سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے بارے میں جو سرکاری حکم نامہ جاری ہوتا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ قَدْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسُمُومِهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيهِ اَضْلَاعُهٗ ...[1]

"ایک منادی کرنے والا آسمان میں اعلان کرتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے، اس کے لیے آگ کا بستر لگا دو، آگ کی طرف اس کی قبر کا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کے پاس جہنم کی گرمی اور تپش آنے لگتی ہے اور اس کی قبر اُس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں۔"

قبر میں گناہوں کی پاداش میں ملنے والی سزا کی مزید تفصیلات اس حدیث میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى اَبْكَمُ مَعَهٗ مِرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَنْ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيرُ تُرَابًا ثُمَّ تُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ[2]

"پھر اس پر ایک اندھا بہرا (سزا دینے والا فرشتہ) مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ کو مار دیا جائے تو مٹی ہو جائے۔ وہ فرشتہ اس گرز سے اُس کو ایسی مار مارتا ہے کہ جنّ و انس کے علاوہ مشرق و مغرب میں موجود ہر مخلوق اسے سنتی ہے۔ گرز پڑنے سے وہ مٹی کا

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۱، ص ۳۸۔ مسند امام احمد، ج ۴، ص ۲۹۵۔ المستدرک میں "وَاَلْبِسُوهُ مِنَ النَّارِ وَاَرُوْهُ مَنْزِلَهٗ مِنَ النَّارِ" کے الفاظ ہیں۔

[2] سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی المسألۃ فی القبر۔

ڈھیر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر اس میں رُوح پلٹائی جاتی ہے:

یہ ہے نتیجہ دین و شریعت سے آزاد ہو کر اور بندۂ نفس بن کر بے مہار زندگی گزارنے کا۔ جو لوگ ہر پابندی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں، حلال و حرام کی تمیز اُن کے ہاں بے معنی چیز کا نام ہے۔ آزادروی اور ہر خواہشِ نفس کی تکمیل اُن کا مطمحِ نظر بلکہ مقصدِ حیات ہوتا ہے۔ وہ لوگ اس دنیا میں بھی کبھی سکھ چین کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ اس کی زندہ مثال پورا امریکی اور یورپی معاشرہ ہے، جہاں ہر آزادی اور ہر قسم کی آسائشِ نفس میسّر ہونے کے باوجود وہ لوگ معاشرتی، خاندانی اور سماجی طور پر ایک دہکتے ہوئے جہنّم میں بس رہے ہیں ——— اور آخرت میں ملنے والی سزا اس پر مستزاد۔

عالمِ آخرت کی پہلی منزل 'قبر' میں ملنے والی پُر ہیبت سزا کا ایک ہلکا سا خاکہ سطورِ بالا میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے کہ بندۂ شیطان اور بندۂ نفس بن کر دونوں جہانوں میں سزا بھگتنی ہے ——— یا ——— بندۂ مومن بن کر دونوں جہانوں میں سُکھ، چین اور سکون کی زندگی بسر کرنی ہے۔

ب: حشر

کائنات کا نظام اُس وقت تک چلتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم اور منشا رہو' اور آخر وہ گھڑی آجائے گی جب اللہ تعالیٰ اس نظامِ کائنات کو لپیٹ کر پوری انسانیت کا حساب کتاب کریں گے یک زوردار دھماکہ ہوگا جسے قیامت کہتے ہیں۔ ستارے بے نور ہو کر ٹوٹ جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اُڑیں گے، سمندر اور ساری خشک زمین ہموار ہو جائے گی۔ اس قیامت کی کڑک رہیبت ناکی کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

يَاۤيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○
يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ
حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ
اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○[۵]

---

۵ سورت الحج، آیت ۱، ۲

"لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی۔ ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔"

ربّ ذوالجلال کے حکم کے ساتھ ہی لوگ میدانِ حشر کی طرف بڑھنا شروع ہو جائیں گے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔ قرآن کریم نے اس عظیم واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ○ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ○ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○[1]

"جس روز پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا، لوگ سہمی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا کہ وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے اور وہی منکرین (جو دنیا میں قیامت اور حشر و حساب کا انکار کرتے تھے) اس وقت کہیں گے یہ تو بڑا کٹھن دن ہے۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کا سفر مختلف لوگ مختلف شکل میں طے کریں گے، کوئی سوار ہو گا تو کوئی پیادہ۔ البتہ بڑے مجرم اور گناہ گار منہ کے بل اوندھے چل رہے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ رِجَالًا وَرُكْبَانًا وَتُجَرُّونَ عَلَىٰ وُجُوهِكُمْ[2]

"تم کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا تو کچھ لوگ پیدل چل رہے ہوں گے اور کچھ سوار ہوں گے اور کچھ کو منہ کے بل اوندھا کر کے کھینچ کر لایا جائے گا۔"

---

[1] سورت القمر، آیات ۶-۸

[2] سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی شأن الحشر۔ اسی معنی کی حدیث سنن النسائی کتاب الجنائز باب البعث میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعی طور پر حدیث کو مستحکم قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو جامع الاصول ۱۰/۴۲۷

جن لوگوں نے زندگی واقعۃً اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے گزاری ہو، فرائض کی پابندی اور منکرات سے پرہیز کیا ہو اُن کے لیے تو اس دن بھی کوئی مشکل نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ [۱]

"جن لوگوں نے یہاں تقویٰ اختیار کیا ہے ان کے اسبابِ کامیابی کی وجہ سے اللہ اُن کو نجات دے گا، اُن کو نہ کوئی گزند پہنچے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہونے کے باوجود اہلِ ایمان کو لمبا محسوس نہ ہوگا کیونکہ مشکل اور تکلیف میں وقت بآسانی نہیں گزرتا، جبکہ راحت و سکون میں اس کے گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يَوْمُ الْقِيَامَةِ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كَقَدْرِ مَا بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ۔ [۲]

"قیامت کا دن اہلِ ایمان کے لیے بس اتنا ہی ہوگا جیسے ظہر، عصر کے درمیان کا وقت ہے۔"

البتہ جن لوگوں نے زندگی کفر و نفاق پر بسر کی ہوگی اور زندگی بھر کھل کر اور دھڑلے سے حرام کاریاں کی ہوں گی اُن کا ایک ایک لمحہ سامانِ عبرت ہوگا۔ اور ہم چاہیں تو سچے دل سے کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ میں مذکور حالات و واقعات سے یہیں عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ بدکردار اور بداعمال حضرات کا حشر کس حال میں ہوگا، اس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ۝ [۳]

۱۔ سورت الزمر، آیت ۶۱

۲۔ المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، باب یوم القیامۃ کقدر ما بین ... امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہی حکم فضیلۃ الشیخ الالبانی نے لگایا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر حدیث ۸۱۹۳۔

۳۔ سورت طٰہٰ، آیات ۱۲۴ - ۱۲۶

"اور جو میرے درسِ نصیحت سے منہ موڑے گا اس کے لیے دُنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ——— وہ کہے گا: "پروردگار! دنیا میں تو آنکھوں والا تھا، یہاں مجھے اندھا کیوں اُٹھایا؟" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اسی طرح تُو نے ہماری آیات کو جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں، بھلا دیا تھا۔ اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے۔"

صرف یہی نہیں کہ وہ اندھا اٹھایا جائے گا بلکہ وہ اوندھے منہ اپنا سفر طے کر کے میدانِ حشر میں پہنچے گا، گویا کہ وہ خود اپنے کرتوتوں کا اشتہار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا [۱]

"اِن لوگوں کو ہم قیامت کے روز اوندھے منہ کھینچ لائیں گے، اندھے، گونگے اور بہرے۔"

ایک اندھے، بہرے گونگے کا اوندھے منہ چلنا جس طرح آج ناممکن محسوس ہوتا ہے، جس وقت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اس وقت صحابہ کرامؓ کو بھی یہ بات محال اور ناممکن محسوس ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَانَبِيَّ اللهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: "اَلَيْسَ الَّذِىْ اَمْشَاهُ عَلٰى رِجْلَيْهِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ [۲]

"ایک آدمی (صحابی) نے دریافت کیا، اے اللہ کے نبی! کافر قیامت کے روز کس طرح منہ کے بل کھینچ کر لایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس ذات نے اسے دنیا میں ٹانگوں پر چلایا کیا وہ ذات اس بات پر قادر نہیں کہ اسے قیامت کے روز اوندھے منہ چلائے؟"

میدانِ حشر میں پہنچنے کے بعد متقی اور پرہیزگار لوگ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ عرشِ الٰہی کے سائے

---

[۱] سورت بنی اسرائیل، آیت ۹۷

[۲] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب یحشر الکافر علیٰ وجہہ، حدیث ۲۸۰۶

تلے پناہ گزیں ہوں گے، البتہ کافر اور فاسق و فاجر لوگ اپنے اپنے گناہوں کے اعتبار سے پسینے میں شرابور ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَيَكُونُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ[1]

"چنانچہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں ہوں گے۔ اُن میں سے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا اور کسی کا گھٹنوں تک، اور کوئی کمر کمر پسینے میں ہوگا (اور کسی کا پسینہ جبڑے تک ہوگا) اور اسے پسینے کی لگام لگی ہوگی۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔"

حشر کے میدان میں عام آدمی تو کیا انبیاء و رسل (علیہم الصلاۃ والسلام) نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ اُس وقت اگر کسی کو حوضِ کوثر سے چند گھونٹ نصیب ہو جائیں تو اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہو سکتا ہے۔ حوضِ کوثر کے پانی کی تاثیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں بیان فرمائی:

اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ وَرَدَ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا۔[2]

"میں حوض پر تمہارا امیرِ کارواں ہوں گا۔ جو وہاں آ گیا وہ پی لے گا اور جس نے پی لیا اُسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔"

---

[1] صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ، باب صفۃ یوم القیامۃ، حدیث ۲۸۶۴، سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ باب ۲، حدیث ۲۴۲۳۔ امام مسلم کے علاوہ علامہ الالبانی نے بھی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح جامع الصغیر حدیث ۲۹۳۳۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ، حدیث ۲۲۹۰۔

لیکن ہائے بدنصیبی، اس عظیم نعمت سے وہ لوگ محروم ہی رہیں گے جنہوں نے دینی احکام کی پرواہ نہ کی اور انہیں پسِ پشت ڈالے رکھا، فرائض کو فرائض کا مقام نہ دیا اور حرام کو حرام نہ سمجھا، بلکہ شترِ بے مہار کی سی زندگی بسر کی۔ اِن بدنصیبوں کا حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اِنِّی عَلَی الْحَوْضِ اَنْظُرُ مَنْ یَرِدُہٗ عَلَیَّ مِنْکُمْ فَوَاللّٰہِ لَیُقْتَطَعَنَّ دُوْنِیْ رِجَالٌ فَلَاَ قُوْلَنَّ: "اَیْ رَبِّ مِنِّیْ وَمِنْ اُمَّتِیْ"، فَیَقُوْلُ: "اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا عَمِلُوْا بَعْدَکَ مَا زَالُوْا یَرْجِعُوْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ"[1]

"میں حوضِ کوثر پر موجود ہوں گا، تم میں سے جو کوئی میری طرف آئے گا اسے دیکھ رہا ہوں گا۔ قسم بخدا! کچھ لوگوں کو مجھ سے کاٹ کر دُور کر دیا جائے گا۔ میں اس موقع پر بھرپور التجا کرتے ہوئے کہوں گا: "اے پروردگار! یہ میرے ساتھی ہیں اور میری اُمت کے لوگ ہیں"۔ (اس پر) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "آپ کو خبر نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسے کیسے کام کیے، وہ تو مسلسل ایڑیوں کے بل (دین سے) پیچھے ہٹتے رہے"۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴۲۹۴۔

[2] "اگر محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھی، آپؐ کے پیچھے نمازیں پڑھنے والے، آپؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والے، اعمالِ صالحہ میں ترقی کی بجائے تنزّل کی طرف چل پڑیں، دین میں پیشقدمی کی جگہ ان کے قدم پیچھے ہٹنے لگیں تو حوضِ کوثر کی عظیم نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں تو ہم لوگ صرف نام کے مسلمان کس بنیاد اور کس دلیل سے بلا عمل اور بلا کردار حوضِ کوثر کی تمنا کر سکتے ہیں ——— وہاں محض عشقِ رسولؐ اور محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کام نہیں آ سکے گا، بلکہ اونچے مقام تک پہنچنے کے لیے مسلسل محنت اور جہاد کی ضرورت ہے۔ لہٰذا فرائض کا التزام، نوافل کی جدوجہد کرنا، کبائر سے بچ کر رہنا اور چھوٹے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنا، یہی نجات کا ذریعہ ہے اور یہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اس کے بعد ہی حوضِ کوثر سے جامِ طہور اور شفیع المذنبین سید المرسلین سے شفاعت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں اسلامی فلاحی ریاست کا تصور اور اس کے تقاضے

از قلم: ڈاکٹر قبلہ ایاز، پی۔ ایچ۔ ڈی (ایڈنبرا)
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

اسلام میں ریاست کی ضرورت

بحیثیت مسلمان ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کے لئے ایک مکمل ضابطے کا حامل دین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا - (۱)

"آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو بطورِ دین پسند کیا۔"

یہ آیت ۶۳۱ء/ ۱۰ ہجری میں حجتہ الوداع کے موقع پر بروز جمعہ اس وقت نازل ہوئی جبکہ میدانِ عرفات میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد چالیس ہزار سے زائد صحابہ کرام کا مجمع موجود تھا۔ (۲)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس سے کچھ عرصہ بعد ۶۳۲ء/ ۱۱ھ میں ہوا۔ ایسے موقع پر اس آیت کا نزول اس خدائی منشور کی تکمیل کا اعلان تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پوری انسانیت کے لئے بھیجا تھا۔ اس منشور کی عالمگیریت اور ہمہ گیری کی وجہ سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہوا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم ایک کامل اور مکمل پیغمبر ہونے کی وجہ سے خاتم نبوت قرار دیئے گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ - (۳)

"محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتمے پر ہیں۔"

۶۳۱ء/ ۱۰ھ ہی میں حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کا اعادہ کیا اور فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَكُمْ

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔"

دینِ اسلامی کی کاملیت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت کے انقطاع کے قرآنی اعلانات اس امر کا مظہر ہیں کہ بنی نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جو حقائق سابقہ آسمانی کتابوں اور دوسرے ادیان میں محدود اور نامکمل تھے ان کی تکمیل اور تتمیم اس دین اور اس پیغمبر کے ذریعے کر دی گئی اور فرد یا معاشرے کی زندگی سے متعلق ہر شعبے کے بارے میں رہنما اصول وضع کر دیئے گئے۔

ریاست کا قیام انسانی معاشرے کے اہم ترین مقتضیات میں سے ہے اور اسلام میں تو اس کی اہمیت بنیادی ہے' کیونکہ اسلام میں جس قسم کی انسانی اجتماعی ہیئت مطلوب ہے اس کا حصول قوتِ نافذہ کی عدم موجودگی میں ممکن نہیں۔ ریاست کے بغیر اسلام کی کاملیت کا تصور ادھورا رہ جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر اس نکتے کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں چند آیات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ - (۴)

"اے نبیؐ! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری ہے تاکہ تم لوگوں میں انصاف کرو جو کچھ تمہیں اللہ سمجھا دے۔"

(۲) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○(۵)
"اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اتارا سو وہ لوگ ظالم ہیں۔"

(۳) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔ (۶)
"(اے نبیؐ!) پس ان میں اس کے موافق حکم کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔"

ان آیات کے علاوہ کئی دوسرے مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اجتماعی نظم اور قوتِ نافذہ یعنی باقاعدہ حکومت کے قیام کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترتیب اور تہذیب کے فریضے سے عہدہ برآ ہونے کا حکم دیا ہے۔

علاوہ ازیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی بھی اس امر کی شاہد ہے کہ جب آپؐ کو ۶۲۲ء میں ہجرتِ مدینہ کے بعد نسبتاً بہتر مناسب ماحول دستیاب ہوا تو آپؐ نے ایک معاہدہ (میثاق) کے ذریعے مختلف قبائلی اور مذہبی گروہوں کی اجتماعیت قائم کی اور اسے ایک شہری ریاست کی شکل دی۔ لوگوں نے آپؐ کو متفقہ طور پر اس کا حکم یعنی سربراہ تسلیم کر لیا۔ (۷)

اسلام اور فلاحی ریاست کا تصور

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد اس وقت کے فاسد نظام کو مٹا کر صالح بنیادوں پر نئے معاشرے کی تشکیل کرنا تھا۔ نظام کا یہ فساد جزیرہ نمائے عرب میں سماجی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی شعبوں پر محیط تھا۔ عرب کے علاوہ اس وقت کی دو عظیم سیاسی قوتیں یعنی باز نطینی اور ساسانی سلطنتیں بھی اسی قسم کے بگاڑ کا شکار تھیں۔ چونکہ یہ دونوں حکومتیں عربوں کے ساتھ مشترکہ سرحدات رکھتی تھیں اس لئے ان کا ایک دوسرے کے حالات سے متاثر ہونا فطری امر تھا۔ دنیا کے ان خطوں میں طبقاتی امتیاز، مذہبی جبر اور اقتصادی استحصال پر مبنی معاشرتی ڈھانچے قائم

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی سماج کی اس ہیئت کو تبدیل کرنے اور اس کی جگہ انسانیت کی اجتماعی زندگی کو سماجی مساوات، معاشرتی اور معاشی عدل اور انصاف کے بہترین اصولوں کی اساس پر قائم کرنے کے نصب العین کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا اولین مقصد بے شک رضائے الٰہی اور اخروی سعادت کا حصول تھا، لیکن اعلیٰ اقدار کی حامل ایسی ریاست جو شہریوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار ہو اس اہم ترین مقصد تک پہنچنے ہی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد آیات میں ریاست کی اس قسم کی ذمہ داریوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ کچھ آیتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ - (۸)

"البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازوئے (عدل) بھی بھیجی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

(۲) اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ - (۹)

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں۔"

(۳) یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔(۱۰)

"اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔"

(۴) وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ (۱۱)

"اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے انہیں اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ

ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے۔"

(۵) وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ - (۱۲)

"اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔"

(٦) اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ - (۱۳)

"بے شک اللہ انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

(۷) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ - (۱۴)

"اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کی طرف کی گواہی دو اور اگرچہ اپنی جانوں پر ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں پر۔"

مندرجہ بالا آیات میں القسط، الحق اور العدل کے الفاظ خصوصی طور پر قابلِ غور ہیں، جو ایک ایسے نظام کی نشاندہی کرتے ہیں جو انسانوں کے مفادِ عامہ کے ایسے قوانین پر مشتمل ہو جن کے نفاذ اور رُوبہ عمل لانے میں کسی کے ساتھ امتیاز، بے انصافی اور تفاوت نہ ہو۔ سورۃ الحج کی آیت میں تمکین فی الارض کی صورت میں اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایتاءِ زکوٰۃ کی ذمہ داری کا مطلب بھی وسیع تر مفہوم میں افرادِ مملکت کو مادی اسباب و ذرائع اور سامانِ نشوونما بہم پہنچانا ہے، تاکہ ان کی فلاح و بہبود کا انتظام ہو سکے۔ اس قسم کا نظام انسانیت کی اجتماعی زندگی کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

انسانوں کے اس قسم کے فلاحی معاشرتی ڈھانچے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سرمایہ اور دولت کا محدود افراد کے ہاتھوں میں جمع ہونا ہے۔ چنانچہ اس رکاوٹ کو دور کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس رجحان کی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے اور دولت کو گردش میں رکھنے کا حکم دیا ہے، تاکہ ہر آدمی اس سے برابر طور پر متمتع ہونے کے مواقع حاصل کر سکے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات بطورِ حوالہ پیش کی جاتی ہیں:

(۱) وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ○(۱۵)

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے' جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں' پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔)

(۲) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۱۶)

"اور جو لوگ اس چیز پر بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ (بخل) ان کے حق میں بہتر ہے' بلکہ ان کے حق میں برا ہے۔ قیامت کے دن وہ مال طوق بنا کر ان کے گلوں میں ڈالا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے تھے۔"

(۳) مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ (۱۷)

"جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت والوں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے' تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں ہی میں نہ پھرتا رہے۔"

(۴) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۱۸)

"اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو زائد ہو۔"

(۵) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ○(۱۹)

"زکوٰۃ تو مفلسوں' محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے' اور جن کی

دلجوئی کرنی ہے۔ اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اگر دولت کے بارے میں ان قرآنی تہدیدات کی اساس پر سوسائٹی کی تنظیم کی جائے تو اس کے نتیجے میں ایک عادلانہ فلاحی نظام قائم ہوگا اور مملکت کے افراد معاشی خوشحالی کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔ قرآن پاک میں اس سلسلے میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جہاں مال و دولت میں ضرورت مندوں کا حصہ ان کا حق قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً

وَ فِی اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ○ (۲۰)

"اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محتاج کا حق ہوتا ہے۔"

وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ○ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ○ (۲۱)

"اور جن کے مالوں میں سے حصہ معین ہے سائل اور غیر سائل کے لئے۔"

اسلامی فلاحی ریاست کا تصوّر تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

تاریخِ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ملنے سے قبل ہی سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں ایک ایسی سوسائٹی کا تصور موجود تھا جس میں بشری حقوق کے معاملے میں مساوات کا اصول کار فرما ہو اور نوعِ انسانی کا ہر فرد برابر طور پر واجب التکریم ہو، تاکہ اجتماعیت کی ایک ایسی وضع وجود میں آئے جہاں انسان ایک فلاحی معاشرے میں سانس لے سکے اور ظلم و جبر کی جگہ امن اور عدل کا ماحول ہو۔ تاریخ میں ہمیں ۵۸۱ء کے بعد کے واقعات میں مکہ میں "حلف الفضول" کے نام سے چند نیک نفس افراد کی ایک رضاکار انجمن کا ذکر ملتا ہے، جس کا نصب العین اس قسم کے معاشرے کا حصول قرار دیا گیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس انجمن کی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ حلف الفضول کے تحت وضع کردہ اہداف کے الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بِاللّٰہِ لَنَکُوْنَنَّ یَدًا وَاحِدَۃً مَعَ الْمَظْلُوْمِ عَلَی الظَّالِمِ حَتّٰی یُؤَدِّیَ اِلَیْهِ حَقَّهٗ ——— وَ عَلَی التَّاَسِّیْ فِی الْمَعَاشِ۔

"خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک مٹھی بن جائیں گے۔ اور اس وقت تک

مظلوم کا ساتھ دیں گے جب تک ظالم اس کو اس کا حق ادا نہ کرے ــــــــــــ اور یہ کہ ہماری معیشت کا انتظام مساوات کے اصول پر ہوگا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انجمن کے مقاصد کے اس قدر مداح تھے کہ نبوت ملنے کے بعد بھی آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں حلف الفضول میں شرکت کے اعزاز سے سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی دست بردار ہونا نہیں چاہتا اور اگر اب بھی کوئی مجھے اس قسم کے مقاصد کی طرف دعوت دے تو میں اس کی مدد کے لئے حاضر ہوں گا۔ (۲۲)

۶۲۲ء میں جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو وہاں ایک شہری ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی۔ آپؐ نے اپنی گیارہ سالہ مدنی زندگی میں حتی المقدور یہ کوشش کی کہ فرد اور اجتماعیت کا ایسا ربط اور تعلق استوار کریں جس کا نتیجہ معاشی اطمینان، ذہنی خوشحالی اور روحانی سکون ہو۔ یہ دور اسلامی معاشرہ کے ارتقائی مدارج کا دور تھا، جس میں ایک نیا نظام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کے عمل کی روشنی میں اپنی ساخت اور تشکیل کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ یہی پیغمبرانہ تعلیمات اور عمل بعد میں اس عظیم مملکت کا منشور بنے جو حضرت عمر فاروقؓ کے دَور میں پوری طرح مستحکم بنیادوں پر استوار ہوئی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے پہلے سال ہی میں مہاجرینِ مکہ اور انصارِ مدینہ کے درمیان عقدِ مواخاۃ اور مسلمانوں اور مدینہ کے بت پرست اور یہودی قبائل کے درمیان میثاقِ مدینہ اس امر کے غماز ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی بنیادوں پر، باہم احترام اور عقیدے کے اختلاف کے باوجود، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے اصول کی اساس پر ایک پُرامن سوسائٹی کی تشکیل کے خواہاں تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فلاحی نظام کے قیام کے لئے ایک صحت مند ماحول کی موجودگی انتہائی اہم ہے اور اس قسم کا ماحول تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب معاشرے کے مختلف افراد اور گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقدِ مواخاۃ کے ذریعے مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں اور مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کر کے مسلمانوں کی ایک جماعت، جو ہجرت

کی وجہ سے اقتصادی و معاشی مشکلات کا شکار تھی، کی فلاح و بہبود کے ایک جامع حل کو عملی جامہ پہنایا۔ میثاقِ مدینہ میں بقائے باہمی کے اصول پر تمام اہلِ مدینہ کو شریک کر کے حفاظتِ جان ومال اور امن و امان کے سلسلہ میں ان کے حقوق یکساں قرار دیئے گئے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر اس عہد نامہ کے متعلقہ حصے ذیل میں درج کر لئے جائیں:

اَنَّ یَثْرِبَ حَرَامٌ جَوْفُهَا لِاَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ۔

"یثرب کی وادی اس میثاق کے فریقوں کے لئے واجب الاحترام ہوگی"۔

اَنَّ النَّصَرَ لِلْمَظْلُوْمِ

"جو مظلوم ہوگا اس کی مدد کی جائے گی"۔

اَنَّ الْجَارَ کَالنَّفْسِ غَیْرَ مُضَارٍّ وَلَا اٰثِمٍ

"پڑوسی اور پناہ لینے والوں کے وہی حقوق ہوں گے جو خود اپنی ذات کے ہیں۔ نہ کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ کسی کے خلاف زیادتی ہوگی"۔

وَ اَنَّ بَیْنَهُمُ النَّصْرُ عَلٰی مَنْ دَهَمَ یَثْرِبَ۔

"جو یثرب پر حملہ کرے اس کے مقابلے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔"

وَاَنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ بَعْضُهُمْ مَوَالِیْ بَعْضٍ وَ اَنَّهٗ مَنْ تَبِعَنَا مِنْ یَهُوْدٍ فَاِنَّ لَهُ النَّصْرُ وَالْاُسْوَةُ غَیْرَ مَظْلُوْمِیْنَ وَلَا مُتَنَاصِرِیْنَ عَلَیْهِمْ۔

"مسلمان ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے۔ اور جو یہودی ہمارے زیرِ اثر ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ ہوگا۔ ان کے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف زیادتی کرنے والوں کا ساتھ دیا جائے گا۔"

وَاَنَّ بَیْنَهُمُ النُّصْحُ وَالنَّصِیْحَةُ وَالْبِرُّ دُوْنَ الْاِثْمِ۔

"ان کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر سگالی اور نیکی و بھلائی کے ہوں گے، جرم اور گناہ کے نہیں۔"

معاہدے کی ان شقوں کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ایک فلاحی

سماج کی تشکیل کی خاطر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالحاظِ عقیدہ، ہر فرد کو اس میں اپنا کردار ادا کرنے کی دعوت دی اور اجتماعی طور پر اس امر کی کوشش کی گئی کہ اس قسم کے انتظام کی حفاظت کا فریضہ بھی تمام فریق اپنے اپنے ذمے لیں۔ یہ معاہدہ اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کی جانب ایک اہم سنگِ میل تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہودیوں نے اس پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش نہیں کی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطالعے سے اس بات کے کئی شواہد سامنے آئے ہیں کہ آپ وسائلِ معاش کی عادلانہ تقسیم چاہتے تھے اور ایسی سوسائٹی آپؐ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ تھی جس میں افراد کے درمیان معاشی تفاوت ہو۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک بار آپؐ نے قبیلہ مضر کے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے چہروں سے شدید فاقہ کے آثار ہویدا تھے۔ چنانچہ آپؐ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا (فتمعّر وجهُ رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم)۔ اس حالت میں آپؐ نے اٹھ کر مجمع کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن میں سب انسانوں کو ایک ہی آدم کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور جن میں آخرت کے لئے توشہ بھیجنے کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ (۲۴) یہ حدیث اس امر کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ معاشی طور پر کمزور افراد کی کفالت اجتماعی فریضہ ہے اور اس سے غفلت برتنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک شدید قابلِ مذمت فعل ہے۔ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فرمودات، جن سے آجر اور مستاجر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے بارے میں آپؐ کا تصور سامنے آتا ہے، سے بھی ایک فلاحی معاشرے کا خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

اُعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَّجِفَّ عَرَقُہٗ (۲۵)

"مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دولت سمیٹنے کی عمر بھر شدید مخالفت کی ہے۔ یہاں تک کہ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انواعِ مال کا ذکر یوں فرماتے رہے کہ ہمیں گمان ہوا کہ گویا کسی شخص کو بھی اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں۔ (۲۶) اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ دولت

چند افراد کے ہاتھوں میں مرکوز ہونا فلاحی ریاست کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹوں میں سے ہے۔ تاریخِ اسلام میں اصحابِ صُفّہ کی بودوباش سے اہلِ علم حضرات واقف ہیں۔ چند سو افراد پر مشتمل ان صحابہ کرامؓ کی کفالت کی ذمہ داری مسلمانوں نے اجتماعی طور پر ہی اپنے کندھوں پر لی تھی اور حتی المقدور ان کی ضروریات پوری کرلیا کرتے تھے۔ (۲۷)

مالِ غنیمت کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ مال و اسباب کو انسانوں کی معاشی بہبود کی خاطر استعمال کرنے کے معاملے کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ روایات کی ایک بڑی تعداد کے مطابق جب غنیمت کا مال مدینہ پہنچتا تو آپؐ گھر تشریف لے جانے سے پہلے اس امر کو یقینی بناتے کہ وہ پورے کا پورا لوگوں میں تقسیم ہوچکا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ان گوشوں کے مطالعے سے بلا تامل یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے جہاں انسانوں کی روحانی بالیدگی کے لئے تعلیمات دیں وہاں آپؐ نے ان کی معاشی فارغ البالی کے مقصد کو بھی کم تر نہ سمجھا' تاکہ بہتر روحانی فضا اور منصفانہ معاشی انتظامات کے امتزاج سے ایک فلاحی سوسائٹی کی تشکیل ہو۔

اسلام کے مالی نظام کا اگر بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ریاستِ اسلامی کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ ملک کے محاصل (revenue) کا ایک ایک پیسہ شہریوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے۔ اس سلسلے میں فقہاءِ اسلام نے قرآن پاک اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف مدات سے حاصل شدہ آمدن کے لئے مصارف کا تعین کیا ہے' جس میں غیر مسلم شہریوں کا حصہ بھی ہے۔ (۲۸)

اس موقع پر اس بات کا اضافہ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ فلاحی معاشرہ کے لئے ایک صالح معاشی نظام کے علاوہ زندگی کے دوسرے امور میں بھی عدل وانصاف' قانون کی بالادستی اور انسانوں کے درمیان عدمِ امتیاز کے اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس امر کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ حکومت کے معاملات میں عام آدمی کو اپنی شرکت کا بھرپور احساس ہو۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پہلوؤں کا جس قدر خیال رکھا ہے اس سے تاریخ و سیَر کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور ان کے اعادے کی یہاں

ضرورت نہیں۔ خطبہ حجتہ الوداع میں فلاحی ریاست کے تصور کے ان گوشوں کے لئے اہم اصول موجود ہیں۔ شوریٰ کا ادارہ اسلامی نظمِ مملکت کے بنیادی ستونوں میں سے ہے جس سے استبداد اور اختیارات کے ایک ہاتھ میں مرکوز ہونے کے رجحان کا سدِّباب ہو جاتا ہے اور فیصلے اجتماعی تدبر (Collective Wisdom) کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انتظامات فطری طور پر ایک فلاحی نظام ہی کی طرف پیش قدمی کا باعث بنتے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان نظری اور عملی تعلیمات ہی کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۶۳۲ء/ ۱۱ھ تا ۶۳۴ء/ ۱۳ھ) نے معاشی حقوق کے معاملے میں مساوات (تسویہ) کا اصول اپنے نظامِ حکومت کی اساس بنایا اور اسی بنیاد پر مردوں' عورتوں' آزادوں' غلاموں' بڑوں اور چھوٹوں کو ملکی دولت میں یکساں اور برابر قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ کی پالیسی یہ رہی کہ ریاست لوگوں کی فلاح کی خاطر ان کی معاشی ضرورتوں کا تکفل کرے اور اس کے لئے ایک ہی معیار ہو جو سب کے لئے یکساں ہو۔ آپؓ نے فرمایا:

فَاَمَّا هٰذَا الْمَعَاشُ فَالتَّسْوِيَةُ فِيهِ خَيْرٌ۔ (۳۰)

"معاشی معاملوں میں مساوات کا اصول ہی بہترین ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دَور مشکلات اور مسائل کا دَور تھا' جس میں ریاستِ اسلامی کو دشمنوں نے اس کے استحکام اور بقاء کے چیلنج سے دوچار کیا تھا۔ اس لئے یہ سعادت حضرت عمر فاروقؓ (۶۳۴ء/ ۱۳ھ تا ۶۴۴ء/ ۲۳ھ) کے حصے میں آئی' جنہوں نے مملکت کے مختلف اداروں کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا اور اس سلسلے میں تعلیماتِ نبویؐ کو سامنے رکھ کر ایک ایسی فلاحی ریاست قائم کی جس کو آج کے دَور میں بھی ایک نمونے (model) کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے دس سالہ عہد کے دوران اس بات کا اہتمام کیا کہ اسلامی مملکت میں کوئی شخص فقرو فاقہ میں مبتلا نہ ہو۔ آپؓ نے ضرورت مندوں کی باقاعدہ فہرستیں بنوا کر بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دیئے تھے' معذوروں اور ضعیفوں کے لئے تنخواہیں مقرر کیں' مختلف شہروں میں مسافر خانے قائم کر کے مسافروں کے قیام و طعام کی سہولتیں بہم پہنچانے کے انتظامات کئے اور ہر پیدا ہونے والے بچے کا روزینہ مقرر کیا۔ ۶۳۹ء/ ۱۸ھ میں جب عرب

میں شدید قحط پڑا تو صحرائی آبادیوں نے مدینہ کا رخ کیا' کیونکہ انہیں معاشی تحفظ کا مسئلہ درپیش تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں موجود رقومات اور دیگر ذخائر اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے وقف کر دیئے اور ان ضرورت مندوں کے لئے اجتماعی دسترخوان کا طریقہ اختیار کرکے ان کے معاشی تحفظ کے فریضے سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوئے۔ روایات میں ہے کہ تخمیناً" ۱۰ ہزار افراد بیک وقت دسترخوان پر موجود رہتے تھے' جبکہ ۵۰ ہزار معذور افراد کو ان کے گھروں پر ضرورت کا سامان پہنچایا جاتا تھا۔ معاشی تکفل کے اس نظام میں مذہب اور عقیدے کی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی۔(۳۱)

وسائلِ معاش پر امت کے اجتماعی حق کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ بڑا اہم ہے جس میں آپؓ نے ۶۳۷ء/ ۱۶ھ میں عراق کی مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم کرنے کی بجائے ریاست کی ملک قرار دیا اور اس پر خراج مقرر کر دیا' تاکہ ان کی آمدن (revenue) کو موجودہ اور آئندہ نسلوں کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جا سکے اور یہ محض چند افراد کے قبضے میں نہ رہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ اجتہادی فیصلہ صحابہ کرامؓ کی شوریٰ (Collective Wisdom) کے سامنے کئی روز تک زیر بحث رہا اور بالآخر اس بارے میں سورۃ الحشر کی فاروقی تعبیر و تفسیر کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ (۳۲)

معاشی طور پر امت کو فلاحی ریاست فراہم کرنے کے علاوہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نظامِ حکومت کے دیگر شعبوں میں بھی عدل و انصاف کے اصول کی بالادستی قائم رکھی اور خود اپنے آپ اور ریاست کے عاملین کو عام شہریوں کے سامنے جوابدہ (accountable) قرار دیا۔ عاملین کی ہر حج کے موقع پر مدینہ طلبی کی جاتی تھی تاکہ مملکت کے مختلف اطراف و اجانب سے لوگ دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر اپنی شکایات کا فوری ازالہ کرا سکیں۔ آپ نے عام شہریوں کے مسائل اور عاملین کے طور طریقوں سے اپنے آپ کو باخبر رکھنے کے لئے مخبرین کا ایک نظام (network) قائم کیا تھا تاکہ وہ دور دراز کے علاقوں کے حالات کے بارے میں آپ کو بروقت آگاہ کر سکیں۔ کسی عامل کو تقرری کا پروانہ دینے سے قبل اس کے اثاثوں کی فہرست تیار کی جاتی تھی۔ عاملین کے لئے ترکی گھوڑوں کی سواری ممنوع قرار دی گئی تھی اور ان کو یہ اجازت نہیں

تھی کہ وہ عام فرد کے معیار سے بہتر کھانا کھائیں یا بہتر لباس پہنیں۔ ان کو دفتر یا رہائش گاہ پر دربان رکھنے تک کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان امور کو عملی جامہ بھی پہنایا جن کی تفصیلات سے تاریخ اسلام کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ نظامِ حکومت کی یہ ہیئت بلاشبہ فلاحی معاشرہ کا نقطہ عروج تھا۔ (۳۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظری اور عملی تعلیمات کی روشنی میں ریاست کے فلاحی تصور کا جو خاکہ ترتیب پایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں اسلامی ریاست کے خلاف مخالفین کی شدید یلغار کے باوجود اس تسلسل کو برقرار رکھا، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ۱۰ سالہ عہدِ خلافت میں اس تصور کو ایک مکمل نظام کی شکل دینے میں کامیاب ہوگئے۔ خلافتِ راشدہ کے بقیہ دور میں انہی اصولوں کے مطابق مملکت کے امور چلتے رہے۔

اسلام کے صدرِ اوّل میں اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کی اس عملی شکل کی روشنی میں فقہاءِ کرام نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرے، تاکہ کوئی فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے۔ اس سلسلے میں اسلامی ریاست کو وسیع اختیارات حاصل ہیں اور بوقتِ ضرورت فلاحی نظام کے ہدف کے حصول کے لئے ریاستی طاقت بھی استعمال کی جا سکتی ہے، تاکہ مالی لحاظ سے مستحکم اصحاب کے وسائل میں سے ضرورت مندوں کو ان کا حصہ دلایا جائے۔ (۳۴)

اسلامی فلاحی ریاست کے تقاضے

جدید دور میں اور بالخصوص ہمارے ملک پاکستان میں صحیح معنوں میں مملکت کو اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کرنے کے لئے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کی روشنی میں، حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ مندرجہ ذیل اقدامات کو عملی شکل دی جائے:

۱۔ بنیادی انسانی ضروریات (روٹی، مکان، تعلیم، علاج، لباس) کو آئینی تحفظ فراہم کیا جائے۔

۲۔ معیشت کو ایسے نہج پر استوار کیا جائے جس سے سرمایہ کے چند مخصوص افراد کے

ہاتھوں میں ارتکاز کے رجحان کا سدِّباب ممکن ہو جائے۔

۳۔ محنت کئے بغیر دولت کے حصول کے راستے بند کئے جائیں، مثلاً ایک فرد بہت سی دکانوں پر مشتمل پلازہ تعمیر کر کے اور انہیں کرایہ پر چڑھا کر کروڑوں روپے سالانہ کماتا ہے یا مکانات کی ایک قطار تعمیر کر کے بغیر محنت کے گھر بیٹھے دولت کماتا ہے۔

۴۔ پاکستانی اراضی کو مولانا محمد طاسین (۳۵) اور مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوھاروی (۳۹) کی تحقیق کے مطابق حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کی عراقی زمینوں کے بارے میں پالیسی کے طرز پر وقف للمسلمین قرار دیا جائے اور اس کی مجموعی آمدن کو بیت المال میں جمع کر کے عوام کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے۔

۵۔ حکومتی اور عوامی سطح پر مسرفانہ طرزِ زندگی کی حوصلہ شکنی کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں۔

۶۔ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کے مطابق شاہ و گدا سب عدالت کے سامنے جوابدہ ہوں اور کسی کو استثناء حاصل نہ ہو۔

ہو سکتا ہے کہ بادی النظر میں یہ تجاویز غیر حقیقی محسوس ہوں، لیکن آج کی دنیا میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں اور اگر صحیح نیت اور عزم ہو تو کوئی بعید نہیں کہ ان اصولوں کے مطابق ایک ماڈل اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کا احیاء ہو جائے۔

حوالہ جات اور وضاحتی نکات

۱۔ المائدہ : ۳ (آیات قرآنی کے ترجمے کے لئے مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ترجمہ قرآن مجید سے مدد لی گئی ہے)

۲۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں : تفسیر عثمانی، حواشی ۱۹ تا ۲۱

۳۔ الاحزاب : ۴۰ ۴۔ النساء : ۱۰۵

۵۔ المائدہ : ۴۵ ۶۔ المائدہ : ۴۹

۷۔ اس کی مزید تفصیل آگے دیکھیں۔ حوالہ جات کے لئے نوٹ ۲۳ دیکھیں۔

۸۔ الحدید : ۲۵ ۹۔ الحج : ۴۱

۱۰۔ ص : ۲۶ ۱۱۔ الانبیاء : ۷۳

۱۲۔ النساء : ۵۸ ۱۳۔ النحل : ۹۰

۱۴۔ النساء : ۱۳۵ ۱۵۔ التوبہ : ۳۴ تا ۳۵
۱۶۔ آلِ عمران : ۱۸۰ ۱۷۔ الحشر : ۷
۱۸۔ البقرہ : ۲۱۹ ۱۹۔ التوبہ : ۶۰
۲۰۔ الذاریات : ۱۹ ۲۱۔ المعارج : ۲۴ تا ۲۵

۲۲۔ "حلف الفضول" کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (مکتبہ فاروقیہ، ملتان، ۱۹۷۷ء) زیر عنوان: حلف الفضول جلد ۱، صفحات: ۹۰ تا ۹۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی۔ (دارالاشاعت بندر روڈ کراچی، ۱۹۶۰ء) صفحات ۴۶ تا ۴۸۔

۲۳۔ "میثاقِ مدینہ" کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، زیر عنوان: کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما بینہ وبین الیھود جلد ۲، صفحات ۱۶ تا ۱۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ایڈیٹر)، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، (دارالنفائس بیروت، ۱۹۸۳ء) صفحات: ۵۷ تا ۶۲۔ مولانا سید محمد میاں، عہد زریں اور مثالی حکومتیں، (کتابستان قاسم جان سٹریٹ دہلی، تاریخِ اشاعت درج نہیں)، جلد ۱، صفحات ۳۷۸ تا ۳۸۱۔

۲۴۔ ابو حسین مسلم، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام۔ (ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، ۱۹۸۴ء) صفحات ۱۴۷ تا ۱۴۸۔

۲۵۔ ابن ماجہ، سنن، باب الاجارہ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۰۱۔

۲۶۔ ابن حزم، المحلیٰ، جلد ۶۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۴۴۔

۲۷۔ "اصحابِ صفہ" کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور، تاریخ اشاعت درج نہیں) جلد ۱، صفحات ۲۹۸ تا ۳۰۰۔

۲۸۔ اسلام کے نظامِ محاصل اور آمدن کے مصارف کے لئے دیکھیں: مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، صفحات ۱۰۶ تا ۱۳۱۔ عبدالجید کد خیلی، د اسلام اقتصادی نظام (پشتو) (مقامِ اشاعت درج نہیں، ۱۹۸۹ء) صفحات ۸۷ تا ۱۰۴۔

۲۹۔ اسلام میں شوریٰ کے مقام کی تفصیل کے بارے میں مولانا ریاست علی بجنوری کی کتاب شوریٰ کی شرعی حیثیت، (مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور، ۱۹۸۸ء) مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

۳۰۔ ابوعبید، کتاب الاموال، حدیث ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ نیز دیکھیں: مولانا سید محمد میاں، دورِ حاضر کے سیاسی و اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و اشارات، (مکتبہ رحیمیہ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور، ۱۹۸۳ء) صفحات ۹۴ تا ۹۶۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، صفحات ۱۵۴ تا ۱۵۷۔

۳۱ ۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان، اردو ترجمہ: سید ابوالخیر مودودی، (نفیس اکیڈمی بلاسس سٹریٹ کراچی، ۱۹۷۰ء) جلد ۲، صفحات ۶۳۹ تا ۶۵۳۔ شبلی نعمانی، الفاروق (نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، تاریخ اشاعت درج نہیں)۔ صفحات ۴۳۴ تا ۴۴۴۔

۳۲ ۔ دیکھیں: احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان، صفحات ۳۸۰ تا ۳۹۳۔ نیز دیکھیں شبلی نعمانی، الفاروق، صفحات ۲۷۸ تا ۲۸۳۔

۳۳ ۔ ان نکات کی تفصیل کے لئے دیکھیں ڈاکٹر خورشید احمد فارق (مترجم)، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط، (ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۸ء)۔ شبلی نعمانی، الفاروق، صفحات ۲۶۷ تا ۲۷۶۔ نیز دیکھیں: رسالہ اسلامک کلچر (اپریل ۱۹۸۴ء) میں محمد یوسف گورایہ کا آرٹیکل بعنوان Judicial system under Umar the great. صفحات ۹۷ تا ۱۳۰۔

۳۴ ۔ اس موضوع پر مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" میں بڑی مفید اور معلومات افزا بحث کی ہے۔ دیکھیں صفحات ۴۲ تا ۴۹، ۵۱، ۵۴ تا ۹۰، ۱۴۷ تا ۱۶۱، ۳۵۷ تا ۳۷۱۔

۳۵ ۔ اس سلسلے میں مولانا محمد طاسین کی کتاب "مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام" (مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، تاریخ اشاعت درج نہیں) لائقِ مطالعہ ہے۔

۳۶ ۔ دیکھیں: اسلام کا اقتصادی نظام، صفحات ۴۰۸ تا ۴۱۶۔

منتخب کتابیات

۱۔ القرآن الکریم (مع ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری و تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی)

۲۔ ابن حزم — المحلی

۳۔ ابن ماجہ — سنن

۴۔ ابن ہشام — السیرۃ النبویہ

۵۔ ابو عبید — کتاب الاموال

۶۔ امام مسلم، ابو حسین — صحیح مسلم

۷۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ — فتوح البلدان

۸۔ بجنوری، مولانا ریاست علی — شوریٰ کی شرعی حیثیت

۹۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد (ایڈیٹر) — الوثائق السیاسیہ

۱۰۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد — رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی

۱۱۔ سیوہاروی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن — اسلام کا اقتصادی نظام

شہر کراچی میں

تحریکِ خلافت کا تعارف

امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ کراچی کی رپورٹ

جو لوگ ملت کا درد رکھتے ہیں وہ جب موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں تو تڑپ جاتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۲۵ کروڑ ہونے کے باوجود انہیں عزت کا مقام حاصل ہے نہ ان کے اپنے نظریہ کی کوئی حکومت موجود ہے۔ مسلمانوں کی حکومتیں اگرچہ ۴۵ کے لگ بھگ ہیں اور آزاد حکومتیں کہلاتی ہیں مگر ان کی اپنی حکومت میں ان کی اپنی مرضی کو دخل نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ہر دردمند مسلمان کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرتا ہے۔

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے اس سوال کا بھرپور جائزہ لیا ہے' مرض کی تشخیص بھی کی ہے اور علاج بھی بتایا ہے۔ قرآن مجید میں غور و فکر کے نتیجے میں وہ اس بات پر پہنچے ہیں کہ امت کا مجموعی ایمان مضمحل ہو چکا ہے اور اس کی واحد وجہ کتاب اللہ سے بے اعتنائی ہے۔ جب تک یہ امت توبہ' تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ عہد نہیں کرے گی' سدھار کی کوئی راہ نہیں نکلے گی۔ یہی جذبہ انہیں ربع صدی سے کشاں کشاں لئے پھر رہا ہے۔ اپنے ملک کے کونے کونے میں یہی پیغام لے کر پہنچے ہیں اور بیرونِ ملک بھی توبہ کی منادی کے لئے بار بار سفر کر چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تمدن کے ارتقاء نے نوعِ انسانی کو اب جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے اور آج کے انسان نے شعور کی جتنی منزلیں طے کر لی ہیں اب وقت آ گیا ہے کہ انہیں باور کرایا جائے کہ اسلام کے نظام عدلِ اجتماعی کی کیا برکات ہیں۔ دنیا نے کیمونزم کی تجہیز و تکفین کو بچشمِ سر دیکھ لیا ہے اور مغرب میں جمہوری نظام نے جن خباثتوں کو جنم دیا ہے اور جن جن مصائب اور مسائل نے انہیں گھیر لیا ہے اس سے آج ان کے دانشور پریشان ہیں۔ ایسے موقع پر اگر انہیں اسلام کے نظام عدلِ اجتماعی کو بر سرِ زمین دکھا دیا جائے تو دنیا اسے لپک کر قبول کرے گی۔ افسوس کہ یہ کام ہم نہ کر سکے' اللہ سے عہد کرنے کے باوجود' جبکہ اس نے ہمیں پاکستان نام کا ایک خطہ بھی عطا کر دیا!

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کراچی میں ۱۶ر اگست کو "امتِ مسلمہ کا

مستقبل" کے عنوان سے جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں ایک تقریر کی تھی۔ ایک ماہ بعد یعنی ۲۱ر ستمبر کو اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ آج کی تقریر گزشتہ ماہ کی تقریر کا تسلسل ہے۔ پھر آپ نے گزشتہ ماہ کی جانے والی تقریر سے اہم نکات دہرائے اور اس وقت امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے' ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دنیا میں یہود کے اثر و نفوذ سے سامعین کو آگاہ کیا۔ پھر مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ بیٹھ رہنے سے کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور نہ وہ عذاب ٹل سکتا ہے جو اب سروں پر منڈلاتا نظر آ رہا ہے۔ جب تک ہماری قوم' قوم یونسؑ کی طرح توبہ نہیں کرے گی اور اس دینِ حق کی طرف نہیں پلٹے گی جس کی وہ مدعی ہے' عذاب سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ عرب قوم تو عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے' سب کچھ ہوتے ہوئے وہ بے دست و پا ہے' اسرائیل کے فتراک کے نخچیر وہ بن چکے ہیں۔ دوسرا نمبر ہمارا ہے' ہم نے اللہ سے بدعہدی کی اور اس کے نظام کو اس زمین پر نافذ نہیں کیا۔ اب بھی اگر ہوش نہیں آیا تو ہمیں بھی سزا مل کر رہے گی' جس کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔ دین کو نافذ کرنے کے لئے پرانے نظام کو اکھاڑ کر پھینکنا ہو گا اور یہ کام صرف انقلاب سے ہو سکتا ہے۔ آپ نے اس کی تفصیلات سے سامعین کو آگاہ کیا اور پھر بتایا کہ اس کے لئے ایسی تنظیم کی ضرورت ہے جو سمع و طاعت کے نظام میں بندھی ہوتی ہو' سیسہ پلائی ہوئی دیوار جیسی ہو۔ سامعین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ہمارے لئے دو راستے ہیں' یا تو ہمیشہ تماشبین کی حالت میں رہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے سب سے آنکھیں بند کر لیں ___ اور یا پھر اس کو بدلنے کی جدوجہد کریں۔ جس کے دل میں آرزو ہو اور کچھ کرنے کا جذبہ ہو' دل میں ایمان ہو اور اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اقامتِ دین کے لئے جدوجہد فرض ہے تو اسے کمرِ ہمت کس لینا چاہئے۔

پھر آپ نے اقامتِ دین کی فرضیت پر احادیث اور قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کیا۔

اس خطاب کے بعد سامعین کو سوالات کی دعوت دی گئی۔ تنظیم اسلامی کی طرف سے کاغذ و قلم مہیا کئے گئے تاکہ اچانک ذہن میں آنے والے سوالات بھی لکھے جا سکیں۔ نصف گھنٹے کے وقفہ کے بعد سوالات و جوابات کی نشست منعقد ہوئی۔ سوالات کافی جمع ہو گئے تھے۔ چند سوالات کو چھوڑ کر' جو فقہی نوعیت کے تھے' بقیہ سوالات کے جوابات امیرِ محترم نے دیئے۔ تنظیم کا یہ طریقہ کار ہے کہ فقہی سوالات کے لئے سائل کو مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کے لئے کہا جاتا ہے۔

سوال و جواب کے بعد تھوڑی دیر کا وقفہ ہوا' پھر جمعہ کی اذان دی گئی اور امیر محترم کا

خطابِ جمعہ شروع ہوا، جو ۴۵ منٹ کے دورانیے پر مشتمل تھا۔ اس خطاب میں آپ نے "دفاعِ پاکستان" کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ پاکستان کا دفاع اور اس پر جان دینے کا عزم ہر پاکستانی پر لازم ہے۔ یہ صرف افواج کا فریضہ نہیں، بلکہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ پاکستان کے ساتھ اسلام کی عزت وابستہ ہے۔ ہمیں اپنے دفاع کا پورا حق ہے اور اس کے لئے ایٹمی صلاحیت ناگزیر ہے۔ اگر اس میں اب تک اخفاء ہوا ہے تو یہ بھی ضروری تھا۔ اب اگر راز کھل گیا ہے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہنا چاہئے کہ اگر دوسرے ممالک اپنا دفاعی بندوبست کر رہے ہیں تو ہمیں بھی اس کا پورا حق حاصل ہے۔
امیر محترم نے فرمایا کہ ہمیں اپنے حلیف تلاش کرنے چاہئیں، اس میں تاخیر درست نہیں، اس وقت چین ہمارا سچا حلیف ہے، اس سے فوری دفاعی معاہدہ کرنا چاہئے۔ تیسری بات یہ کہ بھارت کو سمجھانا چاہئے کہ دونوں ملکوں کی بھلائی جنگ نہ کرنے میں ہے، جنگ کی صورت میں دونوں کا نقصان ہے اور فائدہ مغرب کو پہنچے گا۔ چوتھی اور سب سے اہم بات یہ کہ ہمیں اللہ کی پناہ میں آنا چاہئے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم اس کی نافرمانی چھوڑ دیں۔ آپ نے بڑے عزم اور جوش کے ساتھ کہا: اے مسلمانو! اللہ کے بنو، اللہ تمہارا دفاع کرے گا! اللہ کی مدد اس وقت آئے گی جب تم اس کی اطاعت کرو گے۔ نافرمانی کے ساتھ نصرت کی امید عبث ہے، خیالِ خام ہے!!

☆ ☆ ☆

دوسرے دن یعنی ہفتہ کے روز امیر محترم کا خطاب "خلافت: کیا، کیوں اور کیسے؟" کے زیر عنوان جامع مسجد ہادی مارکیٹ ناظم آباد نمبر ۴ میں بعد نماز عشاء ہوا۔ آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا خلافت قرآن و سنت کی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان اور عملِ صالح کا حق ادا کریں گے ان سے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ زمین میں ان کو لازماً غلبہ عطا کرے گا، انہیں خلافت سے نوازے گا اور خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس روئے ارضی پر کوئی گھر ایسا نہ رہے گا، خواہ وہ اینٹ گارے کا ہو یا اون اور کمبل کا، مگر اس میں اسلام داخل ہو کر رہے گا، عزت والوں کی عزت کے ساتھ اور ذلت والوں کی ذلت کے ساتھ۔ یعنی جو لوگ اسلام قبول کر لیں گے وہ سربلند ہوں گے اور جو غلبہ قبول کریں گے وہ جزیہ دیں گے اور دوسرے درجہ میں شمار ہوں گے۔ اسلام کا یہ غلبہ ہو کر رہے گا، جس کے آثار ظاہر ہونا شروع

ہو گئے ہیں۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا عمل جاری ہے، اگرچہ امتِ مسلمہ کا زوال بھی اپنے عروج پر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے لئے کس خطہ کا انتخاب اللہ کی مشیت میں مقدر ہے۔ ظاہری حالات تو یہ بتا رہے ہیں کہ شاید پاکستان کا انتخاب ہو چکا ہے۔ امیر محترم نے تاریخ کے حوالے سے احیائی عمل کی تفصیل سامعین کو بتائی۔

خلافت کے خدوخال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ خلافت کا نظام موجودہ صدارتی نظام کے قریب تر ہے۔ آپ نے نظامِ خلافت کے بارے میں یہ واضح کیا کہ یہ نظام انتخابات کے ذریعے نہیں، بلکہ صرف انقلابی جدوجہد ہی کے ذریعے آ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس انقلاب کو برپا کرنے کے لئے ایسے افراد درکار ہیں جو پہلے اپنی زندگیوں میں انقلاب برپا کریں، اور امرونواہی کی پابندی کریں، اور اپنا تن من دھن لگا کر ثابت کر دیں کہ وہ دین کی سربلندی چاہتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے یہی کیا، اور ہمیں بھی یہی کرنا ہوگا، تبھی وہ مطلوب خلافت قائم ہو سکتی ہے۔ اس خلافت کی برکات اس وقت ظاہر ہوں گی جب دین پورے کا پورا غالب ہو جائے گا۔

امیر محترم نے نظامِ خلافت کے دس نکات بیان کئے، جسے ہم ''انقلابِ اسلامی کا منشور'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سے آئندہ کے کام کا نقشہ بھی سامنے آتا ہے اور وہ ہدف بھی متعین ہو جاتا ہے جس پر اپنی توانائی خرچ کرنے کا عزم ہر مسلمان کو کرنا چاہئے۔ وہ دس نکات یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ: ہر سطح پر اللہ کے حکم کی بالادستی۔

(۲) مخلوط قومیت کی نفی: مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اسلامی ریاست میں صرف انہی کو ووٹ دینے کا حق ہے۔ غیر مسلم ذمی ہیں، ریاست ان کی حفاظت کی ہر طرح ذمہ دار ہے۔

(۳) خلیفہ کا انتخاب بلاواسطہ پورے ملک کے مسلمان کریں گے۔

(۴) صوبائی عصبیت کی لعنت ختم کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ ایک کروڑ کی آبادی سے بڑا کوئی صوبہ نہ ہو۔

(۵) سُود اور جوئے کے کامل انسداد کے ذریعہ معیشت کی تطہیر۔

(۶) نیا بندوبستِ اراضی: پاکستان کی تمام زمینیں خراجی ہیں۔ ان کا خراج براہِ راست بیت المال میں جانا چاہئے۔

(۷) زکوۃ کی کامل تنفیذ: کُل اموالِ ظاہرہ پر پوری زکوۃ لی جائے۔

(۸) مکمل قانونی مساوات: حکمرانوں سمیت کوئی شخص قانون سے بالاتر نہ ہو۔

(۹) شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کا مکمل استیصال۔
(۱۰) مخلوط معاشرے کا سدباب، ہر سطح پر مخلوط معاشرے کی نفی۔

یہ وہ نکات ہیں جن کی تفصیل امیرِ محترم نے بیان کی اور وضاحت فرمائی۔

اس منشور کے مطالعے کے بعد وہ ابہام بھی ختم ہو جانا چاہئے جو اسلامی نظام کے بارے میں بعض دانشوروں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو آئے دن خواہ مخواہ کی بحثوں میں عوام کو الجھا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ منشور اسلامی نظام کے خدوخال کا آئینہ ہے۔ ہم میں سے ہر فرد کو چاہئے کہ ان نکات کو عوام تک پہنچائے اور رائے عامہ کو ہموار کرے۔

تیسرے دن یعنی ۱۵ر ستمبر کو پریس کلب کراچی میں ساڑھے تین بجے سہ پہر ایک پریس کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ امیرِ تنظیم اسلامی نے ایک تحریر پڑھ کر سنائی، جس کی فوٹو اسٹیٹ نقول تمام صحافی حضرات کو دی گئیں۔ اس تحریر میں نہایت جامعیت کے ساتھ اس دس نکاتی منشور کی وضاحت کی گئی تھی جسے تحریکِ خلافت کی بنیاد بننا ہے اور رائے عامہ کو اس کے لئے ہموار کرنا ہے، بلکہ صحیح معنوں میں بیدار کرنا ہے۔ امیر محترم کے اس بیان اور وضاحت کے بعد سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا، جو نہایت اچھے ماحول میں کچھ دیر جاری رہا۔ پھر تنظیم کی طرف سے صحافی حضرات کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اس طرح یہ بامقصد پریس کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ امیرِ محترم کا یہ دورہ اپنی افادیت کے اعتبار سے بہت کامیاب رہا۔

مرتب : نجیب صدیقی۔ کراچی

بقیہ: تنظیمِ اسلامی حلقہ پنجاب کی سرگرمیاں

اجتماع بلا کر ان سے نئے امیر کے لئے ترجیح کی ترتیب کے ساتھ تین تین افراد کے نام مہیا کر دہ چٹوں پر تحریر کرنے کے لئے کہا۔ اس اجتماع میں ساٹھ کے لگ بھگ رفقاء شریک ہوئے۔ حاصل شدہ نتیجہ مرتب کر کے راقم نے امیر محترم کے سامنے پیش کیا، جس پر مرکزی اسرہ میں غور و فکر کے بعد امیرِ محترم نے شرقی تنظیم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور دو دو امراء اور ناظمین کا تقرر فرمایا۔ شرقی نمبر ۱ کا امیر جناب شیخ محمد قریشی صاحب کو اور ناظم حبیب الرحمٰن صاحب کو مقرر کیا گیا۔ جبکہ شرقی نمبر ۲ کے امیر جناب محمود عالم میاں صاحب اور ناظم جناب رضا جلیل صاحب مقرر ہوئے۔

☆ ــــ ماہ ستمبر کے دوران تنظیم اور اسروں کے ہفتہ وار اور ماہانہ اجتماعات باقاعدگی سے منعقد ہوئے، جن میں سے بعض میں راقم بھی شریک ہوا۔

(مرتب : عبدالرزاق)

حلقہ غربی پنجاب کا علاقائی اجتماع، اور
فیصل آباد کا جلسہ عام

اس سال سالانہ اجتماع کے مرکزی مجلسِ مشاورت کے پہلے اجلاس منعقدہ اپریل ۹۱ء میں آئندہ تنظیمی سال کے لئے اجلاس ہائے مجلسِ مشاورت اور علاقائی اجتماعات کا شیڈول طے کیا گیا تھا، جس کے مطابق حلقہ غربی پنجاب کے علاقائی اجتماع کے لئے ۲۰ تا ۲۲ر ستمبر کی تاریخیں مقرر ہوئی تھیں، جن میں ۲۰ر ستمبر کو جلسہ عام رکھا گیا تھا۔ لیکن بعد ازاں چند ناگزیر وجوہ کی بنا پر اگست میں منعقد ہونے والے مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں اس اجتماع کے پروگرام میں ردّوبدل کیا گیا اور جلسۂ عام اور علاقائی اجتماع کے لئے ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ر ستمبر کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں جلسۂ عام کے مقام کے بارے میں بھی غور کیا گیا۔ امیرِ محترم نے دھوبی گھاٹ کی وسیع و عریض جلسہ گاہ میں جلسہ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

مقامی رفقاء سے جلسۂ عام کی جگہ کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو اکثریت نے ڈی گراؤنڈ کے حق میں رائے دی۔ محترم ناظمِ پنجاب نے بھی اس جگہ کو جلسہ کے لئے موزوں خیال کیا، لیکن میئر فیصل آباد نے یہاں جلسہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ ان کا کہنا تھا کہ ڈی گراؤنڈ پارک ہے، جلسہ گاہ نہیں ہے! چنانچہ از سرِنو رفقاء سے مشورہ کیا گیا۔ راقم نے دبی زبان میں دھوبی گھاٹ میں ہی جلسہ رکھنے کی تجویز پیش کی، جسے رفقاء کی اکثریت نے پسند کیا اور اس کی تائید کی۔ اس پر ناظمِ حلقہ جناب ملک احسان الٰہی صاحب نے دھوبی گھاٹ میں جلسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ البتہ انہوں نے رفقاء پر واضح کر دیا کہ اس صورت میں انہیں جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کر کے بھرپور محنت کرنا ہوگی۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ بارش کی صورت میں جلسہ وہیں سڑک پر ہوگا اور اسے کسی ہال وغیرہ میں منتقل نہیں کیا جائے گا۔ جلسۂ عام کا مقام طے ہونے کے ساتھ ہی رفقاء نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ اس کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں نائب ناظمِ حلقہ نے باہمی مشورے سے رفقائے تنظیم اسلامی فیصل آباد کو مختلف فرائض تفویض کئے۔

۱۔ رفیقِ محترم میاں یوسف صاحب کے ذمے میئر اور اے سی فیصل آباد سے جلسہ کی

اجازت کا حصول' سائیکل سٹینڈ کا انتظام اور گراؤنڈ میں سٹیج کی دیوار پر "خلافت کانفرنس" الفاظ تحریر کروانا تھا۔ انہوں نے اللہ کے فضل و کرم سے یہ تمام کام بروقت کر لئے تھے۔

۲۔ جلسہ کا بحیثیت مجموعی ناظم اور سٹیج سیکرٹری محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کو مقرر تھا' جنہوں نے نہایت جانفشانی سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جلسہ گاہ میں ترتیب لگی ہوئی کرسیاں' قناتیں' اور بینرز اس کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

۳۔ جلسہ کے ساتھ ہی دو روزہ علاقائی اجتماع کا پروگرام بھی شروع ہونا تھا' جس کے قیام اور طعام کا بندوبست رفیقِ محترم مختار احمد صاحب کے ذمے تھا' جو اس فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ طعام کے کام میں رفیقِ تنظیم اعجاز قمر نے ان کی بھرپور معاونت کی۔

۴۔ بینرز کی تیاری رفیقِ تنظیم محترم سعید احمد صاحب کے ذمے تھی' جنہوں نے بڑے اور کچھ چھوٹے بینرز تیار کروائے' جنہوں نے جلسے کی بھرپور پبلسٹی میں نہایت اہم ادا کیا۔

۵۔ پوسٹرز' ہینڈ بلز اور دعوت ناموں کی چھپوائی کا کام نائب ناظمِ حلقہ غربی پنجاب احسان الٰہی ملک صاحب اور رفیقِ محترم جناب میاں یوسف صاحب کے ذمے تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے یہ کام بھی بروقت اور اطمینان بخش طریقے سے ہوگیا۔

۶۔ اب مشکل ترین مرحلہ اشتہارات اور بینرز لگانے کا درپیش تھا۔ اس کام کی ذمہ داری راقم کے سر تھی۔ لیکن راقم اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت مستعد اور چاق و چوبند ساتھیوں کے ساتھ اس کی خصوصی معاونت فرمائی۔

۷۔ رکشہ پر اعلانات کا ناظم بھی اسی خاکسار کو بنایا گیا تھا۔ اس کام کے لئے ۹ اور ۱۰ کو دو رکشے مخصوص کر دیئے گئے' جن کے ذریعے سارے شہر میں بھرپور انداز میں جلسہ کی تشہیر کی گئی۔

۸۔ سٹیج پر ساؤنڈ سسٹم' روشنی اور بجلی کے جملہ انتظامات رفیقِ محترم جناب ا... صاحب کے ذمے تھے' جنہوں نے یہ سارا کام تن تنہا سرانجام دیا۔

۹۔ ٹینٹ' کرسیاں اور قناتیں وغیرہ کا بندوبست میاں محمد اسلم صاحب کے ذمہ تھا۔ اس کے لئے موصوف ۱۰ر ستمبر کو صبح ۸ر بجے جلسہ گاہ میں پہنچے اور ۱۱ر ستمبر کو فجر کی نماز پڑھ کر واپس گئے۔ اس کام میں ان کی معاونت ڈاکٹر فیض رسول اور امتیاز احمد واہلہ نے کی۔

۱۰۔ انجمن سپاہِ صحابہؓ کے جلسہ میں دھماکہ کے بعد فیصل آباد میں تنظیمِ اسلامی

ت خاص حیثیت اختیار کر چکا تھا' لہٰذا سیکیورٹی کے انتظامات پر خصوصی توجہ دی گئی۔
، محترم جناب عبدالشکور صاحب کو سیکیورٹی کے معاملات کا ناظم بنایا گیا۔ اور ان کی
ریٹی ٹیم میں فیصل آباد کے رفقاء کے علاوہ لاہور کے بعض رفقاء کو بھی شامل کیا گیا۔
ریٹی کے نقطہ نظر سے گراؤنڈ جلسہ سے ۲۴ گھنٹے پہلے اپنے قبضے میں لے لیا گیا۔ اور جلسہ
قبل کی رات بعض رفقاء نے گراؤنڈ میں جاگ کر گزاری۔

جلسہ کے دوران مکتبہ کا ناظم رفیقِ محترم حامد صابر صاحب کو مقرر کیا گیا۔ ان کی
نت عرفان الٰہی اور نئے رفیق بابق محمود نے کی۔

امیرِ محترم کے قیام و طعام کی تمام تر ذمہ داری رفیقِ محترم شیخ محمد امین صاحب نے
۔

مالی امور جیسے حساس اور اہم ترین کام کی ذمہ داری امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد
رخان محمد صاحب کے سپرد کی گئی' جو واقعتہً اس کام کے لئے موزوں ترین شخص تھے۔

جلسہ کے اتنے عمدہ انتظامات اور ہماری توقعات سے بڑھ کر کامیابی' جس کی تعریف
کیے بغیر امیرِ محترم بھی نہ رہ سکے' اصلاً تو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے اور چونکہ دنیا کو
ب کے ساتھ جوڑا گیا ہے' اس لئے اس میں ملک صاحب کے حسنِ انتخاب کو بھی خاصا
ہے کہ انہوں نے جلسہ کے انتظامات کا ناظم' ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کو بنایا۔ ان کے ساتھ
ن رفقاء کی ایک خاص Understanding تھی کہ انہوں نے ان کی ہدایات کے
ن رات دن مسلسل کام کیا' مگر کسی لمحے ان کے چہروں سے تھکاوٹ کے آثار تک ظاہر نہ
ے۔ اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب خصوصی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ھر ستمبر کو نمازِ عشاء کے بعد لوگوں نے جوق در جوق جلسہ گاہ کی طرف آنا شروع کیا۔ سٹیج
ری ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے اللہ کا نام لے کر نو بج کر پانچ منٹ پر جلسہ کی کارروائی
ع کی۔ اور تنظیم اسلامی کے عہدیداران میں سے ناظم اعلیٰ پاکستان ڈاکٹر عبدالخالق صاحب'
ی ناظم بیت المال رحمت اللہ بٹر صاحب' ناظم پنجاب عبدالرزاق صاحب' میزبان نائب
برائے غربی پنجاب ملک احسان الٰہی صاحب' نائب ناظم برائے جنوبی پنجاب محمد اشرف وصی
ب' اور امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد پروفیسر خان محمد صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت
۔ قاری شاہد صاحب کی تلاوت قرآن حکیم سے جلسہ کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔
ت کے بعد مرکزی ناظم بیت المال و تربیت جناب رحمت اللہ بٹر صاحب کو دعوت خطاب

دی گئی۔ موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں انسان کی انفرادی خلافت کے موضوع
فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ ہر انسان اللہ کی خلافت کے منصب پر فائز ہے اور اسے یہ
سمجھا کر اللہ کے حضور اس امانت کا حساب پیش کرنا ہے۔

بٹر صاحب کے خطاب کے بعد سٹیج سیکرٹری ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے امیر
محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے آج کے خطاب کے موضوع کی اہمیت کی طرف
توجہ مبذول کرواتے ہوئے زور دیا کہ اب محترم ڈاکٹر صاحب عمر اور مصروفیات کی
فیصل آباد تشریف نہیں لاتے۔ اس بار آپ کی فیصل آباد تشریف آوری دس ماہ ۔
ہے' لہذا ہمیں ان کی باتیں توجہ اور انہماک سے سننی چاہئیں۔ ساتھ ہی انہوں نے
صاحب سے بھی گزارش کی کہ وہ وقت کی کوئی پابندی نہ سمجھیں اور ہمیں تفصیل سے
نظامِ خلافت کے معنی کیا ہیں' اس کا قیام کیوں ضروری ہے اور یہ کام کیونکر کیا جا سکتا

امیر محترم نے پورے دو گھنٹے تک دھوبی گھاٹ کی تاریخی جلسہ گاہ میں پور۔
ساتھ بیٹھ کر پورا خطاب سننے والے دو ہزار حاضرین سے خطاب کیا۔ آپ نے
حالات کے تناظر میں نظامِ خلافت کے خدوخال پر روشنی ڈالی اور اس کے تقاضے
ایک اندازے کے مطابق لگ بھگ پانچ ہزار افراد نے' غالباً دھماکہ سے ڈرتے ہوئے
کھڑے ہو کر خطاب کی سماعت کی۔ اس کے بعد اہم اعلانات کئے گئے اور دعا پر یہ
پذیر ہوا۔

۱۸ ستمبر کی صبح سے انجمن خدام القرآن و تنظیم اسلامی فیصل آباد کے دفتر و
مارکیٹ ریلوے روڈ میں دو روزہ علاقائی اجتماع برائے حلقہ غربی پنجاب کا آغاز ہوا۔
میں صبح ساڑھے آٹھ بجے امیر تنظیم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ سوال
ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا' جس میں تقریباً ساٹھ ستر رفقاء و احباب نے شرکت
محفل تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔ اس نشست کے اختتام پر احباب میں سے تین ا
امیرِ محترم کے ہاتھ پر بیعت کی اور تنظیم کے باقاعدہ رفیق بن گئے۔

۱۱۔۰۰ بجے حلقہ غربی پنجاب کی ذیلی تنظیموں اور اسروں کے امراء و نقباء ۔
رپورٹ پیش کی' جن میں فیصل آباد سے محترم پروفیسر خان محمد صاحب' سرگودھا سے ا
اصغر صدیقی صاحب' سانگلہ ہل سے عقیل احمد صاحب' باگے والا سے ظہیر احمد صاحب
سے امتیاز احمد واہلہ صاحب اور جھنگ روڈ سے حسین رضا صاحب نے رپورٹیں پیش
اس کے بعد امیرِ محترم کا رفقاء سے خطاب تھا جو تقریباً ۴۵ منٹ جاری رہا۔

ـنے اور آرام کا وقفہ تھا۔ بعد نماز عصر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے سورۃ النور کے آخری
ا درس دیا اور رفقاء پر نظم کی اہمیت کو واضح کیا۔ بعد مغرب ناظم پنجاب جناب
ق صاحب نے نظام العمل کے کچھ حصے کا مطالعہ کروایا۔
ر ستمبر کو نماز فجر کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے سورۃ المائدہ کی چند آیات کا درس
ن کے حوالے سے رفقاء کی توجہ تعلق مع اللہ اور باہمی تعلقات کی طرف مبذول
ناشتے اور تیاری کے وقفہ کے بعد نظام العمل کے مطالعے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے
محترم کی جلسۂ عام والی تقریر جو اکثر رفقاء جلسہ کے دوران مختلف ذمہ داریوں کی وجہ
ن پائے تھے' دوبارہ سنی گئی اور پھر اس کی تفہیم کے لئے بھرپور مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا۔
نے پہلے امیر محترم کی رائے کو بیان کیا' پھر اگر کوئی اختلاف یا استفسار تھا تو وہ ناظم پنجاب
نے رکھا اور موصوف نے مقدور بھر تشفی کا اہتمام فرمایا۔ یہ سلسلہ ظہر تک اور پھر بعد
جاری رہا۔ آخر میں تنظیمی امور پر گفتگو ہوئی اور محترم عبدالرزاق صاحب نے مختلف
میں مناسب رہنمائی فرمائی۔ قبل نماز عصر حلقہ کا یہ علاقائی اجتماع اللہ کے فضل و کرم
ام کو پہنچا۔

(مرتب : محمد شفاء اللہ خان)

بقیہ : اسلامی فلاحی ریاست کا تصوّر

۱۲۔ طاسین' مولانا محمد	مروجہ نظام زمینداری اور اسلام
۱۳۔ فارق' ڈاکٹر خورشید احمد	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط
۱۴۔ کد خیلی' عبدالمجید	د اسلام اقتصادی نظام (پشتو)
۱۵۔ گورایہ' ڈاکٹر محمد یوسف	Judicial system under Umar the great. (رسالہ اسلامک کلچر اپریل ۱۹۸۴ء)
۱۶۔ میاں' مولانا سید محمد	دورِ حاضر کے سیاسی و اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و اشارات
۱۷۔ میاں' مولانا سید محمد	عہدِ زریں اور مثالی حکومتیں
۱۸۔ نعمانی' شبلی	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۹۔ نعمانی' شبلی	الفاروق

☆☆☆

ماہ ستمبر کے دوران

تنظیمِ اسلامی حلقہ پنجاب کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں

صوبہ پنجاب کے چاروں حلقوں اور لاہور کی دونوں تنظیموں میں ماہ ستمبر ۱۹۹۱ء کے دوران ہونے والے دعوتی سرگرمیوں کا اجمالی جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

حلقہ شمالی پنجاب

حلقہ شمالی پنجاب میں جناب شمس الحق صاحب نائب ناظم حلقہ نے الحمد للہ باقاعدہ طور پر مجو؛ وقت لگانا شروع کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں حلقے میں، خصوصاً راولپنڈی/ اسلام آ، میں، کچھ حرکت پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ ماہ ستمبر میں:۔

☆ ــــ ۱۲ ۔ ۱۳ ستمبر کو راولپنڈی کے علاقہ سیٹلائٹ ٹاؤن میں دو روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع ہ جس میں ۹ رفقاء نے شرکت کی۔ کارنر میٹنگ میں ۲۰ احباب شریک ہوئے۔

☆ ــــ ۲۰ ۔ ۲۱ ستمبر کو چکوال میں دو روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع منعقد ہوا، جس میں ۱۵ رفقاء ؛ وقتی شریک ہوئے۔ ساٹھ کے قریب احباب نے شرکت کی۔ دو افراد نے تنظیم میں شمولیت اختیا کی۔

☆ ــــ ۲۶ تا ۲۸ ستمبر کو اسلام آباد میں تبلیغی اجتماع کے موقع پر ایک سہ روزہ دعوتی و تربیتی اجتما بھی منعقد کیا گیا، جس میں ۱۳ رفقاء شریک ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی سٹال بھی لگایا گیا، جہاں تی ہزار سے زیادہ کی کتب فروخت ہوئیں۔

☆ ــــ معمول کے مطابق تربیتی و دعوتی اجتماعات ہوئے، جن میں کارنر میٹنگ بھی ہوئیں اور عمو رابطہ اور لٹریچر کے ذریعے دعوت بھی پہنچائی گئی۔

☆ ــــ ۲۶ ۔ ۲۷ ستمبر کو گجرات کی تنظیم کے تحت دو روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع نواحی قصبے ٹانڈہ : ہوا۔

☆ ــــ گجرات کے امیر جناب رفیق راشدی صاحب کی اہلیہ اور انکی بیٹی کی شدید علالت کے باع کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہو سکا۔ اجتماعات میں حاضری بھی معمول سے کم رہی۔

☆ ــــ راولپنڈی / اسلام آباد میں اسرہ I — 10 کے رفیق جناب جاوید رفیق صاحب ۔

سنیلائٹ ٹاؤن کی مسجد میں ہفتہ وار درسِ قرآن کا آغاز کیا ہے، جبکہ پہلی مرتبہ دو جامع مساجد میں جناب شمس الحق صاحب اور جاوید رفیق صاحب نے خطبۂ جمعہ کے فرائض ادا کئے۔

☆ــــ مبتدی تربیت گاہ میں اس ماہ اس حلقہ سے تین رفقاء شریک ہوئے۔

☆ــــ میثاق، اور ندا کی کھپت میں کسی قدر اضافے کا رجحان محسوس کیا گیا۔

☆ــــ آزاد کشمیر میں اسرہ جاتلاں میں، جس کے نقیب سید محمد آزاد صاحب ہیں، ہفتہ وار اجتماعات باقاعدگی سے ہو رہے ہیں اور حلقہ سے ان کا رابطہ قائم ہے۔ اسرہ مظفر آباد سے تاحال کوئی رپورٹ موصول نہیں ہوئی۔ رنگلا میں بھی پانچ رفیق ہیں جو پانچوں مبتدی ہیں۔ تاج افسر مبتدی تربیت گاہ میں شرکت کر چکے ہیں ان کے ملتزم ہونے پر وہاں اسرہ بنا دیا جائے گا۔ ان کا ہفتہ وار اجتماع باقاعدگی سے ہوتا ہے۔

حلقہ شرقی پنجاب

حلقہ شرقی پنجاب الحمد للہ اس ماہ کے دوران خاصا متحرک رہا ہے۔ معمول کے دروسِ قرآن کے علاوہ جو جناب اشرف صاحب، میجر لالی صاحب اور مرزا ندیم بیگ صاحب سیالکوٹ، ڈسکہ اور گوجرانوالہ میں دے رہے ہیں، متعدد کارنر میٹنگ بھی ہوئیں۔

☆ رابطۂ عوام مہم:

۲۱ تا ۲۸ ستمبر خصوصی رابطۂ عوام مہم چلائی گئی، جس کے تحت وسیع علاقے میں تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت کا تعارف کروایا گیا۔

حلقے کی جانب سے ایک گاڑی مع ڈرائیور مہیا کی گئی تھی، جس پر دائیں بائیں اور آگے بینرز لگا کر تنظیم کے مستقل تعارف کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گاڑی پر دو لاؤڈ اسپیکر بھی لگائے گئے تھے۔

اس رابطۂ عوام مہم کا پروگرام پہلے سے طے کر لیا گیا تھا۔

مرزا ندیم بیگ صاحب اس مہم کے ناظم تھے جو ہمہ وقت اس میں شریک رہے، جبکہ اشرف صاحب دو دن کے لئے ہمہ وقت اور دیگر ایام میں جزوقتی شریک ہوتے رہے۔ اس مہم کے لئے گوجرانوالہ، سیالکوٹ، پسرور، وزیر آباد اور سمبڑیال جیسے شہروں اور قصبات کے علاوہ بڑی تعداد میں دیہات کا انتخاب بھی کیا گیا تھا۔

○ آٹھ روزہ رابطۂ عوام مہم کے دوران دو دن سیالکوٹ اور اس کے گرد و نواح، دو دن گوجرانوالہ اور آس پاس کے دیہات، ایک دن وزیر آباد، اور دو دن ڈسکہ، متروالا اور سمبڑیال وغیرہ میں صرف ہوئے۔

○ اس مہم کے دوران ایک سو سے زائد مقامات پر خطابات ہوئے اور تین ہزار سے زائد دعوتی پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ اس طرح اس مہم میں کم و بیش ایک لاکھ افراد تک تنظیم کی دعوت پہنچائی گئی۔

○ سیالکوٹ میں ایک کارنر میٹنگ کے تمام انتظامات انجمن سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں نے کیے۔ اور کارنر میٹنگ بریلوی مسلک کے افراد کے تعاون سے منعقد ہوئی۔ جس میں تقریر کے دوران انہوں نے نعرے بھی لگائے۔

○ اس پروگرام میں رفقاء نے جان، مال اور اوقات سے بھرپور تعاون کیا اور بعض لاتعلق سے بھی متحرک ہوئے۔

☆ ___ تنظیم اسلامی فیروز والہ میں معمول کے مطابق دعوتی و تنظیمی اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں۔

☆ ___ لاہور سے ایک دو روزہ جماعت ۱۹ ۔ ۲۰ ستمبر کو شیخوپورہ گئی۔ مقامی ساتھیوں عاصم تبسم اور ان کے بھانجے سہیل نے بھرپور تعاون کیا۔ معمول کے دعوتی و تربیتی پروگرام ہوئے۔ ایک مسجد میں خطابِ جمعہ کے فرائض جناب فتح محمد قریشی صاحب نے ادا کیے۔ کارنر میٹنگ عوامی رابطے کے پروگرام بھی ہوئے۔ اس پروگرام میں لاہور سے ۱۹ رفقاء شریک ہوئے۔

☆ ___ لاہور سے دوسری جماعت ۲۶ ۔ ۲۷ ستمبر کو ڈسکہ گئی، جس میں ۱۳ رفقاء شریک ہوئے۔ اس جماعت میں ناظمِ اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر عبدالخالق صاحب بھی شریک تھے۔ یہ جماعت ایسے وقت ڈسکہ پہنچی جبکہ وہاں رابطہ عوام مہم جاری تھی چنانچہ اس جماعت کے رفقاء نے بھی مہم میں شامل ہو کر عوامی رابطے کے پروگرام کیے۔ معمول کے تربیتی پروگرام نہیں ہو سکے۔ ان میں کارنر میٹنگ سے جناب ناظمِ اعلیٰ نے خطاب فرمایا۔

حلقہ غربی پنجاب

حلقہ غربی پنجاب میں ہفتہ وار دعوتی و تنظیمی اجتماعات معمول کے مطابق منعقد ہو رہے ہیں۔

☆ ___ علاقائی اجتماع اور خلافت کانفرنس :۔

☆ ___ ماہ ستمبر میں حلقہ غربی پنجاب میں سہ روزہ علاقائی اجتماع ۱۰ تا ۱۲ منعقد ہوا، جس کے دوران "خلافت کانفرنس" کے عنوان سے فیصل آباد میں دھوبی گھاٹ کے مقام پر ایک بڑا جلسہ بھی کیا، جس کے انتظامات مقامی رفقاء نے بڑی خوش اسلوبی سے کئے تھے۔ جناب احسان الٰہی

صاحب (نائب ناظم برائے حلقہ غربی پنجاب) نے ڈیوٹیاں بڑے سلیقے سے رفقاء میں تقسیم کر دی تھیں۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کو ناظم جلسہ بنایا گیا تھا۔ تمام رفقاء نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو قابل رشک حد تک حسن و خوبی سے ادا کیا۔ چالیس کے قریب بڑے سائز کے بینرز شہر کے مختلف نمایاں مقامات پر بڑے سلیقے سے لگائے گئے تھے۔ بیس ہزار ہینڈ بلز اخبارات کے ذریعے لوگوں کے گھروں میں پہنچائے گئے، جبکہ آٹھ ہزار ہینڈ بلز مختلف علاقوں اور مساجد میں تقسیم کیے گئے۔ ساڑھے تین ہزار پوسٹرز دو اقساط میں لگائے گئے۔ لاؤڈ اسپیکروں پر اعلان کے لئے دو رکشے مسلسل دو روز تک شہر میں گشت کرتے رہے۔ جناب نائب ناظم صاحب اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ ذاتی رابطے کے لئے فیصل آباد کے نواحی علاقوں کھرڑیانوالہ، جڑانوالہ، مانانوالہ، بانگیوال اور سانگلا ہل بھی گئے اور وہاں کے ساتھیوں کو جلسے میں آنے کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں عثمان کوٹ جھنگ روڈ سے ایک ایک بس۔ اور بانگیوال، سانگلا ہل اور سرگودھا سے ایک ایک ویگن بھر کر احباب جلسے میں شریک ہوئے۔

جلسے کے انتظامات الحمد للہ ہر لحاظ سے اطمینان بخش تھے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے ادا کیے۔ ابتدا میں چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے مختصر خطاب کیا اور اس کے بعد امیرِ محترم نے "پاکستان میں نظامِ خلافت" کے موضوع پر دو گھنٹے طویل خطاب فرمایا اور اس موضوع کے مختلف گوشوں کی وضاحت فرمائی۔ امیرِ محترم نے تحریکِ قیامِ خلافت کے دس نکاتی منشور کی بھی وضاحت فرمائی۔ محتاط اندازے کے مطابق ڈھائی ہزار کے قریب افراد نے پورے سکون کے ساتھ امیر محترم کی تقریر کو انتہائی دلچسپی سے سنا۔ عام خیال یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ اگر چند روز قبل لاہور کے چوبرجی پارک میں منعقدہ انجمن سپاہ صحابہؓ کے جلسۂ عام میں بم دھماکہ نہ ہوا ہوتا جس میں تین آدمی ہلاک ہو گئے تھے تو جلسے میں حاضری خاصی زیادہ ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیں سیکورٹی کے خصوصی انتظامات کرنے پڑے ___ لاہور سے بھی مجموعی طور پر تین بسوں اور دیگر گاڑیوں میں دو سو کے قریب رفقاء و احباب نے شرکت کی۔ الحمد للہ یہ جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب جلسہ تھا۔ امیرِ محترم بھی اس کے جملہ انتظامات اور حاضری سے مطمئن تھے۔ البتہ پریس میں جلسہ کی بالکل پذیرائی نہیں ہو سکی، جس میں ہماری اپنی کوتاہی کو بھی دخل تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جلسہ میں ہونے والی تقریر کا خلاصہ تیار کر کے پہلے ہی اخبارات کے دفاتر کو بھجوا دیا جاتا۔

۱۱۔ ستمبر کو اس جلسے کے حوالے سے دفتر تنظیم اسلامی فیصل آباد میں سوال و جواب کی ایک نشست ہوئی، جس میں رفقاء کے علاوہ بیس بائیس احباب بھی شریک ہوئے اور مفصل سوال و جواب

ہوئے۔ نشست کے اختتام پر تین احباب نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ اس کے علاوہ مزید تربیتی پروگرام ہوئے جس میں ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے منتخب نصاب نمبر ۲ کے دو مقامات کے درس دیئے۔ راقم نے نظام العمل کی مختلف دفعات کا مطالعہ کروایا۔

علاقائی دعوتی و تربیتی اجتماع میں حلقے سے ۲۳ رفقاء ہمہ وقت شریک ہوئے۔ فیصل آباد کے ساتھی جو امیر محترم کی تقریر کے دوران مختلف ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے انہیں ویڈیو کے ذریعے تقریر کے اہم حصے دوبارہ دکھائے گئے، علاوہ ازیں تحریکِ خلافت کے منشور کے نکات پر مفصل مذاکرہ اور تبادلہ خیال بھی ہوا۔

☆ —— سرگودھا میں قائم اسرہ کو تین اسروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور غلام اصغر صدیقی صاحب کو نقیبِ اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے۔

☆ —— فیصل آباد میں ۲۹ ستمبر کو خواتین کا ایک اجتماع جناب احسان الٰہی ملک صاحب کے مکان پر ہوا۔ ہمارے ایک رفیق کی بھابھی نے درس قرآن دیا۔ ۵۰ کے قریب خواتین نے شرکت کی۔

حلقہ جنوبی پنجاب

☆ —— برادرم اشرف وصی صاحب نائب ناظمِ حلقہ جنوبی پنجاب خطوط اور ذاتی رابطے کے ذریعے رفقاء کو متحرک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن تا حال اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو پا رہی۔ اکتوبر کے تیسرے عشرے میں ملتان میں علاقائی اجتماع اور جلسہ عام منعقد ہو رہا ہے، جس سے قبل رابطہ عوام مہم کے ذریعے وسیع پیمانے پر تنظیم اور تحریکِ خلافت کا تعارف کروانے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ توقع ہے کہ اس جلسے کے نتیجے میں رفقاء میں بھی حرکت پیدا ہو گی اور کچھ نئے ساتھی بھی میسر آئیں گے۔

☆ —— تنظیم اسلامی ملتان، اسرہ وہاڑی، بورے والا، شجاع آباد اور صادق آباد میں معمول کے اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں۔

ملتان اور وہاڑی میں دو روزہ دعوتی و تربیتی اجتماعات بھی ہو رہے ہیں۔ ملتان میں امیرِ تنظیم جناب ڈاکٹر طاہر خاکوانی صاحب دو مقامات پر منتخب نصاب کا ہفتہ وار درس دے رہے ہیں۔

☆ —— جناب اشرف وصی صاحب نے ماہِ رواں میں بورے والا، وہاڑی اور بہاولنگر کا دورہ کیا اور متعدد رفقاء سے ملاقاتیں کیں۔ اور ۲۶، ۲۷ ستمبر کو میاں چنوں اور ملتان کا دورہ کیا۔

☆ —— ملتان میں جلسہ عام کے لئے جگہ کے انتخاب اور دیگر متعلقہ امور پر مشورہ کے لئے راقم ۲۸

ستمبر کو ملتان گیا۔ مقامی رفقاء کے ساتھ جلسہ کے لئے مختلف مقامات کا جائزہ لیا۔ اور دیگر متعلقہ امور پر مفصل مشورہ ہوا۔ اس موقع پر جناب اشرف وصی صاحب بھی ملتان میں موجود تھے۔

تنظیم اسلامی لاہور شہر

☆ ـــ تنظیم لاہور شہر کے پانچوں زونز (Zones) میں ہفتہ وار اور ماہانہ دعوتی و تنظیمی اجتماعات نظام العمل کے مطابق منعقد ہو رہے ہیں۔ تاہم رفقاء و احباب کی حاضری میں کوئی نمایاں پیش رفت نہیں ہو سکی۔

☆ ـــ اجتماعات میں حاضری کو بہتر بنانے کے سلسلے میں مقامی امیر اور ناظم نے ہر زون کے نقباء اور نقیبِ اعلیٰ سے ایک ماہانہ اجتماعی ملاقات کا پروگرام بنایا ہے، جس پر اس ماہ کے دوران جزوی طور پر عملدر آمد ہوا۔

☆ ـــ دعوتی سرگرمیوں کے ضمن میں کچھ زونز میں ماہانہ کارنر میٹنگ کرنے کا پروگرام بنایا گیا، جس پر ماہ ستمبر میں جزوی طور پر عملدر آمد ہوا۔

☆ ـــ ۱۰ ستمبر کو فیصل آباد کے جلسے میں لاہور (شہر اور شرقی) سے قریباً ۱۵۰ رفقاء شریک ہوئے۔

☆ ـــ اجتماعی پروگراموں کے علاوہ بعض ساتھی انفرادی طور پر ذاتی رابطے کی باقاعدہ کوشش کرتے ہیں۔

☆ ـــ ماہ ستمبر میں ۱۵ رفقاء دو روزہ پروگراموں میں شریک ہوئے۔

☆ ـــ ۱۳ اکتوبر کو موچی دروازہ میں ہونے والے جلسہ عام کے لئے تنظیم کے ذمہ دار حضرات نے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

تنظیم اسلامی لاہور شرقی

☆ ـــ تنظیم لاہور شرقی کے امیر میاں محمد نعیم صاحب اور ناظم میاں اعجاز صاحب نے اپنی ذاتی وجوہات کے باعث تنظیم کی ان ذمہ داریوں سے فارغ ہونے کی درخواست دی تھی، جسے امیرِ محترم نے قبول فرما لیا تھا۔ امیر محترم نے مذکورہ تنظیم کا چارج راقم کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ نئے امیر کی نامزدگی کے لئے انہیں مشورہ دیا جائے۔ چنانچہ راقم نے شرقی تنظیم کے تمام رفقاء کا

باقی صفحہ ۹۵ پر

بلا تبصرہ

شریعت بل اور جماعت اسلامی کا حالیہ کردار

سابق امیر جماعت میاں طفیل محمد کی نگاہ میں

سیاست میں کسی یا دشمنی مستقل نہیں ہوتی [illegible]

شریعت بل کی منظوری وہ جرم ہے جو رنجیت سنگھ نے بھی نہیں کیا ○ میاں طفیل

حیران ہوں کہ بل منظور کرنے والوں پر اللہ کا عذاب کیوں نازل [illegible]

جماعت اسلامی اور دوسرے مذہبی رہنماؤں نے طے کیا کہ وہ شریعت بل منظور نہیں کریں گے لیکن اسلام آباد جا کر سب مان گئے

1985ء کی ترامیم کے بعد آئین مکمل طور پر اسلامی تھا اس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کا نظام قائم [illegible]

لاہور (سپل وڈاچ/ پولیٹیکل رپورٹر) سابق امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے کہا ہے کہ شریعت بل کی منظوری وہ جرم ہے جو رنجیت سنگھ نے بھی نہیں کیا تھا اگرچہ وہ درکنار ہندوؤں کو بھی آج تک مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا مذاق کرنے کی ہمت نہیں ہوئی انہوں نے کہا کہ میں حیران ہوں کہ اس جرم میں ایوان صدر' پارلیمنٹ ہاؤس اور وزیراعظم ہاؤس غرق کیوں نہیں ہو گئے ان پر اللہ کا عذاب کیوں نازل نہیں ہوا اور اس جرم میں ہمارے لوگ بھی شامل ہیں انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی اور دوسرے مذہبی رہنماؤں نے منصورہ میں طے کیا کہ وہ شریعت بل کو منظور نہیں کریں گے لیکن اسلام آباد جا کر سب کچھ مان گئے میاں طفیل محمد نے کہا کہ میں مذہبی جماعتوں کے امیروں اور مولویوں سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس شریعت [illegible] کے خلاف شریعت ہونے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ 1973ء کے آئین میں 1985ء کی ترامیم کے بعد آئین مکمل طور پر اسلامی تھا اور کوئی بھی حکومت اس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کا نظام نافذ کر سکتا تھا لیکن شریعت بل کے نفاذ سے ملک کو شریعت سے آزاد کر دیا گیا ہے اور یہ تو ہے کہ بھارت جہاں ہندوؤں کی حکومت ہے وہاں مسلمانوں کا اسلامی پرسنل لاء ہے لیکن پاکستان میں اس کی اجازت نہیں ہے میاں طفیل محمد نے کہا کہ میں بلا جھجک یہ بات کہتا ہوں کہ میاں نواز شریف نے شریعت بل کے نام پر فراڈ کیا ہے اور میرے نزدیک یہ ناقابل معافی جرم ہے یہ خدا اور رسول سے مذاق ہے اور اس جرم میں اتحاد میں شامل دوسری جماعتیں بھی شریک ہیں۔

موجودہ سیاسی حالات میں مسلم لیگ پارٹی اور جماعت اسلامی میں ممکنہ تعلقات پر سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سیاست میں دوستی یا دشمنی مستقل نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے جماعت اسلامی کے ساتھ بہت زیادتیاں کیں لیکن آخری وقت میں بھی مولانا مودودی نے اپنا دروازہ ان کے لئے کھلا رکھا اور جب وہ ان کے پاس آئے تو انہیں سینے سے لگایا اور نیک مشورے دیے اسی طرح شملہ معاہدہ کے موقع پر میں نے خود بھٹو کو ایئرپورٹ پر رخصت کیا انہوں نے کہا کہ ملک کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے مطابق اور ضرورت کے تحت مصالحت ہو سکتی ہے تعاون ہو سکتا ہے ہم نے تو ایک وقت میں کمیونسٹوں سے بھی اتحاد کیا تھا۔ وفاقی کابینہ میں حالیہ توسیع پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک کی مالی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی آدھی سے زیادہ پارلیمنٹ کو وزیر بنا لیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وزیراعظم میں ہمت نہیں ہے ان کا کہنا ہے تھا کہ میں تو 20 افراد سے ہی کام چلاؤں گا [illegible] صلاحیت نہیں رکھتے اور تحمل لیڈر بنے ہوئے ہیں کوئی بھارت اور کوئی امریکہ کے بل پر کود رہے ہیں نیو ورلڈ آرڈر کے بارے میں سوال پر انہوں نے کہا کہ امریکہ کا شر بھی ہو گا اب بھی امریکہ کا حال شدہ سے مختلف نہیں شکاگو اور نیو یارک حیدر آباد اور کراچی بنے ہوئے ہیں امریکہ اور انگلینڈ کی اخلاقی حالت جاہ کن حد تک پہنچ گئی ہے انہوں نے کہا کہ امریکہ تو اس لئے زندہ ہے کہ اس کا واسطہ عربوں سے پڑا ہے جنہیں دولت نے کینسر کا مریض بنا دیا ہے انہوں نے کہا کہ شاہ فہد خادم الحرمین اگر امریکہ کے خلاف آواز اٹھائیں تو دنیا بھر کے امیر المومنین بن سکتے ہیں جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے اختلافات پر انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی کا طرز عمل بھی مناسب نہیں دونوں طرف سے آگ برابر لگی ہوئی ہم زیادتی کرتے ہیں وہ بھی وہ عہد کرتے ہیں۔

جماعتِ اسلامی کے پچاسویں یومِ تاسیس کے موقع پر منعقدہ جلسے میں

صدرِ جلسہ میاں طفیل محمد کی تقریر

۲۷ اگست ۹۱ء کے اخبارات کے آئینے میں

روزنامہ نوائے وقت میں شائع شدہ رپورٹنگ کا متعلقہ حصہ

جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیام پاکستان کے 44 برس بعد بھی ملک میں شریعت نافذ نہیں ہو سکی تو اس کی ذمہ دار عوام ہیں کیونکہ اگر وہ غنڈوں، رشوت خوروں منافقوں کو منتخب کر کے اسمبلیوں میں بھیجیں گے تو پھر ملک میں بدمعاشی، رشوت ستانی اور سود خوری ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت نے جو شریعت بل پارلیمنٹ سے منظور کرایا ہے۔ حقیقت میں وہ ایک منافقانہ بل ہے اور اس کے پاس کرنے والوں نے اللہ کے قانون کی نفی کی ہے۔ اس بل میں کہا گیا ہے کہ ملک میں شریعت بالاتر قانون ہوگا لیکن یہ قانون نہ کسی سیاسی نظام میں دخل اندازی کرے گا اور نہ کسی معاشی نظام میں، نہ یہ کسی عدالت کے فیصلے کو معطل کرے گا اور نہ ہی یہ پارلیمنٹ کے اختیارات میں دخل دے گا۔ موجودہ شریعت بل تو مسلمانوں کو اتنی شریعت بھی نہیں دے گا جتنی بھارت میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے مسلمانوں کو دے رکھی ہے۔ نواز شریف اور اسحاق خان نے تو مسلمانوں کو اتنی شریعت بھی نہیں دی جتنی ہندوؤں، عیسائیوں، قادیانیوں یا پارسیوں کو "پرسنل لاز" کے تحت آزادی حاصل ہے۔

موجودہ حکومت کے پارلیمنٹ میں پیش کردہ شریعت بل پر دستخط کر کے ہمارے ارکان اسمبلی نے مولانا مودودی کی 47 برس کی شریعت کی بالادستی کے لئے جدوجہد پر پانی پھیر دیا ہے۔ شاید ان کی مت ماری گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی کو اس وقت اصلاح کی ضرورت ہے۔

جماعت میں موجود تعلیم یافتہ لوگ، علماء و مشائخ اپنے اپنے فرائض کا احساس کریں اور معاشرے کی اصلاح کر کے عوام میں احساس ذمہ داری ابھاریں اور فرض شناس لوگوں کو آگے آنے کا موقع فراہم کریں اور کسی صورت بھی اصولوں کا سودا نہ کریں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جماعت اسلامی کا کوئی جلسہ ایک گھنٹہ تاخیر سے شروع ہوا ورنہ ماضی میں تو لوگ ہمارے جلسوں سے گھڑیوں کا ٹائم سیٹ کیا کرتے تھے۔

روزنامہ "پاکستان" میں شائع شدہ خبر کا عکس

سرکاری شریعت بل منظور کرنیوالوں نے اپنے ایمان کی نفی کی ہے' میاں طفیل محمد

لاہور (خبر نگار/نمائندہ خصوصی) جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت کا پاس کردہ شریعت بل ایک منافقانہ قانون ہے اور اسے پاس کرنے والوں نے اپنے اسلام اور ایمان کی نفی کی ہے۔ اس قانون میں شریعت کو پاکستان کا بالاتر قانون قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے ہوتے ہوئے شریعت نہ سیاسی اور معاشی نظام میں مداخلت کر سکتی ہے۔ نہ عدالتوں کے فیصلے اور قانون کو متاثر کر سکتی ہے اور نہ پارلیمنٹ کے اختیارات میں دخل دے سکتی ہے۔ وہ گزشتہ رات باغ بیرون موچی دروازہ میں جماعت اسلامی پنجاب کے زیر اہتمام جماعت اسلامی پاکستان کے 50ویں یوم تاسیس کے حوالے سے ایک جلسہ عام سے خطاب کر رہے تھے۔ جلسے سے جماعت اسلامی کے نائب امراء سینیٹر پروفیسر خورشید احمد، چوہدری رحمت الٰہی، اور جان محمد عباسی نے بھی خطاب کیا۔ میاں طفیل محمد نے کہا کہ میں نے 23 اگست کو وزیر اعظم کی کچن کیبنٹ کے ایک اہم وزیر سے ایک مجلس میں پوچھا کہ خدا کے لئے آپ نے شریعت کے ساتھ کیا کھیل کھیلا ہے۔ خدا اور رسول کے ساتھ مذاق کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں کیا پتہ ہے ہم شریعت کو کیا سمجھتے ہیں اس پر جماعت اسلامی کے امیر، نائب امیر اور ارکان اسمبلی نے دستخط کئے تو ہم نے کہا کہ شریعت بل ٹھیک ہوگا۔

جماعت اسلامی کے ارکان اسمبلی سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے کس طرح دستخط کر دیئے کیا ان کی مت ماری گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ سید مودودی نے 1947ء سے لے کر 1967ء تک شریعت کی بالاتری کے لئے جدوجہد کی ہم نے اس سب پر پانی اور کوکا کولا پھیر دیا۔ انہوں نے کہا آج بھی ہندوستان میں جماعت اسلامی غیر مسلموں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان سیاسی رہنماؤں کے کارناموں کی بدولت بنگلہ دیش بنا لیکن ہمارے 7 ہزار جوانوں نے جانیں قربان دیں۔ 14 ہزار جیلوں میں گئے۔ جس کی بدولت یہاں جماعت اسلامی تیسری بڑی سیاسی قوت ہے۔

اور یہ 20 سیٹوں کی پارٹی بھی ہے۔ لیکن پاکستان میں 50 سال کی جدوجہد کے باوجود نواز شریف سے 8 آدمیوں کی زکوٰۃ وصول کی

روزنامہ 'جنگ' میں شائع شدہ خبر کا عکس

شریعت بل کافرانہ ہے، جماعت اسلامی کی مت ماری گئی تھی کہ دستخط کر دیئے

نواز شریف اسلام سے مخلص نہیں وہ ایسا شریعت بل لائے ہیں کہ نہ معاشی نظام میں دخل دیا جاسکتا ہے نہ عدالتی فیصلے کو متاثر کیا جاسکتا ہے

لاہور (رپورٹنگ ٹیم) سابق امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت کی طرف سے نافذ کردہ شریعت بل کافرانہ قانون ہے اور یہ بل اسلام اور ایمان کی نفی کرتا ہے ارکان اسمبلی نے اس شریعت بل پر دستخط کیوں کئے تھے۔ ان کی مت ماری گئی ہے یا ان کی کوئی اور مجبوری تھی۔ جس شریعت کی بالادستی کے لئے کل موچی دروازہ میں جماعت اسلامی کے پچاسویں یوم تاسیس کے موقع پر اپنی صدارت میں ہونے والے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں جماعت اسلامی سے پوچھتا ہوں کہ ان کے مولانا مودودی نے ساری زندگی کام کیا۔ جماعت اسلامی نے اس کی نفی کر دی ہے اور ان کی امیدوں پر جماعت نے پانی پھیر دیا ہے۔ جماعت اسلامی اپنی اصل راہ سے ہٹ چکی ہے یہ پہلا موقع ہے کہ جماعت کا جلسہ ایک گھنٹہ تاخیر سے شروع ہوا ہے جبکہ مولانا مودودی کے دور میں جماعت اسلامی کے جلسے اس قدر منظم اور بروقت ہوتے تھے کہ لوگ جماعت اسلامی کے جلسے سے اپنی گھڑیوں کا وقت ٹھیک کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت نہ جلوں کی ضرورت ہے نہ ہنگاموں اور نعروں کی بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے کی اصلاح کی جائے۔ علماء مشائخ اور دوسرے تعلیم یافتہ طبقے کو اپنے فرائض پورے کرنے چاہئیں۔ میں جماعت اسلامی کے لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ بیدار ہوں اور اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور طلباء ڈاکٹروں، وکلاء اور اعلیٰ کردار کے نوجوانوں کو تیار کر کے ایک ایسی جماعت تشکیل دیں جو ہسپتالوں، عدالتوں، بار رومز، سیکرٹریٹ اور تھانوں کی بھی اصلاح کریں۔ انہوں نے کہا کہ اگر بدمعاش، سمگلر اور جاگیردار لوگوں کو اسمبلیوں کے لئے منتخب کیا جائے تو سمگلنگ بدمعاشی اور ظلم و ستم کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ میاں طفیل محمد نے کہا کہ نواز شریف اسلام سے مخلص نہیں ہے۔ وہ ایسا شریعت بل لائے ہیں جس کی رو سے نہ معاشی نظام میں دخل دیا جاسکتا ہے نہ کسی عدالت کے فیصلے کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ پارلیمنٹ اور ارکان اسمبلی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان پر یہ شریعت لاگو نہیں ہوتی ہمارے ملک کے پرسنل لاء کے تحت یہاں کے ہندوؤں، عیسائیوں، قادیانیوں اور پارسیوں کو مکمل حقوق حاصل ہیں۔ مگر یہاں کے مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق شریعت نہیں مل رہی۔ انہوں نے کہا کہ لاہور ہائی کورٹ اور سندھ ہائی کورٹ نے سود کے خلاف فیصلہ دیا ہے مگر موجودہ حکومت جو کہ گھٹنوں میں شریعت نافذ نہیں کرنا چاہتی اس نے سپریم کورٹ کے ذریعے اس فیصلے کو رکوا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 73ء کا آئین مولانا مودودی کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا اس کے تحت 7 سال کے اندر تمام غیر اسلامی قوانین کو بدل کر اسلامی بنایا جانا تھا۔ ضیاء الحق نے شریعت کورٹ قائم کر دی اسلامی یونیورسٹی قائم کر دی، احتسابات کا نظام رائج کر دیا اسلامی نظریاتی کونسل، اسلامی قوانین تیار کر دیئے مگر وہ شریعت کا قانون نافذ نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کی تیسری بڑی پارلیمانی جماعت ہے اور پارلیمنٹ میں ان کے 20 ارکان اسمبلی ہیں جبکہ یہاں جماعت اسلامی نے نواز شریف سے آٹھ ارکان اسمبلی کی زکوٰۃ حاصل کی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد:	۴۰
شمارہ:	۱۲
جمادی الاخری	۱۴۱۲ھ
دسمبر	۱۹۹۱ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرِ تعاون	-/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔	۶۔ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹۔ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲۔ امریکی ڈالر

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

یونائیٹڈ بنک لیمٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعاتِ تنظیمِ اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

نومبر کا مہینہ اس اعتبار سے منفرد و ممتاز تھا کہ اس ایک ماہ میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام خلافت کانفرنس کے عنوان سے دو جلسہ ہائے عام منعقد ہوئے۔ ایک راولپنڈی میں اور دوسرا گوجرانوالہ میں۔ دونوں جگہ حسب اعلان امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ہی مرکزی مقرر تھے۔ دونوں جلسوں میں مشابہت کے بعض دوسرے پہلو بھی سامنے آئے۔ دونوں جگہ حاضری قریباً یکساں یعنی ایک ہزار سے کچھ متجاوز تھی۔ عہد نامہ تعاون پر کرنے والوں کی تعداد بھی قریباً ایک سی تھی۔ راولپنڈی کے جلسے میں ۱۰۶ افراد فارم پر کر کے تحریک خلافت کے معاونین کی صف میں شامل ہوئے جبکہ گوجرانوالہ کے جلسے میں ایسے باہمت افراد کی تعداد ۱۰۹ تھی۔ جلسے کے ساتھ پریس کانفرنس بھی دونوں ہی جگہوں پر منعقد کی گئی۔ راولپنڈی کی پریس کانفرنس کی مکمل رپورٹنگ "ندا" کے تازہ شمارہ میں شائع ہو چکی ہے، جبکہ دونوں جلسوں کی کسی قدر مفصل رپورٹیں "میثاق" کے زیر نظر شمارے میں شامل ہیں۔

خلافت کے نام سے تنظیم اسلامی نے جس تحریک کا آغاز کیا اور اس حوالے سے عوامی رابطے کا کام شروع کیا ہے، الحمدللہ کہ اس میں بتدریج تیزی آ رہی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں جمعہ ۶ دسمبر کو مسجد دارالسلام میں نماز جمعہ سے قبل ایک اجتماع عام منعقد کیا جا رہا ہے جس میں امیر تنظیم اسلامی عہد حاضر میں نظام خلافت کے سیاسی و معاشی ڈھانچے پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ اس اجتماع کی تیاری بھی ایک چھوٹے جلسے کے انداز میں کی جا رہی ہے۔۔۔ یوں بھی خلافت کانفرنس کے نام سے تنظیم اسلامی جو جلسے منعقد کر رہی ہے ان کے لئے معین طور پر جمعے کے روز دس بجے صبح کا وقت مخصوص کیا گیا ہے۔ راولپنڈی اور گوجرانوالہ میں جلسے انہی اوقات میں منعقد ہوئے۔ رات کا وقت اب اس پہلو سے بھی غیر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سردی بتدریج شدت پکڑ رہی ہے۔ لے دے کر یہی جمعہ کی صبح کا وقت اجتماعات عام کے لئے باقی بچتا ہے جو اگرچہ بعض حضرات کے خیال میں اس اعتبار سے غیر موزوں ہے کہ اس میں حاضری کی کچھ زیادہ توقع نہیں کی جا سکتی، لیکن ہمارے سامنے اس کے سوا اور کوئی Option ہے بھی نہیں!

توقع ہے کہ تحریک خلافت کے نقطہ نگاہ سے ماہ دسمبر بھی بہت بھرپور گزرے گا۔ ■

دسمبر کو کراچی میں منعقد ہونے والا جلسہ عام تو اگرچہ وہاں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باعث ملتوی کردیا گیا ہے' تاہم امیر تنظیم اسلامی وسط دسمبر میں کراچی کا تین روزہ دورہ کریں گے اور خیال ہے کہ وہاں مختلف مساجد میں تحریک خلافت کے اجتماعات عام منعقد کئے جائیں گے۔ ۲۰ دسمبر کو پشاور کا جلسہ ان شاء اللہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوگا۔ جلسہ پشاور سے قبل امیر تنظیم ڈیرہ اسماعیل خان' بنوں اور کوہاٹ کا بھی مختصر دورہ کریں گے اور وہاں حسب موقع خلافت کے موضوع پر اجتماعات عام سے خطاب فرمائیں گے۔ ماہ دسمبر کے پروگراموں کا مکمل شیڈول سرورق کے اندرونی صفحے پر شائع کردیا گیا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁

زیر نظر شمارہ اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں "جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں" کے مصداق جنوری ۱۹۸۸ء سے دسمبر ۹۱ء تک میثاق میں شائع ہونے والے تمام مضامین کا مکمل اور جامع اشاریہ (Index) شائع کیا گیا ہے جس کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ "میثاق" کی اب تک یہ روایت رہی ہے کہ اس میں سال بہ سال اشاریہ شائع نہیں ہوتا بلکہ کئی سالوں کا یکجا اشارہ شائع کیا جاتا ہے۔ قبل ازیں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۲ء دس سالوں کے شماروں کا یکجا اشاریہ شائع ہوا تھا۔ پھر جنوری ۱۹۸۲ء تا دسمبر ۱۹۸۷ء پانچ سالوں کا اشاریہ تیار کرکے دسمبر ۸۷ء کے شمارے میں شائع کیا گیا اور اب زیر نظر شمارے میں جنوری ۸۸ء تا دسمبر ۹۱ء کا اشاریہ شائع کرکے پچھلے سالوں کا قرض چکا دیا گیا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ آئندہ سے ہر سال دسمبر کے شمارے میں سال بھر کے دوران شائع ہونے والے مضامین کا اشاریہ مرتب کرکے شائع کیا جائے گا کہ یہی طریقہ بالعموم مروج و معروف بھی ہے اور مناسب و موزوں بھی!

تنظیم اسلامی کے مشاورتی نظام کے مطابق رفقاء کی آراء سے استفادہ کی خاطر

چار روزہ توسیعی مشاورت ان شاء اللہ العزیز

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان میں ۳۰ دسمبر ۹۱ء تا ۲ جنوری ۹۲ء

منعقد ہوگی۔ تمام رفقاء کے لئے اظہار خیال کا موقع ہوگا۔

سود کے بارے میں

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ تاریخ ساز ہے!

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۵ نومبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور۔۱۵ر نومبر: امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے سود کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر اہل وطن کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعے پر پوری ملت اسلامیہ کو تہنیت پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ جامع القرآن ماڈل ٹاؤن میں اجتماع جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرا وجدانی خیال یہ ہے جس کا میں نے بارہا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں پاکستان کے لئے کوئی خاص کردار ضرور موجود ہے جس کے شواہد میں علاوہ دیگر عوامل کے میں نے اس کے معجزانہ قیام کو بھی ہمیشہ شامل کیا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ سود کی حرمت پر وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے جراتمندانہ فیصلے پر میرے اس یقین و اعتماد میں اضافہ ہوا ہے کہ عالمی خلافت اسلامیہ کا نقطہ آغاز بھی ان شاء اللہ پاکستان ہی بنے گا جس کا قیام ہمارے ایمان اور اسلام کا تقاضا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلام کے سیاسی نظام کے لئے خلافت مسلمین کا نام انہوں نے اختیار کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اصطلاحات کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسلام میں انسانی حاکمیت کا کوئی تصور موجود نہیں! حاکمیت تو بس اللہ ہی کی ہے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کی حاکمیت کے نظام کو قائم و نافذ کریں۔ یعنی ملکی نظام اور قانون دونوں پر قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی تسلیم کرتے ہوئے باہم مشورے سے امور حکومت سرانجام دیں۔ اسی کا نام خلافت ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر عملدرآمد میں شاید اس مدت سے زیادہ وقت لگے گا جس کی مہلت حکومت کو دی گئی ہے۔ کیونکہ حکومت بھی اپیل میں جا کر کم از کم اس مدت میں توسیع کی درخواست تو کر ہی سکتی ہے' تاہم خوشی اس بات کی ہے کہ ایک عمل شروع ہوگیا جس پر مرحوم جنرل ضیاء الحق خود ہی ایک وقتی قدغن لگا گئے تھے۔ مالی

امور پر وفاقی شرعی عدالت کا اختیار دس سال کی پابندی کے بعد از خود بحال ہو گیا' لیکن عائلی قوانین تاحال عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں جو ہماری بدبختی کا طوق بن کر پچھلے تیس سال سے ہمارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جسٹس ریٹائرڈ گل محمد نے اپنے ایک کتابچے میں درست لکھا ہے کہ دستور میں محض ایک چھوٹی سی ترمیم نفاذ شریعت کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ دور کر سکتی ہے اور یہی بات میں بھی ایک عرصے سے کہتا آ رہا ہوں کہ وفاقی شرعی عدالت کے ہاتھ ہتھکڑیوں سے اور پیر بیڑیوں سے آزاد کر دیئے جاتے تو کسی نفاذ شریعت ایکٹ کی بھی ضرورت نہیں تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے پیش نظر موجودہ نظام کو بدلنا کبھی تھا نہ اب ہے' کیونکہ یہ نظام ان کے مفادات کا محافظ ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمارے ہاں پہلے اقتدار کی کشاکش کا منظر تھا جو اب اقتدار کا کھیل بن کر رہ گیا ہے جس کا حصہ بن کر مذہبی جماعتیں بھی اسلام کے حق میں کوئی مفید نتیجہ حاصل نہیں کر سکی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے تحریر کردہ منشور خلافت کی تشریح کی جس میں یہ نکتہ بھی شامل ہے کہ ملک کو چھوٹے صوبوں میں تقسیم کیا جائے گا جن کی حد بندی آبادی کی تہذیب و ثقافت اور زبان کی بنیاد پر ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ دور جدید میں کلچر کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے جس کے تحفظ میں اسلام ہرگز مانع نہیں' ہاں مختلف علاقوں کے کلچر سے ان باتوں کو نکالنا ہو گا جو خلاف اسلام ہیں۔ انہوں نے کہا کہ زبان اور کلچر کے اعتبار سے اگر چھوٹے صوبے تشکیل دیئے جائیں تو مظلوم بہاریوں کو پاکستان لانے کا وہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے جسے نہ ضیاء الحق مرحوم حل کر سکے اور نہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت میں اس مسئلے کو حل کرنے کی ہمت ہے جس نے بہاریوں کے نام پر ووٹ حاصل کئے۔

تنظیم اسلامی سے اخراج

لاہور۔۲۷ نومبر ۱۹۹۱ء تنظیم اسلامی پاکستان کی طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے علاوہ بلدیاتی انتخابات میں نہ تو بحیثیت تنظیم حصہ لے گی اور نہ ہی اس میں شامل لوگوں کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ ان انتخابات میں حصہ لیں۔ محمد مسعود عمر نے جو کہ شاد باغ کے رہنے والے ہیں' تنظیم اسلامی کی پالیسی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا ہے۔ لہٰذا انہیں تنظیم اسلامی کی طے شدہ پالیسی کی خلاف ورزی کی بناء پر تنظیم اسلامی سے خارج کر دیا گیا ہے

الہدیٰ قسط: ۷۷

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۴

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار یا
انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج
سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۴)

رآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث شریف کا ابھی ذکر ہوا تھا اس میں اس
بکی تنبیہہ کے بعد کہ "یٰاَھلَ القرآنِ لا تتوسّدُوا القرآن" (اے قرآن والو! قرآن کو
لیہ اور ذہنی سہارا نہ بنالینا) آپ نے بڑی جامعیت کے ساتھ ان اساسات کو واضح فرمایا'
ہ جن پر قرآن حکیم کے ساتھ امت مسلمہ کے صحیح تعلق کا دارومدار ہے' اور جن کی
با آوری کی امت کو فکر کرنی چاہیے فرمایا: "وَاتلُوہ حَقَّ تلاوتِہٖ فی آناءِ اللیل و النّھار"
س کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے' رات کے اوقات میں بھی اور
ن کے اوقات میں بھی)........ "وَ تغنّوہ" اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو!
........اس لئے کہ ہر انسان کو کسی نہ کسی درجے میں حسنِ سماعت سے بھی حصہ ملتا
ہے۔ بندۂ مومن کے لئے اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کی اعلیٰ ترین صورت یہ
ہے کہ اچھی سے اچھی آواز میں اور بہتر سے بہتر انداز میں قرآن مجید کو پڑھے اور اس
سے حظ حاصل کرے۔

آگے فرمایا: "وَ افشُوہ" اسے پھیلاؤ' اسے عام کرو! ...... حضرت مسیح علیہ السلام نے
ی پیاری بات فرمائی تھی کہ چراغ جلا کر اسے کہیں نیچے نہیں رکھا کرتے بلکہ بلند مقام پر

رکھتے ہیں تاکہ اس کی روشنی عام ہو .... یہ نورِ ہدایت ' قرآن حکیم نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے ۔ جس کا نقشہ کھینچا گیا اس شعر میں۔

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تُو
ترے لئے ہے میرا شعلۂ نوا قندیل

بھٹکتے ہوئے قافلۂ انسانیت کے لئے قندیلِ ہدایت یہی قرآن ہے۔ اس کو پھیلانے اور عام کرنے کی حضورؐ نے تائید فرمائی ۔ اسی کی جانب اشارہ فرمایا آپؐ نے اپنے آخری خطبے میں: "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" (کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ اس پیغام کو پہنچائیں ان تک جو یہاں موجود نہیں) اور اس بات کو منطقی انتہا تک آپ نے پہنچا دیا اپنے اس قول مبارک کے ذریعے کہ: "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً" (پہنچاؤ میری جانب سے 'خواہ ایک ہی آیت ہو)........ چراغ سے چراغ اسی طور سے روشن ہو گا اس ضمن میں آپؐ کا یہ ارشاد بھی نہایت اہم ہے: "خیر کم من تعلّم القرآنَ وَ عَلّمہٗ" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور متفق علیہ روایت ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے" جو قرآن کے پڑھنے پڑھانے کو اپنی زندگی کا مشن بنا لے۔

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں: "وَ تَدَبَّرُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" کہ اس پر غور و فکر کرو' اس کے مفاہیم و معنی کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کرو تاکہ تم فلاح اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکو! .... اسی سلسلے میں ایک اور حدیث بھی جس کے راوی حضرت علیؓ ہیں ' انتہائی توجہ کے لائق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ" کہ یہ کتاب وہ ہے جس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہونگے ۔ "وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ" اہل علم اس سے کبھی سیری محسوس نہیں کریں گے۔ "وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ" کہ بار بار کے پڑھنے کے باوجود اس سے طبیعت اکتائے گی نہیں ' اس پر پرانے پن کا کوئی احساس کبھی پیدا نہ ہونے پائے گا۔......... یہ ہے اللہ کی کتاب ' جس کے حقوق کی ادائیگی کی ہم سب کو فکر ہونی چاہیے۔

اس موضوع پر اللہ کے فضل و کرم سے میں نے کسی زمانے میں مسجد خضریٰ لاہور میں

دو تقریریں کی تھیں جو اب ایک کتابچے کی شکل میں موجود ہیں جس کا عنوان ہے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" یہ کتابچہ یوں سمجھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف ہی کی وضاحت پر مشتمل ہے کہ: "اے مسلمانو' حاملِ قرآن ہونے کے اعتبار سے پہچانو کہ تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں' تمہارے فرائض کیا ہیں!............ اس کو مانو جیسا کہ ماننے کا حق ہے' اسے پڑھو جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے' اس کو سمجھو جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے' اس پر عمل کرو جیسا کہ عمل کرنے کا حق ہے' اور آخری ذمہ داری یہ کہ اس کو پھیلاؤ' اس کی تبلیغ و تبیین کرو جیسا کہ اس کی تبلیغ کا حق ہے۔" چہار دانگ عالم کو اس کے نور سے منور کرنے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں خرچ کرنا اور کھپانا ہر مسلمان پر اس کتاب عزیز کا وہ حق ہے جسے ہم فراموش کئے ہوئے ہیں۔ حضورؐ کی بعثت چونکہ "اِلٰی کَافَّۃً لِّلنَّاسِ" تھی یعنی آپ تا قیام قیامت پوری نوع انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' لہٰذا حضورؐ نے تبلیغ و تعلیم قرآن کے ذریعے ایک مخصوص خطہ زمین میں ایک انقلاب عظیم برپا فرما دیا اور وہاں بسنے والی قوم کو وہ نسخۂ کیمیا قرآن مجید عطا فرما کر آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب امت کا فرض منصبی یہ قرار پایا کہ وہ اس چراغ کو لے کر نکلے اور اس کے نور سے روئے ارضی کو منور کردے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ذہن میں رکھئے کہ صحابہ کرامؓ کو اپنے اس فرض منصبی کا پورا شعور حاصل تھا۔ چنانچہ ان کے ایک ہاتھ میں اگر قرآن تھا تو دوسرے میں تلوار!............ حقیقت یہ ہے کہ ایک مردِ مومن کی شخصیت کا جو ہیولا انسان کے تصور میں ابھرتا ہے اس میں لازماً یہ بات شامل ہوتی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن ہے اور دوسرے میں تلوار۔ ایک طرف قرآن کو دوسروں تک پہنچانا' اس کے نور ہدایت کو عام کرنا اور دوسری جانب اللہ کے دین کے غلبے کے لئے اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں سے جہاد اور قتال' یہ تھا صحابہ کرام کی زندگیوں کا نقشہ!

قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل

یہ ہے وہ کام کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سپرد فرما کر گئے تھے۔ اس سلسلے میں

پیشگی تنبیہہ سورۃ الجمعہ میں کردی گئی کہ دیکھنا کہیں اس کے برعکس تمہارا طرزِ عمل یہود کا سا نہ ہو جائے' جنہوں نے اللہ کی کتاب کے ساتھ وفاداری نہیں کی تو اللہ نے انہیں اس گدھے کے مشابہ قرار دیا جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو۔ "بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ " نہایت بری مثال ہے اس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ بات دوسری ہے کہ حضورؐ کا قولِ مبارک ہمارے حق میں پورا ہوا ہے کہ "لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِي كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِي اِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ" اور ہم بعینہٖ یہود کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں' چنانچہ قرآن کے ساتھ ہمارا تعلق بس اتنا رہ گیا ہے کہ ۔

با یاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یاسینِ اُو آساں بمیری

قرآن ہمارے نزدیک محض ایصالِ ثواب یا حصولِ ثواب کا ایک ذریعہ ہے یا موت کو آسان کرنے کا ایک نسخہ کہ مرتے ہوئے کہ سورۂ یاسین سنا دی جائے تاکہ اس کی جان آسانی سے نکل جائے۔ ہماری عملی زندگی کا قرآن حکیم سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ ہماری رہنما کتاب ہے' نہ یہ ہماری امام ہے' نہ یہ قولِ فیصل ہے کہ ہمارے تمام فیصلے اسی پر مبنی ہوں' نہ اس پر ہماری زندگی کا نظام استوار ہے تو گویا بعینہٖ وہ بات کہ جو یہود کو نشانِ عبرت کے طور پر پیش کر کے ہمیں "تنبیہا" کہی گئی تھی ہماری بدبختی اور بدقسمتی کہ ہم پر صادق آرہی ہے اور ہم اس وقت اپنی موجودہ صورت حال سے اس کا ایک مکمل نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

اگلی آیات میں یہ حقیقت کھولی گئی ہے کہ کسی مسلمان امت میں زوال اور گمراہی پیدا ہو جانا کن اسباب سے ہوتا ہے! بڑی جامعیت کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا گیا آیت نمبر ۶ میں: " قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ " کہ اے نبیؐ کہئے اے یہودیو' اگر تمہیں یہ زعم ہے' اگر تمہیں یہ خیالِ خام لاحق ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے بڑے دوست ہو' اس کے چہیتے اور محبوب ہو لوگوں کو چھوڑ کر' تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو! دوست سے ملاقات کی آرزو ہر شخص کو ہوتی ہے' اس سے دوری تو انسان پر شاق گزرتی ہے۔

عملی اضمحلال کا اصل سبب

یہاں اشارہ ہوا اس بات کی طرف کہ کسی مسلمان امت میں عملی گمراہی اور اضمحلال کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہنوں میں بالعموم یہ خیال خام راسخ ہوجاتا ہے کہ ہم بخشے بخشائے 'ہم اللہ کے چہیتے ہیں: "**نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ**" ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں کی اولاد اور اس کے پسندیدہ بندوں کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والے لوگ ہیں' جہنم کی آگ ہمارے لئے نہیں کسی اور کے لئے ہے۔ اس زعم اور بے بنیاد خیال کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں تساہل اور عملی زوال شروع ہوجاتا ہے۔ پھر انسان اپنی نجات کے معاملے کو عمل کی بجائے ان تعلقوں اور نسبتوں پر موقوف سمجھنا شروع کردیتا ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں جھنجوڑنے کے لئے ایک بڑی ہی عملی مثال سامنے لائی گئی کہ اگر تمہیں فی الواقع یہ خیال ہے کہ تمہیں خدا سے محبت ہے تو اس سے جلد سے جلد ملاقات کا جذبہ اور شوق تمہارے دل میں موجزن ہونا چاہیے۔ وہ جس کا نقشہ کھینچا علامہ اقبال نے ان الفاظ میں۔

نشانِ مردِ مومن باتو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

اپنے گریبان میں جھانکو 'کیا واقعی یہ کیفیت ہے! کیا واقعہ یہ زندگی تم پر اسی طرح بھاری گزر رہی ہے جیسے کہ حضورؐ نے نقشہ کھینچا تھا کہ: "**اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ**" یہ دنیا ایک بندہ مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے گلستان۔یا معاملہ اس کے برعکس ہے اور دنیا سے محبت کی کیفیت وہ ہے جو سورۃ البقرہ میں یہود کی بیان ہوئی: "**وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ وَّمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ**" کہ ان میں سے ہر ایک کی بڑی خواہش ہے کہ زندگی طویل ہوجائے 'ایک ہزار برس تک وہ اس دنیا میں جی سکیں اور یہاں کا لطف اٹھاسکیں' ان کی اصل کیفیات باطنی تو یہ ہیں' دعویٰ کررہے ہیں خدا کی محبت کا اور خدا کے محبوب ہونے کا!......... یہ ہے وہ Practical ٹیسٹ جو ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ اس پر اپنے آپ کو پرکھو۔

آیت کے اگلے ٹکڑے میں ارشاد ہوتا ہے: "**وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ**" اور یہ ہرگز ہرگز کبھی تمنا نہیں کرسکتے موت کی' بسبب اس کمائی کے جو ان کے ہاتھوں نے

اپنے آگے بھیجی ہوئی ہے۔ سورۃ القیامہ میں ہم پڑھ آئے ہیں "بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ" کہ انسان کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے، کتنے پانی میں ہے وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝ خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں اور کتنے ہی بہانے تراش لے اور خواہ وہ اپنی استدلالی قوت سے اعتراض کرنے والوں کی زبانیں بند کرادے، لیکن اس سب کے باوجود اس کا ضمیر اسے بتارہا ہوتا ہے کہ تم حقیقت میں کیا ہو...... ! چنانچہ صاف فرما دیا کہ یہ یہود اگرچہ خود کو اللہ کا لاڈلا اور چہیتا قرار دیتے ہیں، لیکن جو کچھ یہ اپنے ہاتھوں سے آگے بھیج چکے ہیں، جو کمائی انہوں نے کی ہے، آخرت کے نقطہ نگاہ سے اس کے پیش نظر یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کرسکتے۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ اور اللہ ظالموں سے بخوبی باخبر ہے۔

اگلی آیت میں یہ مضمون اپنی منطقی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔ فرمایا: "قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ" کہ اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، جس سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہو، وہ تم سے ملاقات کرکے رہی گی۔ کتنا ہی بھاگو، کتنا ہی اس سے پہلو بچانے کی کوشش کرو، وہ سامنے آن کھڑی ہوگی۔ "ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اس ہستی کی طرف کہ جو کھلے اور چھپے سب کا جاننے والا ہے "فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝" پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے۔

اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان آیات میں خطاب اگرچہ یہود سے ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان سورتوں میں اصل مخاطب امت مسلمہ سے ہے، ساری بات مسلمانوں سے ہو رہی ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اصل میں امتِ مسلمہ کو گویا پیشگی طور پر متنبّہ کیا جارہا ہے کہ تمہارے اندر اگر عملی اضمحلال آئے گا، اپنے دینی مطالبات اور تقاضوں کو پورا کرنے سے تم اگر پہلو تہی کرو گے تو اس کا اصل سبب یہ ہوگا کہ تمہیں یہ زعم لاحق ہوجائے گا کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں، ہم اس کے محبوبوں کی اولاد میں سے ہیں یا ہم اس کے محبوبوں اور اس کے مقربینِ بارگاہ کے دامن سے وابستہ لوگوں میں سے ہیں۔ یہ زعم ہے جو تمہیں عمل سے دور کرتا چلا

جائے گا اور اس کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم دنیا پرستی میں غرق ہوتے چلے جاؤ گے۔ دنیا ہی تمہارا مطلوب و مقصود بنتی چلی جائے گی اور دوسرے یہ کہ موت کا خوف رفتہ رفتہ تم پر مسلط ہو جائے گا۔

ایک چونکا دینے والی حدیث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ اے مسلمانو' ایک وقت آئے گا کہ دنیا کی قومیں تم پر ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے دعوت کا اہتمام کرنے والا کوئی شخص دستر خوان کے چنے جانے کے بعد مہمانوں سے کہتا ہے کہ آیئے تشریف لائے' کھانا تناول فرمایئے۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر پوچھا کہ حضورؐ کیا اس زمانے میں ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی؟ حضورؐ نے فرمایا' نہیں! "بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ" تعداد تو تمہاری بہت ہوگی' نوّے کروڑ ایک ارب اور نامعلوم کتنی! لیکن تمہاری حیثیت جھاگ سے زیادہ نہ ہوگی کہ جیسے کسی جگہ اگر سیلاب آجائے تو سیلاب میں پانی کے ریلے کے اوپر کچھ جھاڑ جھنکار ہوتا ہے' کچھ جھاگ ہوتا ہے' "وَلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ" اس سے زائد تمہاری حیثیت نہیں ہوگی' دنیا میں تمہاری اہمیت اس سے بڑھ کر نہ رہے گی۔ صحابہ کرامؓ نے پھر سوال کیا کہ حضورؐ ایسا کیوں ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا تمہارے اندر ایک بیماری پیدا ہو جائے گی جس کا نام "وھن" ہے۔ سوال کیا گیا: "مَا الْوَھْنُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" کہ حضورؐ' وہ وھن کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "حُبُّ الدُّنْیَا وَ کَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ" دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ..... یہ بیماری جب تم میں پیدا ہو جائے گی جب دنیا تمہاری محبت کا مرکز بن جائے گی اور موت سے تم دور بھاگنے لگو گے تو بہت بڑی تعداد میں ہونے کا باوجود تم اقوام عالم کے لئے لقمہ تر بن جاؤ گے .... لیکن ظاہر بات ہے کہ کوئی اپنی درازیٔ عمر کے باعث اللہ کی پکڑ سے بہرحال بچ نہیں سکے گا' اسے بالآخر اپنے رب کی طرف لوٹنا ہی ہوگا اور وہاں اس کا حساب چکا دیا جائے گا۔

یہاں اس سورۂ مبارکہ کا دوسرا حصہ مکمل ہوا جو چار آیات پر مشتمل ہے۔ ان میں ذکر اگرچہ سابقہ امت مسلمہ یہود کا ہے' لیکن اصلاً یہ ایک آئینہ ہے کہ جس میں نئی امت مسلمہ کو آئندہ کی ایک تصویر کی دکھائی جا رہی ہے کہ جیسے وہ حامل کتاب بنائے گئے تھے

اسی طرح تم بھی حامل قرآن بنائے جارہے ہو، جیسے وہ وارثِ کتاب بنے تھے ویسے ہی تم بھی وارثِ کتاب بنائے گئے ہو، دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ جو معاملہ انہوں نے کیا تھا تم بھی قرآن کے ساتھ وہی سلوک کرنے لگو!! یہ ہے درحقیقت اس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصے اور دوسرے حصے کے مضامین کے مابین ربط و تعلق۔ چونکہ انقلاب محمدیؐ کا آلہ قرآن حکیم ہے اور حضورؐ کی بعثت قیامت تک آنے والی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے، لہٰذا جس عمل کو حضورؐ نے جاری رکھا "یَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" اور جس کی بنیاد پر ایک ہمہ گیر انقلاب جزیرہ نمائے عرب میں برپا کردیا، اسی عمل کو جاری رکھنا اور آگے چلانا امت کی ذمہ داری ہے۔

اس کے لئے اساسی منہاج وہی ہوگا جو حضور اکرمؐ نے اختیار کیا، جس میں مرکز و محور کی حیثیت قرآن حکیم کو حاصل تھی۔ یہاں سورۃ الجمعہ کا پہلا رکوع ختم ہوا۔

بقیہ : رفتارِ کار

۱۴ پر تھا۔ انہوں نے نہایت اچھے طریقے سے درس دیا۔ اور جو معاشرتی برائیاں ہمارے اندر سرائت کرچکی ہیں ان کا ذکر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے اسے تفصیل سے بیان کیا۔ یہ پروگرام تو ۳۰ منٹ کا تھا لیکن مقررہ وقت سے کافی بڑھ گیا۔ اس کے بعد ۵ منٹ کا وقفہ تھا اور اس دن کا آخری پروگرام سعید احمد کا تھا جس کا عنوان تہجد کی اہمیت اور فضیلت تھا۔ یہ پروگرام بھی اچھا تھا۔

مغرب کے بعد ہمارے پروگراموں میں مقامی حضرات کی حاضری تقریباً ۱۵ تھی۔ رات تقریباً ۱۰ بجے اس دن پروگرام ختم ہوئے۔ فیملی والے حضرات کے علاوہ عام رفقاء کا قیام مسجد میں تھا۔

۹۱-۹-۲۷ کو رفقاء کو ۳:۳۰ بجے نماز تہجد کے لئے بیدار کیا گیا۔ نماز فجر کے بعد سورۃ توبہ کی آیات نمبر ۱۱۱ ۱۱۲ کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ اور یہ پروگرام اشراق کی نماز تک جاری رہا نماز کی ادائیگی کے بعد ناشتہ اور آرام کا وقفہ تھا۔ ۸:۳۰ بجے عبدالعظیم کا پروگرام تھا جس کا عنوان "قرآن مجید کے حقوق مسلمانوں پر" اس رفیق نے بھی اچھے طریقے سے تیاری کی تھی، حالانکہ یہ ان کا پہلا پروگرام تھا۔ دوسرے مقرر آصف رضوی تھے ان کا عنوان تھا "فرائض دینی کا جامع تصور" یہ ان کا تیسرا پروگرام تھا۔ انہوں نے اچھے طریقے سے اپنا پروگرام پیش کیا۔ تیسرے مقرر تھے انور عباسی اور ان کا عنوان تھا "سیرت النبیؐ" انہوں نے بھی کافی محنت کی تھی۔ تقریباً ۱۰:۰۰ بجے صبح حسن انجم نے دعا کی جو

اُخروی زندگی پر گناہوں کے اثرات

زیرِ طبع کتاب "کبائر" کے باب اوّل کی فصل خامس (۳)

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

د: دوزخ

قیامت کے روز اپنے اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں گرنے والوں کی تعداد کتنی ہوگی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ يُدْعَىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ آدَمُ فَتَرَاءَى ذُرِّيَّتُهُ فَيُقَالُ: "هٰذَا أَبُوكُمْ آدَمُ" فَيَقُولُ: "لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ" فَيَقُولُ: "أَخْرِجْ بَعْثَ جَهَنَّمَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ" فَيَقُولُ: "يَا رَبِّ كَمْ أُخْرِجُ؟" فَيَقُولُ: "أَخْرِجْ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ"[1]

"قیامت کے روز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو بلایا جائے گا آپ کی ساری اولاد آپ کے سامنے کر دی جائے گی۔ اور اعلان ہوگا: یہ تمہارے جدِّ امجد آدم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے: "میں حاضر ہوں اے پروردگار اور ساری بھلائیاں تیرے اختیار میں ہیں"۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے: "اپنی اولاد میں سے جہنم کا ایندھن علیحدہ کر دو"۔ حضرت آدم دریافت کریں گے: "کس تناسب سے لوگوں کو چھانٹوں؟" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "ہر سو میں سے ننانوے آدمیوں کو علیحدہ کر دو"۔

واقعہ یہ ہے کہ اس روز جہنم میں جانے والوں کی عظیم اکثریت ہوگی۔ اور جو آدمی اس روز جہنم کی آنچ سے محفوظ ہو گیا وہ بلاشبہ انتہائی خوش قسمت انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

۱ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ... [illegible]

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ، وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ، وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ؕ[1]

"آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا —— رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔"

البتہ جن لوگوں کو جہنم میں جھونک دیا گیا اُن سے زیادہ بدقسمت و بدنصیب اور کون ہوگا۔ یہ جہنم بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ ہر عظیم القدر و جلیل المرتبت نبی و رسول بھی اللہ تعالیٰ سے اِس کی پناہ مانگتا رہا۔ قرآنِ حکیم اور سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر کھلی آنکھوں سے مطالعہ کیا جائے تو دوزخ کی دہشت اور سختی کا جو منظر سامنے آتا ہے وہ بہت ہی ہولناک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے، جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو بھی حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔"

مزید فرمایا:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۔[3]

---

[1] سورت آل عمران، آیت ۱۸۵۔

[2] [illegible] [3] سورۃ النساء، آیت ۵۶۔

"اور جب اُن کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔"

قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح کا منظر بیان ہوا ہے:

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝[۱]

"یہ مجرم لوگ درحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اُن کی عقل ماری گئی ہے۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اُس روز اُن سے کہا جائے گا کہ اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزا۔"

مزید فرمایا:

اِنَّهَا لَظٰی ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی ۝ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰی ۝[۲]

"وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی، پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا۔"

ان آیات کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث سے بھی جہنم کی ہولناکی اور وہاں کی سزا کی شدت سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَارُکُمْ هٰذِهِ الَّتِیْ یُوْقِدُ ابْنُ آدَمَ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ[۳]

"تمہاری یہ آگ جسے ابنِ آدم جلاتا ہے تپش کے اعتبار سے جہنم کی آگ کا ستروا‌ں حصہ ہے۔"

مزید فرمایا گیا:

اِنَّ الْحَجَرَ یُلْقٰی مِنْ شَفَةِ جَهَنَّمَ فَیَهْوِیْ فِیْهَا سَبْعِیْنَ

۱۔ سورت القمر، آیت ۴۷-۴۸۔ ۲۔ سورت المعارج آیت ۱۵-۱۸۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ النّار۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنّۃ، باب فی شدۃ حرّ نار جہنم۔

عَامًا لَا يُدْرِكُ لَهَا قَعْرًا ، وَوَاللهِ لَتُمْلَأَنَّ أَفَعَجِبْتُمْ [1]

"پتھر کو جہنم کے سرے سے نیچے پھینکا جاتا ہے اور وہ ستر سال تک سفر کرتا رہتا ہے اس کے باوجود وہ تہہ تک نہیں پہنچ پاتا۔ قسم بخدا اتنے بڑے جہنم کو ضرور بھرا جائے گا۔ کیا تمہیں کوئی تعجب ہو رہا ہے؟" (یعنی ایسی کوئی تعجب کی بات نہیں)

یہ ہے اُس جہنم کا حال جس میں کبائر و معاصی کے مرتکب افراد رہیں گے اور وہ سب کے سب ایک ہی مقام پر نہ ہوں گے، بلکہ اپنے اپنے گناہوں کے لحاظ سے مختلف قسم کی سزاؤں میں گرفتار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى حُجْزَتِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ اِلٰى تَرْقُوَتِهِ [2]

"صورتِ حال اس طرح ہوگی کہ کسی کو آگ ٹخنوں تک اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوگی۔ اور کسی کو گھٹنے گھٹنے تک پہنچ رہی ہوگی اور کسی کی کمر کمر تک آگ ہوگی۔ اور کوئی گلے گلے تک آگ میں ہوگا"

اگرچہ ہر آدمی کی سزا اپنے گناہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگی اس کے باوجود ہر آدمی یہ سمجھ رہا ہوگا کہ جس قدر وہ تکلیف میں ہے کوئی دوسرا نہیں، حتیٰ کہ سب سے کم عذاب میں مبتلا انسان بھی اپنے آپ کو سب سے زیادہ بدنصیب اور سب سے زیادہ پریشان حال سمجھ رہا ہوگا۔ اس کی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرَى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهُ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا۔ [3]

---

1. صحیح مسلم، کتاب الزہد۔ ابتدائے کتاب سے چودھویں حدیث۔
2. صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ، باب فی شدۃ نار جہنم۔
3. صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اہون اہل النار عذاباً۔

"آگ والوں میں سب سے کم اس آدمی کا عذاب ہوگا جس کے دو جوتے اور دو تسمے آگ کے ہوں گے۔ اِن کی وجہ سے اُس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جیسے ہنڈیا کھولتی ہے۔ اس کے خیال میں سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو مل رہا ہوگا، حالانکہ وہ سب سے کم عذاب میں ہوگا۔"

اس مقام پر ہمیں ذرا سا رک کر اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ سب سے چھوٹے مجرم کی سزا جب اتنی سخت ہو گی تو دھڑلے سے صبح و شام اللہ تعالیٰ کے احکام کی کھلی خلاف ورزی کرنے والوں کو کیسی سزا ملے گی؟؟ اعاذنا اللہ من ذلک۔

جہنم کی سزا کس قدر ہوش بھلا دینے والی ہے شاید ہمیں اس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں ہوتا مگر دل کا دریچہ کھول کر صرف مندرجہ ذیل حدیث پر غور کرلیں تو بات بڑی حد تک سمجھ میں آسکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُؤْتَىٰ بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ: يَا بْنَ آدَمَ! هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ۔[1]

"روزِ قیامت ایک ایسے دوزخی کو لایا جائے گا جسے دنیا میں سب سے زیادہ نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں۔ پھر دوزخ میں ایک غوطہ دینے کے بعد پوچھا جائے گا: اے آدم زادے! کیا کبھی زندگی میں کوئی نعمت یا آسائش دیکھی تھی؟ یا تیرے قریب سے بھی نعمت کا گزر ہوا تھا؟ وہ جواب دیگا: اے پروردگار تیری ذات کی قسم، میں نے کبھی کوئی نعمت یا سہولت دیکھی ہی نہیں۔"

اس ہولناک عذاب سے بچنے کی ایک ہی امکانی صورت ہے کہ انسان دیدہ دانستہ کبائر سے پرہیز کرے اور صغائر کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ساتھ ساتھ اس کی رحمت کا امید وار رہے ــــ اہل اللہ اور اہل تقویٰ اسی صراطِ مستقیم پر گامزن رہے ہیں۔ اور ہمارے لیے بھی یہی سلامتی کی راہ ہے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المنافقین، باب صبغ انعم اہل الدنیا فی النار۔

حقیقتِ شفاعت

لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے ہمارے ہاں یہ تصوّر عام پایا جاتا ہے کہ ہر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی شفاعت سے بخش دیا جائے گا اور اسے ذرا بھی سزا نہیں ملے گی خواہ وہ کیسی کیسی بداعمالیاں کرتا رہے
حقیقت یہ ہے کہ آپ شفاعت ضرور کریں گے، لیکن کس کے حق میں کس وقت شفاعت کی اجازت
ملتی ہے، یہ تفصیل طلب بات ہے اور مندرجہ ذیل احادیث میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ اس ضمن
میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شفاعت صرف اہلِ توحید کے حق میں ہوگی —— اور کسی قسم کا مشرک
اس کا مستحق نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي
اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ
إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا[۱]

"ہر نبی کے لیے ایک دُعا کی لازمی قبولیت کا وعدہ ہے اور ہر نبی اپنی یہ مخصوص دعا اسی دنیا میں
مانگ چکا، جبکہ میں نے اپنی اس مخصوص دعا کو امت کی شفاعت کی غرض سے قیامت تک کے لیے
محفوظ کر لیا ہے۔ چنانچہ میری شفاعت اِن شاء اللہ ہر اس اُمتی کو فائدہ دے گی جو اس دنیا سے
رخصت ہوتے وقت شرک میں مبتلا نہ تھا"

تقریباً تقریباً اپنے گناہوں کی سزا بھگت لینے کے بعد گناہ گاروں کے حق میں شفاعت
کی اجازت ملے گی۔ اس وقت تک گناہ گاروں پر کیا کچھ بیت چکا ہوگا اور اُن کا حلیہ کیسا بن چکا ہوگا اس
ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب لکلّ نبی دعوۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوۃ الشفاعۃ لامتہ۔

اَمَّا اَھْلُ النَّارِ الَّذِیْنَ ھُمْ اَھْلُھَا فَاِنَّھُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ فِیْھَا وَلَا یَحْیَوْنَ، وَلٰکِنْ نَاسٌ اَصَابَتْھُمُ النَّارُ بِذُنُوْبِھِمْ۔ اَوْ قَالَ بِخَطَایَاھُمْ۔ فَاَمَاتَھُمْ اِمَاتَۃً حَتّٰی اِذَا کَانُوْا فَحْمًا اُذِنَ بِالشَّفَاعَۃِ فَجِیْئَ بِھِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ فَبُثُّوْا عَلٰی اَنْھَارِ الْجَنَّۃِ ثُمَّ قِیْلَ: یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ اَفِیْضُوْا عَلَیْھِمْ فَیَنْبُتُوْنَ نَبَاتَ الْحِبَّۃِ تَکُوْنُ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ۔[1]

"جو لوگ مستقل جہنمی ہیں وہ نہ تو وہاں مریں گے اور نہ ہی (صحیح معنوں میں) زندہ ہوں گے۔ البتہ جن لوگوں کو آگ کی سزا ان کے گناہوں اور غلطیوں کی پاداش میں ملے گی انہیں موت آجائے گی۔ بالآخر جب وہ لوگ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے تو ان کے حق میں شفاعت کی اجازت مل جائے گی تب انہیں مختلف جماعتوں کی شکل میں لا کر جنت کی نہروں پر پھیلا دیا جائے گا۔ حکم ہوگا: اے جنت والو ان پر پانی ڈالو۔ اس پانی کے اثر سے وہ لوگ اس تیزی سے اگ آئیں گے جس طرح سیلاب سے اکٹھی ہونے والی مٹی میں دانہ اگ آتا ہے۔"

اور یہاں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ حساب کتاب ختم ہونے کے بعد بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب مسلمانوں کے حق میں شفاعت شروع ہوگی۔ گویا کہ جب تک تمام انسانوں کا حساب ختم نہیں ہوجاتا (جو کہ دنیاوی حساب کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کے برابر دن میں ہوگا) اُس وقت تک جہنم میں پہنچنے والوں کے حق میں "رحم کی اپیل" قابلِ سماعت بھی نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے کہ جب متقی و پرہیزگار لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے اور اپنے شناسا ساتھیوں کو اپنے ساتھ جنت میں نہ پائیں گے تو اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے: "اے مولیٰ ہمارے ساتھی ہمارے ساتھ ہی نماز روزہ ادا کرتے تھے اور دوسرے نیک کاموں میں بھی ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے اب وہ نظر نہیں آرہے تو اللہ تعالیٰ ان کی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النّار۔

شفاعت قبول فرکر اُن گناہ گاروں کی بخشش فرمادیں گے۔[1]

شفاعت کی برکت سے گناہ گار لوگ جہنّم سے یک بارگی ہی باہر نہیں آجائیں گے، بلکہ ٹولیوں کی شکل میں باہر نکلیں گے۔ اور ہر دو ٹولیوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوگا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جماعتوں کے حق میں قبولِ شفاعت اور اُن کی جہنّم سے برآمدگی کی تفصیل یُوں بیان فرمائی ہے:

فَأُوتَى فَأَقُولَ: اَنَا لَهَا فَانْطَلِقُ فَاَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي فَاَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لَا اَقْدِرُ عَلَيْهِ الْآنَ يُلْهِمُنِيْهِ اللهُ ثُمَّ اَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَاَقُولُ: يَارَبِّ اُمَّتِي اُمَّتِي، فَيُقَالُ: انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ بُرَّةٍ اَوْشَعِيرَةٍ مِنْ اِيمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنْهَا، فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ، ثُمَّ اَرْجِعُ اِلَى رَبِّي فَاَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَاَقُولُ: اُمَّتِي اُمَّتِي فَيُقَالُ لِي: انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنْهَا، فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ، ثُمَّ اَعُودُ اِلَى رَبِّي فَاَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ

---

[1] ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب وجوہٌ یومئذٍ ناضرہ۔
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ۔

تُعْطَهُ واشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَاقولُ : یَارَبِّ اُمَّتِی اُمَّتِی ، فَیُقَالُ لِی : انْطَلِقْ فمن کانَ فی قَلْبِهٖ اَدْنٰی اَدْنٰی اَدْنٰی مِنْ مِثْقالِ حَبَّةٍ من خَرْدَلٍ مِنْ اِیمانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ ، فَانْطَلِقُ فَافْعَلُ ثُمَّ اَرْجِعُ اِلٰی رَبِّی فی الرَّابِعَةِ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ المحامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ ساجِدًا فیقالُ لِی : یا محمدُ ارْفَعْ رأْسَكَ وقُلْ یُسْمَعْ لَكَ وسَلْ تُعْطَ واشْفَعْ تُشَفَّعْ فاقولُ : یا رَبِّ ائْذَنْ لِی فِیمَنْ قالَ : لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قالَ : لَیْسَ ذاكَ لَكَ وَلٰكِنْ وعِزَّتِی وکِبْرِیَائِی وَعَظَمَتِی وجِبْرِیَائِی لَاُخْرِجَنَّ مِنها مَنْ قالَ : لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[1]

بالآخر شفاعت کے طلبگار حضرات میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا : ہاں یہ میرا کام ہے اور میں کر سکتا ہوں ۔ چنانچہ میں جا کر دربارِ خداوندی میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی ۔ مَیں اللہ کے حضور پیش ہو کر ایسی ایسی حمد و ثنا بیان کروں گا جو اِس وقت میرے بس میں نہیں ۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اس کا الہام ہو گا ۔ اس کے بعد میں سجدے میں گر جاؤں گا ۔ مجھے کہا جائے گا : "اے محمدؐ ، سر اٹھایئے اور بات کہیے سُنی جائے گی ، مانگیے عطا کیا جائے گا ، شفاعت کیجیے شفاعت قبول ہو گی" ۔ مَیں عرض کروں گا : "اے ربّ ! میری اُمّت .... میری اُمّت ..." اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : "جس کے دل میں گندم یا جَو کے دانے کے برابر ایمان ہے اسے آپ جہنّم سے نکال لائیں" ۔ چنانچہ جن لوگوں کے دِل میں جَو یا گندم کے دانے کے برابر ایمان ہو گا انہیں میں جہنّم سے نکال لاؤں گا ۔

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب التوحید ، باب کلام الربّ تعالیٰ یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہم ۔
صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب ادنٰی اہل الجنۃ منزلۃً فیہا ۔

میں دوبارہ اپنے رب کے حضور پیش ہو کر اسی طرح کی حمد و ثنا بیان کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا۔ کہا جائے گا: "اے محمدؐ سر اٹھایئے اور بات کہیے بات سنی جائے گی، مانگیے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجیے شفاعت قبول ہوگی"۔ میں عرض کروں گا: "اُمَّتِی اُمَّتِی (میری اُمت میری امت)"۔ حکم ہوگا: "جایئے اور جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان ہے اسے جہنم سے نکال لایئے"۔ چنانچہ جن کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان ہوگا میں انہیں جہنم سے نکال لاؤں گا۔ تیسری مرتبہ پھر اپنے رب کے حضور پیش ہو جاؤں گا۔ پہلے طرح کی حمد و ثنا بیان کر کے سجدے میں گر جاؤں گا۔ کہا جائے گا: "اے محمدؐ سر اٹھایئے، کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگیے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجیے شفاعت قبول ہوگی"۔ میں درخواست کروں گا: "میری امت . . . میری امت . . ."۔ کہا جائے گا: "جایئے اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے کسی چھوٹے سے حصے کے برابر بھی ایمان ہے اسے بھی جہنم سے نکال لایئے"۔ چنانچہ جن لوگوں کے دل میں رائی کے دانے کے کسی چھوٹے سے حصے جتنا بھی ایمان ہوگا میں انہیں جہنم سے نکال لاؤں گا۔ اس کے بعد چوتھی مرتبہ میں اللہ کے حضور پیش ہو جاؤں گا پھر اس انداز سے حمد و ثنا بیان کر کے سجدے میں گر جاؤں گا۔ مجھے کہا جائے گا: "اے محمدؐ سر اٹھایئے اور بات کہیے بات سنی جائے گی، مانگیے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجیے شفاعت قبول ہوگی"۔ میں التجا کروں گا: "اے رب مجھے ہر اس شخص کو جہنم سے نکالنے کی اجازت فرمائیں جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو"۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "نہیں، یہ آپ کا کام نہیں، البتہ مجھے اپنی عزت و کبریائی اور عظمت و جلال کی قسم میں ہر اس شخص کو جہنم سے ضرور نکال لاؤں گا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو"۔

لہٰذا شفاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زعم میں گناہوں کا ارتکاب کرتے رہنا بڑے ہی گھاٹے کا سودا ہے۔ کیونکہ اگر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دل ہی کالا ہو گیا اور بالآخر اس پر گمراہی کی مہر لگ گئی تو معاملہ انتہائی گمبھیر ہے۔ اور اگر کئی سو سال کے بعد شفاعت نصیب بھی ہو گئی تب بھی کوئی معمولی عقل رکھنے والا آدمی پسند نہیں کرے گا کہ دس بیس یا زیادہ سے زیادہ پچاس سال کی آزادروی یا حرام خوری کی خاطر

سینکڑوں سال جنت کی نعمتوں سے محروم ہوکر جہنم کی سزا میں مبتلا رہے۔ اس لیے جو اہل ایمان جنت کے لالچ کی حد تک طلبگار ہیں اُن کو دنیا کی جائز اور حلال چیزوں سے بھی صرف اس لیے پرہیز رہتا ہے کہ کہیں ہمارا حساب لمبا نہ ہو جائے اور ہمارا داخلۂ جنت دیر سے نہ ہو۔ اس لیے کہ غریب جنتی امیر جنتیوں کے مقابلے میں پانچ سو سال پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ أَلَا أُبَشِّرُكُمْ ؟ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ: خَمْسِمِائَةِ عَامٍ[1]

"اے فقراء کی جماعت، کیا میں تمہیں ایک خوشخبری نہ سنا دوں ؟ غریب اہل ایمان دولت مندوں سے آدھا دن یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے"[2]

اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے متقی، پرہیزگار اور اہل اللہ تو دنیا میں فقر اختیاری کو ترجیح دیتے ہیں کہ کہیں آخرت کا حساب لمبا نہ ہو جائے اور وہ پانچ سو سال جنت سے باہر نہ کھڑے رہیں مگر شفاعت مصطفیٰؐ کے امیدوار اس مزعومہ امید پر دھڑا دھڑ کبائر اور حرام خوری کے عادی اور رسیا بنتے چلے جا رہے

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب منزلۃ الفقراء۔ تین مسلسل احادیث اسی معنی میں ہیں: ۴۱۲۲، ۴۱۲۳، ۴۱۲۴۔ محدث العصر الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ جامع الصحیح حدیث ۷۹۷۶۔

[2] نظامِ کائنات چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اِں دن کی جو مقدار مقرر ہے وہ دنیوی گردشِ ایام کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے فرمایا: اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (سورت الحج آیت ۴۷) "تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے"۔ اس لحاظ سے پیشِ بالا میں مذکور آدھا دن پانچ سو سال کا ہی بنتا ہے۔ البتہ قیامت کا دن خصوصی اہمیت رکھتا ہے جس میں تمام بنی آدم کا اوّل سے لے کر آخر تک سب کا حساب ہونا ہے۔ اس لیے اسے پچاس ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے، جس کا تذکرہ سورت المعارج آیت ۴ میں ہے۔

ہیں کہ آخر شفاعت ہو ہی جائے گی۔ خواہ کئی سو سال جہنّم کی آگ میں جلنے اور کوئلہ بن جانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو؟

اب اپنے بارے میں فیصلہ خود آپ کے ہاتھ میں ہے کہ چاہے شفاعت کی اُمید پر بڑے بڑے گناہ کرتے چلے جائیں اور نتیجۃً :

ا۔ دنیا سے رخصتی کے وقت جان کنی کی تکلیف سے دوچار ہوں۔

ب۔ قبر جہنّم کی کھائی بن جائے۔

ج۔ محشر میں حاضری مجرمین کی طرح ہو۔

د۔ حوضِ کوثر سے محروم رہیں۔

ھ۔ پُل صراط سے گزرتے ہوئے جہنّم میں گر جائیں۔

و۔ پھر اگر قسمت یاوری کر جائے تو جہنّم میں کئی سو سال گزارنے اور جل کر کوئلہ ہونے کے بعد شفاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو ——— اور آپ نجات پا سکیں۔

یا پھر چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے گناہوں سے دُور، بہت دُور رہیں اور نتیجۃً :

ا۔ دنیا سے امن، سکون اور چین کے ساتھ رخصتی ہو۔

ب۔ قبر جنّت کا باغ بن جائے اور دلہن کی طرح سوتے رہیں۔

ج۔ حشر میں اللہ تعالیٰ کے حضور معزز مہمان کی طرح پیشی ہو۔

د۔ حوضِ کوثر سے جامِ حیات نصیب ہو۔

ھ۔ پلک جھپکتے ہی پُل صراط پار کر جائیں۔

و۔ فرشتوں کی مرحبا مرحبا اور سلاماً سلاماً کے ساتھ جنّت میں داخلہ ہو۔

دونوں راستے آپ پر واضح ہو چکے ہیں آپ جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں۔ ابھی وقت اور موقع آپ کے ہاتھ میں ہے۔

باب اوّل کا خلاصہ

آگے بڑھنے سے پہلے ایک نظر باب اوّل کے مندرجات پر ڈالنی ضروری ہے تاکہ جو مباحث تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں اُن کا خلاصہ چند سطروں میں سامنے آجائے۔ اس طرح باب ثانی کا مطالعہ آسان ہو جائے گا:

انسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھایا گیا ہے اُس میں غلطی، کوتاہی، لغزش اور گناہ کا اثر موجود ہے لہٰذا گناہوں سے کُلی طور پر بچ جانا تو انسان کے لیے سخت مشکل ہے۔

البتہ جس انسان کو اپنی آخرت دنیا کے مقابلے میں زیادہ عزیز ہو اسے بہرحال گناہوں بالخصوص بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

ہر وہ گناہ بڑا شمار ہو گا جس سے حقوق اللہ یا حقوق العباد کی حق تلفی ہوتی ہو یا معاشرے کا اجتماعی امن متأثر ہوتا ہو۔ اور دوسرے لفظوں میں ہر وہ گناہ بڑا شمار ہو گا جس پر لعنت کی گئی ہو، یا جہنم کی یا اللہ تعالیٰ کے غضب کی دھمکی دی گئی ہو، یا شرعاً حرام قرار دیا گیا ہو، یا صاف صاف لفظوں میں اسے کبیرہ کہا گیا ہو۔

ارتکابِ گناہ کے اسباب یہ ہیں: ایمان کی کمزوری، انسانی خواہشات کی غلامی مثلاً عورت، اولاد، مال و متاع کی ایسی محبت جو انسان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا باغی بنا دے، شیطان کا غلبہ، نفسِ امّارہ، مشکوک معاملات میں اُلجھ جانا۔

کبائر کے ارتکاب سے انسان کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور جوں جوں انسان کبائر میں غرق ہوتا جاتا ہے یہ نقطہ بڑھتا جاتا ہے اور بالآخر سارے دل کو کالا کر دیتا ہے اور اس کے بعد اس دل پر گمراہی کی مہر لگ جاتی ہے۔

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اِن گناہوں کی وجہ سے دنیا میں ہی عذاب بن جاتی ہے مختلف قسم کی مصیبتیں اور بیماریاں اسے گھیر لیتی ہیں، نیک اعمال کی توفیق کم ہو جاتی ہے، رزق سے برکت اُٹھ جاتی ہے، معاشرہ مختلف وبائی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور وہاں سے امن، سکون، آشتی اور محبت کا جنازہ نکل جاتا ہے حتیٰ کہ حیوان اور عام مخلوقِ خدا بھی اِن گناہوں کی نحوست سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔

کبائر کا مرتکب جو انسان توبہ کیے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوگیا اس کی قبر عذاب کی کھائی، حشر
میں مجرموں کی طرح پیشی حوضِ کوثر سے محرومی، اعمال نامہ اُلٹے ہاتھ، اس کے بعد پُل صراط سے گرتے
پڑتے اور زخمی ہوتے ہوئے گزرے گا یا پھر حوالۂ جہنم ہو جائے گا۔

جس خوش نصیب کو شفاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگی۔ اس وقت تک وہ عذاب او
تکلیفوں کے متعدد مراحل سے گزر چکا ہوگا۔

کیا اس کے بعد بھی کسی سلیم الفطرت انسان کے دل میں گناہِ کبیرہ کی رغبت ہو سکتی ہے؟ —
نہیں! ہرگز نہیں!!

اَب باب دوم میں اُن گناہوں کا تفصیلی تذکرہ دیکھ لیں جنہیں شریعت نے "کبائر" میں شمار کیا
ہے تاکہ آپ اِن سے بچیں اور اپنی دنیا و آخرت کامیاب بنائیں اور یہی ہر سلیم الفطرت انسان کی منزل
مقصود ہے۔

جاں نثارانِ محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم اجمعین

نبی اکرمؐ کی امتیازی شانوں میں سے ایک شان

ـــــــ ڈاکٹر اسرار احمد ـــــــ

پوری نسل انسانی کی تاریخ میں بے شمار اعتبارات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ منفرد ہے۔ کسی بھی اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کا جائزہ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی شان تک جماعت انبیاء و رسل میں سے کوئی نہیں پہنچتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی تخلیق کا نقطہ کمال ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمام کائنات کی تخلیق کا نقطہ عروج انسان اور تمام انسانوں کے سردار ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو نہ معلوم کس کس پہلو سے معاملہ امتیازی ہے۔ ہم ان امتیازی شانوں کو گن بھی نہیں سکتے۔ جب کسی خاص مسئلہ پر غور کر رہے ہوتے ہیں تو کبھی کسی وقت کسی ایک بات کا شعور ہو جاتا ہے اور کبھی کسی دوسری بات کا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو ساتھی دیئے' واقعہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں آپ کا معاملہ بالکل مختلف اور امتیازی ہے۔ ساتھیوں کے معاملہ میں آپ سے زیادہ خوش قسمت انسان کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ نہ ایسی کوئی شخصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزری ہے' نہ آپؐ کے بعد اس کا کوئی امکان ہے۔ اللہ عزوجل نے آپؐ کو جو ساتھی دیئے اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ اس بات میں ہمیں دیگر انبیاء و رسل کا معاملہ بھی مختلف نظر آتا ہے۔

اصحابِ موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو دیکھئے' آپ کو نظر آئے گا کہ بنی اسرائیل آنجنابؑ کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہے جب تک کہ آنجنابؑ ان کو فرعون کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرا کے بخیر و عافیت مصر سے نکال نہیں لائے۔ پھر جو نافرمانیوں کا معاملہ

شروع ہوا تو وہ لامتناہی تھا۔ مصر سے نکلتے ہی انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کی'
ان کا طرز عمل پیہم اتنا دل آزار رہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پکار اٹھے: **یٰقَوۡمِ لِمَ**
تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ "اے میری قوم کے لوگو! تم کیوں مجھے اذ
دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔'
بات کسی ایک واقعہ سے متعلق نہیں ہے۔ یہاں فعل مضارع لایا گیا ہے' جس میں دا
ہوتا ہے' یعنی اے میری قوم کے لوگو! تمہارا میرے ساتھ ایذارسانی کا طرز عمل مسلسل
جاری ہے۔ آنجناب پر تنقیدیں ہوتی تھیں' آپ کا استہزاء ہوتا تھا' فقرے چست کیے
جاتے تھے' الزام لگائے جاتے تھے کہ تم نے ہمیں مروادیا۔ گویا وہ مصر میں چین کی بنسی
بجاتے تھے۔ یہ ساری اذیتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلنی پڑیں۔ ایک وقت وہ
آیا جب جہاد و قتال سے پوری قوم نے کورا جواب دیدیا اور صاف انکار کرتے ہوئے کہا
فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ" (المائدہ:24) "پس جاؤ' تم اور تمہارا رب
جا کر جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں!" یہ آخری چرکا تھا جو اپنے ساتھیوں کی طرف سے
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لگا' جس پر آنجناب کی قوت برداشت جواب دے گئی اور آپ
کی زبان سے بے اختیار نکلا: "**رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ**
الۡفٰسِقِیۡنَ" (المائدہ:25) "اے میرے رب' میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی
ذات یا میرا بھائی پس تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان تفریق کردے۔"

اصحابِ عیسیٰ علیہ السلام

انجیل پڑھیے تو آپ کو معاملہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے نظر آئیگا۔ یہودیوں نے بحیثیت
امت حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ گمراہ کہا' کافر کہا' مرتد کہا' جادوگر
کہا' واجب القتل ٹھہرایا اور اپنی دانست میں صلیب پر چڑھوا کر دم لیا۔ چلیے ان کا معاملہ
چھوڑیے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول ہی نہیں مانا' آنجناب کے
حواریین کا معاملہ دیکھیے! آپ کو کل بہتر افراد عطا ہوئے۔ آنجناب کے اپنے حواریین کو
یہ دعوت تھی کہ میرے ساتھ رہو' لیکن ان بہتر میں سے اس دعوت پر لبیک کہنے والے
صرف بارہ حواریین نکلے۔ ان بارہ میں سے ایک وہ ہے جس نے غداری کی' دوسرا وہ ہے
جس نے تین مرتبہ آنجناب کا انکار کیا۔ محرف شدہ انجیل میں یہ بات اب بھی موجود ہے
کہ گرفتاری کی رات کو آخری کھانے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا: "پطرس! اس

سے پہلے کہ مرغِ سحر اذان دے تو مجھ سے تین مرتبہ اعلان براءت کریگا" لہٰذا اب رہ گئے دس' تو انجیل کی گواہی یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جاں نثاری نہ دکھا سکا اور اس آڑے وقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ساتھ نہ دے سکا۔ پھر مسلسل ساتھ رہنے والوں کو حضرت مسیح علیہ السلام جس طرح نصیحتیں کرتے رہے وہ بھی انجیل میں مذکور ہے' جن کے بین السطور ان حواریین کی قلبی کیفیات کی ایک جھلک نظر آسکتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام ان سے بار بار کہتے نظر آتے ہیں: "تم یقین کیوں نہیں رکھتے! تم مانتے کیوں نہیں ہو! تم کو اللہ پر توکل کیوں نہیں ہے؟؟"

اصحابؓ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بے حد و نہایت منفرد بلکہ امتیازی ہے۔ جیسا کہ میں عرض کرچکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جان نثار اصحاب ملے کہ تاریخ انسانی اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ حالات و واقعات کی تہہ میں اصل حکمت و مشیت تو اللہ تعالیٰ کی کار فرما ہوتی ہے لیکن اسی کی یہ سنت ہے کہ وہ ظاہر میں بھی حالات و واقعات کے لئے اسباب و علل فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ کسی قوم کا جو بنیادی اخلاقی سرمایہ ہوتا ہے' اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جس قوم میں سے بنیادی انسانی اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہو' اس قوم کو آپ بلوئیں گے تو جو مکھن نکلے گا وہ اس قوم کی اجتماعی کیفیات کے مطابق نکلے گا۔ اسی طرح بنیادی انسانی اخلاقیات کی اگر کچھ پونجی کسی قوم میں محفوظ ہو تو اس قوم کا مکھن ایسے لوگوں پر مشتمل ہوگا جن میں انسانی اخلاق کی اقدار بدرجہ اتم موجود ہونگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی اکھڑ قوم تھی۔ خود قرآن مجید میں اسکو "قومًا لُدًّا" کہا گیا ہے۔ وہ اعتقادی اور عملی طور پر بھی بہت سے مفاسد میں گرفتار تھی! لیکن اس سب کے باوجود بنیادی انسانی کردار ان میں محفوظ تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دیدیا تو اب ہرچہ باداباد۔ مان لیا تو مان لیا۔ مہمان آجائے تو اس کے لئے خود فاقہ کریں گے' لیکن اس کو کھلائیں گے۔ باپ کا قاتل بھی اگر امان لے چکا ہے تو اس سے انتقام نہیں لیا جائے گا۔ اندازہ کیجئے کہ ایک شخص کے باپ کا قاتل جس کو وہ وادیوں میں تلاش کررہا ہے' جس پر قابو پانے کے لئے وہ صحراؤں میں سرگرداں ہے اور اس تلاش و تعاقب میں سالہاسال بیت گئے ہیں کہ یہ قاتل

ہاتھ لگے تو اس کے خون سے انتقام کی آگ بجھائی جائے...... اور وہی شخص آتا ہے اور رات کے اندھیرے میں امان لے لیتا ہے، پہچانا نہیں جاتا کہ کون ہے۔ صبح کے اجالے میں شناخت ہوتی ہے کہ یہ تو باپ کا قاتل ہے تو جذبہ انتقام پر امان دینے کی قدر غالب آجاتی ہے۔ اور اس سے صرف یہ کہا جاتا ہے کہ جلد سے جلد میری دسترس سے دور چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکوں۔ تو یہ اس قوم کا جو کردار تھا، یہی اس کا بنیادی سرمایہ تھا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الناس کالمعادن" انسانوں کی مثال معادن کی سی ہے، اگر لوہے کی کچ دھات ہوگی تو اس سے لوہا نکلے گا، سونے کی کچ دھات ہے تو سونا باہر نکلے گا۔ ہو سکتا ہے کہ سونے کی کچ دھات جب کان سے نکلے تو اس کے ساتھ کچھ دوسری دھاتیں اس طرح ملی جلی ہوں کہ وہ بظاہر لوہے سے بری نظر آئے۔ لیکن جب صاف کریں گے تو خالص سونا نکل آئے گا۔ اسی طرح لوہے کی کچ دھات کان سے نکلتے وقت خواہ سونے کی کچ دھات سے بہتر نظر آرہی ہو لیکن صاف کرنے میں کتنی ہی جان لڑاؤ گے تو نتیجہ لوہا ہی نکلے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام" "تم میں جو جاہلیت میں بہترین تھے، وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں" یعنی حالت کفر میں جو لوگ بہترین انسانی اخلاق و کردار اور اعلیٰ صفات و اوصاف کے حامل تھے، اسلام میں ان کی یہ خوبیاں مزید نکھر گئیں اور وہ نورٌ علیٰ نور" کا مصداق بن گئے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اصحابؓ ملے جو اس سے قبل کسی نبی یا رسول کو نہیں ملے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے ان جلیل القدر رسولوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا میں اس کا اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس یروشلم لکھ دی تھی اور ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ جہاد و قتال کا حکم دیا تھا، نیز ان کو دو مومنین صالحین کی زبانی بشارت مل گئی تھی، "فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ○ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ○" "پس جب تم (ان جباروں کے مقابلے میں) دروازے کے اندر داخل ہوگئے تو تم ہی غالب رہو گے اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو۔" لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جو جواب دیا وہ میں آپ کو سنا چکا ہوں۔

اب مقابل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا طرز

عمل دیکھئے۔ غزوۂ بدر سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع کیا اور بتایا کہ قریش ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ سے کوچ کر چکے ہیں۔ مہاجرین میں سے اکثر نے جاں نثارانہ تقریریں کیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے رہے کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (سردار خزرج) نے اٹھ کر کہا: کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے یا رسول اللہ! ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں، ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے، ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے۔ اب خدا کی قسم! آپؐ فرمائیں تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں۔" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے مزید عرض کیا: "اور آپ حکم دیں تو ہم برک غماد تک (عرب کا ایک دور دراز علاقہ جس کی راہ میں لق و دق صحرا پڑتا ہے) اپنی سواریاں لے جائیں۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے۔" حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: "یا رسول اللہ! ہم حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ ہم لوگ آپؐ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے" چند دوسرے انصار نے بھی سرفروشانہ اور جاں نثارانہ انداز میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپؐ کو جو بات محبوب ہو بسم اللہ فرمایئے۔ جہاں آپ کا پسینہ گریگا وہاں ہم اپنا خون بہانے کو اپنے لئے سعادت سمجھیں گے۔" احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ جاں نثاروں کی ان تقریروں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور دمک اٹھا۔

غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کی ایک غلطی کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی اور کفار کے ایک دستے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نرغے میں لے کے شہید کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کیا تو آپؐ نے فرمایا: "کون ہے جو مجھ پر جان دیتا ہے؟" احادیث میں آتا ہے کہ زیاد بن سکنؓ نامی ایک انصاری صحابی سات انصاریوں کو لے کر آگے بڑھے اور ایک ایک نے جان کی بازی لڑا کر جانیں فدا کردیں۔ حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب پھر نصرت الٰہی سے شکست فتح میں بدلی اور کفار میدان چھوڑ کر پلٹ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ زیاد بن سکنؓ کا نیم جان لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا کر لائے، کچھ جان باقی تھی، قدموں میں سر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دیدی۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے

ارکار

گوجرانوالہ میں جلسۂ خلافت

۲۹ر نومبر کو منعقد ہونے والے جلسہ عام کی رپورٹ

●●●

لاہور، ملتان، فیصل آباد اور راولپنڈی میں خلافت کا پیغام پہنچانے کے بعد ۲۹ر ستمبر کو اب
جرانوالہ کی باری تھی۔ گوجرانوالہ کے مرکزی اور روائتی جلسہ گاہ شیرانوالہ باغ میں اہتمام کیا
ا تھا۔ گوجرانوالہ میں رفقاء کی تعداد بہت کم ہے اور جلسہ عام کا انعقاد معمولی کام نہیں ہوتا،
ن جناب محمد امین شاد، جناب خالد انصاری جناب پاشا ہارون، جناب سلمان نذیر اور جناب محمد
ا فاروق نے جس جوش اور ذمہ داری سے انتھک کام کیا اس کا ذکر ضروری ہے۔ ان کی مدد
ے لئے لاہور سے تازہ دم رفقاء کی ایک کھیپ پہنچ گئی۔ سب نے مل کر چودھری اشرف
حب کی کمان میں اس مشکل کام کو آسان کردیا۔

ٹھیک دس بجے تلاوت کلام پاک سے جلسے کی کارروائی کا آغاز کردیا گیا۔ سٹیج سیکرٹری کے
ائض تازہ جذبوں اور ابلتے جوش سے پُر رفیق مرزا ندیم بیگ کے ذمہ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ
ں خوش اسلوبی سے انہوں نے یہ فرض نبھایا انہی کا حصہ ہے۔ انہوں نے جناب شمس الحق
وان کا نام پکارا جنہوں نے دس پندرہ منٹ کی خوبصورت تقریر فرمائی۔ پھر جناب رحمت اللہ
ر کا نام پکارا گیا، انہوں نے بھی آیات قرآنی سے مزیّن تقریر فرمائی۔ جناب میاں محمد امین شاد
نے خوبصورت لحن میں نظم پیش کی

"مر جائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے"

گیارہ بجے امیر تنظیم اسلامی اور داعیٔ تحریک خلافت تشریف لائے۔ تب تک جلسہ گاہ میں
ی ہوئی تمام نشستیں بھر چکی تھیں۔ آپ کے سٹیج پر تشریف فرمائی کی اطلاع پاتے ہی یادگارِ
لاف اور گوجرانولہ کے علماء میں ایک نمایاں عالم دین جناب زاہد الراشدی صاحب بھی
ریف لے آئے۔ اس جلسہ کے انعقاد پر نہ صرف انہوں نے مسرت کا اظہار فرمایا بلکہ عملی
اون پیش فرمایا۔ انہوں نے اور بھی بہت سی عنایات ارزانی فرمائیں۔ یہ ان کی بلند ظرفی اور
ی ہمتی ہے۔ بیشک وہ دور حاضر میں اسلاف کی نشانی ہیں۔ جمعہ کی مصروفیت کے باوصف وہ آخر
ک سٹیج پر تشریف فرما رہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب شروع ہوا، جس کے لئے لوگ گوش بر آواز تھے یہ ایک نیا پیغام تھا، ایک انوکھی نوید تھی، عوام جو چھوٹی چھوٹی فقہی تنگ ناؤں کے عادی ہیں، لوگ جو زندہ باد مردہ باد کے روایتی عامیانہ انداز کے خوگر ہیں ایک نئی قسم کی حیات بخش خطابت سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔ امیر محترم انہیں بیک وقت ان کے تابناک ماضی، ان کے خستہ و خراب حال اور ان کے شاندار مستقبل کا احساس دلا رہے تھے۔ خواص و عوام خطابت کے اس بہتے دریا کے ساتھ ساتھ بہے جارہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس امت مسلمہ کے دو حصے ہیں۔ "امیین" اور "آخرین"۔ عرب "امیین" نے پانچ سو برس تک ربعِ مسکون پر شوکت و سطوت سے حکومت کی لیکن ان کی بداعمالیوں، کوتاہ نظریوں اور عیش کوشیوں کے سبب انہیں اس منصب جلیلہ سے عبرت ناک طریقے سے معزول کر دیا گیا اور زمام کار اور عنان حکومت "آخرین" کے توانا ہاتھوں میں تھما دی گئی۔ انہوں نے مزید پانچ سو برس تک دنیا کی امامت کی۔ لیکن افسوس کہ ہم نے وہ سب کچھ گنوا دیا۔

امیر محترم نے فرمایا کہ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر جو اصل میں یہودی سازش ہے اور اسے جیو ورلڈ آرڈر (Jew world order) کہنا چاہئے اصل میں عالم اسلام ہی کے خلاف ایک گہری، خوفناک، اور عالمی سازش ہے۔ کویت عراق جنگ کی صورت میں عربوں نے اس کا مزا چکھ لیا ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ ابھی مزید تباہی آئے گی۔ عرب جو اسرائیل کے وجود کو تسلیم تک نہ کرتے تھے آج اس کے وزیر اعظم شامیر کے ساتھ ایک میز پر بیٹھنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ شامیر نے علی الاعلان کہہ دیا کہ ہم نہ صرف عربوں کے مقبوضات اپنے پاس رکھیں گے بلکہ اپنی سرحدوں کو مزید بڑھائیں گے۔ امریکہ اور تمام مغربی عیسائی دنیا اس کا ساتھ دے گی، اس لئے کہ فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے۔ دوسری طرف عرب شیوخ محلات پر محلات تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ عراق جس کے پاس جوہری قوت کا گمان تھا تباہ کیا جاچکا ہے اور پاکستان پر بھی جوہری قوت رکھنے کا بہتان باندھا جا چکا ہے۔ وطن کی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے۔ اور ہمارے حکمران ہیں کہ باہم دست و گریباں ہیں۔ صوبے صوبوں سے الجھے ہوئے ہیں، قومیتیں قومیتوں سے ٹکرا رہی ہیں، امن عامہ ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے ـــــ ایک سو بیس کروڑ مسلمان دنیا میں خوار و زبوں حال ہیں۔

داعیٔ تحریکِ خلافت نے احادیث مبارکہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مایوسی کی اتھاہ تاریکی میں الصادق و المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث میرے لئے روشنی کی کرن ثابت ہوتی ہیں اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر غلبہ اسلام ہو کر رہے گا "اسلام

اینٹ گارے کے بنے ہوئے ہر گھر اور اون سے بنے ہوئے ہر خیمے میں داخل ہو گا، عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلت والے کی ذلت کے ساتھ۔" امیر محترم نے ایک اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حضور نے فرمایا "اللہ نے میرے لئے پوری زمین کو لپیٹ دیا۔ میں نے اس کے سارے مشرق و مغرب دیکھ لئے۔ میری امت کی حکومت ان سب پر ہوگی جو میں نے دیکھا ہے۔" آپ نے ایک اور حدیث کے حوالے سے مسلمانانِ عالم کے پانچ ادوار کی نشاندہی کی:

i۔ مسلمانو، تمہارے درمیان نبوت رہے گی جب تک رہے گی۔

ii۔ خلافت علیٰ منہاج النبوہ رہے گی جب تک رہے گی۔

iii۔ پھر کاٹ کھانے والی حکومتوں کا دور ہو گا۔ (ملوکیت)

iv۔ جبر کی حکومت کا دور آئے گا۔ (ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میرے خیال میں یہ مغربی اقوام کی غلامی کا دور تھا)۔

v۔ پھر خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور آئیگا۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میرا خیال ہے ہم اس دور کی دہلیز پر کھڑے ہیں اور میرا یقین ہے کہ اس دور کا آغاز اس خطہ زمین سے ہو گا جسے پاکستان کہتے ہیں۔ اس پُر یقین رجائیت کی بنیاد یہ ہے کہ

ا۔ اسرائیل کے قیام سے ایک سال پہلے ہی پاکستان کا قائم ہونا۔

ب۔ گذشتہ چار سو برس سے رجالِ دین، مجدّدینِ امت اور بڑے بڑے رجالِ کار کا اسی خطۂ زمین میں پیدا ہونا۔ (شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، شیخ الہند جناب محمود حسن رحمتہ اللہ علیہ، مولانا مودودی، ڈاکٹر اقبال، تحریک تبلیغی جماعت)

ج۔ جتنے بھی مسلمان ممالک آزاد ہوئے سب قومیت (Nationalism) کی بنیاد پر جبکہ صرف اور صرف پاکستان ہی لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔

د۔ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ اگرچہ تمام عالم اسلام کا مشترک مسئلہ تھا لیکن آواز کہاں سے اٹھی؟ صرف اور صرف برصغیر سے جہاں ایک بہت بڑی تحریک چلی۔ اتنی بڑی کہ اس میں گاندھی کو بھی شامل ہونا پڑا!

ر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ مجھے مشرق سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔

ع میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

س۔ اور ختمی مرتبت کا یہ فرمان کہ امیین کو عجم سے مدد آئیگی۔

لیکن یہ غلبہ اسلام اور یہ احیائے خلافت یونہی تو نہیں ہوجائیگا۔ اس کے لئے بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے، ایسے جانفروشوں کی ایک جماعت کی ضرورت ہے جو پہلے خود پر اور پھر اپنے گھر والوں پر اسلام نافذ کرتے ہوئے باہم مل کر ایک بنیان مرصوص بن جائیں اور ہر باطل نظام سے ٹکرا جائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا تمناؤں سے بات نہیں بنتی، خون جگر دیکر مقصود حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے کہا دینی جماعتوں سے ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ پریشر گروپ کی صورت میں Resistance Movements چلانے کی بجائے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے میدان میں ان ہی کا کھیل کھیلنے لگیں۔ حالانکہ اس میدان میں انہیں مات دی ہی نہیں جاسکتی۔ آپ نے کہا اگرچہ کسی ایک مسئلہ پر مختلف دینی جماعتوں کا باہم متحد ہوجانا ایک بڑی بات ہے لیکن عموماً اس طرح کے اتحادوں سے کوئی مثبت کام نہیں ہو سکتا۔ اس سے حکومتوں کو گرایا تو جاسکتا ہے تعمیر کی صورت ممکن نہیں۔ ایسا صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب کسی ایک قیادت میں ایک حکم پر چلنے اور رک جانے والی اور نظام کو بدلنے کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کردینے والی جماعت وجود میں آئے۔۔۔ ہم نے اللہ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر اس کا آغاز کردیا ہے اور صلائے عام ہے۔۔۔۔۔۔۔

آخر میں آپ نے نظامِ خلافت کے خدوخال بیان فرمائے۔ اب دوپہر کے ساڑھے بارہ ہوچکے تھے، جمعہ کی نماز کے لئے اذانیں چہار سو بلند ہونے لگی تھیں، جناب زاہد الراشدی صاحب مدظلہٗ کو بھی خطاب جمعہ کے لئے جانا تھا، اس لئے خطاب اختتام کو پہنچا۔ لیکن اس مختصر عرصہ میں ہر وہ بات جو کہی جانی ضروری تھی کہہ دی گئی۔ اس دوران چاق و چوبند کارکن مستعدی سے چار ورقے تقسیم کرتے رہے تھے۔ خطاب کے اختتام پر ۱۰۹ عہد نامۂ تعاون نقد وصول ہوگئے۔

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے امیر تنظیم اور رفقاء حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کی مسجد میں جمع ہوئے۔ مولانا راشدی نے اپنے خطاب جمعہ کو مختصر فرماتے ہوئے آخری پندرہ منٹ کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب کو دعوت خطاب دی، جنہوں نے اس مختصر وقت کو نہایت بھرپور طور پر استعمال فرمایا اور مسجد کے حاضرین کے سامنے خلافت اور اس کے لئے کی جانے والی جدوجہد اور طریق کار کو جامع طور پر بیان کیا۔ اس خطاب کو ڈاکٹر صاحب کے خطابات میں سے موثر ترین قرار دیا جاسکتا ہے۔

جمعہ کے بعد عصر تک ڈاکٹر صاحب نے مولانا کے اوطاق ہی میں کھانا کھایا اور آرام فرمایا۔ عصر کے بعد کچہری کے قریب لارڈز ہوٹل میں ڈاکٹر صاحب کی پریس کانفرس تھی۔ وقت کی کمی

کے پیش نظر مختصر خطاب ہوا ..... سوال آیا ـــ

س ☆ ڈاکٹر صاحب، دینی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کیا کوشش ہوئی ہے ؟

ج ○ میں نے جمعیت علماء اسلام کے قائدین اور جماعت اسلامی کے قائد جناب قاضی حسین احمد صاحب سے اس سلسلہ میں ذاتی ملاقاتیں کی ہیں۔

س ☆ موجودہ حکومت میں بہت سی مذہبی جماعتیں شامل ہیں۔ شریعت بل بھی منظور ہوا ہے، ایسے میں لوگوں کو سڑکوں پر کیسے لایا جاسکتا ہے ؟

ج ○ شریعت بل چند حسین ارادوں کے اظہار کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے لئے نہ آئین میں ترمیم کی گئی نہ سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا گیا۔ سود کو برقرار رکھنا اللہ اور رسولؐ کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ اصل اسلام کیا ہے۔ اسلام صرف چند سزاؤں ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ باطل نظام کو بدل کر عادلانہ نظام کے قیام کا نام ہے جس میں بے شمار برکات ہیں۔ صرف نظام زکوۃ ہی میں اتنی برکات ہیں اس کے مکمل نفاذ کے بعد کسی اور قسم کے ٹیکس کی ضرورت نہیں رہتی۔ زکوۃ کل اموال تجارت پر لی جائے اور اس طرح جمع ہونے والی کثیر دولت سے بیت المال قائم کرکے کفالت عامہ کا نظام برپا کیا جائے۔

س ۔ ☆ لوگ کہتے ہیں نفاذ اسلام کی تحریک کے نتیجہ میں کون سا اسلام نافذ ہوگا؟

ج ۔ ○ یہ سب مخالفین اسلام کا پراپیگنڈا ہے۔ علماء پہلے بھی متحد ہوئے ہیں اور پھر بھی متحد ہوں گے۔

س ۔ ☆ جناب سمیع الحق صاحب کے خلاف سیکس سیکنڈل میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج ۔ ○ ہم حسن ظن رکھتے ہیں۔

س ۔ ☆ کیا آپ کے ساتھی پکے مسلمان ہیں؟

ج ۔ ○ میرے ساتھی حتی المقدور کبائر سے بچتے ہیں۔ انہوں نے بینکوں کی سودی ملازمتیں ترک کی ہیں۔ گھروں میں شرعی پردہ ہے، کسی کا سیونگ اکاؤنٹ نہیں سب کے کرنٹ اکاؤنٹ ہیں۔ اتنے میں نماز مغرب کی اذانیں بلند ہوئیں۔ نماز مغرب لارڈز کے لان میں ادا فرما کر ڈاکٹر صاحب عازم لاہور ہوئے۔

(مرتب: میاں محمد یعقوب)

راولپنڈی میں خلافت کانفرنس کا انعقاد

۲۲ نومبر کو تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلسے کی روداد

ماہ اپریل کے دوران مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں طے کیا گیا تھا کہ ۲۲ نومبر راولپنڈی میں جلسہ عام کیا جائے گا' جس میں تنظیم کے پیغام کو عام کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فضل و کرم شامل حال رہا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق اس جلسہ کا انعقاد ہوا۔ جلسہ کے انعقاد سے قبل جلسہ کے انتظامات' اس کی تشہیر اور تنظیم اسلامی و تحریک خلافت کے تعارف کے لئے جو سرگرمیاں عمل میں لائی گئیں اس کی روداد حسب ذیل ہے:

۳۱ اکتوبر کو حلقہ شمالی پنجاب کی ماہانہ میٹنگ دفتر تنظیم اسلامی راولپنڈی میں ہوئی' جس میں راولپنڈی ر اسلام آباد کے علاوہ گجرات اور مظفر آباد سے بھی رفقاء شامل ہوئے۔ اس میٹنگ میں طے کیا گیا کہ جلسہ عام لیاقت باغ راولپنڈی میں کیا جائے۔ جلسے کے انتظامات کے لئے حسب ذیل کمیٹیاں بنائی گئیں:

۱۔ انتظامی کمیٹی: اس کے سربراہ امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی جناب محمد نیاز مرزا صاحب تھے اور ان کے معاونین جناب سید محمد اکرم واسطی صاحب اور محمد سرفراز صاحب تھے۔

۲۔ پبلسٹی کمیٹی: اس کے انچارج جناب غلام مرتضیٰ اعوان صاحب تھے۔ ان کے معاونین میں ان کے اسرہ کے رفقاء کے علاوہ دیگر رفقاء بھی شامل تھے۔

۳۔ طعام کمیٹی: طعام کا انتظام جناب رانا عبدالغفور صاحب کے ذمہ لگایا گیا۔ اس کام میں ان کا اسرہ (E-10) ان کا معاون تھا۔

۴۔ جلسہ گاہ کمیٹی: یہ کمیٹی اسرہ شکریال کے رفقاء پر مشتمل تھی اور اس کا انچارج محبوب ربانی صاحب کو بنایا گیا تھا۔ بعد میں جناب انجینئر مختار حسین فاروقی بھی اس کمیٹی میں شامل ہو گئے۔ جناب مختار حسین فاروقی صاحب ہمارے سینئر ترین رفقاء میں سے ہیں' لہٰذا جلسہ گاہ کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی۔ آپ سید محمد اکرم واسطی صاحب کے مشورہ سے جملہ امور انجام دیتے رہے۔

۵۔ اجتماع گاہ کمیٹی: تربیت گاہ اور مہمانوں کی رہائش و سہولت کی ذمہ داری میزبان اسرہ سیٹلائٹ ٹاؤن نے ادا کی۔ اسرہ کے نقیب جناب سرفراز احمد صاحب اس کے ناظم تھے۔

۶۔ موٹر سائیکل ریلی: اس کے انچارج جناب ڈاکٹر خالد رحیم میر صاحب تھے۔

۷۔ پریس کانفرنس: اس کے ذمہ دار جناب سید اکرم علی واسطی صاحب تھے۔
۸۔ اساتذہ سے رابطہ: جناب رؤف اکبر صاحب اس کے انچارج تھے۔ انہوں نے راولپنڈی کے قریبا دو ہزار اساتذہ کی فہرست حاصل کر کے قریبا چھ سو اساتذہ کو دعوت نامے ارسال کئے۔
۹۔ پروفیسر حضرات سے رابطہ: کالجوں کے اساتذہ سے رابطہ کی ذمہ داری جناب پروفیسر محمد غازی صاحب کے ذمہ تھی۔ انہوں نے اپنے دائرہ کار میں بیسیوں لیکچرر اور پروفیسر حضرات کو دعوت نامے ارسال کئے۔
۱۰۔ انجینئرز سے رابطہ: اس شعبہ کے انچارج جناب انجینئر عظمت ممتاز ثاقب صاحب تھے جنہوں نے اپنے جاننے والے انجینئرز کو جلسہ میں شرکت کی دعوت دی۔
۱۱۔ ڈاکٹر صاحبان سے رابطہ: یہ کام جناب ڈاکٹر تنویر احمد قریشی صاحب اور ڈاکٹر خالد رحیم میر صاحب نے کیا۔
۱۲۔ عوامی رابطہ: پوسٹرز اور ہینڈ بل کے علاوہ جلسہ عام کی دعوت کے لئے خصوصی طور پر دعوت نامے تیار کرائے گئے تھے جو ہر اسرہ کے رفقاء اور نقباء نے اپنے جاننے والوں کو ذاتی طور پر دیئے۔ یہ دعوت نامے دو ہزار کی تعداد میں تھے۔ راقم نے بھی تقریبا دو سو دعوت نامے ارسال کئے۔
۱۳۔ چاکنگ: اس کام کی ذمہ داری راقم کے سپرد تھی۔ اس مقصد کے لئے رفقاء بعد نماز مغرب دفتر میں جمع ہوتے اور رات ساڑھے گیارہ بجے تک اس کام میں لگے رہتے۔ اس کام میں جناب رؤف صاحب، رانا عبدالغفور صاحب، بی۔ ایس بخاری صاحب، سرفراز احمد صاحب، ایاز ندیم چوہان صاحب، ڈاکٹر اشتیاق صاحب، غلام مرتضیٰ اعوان صاحب، جاوید رفیق صاحب، محمد عارف اعوان صاحب، اسرار الحق صاحب، محبوب ربانی مغل صاحب، محمد رفیق صاحب، محمد ظفر صاحب اور محمد منیر صاحب نے بطور خاص حصہ لیا۔ علاوہ ازیں فیض احمد صاحب، محمد عقیل صاحب اور عبدالرحیم صاحب نے بھی پنڈی ناصری چاکنگ میں حصہ لیا۔ دیواروں پر جو نعرے لکھے گئے وہ حسب ذیل تھے:

☆ انتخاب نہیں، انقلاب!
☆ جمہوریت نہیں، خلافت!
☆ خلافت بذریعہ انقلاب!
تنظیم اسلامی۔ امیر ڈاکٹر اسرار احمد

۱۱۔ منتظم دفتر جناب جاوید خان صاحب تھے۔ ان کے ذمہ دفتر میں آنے والوں کے خورد و
ش کے انتظامات اور کتب و کیسٹ کی ترسیل کے علاوہ جملہ امور دفتر بھی تھے۔ اپنی اس ذمہ
ری کو نبھانے کے لئے انہوں نے عارضی طور پر دفتر ہی میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ یہ
تریباً دو ہفتہ دفتر ہی میں قیام پذیر رہے۔

ذمہ داریوں کی تقسیم کے بعد انتظامیہ سے اجازت کا مرحلہ طے کرنے کے لئے انتظامی
کمیٹی کے افراد اسسٹنٹ کمشنر راولپنڈی سٹی کے پاس پہنچے اور لیاقت باغ میں جلسہ کی اجازت
طلب کی۔ انہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے ملاقات کی' لیکن جلسہ کی اجازت کے معاملے کو بڑی
خوبصورتی سے ٹال دیا اور فرمایا کہ صوبائی حکومت نے طے کیا ہے کہ "لیاقت باغ کی مقدس سر
زمین" کو مولویوں کے قدموں سے خراب نہیں کیا جا سکتا' اس لئے کہ مولویوں کی فرقہ واریت
سے بوئے خون آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے دنوں ہم نے صحابہؓ کی عظمت کے پروانوں پر
اک ناک بیدوں کی بارش کی اور یوں حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے محبت کا ثبوت فراہم کیا۔
ہاں البتہ جمہوریت کے پرستار اس جگہ ایک دوسرے کو بلی چوہا کہتے رہیں تو اس سے دامن
یاست پر کوئی دھبہ نہیں پڑتا۔ یوں ایک دوسرے کا منہ تکتے ہوئے ہم واپس چلے آئے اور
کسی دوسری جگہ کی تلاش میں لگ گئے۔

اب قرعہ فال چلڈرن پارک کمیٹی چوک پر نکلا اور اس کی اجازت بھی مل گئی۔ لیکن اہل
ملہ کی طرف سے مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ علاقہ کے کونسلر جناب ضیاء محمود صاحب سے ملاقات کی تو
نہوں نے فرمایا کہ ۲۲ نومبر کو تو یہاں ڈھول اور شادیانے بجیں گے اور ویڈیو تیار کئے جائیں
گے' کیونکہ یہ جگہ شادی کی تقریب کے لئے دے رکھی ہے۔ راقم چونکہ راولپنڈی میں نووارد
ہے لہٰذا یہاں کے لیل و نہار دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جناب ضیاء محمود صاحب نے بکمال مہربانی
سسٹنٹ کمشنر صاحب کے دفتر جانا قبول فرمایا اور وہاں جاکر مسئلے کے حل کا یہ فارمولا نکالا گیا
کہ جلسہ عین ساڑھے بارہ بجے ختم کردیا جائے۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ورکنگ کے لئے صرف پانچ دن باقی رہے گئے
تھے۔ گاڑی کا موشن ٹوٹ جائے تو دوبارہ بحال کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہرحال محنت بسیار کے
ند رفقاء پھر سے اپنے اپنے کاموں میں جت گئے۔

اس موقع پر مرکز کی طرف سے ہماری بھرپور سرپرستی اور معاونت فرمائی گئی۔ پہلے مرحلے
یں جلسہ عام کی تشہیر کے لئے دیدہ زیب پوسٹر طبع کروا کے بھجوائے گئے ــــــــ اور

دوسرے مرحلے میں "نظام خلافت کی برکات" کے عنوان سے خصوصی پوسٹر تیار کروا کر ل
گئے' جن کے نیچے جلسہ عام کی تاریخ اور مقام بھی دیا گیا تھا۔

۲۱ نومبر کو ساڑھے بارہ بجے پریس کانفرنس تھی۔ راقم اور واسطی صاحب دعوت دینے کے لئے پریس کلب گئے تو صدر پریس کلب جناب نواز صاحب نے تمام رپورٹروں کو پروگرام سے مطلع کر دیا اور تمام اخبارات میں خبر بھی شائع کروا دی۔ لیکن کسی غلط غلطی کی بنا پر روزنامہ جنگ میں یہ خبر اس طور سے شائع ہوئی کہ ڈاکٹر اسرار احمد ساڑھے بارہ بجے خطاب کریں گے۔ مزید برآں ایک غلطی یہ ہوئی کہ "نظام خلافت کی بر کے عنوان سے پوسٹر تیار کروانے کے لئے راقم نے جو مسودہ مرکز کو ارسال کیا اس میں تاریخ اور مقام تو درج کیا' لیکن وقت نہیں لکھا۔ اور مرکز سے یہ پوسٹر بعجلت تمام اسی تیار ہو کر آگیا' جسے انہی دنوں لگایا گیا۔

اس پر مستزاد یہ ستم ظریفی ہوئی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے دفعہ ۱۴۴ کے ذر قسم کے بینرز پر پابندی لگا دی۔ بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں پر تو اس اثر نہیں ہوا' لیکن قانون پسند تنظیم اسلامی کے لئے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ کوشش بس بعد صرف ایک بینر لگانے کی اجازت ملی اور ہم اونٹ کے منہ میں زیرہ دے کر پر سکون ہو اس کے برعکس بلدیاتی امیدواروں کے سنہری جھالروں والے بینرز آج بھی دفعہ ۴ عصمت تار تار کر رہے ہیں اور زبان حال سے شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی پوری کر ر کہ (ترجمہ شعر) "بے تاج بادشاہ بادشاہی کریں گے اور ان کے حکم مانیں نہیں جائیں گے

آخری تیر ایک روزہ کرکٹ میچ کی کمنٹری نے مارا۔ کسی ناصح کی بات سننے کی اور اعمال درست کرنے کی بجائے کرکٹ کی گیند سے دل بہلانا قوم کا محبوب ترین مشغلہ بن اور بالخصوص جب ملک کا وزیر اعظم بھی کرکٹ کا کھلاڑی ہو تو اب ڈر کاہے کا!

جمعرات ۲۱ ر نومبر کو ہونے والی پریس کانفرنس بڑی پُر ہجوم تھی۔ پریس کلب کے عریض لان میں قاری محمد ادریس صاحب کی امامت میں ایک بجے نماز ظہر ادا کی گئی۔ ا بعد تیس منٹ تک امیر محترم نے حاضرین کو نظام خلافت کے منشور کا مطالعہ کرایا اور سوالات کے جوابات دیئے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد بھاگم بھاگ دفتر پہنچے تو جناب ڈاکٹر خالد رحیم میر صاحب سائیکل ریلی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ راقم ڈاکٹر خالد رحیم میر صاحب کے قافلے میں ش

گیا اور امیر محترم اپنے میزبان جناب ظفرالدین صاحب کے گھر چلے گئے، جہاں خواتین کا اجتماع ان کا منتظر تھا اور امیر محترم کی اہلیہ محترمہ (ناظمہ حلقہ خواتین) اسے Conduct کر رہی تھیں۔

امیر محترم نے رات کا کھانا ریٹائرڈ میجر جنرل تجمل حسین ملک کے ہاں کھایا اور کچھ انفرادی ملاقاتیں کیں۔ رفقاء رات ہی سے جلسہ گاہ کے انتظامات میں مصروف ہو گئے۔

چلڈرن پارک کمیٹی چوک شہر کے وسط میں واقع ایک خوبصورت پارک ہے۔ کمیٹی چوک شہر کی معروف جگہ ہے۔ موسم بھی خوشگوار تھا، لیکن حاضرین جلسہ کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی۔ پوٹھوہار کی سرزمین میں عجیب تمکنت اور سرمستی ہے کہ دارالخلافہ بن جانے کی وجہ سے ہر شخص اپنے آپ کو آداب شاہی کا مستحق سمجھتا ہے، اور ان آداب کو ملحوظ رکھے بغیر کوئی بات سمجھائی ہی نہیں جا سکتی۔ میں سٹیج پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ۱۵ مارچ ۸۶ء کو جب راقم نے وزیر آباد میں تین وفاقی اور تین صوبائی وزراء کو بلایا اور جلسہ عام کیا تو اتنے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنے مسائل سے یہاں واسطہ پڑا۔ آخر کیوں؟

جلسہ کی صدارت کے لئے جناب عبدالرزاق صاحب ناظم پنجاب سے درخواست کی گئی اور پھر راقم نے رب جلیل کے پاک کلام سے جلسہ کی ابتداء کرنے کے لئے جناب قاری محمد ادریس صاحب کو دعوت دی جنہوں نے سورۃ الحدید کی آیات کی تلاوت فرمائی اور ان کے حوالے سے انسانی خلافت کا مقصد بیان کیا۔ پھر جناب مرزا ندیم بیگ کی جوشیلی تقریر نے محفل میں گرمی پیدا کی اور باطل نظام کو منہدم کرنے کی ترغیب دی۔ جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے نظام خلافت کی وضاحت کی۔ جناب ریٹائرڈ میجر جنرل تجمل حسین ملک صاحب نے تحریک پاکستان اور تحریک خلافت کے حوالے سے پر اثر تقریر کی۔ اس کے بعد راقم نے خلافت کے حوالے سے چند اشعار نذر حاضرین کئے۔ پھر امیر محترم کے کام کا تعارف کرایا گیا اور ان سے خطاب کی درخواست کی گئی۔

امیر محترم نے ڈیڑھ گھنٹہ پر پھیلی ہوئی اپنی تقریر میں نظام خلافت کے خدوخال تفصیل سے بیان کئے اور ملک کی زبوں حالی اور اسلام کی پامالی کا ذکر کرتے ہوئے امت مسلمہ کی بحالی کا نسخہ بیان فرمایا کہ اگر سنت نبوی کے مطابق انقلابی جدوجہد کی جائے اور خلافت راشدہ کی طرز پر نظام خلافت کا احیا کیا جائے تو اس صورت حال سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

جلسے کا اختتام دعائے خیر پر ہوا، جس کے بعد حاضرین کو تحریک خلافت کے مددمعاون بننے کے لئے تحریک کا "تعاون فارم" پر کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس دعوت پر ۱۰۴ فرزندان توحید نے لبیک کہی۔

بعد ازاں سوالات و جوابات کی نشست دفتر تنظیم اسلامی راولپنڈی میں ہوئی جو مغرب سے عشاء تک جاری رہی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام رفقاء کی مساعی کو شرف قبولیت بخشے جنہوں نے دامے، درمے، قدمے اور سخنے اس کار خیر میں حصہ لیا۔ آمین ثم آمین۔

❊ ❊ ❊ ❊

اجتماع خواتین

راقم نے راولپنڈی، اسلام آباد کے رفقاء سے عرض کیا تھا کہ وہ اپنی خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے اجتماعی پروگرام ترتیب دیا کریں۔ چنانچہ اسرہ صادق آباد میں اس کا آغاز پہلے ہی ہوچکا تھا۔ بعد میں راقم نے ایک خط کے ذریعہ ان تمام خواتین کو جو تنظیم میں شامل ہو چکی ہیں، درخواست کی تھی کہ اگر وہ چاہیں تو امیر محترم کی راولپنڈی آمد سے استفادہ کرسکتی ہیں، اور اس موقع پر امیر محترم کی اہلیہ محترمہ، جو کہ حلقہ خواتین کی ناظمہ بھی ہیں، کو بھی بلوایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ خواتین کا ایک اجتماع بیگم ظفرالامین صاحب کے گھر پر رکھ لیا گیا۔ راقم نے جب اس کے متعلق امیر محترم کو مطلع کیا تو انہوں نے فوراً فون کرکے اپنی اہلیہ کو اپنے بیٹے عاکف کے ہمراہ راولپنڈی بلوا لیا۔ اس طرح تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی ناظمہ بھی پنڈی کی خواتین کے درمیان پہنچ گئیں۔

(مرتب: شمس الحق اعوان)

❊ ❊ ❊ ❊

ضرورت رشتہ

"مرے حلقہ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں"

تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام
ابو ظہبی میں دو روزہ تربیت گاہ

(منعقدہ ۱۱ تا ۱۳ ستمبر ۹۱ء)

دو روزہ تربیت گاہ کی رپورٹ جو ۱۱ ستمبر تا ۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء ابو ظہبی مرکز نمبر ۱ میں منعقد ہوئی۔ کام کسی بھی نوعیت کا ہو تربیت کے بغیر انجام نہیں پاتا۔ البتہ انقلابی عمل کے لئے تربیت ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اگلے مراحل میں کامیابی کا انحصار اسی پر ہوتا ہے۔ خصوصاً اسلامی انقلاب کے لئے اس کی ضرورت لازمی ہو جاتی ہے۔ عام انقلابی نظریات کے برعکس اسلامی انقلاب کے لئے روحانیت اور اخلاقیات کو اساسی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے انقلاب کے کارکنوں کے لئے اخلاقی و روحانی تربیت اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کارکنوں میں پیش نظر انقلابی نظریہ کی توسیع اور مشن کی تکمیل کے لئے حرکت کا جذبہ پیدا کیا جانا اور انہیں نظم کی پابندی کا خوگر بنایا جانا بھی اس تربیت کا لازمی تقاضا ہے۔ تربیت کے سانچے سے گزر کر کارکنوں کی مختلف صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں اور اگلے مراحل کے لئے منصوبہ بندی اور پیش رفت کا انحصار کارکنوں کی انہی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔

تربیت کی اسی اہمیت کے پیش نظر یہاں کی تنظیم نے ہر ماہ دو دو دن کی دو تربیت گاہیں منعقد کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اسی سلسلے کی ماہ ستمبر کی پہلی تربیت گاہ ۱۱ ستمبر بعد نماز عصر شروع ہو کر ۱۳ ستمبر ۱۱ بجے دن تک جاری رہی راقم کو یہ تربیت گاہ منعقد کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جس کی روداد کچھ اس طرح سے ہے۔۔

تربیت گاہ کے پہلے دن بعد نماز عصر منتخب نصاب نمبر ۲ کی ویڈیو کیسٹ جس کا عنوان نظم جماعت اور بیعت کی اہمیت تھا دیکھی گئی۔ اس پروگرام میں ۱۲ رفقاء نے شرکت کی۔ یہ پروگرام نماز مغرب تک جاری رہا۔ بعد نماز مغرب راقم نے ایمان بالا خرۃ پر درس دیا۔ درس کے بعد فاروق احمد صاحب نے رنج و غم کے آداب پر اظہار خیال کیا۔ تقریباً ۲۰ رفقاء اس پروگرام میں شامل تھے۔ بعد نماز عشاء ۹ بجے آخری نشست تھی اس کے مقرر جناب محمد ارزم بھٹی تھے اور ان کا موضوع "تقرب الٰہی بذریعہ فرائض و نوافل" تھا۔ ان کو پون گھنٹہ وقت دیا گیا تھا۔ لیکن اتنے قلیل وقت میں وہ صرف تمہیدی باتیں ہی کر سکے اصل موضوع کی طرف وہ آ ہی نہ سکے۔ امید ہے کہ آئندہ کسی

محفل میں وہ ان شاء اللہ اپنی بات کو تکمیل تک پہنچائیں گے۔ ان کے خطاب کے اختتام پر اس دن کی کارروائی ختم ہوئی۔

۲ ستمبر بعد نماز فجر سورۂ حم سجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۵ کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا جو نماز اشراق تک جاری رہا۔ ۴۱ رفقاء پروگرام میں شریک تھے بعد ازاں ۸.۴۵ تک وقفہ کیا گیا۔ وقفے کے بعد تنظیم اسلامی کی دعوت کے عنوان سے ویڈیو کیسٹ دیکھی گئی۔ اس میں رفقاء کی تعداد ۸ تھی۔ ۱۱ بجے جناب محمد منیر احمد نے "منہج انقلاب نبوی" کے موضوع پر خطاب کیا جو کہ کافی مدلل اور مربوط تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور بولنے کی دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اگر ان کو ذمہ داری سونپی جائے تو ان کی صلاحیتیں اور نکھر کر سامنے آئیں گی۔ اس کے بعد نماز ظہر اور کھانے کا وقفہ کیا گیا۔

بعد نماز عصر قرآن اور حدیث کی روشنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے باہم مذاکرہ ہوا۔ وقت کی کمی کے باعث اس کا صحیح حق ادا نہ ہو سکا۔ رفقاء کی تعداد ۲۰ تھی نماز مغرب کے بعد جناب محمد حسن انجم صاحب کا درس "سورۃ الحجرات کی روشنی میں مجلسی برائیاں" کے موضوع پر تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کا ایک منفرد ملکہ عطا کیا ہوا ہے۔ سامعین کو اپنی طرف متوجہ رکھنا ان کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ان کے بعد جناب اشرف ابو فاروق نے گفتگو کے آداب پر اظہار خیال کیا۔

نماز عشاء کے بعد سیرت صحابہؓ کے سلسلے میں مصعب بن عمیرؓ کی سیرت پر شریف اللہ صاحب نے نہایت جامع انداز میں تسلسل اور روانی کے ساتھ اظہار خیال کیا اور اپنے موضوع کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ان کو آئندہ کی تربیت گاہوں میں سیرت صحابہؓ پر مختلف صحابہؓ کی زندگی کے حالات بیان کرنے کا موقعہ ضرور ملنا چاہیے۔ ان کے بعد جناب سعید احمد صاحب نے نماز تہجد کی فضیلت پر مختصر خطاب کیا اور یوں یہ مجلس ختم ہوئی۔

۳ ستمبر کو نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سورۃ الصف رکوع کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا جس میں ۲۰ رفقاء نے شمولیت کی۔ نماز اشراق اور ناشتہ وغیرہ کے لئے وقفہ کیا گیا۔ آٹھ بج کر پینتالیس منٹ پر اس تربیت گاہ کا آخری پروگرام شروع کیا گیا۔ جناب آصف علی رضوی صاحب نے "فرائض دینی کا جامع تصور" پر خطاب کیا۔ ان کے بعد جناب شیخ فہیم صاحب نے "نبی اکرمؐ داعی انقلاب" کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ پونے گیارہ بجے اس تربیت گاہ کا اختتام ہوا۔

دو روزہ تربیت گاہ منعقدہ ۲۵ تا ۲۷ ستمبر ۹۱ء

اللہ کے فضل و کرم سے دو روزہ تربیتی پروگرام کا آغاز بوقت ۵.۰۰ بجے بعد نماز عصر تاریخ ۲۵-۹-۹۱ کو مرکز خدام القرآن حلقہ نمبر (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔ ابتدائی پروگرام بعنوان "

بت گاہ کی ہدایت " خلیل الرحمٰن کیانی ناظم تربیت گاہ کا تھا۔ یہ پروگرام تقریباً ۱۰ منٹ کا تھا۔ اس بعد ۵ منٹ چائے کے لئے وقفہ کیا گیا۔ ۵-۱۵ شرکتہ المجمی کے روانگی تھی جو رفقاء اس سفر میں یک تھے ' ان کے اسمائے گرامی ہیں (۱) عبدالعظیم (۲) عبدالقدیر بٹ (۳) انور عباسی (۴) شیخ لی (۵) شریف اللہ (۶) محمد ادریس (۷) اللہ بخش (۸) حبیب خان (۹) مشتاق بیگ (۱۰) امجد علی مسجد میں پہنچنے کے بعد مزید دو رفقاء پروگرام میں شامل ہو گئے۔ ان رفقاء کے نام یہ تھے (۱) حیدر ن (۲) موسیٰ جان تقریباً ۵.۴۵ بجے ۱۵ منٹ خلیل الرحمٰن کیانی کا مسجد کے آداب کے بارے میں رام تھا۔ اس پروگرام کے بعد وضو کا وقفہ تھا۔ نماز مغرب کے بعد شریف اللہ کا خطاب تھا جس نوان تھا " سیرت حضرت مصعب بن عمیرؓ " ماشاءاللہ ہمارے رفیق نے بہت محنت کی تھی اور کافی ژ کن بیان تھا۔ ۳۰ منٹ کے پروگرام کے بعد وقفہ برائے کھانا تھا۔ پھر عشاء کے فوراً بعد القدیر بٹ کا خطاب تھا۔ اس کا عنوان تھا " نیکی کا حقیقی تصور " ان کا پروگرام بھی کافی بہتر تھا اس کا آخری بیان مشتاق بیگ کا تھا جس کا عنوان " شہید کی اہمیت اور فضیلت " تھا مشتاق بیگ نے اپنے بیان کے لئے کافی محنت کی تھی۔ مغرب کے بعد ہمارے رفقاء کے علاوہ تقریباً ۱۰ مقامی رات موجود تھے۔ اس دن نماز مغرب اور نماز عشاء کے بعد مقامی حضرات کو مشتاق بیگ نے دو زہ پروگرام میں خدام القرآن کی طرف سے باضابطہ شرکت کی دعوت دی۔ تقریباً رات ۱۰ بجے دن کے پروگرام کا اختتام ہوا۔

۹۹-۹-۲۶ کو تربیت گاہ میں شامل بیشتر رفقاء نے ڈیوٹی پر جانا تھا اس لئے ۲۵/۹ کو فیصلہ کیا گیا کہ ت کا قیام واپس مرکز خدام القرآن میں ہو گا تہجد کی نماز کی ادائیگی کے بعد نماز فجر کی ادا کی گئی۔ فجر بعد سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۲۹ کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ جو خطاب نماز اشراق تک جاری رہا۔

اس کے بعد وقفہ برائے کھانا اور آرام تھا کیونکہ عصر کی نماز سب رفقاء کو مسجد المجمی میں ادا کرنا ی۔ اس لئے سب رفقاء جو دو روزہ تربیت گاہ میں شامل تھے واپس مسجد میں پہنچ گئے۔ نماز عصر کے امجد علی منیر کا پروگرام تھا جس کا عنوان " عہد نامہ رفاقت " تھا ان صاحب نے یہ پروگرام اچھے یقے سے پیش کیا اور اپنے رفقاء کو اس عہد کا احساس دلایا کہ جو انہوں نے تنظیم اسلامی کے امیر ب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ کر رکھا ہے۔

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد ایک پروگرام " قرب الٰہی بذریعہ فرائض و نوافل " تھا اور مقرر رے ایک نئے رفیق اللہ بخش تھے۔ یہ ان کا پہلا پروگرام تھا۔ مگر انہوں نے اپنے عنوان کے تھ صحیح انصاف کیا۔ اور ٹھوس دلائل کے ساتھ بات کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ اس پروگرام ں شرکت کی باضابطہ دعوت حسن انجم نے نماز کے فوراً بعد کھڑے ہو کر دی۔ اس پروگرام کے بعد مانے کا وقفہ تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد پہلا پروگرام حسن انجم کا تھا


نزلہ کُشتن روزِ اوّل
گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو سمجھ لیجیے کہ نزلہ زکام کی آمد آمد ہے۔ اسے معمولی بیماری سمجھ کر نظرانداز نہ کیجیے۔ فوری جوشینا لیجیے ورنہ زکام، کھانسی اور بخار جیسے تکلیف دہ امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔
جوشینا۔ صدیوں سے استعمال ہونے والے جوشاندے کے نہایت مؤثر، کافی و شافی قدرتی اجزا کا
خُلاصہ (ایکسٹریکٹ) ہے جو ہمدرد کے ماہرینِ فن نے سال ہا سال کے تجربات و تحقیق کے بعد جدید دور کے مصروف انسان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اسے جوشاندے کو ابالنے چھاننے اور شکر ملانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ ایک پیکٹ جوشینا ایک کپ گرم پانی میں ڈالیے فوری استعمال کے لیے جوشاندے کی ایک خوراک تیار ہے۔
ہمدرد کی فنی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا مظہر
جوشینا
جوشاندے کی مکمل توانائی
نزلہ و زکام ۔ جوشینا سے آرام
ہمدرد
جوشینا دو پیکنگوں میں دستیاب ہے
خوب صورت پلاسٹک مگ میں اور گتّے کے کارٹن میں۔
جوشینا
عفو و درگذ
بہترین انتق
ہے
Adarts-JOS-1/89

اشاریۂ میثاق

(جلد ۳۷ تا ۴۰)

جنوری ۱۹۸۸ء سے دسمبر ۱۹۹۱ء تک شائع شدہ مضامین کی مکمل فہرست

مرتب: حافظ خالد محمود خضر

قرآنیات

اسرار احمد، ڈاکٹر

الہدیٰ (منتخب نصاب کے سلسلہ وار دروس)

مباحث عمل صالح

مباحث جہاد فی سبیل اللہ

اسوہ و سیرت

اسرار احمد، ڈاکٹر

سیرت و سوانح صحابہؓ

اسرار احمد، ڈاکٹر

طالب ہاشمی

عقائد

خضر، خالد محمود (مترجم)

فقہ اور فقہی مسائل

نورانی، شبیر احمد

حقیقت و حکمت دین

اسرار احمد، ڈاکٹر

تنظیم حسین (مرسل)

شبیر بن نور

زیر طبع کتاب "کبائر" کا قسط وار سلسلہ:

فاروقی، مختار حسین

مارہروی، احمد الدین

ندوی، علامہ سید سلیمان

نعمانی، مولانا منظور احمد

دعوت و تحریک

ملکی، ملی و سیاسی مسائل

ملکی و بیرون ملکی حالات کا جائزہ اور بھارت		
کی ثقافتی یلغار کے سدباب کا قرآنی طریق	اپریل۸۹ء	ص ۳۱
تین خطابات جمعہ کی تلخیص :		
☆۔ عالمی امت مسلمہ بالخصوص مسلمانان پاکستان کے		
زوال و اضمحلال کے اسباب	جون ۸۹ء	ص ۹
☆۔ مذہبی عناصر: انتخابی سیاست میں ناکام ' احتجاجی	جون ۸۹ء	ص ۲۸
و مظاہراتی سیاست میں کامیاب		
☆۔ دینی عناصر کے لئے قرآن کا سہ نکاتی پروگرام		
اور چند عملی مشورے	جون۸۹ء	ص ۳۹
پاکستان کے مخصوص سیاسی حالات میں مرکزی		
علماء کونسل اور متحدہ حزب اختلاف کا کردار	جولائی ۸۹ء	ص ۷
مجاہدین افغانستان کی عبوری حکومت کو بلا تاخیر تسلیم کیا جائے	اگست۸۹ء	ص ۷
اخبارات میں فحاشی کے خلاف پریس کانفرنس---		
اور خطابات جمعہ کے پریس ریلز	اگست ۸۹ء	ص ۱۵
جمہوریت کی تائید اور اسلامی انقلاب کی		
جدوجہد ہمارا لائحہ عمل ہے	ستمبر۸۹ء	ص ۷
مغرب کے بدلتے ہوئے حالات اور مسلمانوں		
کے لئے لائحہ عمل	اکتوبر۸۹ء	ص ۵
امت مسلمہ کے عروج وزوال کے دو دور اور موجودہ		
احیائی مساعی کا اجمالی جائزہ(خصوصی اشاعت)	نومبر۸۹ء	ص ۱۷
امت مسلمہ کا مستقبل	دسمبر۸۹ء	ص ۷
ملکی سیاسی صورت حال کے چند خوش آئند پہلو۔۔ اور		
قومی اتحاد ویگانگت کی واحد مثبت اساس : قرآن حکیم	مئی ۹۰ء	ص ۷
پاکستان کا مستقبل ---- روشن یا تاریک؟	جولائی ۹۰ء	ص ۱۷

فأین تذہبون؟

پرائیویٹ شریعت بل ۸۵ء سے نفاذ شریعت ایکٹ ۹۰ء تک	اگست ۹۰ء	ص ۹
اجتماعی توبہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کی ممکنہ عملی صورت	اگست ۹۰ء	ص ۲۳
موجودہ سیاسی صورت حال اور ہمارا موقف (خطابات جمعہ کے پریس ریلیز)	اگست ۹۰ء	ص ۸۴
عالمی افق پر نئے بدلتے حالات.....	ستمبر ۹۰ء	ص ۷
ملکی، ملی و سیاسی مسائل پر خطابات جمعہ کے پریس ریلیز	نومبر ۹۰ء	ص ۶۴
ملکی ملی و سیاسی مسائل پر خطابات جمعہ کے پریس ریلیز	دسمبر ۹۰ء	ص ۷۶
"اسلامی جمہوری اتحاد" کی نو تشکیل شدہ حکومت کی اولین ذمہ داریاں ---- فکر اقبال کی روشنی میں	جنوری ۹۱ء	ص ۷
۲۸۔ دسمبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز	جنوری ۹۱ء	ص ۷۷
ملی مسائل کے بارے میں خطابات جمعہ کے پریس ریلیز	مارچ ۹۱ء	ص ۸۱
پاکستان میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا قیام اور موجودہ مجوزہ سرکاری شریعت بل	مئی ۹۱ء	ص ۷
حالات حاضرہ، بالخصوص سرکاری شریعت بل کے بارے میں تنظیم اسلامی کا موقف	جون ۹۱ء	ص ۷
حالات حاضرہ: امیر تنظیم اسلامی کی نظر میں	جولائی ۹۱ء	ص ۷
پاک بھارت تعلقات اور بھارتی مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل	اگست ۹۱ء	ص ۷
جمہوریت نہیں، خلافت!	اگست ۹۱ء	ص ۱۳
دفاع پاکستان کے تقاضے	ستمبر ۹۱ء	ص ۵
بھارت اور پاکستان کے مسلمانوں کی مشترکہ غلطی	اکتوبر ۹۱ء	ص ۷
احیائے خلافت کے لئے عوامی انقلابی تحریک کی ضرورت	اکتوبر ۹۱ء	ص ۱۰
ملکی و ملی مسائل کے بارے میں خطابات جمعہ اور اخباری بیانات کے پریس ریلیز	نومبر ۹۱ء	ص ۵

فرائض دینی ، اسلامی انقلاب اور نظام خلافت

اسلامی نظام حیات

توضیحات و تنقیحات

دینی شخصیات

یادِ رفتگاں

افکار و آراء (مراسلات وغیرہ)

مشاہدات و تاثرات

رفتار کار و تنظیمی سرگرمیاں

امیر تنظیم اسلامی کے دعوتی و تربیتی دورے

عمومی رپورٹیں (دعوتی و تنظیمی اجتماعات اور جلسہ ہائے عام وغیرہ)

پالیسی اور نظام العمل

متفرقات

عرض احوال

" عرض احوال " کے مستقل عنوان سے ادارتی مضامین ۱۹۸۹ء کے اوائل تک اقتدار احمد صاحب اور اس کے بعد سے حافظ عاکف سعید صاحب تحریر کرتے ہیں ۔

قرآن اکیڈمی لاہور میں

خواتین کی سہ روزہ تربیت گاہ

مرتبہ : امت الہادی

ماہ جون میں خواتین کے سالانہ اجلاس عام کے بعد دوسرا اہم پروگرام جو حلقہ خواتین تنظیم اسلامی لاہور کی جانب سے ہوا' وہ ۲۸ تا ۳۰ اکتوبر قرآن اکیڈمی میں منعقد ہونے والا سہ روزہ تربیتی پروگرام تھا۔ اس پروگرام میں خواتین کی رہائش کا انتظام نہیں تھا۔ کیونکہ یہ اصلاً لاہور میں مقیم خواتین کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔ تینوں دن اس پروگرام کا انعقاد روزانہ صبح ۱۰ تا دوپہر ایک بجے تک رہا۔

پہلی نشست کے آغاز میں محترمہ ناظمہ صاحبہ نے ان خواتین کو جو اس پروگرام میں تشریف لائی تھیں' خوش آمدید کہا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے اس سہ روزہ پروگرام کا مقصد خواتین کو دین کے ان احکامات اور اہم مسائل سے آگاہ کرنا ہے جو ہمارے لئے فرائض کا درجہ رکھتے ہیں اور جن کی طرف ہماری توجہ بالعموم بہت کم ہے۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں قرآن پاک کی اس آیت کا بالخصوص حوالہ دیا کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" کہ " میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی بندگی کے لئے "۔ اور اللہ کی اصل بندگی یہ ہے کہ پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلا جائے اور اسی کے احکامات کی اطاعت کی جائے۔ محترمہ ناظمہ صاحبہ نے اس حدیث کے حوالے سے خواتین کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی کہ:-

" ما اجتمع قوم فی بیتٍ من بیوتِ اللّٰہ یتلون کِتٰبَ اللّٰہ و یتدارسونہ' بینھم الاّ نزلت علیھم السکینۃ و حفتھم الملٰئکۃُ و غشیتھم الرحمۃُ و ذکر ھم اللہ فی من عندہ "

"جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن حکیم کے درس و تدریس کے لئے جمع ہوتے ہیں تو (اللہ کی جانب سے) ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے ' فرشتے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں ' اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ ان کا ذکر اپنے مقربین (کی محفل) میں کرتا ہے۔ "

انہوں نے کہا کہ اگرچہ خواتین کے لئے اپنے گھروں سے وقت نکال کر اجتماعات میں آنا

مشکل ہوتا ہے مگر اس حدیث کی رو سے ہمارے لئے یہ بات نہایت خوش کن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس مجلس پر بہت زیادہ ہوتی ہیں جس میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ناظمہ صاحبہ کے تمہیدی خطاب کے بعد تربیتی پروگرام کا آغاز ہوا۔ اور تین دن مندرجہ ذیل موضوعات پر نہایت مفید اور مؤثر خطابات ہوئے۔(۱) درس قرآن (۲)درس حدیث(۳)فقہ اسلامی (۴) آداب زندگی (۵) پردہ (۶) آخرت(۷) تجوید (۸) نماز (۹) بچوں کی صحیح تربیت

ان اجتماعات کے دوران ایک انتہائی مؤثر کام یہ ہوا کہ ہر درس اور تقریر سے قبل اس تقریر کے اہم پوائنٹس کی فوٹو کاپی تمام خواتین میں تقسیم کردی جاتی ' جس کا فائدہ یہ ہوا کہ نہ صرف خواتین پوری طرح متوجہ رہتیں بلکہ وہ اس فوٹو کاپی کی مدد سے ان تمام باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتیں جو مقررہ ان کے سامنے بیان کرتی۔ یہ تمام فوٹو کا پیاں خواتین کو بطور ہدیہ دے دی گئیں تاکہ وہ بعد میں بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

آخری دن امیر محترم نے خطاب فرمایا۔ اور تمام خواتین کو نہ صرف اپنی بہترین دعاؤں سے نوازا بلکہ حدیث کی شکل میں ایک نہایت خوبصورت ہدیہ بھی عنایت فرمایا:۔

"لن تزولا قدما ابن ادم حتی یسئل عن خمس عن عمرہ فیما افناہ و عن شبابہ فیما ابلاہ وعن مالہ من این اکتسبہ و فیما انفقہ و عن ما عمل فیما علم۔"

"قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے (۱) عمر کن کاموں میں کھپائی ؟ (۲) جوانی کی توانائیاں کہاں صرف کیں؟(۳) مال کہاں سے کمایا ؟(۴) اور کہاں خرچ کیا ؟(۵) جو علم حاصل کیا اس پر خود کہاں تک عمل کیا ؟"

امیر تنظیم نے فرمایا کہ حدیث کے آخری حصے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تین دنوں کے دوران آپ سب کی مسئولیت میں اضافہ ہوگیا ہے کہ یہاں سے جو کچھ سیکھا ہے اس پر عمل کرنا اب ضروری ہوگیا۔ قیامت کے دن اس بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مزید عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

انہوں نے خواتین کے لئے فرائض دینی کے تین لیولز بتائے۔ (۱) سب سے پہلے تو خود اللہ کی بندی بنیں ' یعنی اسلام کو اپنا کر صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اور اس کا تقویٰ اختیار کریں۔ (۲) اس کے بعد تبلیغ ' نصیحت ' دینی تعلیم اور تدریس وغیرہ کی طرف توجہ دیں۔ (۳) اور پھر انقلابی جدوجہد کے لئے اپنے محرم مردوں کو احساس دلائیں۔ اپنے شوہروں

بھائیوں اور بیٹوں کو غلبہ و اقامت دین کے لئے عملی جدوجہد پر آمادہ کریں۔ اگر وہ پہلے سے خدمت دین کے کاموں میں مصروف ہیں تو ان کے ساتھ تعاون کریں۔ ان پر سے اپنی ذمہ داریاں کم کر کے انہیں دینی کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ فارغ کریں۔ امیر محترم نے اپنے خطاب میں یہ بھی واضح کیا کہ اصل فساد دنیا میں ایمان کے فقدان کا ہے۔ اگر انسان کے اندر حقیقی ایمان ہو تو وہ بہت سی برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ایمان کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم کو سمجھنا اور سمجھنے کے لئے عربی زبان کا سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اہل ایمان کی صحبت بھی حصول ایمان کا بہت موثر ذریعہ ہے۔امیر محترم کی تقریر کے دوران تمام خواتین میں بیعت فارم تقسیم کروئیے گئے۔ بیعت فارم کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:۔

" خواتین کی بیعت کے یہ الفاظ دراصل قرآن حکیم میں سورۃ الممتحنہ میں آئے ہیں۔ آنحضرتؐ کو حکم ہوا تھا کہ ان احکام پر خواتین سے بیعت لیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۲)

"اے نبی، جب آپ کے پاس مومن خواتین آئیں آپ سے بیعت کرنے کے لئے اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور وہ کوئی ایسا بہتان نہیں باندھیں گی جسے گھڑا ہو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بیچ سے، اور یہ کہ وہ آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی معروف میں، تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے حق میں اللہ سے استغفار کیا کریں، بے شک اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔"

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے امیر محترم نے درج ذیل نکات پر خصوصی زور دیا:۔

۱) **شرک سے اجتناب:** شرک کی دو اقسام ہیں (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی ــــــ

شرک جلی سے مراد ہے کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا، اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا، قبروں پر جا کر منتیں ماننا اور شرک خفی میں ریا کاری، مادہ پرستی وغیرہ شامل ہیں۔ مزید برآں انسانی حاکمیت کا تصور بھی شرک ہی کی ایک شکل ہے۔ ریا کاری میں وہ تمام نیکی کے کام بھی آجاتے ہیں جو ہم لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھتے ہوئے ہم اس

خیال سے اپنا سجدہ یا پوری نماز تھوڑی سی طویل کردیں گے کہ کوئی شخص ہمیں دیکھ رہا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ بھی شرک جلی میں شامل ہے۔ فرمایا:

"من صلیٰ یُرائی فقد اشرک و من صام یُرائی فقد اشرک و من تصدّق یرائی فقد اشرک" "جس کسی نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس کسی نے دکھانے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس کسی نے دکھاوے کے لئے صدقہ دیا اس نے شرک کا ارتکاب کیا"۔

ایمان شرک کی ضد ہے۔ لہٰذا ایمان جتنا گہرا ہو گا شرک اتنا ہی اندر سے نکلتا جائیگا۔

۲) **چوری سے گریز:** شوہر کے علم کے بغیر اس کا مال نکالنا صرف ضرورت کی حد تک جائز ہے' اس سے زائد نہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور قسم کی چوری بھی جائز نہیں۔

۳) **زنا سے اجتناب:** اس میں ہاتھ' زبان' آنکھ' کان سب کا زنا شامل ہے۔ ہر قسم کے زنا سے بچنا لازم ہے۔ زنا کے سدباب کے لئے پردہ نہایت ضروری ہے اگر ایک عورت بغیر پردے کے باہر نکلتی ہے تو چاہے وہ خود کسی غیر محرم مرد کو نہیں دیکھتی مگر اپنا آپ دوسروں کو دکھا رہی ہے' لہٰذا وہ گنہگار ہوگی۔ ایک مسلمان عورت کے لئے تو یہاں تک حکم ہے کہ اگر اسے کسی نا محرم مرد سے بات کرنا ہو تو چاہیے کہ کرخت آواز میں بات کرے' اپنی آواز میں نرمی یا لوچ نہ رکھے تاکہ کسی کے دل میں کوئی برا خیال جنم نہ لے سکے۔

۴) **قتل اولاد کی ممانعت:** اسقاط حمل تو قطعی ناجائز ہے' آنحضرتؐ نے کراہت کے ساتھ صرف منع حمل تک کی اجازت فرمائی ہے۔

۵) **بہتان طرازی سے پرہیز:** اس آیت میں جس بہتان طرازی سے روکا گیا ہے اس میں بالخصوص زیادہ تر سیکس سکینڈل شامل ہیں۔ یعنی اگر کسی عورت نے بدکاری کی ہو اور اس کے نتیجے میں ہونے والے بچے کو وہ اپنے شوہر سے منسوب کرے یا کسی اور کے بارے میں اس قسم کا الزام لگائے تو یہ قطعاً ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کی بہتان طرازی سے انسان کو بچتے رہنا چاہیے۔

۶) **کسی بھلے کام میں نافرمانی سے بچنا:** یعنی شریعت کی حدود کے اندر اندر امیر جو بھی حکم دے اسے ماننا لازم ہوگا۔ بالفرض اگر وہ کوئی ایسا حکم دے جو شریعت کے کسی حکم کے مخالف ہو تو اس معاملے میں امیر کی اطاعت نہیں ہوگی۔

یہ ہیں وہ تمام امور جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے بیعت لی تھی۔
اس کے بعد امیر محترم نے تنظیم اسلامی کی کارکن خواتین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اب ان کے لئے لازم ہے کہ وہ خواتین کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کریں، جس میں ان کے لئے دینی کام کرنے کا طریقہ تفصیل سے بتایا جائے۔ .... امیر محترم کے خطاب کے بعد بحمد اللہ تربیتی پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔
پروگرام اللہ کے فضل و کرم سے نہایت کامیاب رہا۔ پہلے دو روز خواتین کی حاضری تقریباً ۱۰۰ رہی، مگر آخری دن حاضری ۱۰۰ سے بھی تجاوز کر گئی .... قرآن اکیڈمی کے منتظمین نے خواتین کے اجتماعات کے انتظام میں بہت تعاون کیا۔ اور نہ صرف لاؤڈ سپیکر کا بہترین بندوبست کیا، بلکہ خواتین ہال میں انٹر کام اور ٹیلی فون جیسی سہولیات بھی مہیا کیں۔
اس سہ روزہ پروگرام میں ڈسپلن قابل دید تھا۔ اجتماعات کے دوران نہایت خاموشی رہی بچوں کا شور بھی زیادہ سننے میں نہیں آیا جس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے ہی اس سلسلے میں مناسب تدابیر اختیار کر لی گئی تھیں، تاکہ جو خواتین شوق سے سننے کے لئے آئی ہیں وہ یکسوئی کے ساتھ سن سکیں۔ پروگرام کا ٹائم صبح دس بجے سے دوپہر ایک بجے تک رکھنے میں بھی اس حکمت کو ملحوظ نظر رکھا گیا کہ یہ بچوں کے سکول کا ٹائم ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ خواتین اجتماع میں شرکت کرنے کے بعد گھروں کے کام بھی روز مرہ کے معمولات کے مطابق کر سکیں۔
اجتماع کے دوران مسلسل تین دن خواتین ہال کے ایک طرف امیر محترم کے دروس و خطابات کے کیسٹس اور انجمن و تنظیم کی کتب کا سٹال بھی لگایا گیا۔ اجتماع سے قبل تقریباً ۲۰ خواتین کی ڈیوٹیاں مختلف کاموں پر لگائی گئیں۔ مثلاً خواتین کو بٹھانا، انہیں پانی پلانا، ان میں فوٹو کاپیاں تقسیم کرنا، چھوٹے بچوں کو سنبھالنا، سٹال پر ڈیوٹی دینا وغیرہ۔ الحمدللہ تمام خواتین نے بہت احسن طریقے سے اپنی ان ذمہ داریوں کو نبھایا --- پروگرام کے دوران خواتین کو نہایت ڈسپلن کے ساتھ چائے بھی پیش کی جاتی رہی۔
پروگرام کے دوران خواتین کا ذوق و شوق دیدنی تھا۔ انہوں نے بحیثیت مجموعی پروگرام کو بہت پسند کیا۔ اکثر خواتین نے اصرار کیا کہ اس قسم کے پروگرام وقتاً فوقتاً ہوتے رہنے چاہئیں۔ فقہ اسلامی اور آداب زندگی ایسے موضوعات پہلی بار ہمارے پروگرام میں شامل ہوئے جن سے خواتین نے بہت استفادہ کیا۔ ارادہ ہے کہ آئندہ بھی ان شاء اللہ ہر چھ ماہ

بعد اس طرح کے پروگرام منعقد کیے جاتے رہیں گے ۔ اسی قسم کا چودہ روزہ تربیتی پروگرام کراچی میں بھی ہوچکا ہے جو تنظیم اسلامی کی چند فعال خواتین نے کراچی کی قرآن اکیڈمی میں منعقد کیا ۔ اللہ کے فضل سے وہ بھی نہایت کامیاب رہا۔ وہاں کی خواتین کا بھی اصرار ہے کہ ایسا پروگرام دوبارہ ترتیب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام خواتین کو اور بالخصوص ان کارکن خواتین کو جو دین کے کاموں میں مصروف ہیں مزید ہمت دے اور دین و دنیا کی بھلائیاں اور کامیابیاں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

دسمبر ۱۹۹۱ء کے دوران پاکستان کے مختلف شہروں میں

امیر تنظیم اسلامی اور
داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطابات عام اور تحریک خلافت کے جلسوں کے پروگرام

(ان شاء اللہ)

☆ ۱۰ تا ۱۳ دسمبر — کراچی

برائے رابطہ: دفتر تنظیم اسلامی، ۱۱ داؤد منزل، شاہراہ لیاقت، فون ۲۱۶۸۵۶

☆ ۱۶ دسمبر — ڈیرہ اسماعیل خان

رابطہ: جناب محمد صادق، فون ۳۳۸۴ (پی پی)

☆ ۱۷ دسمبر — بنوں

رابطہ: جناب حمید الدین، فون ۲۶۸۲

☆ ۱۸ دسمبر — کوہاٹ

رابطہ: جناب الطاف احمد پراچہ، ہمدم اسٹیشنری، کوہاٹ کینٹ

☆ ۲۰ دسمبر — پشاور

رابطہ: دفتر تنظیم اسلامی پشاور، فون ۲۱۴۷۳۴

☆ ۲۵ دسمبر — گجرات

رابطہ: دفتر تنظیم اسلامی گجرات فون ۳۰۵۸

----------مزید برآں----------

معاونین تحریک خلافت کے خصوصی اجتماعات

حسب ذیل پروگرام کے مطابق ہوں گے، جن میں

ناظم تحریک خلافت، محترم عبدالرزاق صاحب شرکت کریں گے

☆ لاہور — ۹ دسمبر بروز سوموار — بمقام دفتر تنظیم اسلامی فون ۳۱۱۶۶۸

☆ ملتان — ۱۱ دسمبر بروز بدھ — بمقام دفتر تنظیم اسلامی ملتان، فون ۳۰۴۵۱

☆ راولپنڈی — ۲۱ دسمبر بروز ہفتہ — بمقام دفتر تنظیم اسلامی، ۴۴ ہر بی حسنین مارکیٹ بالمقابل جنرل ہسپتال - مری روڈ فون ۸۴۳۷۳۶

☆ گوجرانوالہ — ۲۲ دسمبر بروز اتوار — بمقام جامع مسجد جواہر القرآن جی ٹی روڈ فون ۸۰۱

MONTHLY
Meesaq
56-K, Model Town, Lahore - Pakistan.

Vol. 40 No. 12
DEC. 1991